

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عَلَامَةُ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ أَبِي حَسْبٍ

الْحَسَنِيَّاتُ فِي سِيرَةِ الْأَمِينِ الْمَعْمُورِ

أُمِّ السَّيْرِ

مَعَ إِضَافَاتٍ

سِيرَةُ حَلِيقَةِ الْأَرْوَاحِ

مُتَرَبِّعٌ وَمُتَرَجِّمٌ وَأَرْوُؤٌ ۝ مَوْلَا مُحَمَّدٍ قَاسِمٍ قَاسِمٍ

زَيْنِ سَكْرَتِ سَيِّدِي ۝ كَيْلَانِ سَكْرَتِ سَيِّدِي

بَابُ الْأَعْيُنِ

أَرْوُؤُ بَارِزٍ ۝ اِيْم اے رَجَا رَوُّ ۝ کراچی پاکستان فون: 2631861

سیرۃ النبی ﷺ کی نہایت مفصل و مستند تصنیف
علامہ علی ابن ربہان الدین حلبی کی مابہ ناز عسکری
تصنیف کا اردو ترجمہ

سبیل سیکرہ حیدرہ الطیف آباد

الحمد لله

سیرۃ حلبیہ

اردو
ترجمہ
مع اضافات



مرتب و مترجم اردو ○ مولانا محمد اسلم قاسمی فاضل
دیوبند
زیر سرپرستی ○ حکیم الاسلام لاہوری محمد طیب

دارالافتاء

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون 2631861

جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

کاپی رائٹن رجسٹریشن نمبر 8140

باہتمام : ذلیل اشرف عثمانی
طباعت : مئی ۱۹۹۰ء علی کراچی
نخاست : ۶۶۴ صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حق الوبع کوشش کی جاتی ہے کہ ہر خطبہ رنگ معیاری والا اور عمدہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایکسٹنڈیو جوڑے ہیں۔ ہر خطبہ کوئی لٹریچر آئے گا آزاد کرم مطبع فرما کر بھیجیں تاکہ اس کتابت میں درست ہو سکے۔ آمین اللہ

..... ملنے کے پتے

ادارہ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت العلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۴ کراچی

کتب اسلامیا مین پور بازار فیصل آباد

مکتبہ المعارف قلعہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم ۲۰ تا بھدر دولاہور

یونیورسٹی بک اینڈ پبلیشنگ خیر بازار پشاور

کتب اسلامیا گامی اڈا۔ سیٹ آباد

کتاب خانہ شہید۔ مدینہ مارکیٹ دراجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park, London E12 5Qa
Tel : 020 8911 9797

امریکہ میں ملنے کے پتے

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A.

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6668 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

فہرست عنوانات سیرت طیبہ اردو جلد اول

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۶	قصی کا خسر	۲۷	عرض ناشر
۶	قصی اور انتظام بیت اللہ	۳۵	مقدمہ از حضرت حکیم الاسلام علامہ
۷	کے کی سرداری کیسے لی	۲۹	پیش لفظ
۵۷	مجمع لقب اور اس کی وجہ	۴۱	حالات علامہ طحی
۸	ایک درد مند دل	۴۲	آغاز کتب
۵۸	عریوں کا پاس وفا	۴۵	توضیح اصطلاحات و علامات
۹	بڑے عہد پر معمولی خدماتیں	۴۷	باب اول نسب شریف
۵۹	عرب و قاشای اور در بدر کسری	۶	عبداللہ محبوب ترین نام
۱۰	قصی اور بنو خزاعہ میں دشمنی	۷	عبدالطلب کا لقب، صفات و عمر
۶۰	حالی اور قصی کی سرداری	۸	حقوق مسائلی کی اہمیت
۱۱	اس سے پہلے جہم کی سرداری	۱۸	عبدالطلب نام کا سبب
۱۲	نئی جہم کی بد اعمالیاں	۱۹	شریفانہ اخلاق
۱۳	آسمانی آفت میں گرفت	۲۰	ترک بت پرستی و اقرار توحید
۱۴	جہم کا زوال اور خزاعہ کا عروج	۲۹	ہاشم کی بھائی سے خونریزی
۱۵	عمر کا نوحہ و زوال	۱	کاہن کی پیشین گوئی
۶۱	یہ نوحہ خاندان برانکہ کیلئے فکون بد	۵۰	ہاشم کے بھائی اور ان کے مقام و قات
۱۶	برانکہ کی جہلی اور یہ شعر	۱	لولین شید بٹانے والے
۱۷	اقوال زترین	۵۲	ہاشم کو منصب سقاہ و رقادہ
۶۲	خزاعہ کا ایک سردار ابن لہی	۱	شرید اور ہاشم نام
۱۸	دین ہار ایسی مثالے والا	۱	نیک قصی اور احترام زائرین
۱۹	مشرکانہ عقائد و رسوم کا باہلی	۵۲	یثرب میں شادی اور غزوہ میں وفات
۶۳	تلبیہ میں شرک کی الفاظ	۱	چچاکے ساتھ بچہ کی مکہ میں آمد
۲۰	عوام میں ابن لہی کی تقلید	۵۲	عبدالطلب یعنی حلد میں
۶۴	مردلو گوشت کھانے کا عزم	۱	ہاشم کی بیوی کا شرف
۲۱	جہنم میں ابن لہی کی حالت	۵۵	عبدالمناف کا جمال اور خوف خدا
۲۲	ہاشم کی ابن لہی سے مشابہت	۱	قصی نام کی وجہ
۲۳	ابن لہی بت پرستی کا باہلی	۱	اپنے قوم وطن کا انکشاف
۶۵	قال کے حیر	۵۶	کے میں آمد اور قریش کی سرداری

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۱	مناصب کی تقسیم پر صلح	۶۵	قال اور قرعہ اور قری
۷۰	حرم میں پانی کا انتظام	۶۴	جمل بیت
۶۹	عبد المطلب کی نانمال سے حدود خواہی	۶۳	ابن ابی کی طویل عمر
۶۸	نوفل کے خلاف بھانجے کی مدد	۶۲	جن کے ذریعہ پانچ مشہور بیت
۶۷	بنی ہاشم اور خزاعہ میں معاہدہ	۶۱	یہ بیت گزشتہ سالحین کی شکلوں میں
۶۶	تحریر معاہدہ	۶۰	انلیس بیت پرستی کا موجد
۶۵	سقاہ بنی عباس میں	۵۹	لولو آدم میں بیت پرستی
۶۴	رقادہ یا حجاج کی مسانداری	۵۸	ظہور نوح اور کوشش اصلاح
۶۳	یہ منصب بنی ہاشم میں	۵۷	دور نوح اور آغاز بیت پرستی
۶۲	قیادت بنی امیہ میں	۵۶	عرب میں بیت پرستی کا رواج
۶۱	دور الندوہ بعد اس کے ادب	۵۵	بیت پرستی کا سبب
۶۰	قصی کے بنائے ہوئے قوانین	۵۴	اسافہ و ناکہ کی اصلیت
۵۹	حکیم اور اس منصب کی فرد خنکی	۵۳	ابن ابی کی جدت
۵۸	انمول خرید و فروخت	۵۲	ابن ابی کے عقائد
۵۷	قصی اور شیعوں کی دلیل	۵۱	قصی کی اصلاحات
۵۶	کعب اور جمعہ کا دن	۵۰	حرم میں مکانات
۵۵	آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشین گوئیاں	۴۹	دور الندوہ کی تعمیر
۵۴	کعب اور آنحضرت ﷺ کے درمیان قاصد	۴۸	دور اسلام میں توسیحات حرم
۵۳	کعب کی نصیحتیں	۴۷	قریش میں عظمت بیت اللہ
۵۲	کعب کی موت سے سن و سہ ماہ	۴۶	شجر حرم کا نئے سے خوف
۵۱	فر قریش کا مورث اعلیٰ	۴۵	قریش بطن اور قریش خواہر
۵۰	فر کا کارنامہ اور عظمت	۴۴	موسم حج میں قصی کا خطاب
۴۹	فر کی قیمتی نصیحت	۴۳	حجاج کی ضیافت
۴۸	قبیلہ قریش کا بانی نصر	۴۲	قصی کے مشہور اقوال
۴۷	کنانہ ایک بلند مرتبہ انسان	۴۱	جملہ اعز نزد مناصب پر قبضہ
۴۶	نبی کے متعلق پیش گوئی	۴۰	قصی کے بیٹے عبداللہ اور عبد مناف
۴۵	کنانہ کا قول و زبانی	۳۹	تمام مناصب عبدالدار کو
۴۴	مذکرہ میں نور نبی کی جھلک	۳۸	عبد مناف مناصب چھیننے کے درپے
۴۳	کبیر قوم	۳۷	بنی عبدالدار کے خلاف حلف
۴۲	حکام ابراہیم و ریافت کرنے والا	۳۶	بنی عبدالدار کا حلف

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۷	گھوڑوں کی دعاء	۷۸	مضر الحراء لقب کی وجہ
۱	بحر ظلمات کے گھوڑے	۱	مضر در بیہ مومن تھے
۱	حضرت اسماعیل اور عربی کمان	۱	حدی خولانی کا موجد
۱	تیر اندازی کے لئے حکم نبوی	۷۹	عربی تحریر کا موجد نزار
۸۵	تیر انگلی حضور ﷺ کا محبوب خصل	۱	معلوم نسب نامے کی حد
۱	بہترین کھیل	۱	امامت عظمیٰ کی شرط
۱	تیر انگلی کی فضیلت	۱	معد اور حضرت ام میاء
۱	تیر انگلی کی تعلیم کا حکم	۱	بخت نصر سے معد کی حفاظت
۱	تیر انگلی بیت جہاں مستون	۸۰	ار میاء اور بیت المقدس کی آباد کاری
۸۶	آدم کی قوس عربی اور جبرئیل	۱	معد و عدنان کا دور
۱	حضرت ابراہیم کی کمان	۸۱	ابراہیم اور اہل حضرت ﷺ کی دور مہانی پختیں
۸۷	لولین کمان ساز ابراہیم	۱	حضرت اسماعیل اور عربی زبان
۱	حضرت اسحاق اور قوم لوط	۱	حضرت ابراہیم کی تکے میں آمد
۱	بنی اسماعیل میں خالد نبی	۱	ہاجرہ و یران صحرائیں
۱	حضرت خالد اور عرب کی آگ	۱	یرسہ و یمن اور ملک یمن
۸۸	خالد کی بددعا اور لنگ	۸۲	کلام عربی اور آدم و اسماعیل
۱	خالد کا حجرہ	۱	بارہ اہم زبانوں کے صحیفے اور آدم
۱	خالد کی بیٹی سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات	۱	عربی حصہ اور عربی عارپہ
۱	کیا عیسیٰ و آنحضرت ﷺ کے درمیان بی نہیں	۱	اصحاب کف کی زبان
۱	ان کے درمیان چار نبی	۱	عربوں میں اہل حضرت ﷺ کی فصاحت
۱	مثلاً قوم رس کے نبی حظلہ	۱	حضرت اسماعیل اور گھوڑے سواری
۸۹	سرکش قوم اور حظلہ کا قتل	۸۳	گھوڑے سواری کے لئے حکم نبوی
۱	قوم پر عذاب کا پرندہ	۱	گھوڑے کی تخلیق اور برکات
۱	عقواء مغرب پرندہ	۱	حضرت سلیمان کا گھوڑا
۱	نبی کو احسان کا صلہ	۱	حضور کا خزانہ برادر گھوڑا
۹۰	مثلاً حضرت دانیال نبی	۱	حضرت آدم کی پسند اور گھوڑا
۱	عیسیٰ و آنحضرت ﷺ کے درمیان حاصل	۱	گھوڑے کی تخلیق آدم سے پہلے
۱	عدنان کے بعد نسب نامہ غیر یقینی	۸۴	گھوڑے کے اعضاء
۹۱	روایت عائشہ کا مطلب	۱	ان کے ناموں کی ندرت
۱	نسب نامہ کنانہ تک یا عدنان تک	۱	گھوڑوں پر حضور ﷺ کی شفقت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۱	اچانک مرنے والے انبیاء	۹۱	بیان نسب کا قاعدہ
۹۲	حضرت کالب ابن عجز	۹۲	قرآن میں مختلف اسلوب
۹۳	حضرت شونئیل و طالوت	۹۳	مختلف اسلوب کی حکمت
۹۴	داؤد و عیسیٰؑ کے درمیان انبیاء	۹۴	کیا نسب عدنان ابن ادا بن اؤد تک ہے
۹۵	موسیٰؑ و عیسیٰؑ کے درمیان ایک ہزار مہینے	۹۵	لوہ پھلا کا تہ عربی
۹۶	آنحضرت ﷺ کے نسب کا شرف	۹۶	عدنان و اسماعیلؑ کے درمیان فاصلہ
۹۷	قریش کی فضیلت	۹۷	اؤد و ابراہیمؑ کے درمیان فاصلہ
۹۸	توہین قریش کا ارادہ بھی ناجائز	۹۸	دنیا کی عمر
۹۹	ارادہ عمل پر سزا نہیں	۹۹	اؤد و آنحضرت ﷺ کے درمیان فاصلہ
۱۰۰	قریش کی منفرد خصوصیات	۱۰۰	امت مسلمہ کی عمر
۱۰۱	عجت قریش علامت ایمان	۱۰۱	چودھویں صدی
۱۰۲	قریش کا علم	۱۰۲	پانچ سو سال کا اضافہ ممکن
۱۰۳	امام شافعیؒ بھی قریشی	۱۰۳	دنیا کی عمر اور نجومیوں کے اقوال
۱۰۴	موت عالم موت عالم	۱۰۴	مخلیق کائنات کی ترتیب اور فاصلے
۱۰۵	امام شافعیؒ کے اقوال و ذریعے	۱۰۵	مخلیق دنیا و مخلیق اؤد کے درمیان فاصلہ
۱۰۶	قریش کے معقل نصارح نبوی	۱۰۶	مخلیق جنات اور اؤد کے درمیان فاصلہ
۱۰۷	قریش کی عالی مقامی	۱۰۷	جنات کی قدیم سلسل
۱۰۸	قریش کی مالیت و لدی	۱۰۸	کیا اؤد بھی متحد ہوئے؟
۱۰۹	قریش کے نیک و بد کی شان	۱۰۹	سام اور عیسیٰؑ کے درمیان فاصلہ
۱۱۰	قریش اس دین کے ولی	۱۱۰	حرید نسب نہ ملنے کی وجہ
۱۱۱	حضور کی عظمت شان	۱۱۱	اگلے نسب میں عدم جستجو
۱۱۲	آں حضرت ﷺ کا انتخاب نبی اکرام	۱۱۲	کیا حضور ﷺ کو ان کا نسب معلوم تھا؟
۱۱۳	جبرئیلؑ بہترین خلاق کی تلاش میں	۱۱۳	ترتیب زندہ انبیاء
۱۱۴	حضور مشترک متاع عرب	۱۱۴	حضرت یعقوبؑ و یوسفؑ
۱۱۵	نسبی ہر تری	۱۱۵	یوسفؑ کے اوراق ووصال کی مدت
۱۱۶	حضور کی کرامت و شرافت	۱۱۶	افراق یوسفؑ کا سبب
۱۱۷	اللہ صل علی محمد	۱۱۷	حضرت موسیٰؑ و ہارون علیہ السلام
۱۱۸	دولہاں اور نامہاں سے عالی نسب	۱۱۸	داؤدؑ کی مذہب سے ممانعت
۱۱۹	پاک نطفوں سے پاکہ حمولہاں	۱۱۹	مذہب غشی کا ج
۱۲۰	عالی نسبی شرط نبوت	۱۲۰	چہرچہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۱۴	نور محمدی لول مخلوقات	۱۰۵	حضور ﷺ کیلئے عربوں سے محبت
۱۱۵	نور مصطفیٰ جبین آدمؑ میں	۱۰۶	عربوں سے بعض حضور ﷺ سے بغض
۱۱۶	آدمؑ سے حلب شیثؑ میں	۱۰۷	عرب دشمنی علامت نفاق
۱۱۷	نور محمدی نسل در نسل	۱۰۸	عربوں سے محبت کیوں ضروری
۱۱۸	شیثؑ خواہی تمہا لولاد	۱۰۹	عربوں کا مقام بلند
۱۱۹	شیثؑ پیٹ میں نظر آتے تھے	۱۱۰	حضور اثر فہم خلق
۱۲۰	آدمؑ کی کل لولاد	۱۱۱	فخر نسب کی ممانعت
۱۲۱	موت کے وقت آدمؑ کی لولاد	۱۱۲	اتحادیہ نسب فخر نہیں اقرار
۱۲۲	آنحضرت ﷺ عالم موجودات کی اصل	۱۱۳	حضور ﷺ اصلا اب انبیاء میں رہے
۱۲۳	عربوں کے نسب طبعی	۱۱۴	نور محمدی ﷺ ساجدین میں رہا
۱۲۴	اس حضرت ﷺ کے طبقات نسب	۱۱۵	ساجدین سے شیعوں کا استدلال
۱۲۵	اس حضرت ﷺ کے والد عبد اللہ	۱۱۶	آیت ساجدین کی تفسیر
۱۲۶	عبد اللہ کا حسن و پاک دامنی	۱۱۷	ساجدین سے مراد تہجد گزار
۱۲۷	چاہہ مزہم اور عبد المطلب	۱۱۸	فرضیت تہجد اور منسوخی
۱۲۸	دود فہم کھدائی	۱۱۹	تہجد اختیار کی عبادت نہ کہ ایجابی
۱۲۹	کعبہ کی بے حرمتی اور مضامین کی فہمائش	۱۲۰	آیت ساجدین کی مختلف تفسیریں
۱۳۰	مال سمیت کنوئیں کی بھرائی	۱۲۱	کیا حضور ﷺ کے اجداد مؤمن تھے؟
۱۳۱	کعبہ کی ہر نیال اور شاہ فارس	۱۲۲	ابراہیمؑ کا باپ کون تھا؟
۱۳۲	شاہان فارس کے چار خاندان	۱۲۳	آؤر یا تدرخ
۱۳۳	فیض ذلویہ کے بعد کیانی خاندان	۱۲۴	مؤمن یا کافر
۱۳۴	تیسرا خاندان اشغلیہ	۱۲۵	باپ کے لئے دعاء مغفرت
۱۳۵	چوتھا خاندان ساسان	۱۲۶	یہ دعاء کا فریچا کے لئے تھی
۱۳۶	کیا ایرانی کئے کے حاکم رہے	۱۲۷	باپ کا ایمان بھی مشتبہ
۱۳۷	جرم کے بعد خزانہ کی سروری	۱۲۸	نور قریش کی تخلیق
۱۳۸	عبد المطلب کا خواب	۱۲۹	نور قریش نور محمدی کا جزء
۱۳۹	چاہہ مزہم کھودنے کی ہدایت	۱۳۰	نور محمدی اور انبیاء سابق
۱۴۰	اس کنوئیں کے تین سوت	۱۳۱	نور محمدی کی تخلیق
۱۴۱	آب زمزم کے فضائل	۱۳۲	جبرئیلؑ کی عمر
۱۴۲	چاہہ مزہم کی نشاندہی	۱۳۳	محمدؐ شیعہ محفل کا نسبت
۱۴۳	اس جگہ کی علامتیں	۱۳۴	بعد از خدایہ برگ توفی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۲۸	عبد المطلب کو قریش کا طعنہ	۱۲۱	عبد المطلب کنوئیں کی تلاش میں
۱۲۹	عبد المطلب کا عذبی کو کمر اجواب	۱۲۲	اساف و ناکہ بتوں کی جگہ
۱۳۰	دس بیٹوں کے لئے دعاء	۱۲۳	صفاء و مردہ شعائر دین
۱۳۱	ایک بیٹا قربان کرنے کی منت	۱۲۴	کھدائی کا رلوہ اور قریش کا اعتراض
۱۳۲	قربانی کیلئے عبد اللہ کے نام پر قرعہ	۱۲۵	عبد المطلب کا پختہ عزم
۱۳۳	ناہمال والوں کی رکاوٹ	۱۲۶	بنیادیوں کی برآمدگی
۱۳۴	قریش کی فہمائش	۱۲۷	قریش حصہ داری کے دعویدار
۱۳۵	کاہنہ سے مشورہ کی تجویز	۱۲۸	شامی کاہنہ سے ثالثی کا رلوہ
۱۳۶	کاہنہ کا مشورہ	۱۲۹	فریقین کی شام کو روانگی
۱۳۷	بیٹے کے فدیہ میں سولونٹ	۱۳۰	عبد المطلب کے پاس پانی ختم
۱۳۸	سولونٹ کے فدیہ کا رولج	۱۳۱	مایوسی اور موت کا انتظار
۱۳۹	سولونٹ اور ابن عباس کا فتویٰ	۱۳۲	عبد المطلب پر خاص فضل خداوندی
۱۴۰	ایسی منت کے متعلق مسئلہ	۱۳۳	فیہی مدد پر قریش کا اعتراف
۱۴۱	اک حضرت دو بیٹوں کے بیٹے	۱۳۴	تکے کو واپسی
۱۴۲	حضرت اسماعیل و اسحاق میں ذبح کون تھے	۱۳۵	زمزم سے خزانے کی برآمدگی
۱۴۳	اسماعیل کی قربانی میں مصلحت	۱۳۶	قریش کو لالچ
۱۴۴	اسحاق کے ذبح ہونے کی روایت	۱۳۷	انصاف کیلئے قرعہ کی تجویز
۱۴۵	عزیز مصر کے نام یعقوب کا خط	۱۳۸	قرعہ اندازی
۱۴۶	نا قابل قبول روایت	۱۳۹	قریش کی ناکامی
۱۴۷	دوسری غیر ثابت روایت	۱۴۰	در کعبہ کی آرائش
۱۴۸	ذبح کے متعلق یہود و نصاریٰ کے دعویٰ	۱۴۱	آرائش کعبہ میں خلفاء کا حصہ
۱۴۹	ملک الموت سے یوسف کی تحقیق	۱۴۲	خزانہ کعبہ کی چوری
۱۵۰	حضرت اسحاق کے متعلق دیگر روایات	۱۴۳	ابولسب بھی چوروں میں
۱۵۱	علامہ سیوطی کی رائے	۱۴۴	عرب میں شراب سے نفع اندوزی
۱۵۲	یہود و نصاریٰ کی مخالفت انگیزی	۱۴۵	شراب کے اثرات
۱۵۳	عبد المطلب کے دس بیٹے	۱۴۶	شراب کی مضرتیں
۱۵۴	ارلوہ ذبح کے وقت بیٹوں کی تعداد	۱۴۷	شراب کے بدترین نقصانات
۱۵۵	عبد اللہ کا حسن و جمال	۱۴۸	شراب کے خلاف احادیث و روایات
۱۵۶	قریشی لڑکیوں کی ولہر تھکی	۱۴۹	قریش کا عبد المطلب سے حسد
۱۵۷	عبد اللہ کی پاک دامنی	۱۵۰	آب زمزم کے متعلق دعاء

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۳۶	نور محمدی کی سر عرش جلوہ ریزیاں	۱۳۸	حسین عورت کی پیش کش
۶	بنی ہاشم اور بنی نہرہ کی سعادت	۶	اس خواہش کا سبب
۶	بااقتدار و دواہل و سسرال بہترین نسب	۶	حضرت آمنہ سے نکاح
۱۳۷	پورے نسب میں شرائط نکاح مکمل	۶	نور نبوی ﷺ کی آمنہ میں متعلق
۶	نسب نبوی اور انعام خداوندی	۱۳۹	شادی کے بعد شب گزاری کی جگہ
۶	باندیاں بھی اس اصول میں شامل	۶	اس حسینہ سے پھر ملاقات
۶	جاہلیت میں نکاح کی قسمیں	۶	کیا عبد اللہ کو نور نبوت کا اندازہ تھا
۱۳۸	نسب نبوی میں ناجائز نکاح کا وجود نہیں	۶	حسینہ کا پچھلنے سے انکار
۶	جاہلیت میں نکاح بتایا	۶	ظہور نبوت کی پیش گوئی
۶	نکاح استحصال کی نپاک رسم	۱۴۰	حسینہ کے علم کا امتحان
۶	نکاح جمع	۶	فطرت عورت کے خلاف پیش کش
۱۳۹	نکاح جمع اور نکاح بتایا کا فرق	۶	اکل حضرت کے نسب میں پاکیزگی
۶	حضرت عمر و ابن عباس	۱۴۱	زمانہ جاہلیت کے یہودہ طریقے
۶	پاک صلیوں سے پاک رحموں میں	۶	آپ ﷺ کے نسب میں جمول نہیں تھا
۶	کیا آپ کے آباؤ اجداد لوہو من تھے	۶	اس بارے میں قرآن سے استدلال
۱۴۰	عبد المطلب دین ابراہیمی پر تھے	۱۴۲	دستور جاہلیت کی ممانعت
۶	بنی زہرہ میں شادی پر بشارت	۶	ایک ماں پر بیٹے کا یہودہ عوٹی
۱۴۱	قیافہ شناس	۱۴۳	اس رسم کی اسلام میں سخت سزا
۶	قیافہ شناس کا عجیب واقعہ	۶	دوسری بہنوں سے بیک وقت نکاح
۶	امیر حمص کا قتل	۶	پاکیزگی نسب پر ناز
۶	نعمان کے متعلق نبی کی پیش گوئی	۶	عوامک اور فواطم کی ولاد
۱۴۲	نعمان کی یزید کو نصیحت	۶	موقفہ بموقفہ اس کا اظہار
۶	شہر حمص کی خصوصیات	۱۴۴	آپ کے نسب میں عائشائیں
۶	عرب کے قدیم علوم	۶	آپ کے نسب میں قاطنائیں
۱۴۳	بنی زہرہ میں عبد المطلب و عبد اللہ کی شادی	۶	آپ ﷺ کے آباؤ اجداد کے شرعی نکاح
۶	باپ بیٹے کا نکاح ایک مجلس میں	۱۴۵	نسب پاکیزگی عظیم معجزہ
۱۴۴	کیا عبد اللہ کی ناناں بنی زہرہ تھے	۶	قومیں نور نبی کے لئے حریص رہیں۔
۱۴۵	بنی زہرہ میں آمنہ کا انتخاب کیوں	۶	لولین تخلیق نور محمدی ہے
۶	آمنہ کے متعلق کاہنہ کی پیش گوئی	۱۴۶	اکل حضرت کا نکاح کا سبب
۶	اس کاہنہ کا واقعہ	۶	محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۶۷	آنحضرت ﷺ کی بشارت ہیں	۱۵۹	بنی زہرہ میں نور نبی کی چمک
۶	بشارت عیسیٰ کا ثبوت۔	۶	کیا عبدالمطلب نے بھی بنی زہرہ میں ظہور کیا
۶	دوسرے انبیاء کے حقائق بشارتیں	۱۵۹	دو حناؤں کا لہو اور سریت
۱۶۸	آنحضرت ﷺ کیلئے بشارتوں کا تسلسل	۶	آنحضرت کا اپنی والدہ کے حمل میں ظہور
۶	دوسری چند خصوصیات	۶	دوران حمل آمنہ کی کیفیات
۱۶۹	اصلیت کی وضاحت	۱۶۰	پُر سکون حالت
۱۷۰	آنحضرت کے والد کی وفات	۶	آمنہ کو دعائے نبی
۶	کیا والد کا انتقال آپ کی پیدائش کے بعد ہوا؟	۶	تعوذ کے لئے تعلیم دعاء
۶	عبداللہ کا شرب میں انتقال	۱۶۱	نبی کو از سے نام کا حقین
۱۷۱	بہاری اور نامہال میں قیام	۶	نومولود کی نشانی
۶	گٹے لانے کے لئے حادث کی روانگی	۶	آمنہ کو اس کو از سے حمل کا علم
۱۷۲	وفات اور شرب میں تدفین	۶	آمنہ کو خواب میں بشارت
۶	یلور فتنی	۱۶۲	سلطنتیں لانے کی جانوروں کے ذریعے کو لہی
۶	نہار کے پانی میں تیرا کی پسند خاطر	۶	حمل کے ساتھ بت لائے ہو گئے۔
۶	کیا عبداللہ ابواء میں فوت ہوئے	۶	قول صادق ورائہ کی بھی گواہی
۶	قیسی اور غربت کے فضائل	۱۶۳	آنحضرت دعاء ابراہیمی اور بشارت عیسیٰ
۶	کیا آپ کے والدین مسلمان ہوئے؟	۶	خواب اور پیدائش میں شبلی روشنی
۱۷۳	اسلام والدین کی روایات پر اشکال	۶	یہ نور نور شریعت تھا
۶	اسلام والدین کی تائیدی وجوہ	۱۶۴	محلات بصری روشن ہونے کی حکمت
۱۷۴	والدین کے جنمی ہونے کی خبر میں ہی مکی	۶	آنحضرت کی پیدائش مشتری ستارہ کے دور میں
۶	معمر کی روایت زیادہ قوی	۶	نرلی شان کا حمل
۱۷۵	کیا باپ سے مراد چچا تھے؟	۶	تدّت حمل
۱۷۶	کیا بعد مرگ اسلام مفید ہے؟	۱۶۵	آٹھویں ماہ کا بچہ زندہ نہیں رہتا
۶	آنحضرت کو لین اور اکوٹی ولاد	۶	کیا حمل اور پیدائش ساتھ ساتھ ہوئے
۶	عبداللہ آمنہ کی ایک غی شادی ہوئی	۶	سال ولادت فتح و آسودگی کا سال
۱۷۷	کیا آمنہ کو آنحضرت کے سوا بھی حمل ہوا؟	۶	ماں کے پیٹ میں ذکر اللہ
۶	آمنہ کو دوسرا حمل محض غن و خیال	۱۶۶	دعوائے نبوت اور اس کی حقیقت
۱۷۸	عبداللہ کی باغی امہائیں	۶	شیخ عرب کا سوال اور نبی کا جواب
۶	امہائیں کے نکاح اور ولاد	۶	دعاء ابراہیم اور اس کا ثبوت
۶	امہائیں کی فضیلت	۶	یہ دعاء دوسرے خداوندی کے مطابق تھی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۸۹	شگون کا ایک لچسپہ واقعہ	۱۶۸	زید کا ایمن سے نکاح اور ولادت اسامہ
۱۹۰	پرنندوں سے شگون لینا شرک	۱۶۹	عبداللہ کا ترکہ
۱۹۱	دعاء تحفظ	۱۷۰	خود نبی کا ترکہ میراث نہیں
۱۹۲	وقت ولادت نور کی شعلہ	۱۷۱	ایم ایمن پر رحمت باری
۱۹۳	اس نور سے عالم میں جگہ بگھٹ	۱۷۲	ایم ایمن کا سلام
۱۹۴	قصیدہ عباس میں اس نور کا ذکر	۱۷۳	آنحضرت پر ایم ایمن کا ناز
۱۹۵	بعد ولادت نبی کا کلام	۱۷۴	اسامہ کا نسب نور مجر زید لیلیٰ
۱۹۶	یوم ولادت	۱۷۵	تعیین نسب نور قیافہ شہابی
۱۹۷	وقت ولادت	۱۷۶	آنحضرت کی ولادت مبارکہ
۱۹۸	تیر بخ ولادت	۱۷۷	اکو کی سے پاک پیدائش
۱۹۹	تیر بخ پیدائش پر دوسری روایات	۱۷۸	آنحضرت پیدائشی بختون تھے
۲۰۰	مشہور قول پر بخ الاول میں ولادت	۱۷۹	سال ولادت کی برکتیں
۲۰۱	ماہ بخ الاول نور پیر کا دن	۱۸۰	زال شان کا فتح
۲۰۲	یوخت شب ولادت کا قول کمزور	۱۸۱	دوسرے پیدائشی بختون جینیر
۲۰۳	شب میں ولادت کے دلائل	۱۸۲	عوام میں بختون پیدائش ممکن
۲۰۴	سن پیدائش	۱۸۳	کیا ختمہ بعد میں ہوئی
۲۰۵	ولادت عام قبل میں یوم قبل میں	۱۸۴	تحقیق کامل
۲۰۶	نور نبوت اور شہادہ ابرہہ	۱۸۵	بے پردگی سے قدرتی تحفظ
۲۰۷	نور نبوت سے فتح کی بشارت	۱۸۶	عرب میں بچے کی ختمہ کی عمر
۲۰۸	ابرہہ کا قاصد اور اس نور کی ہیبت	۱۸۷	وقت ولادت شہادت توحید
۲۰۹	ابرہہ کو عبدالمطلب کا سادہ جواب	۱۸۸	پیدائش کے وقت صورت مجددہ
۲۱۰	عبدالمطلب کے لونٹ ابرہہ کے قبضہ میں	۱۸۹	حیات پاکیزہ کی نیک ابتداء
۲۱۱	سردار قریش کے لئے ابرہہ کا اعزاز	۱۹۰	کیفیت ولادت میں علوشان کا اشارہ
۲۱۲	عبدالمطلب کو اپنے لونٹوں کی فکر	۱۹۱	تسخیر زمین کی قال
۲۱۳	کعبہ کا مالکد حافظ اللہ ہے	۱۹۲	قال نیک کی حیثیت
۲۱۴	نور نبوت کو ہاتھیوں کا سلام	۱۹۳	مرض میں چھوت جملات کی حیثیت
۲۱۵	ہاتھیوں کی سلامی سے ابرہہ کو گھبراہٹ	۱۹۴	قدیم عربوں کی شگون پرستی
۲۱۶	واقعہ قبل ولادت نبوی کی تمہید تھا	۱۹۵	شگون پرستی بے بنیاد
۲۱۷	کیا ولادت واقعہ قبل سے پہلے ہوئی	۱۹۶	ایک ماہر شگون عرب
۲۱۸	واقعہ قبل ولادت ہاتھیوں کا پاس لوب	۱۹۷	وقات نبوی اور شگون

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۱۲	چھیک کے قاتل کے	۲۰۲	ہاشمی کو قتل کی خبر
۱	چھیک محبوب جمالی نامحبوب	۱	ابابیلوں کا لشکر
۱	چھیک ایمان کی گواہ	۲۰۳	فتح عظیم اور قریش کی عظمت
۱	چھیک اور الحمد للہ	۱	حملے کے وقت قریش کی کئے کو خیر باد
۲۱۳	نماز میں چھیک	۲۰۴	ابراہیم کے لشکر کی بھینک جانی
۱	زنجی پر مقدس خواتین کی آمد	۱	بے شمار مال غنیمت
۲۱۴	مریم کو آسیہ کی موجودگی	۲۰۵	کعبہ کے حملہ آور کھنڈا کی مد
۱	جنت میں مریم کو آسیہ آپ کی تزلزل	۲۰۶	وہ مکان جمالی آپ کی ولادت ہوئی
۱	موسیٰ کی یمن بھی تزلزل میں	۱	مکان کی مدد اور فروختگی
۲۱۵	آسیہ فرعون سے محفوظ رہیں	۲۰۷	عقیل نے آپ کو کچھ نہیں دیا
۱	مریم یوسف سے محفوظ رہیں	۱	مکان کی مسجد میں تبدیلی
۱	موسیٰ کی یمن کنواری رہیں	۱	مکان شعب بنی ہاشم میں تھا
۱	بنی عبد مناف کے ذیل ڈول	۱	کی ولادت دوم شخص میں ہوئی
۲۱۶	بنی عباس میں حسن و تقویٰ	۲۰۸	پیدائش دو فاطمہ کے مدینے میں
۱	سیاسی اختلاف کے اثرات	۱	مقام دوم
۱	علی نامو لقب پر ناپسندیدگی	۱	مقام دوم میں تعمیر قادوقی
۲۱۷	علی عباس کی پیشگوئی اور سزا	۱	سیلاب ام کشمیر کے بعد تعمیر
۱	پیش گوئی کی تکمیل	۱	سیلاب اور مقام ابراہیم
۱	امین عباس کی پیش گوئی	۲۰۹	مقام ابراہیم کی جگہ
۲۱۸	ابو مسلم اور بنی امیہ کا زوال	۱	ولادت کی تواریخ میں خبر
۱	بنی عباس کا اقتدار	۱	سلاطین کا خزینہ
۱	مامون عباسی کے اقوال	۲۱۰	رحمت باری اور ندائے غیب
۱	مشرق و مغرب میں اسلام	۱	ولادت کے بعد آپ کا چھینکنا
۱	آنحضرت اور عرب کا دستور	۱	چھینکے اور اس کا جواب
۱	نو مولود بنی اور معجزہ	۲۱۱	چھینک پر دعا دینا چاہئے
۲۱۹	انگوٹھے سے دودھ	۱	یہ دعا شیطان پر بھاری
۱	بچوں کے انگوٹھے میں رزق	۱	اس ذیل میں ایک لطیفہ
۱	عبدالمطلب کو ولادت کی خبر	۲۱۲	چھینکے پر دعا کی حکمت
۱	ولادت کے عجائبات	۱	چھینک ایک نعمت
۲۲۰	نو مولود کو طواف کعبہ	۱	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۲۸	حضرت عیسیٰ کا استثناء	۲۲۰	بچے پر برتن ڈھکنے کی کوشش
۲۲۹	تمام انبیاء کا استثناء	۲۲۱	نبی کی ولادت اور شیطان کی جج
۲۳۰	بچے کی شیطان سے حفاظت کی دعا	۲۲۲	شیطان کی آہ بکا کے موقعہ
۲۳۱	ہر نومولود کو در غلائے کی تمنا	۲۲۳	استغفار اور شیطان کی ججیں
۲۳۲	نومولود کے رونے کا سبب	۲۲۴	شیطان اور استغفار کا توڑ
۲۳۳	والسلام علی کی تفسیر	۲۲۵	بدعات سے استغفار کا مقابلہ
۲۳۴	بحالت مجدد ولادت	۲۲۶	بدعتی کے اعمال نام قبول
۲۳۵	بت کے پیٹ سے اعلان ولادت	۲۲۷	بدعات گناہوں کا راستہ
۲۳۶	وقت ولادت زلزلہ	۲۲۸	بدعات نفسانی خواہشوں کا نام
۲۳۷	نوشیروانی محل میں لرزش	۲۲۹	ستروں کا گرنا علامت پیدائش
۲۳۸	قصر نوشیروانی کا انہدام	۲۳۰	شیطان کو آسمان سے دھکا
۲۳۹	انہدام کو آنے کی برائکہ کی سعی	۲۳۱	ولادت عیسیٰ اور شیطان کو روک
۲۴۰	خالد برکی کا ہند میں عجیب تجربہ	۲۳۲	طلوع ستارہ احمد علی علیہ السلام
۲۴۱	بچی برکی کے مقولے	۲۳۳	شاعر اسلام کی عمر اور جسمانی خصوصیات
۲۴۲	برکی کی مظالم کا انجام	۲۳۴	ستارہ احمد اور موسیٰ
۲۴۳	ظلم اور مقام مظلومیت	۲۳۵	یسو اور ولادت نبوی کی نشانی
۲۴۴	برائکہ کی فیاضی	۲۳۶	حضور کا ولادت دودھ نہ پینا بھی علامت
۲۴۵	ولادت پر آتش فارس سرد	۲۳۷	مرنبوت کی یسودی عالم پر حیرت
۲۴۶	ولادت اور عجائبات کا ظہور	۲۳۸	قریش میں ولادت پیغمبر کا اعلان
۲۴۷	ولادت پر پیشوائے فارس کا خواب	۲۳۹	شامی یسودی کی پیش گوئی
۲۴۸	عجائبات کسریٰ کی گھبراہٹ	۲۴۰	عیس یسودی کی تصدیق ولادت
۲۴۹	پیغمبر حیرت ناک حوالت	۲۴۱	عیس سے عبدالمطلب کی ملاقات
۲۵۰	تحقیق کیلئے گورنر حیرہ کو فرمان	۲۴۲	ولادت کو راز رکھنے کی ہدایت
۲۵۱	مدن سے جابیہ تک کھلی	۲۴۳	عمر مبارک کی پیش گوئی
۲۵۲	جابیہ کا کاہن سلطیح	۲۴۴	ولادت پر بتوں کا زوال
۲۵۳	یہ عجیب الحلقہ پوڑھا	۲۴۵	شیاطین کی حیرانی
۲۵۴	خلقت اور نطفہ زن و مرد کا عمل	۲۴۶	آنحضرت کی خصوصیت
۲۵۵	خلقت عیسیٰ	۲۴۷	دیولہ کعبہ کا اعلان ولادت
۲۵۶	خلق عیسیٰ بغیر نطفے کے	۲۴۸	شیطان کی بے چینی
۲۵۷	سلطیح سے پوچھنے کا طریقہ	۲۴۹	ہر فرزند آدم کو شیطان کے کچھ کے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۵۳	نوح موسیٰ کی گویائی	۲۴۱	سطح مشہور کا ہند کا جانشین
۲۵۴	شیر خوار کی حضور کیلئے شہادت	۲۴۲	سطح فن کمات کا ماہر
۲۵۵	ایک عجیب خصوصیت	۲۴۳	سطح کی طویل عمر
۲۵۶	اسم گرامی محمد و احمد رکھنے کا بیان	۲۴۴	کمات کی حقیقت
۲۵۷	محمد نام عرب میں پہلی بار	۲۴۵	اقامہ کسریٰ سطح کے پاس
۲۵۸	یہ نام منجانب اللہ	۲۴۶	بغیر پوچھے سطح کا جواب
۲۵۹	خواب میں اس کا اشارہ	۲۴۷	سطح نے حضور کو عہد والا کہا
۲۶۰	اس کے معنی	۲۴۸	عصا ایمان کی علامت
۲۶۱	نام ولادت کے ساتویں دن	۲۴۹	کسریٰ کے خواب میں عہد والا
۲۶۲	اسم کا اثر مسکنی پر	۲۵۰	کاہن کی موت
۲۶۳	اچھے معنی کا نام پسندیدہ	۲۵۱	کسریٰ تک جہ کن پیش گوئیاں
۲۶۴	اسلام میں بدگفتاری نہیں	۲۵۲	پیش گوئی خلافت عثمان میں پوری
۲۶۵	آنحضرت برے نام بدل دیتے	۲۵۳	نبی کے خوف سے کسریٰ کا عربوں پر ظلم
۲۶۶	شان رحمتہ للعالمین پر شکر	۲۵۴	ایک عرب کی کسریٰ کو فحاشی
۲۶۷	میلاد النبی منانا بدعت	۲۵۵	پوتے کو لے کر اودا کی حرم میں دعا
۲۶۸	عبدالطلب کا خواب اور یہ نام	۲۵۶	پالنے میں تکمیل و حرم
۲۶۹	خواب میں شجر طیب	۲۵۷	پالنے میں بولنے والے بچے
۲۷۰	کاہن کی زبانی تعبیر خواب	۲۵۸	ایک نو مولود اور ماں کی برکت
۲۷۱	کیا بولنے کا نام قسم رکھا	۲۵۹	بولنے کے وقت عیسیٰ کی عمر
۲۷۲	کیا پہلے بھی یہ نام رکھا گیا	۲۶۰	واقعہ مریم و عیسیٰ
۲۷۳	محمد و احمد دونوں لوگوں کا نام	۲۶۱	عشقم لور میں بھی عیسیٰ کا کلام
۲۷۴	یہ نام انبیاء میں آپ کی خصوصیت	۲۶۲	امین جرجن کا جھولے میں کلام
۲۷۵	احمد و محمد میں معنوی فرق	۲۶۳	امین جرجن کا واقعہ
۲۷۶	احمد و محمد اور حوالہ کے معنی	۲۶۴	آگ کے پاس بچے کا کلام
۲۷۷	سب سے زیادہ لائق تشریف شخصیت	۲۶۵	شیر خوار بچے اور نبوت کی گواہی
۲۷۸	سب سے زیادہ حمد کرنے والے	۲۶۶	عیسیٰ کے بولنے کی حکمت
۲۷۹	محمد نام میں زیادہ تعظیم	۲۶۷	شیر خوار کی میں کلام ابراہیم
۲۸۰	دیگر پسندیدہ نام	۲۶۸	ہفت امین عربی کا کلام
۲۸۱	حضور کے بعد پہلا احمد نامی شخص	۲۶۹	ایک اور واقعہ
۲۸۲	صحابہ اور محمد نام	۲۷۰	حضرت یوسف کا کلام

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۷۳	باپ بیٹے کی شادی ایک ساتھ	۲۶۴	کتب قدیم میں آپ کا نام
۲۷۴	حضور اور حمزہ کی عمر کا فرق	۲۶۵	راغب اور حضور کیلئے روشن گوئی
۲۷۵	ابو سلمہ بھی رضاعی بھائی	۲۶۶	قبل ولادت آپ کے چہرے
۲۷۶	ابو سلمہ کی روایت حدیث	۲۶۷	مختلف لوگ اور یکساں پوشیدہ گوئی
۲۷۷	رضاعی بیٹی سے نکاح حرام	۲۶۸	کاہنہ کی زبان سے حق بات
۲۷۸	رہیہ کا حکم	۲۶۹	سیاہ سرخ سب انسانوں کا غمی
۲۷۹	سگی بہنوں سے بیک وقت نکاح حرام	۲۷۰	محمد نامی افراتو کی تعداد
۲۸۰	آنحضرت کا جامع جواب	۲۷۱	یوسف کی زہلی، موسیٰ کی بیٹھرت
۲۸۱	ماں بیٹی کو نکاح میں لینا حرام	۲۷۲	محمد نام رکھنے کی فضیلت
۲۸۲	بنت حمزہ	۲۷۳	محمد نام سے رزق میں برکت
۲۸۳	حمزہ سے دوہری رضاعت	۲۷۴	محمد و احمد نامی لوگ جنتی
۲۸۴	کیا خولہ بھی آپ کی دودھ دہی	۲۷۵	بیٹے کا نام محمد تو باپ جنت میں
۲۸۵	کافر مرد و عورت بھی رضاعی بھائی	۲۷۶	محمد نامی شخص کا اعزاز چاہئے
۲۸۶	دھیری کی خبر گیری	۲۷۷	لولاد میں محمد نام نہ رکھنا جرات
۲۸۷	آمنہ کا دودھ کتنے دن پینا	۲۷۸	محمد نام تجویز تو لڑکا پیدا ہوگا
۲۸۸	ماں کے بعد پلا دودھ ثویہ کا	۲۷۹	مشورہ میں محمد نامی شخص سے برکت
۲۸۹	بچپن میں مجرہ	۲۸۰	یہ نام اور کھانے میں برکت
۲۹۰	کیا تم انہیں بھی دودھ دہی	۲۸۱	اس نام پر گھر کی حفاظت
۲۹۱	دلیہ حلیہ سعدیہ	۲۸۲	آپ کے نام کی خیر و برکت
۲۹۲	حلیہ کے شوہر مسلمان ہونے	۲۸۳	جنت میں آدم کا لقب ابو محمد
۲۹۳	رضاعی باپ کا واقعہ اسلام	۲۸۴	قیامت میں محمد نام کی پکار
۲۹۴	حلیہ سعدیہ بھی مومنہ تھیں	۲۸۵	محمد نام کے احترام میں مغفرت
۲۹۵	رضاعی ماں باپ کی نگریم	۲۸۶	رضاعت و شیر خوردگی
۲۹۶	دودھ شریک بھائی کا اعزاز	۲۸۷	آپ کو دودھ پلانے والیاں
۲۹۷	دلیہ حلیہ اور برکات کا ظہور	۲۸۸	آپ کی برکت اور ابولہب
۲۹۸	عرب میں دودھ دہی یوں کا دستور	۲۸۹	باندی آکر لو کرے کا انعام
۲۹۹	دلیہ تربیت کی بھی ذمہ دار	۲۹۰	ثویہ باندی کی آزادی کب
۳۰۰	زبان کی فصاحت دیہات میں	۲۹۱	ثویہ بھی حضور کی دودھ دہی
۳۰۱	دلیہ یتیم بچہ نہ لیتی	۲۹۲	ابوسفیان بچپن کے دوست
۳۰۲	دلیہاؤں میں حلیہ بچے سے محروم	۲۹۳	ابوسفیان و حمزہ آپ کے رضاعی بھائی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۳۲	حضرت آمنہ کے دامن ہونے کی جگہ	۲۸۳	حجیم عبد اللہ اور حلیمہ کی سعادت
۲۳۵	اہل فترت کا انجام	۲۸۷	حضور کیلئے حلیمہ کا مشورہ
۲۴۱	آنحضرتؐ پر عبد المطلب کی شفقت	۱	حلیمہ کی رضامندی و خوش بختی
۲۴۲	نبوت کی نشانیاں اور گواہیاں	۱	جنمنا اللہ سے پر حلیمہ کا بوسہ
۲۴۴	قطعا سالی کے وقت آنحضرتؐ کی	۱	عجائبات کا آغاز
	کی برکات۔	۲۸۵	آپ ایک چھاتی سے دودھ پیتے
۲۵۱	زمانہ جاہلیت میں بدش مانگنے کا طریقہ	۱	برکت اور ساری کی تیز رفتاری
۱	آشوب چشم کا واقعہ	۱	حجر کی گویائی
۲۵۲	باب ختم	۱	جانور کا سجدہ شکر
۵	عبد المطلب کی وفات اور ابوطالب کی کفالت	۲۸۶	خجر خٹہ میں ہریالی
۲۵۴	شیعہ حضرات کا ایک غلطو دعویٰ	۱	نوبہ کی عمر میں صاف کھنگو
۲۵۵	عبد المطلب کی اپنے مرثیے سننے کی فرمائش	۱	جانور کی تسخیر
۲۵۶	سیف ابن ذی یزن کی دشمنی گوئی!	۲۸۷	روزانہ نور کا نزول
۲۶۳	ابو طالب کے گھر آنحضرتؐ کی	۲۹۰	دودھ چھڑانے کے وقت بکیر
	کی برکات۔	۱	بنی سعد کے گھروں میں خوشبو
۲۶۳	بدش کے لئے دعا	۲۹۱	شق صدر
۲۶۴	چند حیرت خیز واقعات	۲۹۲	ہاتل اور قاتل کا واقعہ
۲۶۷	ابوطالب کے ساتھ ملک شام کا سفر	۲۹۷	آنحضرتؐ کی گمشدگی و بازیابی
۱	دورانہوں کی پیشین گوئیاں	۳۰۰	نبی آخر الزماں کی طرف سے یود کا خوف
۲۶۹	بکیر اور اباب کا واقعہ	۳۰۲	آنحضرتؐ کے قلب و باطن کی صفائی
۲۷۴	رومیوں کی آمد	۳۰۶	مر نبوت
۲۸۱	جاہلیت کی برائیوں سے حفاظت	۳۱۲	کاہن کا خوف
۱	برائی پر ممانعت و تنبیہ	۳۱۶	شق صدر کے مزید واقعات
۲۸۲	لوہو لعب میں شرکت سے حفاظت	۳۱۸	نبوت کے وقت شق صدر کا واقعہ
۲۸۴	بتوں سے فطری نفرت اور پرہیز		تاوت سیکڑ اور شاہ طاووت کا واقعہ
۲۸۵	حرام گوشت کے کھانے سے حفاظت		
۱	زید ابن عمرو	۳۲۳	باول کا سایہ گلن رہتا
۲۸۷	جاہلیت کے چار نیک خصلت قریشی	۳۲۹	آنحضرتؐ کی والدہ کی وفات ام ایمنؓ
۲۸۸	حق کی تلاش		کی گمرانی، عبد المطلب کی کفالت
۲۸۹	زید کی تمنا اور محرومی	۳۳۱	حضرت آمنہ کے اسلام کی روایت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۸۹	بجیر اور سطور اور اہب اللہ قمرت میں سے ہیں۔	۲۸۹	زید کے متعلق بشارت
۲۹۰	مجزوہ اور کرامت کا فرق	۲۹۰	آنحضرت ﷺ کا اعزاز
۲۹۱	بازار بصری میں نبوت کی تصدیق	۲۹۱	بت پرستی اور شراب سے حفاظت!
۲۹۲	آنحضرت ﷺ کی برکات	۲۹۲	آنحضرت ﷺ کا بکریاں چرانا
۲۹۶	شان رسالت کا مشاہدہ	۲۹۶	بکریاں چرانا انبیاء کی سنت ہے
۲۹۹	تجارتی معاوضہ و دین فرائض کی تصدیق نبوت	۲۹۹	بکریاں چرانے کی حکمت و فضیلت
۳۰۰	ایک شریک تجارت	۳۰۰	آنحضرت ﷺ کی حرب فہر میں شرکت
۳۰۱	حضرت خدیجہ بنت خویلد سے آنحضرت ﷺ کی شادی۔	۳۰۱	پہلی جنگ فہر
۳۰۲	ذات اقدس ﷺ سے لگاؤ اور پیغام نکاح	۳۰۲	دوسری جنگ فہر
۳۰۳	نکاح	۳۰۳	تیسری جنگ فہر
۳۰۴	نکاح خواہ	۳۰۴	چوتھی جنگ فہر میں آنحضرت ﷺ کی شرکت
۳۰۵	مختلف تہنسیلات	۳۰۵	آنحضرت ﷺ کی برکت
۳۰۶	خطبہ نکاح اور سر	۳۰۶	فہر نام رکھنے کا سبب
۳۰۷	ولیمہ	۳۰۷	فہر پر آغوش کا سبب
۳۰۸	آنحضرت ﷺ کے ساتھ خدیجہ کے	۳۰۸	التواء جنگ اور صلح
۳۰۹	لگاؤ کا سبب	۳۰۹	آنحضرت ﷺ کی حلف فضول میں شرکت
۳۱۰	حضرت خدیجہ کی آنحضرت ﷺ سے درخواست	۳۱۰	عبداللہ ابن جدعان کی سخاوت
۳۱۱	حضرت خدیجہ کی کھجلی شادیاں۔	۳۱۱	ابن جدعان کی شراب سے توبہ
۳۱۲	بابہ عکبہ، عکبہ مقدسہ کی تعمیر نو	۳۱۲	ابن جدعان کا انجام
۳۱۳	کے میں سیلاب	۳۱۳	ابن جدعان کی دولت کا عجیب اثر
۳۱۴	خزینہ عکبہ	۳۱۴	حلف فضول
۳۱۵	خزینہ عکبہ کا چور اور اس کا انجام۔	۳۱۵	حلف فضول کی عظمت
۳۱۶	خزینہ عکبہ کے لئے منجانب اللہ محافظ	۳۱۶	حلف مطہین اور حلف فضول کا فرق
۳۱۷	تعمیر عکبہ کا ارادہ	۳۱۷	لفظ فضول کا مطلب
۳۱۸	اجتماعی چندہ اور تیری	۳۱۸	حلف فضول کا سبب
۳۱۹	چندہ میں ناپاک کمائی شامل ہونے پر حید	۳۱۹	حلف فضول کی اہمیت
۳۲۰	تعمیر عکبہ میں آنحضرت ﷺ کی شرکت	۳۲۰	ملک شام کا دوسرا سفر
۳۲۱	اتفاقاً سفر مکمل جانے پر حفاظت۔	۳۲۱	سفر کا سبب
			سطور اور اہب کا واقعہ
			نبوت کی تصدیق

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۵۹	تغیر کی نوعیت	۴۴۸	شرکھانے کے متعلق روایت پر بحث
"	حجر اسود کے رکھنے میں اختلاف	"	ممانعت کے بعد آنحضرت ﷺ دو بار وہ
"	ابو امیہ ابن مغیرہ	"	کام نہیں کرتے تھے
۴۶۰	ابو امیہ کی طرف سے ایک حل	"	روایات کا تجزیہ
"	امین کی آمد	۴۴۹	ایک شبہ اور اس کا جواب
۴۶۱	آنحضرت ﷺ کا فیصلہ	۴۵۰	عمارت کعبہ کو گرانے سے قریش کا خوف
"	فیصلے پر شیطان کی شرارت	"	ایک قریشی سردار کی طرف سے پھل
۴۶۲	نجد کے علاقے سے شیطان کا تعلق	"	ولید کی دعا اور کام کا آغاز
"	بیت اللہ کی بتوں سے آراستگی	"	مرضیہ رب کا انتظار
۴۶۳	کلمہ طیبہ کی برکت	۴۵۱	زلزلہ اور شعلہ
"	زمین کی اصل اور حقیقی مرض و سہا	"	بنیاد کعبہ سے نکلنے والی عین تحریریں
"	بیت المقدس کی عظمت	۴۵۲	مختلف روایات
"	زمین کا اولین و افضل ترین پہاڑ	"	سامان عمارت کا مناجات اللہ انتظام
۴۶۴	امد پہاڑ کی عظمت	۴۵۳	کعبے کے محافظ سے چھٹکارہ
"	افضل ترین خطہ زمین	"	محافظ سانپ کی حقیقت
"	مخلیق زمین کی کیفیت	"	قرب قیامت میں ظاہر ہونے والا جانور
"	ترتیب مخلیق	۴۵۴	قیامت کی نشانیوں
۴۶۵	مخلیق مرض و سہا کی نوعیت	"	قیامت کے قریب کافر و مومن کی شناخت
۴۶۶	کیا سات زمینیں سات مستقل عالم ہیں؟	"	یہ جانور کن کن زمانوں میں نکلے گا
۴۶۸	سات زمینوں کے وجود پر اعتقادی	۴۵۵	اس جانور کے کام
"	عقلی امکانات - احادیث کی ہیئت	"	اس کے نکلنے کی جگہ
۴۶۹	آنحضرت ﷺ کی مخلیق زمین کے مرکز سے	"	اس کے ظاہر ہونے کا وقت
۴۷۰	آنحضرت ﷺ اور عداست	۴۵۶	اس جانور کا حلیہ
"	عدا است	"	اس کا کلام
"	عدا است نام کی وجہ	"	محافظ کعبہ سے نجات کیلئے قریش کی دعا
۴۷۱	عدا است کی نوعیت	۴۵۷	دعا کی قبولیت
"	ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے	"	قریش کا اطمینان
۴۷۲	قیامت میں ایک دوزخی سے سوال و جواب	"	بیت اللہ کا معاملہ اور بڑھتی
۴۷۳	عدا است ایک رہنما ہے	"	تقسیم کار
"	اس کا مقصد اور فائدہ	۴۵۸	بڑھتی اور محمد کے متعلق تعین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۹۰	جبرئیل، آدم و حوا کعبے کے اولین معمر	۴۷۴	بیت المعمور
۴۹۲	عمارت کعبہ کے پتھر	۴	آنحضرت ﷺ کو بیت المعمور کی زیارت
۴	طوفان نوح سے کعبے کی حفاظت	۴	فرشتوں کا عبادت خانہ
۴۹۳	آدم و حوا کی ملاقات	۴	جبرئیل کے غسل سے فرشتوں کی تخلیق
۴	امت محمدی کی فضیلت کا اقرار	۴۷۵	آنحضرت ﷺ کی مشیت خاک پاک
۴۹۴	بیت المقدس کی پہلی تعمیر	۴۷۶	آدم کی مشیت خاک کی جگہ
۴	زمین کی پہلی مسجد	۴۷۸	آدم کی پیٹھ میں آنحضرت ﷺ کا نور
۴۹۵	نبی اکرم پر تعمیر ابراہیمی	۴۷۹	خلفاء راشدین کا نور
۴	بیت اللہ میں انبیاء کی قبریں	۴	فرشتوں کے سوال پر جلال خداوندی
۴۹۶	مکشی نوح کا طواف کعبہ	۴	آدم کو تعمیر کعبہ کا حکم
۴	ایک سرکش اور نوح کی بددعا	۴۸۰	ہر آسمان میں بیت اللہ کا وجود
۴۹۸	ابراہیم کو مقام کعبہ کی نشاندہی	۴۸۱	یا قوتی خیمہ یا بیت اللہ
۴	کعبے کی طرف رہنما پرندہ	۴	آدم کا قد و قامت
۴۹۹	سلیمان کا پرندوں کی بولیاں سمجھنا	۴۸۲	آدم کے اترنے کی جگہ
۵۰۰	آنحضرت ﷺ کا ایک پرند کی بولی سمجھنا	۴	عطر اور خوشبو کی اصل
۴	ہد ہد پر سلیمان کا عتاب	۴	آدم کی رفتار قدم
۵۰۲	ہر چیز حمد و تسبیح کرتی ہے	۴۸۴	یا قوتی خیمے کی نوعیت
۵۰۳	چوٹی کا صیحت آمیز کلام	۴	حجر اسود اور مقام ابراہیم کا زمین پر اتار اجلا
۵۰۴	تعمیر ابراہیمی کا آغاز	۴	آدم کا پہلا حج
۴	تعمیر کعبہ کے دوران دعاء ابراہیمی	۴۸۵	آدم کی وحشت اور سامان تسکین
۵۰۵	قدم ابراہیم کا نشان	۴۸۶	حجر اسود کا اصل رنگ
۴	تعمیر کعبہ کی حیثیت	۴	حجر اسود کی حقیقت
۵۰۶	حجر اسود کی آمد	۴	حجر اسود اور مقام ابراہیم کی فضیلت
۴	حجر اسود کا امین	۴۸۷	فرشتوں کے طواف
۵۰۷	جبل ابوقیس کے نام کا سبب	۴۸۸	فرشتوں کی تخلیق ایک ساتھ ہوئی
۴	حجر اسود اور مقام ابراہیم کی عظمت و کرامت	۴	مختلف اوقات میں
۵۰۸	حجر اسود عہد نامہ الست کا امین ہے	۴	فرشتوں کے طواف کی دعا
۴	قاروق اعظم اور علی مرتضیٰ حجر اسود کے پاس	۴۸۹	دعاء طواف میں پہلا اضافہ
۵۰۹	ذوالقرنین اور ابراہیم کی ملاقات	۴	آدم کے طواف
۵۱۰	ذوالقرنین کا احرام نبوت	۴۹۰	ہر فرشتے کو زیارت کعبہ کا حکم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۲۴	نبوت کی نشانی ، علامہ سنا میں	۵۱۰	سکندر و زوالمقرنین بروی کلافتہ
۵۲۵	ولید کے متعلق پیش گوئی	۵۱۱	زوالمقرنین سو من تھے
۵۲۶	حضرت سعید اور تعبیر خواب	۵۱۲	زوالمقرنین لقب کی وجہ
۵۲۷	حضرت ابو بکر ثور تعبیر خواب	۵۱۳	زوالمقرنین ایک عظیم بادشاہ اور فاتح
۵۲۸	آنحضرت ﷺ کا ایک اور خواب	۵۱۴	زوالمقرنین پر انعامات خداوندی
۵۲۹	یزید کا فسق و فجور	۵۱۵	حج کی اولین دعوت اور اعلان
۵۳۰	کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے	۵۱۶	ظلوک کی طرف سے دعوت کا جواب
۵۳۱	مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں	۵۱۷	اللہ تعالیٰ کی فضیلت
۵۳۲	کسی متعین کافر شخص پر بھی لعنت کرنا جائز نہیں	۵۱۸	بیت اللہ کو بیت العقیق کہنے کا سبب
۵۳۳	بنی امیہ سے مدینہ والوں کی مخالفت	۵۱۹	توہین حرم کے ارادے پر سزا
۵۳۴	دختران مدینہ پر یزید کے مظالم	۵۲۰	طوفان نوح اور کعبہ
۵۳۵	یزید کی مدینہ پر چڑھائی	۵۲۱	حج صرف امت مسلمہ پر فرض ہوا
۵۳۶	مسجد نبوی کی بے حرمتی	۵۲۲	مقام ابراہیم کی اولین جگہ
۵۳۷	صحابہ ، تابعین اور حفاظ کا قتل عام	۵۲۳	اعلان حج کس جگہ سے کیا گیا
۵۳۸	مزار مبارک کی بے حرمتی	۵۲۴	حضرت ابراہیم کو تعظیم حج
۵۳۹	یزید کی بیعت کیلئے ظالمانہ شرط	۵۲۵	کیا بیچ نمازیں اسلام سے پہلے بھی تھیں ؟
۵۴۰	صحابہ کرام پر مظالم	۵۲۶	کے کی فضیلت اور مقام
۵۴۱	حضرت ابو سعید خدری سے بد سلوکی	۵۲۷	کے کے حق میں دعاء ابراہیمی
۵۴۲	حضرت جابر ابن عبد اللہ سے بد سلوکی	۵۲۸	طواف کے دوران حضرت ابراہیم کی ملائکہ سے ملاقات
۵۴۳	معصوم بچوں پر مظالم اور اس کا انجام	۵۲۹	دعاء طواف میں دوسرا اضافہ
۵۴۴	اس قتل عام کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی	۵۳۰	تاریخ کعبہ
۵۴۵	ظالم کا انجام	۵۳۱	قوم عماقہ کی سرکشی اور انجام
۵۴۶	یزید کے متعلق آنحضرت ﷺ کا قرآن	۵۳۲	عماقہ کی کئے میں آمد
۵۴۷	مزار مبارک سے لڑائی و لڑائی کی کوششیں	۵۳۳	عبد اللہ ابن زبیر کے زمانے میں تعمیر کعبہ کی تجویز
۵۴۸	ابن زبیر کی یزید سے جنگ کا سبب	۵۳۴	ابن زبیر کا لقب
۵۴۹	لام حسین ثور کو فدا والوں کی بے وفائی	۵۳۵	بنی امیہ کے متعلق ایک حدیث
۵۵۰	لام حسین کی کوئے کو روانگی	۵۳۶	حکم کے متعلق پیش گوئی
۵۵۱	لام حسین کی شہادت	۵۳۷	چار مرسکوں کا باب

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳۳	ابن زبیر کا مزاج	۵۳۵	ابن زبیر کی یزید کے خلاف جدوجہد
"	شام و مصر میں سیاسی تغیرات	"	ابن زبیر کے خلاف یزید کی قسم
۵۳۳	عبدالملک کی ابن زبیر کیخلاف لشکر کشی	"	ابن زبیر کو ایک مشورہ
"	عبدالملک کے خلاف بغاوت	۵۳۶	یزید کا حملہ اور کعبے پر سنگ بادی
"	بغاوت کی سرکوبی	"	سنگ اندازوں پر عذاب خداوندی
"	کعبے کی تجدید تعمیر کا ایک اور سبب	"	لشکر کی سرکشی اور کعبے کی آہویکا
۵۳۵	تجدید تعمیر سے متعلق فرمان نبوت سے دلیل	"	کعبے کی آتش زنی کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیش خبری۔
۵۳۶	رسول اللہ ﷺ کی خواہش اور تامل	"	مسئلہ تقدیر پر لوگوں کی اچھ گویاں
"	گزشتہ تعمیروں میں بنیاد ابراہیمی کی پابندی	"	جنگ صفین
"	ابن عباس کی طرف سے نئی تعمیر کی مخالفت	۵۳۷	حضرت علی اور امیر معاویہ کے اختلافات
"	ابن زبیر کا استعارہ	"	امیر معاویہ اور عمرو ابن عامر حضرت علی کے مقابلہ میں۔
"	حبش کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی	"	حضرت علی کے لشکر کا کوچ
۵۳۷	علامات قیامت	"	قضاء و قدر پر بحث کے خلاف وعید
"	بنیاد ابراہیمی	۵۳۸	منکرین تقدیر پر انبیاء کی لعنت
"	بنیاد ابراہیمی پر لوگوں کی گولٹی	"	منکرین تقدیر جو سیوں کی طرح ہیں
۵۳۸	کعبے کی اونچائی میں اضافہ	"	انکار تقدیر نصرانیت کا شعبہ ہے
"	نئی تعمیر کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی ہدایات۔	"	انکار تقدیر اور مجوسیت کا تعلق
۵۳۹	حجر اسود کی مضبوطی کیلئے چاندی کا حلقہ	"	انکار تقدیر اور نصرانیت کا تعلق
"	حجر اسود کو رکھنے کے وقت ابن زبیر کی حکمت عملی۔	۵۳۹	مسئلہ تقدیر کا خلاصہ
"	فرقہ قرامطہ کے ہاتھوں حجر اسود کی شکست و رنخت۔	"	کعبے میں آتش زنی اور تجدید تعمیر کا ایک اور سبب۔
"	اس فرقہ کے عقائد	"	حضرت اسماعیل کے بدلے ذبح کردہ
"	قرامطہ کی طرف سے مسجد حرام میں قتل عام۔	۵۴۱	مینڈھے کے سیگ۔
"	حجر اسود قرامطہ کے قبضے میں	"	یہ مینڈھالور ہاتیل کی نیاز
"	حجر اسود کی بازیابی	"	اس مینڈھے کی عظمت کا سبب
۵۴۱	حجر اسود کی دوبارہ بے حرمتی و شکست و رنخت۔	۵۴۲	موت کی صورت میں موت
"		"	یزید کی موت
"		"	امیر لشکر کی طرف سے ابن زبیر کی پیشکش

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۶۹	کعبہ پر حجاج کی سنگ ہاری اور غلاف	۵۵۱	کعبہ کی نئی تعمیر کرنا جاتا ہے۔
"	کعبہ میں آگ۔	۵۵۲	کعبہ کی تعمیروں کی تعداد
"	حجاج اور ابرہہ کے درمیان فرق	۵۵۳	لویلی غلاف کعبہ
۵۷۰	ابن زبیر کے قتل پر کئے میں آہ و بکا	۵۵۴	غلاف کعبہ کی اقسام
"	ابن زبیر کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی۔	"	غلاف کعبہ کیلئے موقوفہ دیہات
"	حجاج سے رعایا کی ہزار ہری۔	"	ریشمی غلاف کا جو از
۵۷۱	حجاج کے خالمانہ مزاج کی اصل	۵۵۵	کعبہ کی سونے سے لولین آرائش
۵۷۲	حضرت یحییٰ کے قتل کا واقعہ	"	مکملی تعمیر اور صدقہ
۵۷۳	ابن عمر کے غلاف حجاج کی سازش	"	ابن زبیر کی شہادت
۵۷۵	حجاج اور عبدالملک کا مقام	۵۵۶	عمارت کعبہ پھر پچھلی حالت پر
۵۷۶	سلیمان ابن عبدالملک	"	حجاج کی ترمیمات
۵۷۸	سلیمان کی خدمت اترسی، فاروق اعظم کی پیش گوئی	۵۵۷	ابن زبیر کے ساتھیوں کی سبوقائی
۵۷۹	تعمیر کعبہ کیلئے خلیفہ منصور کی خواہش	۵۵۸	بیٹے کی لاش پرمان کی حاضری
۵۸۰	خلیفہ منصور اور سفیان ثوری	۵۵۹	ابن زبیر کا زہر اور مرتبہ
۵۸۱	مختلف ذہنوں میں توسیع حرم	"	حضرت اسلمہ کیساتھ حجاج کی گستاخی
"	کئے کے نام	۵۶۰	نبوت کا ایک مجموعہ عویدار
۵۸۲	مقام کعبہ کی زمین	۵۶۱	کوئے کا منحوس محل
"	زمین و آسمان اور شب و روز کی تخلیق	"	حجاج ابن یوسف
"	ایک ساتھ ہوئی۔	۵۶۳	ابن زبیر اور ابن صفوان کے سردینے میں
۵۸۳	باب شہد ہم۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق	۵۶۴	ابن زبیر اور بنی عباس
"	یہودی و عیسائی عالموں اور عرب کا ہنوں کی دشمن گوئیاں۔	۵۶۵	بنی عباس خویوں کا مرکز
۵۸۴	حضرت سلمہ ابن سلامہ کا واقعہ	"	بنیاد کعبہ کے متعلق ابن زبیر کی تصدیق
۵۸۵	عمرو ابن عقیلہ کا واقعہ	۵۶۶	حضرت عائشہ کی منت۔
۵۸۶	عامم ابن عمرو کا واقعہ	۵۶۷	عبدالملک ابن مروان کا ایک روپ
۵۸۷	بنی قریظہ کے ایک شخص کا واقعہ	۵۶۸	دوسرا روپ
۵۸۸	حضرت عباس کا واقعہ	"	خاندان عبدالملک کے متعلق ایک پیشین گوئی۔
۵۸۹	امیہ ابن ابوملت کا واقعہ	"	امیر لشکر بننے کیلئے حجاج کی خواہش
"		۵۶۹	غضب خداوندی کی علامات اور حجاج کی سینہ زوری۔

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۰۶	امدادی سونے کی خرید و برکت	۵۹۰	عیسائی عالموں کی پیشین گوئیاں
۶۰۷	سلمان فارسی کی غلامی کی حقیقت	۵۹۱	سعید ابن عاص کا واقعہ
۶۰۹	سلمان فارسی کی عیسیٰ ابن مریم سے ملاقات	۵۹۲	حکیم ابن حزام کا ایک حیرت ناک واقعہ
۶۱۰	عیسیٰؑ ایک بار زمین پر آچکے ہیں	۵۹۳	قصر شاہی کے اندر انبیاء کی تصویریں
۶۱۱	عیسیٰؑ کے دنیا میں قیام کی مدت	۵۹۴	آنحضرت ﷺ کی تصویر
۶۱۲	عیسیٰؑ کہاں دفن ہوں گے	۵۹۵	حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی تصویریں
۶۱۳	حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مہدی	۵۹۶	حضرت سلمان فارسیؓ کا واقعہ
۶۱۴	حضرت مہدی کے آباء و اجداد	۵۹۷	سلمان فارسیؓ کا عیسائیت سے لگاؤ
۶۱۵	ظہور مہدی کی علامت	۵۹۸	سلمان فارسیؓ باپ کی قید میں
۶۱۶	سیارگانِ ثریا اور عجاوی خفایہ کی تعداد	۵۹۹	رہائی اور ملک شام کو فرار
۶۱۷	سلمان فارسی کے واقعہ کی دوسری روایت	۶۰۰	پادری کی حرص و ہوس اور عوام کا غصہ
۶۱۸	گوشہ نشین و پندروں سے سلمان کی ملاقات	۶۰۱	علماء کے لئے زہد و قناعت
۶۱۹	سلمان فارسی ایک عیسائی بزرگ کے ساتھ	۶۰۲	ہر مذہب میں ضروری ہے
۶۲۰	آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشین گوئی	۶۰۳	راہبوں کا زہد
۶۲۱	واقعہ سلمان کی تیسری روایت	۶۰۴	موصل کی خانقاہ میں
۶۲۲	حضرت سلمانؓ کی عمر اور زہد و تقویٰ	۶۰۵	نصیبین کی خانقاہ میں
۶۲۳	عمر و ابن سعدی کرب کا واقعہ	۶۰۶	عموریہ کی خانقاہ میں
۶۲۴	رقس ابن ساعدہ لیلہ کا واقعہ	۶۰۷	مدینے کو روانگی اور غلامی
۶۲۵	رقس کے متعلق جابر و ابن عبد اللہ کی روایت	۶۰۸	آنحضرت ﷺ سے ملاقات
۶۲۶	رقس کے متعلق صدیق اکبرؓ کا بیان	۶۰۹	آنحضرت ﷺ کا صدقہ کے مال سے پرہیز
۶۲۷	رقس کی عبرت و نصیحت آمیز تقریر	۶۱۰	قبرستان بقیع
۶۲۸	رقس کے متعلق ایک اور روایت	۶۱۱	نبوت کی تصدیق
۶۲۹	نافع جرحی کا واقعہ	۶۱۲	یسوی ترجمان کی شراعت
۶۳۰	کاہنوں کے ذریعہ دی ہوئی خبریں اور پیشین گوئیاں	۶۱۳	آنحضرت ﷺ کا ایک حیرت ناک معجزہ
۶۳۱	فاروق اعظمؓ اور سولہ ابن قارب	۶۱۴	جبرئیلؑ کے ذریعہ سلمان کو عربی کی تعلیم
۶۳۲	سولہ ابن قارب کا واقعہ	۶۱۵	سلمان فارسیؓ کا آزادی کیلئے معاہدہ
۶۳۳	سواہ کی اپنی قوم کو نصیحت	۶۱۶	سلمانؓ کی آزادی کیلئے آنحضرت ﷺ
۶۳۴	حطیمہ نامی کاہنہ کا واقعہ	۶۱۷	کی آمد لو

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۵۴	شروع ہوا	۶۳۲	آنحضرت ﷺ کے متعلق بتوں کے
۶۵۵	خطر کاہن کا حیرت ناک واقعہ		پیٹ سے آنے والی صدائیں
۶۵۶	خطر کاہن کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے متعلق اطلاع	۶۳۳	عباس ابن مرداس کا واقعہ
۶۵۸	سدرے ٹوٹنے کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد	۶۳۵	مازن ابن عصبہ کا واقعہ
۶۵۹	شیاطین کو آسمانی خبریں کیسے ملتی تھیں	۶۳۶	مازن کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعا
	آپ کے ظہور کے بعد کمات ختم ہو گئی	۶۳۷	دعا کی قبولیت
	نعمت بالغیر	۶۳۸	آنحضرت ﷺ کے متعلق ذبح شدہ جانوروں کے پیٹ سے آنے والی آوازیں
			حضرت عمرؓ کا واقعہ
		۶۳۸	آنحضرت ﷺ کے متعلق فضا میں پیدا ہونے والی آوازیں
		۶۳۹	قرن ابن ساعدہ سے ایک عجیب ملاقات
		۶۴۰	قوم ختم کا واقعہ
		۶۴۱	زل امی عمر خدری کا واقعہ
		۶۴۲	حیم داری کا واقعہ
		۶۴۳	اس حضرت ﷺ کی بتائی ہوئی ایک دعا
		۶۴۴	بنی حیم کے ایک شخص کا عجیب واقعہ
		۶۴۵	ایک لور صحابی کا واقعہ
		۶۴۶	سردار حضرت موت لورائے کا واقعہ
		۶۴۷	آنحضرت ﷺ کے متعلق وحشی جانوروں کے منہ سے سنی جانے والی باتیں
			جانوروں کا کلام کرنا علامات قیامت میں سے ہے
		۶۵۰	آنحضرت ﷺ کے متعلق درختوں سے آنے والی صدائیں
		۶۵۱	شہاب ثاقب کے ذریعہ آسمانی خبروں کی سن گئی لینے پر پابندی!!
			شیاطین سے آسمانوں کی حفاظت
		۶۵۲	سدرے ٹوٹنے پر عمرو ابن امیہ کی رائے
			شہاب چمکنے کا سلسلہ ظہور کے وقت

عرض ناشر

سیرت نبوت ﷺ نہایت پاکیزہ موضوع ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا دین کن مراحل سے گذر اور پیغمبر اسلام اور صحابہ کرام نے اس کی حفاظت میں کیا اہتمام اور تکلیفیں اٹھا کر اسے باقی رکھا اور اللہ تعالیٰ نے کس طرح مدد فرمائی۔

ضروری ہے کہ اس موضوع کی اہمیت کو سمجھا جائے اور اس کے مطالعہ کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا جائے کہ جس سے ہمیں دین کا علم اور اس پر عمل کی توفیق ہو اور ہمارے اعمال و اخلاق کی اصلاح ہو سکے۔

”حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میرے والد ہمیں رسول اکرم ﷺ کے غزوات دوسریا کے متعلق تعلیم دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے میرے بیٹے! یہ تمہارے بزرگوں کا شرف ہے اسے بھلا مت دینا۔“

اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کہ ”دارالاشاعت کراچی“ کو جہاں متعدد موضوعات پر علمی کتب کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائی۔ وہاں ”سیرت النبی ﷺ“ کے موضوع پر پہلے بھی بڑی مستند کتب شائع کی گئی ہیں جو عوام و خواص میں مستند و مقبول ہیں۔ زیر نظر کتاب علامہ علی ابن برہان الدین حلبی کی مستند کتاب ”افسان العیون فی سیرۃ الامین المامون“ ۳ جلد کا اردو ترجمہ ”سیرت حلبیہ اردو“ ۶ جلد میں طبع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے اردو زبان میں تاحال اتنی تفصیلی سیرت النبی ﷺ دستیاب نہیں یہ کتاب عربی میں بھی نہایت مستند اور اہم سمجھی جاتی ہے اس کی سند کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے اپنے مقدمہ میں اسے ”ام السیر“ قرار دیا ہے۔

بہت پہلے یہ کتاب دیوبند سے اقطاع میں شائع ہو کر نایاب ہو گئی تھی الحمد للہ باقاعدہ قانونی معاہدہ کے بعد ہم اسے شلیان شان انداز سے شائع کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کام میں خلوص عطا

فرمائے اور اسے دنیا و آخرت کے لئے قبول فرمائے آمین۔ امید ہے لعل علم اور عوام اس کی پذیرائی کریں گے۔

خصوصیات

- ۱..... آسان اور عام فہم ترجمہ
- ۲..... مصنف شافعی تھے اس لئے ایسے کسی مقام پر جہاں فقہی اختلاف تھا اسے قوسین میں علیحدہ سے واضح کر دیا گیا ہے۔
- ۳..... خوبصورت کمپیوٹر کتابت
- ۴..... تصحیح کا اہتمام
- ۵..... اعلیٰ کاغذ و طباعت
- ۶..... پائیدار و حسین جلد
- ۷..... مناسب قیمت

ناشر

خلیل اشرف عثمانی

ولد الحاج محمد رضی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

﴿..... پیش لفظ﴾

از مترجم: مولانا محمد اسلم قاسمی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

آج سے تقریباً پانچ سال قبل کی بات ہے احقر صبح کے وقت دہرا العلوم میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک مصری استاد شیخ محمود عبدالوہاب محمود دفتر میں داخل ہوئے اور ان کے پیچھے پیچھے ایک دوسرے عرب تھے اٹھا کر اندر تشریف لائے خشکی ڈاڑھی، لاناقد اور کھلتے ہوئے گندی رنگ کے ساتھ عربی لباس میں وہ خاصہ وحشیہ نظر آرہے تھے انہوں نے بلند آواز کے ساتھ مترنم اور پُر محبت لہجہ میں سلام کیا۔ شیخ محمود نے تعارف کراتے ہوئے بتلایا کہ یہ شیخ عبدالوہاب مصری ہیں جو مؤثر اسلامی کی طرف سے بریلی کے مدرسے میں عربی زبان کے استاد کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں۔ اس زمانے میں راقم الحروف مجموعہ سیرت رسول ﷺ کی ترتیب میں مشغول تھا اور شیخ محمود عبدالوہاب اس سلسلے میں بطور خاص میری رہنمائی فرما رہے تھے، موصوف نے دور ان گفتگو میں شیخ سے مجموعہ سیرت رسول ﷺ کی ترتیب کے متعلق بتلایا۔ انہوں نے سب سے پہلے مجھ سے یہ سوال کیا کہ اس سلسلے میں کون کون سی کتابیں میرے زیر مطالعہ ہیں؟ احقر نے متعدد کتابوں کے نام بتلائے اور وہ ہر ایک کے بعد کچھ ایسے انداز میں مزید کتابوں کے متعلق پوچھتے جیسے انہیں کسی خاص کتاب کا نام سننے کا انتظار ہو۔ آخر انہوں نے خود ہی مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ سیرت حلبیہ کا مطالعہ نہیں کر رہے ہیں۔ میرا ذہن اس اہم کتاب کی طرف ان کے کہنے کے بعد ہی منتقل ہوا مگر چونکہ اس وقت تک یہ کتاب میرے مطالعہ میں نہیں تھی اس لئے میں نے نفی میں جواب دیا، پھر انہوں نے اس کتاب کی اہمیت اور انفرادی حیثیت کے متعلق ایک مختصر سی تقریر کرنے کے بعد مجھے مشورہ دیا کہ میں اس سلسلے میں اس کا مطالعہ ضرور کر رہا ہوں۔

یہ پہلا دن تھا جب میں نے یہ کتاب نکالی۔ اور پھر تو، جوں جوں میں اس کا مطالعہ کرتا گیا یہ احساس اور

افسوس شدید تر ہوتا گیا کہ میں نے اب تک اس کو زیر مطالعہ کیوں نہیں رکھا۔ اسی مطالعہ کے دوران یہ خیال میرے ذہن میں جڑ پکڑتا گیا کہ یہ اہم کتاب اپنی تربیتی افادیت کے لحاظ سے اس قابل ہے کہ اس کو نئے اور مفصل انداز میں اردو ترجمہ کر کے پیش کیا جائے کیونکہ واقعات کی جو مستند تفصیلات ایک مربوط اور مسلسل انداز کے ساتھ اس میں ملیں وہ اپنی کوتاہ نظری کے اعتراف کے ساتھ، میں کہیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

سیرت پیغمبر ﷺ کا موضوع دراصل دینی اور اعتقادی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے لئے بنیادی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ یہ اسلام کے دور اول کی صرف تاریخ، واقعات پابینہ کی حکایت اور ایک عظیم انسان کی سوانح عمری ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک عام مسلمان کے لئے اس کے ہادی عظیم اور امام امت کی پاکیزہ زندگی کے وہ نقش اور وہ اسوہ ہے جو امت کے ہر ہر فرد کی زندگی کے لئے ایک عمل ترین اور آخری نمونہ ہے، یہ ہمارے لئے ایک ایسا خوبصورت گلدستہ حیات ہے جس کی نقل اور پیروی کر کے ہم اسلام کی صحیح معنی میں پیروی کر سکتے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پ ۲۱ سورہ احزاب)
(ترجمہ) تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الہی کرے اور رسول اللہ ﷺ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

اس اسوہ اور نمونہ سے مراد آنحضرت ﷺ کی مذہبی، تبلیغی، سماجی سیاسی، خانگی اور تمدنی حیات پاک اور اس کے وہ شب و روز ہیں جو اسلامی تعلیمات کا صحیح ترین اور مکمل ترین مظہر ہیں۔ یہ عظیم نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظروں کے سامنے ہر وقت تھا اور وہ سب سے زیادہ اپنی زندگیوں میں وہ روح پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے جو آنحضرت ﷺ کا نصب العین تھا چنانچہ سنت کے سب سے بڑے پیرو اور پیچ دہی قرار پائے۔ ان کی زندگیوں میں یہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور سنت کا ہی عکس تھا جس نے انہیں ذرے سے آفتاب بنا دیا اور آج وہ کروڑوں انسانوں کے لئے مشعل ہدایت اور محترم بن گئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فرمایا۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ. وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ قَرُّوهُمْ ذُكُّهُمْ مُبْتَلًى فَتَحَمَّلُوا مِنْ اللَّهِ وَرَحْمَةً
بِسْمَا هُمْ فِي وَجْهِهِمْ مِنَ الْإِسْحَاقِ (پ ۲۶ سورہ فتح)

(ترجمہ) محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے محبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں، کبھی سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور شامندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے آہر بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چروں پر نمایاں ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد باری ہے۔

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ. (پ ۲۸ سورہ مجادلہ)

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے یہ اللہ کا گروہ ہے۔

پھر خود رسول اللہ ﷺ ان حضرات کے حلق ارشاد فرماتے ہیں۔

أَصْحَابِي كَأَنْتَجُمٍ بَابِهِمْ أَتَيْتُمْ أَهْلَيْتُمْ (حدیث)

میرے تمام صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔
 آج رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہماری نظروں کے سامنے نہیں لیکن آپ ﷺ کا چھوڑا ہوا اسوہ
 نمونہ اور آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کے وہ تمام نقوش جو ہماری ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ سیرت کی کتابوں میں ثبت
 ہیں۔ یہ ہمارے لئے سب سے عظیم تہذیبی خزانہ، سب سے مکمل ثقافتی ورثہ اور سب سے قیمتی تہذیبی سرمایہ
 ہے، ایک جھلکے ہوئے مسافر کو اس مشکل سے زندگی کے ہر موڑ پر، ہر شعبے میں اور ہر مرحلے میں روشنی اور
 رہنمائی حاصل ہوتی ہے اور ہر تشنہ کام اس سرچشمہ فیض سے اپنی روح کی پیاس بجھا سکتا ہے، اس رسول برحق اور
 انسان کامل کی کتاب زندگی کے یہ لورلق ایک ایسی لمانت ہیں جس کو ہر دور میں زبان و قلم کے ذریعہ اس تسلسل
 کے ساتھ آپ کی امت تک پہنچایا جاتا رہا ہے کہ آج تک اس چشمہ فیض کی روانی میں فرق نہ آیا۔

عام طور پر تمام انسان اور خاص طور پر ہر مسلمان اس اُسوے اور نمونے کا ہر دور میں محتاج رہا ہے اور
 اس سے ہدایت پاتا رہا ہے مگر شاید آج کا انسان اور آج کا مسلمان ہمیشہ سے زیادہ اس دستور حیات کا ضرورت مند
 ہے کیونکہ اس دور نے انسان کو زندگی کا ہر آرام اور عیش بہم پہنچانے کے ساتھ اس کی روح کو ہمیشہ سے زیادہ
 تشنگی دی ہے اور اسے زندگی کے اس نصب العین سے بہت دور پہنچا دیا ہے جو ہر زمانے میں اس کا سب سے بڑا
 ہمدرد رفیق رہا ہے۔ آج انسان زندگی کی ان لذتوں سے ہمکنار ہے جن کا اس نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں
 کیا تھا، زمینوں اور فضاؤں میں اس کی ترقیات اور عروج کے نشان ثبت ہیں اور اس کا ہر قدم ماؤں کی کھونج اور
 جستجو میں آگے اور آگے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ مگر ان تمام لذتوں کے ساتھ آج جب وہ اپنی طرف متوجہ ہوتا
 ہے اور دنیا کی ہماہمی سے نجات پا کر جب وہ چند لمحے اپنے مطالعہ میں صرف کرتا ہے تو اس کو اس عیش و لذت کے
 ساتھ ایک ایسی کک کا احساس ہوتا ہے۔ اور اس پر رونق ماحول میں ایک ایسا غلا نظر آتا ہے جو اس کی روح کو
 مضحک کئے دیتا ہے، وہ اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالتا ہے تو اس کو ان خوبصورت راستوں کے آگے کسی منزل کا پتہ
 نہیں چلتا۔ ایک ایسی سڑک جو آگے جا کر ایک ویرانے اور ایک ریگزار میں بھی تبدیل ہو سکتی ہے۔ اس وقت
 اسے یہ تمام جدوجہد اور بھاگ دوڑ بے مقصد نظر آتی ہے، یہ اس کے ضمیر کی بیداری کا اظہار ہوتا ہے جو اس کو
 کبھی کبھی ان تکنیوں کی طرف متوجہ کر دیتی ہے۔

ضمیر کی بیداری کے ان ہی لمحات میں اس کو ایسی رہنمائی اور رہبری کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو
 اسے زندگی کا صحیح مقصد سمجھا سکے اور راستے کے آئندہ خدشات سے نجات دلا سکے۔

اس وقت زندگی کا وہ نمونہ ہی اس کو روحانی سکون اور آسودگی فراہم کر سکتا ہے جو ہر لغزش سے پاک
 ہو، ایک ایسی ذات کا اسوہ اور طریقہ ہی اس کو اطمینان بہم پہنچا سکتا ہے جس کا ہر قدم شاہرہ وحیثیت میں ایک عمل
 مقصد کا عنوان اور ساری دنیا کے لئے ایک آخری درس کی حیثیت رکھتا ہو۔

• زندگی کی یہ مکمل شکل صرف اس عظیم اور کامل ترین انسان کی سوانح اور تاریخ میں ہی مل سکتی ہے جو
 آخری طور پر زندگی کا مکمل دستور لے کر آیا اور اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا اور پھر دنیا کو اس کا
 درس دیا۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی ایک ایسا خوب صورت باغ ہے جس کے پھولوں کی مہک، فضاؤں کی نکلت
 اور ہواؤں کی تازگی سے آج تک دنیا مسحور ہے۔ یہ چمن ہر ایک کو دعوت دیدہ دے رہا ہے۔ اب یہ نظارہ کرنے
 والے کی صلاحیت اور دامن کی وسعت و ظرف پر موقوف ہے کہ وہ اس باغ سے کتنے پھول چتا ہے۔

میں نے اسی بنیاد پر اس موضوع کو ترجیح دی۔ میری کوشش ہے کہ اردو ادب سیرت پاک کے اس مقدس موضوع کی زیادہ سے زیادہ تفصیلات اپنے اندر سمو سکے۔

بالخصوص مسلم عوام کے لئے یہ موضوع نیا نہیں ہے۔ ہمارے اردو لٹریچر میں اس موضوع پر ایک عظیم الشان ذخیرہ موجود ہے جو اردو ادب طبع کی ضرورت کو پوری کر رہا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ اس سرمائے کے باوجود ہمارے لٹریچر اس موضوع کی تفصیلات، بے شمار واقعات اور تاریخی حادثات کے سلسلے میں تشنہ ہے۔ کیونکہ اب تک ہمارے یہاں جس قدر کتابیں تیار ہوئی ہیں وہ غلو، تالیفات ہوں یا تراجم، ان میں ایک چیز قدر مشترک رہی ہے اور وہ ہے اختصار جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اردو ادب عوام ان عظیم حلو، تاریخ ساز واقعات، آنحضرت ﷺ کے اجداد سے متعلق تفصیلات اور ان کے درمیان اختلافات اور پھر قطابن سے اتنے مکمل انداز میں واقف نہیں ہیں جس کا یہ مہلک موضوع مستحق ہے۔ قدیم عرب مصنفین نے اس پر کس قدر محنت اور جانفشانی کی ہے اس کا ہلکا سا اندازہ کسی عربی کتب کی لائبریری کے شعبہ تاریخ کے ایک سرسری سے جائزے سے ہو سکتا ہے۔ عربی میں اس موضوع پر بے شمار ضخیم اور مفصل تالیفات ہیں جن کے مطالعہ سے اس سلسلہ کے ایسے ایسے حقائق و واقعات سامنے آسکتے ہیں جن سے ابھی تک ہمارے کان نا آشنا ہیں۔ اردو ادب مصنفین اور اہل علم کے لئے بھی ابھی تک اس زبان میں کوئی ایسا مستند اور مفصل و مربوط ماخذ نہیں ہے جہاں سے وہ اس ذیل کے کسی بھی واقعہ کے متعلق مطلوبہ مولو فراہم کر سکیں، بلکہ انہیں ایک واقعہ کے لئے متعدد کتابوں سے رجوع کرنا پڑتا ہے جب چاکر متعلقہ واقعے پر روشنی پڑ سکتی ہے۔ بسا اوقات اتنی محنت اور کاوش کے بعد بھی مطلوبہ تفصیل فراہم نہیں ہو پاتی۔

ان تمام وجوہ کی بنا پر اردو لٹریچر عرصے سے اس کا ضرورت مند رہا ہے کہ اس موضوع پر عربی کے قدیم و مستند اور مفصل لٹریچر کو اردو میں منتقل کیا جائے، چنانچہ موجودہ اہل قلم نے اس پر خصوصی توجہ کی اور اس کے نتیجے میں حال ہی میں سیرت ابن ہشام اور تاریخ طبری جیسی عظیم و ضخیم کتابوں کے اردو ترجموں سے ہمارا لٹریچر مالا مال ہو چکا ہے، مگر علم ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں آغاز بردست لٹریچر اردو میں منتقل ہو جانے کے باوجود بھی یہ گوشہ بعض لحاظ سے تشنہ ہے اور زیر نظر کتاب اردو کے اس ذخیرے میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے جو ناقابل انکار اور زبردست غلاباتی ہے اس سے نہ اہل علم انکار کر سکتے ہیں اور نہ اس کا مطالعہ کرنے کے بعد عوام اس کی خصوصی افادیت سے انکار کر سکتے ہیں۔

سیرت طیبہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ایک ایسی منفرد کتاب ہے جو تاریخ اسلامی اور سیرت رسول ﷺ کے موضوع پر اپنا ایک علیحدہ، مستقل اور اہم مقام رکھتی ہے۔ حال ہی میں راقم الحروف حضرت والد محترم مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب کے ہمراہ دہلی سے دیوبند آ رہا تھا راستے میں میں نے سیرت طیبہ کے ترجمے و تہتیب کے متعلق ان حضرات سے تذکرہ کیا۔ اس پر حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے اس کتاب کے متعلق جو ایک جملہ فرمایا وہ غالباً اس کی انفر لویت، اہمیت اور افادیت و مقام کے صحیح تصور کو پیش کر سکتا ہے۔ موصوف نے فرمایا کہ

”ہمارے پاس عربی لٹریچر میں سیرت پر ضابطے کی تو صرف یہی ایک کتاب ہے“

مؤلف علامہ علی ابن برہان الدین طبری نے دراصل یہ کتاب عربی کی دو دوسری اہم کتب سیرت کی

تخصیص کے طور پر مرتب کی ہے یعنی حافظ ابوالفتح ابن سید الناس کی کتاب ”عیون الاثر“ سمور دوسری ”سیرت شمس الثانی“ جیسا کہ مؤلف موصوف نے مقدمہ کتاب میں واضح کیا ہے کہ یہ دونوں کتابیں اپنے علمی و تحقیقی مولو کے اعتبار سے بے حد اہم ہیں، مگر جہاں تک ”عیون الاثر“ کا تعلق ہے اس میں جو علمی اور تبلیغ مضامین و حقیقتات پیش کی گئی ہیں اس کی وجہ سے صرف علمی حلقے ہی اس کتاب سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ عوام اس کی گہرائی اور گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے یہ کتاب اپنی اہمیت کے باوجود ایک مخصوص طبقے کے لئے ہی مفید ہو سکتی ہے ہر طبقے اور معیار کے لوگ سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح سیرت شمس ثانی بھی ہے۔ اس لئے مؤلف نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے یہ ارادہ کیا کہ ان دونوں کتابوں کی تخصیص کر کے سیرت کے موضوع پر ایک مفصل و مربوط کتاب مرتب کریں جو مذکورہ دونوں کتابوں کے برخلاف عوام و خواص دونوں طبقوں کے لئے یکساں طور پر مفید ہو۔ خواص کے لئے اپنے استاد اور معتبر سیرت و تاریخ کی کتابوں سے ماخوذ واقعات کی بناء پر جن کا انہوں نے بیشتر جگہ حوالہ بھی دیا ہے اور عوام کے لئے اس لحاظ سے کہ یہ مستند ہونے کے ساتھ عام فہم انداز میں ہے جس میں تمام منتشر واقعات کو مربوط کر کے تسلسل کے ساتھ مرتب کر دیا گیا ہے اس کے نتیجہ میں واقعات کی ترتیب سے دلچسپی بھی پیدا ہوتی ہے اور وہ علماء و عوام سب کے لئے قابل فہم بن جاتے ہیں۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ایک واقعہ کے ذیل میں جتنی مختلف و متفرق روایات فراہم ہوتی ہیں یہ ان میں سے اکثر کو پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد ان روایات میں سے ممکن طور پر تضاد کو دور کر کے موافقت اور تطابق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے مختلف تاریخی واقعات کا ایک دوسرے سے جوڑ پیدا کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ کہ اس میں جتنی قوی اور ضعیف روایات پیش کی گئی ہیں مؤلف نے اکثر ان کا مآخذ بھی ذکر کر دیا ہے۔ اسی طرح جہاں روایات کے تحت قرآنی آیات آ رہی ہیں وہاں بعض جگہ مؤلف نے اس آیت کا شان نزول، اس کی مختلف تفسیریں اور اس کے بعد ترجیحی مفہوم کو پیش کر دیا ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ اس آیت کے شان نزول کا تاریخی واقعات سے ربط معلوم ہو جاتا ہے بلکہ اس کے حقائق علماء و مفسرین نے جو تحقیق و کاوش کی ہے اس کا نچوڑ سامنے آ جاتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، احقر نے اپنی کتاب مجموعہ سیرت رسول ﷺ کی ترتیب کے دوران اس کتاب کا بغور مطالعہ کیا تھا اس لئے یہ اندازہ تھا کہ اس کا صرف ترجمہ کر دینا کافی نہیں ہو گا بلکہ ترجمے کے ساتھ واقعات کی مزید تشریح کے لئے اس پر مستقل کام کرنے کی ضرورت ہو گی کیونکہ درحقیقت ہر زبان کا اپنا ایک انداز اور اسلوب ہوتا ہے، اس کے ساتھ ہی ہر زبان کے بولنے والوں کا ایک مخصوص مزاج اور افتاد طبع ہوتی ہے جو دوسری زبان کے بولنے والوں سے مختلف ہوتی ہے۔ عربی کتابوں کا بھی ایک خاص اسلوب ہوتا ہے جو عرب عوام کے ہی مزاج سے موافقت رکھتا ہے۔ ایک عربی کتاب چاہے کتنے ہی سادہ اور عام فہم انداز میں مرتب کی گئی ہو لیکن اگر اس کا ترجمہ جو ان کا توں غیر عرب کے سامنے پیش کر دیا جائے تو نہ ان کے لئے اس میں دلچسپی اور روانی باقی رہ سکتی ہے جو اصل زبان میں ہوتی ہے اور نہ دوسری زبان کے بولنے والوں کے لئے اس میں کشش اور انس ہو سکتا ہے جو ان کے اپنے اسلوب میں لکھی گئی کتاب میں انہیں حاصل ہو سکتا ہے خواہ یہ ترجمہ یا محاورہ اور سلیس زبان میں کیا گیا ہو اس کی اجنبیت برقرار رہتی ہے۔

اسی لئے راقم الحروف نے اس ترجمے میں یہ پہلو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ ترجمے میں، میں نے اس بات

کا بطور خاص خیال رکھا ہے کہ لہر دو اہل عوام کے حوالے کے مطابق جہاں واقعات میں مزید تفصیل اور تشریح کی ضرورت ہے اس کو پورا کیا جائے اور اپنے ہم زبانوں کے حوالے کو جملوں کی ترتیب میں ملحوظ رکھا جائے تاکہ بیان میں روانگی اور سلاست کے ساتھ دعویٰ زور بیان اور شوکت الفاظ باقی رہ سکے جو اصل زبان میں کتاب کا امتیاز ہو اگر ترقی ہے۔ ان تفصیلات کو اگر رد و لیج کے مطابق حاشیہ میں واضح کیا جائے تو اس سے واقعے کی تفصیل تو سامنے آجاتی ہے مگر جملوں اور اصل بیان کی روانگی باقی نہیں رہتی، بلکہ رسالہ وقت پڑھنے والا اصل کو پڑھنے کے ساتھ حاشیہ دیکھنے کے لئے تسلسل کو توڑنا کوہرا نہیں کرتا اور اس کے نتیجے میں اس حاشیہ اور تشریح کی افادیت محدود ہو جاتی ہے۔ اس لئے راقم الحروف نے مختصر تشریحات کو جن کا تعلق برہرہ راست اصل واقعہ اور موضوع سے ہے تو سینے یعنی برکت میں بخش کیا ہے۔ اس طرح واقعات کا تسلسل اور روانگی بھی ختم نہیں ہوتی اور ضروری تشریحات ساتھ ساتھ نظر سے گزرتی رہتی ہیں۔ جو واقعہ کے لحاظ سے بھی ضروری ہیں اور ترقی میں اردو زبان کا اسلوب پیدا کرنے کے لئے بھی ضروری ہیں۔ اس سلسل میں اس کتاب کے ترجمے اور ترتیب کے ساتھ ساتھ تاریخ و سیرت کی متعدد دوسری کتابیں بھی احقر کے زیر مطالعہ ہیں جن سے تشریحات کے سلسلے میں مراجعت کرتا رہتا ہوں۔ جہاں بھی ان دیگر زیر مطالعہ کتب کے اقتباسات نقل کئے گئے ہیں کتاب کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے اس کے علاوہ بعض واقعات کے سلسلے میں کچھ جگہوں پر اس کے متعلق اگر کوئی اہم نوٹ ہے تو اس کو صفحہ کے نیچے حاشیہ میں درج کر دیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ اس سلسلے میں جو ضروری مشورے ہوں گے ہمارے ان سے مجھے ضرور مطلع فرمائیں گے۔ نیز اس ترتیب کے سلسلے میں جو خامیاں ان کو محسوس ہوں گی ان پر طعنہ زن ہونے کے بجائے مجھے مخلصانہ طور پر اپنی طرف توجہ دلائیں گے تاکہ ان کا ازالہ کیا جاسکے۔

ان سطور میں اپنے مشفق و محترم اساتذہ دارالعلوم دیوبند کا شکریہ ادا کرتا میرے لئے ایک ایسا فریضہ ہے جس سے میں چند الفاظ تشکر کے ذریعہ عمدہ برآئیں ہو سکیں۔ اس سلسلے میں میرے مشفق و محترم استاذ مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری کا نام سرفہرست ہے اور ان سے جو تعاون اور مخلصانہ رہنمائی مجھے حاصل ہوئی ہے اس کے اظہار کے لئے اگر میں چند بھی الفاظ تشکر کا سہارا ہوں تو حقیقت میں میرے جذبات ولی کو مجھ سے شکایت ہوگی۔ موصوف محترم نے میرے لئے جس فیاضانہ اور مشفقانہ انداز میں اپنے وقت کا ایک حصہ وقف کر دیا صرف کیا میں اس کو ان کا ایک ایسا ایڈر سمجھتا ہوں جو میرے دل پر نقش ہے اور جس کے صلہ کے لئے میری کم مانگی حیران ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دست بردار ہوں کہ میری اس محنت و خدمت کو قبول فرمائے اور عوام و خواص میں اس کو مقبولیت عطا فرمائے جس کی یہ اپنے مبدک موضوع اور دنیا کے بلند ترین انسان کی طرف استباب کی وجہ سے مستحق ہے، اللہ تعالیٰ اس خدمت کو میرے لئے سعادت و نجات کا باعث بنے۔ آمین۔

محمد اسلم قاسمی

۵ فروری ۱۹۶۹ء تا ۱۳۸۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از قبلہ محترم و بکرم حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ

مستند دارالعلوم دیوبند

کوئی قانون یا دستور اگر لور اوق و کتب یا قرائن و سائنس کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے تو ہم اسے علمی دستور کہتے ہیں اور وہی دستور جب کسی شخصیت اور ذات سے عمل سرزد ہو کر سامنے آتا ہے تو ہم اسے عملی دستور کہتے ہیں، اسی طرح دین خداوندی نبی کے ذریعہ جب لور اوق و کتب یا قرائن و سائنس کے واسطے امت تک پہنچا ہے تو اسے صحیحہ آسمانی کہا جاتا ہے اور وہی دین حق جب کسی نبی معصوم کی ذات پاک اور مقدس شخصیت سے سرزد ہو کر عملی نمونہ کے طور پر نمایاں ہوتا ہے تو اسی کو سیرت یا سوانح کہنا جاتا ہے اس لئے دین اور سیرت ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں جن میں مصداق کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں صرف معصوم اور رخ کے لحاظ سے عنوانی فرق ہے۔ پس نبی جو پچا دے وہ ”دین“ ہے اور جسے کر کے دکھلا دے وہ ”سیرت“ ہے اور جبکہ انبیاء معصومین کے لئے اور کئے میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا تو دین اور سیرت میں بھی کمال مطابقت کی وجہ سے کوئی فرق ممکن نہیں۔

پھر دین جیسے دو حصوں میں منقسم ہے ایک عقیدہ اور ایک عمل یا شرعی اصطلاح میں ایک ایمان اور ایک اسلام کہ ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور اسلام کا قالب سے ایسے ہی سیرت بھی انہی دو حصوں ظاہر اور باطن میں منقسم ہے۔ ظاہری حصہ میں عبادات، معاملات، معاشرات، اجتماعیات، تعلیمات، تدبیرات اور غزوات و تصرفات کلائیں گے جن میں کوئی مقدم ہے اور کوئی مؤخر ہے کوئی سبب ہے اور کوئی نتیجہ اور باطنی حصہ میں عقائد، اخلاق، مقامات، افکار، جذبات، بولودات، الملمات، فراموشی و بصیرت اور نور باطن وغیرہ سب داخل ہو کر سیرت باطن کلائیں گے کہ ان میں بھی وہی تقدیم و تاخر قائم ہے جو ظاہری کمالات میں تھا البتہ سیرت کے دائرہ میں ایک اور حصہ بھی شامل ہے جو دین کے دائرہ سے الگ ہے اور وہ نبی کے خلقی اور تکوینی فضائل و کمالات ہیں جن کے لئے امت مختلف نہیں ہو سکتی تھی اس لئے اصطلاحی طور پر اسے دین میں شامل نہیں کیا جاتا جس میں بالکل حلیہ مبدکہ، سرپائے مقدس چال و احوال، حیات و معجزات وغیرہ شامل ہو کر سیرت کا ایک اہم فرد بن جاتے ہیں۔ پس دین کمالات نبوی کا نام ہے اور سیرت میں کمالات کے ساتھ معجزات بھی شامل ہیں اس لئے سیرت کا دائرہ دین سے زیادہ وسیع ہے۔ سیرت کے دونوں عملی پہلو یعنی باطنی اور ظاہری کمالات پہلے انبیاء پر وارد ہوتے ہیں جو بارگاہ حق کی طرف سے دنیا میں نمونہ عمل بنا کر بھیجے جاتے ہیں اور پھر ان کی صحبت و صداقت اور رسالت کے واسطے سے ساری امت اس کی پابند ہوتی ہے، اس لئے ایمان ہو یا اسلام، اصل میں انبیاء کا ہو تا ہے اور پھر ان کی تاثیر اور طفیل سے امتوں میں سرایت کرتا ہے جو در حقیقت ان کے ہی ایمان اور اسلام کا ظل اور پرتو ہو تا ہے جیسے ہدایت میں اصل نور آفتاب کا ہے۔ آفتاب کی تاثیر اور نورانی سایہ (دھوپ) پڑنے سے درود یار اور صحراد کو ہر سبب روشن ہو جاتے ہیں۔ لیکن حقیقتاً وہ روشنی اور چمک

دک ان کی اپنی نہیں ہوتی دھوپ کی ہوتی ہے۔ جب دھوپ کے رخصت ہو جانے پر اندھیرا اکپ ہو جاتا ہے تو یہ پھر اسی طرح ظلماتی کے ظلماتی پڑے رہ جاتے ہیں جس سے صاف نمایاں ہے کہ دھوپ کے وقت بھی یہ خود روشن نہیں تھے صرف روشن نظر آنے لگے تھے بروقتی اس وقت بھی دھوپ ہی کی تھی اور وہی روشن نظر آ رہی تھی لیکن چونکہ دھوپ ان مکانوں کے سانچوں میں ڈھل کر نمایاں ہوتی ہے کہ دھوپ اور مکان کی سطح میں کوئی فرق نہیں رہتا اس لئے وہ دھوپ کی سطح مکان کی سطح نظر آتی ہے اور مکان ہی چمکتا ہو لو کھائی دیتا ہے لیکن حقیقت یہ چمک دک مکان کی نہیں بلکہ دھوپ کی ہوتی ہے۔

اسی طرح نجوم ہدایت انبیاء کے ایمان و اسلام کی دھوپ جب استوں پر پڑتی ہے بشرطیکہ وہ ان نورانی کائناتوں کی طرف رخ کئے ہوئے ہوں اور نفسانی تجاہل و درمیان میں حاکم نہ ہوں تو وہ بھی ایمان و اسلام سے روشن ہو کر مومن و مسلم کھلانے لگتے ہیں لیکن یہ ان کی ایمانی چمک دک خود ان کی اپنی نہیں ہوتی انبیاء ہی کے ایمان و اسلام کی ہوتی ہے اگر انبیاء ان کی طرف رخ نہ کریں یہ یہ خود اپنی سوء استعداد کی وجہ سے ان کی طرف رخ نہ کریں تو دونوں صورتوں میں ایمان و اسلام کی روشنی ان میں نہیں آسکتی۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ امت و حقیقت انبیاء کے ایمان و اسلام کے حق میں نمائش گاہ یا جلوہ گاہ ہوتی ہے جن میں ہو کر نبی کا ایمان گزرتا ہے اور وہ ایمان سے روشن نظر آنے لگتے ہیں۔ جیسے آئینہ میں اگر آفتاب کا عکس آئے اور وہ جگہ گامٹے تو اس میں آئینہ کی کسی بائی روشنی کا دخل نہیں ہو تا بلکہ محض سورج کے عکس کا اثر ہوتا ہے اگر آفتاب ذرا رخ پھیر لے یا وہ رخ نہ پھیرے مگر آئینہ ٹیڑھا بیٹھا ہو کر منحرف ہو جائے تو اسی دم اس کی روشنی اور ساری چمک دک غائب ہو جائے گی یہ اس کی بائی روشنی ہوتی تو اس کے رخ پھیرنے پر بھی وہ قائم رہتی۔ ٹھیک اسی طرح اصل ایمان انبیاء کا ہے امتوں کا ایمان محض ان کے ایمان کا ایک ظل اور پر تو ہے جو امتوں کے آئینہ قلب میں منعکس ہو جاتا ہے اور اس کے طفیل امتی بھی مومن و مسلم کھلانے لگتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب سیرت بھی اسی ایمان و اسلام کے دوسرے رخ کا نام ہے تو یہاں بھی یہ ہی سمجھ لینا چاہئے کہ جب تک کسی امت پر سیرت انبیاء کی دھوپ نہ پڑے اور امت ذریعہ سایہ سیرت پاک نہ آجائے نہ اسکی سیرت بن سکتی ہے اور نہ کر دہ درست ہو سکتا ہے، بالفاظ دیگر جب تک امت اپنے کو ایک میل شدہ آئینہ کی طرح قلب نبوت کے سامنے نہ کر دے اور اسکی سیرت کا عکس اپنے اندر نہ دکھلائے اس وقت تک اسکی سیرت نہ چمک سکتی ہے نہ مومنانہ اور مسلمانہ کھلانے جانے کی مستحق ہو سکتی ہے اس حکم اصول پر ترجیح بھی یہی نقشہ سامنے رکھ لینا چاہئے کہ جب تک امت مروجہ حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام کی سیرت طیبہ کا پر تو اپنے آئینہ قلب میں نہ لے گی نہ یہ حقیقی معنی میں امت اجابتہ کھلانے کے قابل ہو گی اور نہ ہی دنیا میں اسکا کوئی وقار قائم ہو سکے گا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ انبیاء سابقین کی شریعت اور سیرت اپنے اپنے دور میں تاثیر دکھلا کر مقررہ وقت پر اس جہان سے رخصت ہو گئی۔ آج وہ شریعتیں ہیں نہ سیرتیں، نہ ان کی روایتیں ہیں نہ روایتیں اور اگر کچھ زبان زد بھی ہیں تو بے سند اور بلا سلسلہ متصل محض افواہ کے درجہ میں ہیں نہ محفوظ ہیں نہ منضبط کہ ان پر فوق و اطہیان کا اکتفا کر کے کوئی اپنی سیرت بنانے کا کام انجام دے۔ کسی تاریخی چیز پر اطہیان نقل و روایت ہی سے ممکن ہے اگر روایت ہی نہ ہو تو سوا اقصہ ہی اندھیرے میں رہ جاتا ہے کیسے معلوم کیا جائے کہ یہ فلاں مقدس کی سیرت ہے اور فلاں معصوم کی خصلت و عادت ہے۔ پھر روایت پر اطہیان محض نظارہ روایت آجانے سے نہیں ہو تا جب تک کہ اس کے رولوی نہ ہوں اور راست باز نہ ہوں اور ساتھ ہی ان سے تمام اسباب غلط فہمی اور غلط گوئی مرتفع بھی نہ

ہوں۔ اگر عدالت شعراء و ادیبوں کی روایت حد تو اترا تک پہنچی ہوئی ہو تو اول درجہ کا اطمینان حاصل ہو گا ورنہ کم از کم رلوئیوں کا سلسلہ متصل ہونے اور ان کے فہم و عدالت کے ثبوت کے بعد فی الجملہ لو بقدر ضرورت اطمینان پھر بھی حاصل ہو جائے گا لیکن اگر روایت ہی سرے سے نہ ہو افواہ محض ہو یا روایت ہو تو رلوئیوں کا پتہ نہ ہو محض اسم روایت ہو یا رلوئی ہوں مگر بھول الحال ہوں جن کا صدق و کذب سب پردہ خفا میں ہو یا کوئی ایک کوجہ رلوئی اتفاق سے معلوم الحال بھی ہو مگر قبضل کے ساتھ روایت کا سلسلہ اصل داعی مذہب تک نہ پہنچتا ہو تو آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ آدمی ان کی تو مانے اور اپنی عقل کی نہ مانے اور خواہ مخواہ لکیر پیٹ کر خود کو اور اپنی سیرۃ کو مجمل الحال لوگوں کے حوالہ کر دے اور ایسی سیرتوں کو کسوٹی بنائے جن کا اپنا کوئی وجود نہ ہو چہ جائے کہ وہ دوسروں کے وجود کے عیب و ثواب دکھلانے کی کوئی مصلاحت رکھتی ہوں۔ اندریں صورت جبکہ انبیاء سابقین کی سیرتیں ہی منضبط نہیں اور کسی حد تک زبان زد بھی ہوں تو وہ پردہ روایت پر نہیں آئیں کہ ان کے ثبوت و عدم کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جائے اور ایک سیرت سازی کا ظاہر اپنی سیرت بنانے کے لئے ان کی طرف رجوع کرے ورنہ کوئی بتائے کہ سیرت مکی و مدنی و نوح و ابراہیم علیہم السلام پر آج کون سی مستند کتاب دنیا میں موجود ہے۔ حتیٰ کہ خود تور و تواتر و انجیل اور زیور کی اصل کا بھی ان سے کوئی پتہ نہیں چلتا کہ وہ کب اتریں، کس طرح اتریں، کس پر اتریں، کس نے انہیں جمع کیا اور لکھا اور کن واسطوں اور سلسلوں سے وہ آج کے لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچیں۔ تو ان حضرات کی سیرت کی کسی کتاب کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب مہانی مذہب ہی غیر موثق ہوں تو داعی مذہب کی سیرت تو ان معانی ہی سے بنتی ہے وہ کہاں سے آجائے گی۔ بخلاف سیرت خاتم الانبیاء ﷺ جس کا اساسی ناخذ تو قرآن ہے جس کے بارے میں صدیقہ عائشہؓ نے فرمایا تھا۔

وكان خلقه القرآن

آنحضرت ﷺ کا سیرت و اخلاق یہ قرآن ہے جو اس میں لکھا ہوا ہے وہی آپ کی ذات میں عمل اور سیرت و کردار کی صورت میں موجود ہے۔ اس قرآن کی اور بالفاظ دیگر سیرت نبوی کی سند و روایت کا تو یہ مقام ہے کہ دو چار، دس پانچ رادویوں کے واسطے سے نہیں بلکہ پیچھے سے لے کر آج کے دور تک ہر دور میں تو اتر کے ساتھ مسلسل ہے۔ ہر قرن میں ہزاروں لاکھوں حافظ موجود جنہیں ایک ایک ذریعہ تک محفوظ، پھر اس کا ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف گنا ہوا اور شکر میں آیا ہوا منضبط ہے۔ حتیٰ کہ اس کی روایت کے ساتھ اس کی روایت، طرز و ادا، لب و لہجہ، طرز کتابت اور رسم الخط تک کے تحفظ کے لئے ہر دور میں ہزاروں ہزار مبعثر افراد کی جماعتیں اور گروہ سرگرم عمل رہتے آئے ہیں پھر قول و فعل رسول کے لئے خود صاحب رسالت کا اپنا کلام جسے ”حدیث“ کہتے ہیں اس حد تک منضبط، محفوظ اور اس درجہ اس کی روایت مسلسل کہ صحیح میں اطلاع کا نشان تک نہیں بلکہ اس کے لاکھوں رادویوں کی سوانح و حرمیاں محفوظ اور لائق تاریخ میں منضبط۔ حتیٰ کہ اس کے فن روایت کے وہ اصول تک بھی مرتب شدہ موجود کہ اس کی تاریخ ہی ایک مستقل فن بن گئی۔ جس میں ہزار ہا تصانیف منضبطہ شہود پر آئیں۔ قرآن و حدیث تو الہام اور وحی ہے اس کی جتنی بھی حفاظت کی جاتی بر محل تھی۔ مسلمانوں نے تو اپنی تاریخ اور تاریخ کتب کی بھی وہ حفاظت کی کہ قوم توریت و انجیل، قوم زیور اور قوم صحف ابراہیم اپنے آسمانی نوشتوں کی بھی وہ حفاظت نہ کر سکی۔

آج قرآن و حدیث اور تاریخ ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی ہر دینی فن کی کتب کی روایت بھی مسلسل کے

ساتھ ان کے آخری ماخذوں تک پہنچی ہوئی ملے گی، لیکن توریت و انجیل اور زبور اور وید کا موسیٰ و عیسیٰ و داؤد علیہما السلام اور برہانجی تک کوئی ثبوت نہ مل سکے گا۔ اس صورت میں غور کیا جائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک سیرت سازی کا کام کر سکتی ہے یا ان تمام بردہ شخصیتوں کی سیرت۔ جن کا کوئی روایتی وجود ہی نہیں کہ ان کا کچھ اثر پہنچ بھی مل سکے، پھر لوہر سے ان کتب کے تراجم میں بھی وہ تضاد و تعارض ہے کہ نقل و روایت تو نبیائے خود ہے اصل بھی اصلیت کا پتہ نہیں چلا سکتی۔ یہ وثوق و اعتماد کہ آئندہ ہند کر کے کوئی عملی دنیا میں اس پر جھک جائے اور مطمئن ہو کر اپنی سیرت بنائے صرف سیرت خاتم الانبیاء ﷺ اور اس کے ماخذ قرآن و حدیث ہی کو حاصل ہے اور وہی بردہ کر دینا کو اپنی سیرت بنانے کی دعوت عام دے سکتی ہیں۔ پھر جبکہ اس سیرت کے ماخذ قرآن و حدیث ہیں تو ان کے ابتدائی طور محفوظ ابد ہونے کا وعدہ دیا جا چکا ہے جو پورا ہوا اور ہو رہا ہے کہ چودہ سو سال تک مشاہدہ میں آچکا ہے کہ بلا کسی تغیر و تبدل کے اپنی اصلی صورت میں محفوظ ہے، اور لوہر قرون مابعد کے لئے بھی ان کی حفاظت و نصیحت یقین کی گرائیوں میں ہے کہ جیسے اب تک وہ محفوظ رہے ہیں ویسے ہی آئندہ بھی تابہ محفوظ رہیں گے۔ اس لئے بلاشبہ سیرت محمدی بھی ابدی ہے جو کبھی مٹنے والی نہیں جبکہ اس کے ماخذ ابد قرار ہیں۔ پس کسی بھی تنقیرانہ سیرت کے جو یا کے لئے اگر سیرت نبوت درکار ہوگی تو پوری دنیا میں یہ ہی ایک سیرت محمدی ﷺ ہوگی جو بردہ کر دینی کر سکے گی کہ یہ طلب صرف اس کے دامن میں پناہ لینے میں پوری ہو سکتی ہے اور کسی بھی دوسری جگہ نہیں ہو سکتی۔

بلکہ میں آگے بردہ کر عرض کروں گا کہ اگر انبیاء سابقین کی سیرت کی بھی کسی کو تپ ہو اور وہ بھی اپنی سیرت کو روشن کرنا چاہے تو وہ بھی اسے قرآن و حدیث اور سیرت خاتم المرسلین ہی میں دستیاب ہو سکتی ہے اس سے باہر نہیں مل سکتی، کیونکہ جس طرح پر یہ دین خاتم الانبیاء جامع ادیان ہے اور ہر دین کا مغز اور نچوڑ اس میں لے لیا گیا ہے جس کی محسوس دلیل خود یہ قرآن ہے جسے نہ لکھ لکھلکھل حسی فرمایا گیا ہے اور جس کو لوہاں پر غالب کرنے سے پہلے ابد کیا ہے۔ **لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ**

اس طرح خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ بھی تمام انبیاء کی سیرتوں کی جامع ہے جبکہ آپ کو قرآن ہی نے یہ ہدایت بھی دی کہ **فَبِهَذَا هُمْ أَفْتَدَهُ**

اس لئے اگر کوئی آج انبیاء سابقین کی مقدس سیرتوں کو بھی پچھاننا چاہتا ہے تو وہ سیرت خاتم الانبیاء ہی کے ضمن میں انہیں پچھان سکتا ہے۔ اس جامع سیرت میں یہ سب سابقہ سیرتیں اس طرح روشن نظر آئیں گی جیسے آفتاب سے کرنیں اٹھتی ہوئی ہوتی ہیں کہ وہ آفتاب کی ذات سے ہی صادر شدہ ہوتی ہیں ہر حال جیسے اسلام کی آسمانی کتاب تمام کتب سابقہ کی جامع ہے ایسے ہی سیرت خاتم الانبیاء تمام انبیاء سابقین کی سیرتوں کی جامع ہے اور جس طرح یہ آخری آسمانی کتاب ابتدائی اور محفوظ ترین کتاب ہے جس کے ایک شوش میں بھی فرق نہیں آسکا جیسا کہ آج تک صدیوں گزر جائے پر بھی نظر نہیں آیا ایسے ہی سیرت خاتم النبیین بھی ابدی اور محفوظ ترین سیرت ہے جس کے کسی گوشہ میں کوئی فرق نہیں آسکا جیسا کہ اب تک نہیں کیا چنانچہ آپ ﷺ کی سیرت مقدمہ زندگی کے ہر شعبہ پر پھیلی ہوئی سیرت ہے جس سے بشری زندگی کا کوئی گوشہ بھی باہر نہیں رہ سکا جبکہ ہر گوشہ کی سیرت محفوظ ہے۔ خلوت کی ہو یا جلوت کی، گھر یا زندگی کی ہو یا اجتماع زندگی کی، صلح کی ہو یا جنگ کی، ہشامی کی ہو یا غمی کی، دوستی کی ہو یا دشمنی کی، غریبی کی ہو یا امیری کی، بے کسی کی ہو یا ہمہ گیر مقبولیت و سیادت کی

سیرت طیبہ اور علم کی ہوا عمل کی، اخلاق کی ہوا کمالات کی، دنیا کی ہوا آخرت کی، قطع مع اللہ کی ہوا تعلق مع الخلق کی وغیرہ وغیرہ ہر ہر گوشہ زندگی کی سیرت نقل صحیح اور سند متصل کے ساتھ کتب سیرت اور ہاتف سیرت میں محفوظ ہیں۔ پھر جیسے علمائے اسلام نے اس آخری دین کے تمام اصول و فروع، عقائد و اعمال اور علوم و حکم کی جرأت انگیز طریق پر حفاظت کی جس کی نظیر دنیا کی کسی امت میں نہیں ملتی۔ ایسے ہی سیرۃ نبوی کی ترتیب و تدوین اور تفصیل و تنویب کو بھی محیر العقول انداز میں کر دکھایا کہ اس کی مثال بھی دنیا کی کوئی قوم نہیں کر سکتی۔ پھر یہ سیرت کے رد و جہاں اس کے رول اور ناقل بنے وہیں کمال عقیدت سے اس کے پیروکار اور عامل بھی بنے اور اپنے قلم و زبان ہی سے نہیں بلکہ اپنے پورے قلب و قالب سے اس کا تحفظ کیا اور سیرت نبوی ﷺ کے علی اور علیٰ غموسے نہ دکھلائے اور دکھلائے چلے کر ہے ہیں۔ پس آج جس طرح قرآن نے ہی تمام کتب سلوی کو ان کے علوم و مقاصد کے لحاظ سے زندہ اور محفوظ کر دیا ہے اسی طرح سیرت خاتم النبیین ﷺ نے تمام انبیاء کی سیرتوں کو زندہ اور محفوظ کیا ہوا ہے۔ اس لئے اس خاتم السیرت پر قلم اٹھانا اور حقیقت سارے انبیاء کی سیرتوں پر قلم اٹھانا ہے اور پورے عالم نبوت کی شرح کر دینا ہے اور ایک جامع النبوات ذلت ستودہ صفات کی سیرت کے ضمن میں ہر نبی کی سیرت کو اضافت کر دینا ہے اس امت پر یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس کا کوئی قرن اس احیاء سیرت سے خالی نہیں ہے جس طرح اسلام کے دوسرے گوشوں کے محافظین سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی۔

چنانچہ جہاں اسلام میں حفاظت قرآن کا ایک جم غفیر ملا ہے جس نے قرآن کو اپنے سینوں میں رکھ رکھا جس کی حفاظت کا حق ملا کیا جہاں مفسرین کا ایک عظیم گروہ ملا ہے جس نے مروجۃ اللہ کو اضافت کر کے ایک عالمی کونان کے مواضع پر چسپاں کیا، جہاں محدثین کا ایک عظیم طبقہ ملا ہے جس نے کلام رسولی ﷺ کی حفاظت اور غلط و اختلاف سے اسے بچانے کا بیڑا اٹھایا اور جہاں متکلمین کا ایک عظیم مجمع نظر پڑتا ہے جس نے عقائد نبوت کو دلائل و براہین کے ساتھ منضبط کیا، اور جہاں فقہاء کا ایک عظیم مجمع نظر آتا ہے جس نے دین کے فرعی اور عملی مسائل کو ترتیب دے کر پاؤں و ہڈ کر کے دکھلایا اور جہاں صوفیاء کا ایک حزب عظیم اور مقدس گروہ نظر پڑتا ہے جس نے حقائق باطن کو بطون غیب سے نکال کر ظہور شہود تک پہنچا دیا وہیں سیرت نگاروں کا بھی ایک پاک نژاد گروہ ملا ہے جو ہر قرن میں آنحضرت ﷺ کی پاک زندگی اور اس کے تمام پایہ کزہ گوشوں کو طبعی ترتیبوں سے جمع کر کے پیش کرتا رہا ہے جس سے سیرت نے ایک مستقل فن کی صورت اختیار کر لی اور اس میں ہزاروں کتابیں تصنیف ہو کر نور افزائے عالم ہوئیں۔

بعض سیرتیں محدثانہ انداز میں لکھی گئی ہیں جیسے "البدلیہ والنہایہ" کا جزء سیرت بعض فقہی مسائل کی ترتیب پر قہمانہ انداز سے مرتب کی گئی ہیں جیسے "تذکرۃ العلما فی ہدی خیر العباد" بعض ماضیات اور صوفیانہ انداز سے لکھی گئیں جیسے "شفاء قاضی عیاض" بعض مفادی اور غزوات کو معیار بنا کر ترتیب میں آئیں جیسے "سیرت ابن ہشام" اور بعض محض مؤرخانہ حیثیت سے قلمبند ہوئیں جیسا کہ عام کتب سیرت کا انداز ہے وغیرہ وغیرہ ہاں مگر ان میں بعض وہ بھی ہیں جو تدبیر، تحقیق و غیرہ تمام پہلوؤں کے اجتماع سے مرتب ہوئیں اور ان میں ان سب فنون کی ملی جلی مثالیں نظر آتی ہیں ان میں سے اہم ترین سیرت، سیرت طیبہ بھی ہے جو الامام الہمام الشیخ علی ابن برہان الدین طبری کے قلم سیرۃ نگار کا شاہ کار ہے جس کی امت نے ہر دور میں تعلق باقبول کی ہے۔ صدیوں سے یہ کتاب تمام کتب سیرت کے لئے ماخذ بنی ہوئی ہے اور مشکلات سیرت میں علماء نے اس کی طرف خاص طور سے رجوع کیا ہے اور اسے مشعل راہ بنایا ہے اور اپنی اپنی تالیفات سیرت کو اسی کے خوالوں سے مزین

جلد اول نصف اول

سیرت طیبہ اردو

۳۰

اور مستند طلبہ اور انہیں قابل اعتماد ثابت کیا ہے اس لئے اگر اسے اُمّ الشیخ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

لیکن سیرت کا یہ عظیم مستند مدنی ذخیرہ عربی زبان کے قید خانہ میں نظر بند تھا اور صرف علماء ہی کی اس تک رسائی ممکن تھی عام پڑھے لکھے لوگ اس سے بہرہ ور است استفادہ نہیں کر سکتے تھے صرف اس کے حوالے دیکھ دیکھ کر اپنی پیاس بجھاتے رہتے تھے، ضرورت تھی کہ اسے اس پڑھنے کے قابل ذوق عوام سے روشناس کر لیا جائے اور اردو زبان کا جامہ پہنا کر اسے ملت ہندیہ کے علمی شہستان میں لایا جائے۔

حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے عزیزم خورد نور سعادت اکبر مولوی محمد اسلم سلمہ قاسمی قاضی دیوبند وہ عظیم شجرہ نشر و اشاعت و امور عامہ دارالعلوم دیوبند کو جنہوں نے ”سیرت طیبہ“ کے باعلاوہ اور سلیس ترجمہ کا بیڑا اٹھایا اور عملی طور پر شروع کر کے اس کی ایک قسط بھی تیار کر لی۔ عزیز موصوف کو فن سیرت سے چوتھ پہلے ہی سے خاص لگاؤ اور طبیعتی مناسبت ہے چنانچہ اس سے پہلے وہ مجموعہ سیرت رسول ﷺ کے نام سے اپنی ایک پلیٹ اور بلند پایہ تالیف شائع بھی کر چکے ہیں جو مقبول عام ہوئی اور بعض بعض تعلیم گاہوں کے نصاب میں بھی قبول کر لی گئی، اس لئے وہی احق تھے کہ سیرت طیبہ جیسی مستند اور فاخر کتب ذخیرہ سیرت سے ہندوستان کو روشناس کر لائیں انہوں نے اپنے خدا دلوں ملک سیرت نگاری سے اس اہم سیرۃ کو اس خوبی سے اردو کا جامہ پہنانا شروع کیا ہے کہ وہ اس کے بدن پر چست اور فٹ نظر آ رہا ہے جس میں کہیں جھول نظر نہیں آتا لفظی ترجمہ یا ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا نہ صرف دشوار بلکہ بعض مرحلوں میں ناممکن ہو جاتا ہے جبکہ ہر زبان کے محاورات لگ ہیں طرز بیان جدا ہے اور زبانوں کے پس پشت ان کا قومی اور اجتماعی ذوق جدا گانہ ہے جس سے محاورے اور ضرب الامثال بنے ہیں اس لئے کسی ایک زبان کو دوسری زبان میں من و عن منتقل کر دینا دشوار اور بہت ہی صبر آزمایہ ہے اس لئے عزیز موصوف نے اس پُر خاندواری کو ترک کرتے ہوئے بجائے لفظ سے لفظ کا ترجمہ کرنے کے مضمون کا مفہوم سے چلولہ کیا ہے مگر تقریباً الفاظ کی قید بندہ کر لی یعنی سیرت طیبہ کے لفظوں کو اردو کا جامہ نہیں پہنا بلکہ الفاظ کی روشنی میں مضامین کو عربیت سے اردو میں منتقل کر دینے کی کامیاب سعی کی ہے تاکہ اصل مضمون کا ذور بھی باقی رہے اور محاورات کے فرق سے کسی مضمون کی روح بھی تحلیل نہ ہو۔

جستہ جستہ اس ترجمہ کو احقر نے دیکھا ہے جسے مذکورہ انداز پر پورا اترتا ہوا پایا، ترجمہ کی بڑی خوبی یہ محسوس ہوئی کہ وہ ترجمہ نہیں معلوم ہو بلکہ اردو زبان کی ایک مستقل تصنیف معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جا بجا ترجمہ کے ساتھ اس میں مفید تشریحات بھی قوسین میں دی گئی ہیں اس لئے اسے ترجمہ سیرت طیبہ کہنے کی بجائے اگر اردو سیرۃ طیبہ کہا جائے تو بے محل نہ ہوگا بلکہ یہ کہنا بھی شاید مبالغہ سے خالی ہوگا کہ اگر خود مصنف سیرۃ طیبہ بھی اسے عربی میں لکھتے کے بعد اسی کے مضامین کو اردو میں لکھتے تو اس کی تعبیرات شاید وہی پیاس کے لگ بجک ہی ہوتیں جو عزیز موصوف نے تعبیری طور پر اختیار کی ہیں۔ امید ہے کہ انشاء اللہ اس اردو سیرت طیبہ کو دیکھ کر ناظرین وہی لطف اٹھا سکیں گے جو اصل کو دیکھ کر وہ حاصل کرتے۔ حق تعالیٰ شانہ، حرج موصوف کو اپنے نبی پاک کے سیرت نگاروں کے زمرہ میں داخل فرما کر دین میں جتنا وہ خیر عطا فرمائے اور اس ترجمہ کو قبول فرما کر مقبول خواص و عوام پہنچائے ایں دعاؤں میں وائز جملہ جہاں آمین باد۔

محمد طیب

مستند دارالعلوم دیوبند

۱۲

حالات علامہ حلبيؒ

مؤلف سیرۃ الخلیفہ

علامہ حلبيؒ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کے ایک نہایت جلیل القدر اور صاحب عظمت عالم ہیں۔ آپ کا اصل نام علی ابن ابراہیم ابن احمد ابن علی ابن عمر عرف نور الدین ابن برہان الدین حلبي قاہری شافعی ہے۔ منسلک کے اعتبار سے شافعی تھے نہایت بلند مرتبہ عالم اور مقبول و مشہور مشائخ میں سے ہیں۔ زبردست اور نحوس علم کی وجہ سے ان کو امام کبیر اور علامہ ذمال کہا گیا، ان کے وسیع علم اور مطالعہ کی وجہ سے ہی ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ علم کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ میں اور علم کا ایک ایسا سمندر ہیں جس کا کوئی کھنڈ نہیں، نہایت شفیق، خوش اخلاق اور با مروت بزرگ تھے۔ اپنے زمانہ میں اتنے صاحب مرتبہ تھے کہ ان کے ہاتھ کا کوئی دوسرا عالم نہ تھا۔ تمام زندگی علم کی تلاش و جستجو اور اس کو لوگوں تک پہنچانے میں صرف کی۔ نہایت اور نہایت پر نہایت محقق اور مفکر عالم تھے، فتویٰ دینے اور مسائل کا استخراج و استنباط کرنے میں اپنی محنت و محنت علم کے ساتھ ساتھ عمل میں بھی یکساں تھے، تمام عمر انتہائی تقویٰ اور پاکبازی کے ساتھ طہین کی خدمت میں گزاری اور دنیا کو آپ سے زبردست فائدہ پہنچا۔ دور دورہ کے شہروں سے لوگ آپ کے پاس علم کی پیاس بجھانے کے لئے آتے تھے اور سیراب ہو کر جاتے تھے۔ خوش اخلاق اور خوش مزاجی کے ساتھ ساتھ ظاہری جمال سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالا مال کیا تھا۔ عوام و خواص دونوں طبقوں پر آپ کا رعب اور دبدبہ تھا مگر اس رعب اور ہیبت کے ساتھ ساتھ اپنے درس میں بزلہ نخی اور لطیفہ گوئی بھی فرمایا کرتے تھے۔ علم کی گہرائی کا یہ حال تھا کہ ان کے ہم عصر بڑے بڑے علماء ان کے مداح اور قائل تھے۔

شیخ سلطان مزاحی ان کے دور میں زبردست عالم اور شیخ تھے مگر جب کبھی ان کے پاس علامہ حلبيؒ کا گزر ہو جاتا تو اپنے درس سے اٹھ کر نہایت پُر تپاک استقبال کرتے۔ علامہ حلبيؒ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور اپنی مسند خاص پر جہاں وہ درس دیا کرتے تھے علامہ کو بٹھاتے۔

آپ شمس ربیٰ سے روایات نقل کرتے ہیں اور کئی سال ان کے پاس گزارے، ان کے علاوہ شہاب الدین قاسم، ابراہیم حنفی، صالح بقی، ابوالنصر طبرانی، عبد اللہ شعوری، سالم شہیر، عبد الکریم بولانی، محمد خلیفی، منصور خوانساری اور محمد المحمڈی سے روایات نقل کرتے ہیں۔ یہ تمام حضرات شافعی ہیں۔ ان کے علاوہ امام علی ابن غانم مقدسی حنفی، محمد فخری حنفی، سالم سہوری مالکی، محمد ابن تریحان حنفی، محمد الزفزاف اور شیخ عبد المجید خلیفہ شیخ احمد بدری سے بھی روایت بیان کرتے ہیں۔

ان کے شاگردوں کی تعداد بے شمار ہے۔ مخصوص علامہ میں سے شیخ النور الشہر المسی، شیخ شمس محمد ابو سی اور شیخ شمس محمد الخریری وغیرہ ہیں۔

آپ بہت سی بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں جو مقبول اور مفید خاص و عام ہوئیں۔ آپ کی سب سے عظیم کتب سیرت نبوی ﷺ پر "سیرت الخلیفہ" ہے جس کا نام "انسان النہی فی سیرۃ الامین المامون" ہے۔

یہ کتاب تین جلدوں میں ہے اور شیخ محمد شامی کی سیرت شامی اور حافظ ابوالفتح ابن سید الناس کی ”عیون الاثر“ کا خلاصہ ہے مگر علامہ طیبی نے اس میں بڑے مفید اور متحد اضافے فرمائے ہیں۔ آپ کی یہ تالیف بے حد مقبول و مشہور ہوئی اور بڑے بڑے علماء نے اس کو نہایت درجہ سراہا۔

اس کے علاوہ آپ نے متحد کتابوں پر طائے لکھے جن میں سے کچھ یہ ہیں۔ منج القاضی ذکر کیا، شرح مشراج از شیخ جلال محلی، ان کی ہی دوسری کتاب شرح و رقعات، ابن لام کالمیہ کی شرح و رقعات، شرح القصریف از شیخ سعد بن محمد بن یحییٰ اور شامی کی نبویہ کی شرح لکھی۔ اس کے علاوہ جو ان کی تصانیف ہیں وہ ان کتابوں کی شرح پر مشتمل ہیں۔

ألملة النصف من شعبان، قصيدة برده، مختصر الزهر لزمیوطی شرح قطرا لا کھی، مطالع المنور فی الجمع بین القطر والشمس، فوائد العلویہ بشرح شرح الزهر، النسخة السنیه شرح الاجرمیه، غایة الاحسان بوصف من القبط من ابناء الزمان، حسن اجلول فی لطائف حکم الفصول، مهملین السنیه عن الرسالة الثمینیہ، جامع الاثر للمنفرد من ملح الشیخ الاکبر، النسخة العلویہ من الاجوبۃ الحلویه، النسخة العلویہ فی بیان حلیہ الطریقه الاحمدیہ، المختار من حسن النقاء فی الطور عن جلال اللطائف من حولوف المعارف، تحریر المقالات فی بیان وحده من لا اله الا الله وحده من اى انواع الاحوال، الطور للمنفرد فی اوصاف الحیوش، صیابة الصیابة منحصر دیوان الصیابة، القاذ المنهج لمبصر الفرج، متن فی التصریف، حلیات الوجبات، النور من الوجوه و النظائر اور اعلام التامک بالحکم المنعک۔ اسی کے علاوہ جامع صغیر یہ پر نوادر لکھے۔ قاضی ذکر کیا کی شرح السبلہ کی شرح لکھی جس کا نام خیر الکلام علی السبلہ والحمد للشیخ الاسلام ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر بیضاوی پر ایک مختصر تحقیق لکھی، تصوف کے موضوع پر بھی ان کی ایک کتاب ہے، ان سب کے علاوہ بھی ان کی کئی اور تصانیف ہیں۔

امام شافعی کے جوامع میں جو مدرس ہیں ان میں جو سب سے ممتاز مدرسہ صلاحیہ تھا، آپ اس کے مصلح میں سے تھے۔

علامہ طیبی ۱۲۹۵ھ میں مصر میں پیدا ہوئے اور ۱۲۹۹ھ میں ۶۹ سال کی عمر پائی۔ ۱۳۰۲ھ میں مفتی کے روز شعبان کی آخری تاریخ میں وفات پائی اور مصر میں قبرستان مجاورین میں دفن ہوئے رحمہ اللہ تعالیٰ یہ حالات اقام الحرم نے خلاصۃ الاثر سے اخذ کیے ہیں۔

محمد اسلم قاسی

سیرت حلبیہ اردو

آغاز کتاب

حمد و ثناء ہے اس ذات باری کے لئے جس نے محمدؐ شین کے چروں کو منور و روشن کیا اور درود و سلام ہے اس مقدس ہستی پر جس پر بہترین کلام (قرآن مجید) نازل ہوا، نیز ان کی نولاد اور اصحاب پر جو نئے لوہے پرانے دور میں فضیلت والے ہیں اور جب تک علماء سیرت مبارک کو مرتب کرتے رہیں ہمیشہ ہمیشہ صلوات و سلام ہو۔

سیرت نگار ان امت..... اس کے بعد یہ مکتبہ فقیر علی ایمنہ برہان الدین طبعی شافعی کہتا ہے کہ سیرت مصطفیٰ ﷺ ان اہم ترین کاموں میں سے ہے جس پر بڑے بڑے علماء اور ملت اسلام کے بڑے بڑے حفاظ حدیث نے بطور خاص محنت کی ہے، اور کیوں نہ ہو اس لئے کہ یہی حلال و حرام کو جاننے اور بلند ترین اخلاق سے متصف ہونے کا ذریعہ ہے۔ امام ذہریؒ نے علم معاذی کو خیر الدنیو لا آخرہ یعنی دنیا و آخرت کی بھلائی فرمایا ہے۔ امام ذہریؒ ہی وہ پہلے عالم ہیں جنہوں نے سب سے پہلے سیرت پر کتاب لکھی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اسلام میں سیرت النبی ﷺ پر اولین کتب ”سیرت ذہری“ ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میرے والد ہمیں رسول اللہ ﷺ کے غزوات و سیرا کے متعلق تعلیم دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے میرے بیٹے! یہ تمہارے بزرگوں کا شرف ہے اس لئے اس ذکر کو بھلا مت دیتا۔

اس موضوع پر جو بہترین کتب مرتب کی گئی ہے اور جو بڑے بڑے علماء کے زیر مطالعہ رہی ہے وہ حافظ ابوالفتح ابن سید الناس کی لکھی ہوئی سیرت ہے کیونکہ انہوں نے اس میں یہ موقی اور جواہر جمع کئے ہیں اور انہوں نے اس کا نام ”عیون الاثر“ رکھا ہے۔ البتہ انہوں نے اس میں استناد احادیث کے ذکر کو بہت طول دیا ہے جس کی وجہ سے محمدؐ شین کے لئے وہ بہت زیادہ قابل توجہ ہو گئی ہے۔ حافظ ابوالفتح محمدؐ شین کے نزدیک بہت زیادہ قابل اعتماد ہیں کیونکہ وہ امت مسلمہ کے ممتاز علماء اور قابل فخر ائمہ میں سے ہیں۔ لیکن اب پست ہستی کی وجہ سے ان کی کتب کی طرف نہ توجہ دی جاتی ہے اور نہ طبعیتیں اسے قبول کرتی ہیں۔

اس کے بعد سیرت النفس الثانی ہے، اگرچہ اس میں وہ ایسی ایسی چیزیں لائے ہیں جو تعقیقات کی خوبیوں میں شمار ہوتی ہیں مگر اس میں ایسی چیزیں شامل ہیں جن کو اہل علم سب ہی جانتے ہیں مثلاً معاد وغیرہ۔ حالانکہ یہ بات ظاہر ہے کہ سیرت کی کتابوں میں سوائے موضوع اور من گھڑت روایتوں کے باقی تمام روایتیں مثلاً صحیح، مستقیم، ضعیف، مبطل، مرسل منقطع اور معضل شامل کی جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے زین العرائی نے ایک شعر میں فرمایا ہے۔

وَلْيَعْلَمْ الطَّالِبُ مَا صَحَّ وَمَا قَدْ انْكَرَا
تَجَمُّعُ

طالب علم کو یہ بات جانی چاہئے کہ سیرت کی کتاب میں صحیح اور غیر مقبول روایتیں سب جمع کی جاتی ہیں۔ امام احمد ابن حنبلؒ اور دیگر ائمہ نے فرمایا ہے کہ جب ہم حلال اور حرام کے سلسلے میں کوئی حدیث نقل کرتے ہیں تو اس میں بہت سختی اور احتیاط کرتے ہیں لہذا جب فضائل اور اس جیسی دوسری چیزوں کا بیان کرتے ہیں (تو احادیث اور روایات قبول کرنے کے سلسلے میں نرمی اختیار کرتے ہیں اصل یعنی عیون الاثر میں یہ ہے جس کو بہت سے اہل علم نے اختیار کیا ہے کہ غرواۃ اور اس قسم کے دوسرے واقعات کو جن کا تعلق احکام شرعیہ سے نہ ہو قبول کرنے کے سلسلے میں نرمی اختیار کی جائے اس سلسلے میں وہ سب روایتیں اور احادیث قبول کر لی جاتی ہیں جو حلال و حرام (یعنی احکام شریعت کے بیان میں) قبول نہیں کی جاتیں کیونکہ ان روایتوں کا تعلق احکام شریعت سے نہیں ہوتا۔

وجہ تالیف..... چنانچہ جب میں نے سیرت کی نو کردہ دونوں کتابوں کو اس طریقہ سے دیکھا جس سے ان کو ان کے وقتی مضامین کے سبب نہیں دیکھا جاتا تو میں نے لکھ لکھ کر ان دونوں کتابوں کا خلاصہ ایک ایسے خوبصورت نمونہ کی صورت میں کروں جو خوش اسلوب اور خوش مزہ ہو اور جو مشائخ کے سامنے پورے اہتمام اور روانی کے ساتھ پڑھا جاسکے۔

اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میں ایک قدم آگے بڑھاتا تھا تو دوسرا پیچھے ہٹاتا تھا کیونکہ میں نے تو اس کا اہل ہوں اور نہ ان میں سے ہوں جو عملی میدانوں کی گھوڑ دوڑ میں مہارت حاصل کرتے ہیں، یہاں تک کہ مجھے ایک ایسی ہستی نے اس کا امر کیا اور ان راہوں پر قدم بڑھانے کی ہدایت فرمائی جس کا حکم ماننا واجب تھا اور جن کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی تھی جو زبردست صاحب فہم، صاحب فضیلت اور صاحب علم ہیں اور جن سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے، ان کے علم کا مقام یہ ہے کہ بڑے بڑے صاحب علم اگر کسی مشکل مسئلہ میں الجھ جائیں اور ان سے دریافت کریں تو وہ بغیر توقف کے اس کو حل کرتے ہیں نہ کبھی سچائی کی راہ سے ہٹتے ہیں اور

یہ سب سند کے لحاظ سے احادیث کی قسمیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔ حدیث صحیح، اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راوی مصنف سے لے کر آنحضرت ﷺ تک تمام کے تمام ہر لحاظ سے معتبر، صاحب ہدایت اور مسلسل ہوں۔ حدیث مستقیم اس کو کہا جاتا ہے کہ اس کے راویوں میں سے کسی میں یہ خلل پوری نہ ہوں۔ حدیث مرسل وہ حدیث ہے جس کے راوی صحابہ تک پہنچنے کے بجائے صرف چوتھی تک ہوں اور چوتھی حضور ﷺ کا قول خود نقل کرے۔ حدیث منقطع وہ حدیث ہے جس کے راویوں کے سلسلے میں سے ایک یا زائد راوی کم ہوں حدیث معضل وہ حدیث ہوتی ہے جس کے راویوں کے سلسلے میں سے دو یا اس سے زائد کم ہو رہے ہوں۔ ان کے علاوہ حدیث کی اور بہت سی قسمیں ہیں جن کے حلق حسب ضرورت حاشیہ میں نوٹ دے دیئے گئے ہیں۔ مرتب

نہ تھکتے ہیں۔ مغیبات اور غیر معلوم چیزوں کے متعلق انہوں نے جب بھی کچھ بتلایا تو ایسا نہیں ہوا کہ اس کے خلاف ہوا ہو۔ وہ شخصیت استاذ اعظم، صاحب الملاذ الاکرم مولانا الشیخ ابو عبد اللہ ابو المواہب محمد فخر الاسلام البکری الصدیقی کی ہے۔

(لکن میں یہ خصوصیات) کیسے نہ ہوں جبکہ وہ اپنے والد کے منظور نظر تھے جن کا ذکر مشرق و مغرب میں پھیل گیا اور جن کی شہرت ہر گزر گاہ اور ٹھکانے تک پہنچ گئی، جو ولی اللہ تھے اور ظاہر و باطن میں صاحب خدمت تھے، عارف باللہ تھے جن کے قلوب ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور جو مخالفوں کو ملانے والے تھے یعنی مولانا الاستاذ ابو عبد اللہ ابو بکر محمد البکری الصدیقی۔ اس میں کوئی تعجب بھی نہیں کیونکہ وہ جن کی محنتوں کا نتیجہ تھے وہ صدر العلماء العالمین، استاذ جمیع الاستاذین مولانا الاستاذ محمد ابو الحسن حاج الحد فین البکری الصدیقی تھے، اللہ تعالیٰ مجھ پر نور میرے دوستوں پر ان کی برکات کو باقی رکھے اور ہمیں آخرت میں ان کے قمعین میں سے فرمائے۔ آپ کا شمار مجتہدین میں ہوتا تھا مختلف علوم میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

چنانچہ جب استاذ موصوف نے مجھے اس کام کا امر فرمایا تو میں نے اس کو ان کی جانب سے (بخیل کار اور قبولیت کے لحاظ سے) ایک عظیم بشارت اور خوش خبری تصور کیا، اس کے بعد میں نے یہ کام اس پروردگار پر بھروسہ کرتے ہوئے شروع کر دیا جو ہر امیدوار کی امیدیں پوری کرتا ہے اور جو قصد کرنے والے اور توقع کرنے والے کو مایوس نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو آسان فرمایا اور ایک ایسے خوب صورت اسلوب اور پاکیزہ انداز میں مکمل کرا دیا جو نہ سننے والوں پر بار گزرتی ہے اور نہ پڑھنے والے کی طبیعت اس سے اکٹاتی ہے۔

توضیح اصطلاحات و علامات

اس کتاب میں میں نے جو اضافہ سیرت حافظ ابوالفتح ابن سید الناس موسومہ ”عیون الاثر“ کے مقابلے میں ”سیرت شمس الثانی“ سے کیا ہے وہ اگر طویل ہے تو اس کو مختصر کرنے کے لئے اس کے شروع میں ”قال“ کا لفظ لکھ دیا ہے اور آخر میں ”انتہی“ کا لفظ لکھ دیا ہے لیکن اگر وہ عبارت کم ہے تو اس کے شروع میں لفظ ”ای“ لکھ دیا ہے اور عبارت کے آخر میں ایسا دائرہ بنا دیا ہے۔ کبھی کبھی یہ لکھ دیا ہے کہ ”اور سیرت شامیہ میں ہے کہ“ کبھی چھوٹے قول کے شروع میں صرف ”قال“ لکھ دیا ہے اور بڑے قول کے شروع میں ”ای“ لکھ دیا ہے جس قول کے آخر میں دائرہ نہیں ہے وہ اکثر ”اصل“ یعنی ”عیون الاثر“ سے لیا گیا ہے کہیں کہیں میرے اضافات سیرت شامی اور عیون الاثر کے علاوہ دوسری کتب سے بھی لئے گئے ہیں جس کو ان کتابوں سے واقفیت رکھنے والے جان سکتے ہیں اور کہیں کہیں اس اضافہ کو اس طرح مختصر کر دیا گیا ہے کہ اس کے شروع میں ”اقول“ لکھ دیا ہے اور اس کے آخر میں ”واللہ اعلم“ لکھ دیا ہے۔

نیز کہیں اضافہ کے شروع میں لکھا ہے کہ ”اور سیرت شامیہ میں ہے“ (ش سے پہلے) جہاں یہ لکھا ہے کہ ”اصل“ میں کہا گیا ہے ”یا اصل“ میں ذکر ہے ”وغیرہ“ تو وہاں اصل سے مراد ”عیون الاثر“ ہے۔ میں نے ”قصیدہ ہزنیہ“ کے کچھ اشعار بھی نقل کئے ہیں یہ قصیدہ شیخ شرف الدین بوسری کی طرف منسوب ہے جنہوں

نے مشہور ”قصیدہ بردہ“ نظم کیا ہے، یہ ایک زبردست شاعر اور عالم ہیں اور یہ اشعار قصیدہ میں شامل ہیں اور اپنے مفہوم ہے اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ اشعار ذوق کے لئے زیادہ شیریں ہیں بلکہ بعض اوقات معنی کی وضاحت کے لحاظ سے اور زیادہ بہتر ہیں۔ میں نے امام سبکی کے ”ہیات تائیہ“ بھی مقام کے مناسب نقل کئے ہیں، نیز صاحب معین الاثر کے کلام میں سے بھی کچھ اشعار نقل کئے ہیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں جو نعمتیں اور قصائد لکھے ہیں وہ ان کے مجموعہ کلام موسومہ ”بشری القرب بذکری الحبيب“ میں سے اخذ کئے گئے ہیں۔ میں نے اس مجموعہ کا نام ”انسان العیون فی سیرت الامین المامون“ تجویز کیا ہے اور میں اس ذلت سے سہل کر چاہوں جس کے ہوا کوئی سوال کئے جانے کے لائق نہیں کہ اس کتاب کو وہ اپنی رضا کے لئے وسیلہ بنا لے۔ آمین۔

باب اول (۱)

﴿.....نسب شریف.....﴾

حضرت محمد ﷺ ابن عبد اللہ
عبد اللہ محبوب ترین نام..... عبد اللہ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے ذلیل ہونے اور جھکنے والا، ایک روایت
میں آتا ہے کہ تمہارے ناموں میں بہترین نام، اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین نام
عبد اللہ اور عبد الرحمن ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین نام وہ ہے جس سے
عبدیت کا اظہار ہو۔ قرآن پاک میں رسول اللہ ﷺ کو عبد اللہ فرمایا گیا ہے۔ حتیٰ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَإِنَّ لِمَا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ الْخَيْرَ الْأَيُّهَا ۚ ۲۹ سورہ جن ع ۲

(ترجمہ) اور جب خدا کا خاص بندہ خدا کی عبادت کے واسطے کھڑا ہوتا ہے تو یہ (کافر) لوگ اس بندہ پر بخیر لگانے
کو ہو جاتے ہیں۔

لوریہ عبد اللہ ابن عبد المطلب

”عبد المطلب کا لقب“ صفات و عمر..... عبد المطلب کو ”شیعۃ الحمد“ بھی کہا جاتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ
کثرت سے ان کی حمد اور تعریف کرتے تھے اس لئے کہ مصیبت کے وقت میں وہ قریش کا سہارا تھے اور تمام
کاموں میں قریش ان ہی کی طرف دیکھتے تھے۔ یہ قریش کے شرفاء میں سے تھے اور اپنے کمالات اور نیک عمل
کے اعتبار سے ایسے سردار قریش تھے جن کا کوئی حریف اور مقابل نہیں تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کو شیعۃ الحمد
اس لئے کہا گیا کہ جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے سر میں شبیہ یعنی سفیدی تھی۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ان کے سر کا درمیانی حصہ سفید تھا یا ان کو قال نیک کے طود پر شبیہ
کہا گیا کہ ان کی عمر اتنی ہو گی کہ وہ سن مسکب یعنی بڑھاپے تک پہنچیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام عامر تھا
اور ان کی عمر ایک سو چالیس سال کی ہوئی۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے زندہ جاویدت میں اپنے لوہے
شراب حرام کر لی تھی۔ یہ ہر ایک کی فریاد پوری کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی سخاوت کی وجہ سے ان کو
فیاض بھی کہا جاتا تھا اور آجانی پر ندوں کو کھانا کھلانے والا بھی کیونکہ یہ اپنے دست و پاؤں سے ہر غریب اور یتیم کو
رہنے والے کو خوشی جانوروں کے لئے کھانا عطا کیا کرتے تھے یہ قریش کے بڑے اور دانشمند لوگوں میں سے تھے۔
حقوق ہمسائیگی کی اہمیت..... ابو سفیان کا باپ حرب ابن امیہ ابن عبد شمس ابن عبد مناف ابن کا دوست اور

ہم نشین تھا عبد المطلب کے پڑوس میں ایک یہودی رہا کرتا تھا۔ اس یہودی نے ایک مریضہ کے لئے کے بازار میں حرب ابن امیہ کو بہت برا بھلا کہا۔ حرب ابن امیہ کو اس قدر غیرت آئی کہ اس نے یہودی کو قتل کر دیا جب عبد المطلب کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے حرب ابن امیہ سے ہم نشینی اور دوستی ختم کر دی اور اس کو اس وقت تک نہیں جانے دیا جب تک کہ اس سے سولونٹ لے کر اس یہودی کے چچا کے بیٹے کو پڑوس کے احترام و حفاظت کے طور پر نہیں دے دیئے۔ اس کے بعد عبد المطلب نے عبد اللہ ابن جدعان کو اپنا ہم نشین بنالیا۔

عبد المطلب نام کا سبب..... ان کو عبد المطلب اس لئے کہا جاتا تھا کہ ان کے چچا مطلب جب ان کو ان کے بچپن میں مدینے سے مکہ لے کر آئے تو ان کو انہوں نے سواری پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور وہ اس وقت بہت خراب حال میں تھے یعنی پٹھے پرانے کپڑوں میں تھے چنانچہ جب بھی مطلب سے کوئی ان کے متعلق پوچھتا کہ یہ کون ہے تو وہ یہ کہہ دیتے کہ یہ میرا غلام ہے وہ عبد المطلب کے متعلق (ان کے خراب خستہ حال کی وجہ سے) کہہ کتے ہوئے شرماتے تھے کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ کے بچے کر انہوں نے ان کی حالت سنواری اور تب یہ بتلایا کہ یہ میرا بھتیجا ہے اس وقت جب کوئی شخص ان کو عبد المطلب (یعنی مطلب کا غلام) کہتا تو وہ اس کو روکتے ہوئے کہتے۔

..... کیا ہو گیا ہے میرے بھائی ہاشم کا بیٹا شبیب ہے؟
..... یہ خبر ہی مشہور ہو گئی اور ان کو عبد المطلب کہا جانے لگا۔ (ان کا یہ نام پڑ جانے کے متعلق ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ) چونکہ شبیب کو ان کے چچا مطلب نے پالا تھا اور عربوں کی یہ عادت تھی کہ ایسا تیم پچ جس کو کوئی دوسرا شخص پرورش کرتا تھا اس کو پالنے والے کا عبد یعنی غلام کہتے تھے۔

شریفانہ اخلاق..... عبد المطلب اپنی لولاد کو حکم دیتے تھے کہ وہ ظلم اور سرکشی نہ کیا کریں وہ ان کو شریفانہ اخلاق احمید کرنے کی صیحت کیا کرتے اور برے کاموں سے بچنے کی صیحت کرتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ ظالم آدمی دنیا سے اس وقت تک نہیں جاسکتا جب تک کہ اس سے انتقام نہیں لے لیا جاتا اور وہ اپنی سزا کو نہیں بچھ جاتا۔ یہاں تک کہ اہل شام میں سے ایک ظالم آدمی اپنی سزا کو بچنے بغیر مر گیا چنانچہ عبد المطلب سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کچھ ذریعہ سوچا اور اس کے بعد کہا۔

”خدا کی قسم اس عالم کے پیچھے ایک اور عالم ہے جس میں احسان اور نیک کام کرنے والے کو اس کے احسان کی جزا دی جاتی ہے اور بدی کرنے والے کو اس کی بدی کی سزا ملتی ہے۔ اس لئے ایک ظالم آدمی کا حال یہ ہے کہ اگر وہ اپنی سزا کو بچنے بغیر اس دنیا سے اٹھ گیا تو وہ سزا آخرت میں اس کو تیار ملے گی۔“

ترک بت پرستی و اقرار توحید..... اپنی آخری عمر میں انہوں نے بت پرستی چھوڑ دی تھی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہو گئے تھے۔ ان کے ایسے بہت سے طریقے ہیں جن کو قرآن پاک نے باقی رکھا ہے۔ ان کے جو طریقے آج بھی ان میں نذر (میت) کو پورا کرنا، محرم حور توں سے نکاح کا حرام ہونا، چور کے ہاتھ کاٹنا، نومولود لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے اور قتل کرنے کو روکنا، شراب اور زنا کو حرام قرار دینا اور بیت اللہ کے گرد گھٹے ہو کر طواف کرنے کو منع کرنا شامل ہیں۔ (کذا فی کلام جلالہ ابن الجوزی)

اسلام نے اگر کلت ابراہیم کی تکمیل کر دی ہے جو کہ بشت بخدی سے بشت بچلے صح ہو چکی تھی اور لوگ اس کو کھل طور پر فراموش کر چکے تھے اسی لئے اس دور کو دور جاہلیت اور ان لوگوں کو جلاء کہا جاتا ہے مگر چونکہ یہ شریعت ایک عرصہ تک وہاں جاری و ساری رہ چکی تھی اس لئے کچھ لوگ غیر شعوری طور پر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ابن ہاشم

ہاشم کی بھائی سے خوں ریزی..... ہاشم کو مرد ابن الخلال بھی کہتے تھے یہ لقب ان کے بلند مرتبہ کی وجہ سے پڑا۔ یہ عبد شمس کے بھائی تھے اور دونوں جڑواں بھائی تھے۔ پیدائش کے وقت ہاشم کا بڑے یعنی پیر کی انگلیاں عبد شمس کی پیشانی سے چسکی ہوئی تھیں اور ان کو بغیر خون بہائے پیشانی سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے لوگ یہ کہنے لگے کہ ان دونوں کے درمیان خوں ریزی ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بنی عباس اور بنی امیہ یعنی ان دونوں کی لولادوں کے درمیان ۳۳ھ تک خوں ریزی ہوئی۔ ہاشم اور اس کے پیچھے امیہ ابن عبد شمس کے درمیان اس وقت دشمنی ٹھن گئی جب کہ ہاشم کو ان کے باپ عبد مناف کے مرنے کے بعد ان کی قوم نے سردار بنایا تو ان کا بیٹا امیہ ابن عبد شمس ان سے حسد کرنے لگا وہ کو شمش کر کے ہاشم کی ہر بات میں قتل کرنے لگا مگر ناکام رہا، اس پر قریش نے اس کو اور زیادہ عار دلائی وہ اس سے کہتے کہ کیا تو ہاشم کی قتل کرتا ہے اس کے بعد امیہ نے ہاشم کو منافرت کی دعوت دی (منافرت کے معنی دو آدمیوں کا ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتلا اور مظاہر کرنا ہے۔ عربوں میں یہ دستور تھا کہ اس طرح کی شرط کرتے تھے کہ دونوں فریق ایک حکم کے سامنے اپنے مفاد پر بڑائیاں بیان کیا کرتے تھے قاضی جس کے حق میں فیصلہ دے دے وہ جیت جاتا تھا۔ حرجم)۔

ہاشم نے امیہ کی اس دعوت (چیلنج) کو اپنی عمر اور بلند مرتبہ کے سبب رد کر دیا مگر قریش نے ان کو نہیں چھوڑا آخر ہاشم نے امیہ سے کہا۔

”میں تم سے سیاہ آنکھوں والے پچاس لونٹوں پر جو کہ میں ذبح کئے جائیں اور مکہ سے دس برس کے لئے جلا وطنی پر منافرت کی شرط کرتا ہوں“

کاہن کی پیشین گوئی..... امیہ اس کے لئے راضی ہو گیا انہوں نے ایک کاہن خدائی کو اپنا قاضی بنایا جو عصفان میں رہتا تھا۔ یہ دونوں ایک جماعت کے ساتھ کاہن سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے جب یہ وہاں پہنچے تو ان کے کچھ بتانے سے پہلے ہی کاہن نے کہا۔

سبیل سکینہ حیدرہ الطیف آباد

”قسم ہے چپکنے والے چاند کی، قسم ہے جھللانے والے ستاروں کی، قسم ہے برسنے والے بارشوں کی، قسم ہے فضا میں اڑنے والے پرندوں کی اور قسم ہے اس کی جس نے ابھری ہوئی اور دھنسی ہوئی علاقوں کے ذریعہ مسافر کی رہنمائی کی کہ بڑائیوں اور مرتبوں میں ہاشم، امیہ پر سبقت لے گیا۔“

(گذشتہ سے پیوستہ) یا اپنی فطرت سلیمہ کے تحت اس کے مختلف اجزاء اور سنتوں کو بطور رواج اختیار کرتے رہے تھے۔ مثلاً عبد المطلب جو کہ ابن نوفل اور اسلام سے قبل حضرت ابو بکر صدیقؓ کہ یہ حضرات بت پرستی، زنا، شراب خوری، برہنہ طواف کعبہ، زندہ لڑکیوں کی تدفین وغیرہ وغیرہ سے بچتے تھے۔ چنانچہ عبد المطلب بھی اپنی فطرت سلیمہ کے تحت مذکورہ بالاوصاف سے متصف تھے اور ساتھ ہی ایک قدیم اور اچھے رواج کی حیثیت سے نذر پور آکر لے اور چوری کے بدلے میں چور کا ہاتھ کاٹنے کے طریقوں کو اختیار کئے ہوئے تھے جس میں ان کے اس شعور کو دخل نہیں تھا کہ یہ ملت ابراہیمی کے اجزاء اور آسمانی مذہب کے تعلیم کئے ہوئے طریقے ہیں۔ اس لئے دور جاہلیت میں بھی فطرت سلیمہ رکھنے والے لوگوں سے ملت ابراہیمی کے دینی شعور کے بغیر ایسے اعمال اچھلائے یا عداۃ سرزد ہوئے جو حسن ابراہیمی کے اجزاء کی استعداد اور اثر نے کا باعث بنے۔ پھر بعثت نبوی ﷺ کے بعد اسلام نے ملت ابراہیم کو مکمل کیا اور ان فراموش کردہ مشن کو تازہ کرتے ہوئے لوگوں کو ان کی مذہبی حیثیت کا شعور عطا کیا۔ جس سے یہ استعداد بروئے کار آئی۔

اس طرح ہاشم کو امیہ پر فتح ہوئی ہاشم وہاں سے مکہ واپس آئے، انہوں نے لونٹ ذبح کئے اور لوگوں کو کھانا کھلایا امیہ جلاوطن ہو کر شام چلا گیا اور دس سال تک وہیں رہا یہ پہلی عدولت اور دشمنی تھی جو ہاشم اور امیہ میں قائم ہوئی پھر ان کی ولادوں نے یہ دشمنی وراثت میں پائی۔

ہاشم کے بھائی اور ان کے مقام وفات..... ہاشم اور ان کے بھائیوں یعنی عبد شمس، مطلب اور نوفل کو اقداح القحط یعنی سونے کے پیالے کہا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو تمام عربوں پر ان کی شرافت، بزرگی اور سرداری کی وجہ سے خیموں یعنی پناہ دینے والے بھی کہا جاتا تھا۔ بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ ایک باپ کی ولاد میں ایسا دیکھنے میں نہیں آیا کہ ان بھائیوں کی طرح ان کے مرنے کی جگہیں اتنی مختلف رہی ہوں۔ یعنی ہاشم کا غرہ میں انتقال ہوا جیسا کہ آگے بیان ہو گا اور عبد شمس کی وفات مکہ میں ہوئی اس کی قبر اجیاد میں ہے نوفل کا عراق میں انتقال ہوا اور مطلب کا انتقال یمن کے علاقے میں برعاء کے مقام پر ہوا۔

لوکین ثرید بنانے والے..... ان کو ہاشم اس لئے بھی کہا گیا کہ یہ اپنے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کے بعد سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے ثرید کا کھانا تیار کیا۔ (ثرید عربوں کے ایک لذیذ کھانے کا نام ہے جو روٹی کو سالن میں چور کر تیار کیا جاتا ہے عربی میں ہاشم کے معنی توڑنا اور چورنا ہیں اور ہاشم چورنے والے کو کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ثرید کا کھانا تیار کیا تھا اور عربوں کو کھلایا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مکہ میں حضرت ابراہیمؑ کے بعد سب سے پہلے جس نے ثرید کا کھانا تیار کیا وہ ہاشم کا دلہن تھا۔ امتناع میں یہ ہے کہ قصی وہ پہلا شخص ہے جس نے ثرید تیار کیا اور مکہ والوں کو کھلایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ہاشم عمر و الحلا پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مکہ والوں کو ثرید کھلایا۔ آگے یہ بیان ہو گا کہ ثرید تیار کرنے والا پہلا آدمی اصل میں عمر و ابن لُحی ہے۔ یہ اختلاف قابل غور ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس کے متعلق روایتوں کے اس اختلاف سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کیونکہ اس بارے میں جو لویت ہے وہ اضافی ہے یعنی قصیؑ کی لویت اس لحاظ سے صحیح ہے کہ وہ قریش کا ولین آدمی تھا جس نے ثرید تیار کیا۔ عمر و ابن لُحی کی لویت اس لحاظ سے ہے کہ وہ قبیلہ بنو خزاعہ کا پہلا آدمی ہے جس نے یہ کھانا تیار کیا۔ اور ہاشم کی لویت اس زبردست قحط اور فقر و قحط کے لحاظ سے ہے جس میں اس وقت قریش جیتا تھا۔ اس طرف صاحب اصل (یعنی صاحب عیون الاثر) نے بھی اشارہ کیا ہے۔

وَاطْعِمَ رَحْمَتِي الْمَحَلَّ عُمَرُو
فَلِلْمَسْكِينِ بِهِ خَضْبٌ عَام

قحط زدہ علاقے میں عمر و علاقے لوگوں کو کھانا کھلایا، پس عمر و علا کا وجود قحط زدہ لوگوں کے لئے ایک عام

شادی کا پیغام تھا یہ بھی کہا ہے۔

عُمَرُو الْعَلَا ذُو الْقُدَىٰ مِنْ لَأَسَابِقَةٍ
مَرَّ السَّحَابِ وَلَا رَيْحٌ تَجَاوَرَتْ

عمر و علا ایسے صاحب سخوت آدمی ہیں کہ ان کی سخوت سے نہ بادلوں کی رفتار مقابلہ کر سکتی ہے اور نہ

ہواؤں کے جھونکے

لَبَّوْا حِفْلَهُ كَالْجَوَارِي
بِمَكَّةَ لَدَاهُمْ لِلْوُفْدِ إِذَا
مُنَادِيَةٌ

ان کے بڑے برتن دیکوں کی مانند ہیں کہ میں حاضر ہونے والوں کے لئے جن کو عمروں علا کے گماشتے پکارتے پھرتے ہیں۔

اَوَامِجِلُوا اَخَصَمُوا مِنْهَا وَقَدْ مَلِئَتْ
قَوَاتُ لِحَاضِرِهِ مِنْهُمْ وَبَاقِيَهُ

یا جو لوگ قحط زدہ ہوں وہ ان سے شاداب ہو جاتے ہیں اور ان کے کے باشندے ہوں یا باہر سے آنے والے سب سیر ہو جاتے ہیں اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے۔

قُلْ لِلّٰہِ طَلَبُ السَّمَاۃِ وَ الْاَرْضِ
هَلَّا مَرَزَتْ بِاِلٰہِ عِبْدٍ مِّنْہُمْ

اس شخص سے کہہ دو جو اعزاز اور میزبانی کا طلب گار ہے کہ کیا تو عبد مناف کی ولاد کے پاس نہیں گیا

اَلْوٰتِیۡنَ وَ لَیْسَ یُوجَدُ رَاقِشٌ
وَالْقٰتِلُوْنَ هَلُمَّ بِالْاَضَیۡفِ

ہمت کھانے والے (ان کو) ملنے نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ مسلمانوں کو بلاتے پھرتے ہیں۔ بعض صحابہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر کو کئی شیبہ کے دروازے پر

یَا اَیُّهَا الرَّجُلُ الْمَحْجُوْلُ رَحِلْہُ
اَلَا تَنْزَلَتْ بِاِلٰہِ عِبْدٍ مِّنْہُمْ

اے اپنی سواری کو میزبانی کی تلاش میں بھٹکانے والے شخص، کیا تو عبد الدار کی ولاد کے پاس نہیں گیا۔

هَلٰکَ لَکَ تَوَلَّیْتُ بِرَحِلِہُمْ
مَنْعُوْکَ عَنْ عِلْمِہِ وَمِنْ اَفْکٰرِہِ

تیری ماں بھی تیرا فکر چھوڑ دیتی اگر تو ان کے ہاں جاتا کیونکہ وہ افلاس اور بھوک سے تیری حفاظت کرتے

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ کیا شاعر نے یہ شعر اسی طرح کے تھے ابو بکر نے جواب دیا۔

”نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق سنا تھا بھجبا شاعر نے اس طرح کہا ہے۔“

یَا اَیُّهَا الرَّجُلُ الْمَحْجُوْلُ رَحِلْہُ
اَلَا تَنْزَلَتْ بِاِلٰہِ عِبْدٍ مِّنْہُمْ

اے اپنی سواری کو میزبانی کی تلاش میں بھٹکانے والے شخص کیا تو عبد مناف کی ولاد کے پاس جا کر نہیں ٹھہرا۔

هَلٰکَ لَکَ تَوَلَّیْتُ بِرَحِلِہُمْ
مَنْعُوْکَ عَنْ عِلْمِہِ وَمِنْ اَفْکٰرِہِ

تیری ماں بھی تیرا فکر چھوڑ دیتی اگر تو ان کے پاس جا ٹھہرتا کیونکہ وہ غریبی اور بھوک سے تیری حفاظت کرتے۔

اَلْخٰطِیۡنَ عَنِہُمْ یَفْقِہُوْنَہُمْ
حَتّٰی یَعُوْذُوْا بِہُمْ کَا لَکَا رُفِیۡہِ

وہ غریبوں اور امیروں کو ایک جگہ ملانے والے لوگ ہیں اور ایسے ہیں کہ فقیر ان کے پاس سے امیر

ہو کر لوٹا ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ میں نے رلو یوں کو یہ شعر اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے۔
ہاشم کو منصب سقاییہ ور قادیہ..... ہاشم کو اپنے باپ عبد مناف کے بعد منصب سقاییہ اور منصب رقادہ ملے
 (کے میں حج کے لئے آنے والے لوگوں کے کھانے پینے اور قیام وغیرہ کے لئے جو انتظامات کئے جاتے تھے وہ
 بڑی اہمیت رکھتے تھے جن کو مناصب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ منصب سقاییہ کے تحت حجاج کے لئے پانی کا انتظام
 کیا جاتا تھا، اور منصب رقادہ کے تحت کھانے کا انتظام ہوتا تھا وغیرہ وغیرہ، ان میں سے جو منصب جس کو ملتا تھا وہ
 اس کو اپنے لئے باعث فخر اور سعادت سمجھتا تھا۔ مرتبہ) چنانچہ ہاشم حجاج کے لئے کھانا تیار کراتے تھے اور غریب
 لوگوں کو کھلاتے تھے۔ اس منصب کو اسی لئے رقادہ کہا جاتا تھا (رقادہ کے معنی ہیں ذین یا کجلہ کے سہارے
 کی چیز)

ثریدہ اور ہاشم نام..... ایک مرتبہ لوگ زبردست قحط اور فقر و قادیہ کا شکار ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ہاشم شام گئے، ایک
 روایت یہ بھی ہے کہ وہ اس وقت شام میں غزہ کے مقام پر تھے جب انہیں اس قحط کی اطلاع ملی، انہوں نے فوراً آٹا
 اور یک خریدے اور حج کے دنوں میں مکے پہنچے، یہاں انہوں نے روٹیاں اور یک چورے اور لونٹ ذبح کر کے
 اس کے سالن سے ثریدہ تیار کیا اور لوگوں کو کھانا کھلا کر سیر کیا۔ اسی وجہ سے ان کا نام ہاشم پڑا۔ ان کو ابو البطحاء اور سید
 البطحاء بھی کہا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا دسترخوان ہمیشہ کھارہتا تھا اور خوش حالی اور بد حالی کسی حالت میں بھی
 نہیں اٹھایا جاتا تھا۔

ابن صلاح کہتے ہیں کہ ہمیں سہل الصلوٰۃ کی روایت پہنچی کہ انہوں نے (یعنی سہل نے) کہا کہ رسول
 اللہ ﷺ نے اپنے اس قول میں کہ ”عائشہ کی فضیلت عورتوں پر اس طرح ہے جیسے ثریدہ کی فضیلت تمام کھانوں پر
 ہے“ سے وہ ثریدہ مر لو لیا ہے جو عمرو العلاء (یعنی ہاشم) نے تیار کیا تھا جس کی منفعت اور قدر و منزلت بہت
 زبردست ہوئی اور جس کی ضرورت بہت عام ہوئی کہ ان کا اور ان کے بعد والوں کا ذکر باقی رہا۔

لیکن سہل اس حدیث کی تاویل کرنے میں بہت دور چلے گئے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس حدیث کا
 مفہوم ثریدہ کی فضیلت باقی تمام کھانوں پر ظاہر کرنا ہے اس لئے کہ لفظ تمام یہاں ”باقی“ کے معنی میں ہے۔ مر لو
 یہ ہوئی کہ کوئی بھی ثریدہ ہو عمرو العلاء کے ثریدہ کی ہی خصوصیت نہیں ہے کہ اس کو دوسروں کے ثریدہ پر فوقیت دی

جائے۔
نیک نفسی اور احرام زائرین..... ہاشم (اپنی نیک نفسی کی وجہ سے) مسافروں کو کھانا کھلاتے تھے اور ایسے
 لوگوں کو ہانا دیتے تھے جن کو کسی کا خوف ہو۔ مشہور ہے کہ جب ذی الحجہ کے مینے کا چاند نظر آ جاتا تھا تو وہ اگلی صبح
 کو حرم میں جا کر کعبہ سے پیٹھ لگا کے اور باب کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتے تھے، پھر وہ خطبہ دیتے
 اور کہتے: ”اے قریش کے لوگو! تم عرب کے سردار ہو، سب سے زیادہ حسین و خوب صورت اور سب سے زیادہ
 دانشمند ہو، تم عربوں میں نسب کے لحاظ سے سب سے زیادہ باعزت ہو اور رشتہ داریوں کے لحاظ سے تمام عربوں
 میں تم ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہو اے قریش کے لوگو! تم بیت اللہ کے پڑوسی ہو تمہیں اللہ تعالیٰ نے عام
 بنی اسماعیل کے مقابلے میں بیت اللہ کی خبر گیری کا شرف عطا فرمایا ہے اور اس کے پڑوس کے لئے تمہیں
 مخصوص کیا ہے، تمہارے پاس اللہ کے مہمان آتے ہیں جن کے دلوں میں اس کے گھر کی عظمت ہے، اس لئے وہ

اس کے مصلان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مصلانوں کی عزت افزائی اور تکریم کرنے کے سب سے زیادہ حقدار تم ہو۔ اس کے زائرین اور مصلانوں کی عزت و تکریم کیا کرو وہ یہاں پر آگندہ حالت میں اور گردوغبار میں اُسٹے ہوئے دور دراز شہروں سے لوگوں پر آتے ہیں، تم اللہ کے مصلانوں اور اس کے گھر کے زائرین کی توقیر کیا کرو۔ قسم ہے اس عمارت کے رب کی اگر میرے پاس اتنا مال و دولت ہو تا جو اس خدمت کے لئے کافی ہو تا تو میں تمہاری تم سب کے بجائے خرچ کرتا، میں اپنے مال میں سے بہترین مال اور حلال و دولت نکالنے والا ہوتا اگر اس سے رشتہ داروں اور متعلقین کی حق تلفی نہیں ہوتی ہو اور ظلم کے ذریعہ سے نہ لیا گیا ہو اور جس میں حرام مال شامل نہ ہو، تم میں سے جو بھی ایسا کرنا چاہے وہ کرے مگر میں تمہیں اس گھر کی حرمت کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ بیت اللہ کے زائرین کی خدمت اور امداد کے لئے سوائے اپنے پاک مال کے کوئی مال نہ نکالے جو نہ تو ظلم اور غصب کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو اور نہ اس کے دینے سے متعلقین کی حق تلفی ہوتی ہو۔

اس تقریر کے نتیجہ میں لوگ پوری ہمت کے ساتھ اس مقصد کے لئے اپنا مال پیش کرتے اور اس کو دارالندوہ یعنی دارالمشورہ میں رکھ دیتے۔

یثرب میں شادی بلور غزہ میں وفات..... شہیدہ الخمد یعنی عبدالمطلب کے نام کے متعلق جو تفصیل مزرچکی ہے اس کے علاوہ بھی بعض روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق شہیدہ کو عبدالمطلب اس لئے کہا گیا کہ شہیدہ کے باپ ہاشم نے اپنے بھائی مطلب سے کہے میں اپنی موت کے وقت کہا کہ اپنے غلام (عبد) یعنی شہیدہ الخمد کو یثرب سے لے آؤ۔ اس بناء پر شہیدہ کو عبدالمطلب (یعنی مطلب کا غلام) کہا جانے لگا (کتاب مواہب میں اسی طرح ہے) چنانچہ جیسا کہ پیچھے مزرچکا ہے۔ مطلب یثرب میں شہیدہ کے پاس گئے۔

ایک اور مشہور روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ ہاشم تجارت کے لئے ملک شام کو روانہ ہوئے، مدینہ پہنچ کر وہ بنی نجر کے ایک شخص کے پاس ٹھہرے، وہاں اس شخص کی بیٹی سے اس شرط پر ان کی شادی کر دی گئی کہ اس کے بچہ کی پیدائش ہمیشہ میکہ میں ہوگی اس کے بعد ہاشم اپنی بیوی سے محبت کے بغیر ہی آگے اپنے ستر پر روانہ ہو گئے، وہاں بی بی بیوی کے میکہ میں ہی اس کے ساتھ ہم بستر ہوئے، اس کے بعد اسے لے کر آگے گئے۔ جب اس کے یہاں پیدائش کے دن قریب آئے تو ہاشم نے اس کو مدینہ پہنچایا اور وہیں اپنے میکہ میں اس کے بچہ پیدا ہوئے۔ ہاشم آگے ملک شام کی طرف چلے گئے وہیں غزہ کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ان کی عمر بیس سال کی تھی، بعض روایتوں میں چوبیس سال اور بعض میں پچیس سال بھی کہی جاتی ہے۔ لاهران کی بیوی کے یہاں شہیدہ الخمد (یعنی عبدالمطلب) پیدا ہوئے یہ مدینہ میں سات یا آٹھ سال رہے۔ ایک روز وہاں کچھ بچے تیر کمان لئے کھیل رہے تھے کہ اس جگہ سے ایک شخص کا گزر ہوا، اس نے دیکھا کہ ایک بچہ جب تیر چلاتا ہے تو آہٹا کہ میں سردار بلطحا کا بیٹا ہوں اس شخص نے اس لڑکے سے پوچھا کہ لڑکے تم کسی کی لولاد میں سے ہو، اس نے جواب دیا کہ میں شہیدہ ابن ہاشم ابن عبد مناف ہوں۔

چچا کے ساتھ بچہ کی نکلنے میں آمد..... اس کے بعد یہ شخص جب کے واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ مطلب حجر اسود کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس نے مدینہ میں جو کچھ دیکھا تھا وہ مطلب سے بیان کیا۔ مطلب یہ واقعہ سن کر مدینہ پہنچے۔ جب انہوں نے شہیدہ کو دیکھا تو اس میں انہیں اپنے بھائی کی شبہت نظر آئی، بچہ کو دیکھ کر مطلب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے انہوں نے اس کو اس کی ماں سے چھپ کر اپنے ساتھ لے لیا۔ بھتیجہ ایک روایت یہ

ہے کہ مطلب نے بھتیجہ کو شبہات کی وجہ سے پہچان لیا اور ان کے ساتھ کھینے والے لڑکوں سے پوچھا کہ کیا یہ ہاشم کا بیٹا ہے انہوں نے کہا کہ ہاں ابھر مطلب نے لڑکوں کو بتلایا کہ میں اس لڑکے کا چچا ہوں۔ لڑکوں نے کہا کہ اگر تم بھتیجہ کو لے جانا چاہتے ہو تو اس کی ماں کو خبر ہونے سے پہلے لے جاؤ کیونکہ اگر اس کو خبر ہو گئی تو وہ اسے نہیں چھوڑے گی اور تمہارے اور اس کے درمیان رکاوٹ بن جائے گی مطلب نے بھتیجے کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔

”بھتیجے! میں تمہارا چچا ہوں، میں تمہیں اپنے ساتھ تمہاری قوم میں لے جانا چاہتا ہوں۔“

اس کے بعد مطلب نے اپنے لونٹ کو شہلایہ شیبہ، چچا کے ساتھ لونٹ پر سوار ہو گیا اور وہ اسے لے گئے۔ شیبہ کی ماں کو رات ہو جانے تک اس بات کا پتہ نہیں چلا وہ کھڑی ہوئی اسے آؤ قریں دے رہی تھی کہ اسے خبر ہوئی کہ اس کا چچا اس کو اپنے ساتھ لے گیا اور انہوں نے اس کو یحییٰ حلقہ پہنایا تھا۔

عبدالمطلب یحییٰ حلقہ میں..... مطلب بھتیجے کو لے کر کے پہنچے تو قریش نے شیبہ کو ان کے ساتھ دیکھتے ہی عبدالمطلب عبدالمطلب (مطلب کا قلام) کہنا شروع کر دیا۔ یہ تفصیل اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عبدالمطلب اپنے باپ ہاشم کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ مطلب نے شیبہ کو حلقہ پہنایا تھا اس میں اور گذشتہ بیان کردہ اس روایت میں کوئی تضاد نہیں کہ مکہ میں پہنچنے کے وقت شیبہ کے کپڑے میلے کچیلے اور پٹھے پرانے تھے۔ اس لئے کہ ممکن ہے مطلب نے شیبہ کو مدینے سے لینے کے وقت ان کو حلقہ پہنایا ہو اور پھر سفر میں اس کو اتار دیا ہو یا جیسا کہ بعض روایتوں سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ حلقہ مکہ سے خریدا ہو۔ یہاں رولوی کی غلط فہمی سے جو کہی پیدا ہو گئی اس کا اس طرح توالہ ممکن ہے کہ مطلب نے شیبہ کے لئے دو حلقے خریدے ہوں جن میں سے ایک مدینے میں پہنایا ہو اور دوسرا حلقہ مکہ میں خریدا ہو اور وہیں پہنایا ہو۔

ہاشم کی بیوی کا شرف..... سیرت ہشامیہ میں ہے کہ عبدالمطلب کی ماں اپنی قوم میں اپنے شرف اور مرتبہ کی وجہ سے کسی سے شادی کرنے پر تیار نہیں تھی، یہاں تک کہ لوگوں نے یہ شرط تک رکھی کہ وہ اپنی مرضی کی عطا کرے گی اگر اس شخص کو وہ ناپسند کرے گی تو جب چاہے اس سے طلاق کی اختیار کر سکتی ہے۔ نیز جیسا کہ پیچھے بھی بیان ہو چکا ہے وہ ہمیشہ زوجگی اپنے میکہ میں ہی کرے گی (سیرت ہشامیہ ہی میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ) شیبہ کے چچا مطلب بھتیجے کو لینے کے لئے مدینے پہنچے تو شیبہ کی ماں نے ان سے کہا کہ میں شیبہ کو آپ کے ساتھ نہیں بھیجوں گی۔ مطلب نے اس کو جواب دیا کہ میں اس کو ساتھ لے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔ میرا بھتیجا بڑا ہو گیا ہے اور غیر لوگوں میں اجنبی بنا ہوا ہے۔ ہم اپنی قوم میں صاحب عزت و شرف لوگ ہیں، شیبہ کی قوم، اس کا خاندان اور اس کا وطن غیر لوگوں میں رہنے سے کہیں بہتر ہے۔ اس پر شیبہ نے اپنے چچا سے کہا کہ جب تک ماں اجازت نہیں دیں گی میں ان سے جدا نہیں ہوں گا۔ آخر میں نے اجازت دے دی اور بیٹے کو مطلب کے سپرد کر دیا وہ اس کو لونٹ پر اپنے پیچھے بٹھا کر لے گئے۔ یہ روایت اور پیچھے گزرنے والی روایت اس کی محتاج ہیں کہ ان میں کوئی جوڑ پیدا کیا جائے۔

بہر حال جب مطلب بھتیجے کو لے کر مکہ پہنچے تو قریش نے دیکھتے ہی کہا کہ مطلب کا قلام (عبدالمطلب) جسے انہوں نے مدینے سے خریدا (لوگوں نے یہ خیال کرائی اس لئے کی) کہ شیبہ کا چہرہ شدید دھوپ سے متاثر ہو رہا تھا اور ان کے بدن پر میلے کپڑے تھے۔ مطلب نے لوگوں کی یہ باتیں سن کر کہا کہ کیا کہتے ہو۔ یہ میرے بھائی ہاشم کا بیٹا ہے۔

یہ روایت اس پچھلی روایت کے مخالف نہیں کہ جو کوئی مطلب سے پوچھتا کہ یہ کون ہے تو وہ جواب دیتے کہ میرا غلام (عبد) ہے اس لئے کہ ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے شبہ کو دیکھ کر خود ہی یہ خیال قائم کر لیا ہو کہ یہ عبد مطلب یعنی مطلب کا غلام ہے اور بعض نے مطلب سے لڑکے کے متعلق پوچھا ہو تو انہوں نے جواب دے دیا ہو کہ میرا غلام ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اور اس کے بعد کہ میں داخل ہونے پر لوگوں کو اصل بات بتلائی ہو۔

ابن عبد مناف

عبد مناف کا جمال اور خوف خدا..... ہاشم بنی ہیں عبد مناف کے۔ عبد مناف کا اصل نام مغیرہ تھا۔ ان کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے ”قمر البطحی“ بھی کہا جاتا تھا۔ یہ آنحضور ﷺ کے تیسرے دادا ہیں اور حضرت عثمان ابن عفانؓ کے چوتھے دادا ہیں اور ہمدانہ لام حضرت امام شافعیؒ کے نويس دادا ہیں (مؤلف کتب شافعی مسلک کے ہیں) مغیرہ ابن قصی یعنی عبد مناف قریش کو اللہ جل شانہ سے ڈراتے رہے اور صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کے حق پورے کرنے کی نصیحت کیا کرتے تھے۔

لفظ ”مناف“ اصل میں ”منات“ ہے جو ایک بت کا نام تھا اور یہ قریش کے زبردست بتوں میں سے ایک تھا۔ عبد مناف کی ماں نے ان کو اس بت کی غلامی میں دے دیا تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس بت کے نام بہہ کر دیا تھا اس لئے کہ جیسا کہ مشہور ہے یہ قصی کے سب سے پہلے بنے تھے۔

ابن قصی

قصی نام کی وجہ..... عبد مناف بنے ہیں قصی کے۔ قصی کا نام زید رکھا گیا تھا۔ لام شافعی سے روایت ہے کہ اس کا نام یزید تھا اس کو محج بھی کہا جاتا ہے۔ اس کو قصی اس لئے کہا جاتا تھا کہ یہ اپنے خاندان سے علیحدگی اختیار کر کے اپنی پائمال یعنی بنی کلب کے محج میں رہنے لگا تھا (قصی کے معنی علیحدگی اختیار کرنے کے ہیں)۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان سے علیحدہ ہو کر اپنی ماں کے ساتھ بنی قضاہ میں رہنے لگا اس لئے کہ اس کی ماں اسی خاندان یا قبیلہ کی تھی۔

میری رائے یہ ہے کہ ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں پیدا ہوتا کیونکہ یہ ممکن ہے کہ قصی کی ماں بنی کلب کے قبیلہ کی ہو اور اس کا دوسرا شوہر قبیلہ قضاہ سے ہو اور یہ کہ وہ قصی کے باپ کے مرنے کے بعد اپنے قبیلہ بنی کلب میں واپس چلی گئی ہو اور اس کے بعد جب اس کی دوسری شادی قبیلہ قضاہ میں ہوئی تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ وہاں چلی گئی۔ قبیلہ قضاہ غالباً شام کی طرف آباد تھا اس لئے دونوں روایتوں میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔

اپنے قوم و وطن کا انکشاف..... اس کا نام قصی اس لئے پڑا تھا کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ علیحدہ ہو کر شام میں جا بسا تھا کیونکہ جب قصی کے بچپن میں ہی اس کے باپ کا انتقال ہو گیا تھا تو اس کی ماں نے ربیعہ ابن حزام حزام ابن ربیعہ عذری نامی ایک شخص سے شادی کر لی تھی وہ اس کو لے کر شام چلا گیا۔ قصی کو اپنے باپ کے متعلق کوئی علم نہیں تھا وہ اپنی ماں کے اس شوہر کو ہی اپنا باپ سمجھتا تھا۔ جب وہ بڑا ہو گیا تو ایک روز کسی بات پر قصی کا اپنے سوتیلے بھائیوں سے جھگڑا ہو گیا۔ بات یہ ہوئی کہ اس کا اپنے سوتیلے بھائیوں سے تیر اندازی میں مقابلہ ہو گیا جس میں قصی جیت گیا۔ اس پر اس کے بھائی بدامض ہو گئے اور قصی کو بے چارگی اور اجنبیت کا طعہ دیا

انہوں نے قصی سے کہا کہ تو اپنی قوم اور اپنے وطن میں جا کر کیوں نہیں رہتا تو ہم میں سے تو ہے نہیں۔ روایت ہے کہ جب قصی نے یہ سنا تو اس نے فوراً پوچھا کہ پھر میں کس قبیلہ سے ہوں، اسے جواب ملا کہ اپنی ماں سے جا کر پوچھ، قصی نے فوراً جا کر اپنی ماں سے فرید کی تو اس نے اسے بتلایا۔

”تیرا وطن انکے وطن سے بہتر ہے اور تیری قوم ان کی قوم سے برتر ہے، تیرا باپ ان کے باپ سے زیادہ معزز تھا تو کلاب ابن ترہہ کا بیٹا ہے، تیری قوم یعنی خاندان کے میں ہے جہاں بیت اللہ ہے اور جہاں تمام عرب زیارت کے لئے جاتے ہیں، تیرے بچپن میں ایک کاہنہ نے تجھے دیکھ کر مجھ سے کہا تھا کہ تو ایک بڑا کام کرے گا“ کے میں آمد اور قریش کی سرداری۔ (اپنے حلقہ یہ معلومات ہو جانے کے بعد) قصی نے کئے جانے کا ارادہ کیا تو اس کی ماں نے کہا کہ جلدی مت کر مہ محترم شروع ہونے دے اس وقت تو قبیلہ قضاہ کے حاجیوں کے ساتھ جانا اس لئے کہ مجھے تیری جان کا خوف رہتا ہے، چنانچہ قصی قبیلہ قضاہ کے حاجیوں کے ساتھ روانہ ہو کر مکہ میں اپنے قبیلہ میں آگیا، انہوں نے اس کی فضیلت اور شرف کو پہچان لیا اور اپنا بیٹا بنا لیا اور قصی ان کا سردار ہو گیا۔ پھر قصی نے حلیل خزاعی کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اس زمانے میں مکہ کی سرداری اور بیت اللہ کا انتظام حلیل کے ہاتھوں میں تھا۔ قبیلہ خزاعہ کا یہ آخری آدمی تھا جس کے ہاتھوں میں بیت اللہ کا انتظام اور مکہ کی سرداری رہی۔ حلیل کی بیٹی سے قصی کے لولاد ہوئی جن کا ذکر آگے آئے گا۔ جب قصی کے کئی لولادیں ہو گئیں مال و دولت اور اس کا شرف و منزلت بڑھ گیا تو حلیل کا انتقال ہو گیا۔ قصی نے سوچا کہ مکہ کی سرداری کے لئے قبیلہ خزاعہ سے زیادہ لوٹی اور موزوں وہ خود ہے اس لئے کہ قریش کے لوگ قبیلہ خزاعہ کے مقابلہ میں حضرت اسماعیلؑ سے زیادہ قریب ہیں۔ یہ سوچ کر اس نے قریش اور بنی کنانہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ قبیلہ خزاعہ کو مکہ سے نکال دیا جائے۔ یہ لوگ اس پر لڑو ہو گئے، پھر قصی نے قبیلہ قضاہ کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا جو اس کے ساتھ شام سے آئے تھے، ان کے ساتھ قصی کا سوتا بھائی بھی آیا تھا۔ اس طرح قصی نے بنی خزاعہ کو نکال دیا اور مکہ کی سرداری پر قابض ہو گیا۔

قصی کا خسر..... ایک روایت یہ بھی ہے کہ حلیل (یعنی قصی کے خسر) نے بیت اللہ کا انتظام قصی کے سپرد کر دیا تھا۔ ان روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ حلیل نے جب بیت اللہ کا انتظام قصی کے سپرد کیا ہو تو اس پر بنی خزاعہ راضی نہ ہوئے ہوں اور اس کے نتیجہ میں قصی نے ان سے جنگ کر کے انہیں مکہ سے نکال دیا ہو۔

قصی اور انتظام بیت اللہ..... ایک روایت یہ ہے کہ حلیل نے بیت اللہ کا انتظام ابو غضخان کو دیا تھا (یہ حلیل کا سالہا تھا) اور اس سے پہلے وہ یہ انتظام اپنی بیٹی یعنی قصی کی بیوی کے سپرد کر چکا تھا، کیونکہ اس نے ایک دفعہ اپنے باپ سے شکایت کی کہ مجھے بیت اللہ کھولنے یا بند کرنے کا کوئی اختیار ہی نہیں ہے۔ (جب حلیل نے انتظام بیت اللہ ابو غضخان کو دے دیا تو اسی روایت کے مطابق) قصی نے ابو غضخان سے یہ معزز عمدہ ایک شراب کی مشک کے بدلے میں لے لیا۔ اس پر عربوں نے کہا کہ ابو غضخان نے بہت کمائے گا سو دیکھا۔

مکہ کی سرداری کیسے ملی..... ایک روایت یہ ہے کہ ابو غضخان نے یہ عمدہ حلیل کی بیٹی یعنی قصی کی بیوی کو دیا تھا اور اس کے بدلے میں قصی نے ابو غضخان کو بہت سے کپڑے اور لونٹ دیئے تھے۔ چنانچہ ابو غضخان بنی خزاعہ کا وہ آخری آدمی تھا جس کے پاس بیت اللہ کا انتظام اور مکہ کی سرداری رہی۔ یہ روایت لو پر گزرنے والی اس روایت

کے خلاف نہیں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ بنی خزاعہ میں حلیلہ وہ آخری آدمی تھا جس کے پاس بیت اللہ کا انتظام اور نیکے کی سرداری رہی کیونکہ پچھلی روایت میں یہ مراد ہے کہ حلیلہ بنی خزاعہ میں وہ آخری سردار تھا جس کے پاس اخیر تک سرداری رہی (کیونکہ ابوسفیان کے پاس سرداری آئی مگر اس کی زندگی ہی میں اس کے ہاتھ سے نکل گئی)۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ ابوسفیان قصی کا ماموں تھا اور اس کے دماغ میں کسی حد تک فتور تھا اسی وجہ سے قصی نے اس کو دھوکہ دے کر اس سے چند لوگوں کے بدلے میں بیت اللہ کا انتظام اور نیکے کی سرداری حاصل کر لی۔

یہ کئی روایتیں ہو گئی ہیں کہ قصی نے نیکے کی سرداری شرب کی مُٹک کے بدلے میں لی، دوسری یہ کہ لوگوں اور کپڑے کے تھانوں کے بدلے میں لی، اور تیسری یہ کہ (لفظوں کے تغیر کے ساتھ) چند اونٹوں کے بدلے میں حاصل کی۔ ان سب کو جمع کرنا اس طرح ممکن ہے کہ یہ سرداری ان سب چیزوں کے بدلے میں لی گئی ہو مگر رویوں نے اس واقعہ کی روایت کرنے میں اختصار سے کام لے کر تمام چیزوں کو ذکر کرنے کے بجائے ایک ایک، دو دو کا ذکر کر دینے پر بس کی ہو۔ مگر یہ قابل غور ہے۔

جمع لقب اور اس کی وجہ..... (نیکے کی سرداری حاصل کرنے کے بعد) قصی نے قبیلہ قریش کے ان لوگوں کو اکٹھے بلایا جو دوسرے شہروں میں منتشر تھے اور ان کے ہر قبیلے بتادینے جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ چونکہ قصی نے قریش کے ادھر ادھر بکھرے ہوئے لوگوں کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا اس لئے اس کو ”جمع“ جمع کرنے والا) بھی کہا جانے لگا تھا۔

بعض مؤرخین نے اس طرح روایت کی ہے کہ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے قصی کو مجمع کا نام دیدیا۔ اسی بات کی طرف ایک شاعر کا قول بھی اشارہ کرتا ہے۔

قصی لعمریٰ کان یُدعی مَجْمَعاً
یہ جمع اللہ القابل من فہر

خدا کی قسم قصی کو مجمع کہا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آل نضر کے قبیلوں کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔

ایک درد مند دل..... یہ شعر ایک قصیدہ کا ہے جس میں عبد المطلب کی تعریف کی گئی ہے۔ یہ مدح حذافہ ابن عاتم نے کی ہے جس کا واقعہ اس طرح ہے کہ قبیلہ جذام کے قافلے کا ایک شخص کے میں کہیں گم ہو گیا (جسے غالباً پکڑ لیا گیا تھا) قافلے والوں کو کہیں حذافہ مل گیا انہوں نے اس کو (ظہور پر غمال) پکڑ کے باندھ لیا اور اپنے ساتھ لے چلے راستے میں عبد المطلب مل گئے جو طائف سے آرہے تھے، ان کے ساتھ ان کا بیٹا ابولہب تھا جو باپ کا ہاتھ پکڑے لارہا تھا کیونکہ ان کی بیٹائی جاتی رہی تھی۔ حذافہ نے عبد المطلب کو دیکھا تو اس نے چلا کر ان سے فریاد کی۔ عبد المطلب نے ابولہب سے پوچھا کہ کیا بات ہے۔ ابولہب نے بتلایا کہ حذافہ کو ایک قافلے والوں نے باندھ رکھا ہے۔ عبد المطلب نے بیٹے سے کہا کہ ان لوگوں کے پاس جا کر تفصیل معلوم کرو۔ ابولہب نے قافلے والوں کے پاس جا کر واقعہ معلوم کیا اور عبد المطلب کے پاس واپس آیا۔ انہوں نے پوچھا کیا خبر لائے۔ ابولہب نے کہا کہ کچھ پتہ نہیں چلا۔ عبد المطلب نے بیٹے کو ڈانٹ کر کہا کہ ان کے پاس جاؤ اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ قافلے والوں کو دے کر اس آدمی کو رہائی دلاؤ۔ ابولہب دوبارہ قافلے والوں کے پاس پہنچا اور ان سے کہا:

”تم میری تجارت اور مال و دولت سے واقف ہو، میں تم سے محبت کرتا ہوں کہ میں تمہیں نہیں بلوئیہ سونا اور دس لونٹ اور گھوڑے دوں گا۔ اس حلف کیلئے میں بطور ضمانت کے اپنی یہ چادر تمہارے پاس رہن رکھتا ہوں“

قافلے نے یہ ضمانت قبول کر لی اور حذافہ کو چھوڑ دیا۔ ابولسب اس کو لے کر باپ کے پاس گیا۔ عبدالمطلب نے ابولسب کی آواز سنی تو (یہ سمجھ کر کہ وہ خالی ہاتھ واپس آیا ہے) کہا

”خدا کی قسم تو نے گناہ کیا، دوبارہ جا۔“

ابولسب نے ان کو بتلایا کہ یہ آدمی میں لے آیا ہوں، عبدالمطلب نے تصدیق کے لئے حذافہ سے کہا کہ مجھے اپنی آواز سناؤ۔ حذافہ نے کہا:-

”میں آگیا آپ پر میرا باپ قربان ہو۔ اے حجاج کے ساتھی مجھے اپنے ساتھ بٹھالو۔“ عبدالمطلب نے اس کو اپنے پیچھے بٹھالیا۔ جب یہ مکے میں داخل ہوئے تو حذافہ نے یہ قصیدہ کہا جس کا پہلا شعر یہ ہے

بَنُو قَيْسَةَ الْحَمِيدِ الَّذِي كَانَ وَجْهَهُ
يُضِيئُ ظِلَامَ اللَّيْلِ كَالْقَمَرِ وَالْبَدْرِ

قصیدہ الحمد کی لولاد وہ لوگ ہیں کہ ان کے چہرے رات کی تاریکیوں میں چودھویں کے چاند کی طرح دھکتے ہیں یہ ایک بہت عمدہ قصیدہ ہے۔

عربوں کا پاس وفا..... یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ ابولسب نے جن چیزوں کے دینے کا قافلے سے وعدہ کیا تھا ان کی ضمانت میں قافلے نے چادر جیسی معمولی چیز لے کر کیسے حذافہ کو رہا کر دیا۔

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ عربوں کا دستور اور اصول یہ تھا کہ ان میں سے کسی نے اگر بہت بڑے معاملے کے سلسلے میں بھی کوئی حقیر چیز کسی کے پاس رکھ دی تو اس کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اس عہد کو پورا نہ کرے بلکہ وہ خود بھی اس کو شش اور جستجو میں رہتا تھا کہ کسی طرح وعدہ پورا کرے۔

بڑے عہد پر معمولی ضمانتیں..... چنانچہ جب نبی کریم ﷺ کی دعاء سے ایک مرتبہ قبیلہ بنی حنیملہ کا علاقہ قحط اور خشک سالی کا شکار ہو گیا تو قبیلے کا سردار حاجب ابن زمرہ جو حضرت عطارؓ کا باپ تھا شاہ کسریٰ قادر کے پاس گیا تاکہ اس سے اپنی قوم کے لئے امان حاصل کر کے قبیلے کو عراق کے دیہات میں منتقل کر دے اور اس طرح اس مصیبت سے نجات حاصل کرے، شاہ کسریٰ نے حاجب کی درخواست سن کر کہا۔

”تمام لوگ خدا اور دعا باز قوم سے ہو اس لئے میں تمہاری طرف سے اپنی رعایا کے متعلق ڈرتا ہوں۔“

حاجب نے یہ سن کر کہا۔

”میں اس بات کی ضمانت لیتا ہوں کہ میری قوم اس قسم کی حرکت نہیں کرے گی۔“

کسریٰ نے پوچھا ”میرے لئے تمہارے وعدے کا ضامن کون ہوگا؟“

حاجب نے کہا۔

”میری یہ کمان اس وعدے کی ضمانت کے طور پر رہن ہے۔“

یہ سن کر شاہ کسریٰ اور اس کے مصاحبوں نے حاجب کا بہت مذاق اڑایا اور اسے احمق بتلایا۔ اس پر بعض

لوگوں نے کسریٰ سے کہا۔

”عربوں میں سے کوئی شخص اگر (کسی وعدہ کی ضمانت میں) کوئی چیز رہن رکھ دے تو وہ لازمی طور پر

اس عہد کو پورا کرتا ہے۔“

عرب و فاشناسی اور دربار کسریٰ..... جب بنو حمیم کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہو گیا اور آپ کی دعاء سے انکا قبیلہ ختم ہو کر سرسبزی و خوش حالی چھا گئی اور لوہر اس وقت تک حاجب مرچکا تھا تو حضرت عطارؓ نے اپنی قوم کو شاہ کسریٰ کے پاس چلنے کا حکم دیا۔ وہاں پہنچ کر عطارؓ دوسری کے پاس گئے اور اس سے اپنے باپ کی کمان واپس مانگی۔ کسریٰ نے کہا کہ تم نے تو مجھے کوئی چیز نہیں دی تھی تو عطارؓ نے کہا۔ ”اے بادشاہ! میں اپنے باپ کا دلہن ہوں۔ ہم نے اپنا عہد جس کے لئے ضمانت دی تھی پورا کر دیا ہے اگر اب آپ نے میرے باپ کی کمان واپس نہیں کی تو ہمارے لئے سخت عار اور شرم کی بات ہوگی اور لوگ ہمیں ذلیل کریں گے۔“

اس پر کسریٰ نے کمان واپس دے دی اور انہیں ایک خلعت پہنایا۔ پھر جب عطارؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے تو انہوں نے وہ خلعت آنحضرت ﷺ کو پیش کیا مگر آپ ﷺ نے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ اس خلعت کو وہ پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے (اس لئے کہ وہ خلعت ریشمی تھا اور ریشم پینٹا سردوں کے لئے اسلام میں ناجائز ہے)۔

بہر حال بنو حمیم کے لوگ اس کمان کو اپنے لئے باعث فخر سمجھا کرتے تھے اسی طرف ایک شاعر نے

اشارہ کیا ہے اور بہت اچھے اور عمدہ انداز میں کیا ہے

تَرَهُوْ قَبِيْرَہُ عَلَيْنَا بِقَوْمِ حَاجِبِہَا
قَبِيْرَہُ تَعْبِيْرَہُ بِقَوْمِ حَاجِبِہَا

ترجمہ: تم چہ دوڑے ہو ہم پر اپنے محافظوں کی کمانیں لے کر جس طرح قبیلہ حمیم کے لوگ اپنے سردار کی کمان کے لئے گئے تھے۔

قصیؓ اور بنو خزاعہ میں دشمنی..... بنو خزاعہ کو بیت اللہ کی تولیت و انتظام سے ہٹا کر اور انہیں مکہ سے جلا وطن کر کے قصیؓ قریش کا تیسرا دربار بن گیا۔ بنو خزاعہ کو اس لئے ہٹایا گیا کہ انہوں نے قصیؓ کو بیت اللہ کا حوالی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ نیز یہ کہ ابو سفیان نے جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے، قصیؓ کو بیت اللہ کا جو انتظام سونپا تھا بنو خزاعہ نے اس کو بھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس سے پہلے بنو خزاعہ نے حج کے آخری ایام میں قتل و قاتل کیا تھا (جبکہ عربوں میں یہ لمان کے دن ہوتے تھے اور ان دنوں میں خوں ریزی کرنے والا سخت ملعون اور گناہ گار سمجھا جاتا تھا) قریش کے لوگوں نے بنو خزاعہ کو اس ظلم اور زیادتی سے بہت روکنے کی کوشش کی اور ظلم و سرکشی کے نتیجہ میں بنی جرہم کا پچھلے زمانہ میں جو انجام ہو چکا تھا وہ بھی ان کو یاد دلایا کہ کس طرح بنی جرہم نے حرم کے اندر ظلم و سرکشی کی تھی (اور اس کے نتیجہ میں ان کی سرداری ختم ہوئی تھی اور وہ مکہ سے فرار ہوئے تھے) مگر بنو خزاعہ نے قریش کی ان نصیحتوں کو ماننے سے انکار کر دیا اور جنگ کی۔ زبردست قتل و قاتل ہوا اور دونوں فریقوں کو سخت نقصان پہنچا مگر بنو خزاعہ کا نقصان زیادہ تھا۔ آخر کار انہوں نے صلح کی دعوت دی اور بات اس پر ٹھہری کہ عربوں میں سے ہی کسی کو اپنا ثالث اور حکم بنالیا جائے۔ سب نے متفقہ طور پر اس مقصد کے لئے عمر ابن عوف کو منتخب کیا جو ایک نیک اور سترز آدمی تھا۔ مگر نے ان لوگوں سے کہا کہ میرا فیصلہ سننے کے لئے تم لوگ کل کعبہ کے صحن میں جمع ہو جانا۔

ثالثی اور قصی کی سرداری..... متعینہ وقت پر جب لوگ جمع ہو گئے تو تیر کھڑا ہوا اور اس نے کہا:-

”گو گو اجو قل و خول ریزی تم لوگوں کے درمیان ہو چکی ہے میں اسے اپنے قدموں سے روندتا ہوں۔ اس لئے ایک دوسرے پر کسی کا کوئی حق اور خوں بہا نہیں رہا۔“

ایک روایت یہ ہے کہ اس نے یہ فیصلہ دیا کہ قریش کے ہاتھوں جو نقصان بنی خزاعہ کو پہنچا وہ کالہم ہے اور بنی خزاعہ کے ہاتھوں جو نقصان قریش کا ہوا اس کا خوں بہا ہوگا، نیز اس نے یہ فیصلہ بھی دیا کہ بیت اللہ کی تولیت اور کئے کی سرداری کے لئے قصی زیادہ موزوں ہے۔ چنانچہ قصی بیت اللہ کا متولی ہو گیا۔ ایک روایت ہے کہ قصی نے عشری ٹکس لگایا کہ کئے والوں کے علاوہ جو شخص بھی تجددت وغیرہ کے لئے کئے میں داخل ہوتا اس سے عشری ٹکس وصول کیا جاتا۔

اس سے پہلے جرہم کی سرداری..... بنی خزاعہ (جن کو قصی نے تولیت کعبہ سے ہٹا کر جلا وطن کیا) کے لوگوں نے بیت اللہ کی تولیت بنی جرہم کے ہاتھوں سے چھینی تھی۔

بنی جرہم کی بد اعمالیاں..... (قبیلہ بنی جرہم میں کئے کی سرداری اس طرح پہنچی تھی کہ) مضاض ابن عمرو ابجر بنی الکبر بیت اللہ کا متولی ثابت ابن اسماعیل کے بعد ہوا تھا۔ کیونکہ یہ مضاض جرہمی، ثابت اور اسماعیل کی دوسری لولہ کا تھا۔ اس کے بعد بیت اللہ کی تولیت اور کئے کی سرداری مستقل بنی جرہم کے ہاتھوں میں آگئی۔ اسماعیل کی لولہ ان سے ایک تو اس وجہ سے (سرداری حاصل کرنے کے لئے) کوئی جھگڑا نہیں کرتی تھی کہ یہ لوگ ان کی نامال والے تھے اور دوسرے وہ اس بات کو بہت برا جانتے تھے کہ کئے میں سرکشی و بغاوت ہو۔ مگر پھر خود بنی جرہم نے کئے میں سرکشی اختیار کی۔ کئے کے علاوہ باہر کا جو آدمی بھی کئے میں داخل ہوتا اس پر ظلم کرتے، کعبہ میں جو لوگ تحائف اور چڑھاوے چڑھا کر جاتے ان کو کھا جاتے، ان کی سرکشی اس حد تک بڑھ گئی کہ اگر ان میں کوئی شخص زنا کرنا چاہتا اور اس کے پاس کوئی جگہ نہ ہوتی تو وہ کعبہ میں آکر زنا کرتا۔ آخر کار بنو خزاعہ نے فیصلہ کیا کہ بنی جرہم سے جنگ کی جائے اور انہیں کئے سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس سے پہلے بنی جرہم کی اس سرکشی کی سزا میں اس قوم پر ایک ایسا کیڑا مسلط کر دیا گیا جو اس کیڑے کے مشابہ تھا جو لوٹنوں اور بکریوں کی ناک میں ہو جاتا ہے۔ اس بیماری کے نتیجے میں اتنی بربادی ہوئی کہ ایک ہی رات میں بنی جرہم کے (۸۰) آدمی ہلاک ہو گئے جو سب کے سب پختہ کار و تجربہ کار تھے۔

آسمانی آفت میں گرفت..... ایک روایت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی جرہم پر تکسیر چھوٹنے کی بیماری مسلط فرمائی اور اس سے ان میں کے زیادہ تر لوگ ختم ہو گئے یہ ممکن ہے کہ یہ تکسیر ناک میں اس کیڑے کے پیدا ہوجانے کی وجہ سے ہی پھوٹی ہو اس طرح دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

جرہم کا زوال اور خزاعہ کا عروج..... اس بنا ہی اور کئے کی سرداری چھین جانے کے بعد جو لوگ باقی بچے وہ سب عمرو ابن حرث جرہمی کے ساتھ یمن کی طرف چلے گئے۔ عمرو بن حرث بنی جرہم میں وہ آخری آدمی ہے جو کئے کا سردار ہوا۔ کئے کی سرداری چھین جانے کا بنی جرہم کو زبردست غم تھا اور وہ اس پر سخت طویل اور رنجیدہ تھے۔ عمرو بن حرث نے اس پر ایک نوہ کما تھا جس کے چند شعر یہ ہیں

عمرو کا نوہ زوال
كَانَ لَمْ يَكُنِ الْحَجَّونَ إِلَى الصَّفا

اَنِيسَ وَلَمْ يَسْمَرْ بِمَكَّةَ سَامِرٌ
گویا کہ جوں سے لے کر صفا تک نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی قصہ گوئی کرنے والا کہے میں قصہ گوئی کر رہا ہے۔

رَبِّكَ وَلاَةَ الْبَيْتِ مِنْ بَعْدِ نَابِتٍ
نَطُوفُ بِبَيْتِكَ الْبَيْتِ وَالْغَيْرِ ظَاهِرٌ
ہم لوگ حابث ابن اسماعیل کے بعد بیت اللہ کے متولی تھے۔ اللہ کے اس گھر کا طواف کرتے تھے اور اس کی برکتیں ظاہر ہوتی تھیں۔

بَلِيٍّ نَحْنُ كُنَّا اَهْلُهَا فَاَبَادَنَا
صُرُوفُ اللَّيَالِي وَالَّذِي هُوَ الْبَوَاتِرُ

ہاں ہم اسی ولوی کے باشندے تھے مگر ہمیں وقت کی رفتار اور زمانے کی غیب و فرات نے وہاں سے اجاڑ دیا۔ یہ نوحہ خاندانِ برائے کے لئے شگون بد..... اس سلسلے میں ایک عجیب و غریب اتفاق اور دلچسپ واقعہ ہے جسے ایک شخص نے حکایت کیا ہے کہ میں خلیفہ ہارون رشید عباسی کے زمانہ میں اس کے ایک وزیر یحییٰ امین خالد برکی کے پاس بیٹھا ہوا لکھ رہا تھا کہ اسے نیند آگئی وہ تھوڑی دیر سویا اور اس کے بعد گھبرایا ہوا بیدار ہوا اور کہا۔ ”ہوئے والی بات ہو گئی، خدا کی قسم ہماری سلطنت ختم ہو گئی، ہماری عزت جاتی رہی اور ہمارے اقتدار کے دن پورے ہو گئے۔“

میں نے کہا ”کیا بات ہو گئی خداؤزیر کو مطمئن رکھے۔“

برائے کی تباہی اور یہ شعر..... اس نے جواب دیا کہ میں نے ایک شعر پڑھنے والے کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

كَانَ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْحُجُوجِ إِلَى الصَّفَا
اَنِيسَ وَلَمْ يَسْمَرْ بِمَكَّةَ سَامِرٌ

گویا کہ جوں سے صفا تک نہ کوئی دوست رہا اور نہ کوئی قصہ گوئی کرنے والا کہے میں قصہ گوئی کر رہا ہے۔

یہ شعر سن کر میں نے اس کہنے والے کو دیکھے بغیر جواب دیا۔

بَلِيٍّ نَحْنُ كُنَّا اَهْلُهَا فَاَبَادَنَا
صُرُوفُ اللَّيَالِي وَالَّذِي هُوَ الْبَوَاتِرُ

ہاں ہم اسی ولوی کے باشندے تھے مگر ہمیں وقت کی رفتار اور زمانے کے غیب و فرات نے وہاں سے اجاڑ دیا (یہ دونوں شعر عروا بن حرث جریہی کے اسی مرثیہ کے ہیں اور گزشتہ سطروں میں نقل کئے جا چکے ہیں) (حکایت بیان کرنے والا کہتا ہے کہ) اس واقعہ کے تین روز بعد جبکہ میں اپنی عادت کے مطابق یحییٰ برکی کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک شخص آیا اور اس نے غم و اضطراب کے ساتھ یحییٰ کو اطلاع دی کہ خلیفہ ہارون رشید نے جعفر برکی کو (جو اس کا وزیر اعظم تھا) قتل کر دیا ہے۔ یحییٰ نے پوچھا کیا واقعی اس نے قتل کر دیا ہے، آنے والے نے کہا کہ ہاں۔ یحییٰ نے فوراً اپنے ہاتھ سے قلم پھینک دیا اور کہا۔

”اسی طرح اچانک ایک دن قیامت آجائے گی۔“

اقوالِ زیریں..... یحییٰ برکی کا جو قول منقول ہے وہ یہ ہے۔

”آؤی کو چاہئے کہ بہترین بات جو وہ سنے اسے لکھے اور بہترین بات جو وہ لکھے اسے یاد کر لے، اور بہترین بات جو وہ یاد کر لے اسے بولے۔“

نیز اس کا یہ قول بھی ہے :-

”جس شخص نے بغیر کسی وعدے کی لذت و سرور کے رات گزاری اس نے کارنامے کا ذائقہ نہیں چکھا۔“
(یعنی ایک شخص سے کسی چیز کا وعدہ کیا جائے کہ وہ اسے دی جائے گی اور پھر وہ اس کو پانے تک انتظار کرے تو یہ انتظار کی لذت اس سے بہتر ہے کہ اسے وہ چیز اچانک مل جائے جس میں اسے انتظار کی لذت حاصل نہیں ہوتی)۔
بہر حال جیسا کہ بیان ہو چکا ہے بنی جرہم کے بعد بنی خزاعہ کو کعبہ کی تولیت اور مکے کی سرداری مل گئی۔
قبیلہ بنی خزاعہ کا سردار عمر دابن لُحی تھا۔ یہ شخص بنی جرہم کے سردار عمرو ابن حرث جرہمی کا نواسہ تھا جو قبیلہ جرہم میں سے مکے کا آخری سردار تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

خزاعہ کا ایک سردار ابن لُحی..... (قبیلہ خزاعہ کے اس سردار عمر دابن لُحی نے دور جاہلیت میں عرب میں وہ عزت و شرف حاصل کیا جو اس سے پہلے اور اس کے بعد کسی کو نہیں ملا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے مکے میں حاجیوں کو شہید کے کھانے پر لونٹ کی چربی کھلائی، عرب میں اس کا شرف اور نام ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ اس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات ایسا دین بن جانی جس کو سب مانتے تھے۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ عمر دابن لُحی عربوں کا ایک ایسا خدا مین گیا تھا کہ جو بدعت بھی وہ جاری کرتا تھا لوگ فوراً اس کو دین اور شریعت کی حیثیت سے قبول کر لیتے تھے۔ کیونکہ عمرو لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا اور حج کے موسم میں انہیں غلٹیں پہناتا تھا۔ کبھی کبھی وہ حج کے موسم میں دس ہزار لونٹ ذبح کرتا تھا اور دس ہزار غلٹیں پہناتا تھا۔

دین ابراہیمی مٹانے والا..... یہی وہ پہلا آدمی ہے جس نے حضرت ابراہیمؑ کے دین میں تبدیلیاں کیں۔ بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ علماء کے اقوال اس سلسلے میں ایک دوسرے سے متفق ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے عرب مسلسل ان کے دین پر قائم رہے۔ اور عمر دابن لُحی کے زمانے تک بتوں کی پوجا سے بچتے رہے مگر عمرو پہلا آدمی ہے جس نے دین ابراہیمی کو مٹا دیا اور عربوں میں گمراہیاں پھیلانیں، چنانچہ اس نے بتوں کی پوجا شروع کی۔ بتوں کے نام پر سائبہؓ جانور چھوڑے اور بحیرہ مکہ لونٹوں کو چھوڑا۔

ایک روایت یہ ہے کہ بحیرہ چھوڑنے والا پہلا آدمی قبیلہ بنی مدعی کا ایک شخص ہے، اس کے پاس دو لونٹیاں تھیں اس نے ان دونوں کے کان کترے اور ان کا دودھ حرام قرار دیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس کو دوزخ میں اس حال میں دیکھا کہ وہ لونٹیاں اس شخص کو اپنے پیروں سے مار رہی ہیں اور اپنے منہ سے اس کو کاٹ رہی ہیں۔

مشرکانہ عقائد و رسوم کا بانی..... عمرو ابن لُحی ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے وصیلہؓ کو لونٹنی چھوڑنے اور

اسے سب زانیہ جاہلیت کی یہود و نصاریں میں جن کی وجہ سے عرب ایسا چیزوں کو اپنے لوپر حرام کر لیتے تھے جو اللہ نے حرام نہیں کیں، مثلاً کسی جانور کا دودھ پینا چھوڑ دینے اور کہتے کہ یہ فلاں بت کے نام ہے اب اس سے وہی فائدہ اٹھائے گا۔ ایسے جانوروں کے الگ الگ نام رکھے گئے تھے۔ لہٰذا بحیرہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کا دودھ اپنے لوپر حرام کر لیا جاتا تھا، اس کے کان نشانی کے لئے کتر دیتے تھے۔ سائبہؓ جانور کہلاتا تھا جس کو کسی بت کے نام پر آڑو چھوڑ دیا جاتا تھا اس پر کوئی خود سوار ہو تا اور نہ سائل لاوتا۔

صلہ وصیلہ وہ لونٹنی ہوتی تھی جو پہلی دفعہ ایک زریچہ جھنے کے بعد لگا کر دوبارہ بچے جے ایسی لونٹنی کو بھی بتوں کے نام پر آڑو چھوڑ دیتے تھے اور اس سے کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔

حام ۷۷ لونٹ بتوں کے نام پر چھوڑنے کی رسم ڈالی (پارہ نمبر ۷ میں ارشاد باری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ بخیرہ کو شروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں) اور کعبہ کے گرد بت نصب کئے۔ سہل نامی بت وہ شام سے لے کر آیا تھا اور اس کو اس نے کعبہ کے اندر بیچ میں نصب کیا تھا۔ چنانچہ عرب اسی بت کے پاس کھڑے ہو کر تیروں کے ذریعہ چیز تقسیم کیا کرتے تھے جس کی تفصیل آگے آئے گی (تیروں کے ذریعہ تقسیم کا مطلب یہ ہے کہ پہل نامی بت کے پاس ایسے تیر رکھے گئے تھے جن پر مختلف حکم لکھے ہوئے تھے۔ مثلاً کسی پر لکھا ہوا تھا ”کرد“ کسی پر ”مت کرد“ کسی پر ”اچھا ہے“ کسی پر ”برا ہے“ وغیرہ۔ یہ سب قرعہ کے تیر کھلاتے تھے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھے۔ جب کوئی شخص کسی کام یا معاملے کے سلسلے میں فال نکالنا چاہتا تو وہ اس بت کے پاس جاتا اور وہاں رکھے ہوئے تیروں میں سے ایک تیر منتخب کر لیتا اور جو کچھ اس پر لکھا ہوا ہوتا اس کے مطابق عمل کرتا۔

اسلام نے جاہلیت کی ان سب بیودہ رسموں کو ختم کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ساتویں پارے کے شروع میں صاف صاف ارشاد فرمایا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ الْغَالِبُ** اس آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے کہ شراب اور بت (وغیرہ) اور قرعہ کے تیر سب گندے شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم کو فلاح ہو)

تلبیہ میں شرکیہ الفاظ..... اور اسی عمرو بن لُحی نے سب سے پہلے تلبیہ (طواف کی دعا یعنی **لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ** کو تلبیہ کہتے ہیں) میں شرکیہ الفاظ شامل کئے جس کا واقعہ یوں ہوا کہ عمرو تلبیہ ابراہیمی پڑھ رہا تھا یعنی **لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ** اسی وقت شیطان ایک بوڑھے کی شکل میں ظاہر ہوا جو اس کے ساتھ تلبیہ پڑھ رہا تھا۔ جب عمرو نے یہ پڑھا **لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ** یعنی حاضر ہو گیا میں۔ تیر کو کوئی شریک نہیں۔ تو اس بوڑھے نے عمرو سے کہا **إِلَّا شَرِيكَ هُوَ لَكَ** یعنی سوائے اس کے کہ وہ تیرا شریک ہے (یعنی شیطان نے یہ کلمہ اصل تلبیہ میں بڑھالیا اور ”تیرا“ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، عمرو نے اس اضافہ کو ناپسند کیا تو شیطان نے کہا **تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ** یعنی تو اس کا مالک ہے مگر وہ مالک نہیں ہے) (یعنی شیطان نے پہلے اضافہ کے ناپسند ہونے پر اس میں مزید اضافہ کیا تاکہ عمرو اس اضافے کو پسند کرے) اس اضافے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ (یعنی بت) تیرا شریک تو ہے مگر ایسا شریک ہے کہ تو تو (یعنی حق تعالیٰ) اس کا بھی مالک ہے مگر اس میں تیرا مالک ہونے کی صفت نہیں ہے۔ (اس کے ساتھ ہی شیطان نے عمرو سے کہا کہ) اس میں کوئی حرج نہیں ہے (یعنی اس اضافہ کے بعد خدا کے ساتھ شرک کرنے میں کوئی حرج نہیں رہتا)۔

عوام میں ابن لُحی کی تقلید..... (اس پر عمرو بھی تیار ہو گیا اور) اس نے اسی طرح کہہ دیا۔ عمرو کو یہ کہتے سن کر عام عربوں نے بھی اس کا اتباع کیا وہ لوگ تلبیہ میں خدا کی توحید کا اقرار کرتے پھر اس کی خدائی میں بتوں کو شریک کرتے اور ان کا مالک خدا کو قرار دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین پر اپنے غضب کا ان آیات میں ذکر فرمایا:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (الایہ پ ۱۳ سورہ یوسف ع ۳ آیت ۱۰۶)

۳۔ حام وہ لونٹ کھاتا جس کی نسل پھیل چکی ہے اور اس نے ایک خاص تعداد میں لونٹیوں سے ملاپ کیا ہو جس کی وجہ سے اس کی نسل بہت بڑھ چکی ہو، ایسے اونٹ کو حام کہتے اور اس سے بدرجہا درجہ یا سواری کا کام لینا چھوڑ کر اسے بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے ۱۲ مرتب

ترجمہ۔ اور اکثر لوگ جو خدا کو ماننے بھی ہیں اس طرح کہ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔
مردار گوشت کھانے کا حکم..... یہی عمر و ابن مخی ہے جس نے پہلی بار مردار جانور کو حلال قرار دیا۔ حضرت
اسماعیلؑ کی تمام اولاد اب تک مردار جانور کو کھانا حرام سمجھتی تھی یہاں تک کہ عمرو کا زمانہ آیا، اس نے دعویٰ کیا کہ
اللہ تعالیٰ مردار جانور کو حرام قرار دینے کو پسند نہیں کرتا۔ اس نے لوگوں سے کہا:-
”آخر تم لوگ وہ جانور کیوں نہیں کھاتے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ہارا ہے جبکہ تم اپنے مدے
ہوئے جانور کو کھاتے ہو۔“

جنہم میں ابن مخی کی حالت..... امام بخاری نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”میں نے جنہم کو دیکھا کہ (اس کی پٹلیں) ایک دوسرے سے ٹکرائی ہیں اور اس میں عمرو اپنی استریوں
کو کھینچتا پھر رہا ہے۔“

ایک روایت میں استوں کا لفظ ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کی استریوں کی بدلو سے دوزخی لوگ
سخت تکلیف میں ہیں۔

(حدیث میں ”معاذ“ کا لفظ ہے جن کے معنی آنتیں ہیں) معاذ کو اقطاب بھی کہا جاتا ہے جس کا واحد
قطب ہے اسی لفظ پر رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان بھی ہے کہ قیامت میں ایک شخص کو لایا جائے گا اور دوزخ میں
ڈال دیا جائے گا اس کی آنتیں (اقطاب) حیرت سے باہر نکل کر آگ میں جلیں گی۔
ائم کی ابن مخی سے مشابہت..... رسول اللہ ﷺ نے حضرت اکثم ابن جون الغزالی (جون خزاعی کا نام
عبد العزیٰ تھا اور اکثم کے معنی ہیں بڑے پیٹ والا) سے فرمایا:-

”اے اکثم! میں نے عمرو ابن مخی کو دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی استریاں کھینچتا پھر رہا ہے اور میں نے کسی
شخص کو دوسرے سے اتنا مشابہ نہیں دیکھا جتنا تم اس سے ہو (یعنی عرو سے)“
ائم نے عرض کیا کہ کہیں ایسا تو نہیں یا رسول اللہ! کہ مجھے اس کی شبہت کی وجہ سے (آخرت
میں) کوئی نقصان پہنچے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں تم مومن ہو اور وہ کافر قلمہ پہلا آدمی تھا جس نے حضرت
اسماعیلؑ کے دین میں تبدیلیاں کیں اور بت نصب کئے“

(ی) کو ابن اسماعیلؑ سے مراد وہی دین ابراہیمؑ ہے۔ اس لئے کہ عرب حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے ان
عی کے دین پر قائم رہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی یہاں تک کہ جیسا کہ بیان کیا گیا اسی عمرو کا زمانہ آیا (اور
اس نے دین میں تغیرات کئے)۔

بعض مؤرخین کا قول ہے کہ یہ ائم وہی ابو معبد یعنی اُم معبد کے شوہر ہیں جن کے پاس سے ہو کر
رسول اللہ ﷺ ہجرت کے وقت گزرے تھے۔ اور یہ ائم وہی ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے
دجال کو دیکھا اور ائم ابن عبد العزیٰ لوگوں میں اس سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔ یہ سن کر ائم کھڑے ہو گئے اور
پوچھا کہ کیا اس کی مشابہت مجھے نقصان پہنچائے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں تم مومن ہو اور وہ کافر ہے۔“ اس
حدیث کو ابن عبد البرؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ حدیث جس میں دجال کا ذکر ہے صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح وہ
ہے جس میں عمرو ابن مخی کا ذکر ہے۔

ابن مخی بت پرستی کا بانی..... عمرو ابن مخی پہلا آدمی تھا جس نے بت نصب کئے تھے وہ اپنے کسی کام سے کئے

سے شام گیا، اس نے بقاء کے علاقے میں عمالتی کی قوم کو دیکھا جو عملاق امین لاؤذ امین سام امین نوح کی اولاد میں سے تھے، اس نے دیکھا کہ وہ لوگ بتوں کی پوجا کر رہے ہیں۔ عمرو نے پوچھا کہ یہ (یعنی بت) کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ بت ہیں جنہیں ہم پوجتے ہیں، ان سے جب ہم بادش مانتے ہیں تو یہ بادش برساتے ہیں اور جب ان سے مدد مانگتے ہیں تو یہ ہماری مدد کرتے ہیں عمرو نے ان سے کہا، کیا تم ان میں سے ایک بت مجھے دے سکتے ہو، میں اسے عرب لے جاؤں گا۔ اس پر ان لوگوں نے اسے ایک بت دے دیا جس کا نام ہبل تھا۔ عمرو اسے لے کر مکہ آیا اور کعبہ کے بیچ میں چاندی کے پر نصب کر دیا۔ پھر اس نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کی عبادت اور تعظیم کیا کریں، چنانچہ اس کے بعد جب کوئی شخص سفر سے واپس آتا تو وہ اپنے گھر والوں کے پاس جانے سے پہلے بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد اس بت (ہبل) کو تعظیم دیتا تھا اور اس کے پاس بیٹھ کر اپنا سر موڑتا۔

قال کے تیر..... ہبل کے پاس سات تیر رکھے رہتے تھے ان میں ایک پر غسل لکھا ہوا تھا، اگر اس کو اٹھانے کے سلسلے میں ان میں اختلاف ہو تا تو اس تیر سے قرعہ ڈالتے اور جس کا نام نکل آتا وہ اٹھاتا۔

قال اور قرعہ اندازی..... ایک تیر پر ”ہاں“ لکھا ہوا تھا اور ایک تیر پر ”نہیں“ لکھا ہوا تھا، یہ تیر ان کاموں کے متعلق (قال نکالنے کے لئے تھے) جن کو وہ کرنا چاہتے۔

ایک تیر پر ”تم میں سے“ ایک پر ”غیر کے ساتھ ملحق ہے“ لکھا تھا۔ یہ اس موقع کے لئے تھا جب انہیں کسی بچے کے متعلق اختلاف ہوتا تھا کہ آیا وہ ان ہی میں سے ہے یا نہیں۔

ہبل بت..... ایک تیر پر ”اس میں ہے“ اور ایک پر ”اس میں نہیں ہے“ تحریر تھا، یہ اس وقت کی قال کے لئے تھا جب وہ جانی حاصل کرنے کیلئے کسی جگہ کوں کھودتے تھے ہبل عقیق پتھر کا بنا ہوا تھا اور انسان کی شکل کا تھا۔

ابن حنی کی طویل عمر..... یہ عمرو ابن لُحی تین سو چالیس سال زندہ رہا اور اس نے اپنے بیٹوں اور پوتوں کی ایک ہزار موتیں دیکھیں۔ عمرو ابن لُحی اور اس کے بعد اس کی اولاد پانچ سو سال تک بیت اللہ کے متولی رہے (یعنی اتنی مدت تک کے کی سرداری ان کے پاس رہی، اس کی اولاد میں آخری آدمی حلیل تھا جس کی بیٹی سے قصی نے شادی کر لی تھی جیسا کہ گزر چکا ہے)۔

جن کے ذریعہ پانچ مشہور بت..... ایک روایت ہے کہ عمرو ابن لُحی کے ایک جن تابع تھا عمرو نے اس جن کو حکم دیا کہ جہہ جالور وہاں سے وہ بت لے کر آکر جو نوح اور لور لیس کے زمانے میں پوجے جاتے تھے۔ ان بتوں کے نام یہ تھے: دُؤ، سُول، یغوث، یعوق، نسر۔ چنانچہ وہ جن گیا اور ان بتوں کو کئے لے آیا۔ اس کے بعد عمرو نے لوگوں سے ان بتوں کی عبادت کے لئے کہا۔ اس کے بعد عرب میں بتوں کی پوجا عام ہو گئی (اور ہر قبیلے نے اپنا بت بت مخصوص کر لیا) دُؤ قبیلہ بنی کلب کا بت تھا، سُول قبیلہ ہمدان کا تھا، ایک روایت کے مطابق سُول قبیلہ بنی ہذیل کا تھا، یغوث قبیلہ دُجج کا تھا (دُجج یمن کے ایک قبیلے کا مورث اعلیٰ تھا) یعوق قبیلہ مرو کا تھا، ایک روایت کے مطابق یعوق قبیلہ ہمدان کا تھا اور نسر قبیلہ حیمر کا تھا۔

یہ بت گذشتہ صالحین کی شکلوں میں..... یہ سب بت ان انسانوں کی شکل کے تھے جو قدیم زمانے میں جب مرے تو ان کے زمانے کے لوگوں نے (ان کی نیکی کی وجہ سے) ان کا بت غم مندا، اٹلیس لعین نے (ان کو غم زدہ دیکھ کر اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر) ان لوگوں کے لئے مرنے والوں کی شکل کے بت دعوات اور تاجے سے بنادیئے، تاکہ سوگ منانے والے ان کی شکل کے بتوں کو دیکھ کر تسکین حاصل کریں۔ لوگوں نے ان

تصویروں کو اپنی مسجد کے آخری حصے میں لٹا کر رکھ دیا۔ جب اس دور کے لوگ مر گئے تو شیطان نے ان کی لولاد سے کہا کہ یہ تمہارے باپ دلاوا کے معبود ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔

ابلیس بہت پرستی کا موجد..... اس کے بعد طوقان نوح نے ان بتوں کو سمندر کے ساحل میں دفن کر دیا مگر شیطان نے ان کو پھر باہر نکال لیا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت آدم کے پانچ بیٹے تھے جو بہت نیک و صالح تھے ان کے نام دؤد، شولع، یعوث، یحوق اور نسر تھے جب دؤد کا انتقال ہو گیا تو لوگوں کو اس کا شدید صدمہ اور رنج ہوا اور وہ سب اسکی قبر کے گرد جا کر بیٹھ گئے کسی وقت قبر سے علیحدہ نہیں ہوتے تھے یہ واقعہ شہر بابل کے علاقے کا ہے۔

جب ابلیس نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو وہ ان کے پاس ایک انسان کی شکل میں آیا اور ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے لئے اس کی شکل کی ایک تصویر گھڑ دوں تاکہ جب تم اسے دیکھو تو اس کی یاد تازہ ہو جلیا کرے۔ لوگوں نے کھٹکھٹا کر دیا۔ شیطان نے مرنے والے کی صورت کا بت بتا دیا۔ اس کے بعد ان پانچوں میں سے جب بھی کوئی مر جاتا ابلیس اس کی شکل کا بت بتا دیتا۔ لوگوں نے ان بتوں کے وہی نام رکھے جو ان آدمیوں کے تھے۔

لولاد آدم میں بہت پرستی..... پھر زمانہ گزر گیا باپ دلاوا مر گئے پھر بیٹوں کے بیٹے بھی گزر گئے اب شیطان نے بعد والوں سے کہا کہ تمہارے سے پہلے لوگ ان تصویروں کو پوجا کرتے تھے اس لئے تم بھی ان کو پوجو۔

ظہور نوح اور کوشش اصلاح..... اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ہدایت کے لئے حضرت نوح کو بھیجا، نوح نے لوگوں کو ان بتوں کی پرستش سے روکا مگر انہوں نے نہیں مانا۔

دور نوح اور آغاز بہت پرستی..... حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس قرن کا فاصلہ ہے اس میں سب لوگ شریعت حق پر عمل کرتے رہے۔ سب سے پہلے جن کی پوجا نوح کی قوم میں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو مبعوث فرمایا اور انہوں نے لوگوں کو اس سے روکا۔

عرب میں بہت پرستی کا رواج..... کہا جاتا ہے کہ عمر و امینؓ نے ہی منات کا بت سمندر کے ساحل پر نصب کیا تھا جو قدید کے علاقے سے ملتی ہے۔ قبیلہ ازد کے لوگ وہاں (یعنی منات کے پاس حج کے لئے جایا کرتے تھے اور اس کی بہت عظمت کرتے تھے۔ اسی طرح اوس و خزرج اور قبیلہ غسان کے لوگ بھی اس بت کی بہت عظمت کرتے تھے۔

شیخ عبد الوہاب شہرانی نے بعض آیات قرآنی کی تفسیر کرتے ہوئے اس آیت پاک کے ذیل میں لکھا ہے۔
وَلِلّٰهِ يَسْتَعِذُّنَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْاَيٰتِ

(ترجمہ)۔ اور اللہ ہی کے سامنے سب سر خم کئے ہوئے ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں

(سورہ مدہد ۱۳ اور کوہ ۲)

بہت پرستی کا سبب..... درحقیقت بہت نصب کرنے کی اصل قدیم زمانے کے علماء کی تہذیب کے سلسلے میں شدت ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہر چیز سے متحرک (پاک اور بڑی) قرار دیا اور اپنے عوام کو بھی اسی کا حکم دیا۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ عوام میں سے کچھ لوگوں نے (اس کے نتیجے میں) اس کو تعظیم سے تعبیر کیا تو انہوں نے ان کیلئے بہت نصب کر دیئے اور انہیں ریٹھی لباس اور جوہرات

لے شدت تہذیب اور تعظیم سے مراد یہ ہے کہ ذات باری کو جسم اور زبان و مکان کے ساتھ ساتھ صفات سے بھی (نعوذ باللہ) بڑی اور منزہ مان لیتا (مرب)

پہنائے اور بچہ وغیرہ سے این کی تعظیم کی تاکہ اس کے ذریعہ وہ اس حقانیت کو یاد رکھ سکے جو ان کی عقلوں سے نکل گئی تھی۔ حالانکہ خود ان علماء کی عقلوں سے یہ بات نکل گئی کہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے بڑن کے بغیر جائز نہیں ہے۔ یہاں تک شیخ شعرانی کا حوالہ ہے۔

اسراف و نالکہ کی اصلیت..... بنی جرہم کے زمانے میں ایک فاسق و فاجر شخص تھا جس کا نام اسراف تھا۔ اس نے ایک عورت کے ساتھ جس کا نام نالکہ تھا عین کعبہ کے اندر ناشائستہ حرکت یعنی بوس و کنار کیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے وہاں زنا کیا (اس بے ہودگی کے نتیجہ میں) یہ دونوں مسخ ہو کر پتھر کے ہو گئے چنانچہ ان دونوں کو وہاں سے ہٹا کر صفاء اور مردہ پر نصب کر دیا گیا تاکہ انہیں دیکھ کر لوگوں کو عبرت ہو۔ ابن حنی کی حدیث..... جب عمر و الدین لُحی کا زمانہ آیا تو اس نے ان دونوں کو وہاں سے اٹھا کر کعبہ کے گرد یعنی زمزم کے کنوئیں کے منہ پر نصب کر دیا۔ اب جو شخص بھی طواف کرتا تو وہ ان دونوں سے مسح کرتا اور اسراف سے شروع کرتا اور نالکہ پر ختم کرتا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ عمرو۔ ٹھیک اور دوسرے پانچ بت نہیں لایا تھا (چنانچہ اس وقت قریش ان دونوں سے مسح بھی کرتے) اور ان کے پاس جانور بھی ذبح کرتے۔

ایک روایت ہے کہ جب فتح مکہ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے نالکہ کا بت توڑا تو اس میں سے ایک سیاہ فام عورت نکل گئی جس کے بال اچھے ہوئے تھے اور جو اپنا چہرہ نوچ رہی تھی اور چھٹی چلاؤتی جاتی تھی۔ ابن حنی کے عقائد..... عمرو الدین لُحی اپنی قوم کے لوگوں سے کہتا تھا کہ خدا سر دی کے زمانے میں طائف میں لات بت کے پاس رہتا ہے اور گرمی میں عزیٰ بت کے پاس رہتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگ ان دونوں بتوں کی بہت تعظیم کرتے تھے اور جس طرح قربانی کا جانور کعبہ میں بھیجے تھے اسی طرح ان دونوں کے پاس بھی بھیجتے تھے۔ قصی کی اصلاحات..... قصی (نب رسول اللہ ﷺ کے ذیل میں جس کا اصل وکر چل رہا ہے) اسی وہ پہلا آدمی ہے جس نے قریش کو حکم دیا کہ وہ حرم کے اندر بیت اللہ کے گرد اپنے مکانات تعمیر کریں۔ اس نے ان سے کہا کہ اگر تم نے ایسا کیا تو عربوں پر تمہاری ہیبت بیٹھ جائے گی اور پھر وہ تم سے جنگ کو ناجائز سمجھیں گے (یعنی چونکہ بیت اللہ اور حرم کے اندر قتال و خون ریزی کو تمام عرب ناجائز سمجھتے ہیں اس لئے اگر تمہارے مکانات حرم کے اندر ہوں گے تو عربوں کے لئے تم سے کسی بھی معاملے میں جنگ کرنا ممکن نہ رہے گا اور اس طرح چونکہ تم عربوں کی دسترس سے باہر ہو جاؤ گے تو ان پر تمہاری ہیبت چھا جائے گی)۔

حرم میں مکانات..... چنانچہ قریش نے کعبہ کے چاروں طرف اپنے مکانات بنائے اور انہوں نے اپنے اپنے مکانات کے دروازے حرم کی طرف کھول لئے۔ قبیلہ قریش کی ہر شاخ کا ایک ایک دروازہ تھا جس کا نام اسی شاخ کے نام پر رکھا گیا اور آج تک انہیں کے نام پر منسوب ہے مثلاً باب بنی شیبہ، باب بنی سہم، باب بنی مخزوم اور باب بنی حنظل۔ (یہ مکانات اس طرح بنائے گئے کہ طواف کرنے کے لئے بیت اللہ کے چاروں طرف جگہ چھوڑی گئی تھی)۔

دار الندوہ کی تعمیر..... اس کے بعد قصی نے ایک دار الندوہ یعنی دار المشورہ بنایا۔ (اس سے پہلے مکہ میں کوئی عمارت نہیں تھی، قصی پہلا آدمی ہے جس نے بلند عمارتیں بنانے کا حکم دیا اور قریش کے اہم معاملات طے کرنے کیلئے ایک دار المشورہ بنایا جس کا نام دار الندوہ تھا) یہ پہلا مکان ہے جو مکہ میں تعمیر کیا گیا۔ دور اسلام میں تو مسیحات حرم..... قصی کے بعد سے حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق کے زمانے تک

یہی صورت مدعی کہ کعبہ کے گرد صرف طواف کرنے کی جگہ تھی اور (بیت اللہ کے احاطے) کی کوئی دیوار نہیں تھی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے یہ مکانات خرید لئے اور ان کو گرا کر بیت اللہ کے گرد مسجد کی دیوار تعمیر کرائی، پھر جب حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے (اس سے آگے کے) دوسرے مکانات بھی خرید لئے اور ان کی کافی گراں قیمت لدا کی، پھر انہیں منہدم کر کے مسجد حرام کو وسیع کیا۔ ان کے بعد حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے مسجد حرام میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا۔ اس کے بعد عبد الملک ابن مروان نے مسجد کی دیواروں کو بلند کر لیا اور اس پر سانچ کی لکڑی (تک) کی چھت ڈالوائی اور اس کی خوب صورت عمارت بنوا دی مگر مسجد میں اضافہ نہیں کیا۔ پھر ولید ابن عبد الملک نے مسجد حرام کو اور زیادہ وسیع کیا اور اس میں سنگ مرمر کے ستون قائم کئے۔ اس کے بعد خلیفہ ہارون رشید کے باپ مہدی نے اس میں دوسرے اضافہ کر لیا اس کے بعد اب تک مسجد حرام جوں کی توں ہے (یعنی مؤلف کتاب کے زمانے تک) قریش میں عظمت بیت اللہ..... بیت اللہ کے چاروں طرف مکانات بنانے سے پہلے قریش بیت اللہ کی بہت عظمت کرتے تھے اور احرام کی وجہ سے اس میں رات نہیں بسر کرتے تھے یہاں تک کہ جب کسی شخص کو قضاء حاجت کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ حرم کی حدود سے باہر چلے جاتا تھا۔

ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے میں تھے تو قضائے حاجت کے لئے کعبہ سے دو تہائی فرسخ کے فاصلے پر محسن کے مقام پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

شجر حرم کاٹنے سے خوف..... (جب قریش نے حرم میں مکانات تعمیر کئے) تو حرم کے جو درخت ان کے مکانات میں آگئے تھے ان کو کاٹنے سے انہیں دہشت معلوم ہوئی، اس وقت کے میں کانتول واد درخت اور جھڑیاں بہت زیادہ تھیں۔ قریش نے اس وقت کو قصی کے سامنے رکھا۔ قصی نے انہیں حکم دیا کہ ان درختوں کو کاٹ ڈالو مگر قریش اس سے بہت خوفزدہ ہوئے اور انہوں نے کہا ہم اسے پسند نہیں کرتے کہ لوگ ہمیں یہ طعنہ دیں کہ ہم نے حرم کی توہین کی ہے۔ قصی نے جواب دیا کہ تم ان درختوں کو اپنے مکانات کی وجہ سے کاٹ رہے ہو کسی فساد کی نیت سے نہیں کاٹ رہے ہو، جو شخص فساد کی نیت رکھے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ اس کے بعد قصی نے خود اور اپنے مددگاروں کے ذریعہ درخت کاٹ ڈالے۔

سبیل نے واقفی سے روایت کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جب قریش نے مکانات بنانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے قصی سے کہا کہ حرم کے درختوں کے ہوتے ہوئے ہم کیسے تعمیر کریں۔ قصی نے لوگوں کو درختوں کے کاٹنے سے روکا اور انجام اور سزا سے انہیں ڈر لیا۔ اسی لئے جب ان میں سے کوئی تعمیر شروع کرتا تھا تو درختوں کے چاروں طرف بنیاد کھودا تھا، تاکہ درخت مکان کے اندر آجائیں۔ وہ پہلے آوی جنہوں نے مکان کے لئے حرم کے درخت کاٹنے کے سلسلے میں نرمی اختیار کی عبد اللہ بن زبیر ہیں جبکہ انہوں نے قصی بن عبد شمس نے مکانات بنائے، مگر انہوں نے بھی ہر درخت کاٹنے کے بدلے میں ایک ایک گائے قربان کی۔ ان دونوں روایتوں کے درمیان موافقت قابل غور ہے۔

قریش بطاح اور قریش خواہر..... قصی نے قریش کے لوگوں کو کعبہ میں لا کر بسایا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اس نے قبیلہ قریش کو بارہ قبیلوں میں تقسیم کر دیا تھا اور کعبہ کے نواح میں انہیں پہاڑی اور میدانی علاقوں میں بسایا تھا اسی لئے پہاڑی حصے میں رہنے والے قریش کو قریش بطاح اور میدانی حصے میں رہنے والوں کو قریش خواہر

لما جاتا تھا۔ قریش بطاح، قریش خواہر کے مقابلے میں اشرف سمجھے جاتے تھے۔ بنی ہاشم یعنی رسول اللہ ﷺ کا خاندان قریش بطاح میں سے تھے۔ اسی بات کی طرف صاحب اصل (یعنی صاحب عیون الاثر) نے آنحضرت ﷺ کی شان میں لکھی گئی اپنی نعت میں اشارہ کیا ہے۔

مِنْ بَنِي هَاشِمٍ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ
وَبَنُو هَاشِمٍ بِحَارُ الْحَيَاءِ

آپ بنی ہاشم ابن عبد مناف میں سے ہیں

اور بنی ہاشم جو دو سٹاکا سمندر ہیں

مِنْ قُرَيْشِ الْبَطَاحِ مَنْ عَرَفَ النَّاسَ لَهُمْ فَضْلَهُمْ بِغَيْرِ مَنَافٍ

یہ قریش بطاح میں سے ہیں اور ان کی فضیلت کو لوگ بغیر کسی شک و شبہ کے جانتے ہیں۔

موسم حج میں قصی کا خطاب..... بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ بنی کنانہ میں قصی پہلا آدمی ہے جسے سرداری حاصل ہوئی۔ جب حج کا موسم آیا تو اس نے قریش سے کہا:

”حج کا موسم آگیا اور جو کچھ تم نے کیا ہے عرب اس کو سن چکے ہیں (یعنی تم نے جو حرم کے اندر مکانات تعمیر کر لئے ہیں) وہ تمہاری تعظیم کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ عرب کھانے سے زیادہ کسی چیز کا حرام نہیں کرتے اس لئے تم میں سے ہر شخص اپنے مال میں سے خرچ نکالے۔“

حجاج کی ضیافت..... تاکہ اس کے ذریعہ حاجیوں کے واسطے کھانے کا انتظام کیا جائے (چنانچہ قریش نے ایسا ہی کیا اور اس طرح بہت سارے روپیہ اکٹھا ہو گیا۔ جب حج کا موسم شروع ہوا تو قصی نے مکے کے راستوں میں ہر ہر استے پر اونٹ ذبح کرائے اسی طرح خاص کے میں بھی اونٹ ذبح کرائے، شہید اور گوشت تیار کر لیا اور حاجیوں کو بیٹھاپانی اور دودھ پلایا۔ قصی پہلا آدمی ہے جس نے مزدلفہ میں آگ جلائی تاکہ لوگ اس کو روانگی کی رات میں برقات سے دیکھ لیں۔ قصی کے جو اقوال نقل کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

قصی کے مشہور اقوال..... ”جس نے ملامت والے آدمی کی نکریمہ و عزت کی وہ اس کی ملامت میں شریک ہو گیا، جس نے برے کو پسند کیا وہ اس کی برائی میں شریک ہو گیا، جس کو بھلائی راس نہ آئے اس کو برائی راس آتی ہے، اور جس نے اپنی حیثیت سے زیادہ کی طلب کی وہ عروسی اور پست دشمن کے حسد کا شکار ہوا۔“

جب اس کا آخری وقت آیا تو اس نے اپنی اولاد سے کہا:

”شراب سے پرہیز کرو اس لئے کہ یہ بدن کو ٹھیک کرتی ہے مگر ذہن کو خراب کر دیتی ہے۔“

جملہ اعزاز و مناصب پر قبضہ..... قصی مکہ کا تمام شرف و اعزاز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا چنانچہ منصب سقاہ، منصب رفادہ، منصب حجاب دار الندوہ، منصب لواء (جنگوں میں جھنڈا اٹھانے کا منصب) بقیہ تمام مناصب کی تفصیل اور تشریح آگے آ رہی ہے اور منصب قیادت، تمام مناصب اسی کے قبضے میں آچکے تھے۔

قصی کے بیٹے عبد الدار و عبد مناف..... قصی کا سب سے بڑا بیٹا عبد الدار تھا۔ عبد مناف عمر میں تو سب سے بڑا نہیں تھا مگر قصی کے بیٹوں میں سب سے زیادہ معزز اور محترم تھا اس لئے کہ اس کی عزت اپنے باپ قصی کے زمانے میں ہی ہو چکی تھی اور شہرت ہر چند طرف پھیل چکی تھی۔ عبد مناف کے اس شرف و عزت میں ان کا مالی مطلب بھی اس کا ہم پلہ تھا، چنانچہ ان دونوں کو بدر ان یعنی دو چاند کہا جاتا تھا۔ عبد مناف کی انتہائی سخاوت کی

وجہ سے قریش کے لوگ انہیں فیاض بھی کہا کرتے تھے۔

تمام مناصب عبد الدار کو..... قصی نے یہ تمام مناصب اور محمد بن عبدالمطلب یعنی سقیہ، رقادہ، حجابہ، نذرہ، لواء اور قیادت اپنے سب سے بڑے بیٹے عبد الدار کو دے دیئے۔ اس نے عبدالمطلب سے کہا میں قوم (یعنی عبد الدار کے دونوں بھائیوں عبد مناف اور مطلب) کو تیرا پلہند کرتا ہوں۔ وہ اگرچہ اپنے شرف اور وجہ میں تجھ سے بڑھ گئے ہیں مگر ان میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک کچھ میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ تو ان کے لئے کعبہ کا دروازہ نہ کھولے (یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ منصب حجابہ یعنی کعبہ کو کھولنے اور بند کرنے کا منصب چونکہ تجھے دیا گیا ہے جس کی چابیاں تیرے پاس رہیں گی اس لئے جب تک تو نہ چاہے گا اس وقت تک کوئی شخص کعبہ میں داخل نہیں ہو سکے گا) (یہ منصب حجابہ کا اعزاز ہے) اور جنگ کے وقت قریش کے لئے جھنڈا تمہارے سوا کوئی تیار نہیں کرے گا یہ منصب لواء کا اعزاز ہے) اور کے میں کوئی تمہارے سوا کسی ذریعہ سے پانی نہیں پئی سکے گا (یہ منصب سقیہ کا اعزاز ہے) اور حج کے زمانے میں کوئی حاجی تمہارے علاوہ کسی ذریعہ سے کھانا نہیں کھا سکے گا (یہ منصب رقادہ کا اعزاز ہے) اور قریش میں سے کوئی شخص اپنا معاملہ تمہارے گھر کے سوا کہیں طے نہیں کر سکے گا (یہ دار النذرہ کا اعزاز ہے) اور تمہارے سوا کوئی شخص قوم کا قائد نہیں بن سکے گا (یہ منصب قیادت کا اعزاز ہے) عبد مناف مناصب چھیننے کے درپے..... اس کے بعد جب عبد الدار اور اس کا بھائی عبد مناف حرم گئے تو عبد مناف کی لولاد نے ارادہ کیا کہ اپنے چچا عبد الدار کی لولاد سے یہ سارے مناصب چھین لئے جائیں۔ بنی عبد مناف میں ہاشم، عبد شمس اور مطلب تھے یہ سب کے سب ایک ہی ماں کی لولاد تھے، ان کی ماں یعنی عبد مناف کی بیوی عاتکہ بنت مرہ تھی، ان کا ایک بھائی نوفل تھا جس کی ماں (یعنی عبد مناف کی دوسری بیوی) کو اقدہ بنت حارث تھی۔

بنی عبد الدار کے خلاف حلف..... بنی عبد مناف نے بنی عبد الدار سے یہ تمام مناصب چھیننے کا ارادہ کر کے ان سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ بنی عبد مناف نے خوشبو سے بھر لیا ایک پیالہ نکالا اور اسے اپنے حامیوں کے لئے حرم میں باب کعبہ کے پاس رکھ دیا۔ پھر سب نے اپنے ہاتھ اس پیالہ میں ڈبوئے اور انہوں نے ان کے حلیفوں اور حامیوں نے (ایک دوسرے کی مدد کا) حلف اٹھایا۔ پھر معاہدہ کو حریذ پختہ کرنے کے لئے سب نے کعبہ کو اپنے ہاتھوں سے چھوڑا ان لوگوں کا نام مطہیین بڑا۔ یہ پیالہ اُمّ حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب نے نکالا تھا جو رسول اللہ ﷺ کی بیوی تھیں اور آنحضرت ﷺ کے والد عبد اللہ کی جڑواں بہن تھیں۔ انہوں نے وہ پیالہ حجر اسود پر رکھ کر کہا کہ جو شخص یہ خوشبو لگائے گا وہ ہم میں سے ہے۔ چنانچہ بنی عبد مناف کے ساتھ (ان کے حلیفوں) بنی زہرہ، بنی اسد، بنی عبد العزیٰ، بنی قیس، بنی مرہ اور بنی حارث ابن فہر نے بھی اس سے خوشبو لگائی چنانچہ مطہیین میں قریش کے پانچ قبیلے تھے۔

بنی عبد الدار کا حلف..... اسی طرح بنی عبد الدار نے بھی اپنے حلیفوں کے ساتھ معاہدہ کیا۔ ان کے حلیفوں میں بنی مخزوم بنی اسم، بنی حارث اور بنی عدی ابن کعب تھے جنہوں نے حلف لیا کہ ہم ایک دورے کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور ایک دوسرے سے غافل نہیں ہوں گے، ان کا لقب اس حلف کی وجہ سے اطلاق بڑا۔ انہوں نے خون سے بھر لیا ایک پیالہ رکھا تھا جو ان کے کانٹے ہوئے ٹوٹوں کا خون تھا۔ پھر انہوں نے کہا کہ جو شخص ہاس خون میں ہاتھ ڈال کر چائے گا وہ ہم میں سے ہے۔ چنانچہ سب لوگ اس میں ہاتھ ڈالنے اور پھر اسے چاٹنے ان کا لقب

لحقۃ الدہم پڑا، ایک روایت ہے کہ جنہوں نے خولن چاہا اور لحقۃ الدہم کہلائے وہ خاص طور پر بنی عدی ہیں۔
 مناصب کی تقسیم پر صلح..... پھر ان میں اس بات پر صلح ہو گئی کہ منصب سقیہ، منصب رقادہ اور منصب قیادہ بنی عبد مناف کے تئیں اور منصب حجابہ اور منصب لواء بنی عبد الدار کے پاس رہے جبکہ دار الندودہ ان دونوں قبیلوں کے درمیان مشترک رہے۔ اس پر ان دونوں نے حلف اٹھایا۔ یہ بات میں نے مشرق میں دیکھی ہے جو آداب مشرق اور اس کے تمدن میں شامل ہے۔

(ایک روایت یہ ہے کہ) عبد مناف اپنے باپ قصی کی زندگی میں عیذ بردست شرف و عزت کا مالک بن چکا تھا اور ہر طرف اس کا شرہ ہو چکا تھا جبکہ قصی اپنے دوسرے بیٹے عبد الدار سے زیادہ محبت کرتا تھا، اس لئے اس نے چاہا کہ (اس کو ایسے منصب دے دوں جن سے) اس کی یاد باقی رہے۔ اس لئے اس نے عبد الدار کو منصب حجابہ، دار الندودہ اور منصب لواء دے دیا اور عبد مناف کو منصب سقیہ، منصب رقادہ اور منصب قیادہ دے دیا۔

عبد الدار نے (اپنے آخری وقت میں اپنے منصوبوں میں سے) منصب حجابہ اپنے بیٹے عثمان کو دے دیا اور دار الندودہ اپنے دوسرے بیٹے عبد مناف ابن عبد الدار کو دے دیا (یہ عبد مناف دوسرے ہیں جو عبد الدار کے بیٹے ہیں یعنی چچا اور بھتیجے کا نام ایک ہی تھا) پھر یہ منصب حجابہ عبد العزیٰ ابن عثمان ابن عبد الدار کو ملا اور اس کے بعد اس کے بیٹے کو۔

حرم میں پانی کا انتظام..... منصب سقیہ کے تحت کچھ مشکیں تھیں جو بیت اللہ کے صحن میں رکھی جاتی تھیں، ان میں مٹھالی لاکر بھرا جاتا تھا جو دروازوں سے مختلف برتنوں میں بھر کر اونٹوں کے ذریعے مکہ لایا جاتا تھا۔ یہ حرم کا کواں کھودے جانے سے پہلے کی بات ہے، کبھی کبھی ان میں سمجھور اور کشمش بھی ڈال دی جاتی تھی، اس طرح حاجیوں کے لئے اونٹنی تک پانی کا انتظام کیا جاتا تھا۔

عبد المطلب کی نام نہالی سے مدد خواہی!..... اس منصب سقیہ اور منصب رقادہ پر عبد مناف کے بعد اس کے بیٹے ہاشم فائز ہوئے اور ان کے بعد ان کے بیٹے عبد المطلب۔ عبد المطلب نہایت باعزت اور فیاض تھے اور لوگ ان کا حکم مانتے تھے، قریش کے لوگ ان کی سخاوت کی وجہ سے انہیں فیاض کہنے لگے تھے۔ جب عبد المطلب بڑے ہو گئے تو یہ منصب سقیہ اور منصب رقادہ ان کو مل گئے (کیونکہ یہ صاحب ہاشم کی نو جوانی میں وفات کی وجہ سے ان کے بھائی یعنی عبد المطلب کے چچا مطلب کے پاس تھے) جب مطلب مر گئے تو عبد المطلب سے ان کے چچا نوفل ابن عبد مناف نے زبردستی ان کے مکانات وغیرہ چھین لئے۔ عبد المطلب نے اپنی قوم کے لوگوں سے درخواست کی کہ وہ ان کے چچا کے خلاف ان کی مدد کریں مگر قریش نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم تمہارے اور تمہارے چچا کے معاملے میں دخل نہیں دے سکتے۔ آخر عبد المطلب نے مدینے میں اپنی نام نہالی کے لوگوں یعنی بنی نجاد کو لکھا میرے ساتھ میرے چچا نوفل نے یہ معاملہ کیا ہے، جب عبد المطلب کے ماموں ابو سعد ابن عدی ابن نجاد کو بھانجے کا خط ملا تو وہ اسے پڑھ کر رونے لگا۔

نوفل کے خلاف بھانجے کی مدد..... پھر وہ اسی (۸۰) سالوں کو لے کر مدینے سے روانہ ہوا اور مکہ پہنچا جہاں وہ اہل میں ٹھہرا عبد المطلب نے اس سے ملاقات کی اور اسے گھر لے جانا چاہا مگر ابو سعد نے کہا۔
 ”نہیں! خدا کی قسم اس وقت تک نہیں جب تک کہ میں نوفل سے نہ مل لوں۔“

عبد المطلب نے ماموں کو بتایا کہ میں اسے حجر اسود کے مقام پر قریش کے بزرگوں کے درمیان چھوڑ کر آ رہا ہوں۔ ابو سعد فوراً روانہ ہو الور نوفل کے پاس پہنچ کر کا۔ نوفل فوراً کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا: ابو سعد! صبح بخیر! ابو سعد نے جواب دیا: تیرے لئے خدا نے صبح بخیر نہیں کی۔ یہ کہہ کر ابو سعد نے کلوہ بھیج لی اور کہا: ”اے عمارت کے رب کی قسم! اگر تو نے میرے بھانجے کے مکانات واپس نہیں کئے تو میں اس کلوہ کو تیرے خون سے رنگین کر دوں گا۔“

نوفل نے کہا کہ میں نے وہ مکانات واپس کر دیئے۔ اس بات پر قریش کے بزرگ گواہ ہوئے۔ اس کے بعد ابو سعد اپنے بھانجے عبد المطلب کے مکان پر پہنچا اور وہاں تین دن ٹھہرا، پھر اس نے عمرہ کیا اور پیٹنے واپس چلا گیا۔

بنی ہاشم و خزاعہ میں معاہدہ..... جب یہ واقعہ پیش آیا تو نوفل اور اس کی لولاد نے اپنے بھائی (یعنی نوفل کے بھائی) عبد شمس کی لولاد سے بنی ہاشم کے خلاف معاہدہ کیا اور بنی ہاشم نے بنی خزاعہ کے ساتھ بنی نوفل اور بنی عبد شمس کے خلاف معاہدہ کیا۔ بنی خزاعہ نے کہا کہ ہم عبد المطلب کی حمایت کے زیادہ حقدار ہیں اس لئے کہ عبد المطلب کے دوا عبد مناف کی ماں بنی خزاعہ کے سردار حلیل کی بیٹی تھی جیسا کہ گزر چکا ہے۔ چنانچہ بنی خزاعہ نے عبد المطلب سے کہا کہ اٹھو ہم تمہارے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ دلا الزہودہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے حلف لے کر آپس میں معاہدہ کیا اور ایک تحریر اس طرح لکھی:۔

تحریر معاہدہ..... اللہ کے نام کے ساتھ۔ اس بات پر بنی ہاشم اور بنی خزاعہ میں عمر و ابن ربیعہ کے لوگوں نے معاہدہ کیا کہ آپس میں ایک دوسرے کی اس وقت تک مدد و ہمدردی کرتے رہیں گے جب تک کہ بحر صوفہ میں تری رہے اور جب تک کہ وہ شہر پر سورج کی شعاعیں پڑتی رہیں اور جب تک کہ مرغزاروں میں لونٹ چرتے رہیں اور جب تک کہ وہاں افسیان قائم ہیں اور جب تک کہ میں لوگ عمرہ کرتے رہیں۔ ”ان سب چیزوں سے مراد ابد ہے (یعنی ہم لوگ ابد لایا دیک ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے)۔“

سقیہ بنی عباس میں..... چارہ زحرم کھودے جانے کے بعد عبد المطلب اس میں سے پانی لے کر منصب سقیہ کے حوضوں میں بھر کر لے جاتے تھے اور اس میں کجور اور کشمش ڈالا کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد اس خدمت پر ان کے بیٹے ابو طالب کھڑے ہو گئے، پھر اچانک کچھ سال ایسے آئے کہ اس میں (تجارت میں نقصان ہو جانے کی وجہ سے) ابو طالب سخت مفلس اور تنگ دست ہو گئے انہوں نے اپنے بھائی عباس سے اگلے حج کے موسم تک کے واسطے دس ہزار درہم قرض حاصل کئے اور اس سال میں حاجیوں کی خدمت پر سقیہ کے سلسلے میں یہ روپیہ خرچ کیا۔ جب اگلا سال آیا تو اس وقت بھی ابو طالب کے پاس روپیہ پیسہ بالکل نہیں تھا جس سے وہ اپنے بھائی عباس کا قرض لو کر دیتے انہوں نے عباس سے کہا کہ مجھے چودہ ہزار درہم اگلے موسم حج تک کے وعدے پر اور دیدہ اس وقت میں تمہاری کل رقم لو کر دوں گا۔ حضرت عباس نے کہا کہ اس شرط پر دے سکتا ہوں کہ اگر تم نے آئندہ موسم بھی قرض اولہ کیا تو تم منصب سقیہ میرے حوالے کر دو گے۔ ابو طالب اس پر تیار ہو گئے۔ جب اگلا سال آیا تو اس وقت بھی ابو طالب کے پاس اپنے بھائی کا قرض لو کرنے کے لئے کچھ نہیں تھا، اس لئے انہوں نے منصب سقیہ ان کے حق میں چھوڑ دیا اس کے بعد سے منصب سقیہ حضرت عباس اور ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ ابن عباس کے پاس آیا۔ پھر یہ منصب خلیفہ سفاح کے زمانے تک بنی عباس ہی میں رہا۔ پھر

بنی عباس نے اس کو چھوڑ دیا۔

رفاد دیا حجاج کی مہمانداری..... منصب رفادہ حج کے زمانے میں لوگوں کی واپسی تک ان کے لئے کھانے کے انتظام کو کما جاتا تھا۔ قریش کے لوگ قصی کے زمانے میں اپنے مال میں سے ہر موسم حج میں ٹیکس کی رقم نکالتے تھے جو قصی کو دے دی جاتی تھی۔ اس رقم میں سے موسم حج میں کھانا تیار کیا جاتا اور حاجیوں میں ہر وہ آدمی جو غریب و نادار ہو پورے موسم حج میں یہاں سے کھانا کھاتا تھا۔

یہ منصب بنی ہاشم میں..... اس منصب پر قصی کے بعد اس کا بیٹا عبد مناف آیا پھر اس کے بعد عبد مناف کے بیٹے ہاشم کو یہ منصب حاصل ہوا، ان کے بعد ان کے بیٹے عبد المطلب کو پھر ان کے بیٹے ابوطالب کو حاصل ہوا۔ ایک روایت یہ ہے کہ (عبد المطلب کی طرف سے یہ منصب) ان کے بیٹے عباس کو ملا۔ اس کے بعد یہ منصب آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کے زمانے میں اسی طرح باقی رہا۔ پھر اس کے بعد دور خلافت میں باقی رہا یہاں تک کہ بغداد سے خلافت ختم ہو کر مصر میں پہنچی۔

قیادت بنی امیہ میں..... منصب قیادت سے مراد قافلہ سالاری ہے۔ اس منصب پر عبد مناف کے بعد اس کا بیٹا عبد شمس قائم ہوا، اس کے بعد عبد شمس کا بیٹا امیہ، اس کے بعد اس کا بیٹا حرب پھر اس کا بیٹا ابوسفیان جو غزوات اور لڑائیوں میں فوج کی قیادت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہی غزوہ احد اور غزوہ احزاب میں کفہ کی فوج کی سالاری کی۔

اسی لئے (ایک دفعہ) ولید ابن عبد الملک نے خالد ابن یزید ابن معاویہ (جو ابوسفیان کی اولاد میں سے تھے) سے جب کہا کہ تم قافلے کی سرداری کرتے ہو اور نہ فوج کی سالاری، تو خالد نے جواب دیا۔ ”کیا کہتے ہو، قافلے اور فوج (کی سرداری و سالاری) تو میرے صندوق ہیں (یعنی گھر کی چیزیں ہیں) میرے دادا ابوسفیان سردار قافلہ تھے اور میرے دواغتبہ ابن ربیعہ سالار سپاہ تھے۔“

دار الندوہ اور اس کے آداب..... دار الندوہ سے مراد وہ عمارت ہے جہاں قریش کے لوگ اپنے معاملات کے متعلق مشورہ کرنے کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔ اس عمارت میں صرف وہ شخص داخل ہو سکتا تھا جس کی عمر چالیس سال ہو چکی ہے۔ جب کوئی لڑکی جوان ہو جاتی تھی تو دار الندوہ میں داخل ہوا کرتی تھی۔ پھر عبد الدار کی اولاد میں سے کوئی شخص اس کی قیام پھاڑتا اور پھر خود اس کو دعویٰ قیام پھانتا۔

قصی کے بنائے ہوئے قوانین..... یہ قصی کی قائم کی ہوئی سنت تھی۔ چنانچہ کوئی شخص قریش کی کسی عورت سے سوائے قصی کے گھر یعنی دار الندوہ کے کہیں نکاح نہیں کر سکتا تھا نہ کسی جنگ کا جھنڈا سوائے دار الندوہ کے کہیں تیار کیا جاسکتا تھا نہ قریش کی کسی جوان ہونے والی لڑکی کو دار الندوہ کے سوا کہیں قیام پھانتی جاسکتی تھی۔ پہلے اس کی قیام پھاڑی جاتی اور پھر (بنی عبد الدار میں سے کوئی شخص) اپنے ہاتھ سے وہ قیام اس کو پھانتا۔ قصی کے مرنے کے بعد قریش کے لوگ اس کے طریقوں کو ایک دین کی طرح اختیار کئے ہوئے تھے جس کا ابتداء سب پر ضروری تھا۔

حکیم اور اس منصب کی فروختگی..... دار الندوہ بنی عبد الدار میں لولاد اور لولاد رہا۔ یہاں تک کہ حکیم ابن حزام کے ہاتھوں میں آیا۔ حکیم نے اسلام قبول کرنے کے بعد دار الندوہ کو ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ اس پر حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ نے حکیم ابن حزام کو ملامت کی اور کہا کہ تم اپنے باپ دلاوی کی عزت و عظمت کو

فروخت کر رہے ہو۔ حضرت حکیم نے انہیں جواب دیا۔

انمول خرید و فروخت..... تب سوائے تقویٰ (یعنی اللہ کے خوف کے) سب عزتیں اور اعزاز ختم ہو چکے ہیں، میں نے خدا کی قسم اس دارالندوہ کو زینہ جاہلیت میں شراب کے ایک مٹکے کے بدلے میں خرید لیا تھا (مشاہدہ ہے اپنے اجداد میں قصی کی طرف جس نے ابو فہان سے یہ دارالندوہ شراب کے ایک مٹکے کے بدلے میں خرید لیا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے) اور اب میں نے اس کو ایک لاکھ درہم میں بیچ دیا ہے اور میں تمہیں گولہ کر کے کتا ہوں کہ اس کی تمام قیسے اللہ کی راہ میں خرچ کروں گا۔ لب بتاؤ کہ نام میں سے کون گھائے میں رہا؟

قصی اور شیعوں کی دلیل..... ایک کمزور روایت ہے کہ قصی ہی قریش کو حج کرنے والا ہے۔ اسی لئے اس سے پہلے لوگوں میں کسی کی ولاد کو قریشی نہیں کہا جاتا۔ یہ روایت زہریوں کی طرف منسوب ہے مگر یہ بالکل غلط روایت ہے۔ اس روایت کے ذریعہ دراصل شیعوں کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے متعلق ثابت کریں کہ وہ قریش میں سے نہیں تھے اور اس لئے ان دونوں حضرات کو امامت عظمیٰ یعنی خلافت پر کوئی حق نہیں تھا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ امام یعنی قوم کے سردار ہمیشہ قریش میں سے ہونے چاہئیں۔ اسی طرح ایک دوسرے قول میں آپ ﷺ نے قریش سے فرمایا کہ اس معاملے میں (یعنی سرداری میں) تم لوگ زیادہ حقدار ہو جب تک کہ تم حق پر رہو، لہذا یہ کہ تم لوگ ہی حق کا راستہ چھوڑ دو۔

(اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ قریش میں سے نہیں رہتے) کیونکہ ان دونوں کا نسب رسول اللہ ﷺ سے قصی کے بعد جا کر ملتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کا نسب آنحضرت ﷺ سے مرہ پر جا کر ملتا ہے جیسا کہ آگے آئے گا (مرہ، قصی کے اجداد میں سے ہے) تیم ابن مرہؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے درمیان پانچ پشتیں ہیں۔ حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب کعب پر جا کر آنحضرت ﷺ سے ملتا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اور حضرت عمرؓ اور کعب کے درمیان سات پشتیں ہیں۔

ابن کلاب

قصی بیٹا ہے کلاب کا۔ کلاب کا نام حکیم تھا۔ ایک روایت ہے کہ اس کا نام عروہ تھا اس کا لقب کلاب (بمعنی کتے) اس لئے پڑا کہ یہ شکار کا بہت شوقین تھا اور اس کا اکثر شکار کتوں کے ذریعہ ہوا کرتا تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہؓ کا تیسری پشت کا دلو ہے۔ اس طرح کلاب پر پہنچ کر آنحضرت ﷺ کے والد اور والدہ کا نسب ایک ہو جاتا ہے۔

ابن مرہ

کلاب بیٹا ہے مرہ کا۔ یہ حضرت ابو بکرؓ کا چھٹی پشت میں دلو ہے اور امام ملکؓ اور حضور ﷺ کا نسب مرہ پر جا کر ان سے مل جاتا ہے۔

ابن کعب

کعب اور جمعہ کا دن..... مرہ بیٹا ہے کعب کا۔ یہ حضرت عمرؓ کا ساتویں پشت میں دلو ہے۔ کعب اپنی قوم کو یوم عروہ میں جمع کیا کرتا تھا یعنی یوم رحمت جس کو یوم جمعہ کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کعب پہلا آدمی ہے جس نے اس دن کا نام یوم جمعہ رکھا کیونکہ اس دن قریش کے لوگ اس کے پاس جمع ہوا کرتے تھے۔ لیکن حدیث میں ہے کہ زینہ جاہلیت میں عرب کے لوگ یوم جمعہ کو یوم عروہ کہا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس

دن کا نام یوم جمعہ ہے۔ ابن حنیہ کہتے ہیں کہ یوم عربیہ کا نام یوم جمعہ اسلام کے آنے سے پہلے تک نہیں رکھا گیا اس سلسلے میں جو بحث ہے وہ آگے آئے گی۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشین گوئیاں..... قریش کے لوگ کعب کے ہاں جمع ہوتے وہ ابن کو نصیحت کرتا اور ان کو آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق یاد دلاتا وہ ان کو بتاتا کہ آنحضرت ﷺ اس کی ولادت میں سے ہوں گے۔ کعب لوگوں کو حکم دیتا کہ (آپ ﷺ کی بخت و ظہور کے بعد کوہ آپ کی پیروی کریں۔ وہ کہتا کہ تمہارے لئے ایک عظیم خبر آئے گی اور ایک کریم نبی ﷺ ظاہر ہوں گے وہ ان کے سامنے شعر پڑھا کرتا جن کا آخری حصہ یہ تھا۔

عَلِيٍّ غَفْلَةٍ يَأْتِي النَّبِيَّ مُحَمَّدٌ
فِي خَبَرٍ أَخْبَاراً صَدُوقٍ خَيْرُهَا

جہالت اور بے خبری کے دور میں محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں گے اور اس طرح خبریں بتائیں گے جس طرح ایک جاننے والا بتایا کرتا ہے۔

يَا لَيْتِي شَاهِدٌ لِّعَشِيرَةِ بَنِي الْعَشِيرَةِ
دَعْوَتِهِ لِقَوْمَاءَ الْحَقِّ خَدَّ لَا نَا

کاش میں ان کی دعاؤں کا اثر اس وقت دیکھنے والوں میں ہوتا جبکہ قبیلہ بچائی کو رسوا کرنے کی کوشش میں ہوتا ہے۔

کعب اور آنحضرت ﷺ کے درمیان فاصلہ..... کعب اور آنحضرت ﷺ کے درمیان پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ ہے امتاع میں ہے کہ پانچ سو بیس سال کا فاصلہ ہے۔ کیونکہ درحقیقت پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ کعب کی موت اور عام الفیل کے درمیان میں ہے (یعنی ہاتھیل دلا سال جن میں شاہ ابرہہ نے ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تھی اس کو عام الفیل کہتے ہیں۔ اسی سال اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی یہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کا سال ہے۔ اسی طرح ابو نعیم نے دلائل النبویہ میں بھی ذکر کیا ہے۔

کعب کی نصیحتیں..... کہا جاتا ہے کہ کعب پہلا آدمی ہے جس نے ”آئنا بعد“ کہا (یہ کلمہ عربی میں آغاز تحریر یا تقریر کے وقت حمد و صلوة کے بعد استعمال کیا جاتا ہے) کہ کعب کہتا تھا:-

”آئنا بعد اسنولور سمجو اور جانو اور یاد رکھو کہ تاریک راتیں، ایک روایت میں ہے کہ راتیں چادر کی طرح ہیں اور خشک اور روشن دن اور زمین کا کچھوٹا اور آسمان کی چھت اور پہاڑوں کو (زمین کے لئے) بیٹھیں اور کیلیں اور ستروں کو (مسافروں کی) جنمائی کی علامتیں (خدا نے بنائی ہیں) اور بچھلے بعد والوں کی جیسے ہیں، پس اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھو، اور اپنے سرالی رشتہ داروں کی حفاظت کرو اور اپنی پونجی کو بڑھاؤ (آخرت کا) گھر تمہارے سامنے ہے اور خیال اور اندازہ اس کے خلاف ہے جو تم کہتے ہو۔“

کعب کی موت سے سن و تاریخ..... کعب کو اس کے بلند مرتبے اور شان کی وجہ سے کعب کہا جاتا تھا۔ اس لئے کہ ہر وہ چیز جو لوہی اور بلند ہو کعب کہلاتی ہے، اسی وجہ سے کہنے کو کعبہ کہا جاتا ہے۔ کعب کے اسی بلند مرتبے اور عظمت شان کی وجہ سے عربوں نے اس کی موت سے تاریخ کا سلب کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر جب

عام قبل آیا تو لوگوں نے اس سے تاریخ کا حساب کیا (کیونکہ عرب کے لئے یہ ایک عظیم اور بہت اہم واقعہ تھا) پھر عام قبل کے بعد عبد المطلب کی موت سے بھی تاریخ جاری کی گئی (کیونکہ عبد المطلب اپنے مرتبے اور عظمت کے لحاظ سے بہت افضل تھے اس لئے ان کی موت بھی ایک ایسا اہم حادثہ ثابت ہوئی کہ لوگ اس سے اپنے معاملات میں تاریخ کا حساب کرنے لگے)

ابن لوی

کعب بنابہ لوی کا۔ اس کو ہمزہ کے ساتھ زیادہ پڑھا جاتا ہے (اور بغیر ہمزہ کے بھی یعنی واؤ پر ذر کے ساتھ) اس کی تفسیر کے سبب میں اختلاف ہے۔

ابن غالب ابن نصر
فہر قریش کا مورث اعلیٰ..... لوی بنابہ غالب کا اور غالب بنابہ فہر کا۔ فہر نام اس کے باپ نے رکھا تھا۔ کیونکہ قریش کے معنی ہیں تلاش کرنا۔ ایک روایت یہ ہے کہ فہر اس کا لقب ہے اور اس کا نام قریش ہے۔ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ فہر لقب ہو اور قریش نام ہو کیونکہ قریش کے معنی ہیں تلاش کرنا، کیونکہ مؤرخین کا قول ہے کہ اس کا نام قریش اس لئے رکھا گیا کہ وہ تلاش میں رہتا تھا کہ محتاج اور ضرورت مند آدمیوں کی ضرورت کا سراغ لگائے اور اس کی ضرورت کو اپنے مال سے ختم کر دے۔ اس کے بیٹے حاجیوں کی ضروریات کا سراغ لگایا کرتے تھے اور (اپنے پیسے سے) ان کی ضروریات پوری کیا کرتے تھے۔ اس لئے ان کا نام قریش پڑا۔ بعض مؤرخین کا قول ہے کہ فہر قریش کا نسب جمع ہو جاتا ہے اکثر مؤرخین کی رائے یہی ہے۔ فہر ابن بکھر کہتے ہیں کہ قریش کے لود وکرے نسب دال اس بات پر متفق ہیں کہ قریش فہر سے ہی پہلے ہیں (یعنی فہر قریش کا مورث اعلیٰ ہے) یہ فہر حضرت ابو حنیفہؓ ابن جراح کا چھٹی پشت میں دلووا ہوتا ہے۔

فہر کا کارنامہ اور عظمت..... یمن کا حسان ابن عبد کلال، یمنی حمیر اور دوسرے قبائل کے ساتھ یمن سے کئے آیا تھا تاکہ کعبہ کے پھر یمن لے جائے اور ان سے وہاں ایک بیت (بیت اللہ کی طرح) کا بنائے اور لوگوں کو اس کا حج کرنے کے لئے آنے کی دعوت دے۔ حسان اگر غلہ کے مقام پر ٹھہرا (فہر کو جب خبر ہوئی) تو اس نے عرب کے قبائل کو اکٹھا کیا اور حسان سے جنگ کرنے کے لئے نکلا، اس نے جنگ کی اور حسان کو گرفتار کر لیا حمیر اور دوسرے قبائل کے لوگ جو اس کے ساتھ آئے تھے شکست کھا کر چلے گئے۔ حسان تین سال تک قید رہا۔ پھر اس نے اپنی جان بخشی کے لئے بہت سامان و دولت دیا اور رہائی حاصل کی۔ وہ مکہ اور یمن کے درمیان مر گیا، اس وقت سے عربوں پر فہر کی ہیبت بیٹھ گئی۔ لوگ اس کی عظمت کرنے لگے اور اس کا نام بہت بلند ہو گیا۔

فہر کی قیمتی نصیحت..... فہر کے جو قول نقل کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے جو اس نے اپنے بیٹے غالب سے کہا تھا "تو مال جو تیرے ہاتھ میں ہے تیرے لئے اس زیادہ مال سے بہتر ہے جو تجھے ذلیل کرے چاہے وہ مال تیرا ہو ہی جائے۔"

ابن مالک

فہر بنابہ مالک کا۔ اس کو مالک اس لئے کہا جاتا تھا کہ وہ عرب کا مالک ہو گیا تھا۔

ابن نصر

قبیلہ قریش کا بانی نصر..... مالک بنابہ نصر کا اس کا لقب نصر اس کے حسن و جمال اور خوبصورتی کی وجہ سے

پڑا۔ اس کا نام قیس تھا۔ فقہاء کے نزدیک وہ قریش کا مورث اعلیٰ ہے۔ اسی لئے اس سے پہلوں میں سے کسی کی ولاد کو قریشی نہیں کہا گیا اور اس کی تمام ولاد کو جن میں سے ایک مالک اور اس کی ولاد میں قریشی کہا جاتا تھا چنانچہ اس حضرت ﷺ سے قریش کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ قریش نصر کی ولاد میں ہیں لیکن اس بنیاد پر کہ قریش کا مورث اعلیٰ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا تھا۔ مالک اور اس کی ولاد (یعنی قریش کے علاوہ دوسری ولاد) اور قریش کا دلوا نصر اور اس کی ولاد قریش میں سے نہیں رہتے (کیونکہ اگر قریش کو جو نصر کا پوتا ہے قریش کا مورث اعلیٰ مان لیا جائے تو اس کے بھائی باپ، چچا اور دلو کو قریشی نہیں کہا جاسکتا)۔

ابن کنانہ

کنانہ ایک بلند مرتبہ انسان..... نصر بیٹا ہے کنانہ کا۔ اس کو کنانہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی قوم کے لئے ایک پردہ بندارہ ایک روایت کے مطابق (اس لئے کنانہ کہا گیا کہ وہ اپنی قوم کی پردہ پوشی کرتا تھا اور ان کے اسرار اور رازوں کی حفاظت کرتا رہا۔ یہ ایک نیک اور عظیم المرتبت بزرگ تھا۔ اس کے علم اور بزرگی کی وجہ سے عرب اس کی زیارت کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ :

نبی کے متعلق پیش گوئی..... ”وقت آگیا ہے کہ کے سے ایک نبی ظاہر ہو گا جس کا نام احمد ہو گا۔ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف، نور بھلائی، احسان اور شریفانہ اخلاق کی طرف بلائے گا، تمام اس کی پیروی کرنا اس سے تمہاری عزت اور شرف میں اضافہ ہو گا۔ اور جو کچھ وہ لے کر آئے اس کو مت جھٹلاؤ اس لئے کہ وہ حق اور سچائی ہو گی۔“

کنانہ کا قول زیریں..... ابن وحید کہتے ہیں کہ کنانہ تنہا کھانا کھانے کو ناپسند کرتا تھا (جس کی وجہ اس کی سخاوت و فیاضی تھی) اگر کبھی ساتھ کھانے کو کوئی شخص نہیں ملتا تھا تو ایک لقمہ کھاتا اور دوسرا ایک پتھر پر ڈالتا جاتا تھا جو اس نے اپنے سامنے رکھا ہوا تھا۔ ایسا وہ تنہا کھانے کو ناپسند کرنے کی وجہ سے کرتا تھا اس کے جو اقوال نقل کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ :

”اکثر ظاہری صورت باطن کے خلاف ہوتی ہے جو اپنے حسن کی وجہ سے دھوکہ دیتی ہے لیکن اس کے نتائج کی برائی معلوم ہو جاتی ہے۔ اس لئے ظاہری صورت سے بچو اور حقیقت کی تلاش کرو۔“

ابن خزیمہ ابن مدرکہ

مدرکہ میں نور نبی کی جھلک..... کنانہ بیٹا ہے خزیمہ کا اور خزیمہ بیٹا ہے مدرکہ کا۔ مدرکہ کا نام عمر وہ ہے۔ اس کو مدرکہ اس لئے کہا گیا کہ ہر وہ عزت و عظمت جو اس کے آباء و اجداد میں تھی اس نے حاصل کر لی تھی (مدرکہ پانے اور حاصل کرنے والے کو کہتے ہیں) مدرکہ میں آنحضرت ﷺ کا نور جھلکتا تھا شاید اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے نور کا عکس مدرکہ میں نظر آتا تھا۔

ابن الیاس

مدرکہ بیٹا ہے الیاس کا۔ اس لفظ میں الف کے نیچے زیر ہے۔ ایک روایت ہے کہ الف پر زیر ہے اور ایک روایت ہے کہ یہ ہمزہ وصل ہے۔ اس قول کی نسبت جمہور کی طرف ہے۔

کبیر قوم..... کہا جاتا ہے کہ اس کا نام الیاس اس لئے ہوا کہ اس کے باپ مضر کی بہت عمر آگئی تھی مگر اس کے کوئی ولاد نہیں ہوئی (الیاس کے معنی مایوسی کے ہیں) پھر اس عمر میں اس کے بیٹا ہوا جس کا نام اس نے الیاس رکھا۔

مقام ابراہیم دریافت کرنے والا..... الیاس کی حیثیت اپنی قوم میں بہت بڑی تھی۔ یہاں تک کہ عرب اس کو کبیر قوم اور سردار خاندان کہا کرتے تھے اور اپنا کوئی معاملہ بھی اس کے بغیر طے نہیں کرتے تھے۔ یہ پہلا آدمی ہے جس نے قربانی کا جانور بیت اللہ میں بھیجا اور یہی وہ پہلا آدمی ہے جس نے مقام ابراہیم دریافت کیا جو طوقان نوح کے وقت بیت اللہ کے ساتھ غرق ہو گیا تھا الیاس نے اس کو بیت اللہ کے زلوے میں رکھا۔ حیات الحیوان میں اسی طرح لکھا ہے اور یہ قابل غور ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ الیاس کو برامت کو اس لئے کہ وہ مؤمن تھا۔ ایک روایت ہے کہ وہ قریش کا مورث اعلیٰ تھا اسی لئے اس سے پہلوں کی ولاد میں سے کسی کو قرشی نہیں کہا گیا۔ الیاس اپنی صلب (یعنی ریڑھ کی ہڈی نسل اور ولاد) میں سے آنحضرت ﷺ کے تلبیہ کی دعا جو حج کے دوران کی معروف دعا ہے بنا کر تھا۔ ایک روایت ہے کہ وہ عرب میں ایسا تھا جیسے لقمان حکیم (مشہور دانشمند) اپنی قوم میں تھے۔ یہ پہلا آدمی ہے جو ریل کی پٹری میں جلا ہو کر مر گیا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی بیوی نے جس کا نام خندف تھا، بے حد ماتم کیا اور اس کے بعد وہ چمت کے چنے نہیں مٹی یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ خندف کے غم پر عربی میں ایک کلمات بھی ہے۔

ابن مضر

الیاس بیٹے بن مضر کے کہا جاتا ہے کہ یہ قریش کے مورث اعلیٰ تھے اور اسی لئے ان سے پہلوں کی ولاد میں کسی کو قرشی نہیں کہا گیا۔ اس طرح قریش کے مورث اعلیٰ ہونے کے متعلق پانچ قول ہو گئے۔ ایک روایت قصی کے متعلق ہے، ایک نضر کے متعلق، ایک نضر کے متعلق، ایک الیاس کے اور ایک مضر کے متعلق ہے۔ **مضر الحمراء لقب کی وجہ**..... ان کو مضر الحمراء بھی کہا جاتا تھا اس لئے کہ جب انہوں نے نوران کے بھائی ربیعہ نے اپنے باپ کا ترکہ تقسیم کیا یعنی نزار کا (جو ان کا باپ تھا) تم مضر نے سونالے لیا اس لئے ان کو مضر الحمراء کہا گیا اور ربیعہ نے مویشی وغیرہ لے لئے اس لئے ان کو مضر الفرس کہا گیا۔ **مضر در ربیعہ مومن تھے**..... حدیث میں آتا ہے کہ ربیعہ کو مضر کو برامت کو اس لئے کہ وہ دونوں مومن تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ مضر کو برامت کو اس لئے کہ وہ ملت ابراہیم پر تھا۔ ایک حدیث میں غریب ہے کہ مضر کو برامت کو کیونکہ وہ بن اسماعیل پر تھا۔

مضر کے جو اقوال نقل کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ
”جو شخص برائی بولے گا وہ ندامت اور شرمندگی کا پھل کاٹے گا۔“

(اقول۔ مؤلف کہتے ہیں) قریش کے کعبہ کی بنیاد رکھنے کے سلسلے میں ذکر آئے گا کہ انہیں اس میں چند تحریریں ملیں جو سریانی زبان میں تھیں ان میں سے ایک تحریر تھی جس میں لکھا تھا
”جس نے بھلائی بولی وہ خوشی و خوش حالی کاٹے گا، اور جو برائی بولے گا وہ ندامت کاٹے گا۔“
اس کے بعد پوری تحریر ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

ابو عبیدہ بکری کہتے ہیں کہ مضر کی قبر روماء کے مقام پر ہے اور زیارت گاہ ہے۔ روماء کا مقام مدینہ سے دو (۲) کلمات کی مسافت پر ہے واللہ اعلم۔
حدی خوالی کا موجد..... مضر کی کتاب ہے حد سربلی اور عمدہ تھی۔ یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے لواتوں کے لئے

۱۔ حدیث غریب اس کو کہتے ہیں جس کے رلوپوں کے سلسلے میں کسی جگہ صرف ایک ہی رلووی ہو اور وہاں اس کے ساتھ کوئی دوسرا اس روایت میں شریک نہ ہو جبکہ بقیہ رلوپوں میں ہر جگہ ایک سے زائد رلووی ہوں۔ مرتب

حدی خوالی کی (حدی خوالی کے متعلق آگے تفصیل آ رہی ہے) ایک مرتبہ یہ گر پڑے جس سے ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا تو وہ یہ کہہ کر چلانے لگے ہائے میرا ہاتھ اہائے میرا ہاتھ اس آواز پر وہاں چڑاگاہ سے اونٹ دوڑ آئے۔ جب وہ ٹھیک ہو گئے اور اونٹ پر سوار ہوئے تو انہوں نے حدی خوالی کی، ایک روایت یہ ہے کہ سب سے پہلا شخص جس نے حدی خوالی کا طریقہ شروع کیا معز کا غلام تھا۔ معز نے ایک دفعہ اس کے ہاتھ میں بہت زور سے مارا تو وہ چلانے لگا ہائے میرا ہاتھ اہائے میرا ہاتھ۔ اس آواز کو سن کر چڑاگاہ سے اونٹ دوڑ آئے۔ کیونکہ حدی خوالی (یعنی اونٹوں کے لئے گانے) کے واسطے ضروری ہے کہ وہ سُریلی آواز میں ہو جس سے اونٹ مست ہو جاتے ہیں۔ اس کو سن کر اونٹ اپنی گردن لمبی کر لیتے ہیں اور حدی خوالی کرنے والے کی طرف بھاری بوجھ ہونے کے باوجود تیزی کے ساتھ کھینچے چلے آتے ہیں۔ چنانچہ کبھی تو یہ لمبے فاصلے بہت تھوڑی سی مدت میں طے کر لیتے ہیں اور کبھی ایک دن کی مسافت تین تین دن میں پوری کرتے ہیں۔ اس بارے میں ایک حکایت بھی مشہور ہے اس سلسلے میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ سے ہمارے ائمہ نے کہا ہے کہ حدی خوالی مستحب ہے۔

اذا کار امام نودی میں تیز چلے، طبیعت میں نشاط اور تازگی پیدا کرنے اور چلنے میں آسانی پیدا کرنے کے احتباب کے سلسلے میں ایک باب ہے اس بارے میں بہت سی مشہور احادیث ہیں۔

ابن زرار

عربی تحریر کا موجود زرار۔۔۔۔۔ معربینے ہیں زرار کے۔ نون پر زیر کے ساتھ۔ ان کی آنکھوں کے درمیان نور نبوی ﷺ نظر آتا تھا۔ یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے صحیح انداز میں عربی تحریر لکھی۔ امام احمد بن حنبل ان پر آکر رسول اللہ ﷺ کے نسب میں شریک ہوتے ہیں۔

ابن معد ابن عدنان

معلوم نسب نامہ کی حد۔۔۔۔۔ زرار بیٹے ہیں معد کے اور معد بیٹے ہیں عدنان کے۔ یہاں تک وہ نسب ہے جس پر علماء انساب (نسب کے ماہر علماء) آنحضرت ﷺ کے نسب کے سلسلے میں متفق ہیں۔ امامت عظمیٰ کی شرط۔۔۔۔۔ اسی وجہ سے ہمارے فقہاء کہتے ہیں کہ امام اعظم (یعنی امت کا قائد و رہنما) ہونے کے لئے شرط ہے کہ وہ قریشی ہو۔ اگر وہ ضروری شرائط جو امام اعظم میں ہونی چاہئیں قریشی میں نہ موجود ہوں تو پھر کنانی ہو۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اگر (مطلوبہ شرائط کے ساتھ) کنانی شخص نہ ملے تو خزیمی ہونا چاہئے، اگر خزیمی نے ملے تو مدری ہو، اگر مدری کی نہ ہو تو الیاسی ہو، اگر الیاسی نہ ہو تو معمری ہو، اگر معمری نہ ہو تو ززاری ہو، اگر ززاری نہ ہو تو معدی ہو، اگر معدی نہ ہو تو عدنانی ہو اور اگر عدنانی نہ ہو تو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہو۔ کیونکہ عدنان سے لوہر کوئی صحیح بات نہیں معلوم ہے اور عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک نسب کو محفوظ کرنا ممکن نہیں ہے۔

معد اور حضرت ارمیاء۔۔۔۔۔ معد کو معد اس لئے کہا گیا کہ اس نے بنی اسرائیل کے خلاف زبردست جنگ و جدال کیا اور جب بھی کسی سے جنگ کی تو کامیاب و کامراں ہو کر لوٹا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ کوئی عربی شخص نسب میں عدنان اور قطان سے علیحدہ نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عدنان کی اولاد کو قیس کہا جاتا تھا اور قطان کی اولاد کو یمن کہا جاتا تھا۔

بخت نصر سے معد کی حفاظت۔۔۔۔۔ جب اللہ تعالیٰ نے عرب پر شاہِ بخت نصر کو مسلط کیا تو اللہ نے حضرت

اور میاں لور بیت المقدس کی آباد کاری..... اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء کے پاس وحی نازل فرمائی کہ ہم بیت المقدس کو دوبارہ بسائیں گے تم وہاں جاؤ یہ وہاں پہنچے وہاں ان کے دل میں خیال کیا کہ اس تاریخی کے بعد یہ کیسے بے گالور یہ مردے کیسے زندہ ہوں گے، اس کی بعد یہ ایک پتھر پر سر رکھ کر سو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا ہی میں مردوں کے زندہ ہونے کا تماشا دکھانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ یہ سو گئے لور اپنے پاس ہی اپنے کھانے پینے کا سامان رکھا لور وہیں اپنا سولری کا گدھا چھوڑ دیا، اس کے بعد اللہ کے حکم سے یہ سو (۱۰۰) برس کے بعد جا گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ کتنے دن سوئے۔ کہا ایک دن یا کچھ کم، اللہ تعالیٰ نے ان کو بتلایا کہ تم سو (۱۰۰) برس سوئے ہو مگر اپنے کھانے پینے کا سامان دیکھو جو نہ سڑ نہ گلا۔ لور گدھے کو دیکھو کہ کس طرح ہم اس کی ہڈیوں کو ترتیب دے کر اور اس پر گوشت چڑھا کر اس کو پھر زندہ کر دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے (یہ پور لواقعہ قرآن مجید میں سورۃ بقرہ پ ۳ اور کو ۲ میں اس آیت میں ذکر ہے او کالذی تر علیٰ قرینہ الخ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ قصہ حضرت عزیر کا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ارمیاء کا واقعہ ہے تاریخ ابوالفتح ۳۲۱۳۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کا فرعون عمالتی میں سے تھا اور ان ہی میں سے حضرت یوسف کا فرعون دریاں امن ولید تھا۔ ابراہیم اور آنحضرت ﷺ کی درمیانی پشتیں..... حضرت اسماعیل اپنے باپ کی اکلوتی اولاد تھے جو اس وقت پیدا ہوئے جبکہ ان کے والد کی عمر ستر سال ہو چکی تھی۔ حضرت اسماعیل مقام رملہ اور مقام ایلیا کے درمیان پیدا ہوئے۔ عدنان اور اسماعیل کے درمیان چالیس (۴۰) باپ یعنی پچیس ہیں، ایک روایت کے مطابق پچیس (۳۷) باپ ہیں مگر ابو حیان نے نہر میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم آنحضرت ﷺ کے اکتیسویں (۳۱) اولاد تھے۔ یہاں تک ابو حیان کا حوالہ ہے۔

حضرت اسماعیل اور عربی زبان..... یہ بات ظاہر ہے کہ آدم کی اولاد میں حضرت اسماعیل پہلے آدمی ہیں جن کا نام اسماعیل رکھا گیا۔ عربی زبان میں اس کے معنی اللہ کے فرمانبردار بندے کے ہیں اور اسماعیل پہلے آدمی ہیں جنہوں نے عربی زبان یعنی فصیح و بلیغ عربی بولی ورنہ عربی زبان کی اصل بنی جہم میں سے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کو الہام کے ذریعہ فصیح و بلیغ اور صاف عربی سکھائی اور وہ یہ زبان بولے۔ حدیث میں ہے کہ پہلے آدمی جو فصیح و بلیغ اور صاف عربی روانی کے ساتھ بولے حضرت اسماعیل ہیں جن کی عمر اس وقت چودہ سال کی تھی۔

حضرت ابراہیم کی مکے میں آمد..... بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسماعیل کو مکے کے براق کے ذریعہ آئے اور اپنے ساتھ پانی کا مٹکیزہ اور کھجور کا تھیلہ لائے۔ جب انہوں نے ان دونوں کو مکے کے علاقے میں اتار دیا اور واپس جانے لگے تو حضرت ہاجرہ ان کے پیچھے چلے ہوئے کہتی تھیں:-
”کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ مجھے اور اس بچے کو اس وحشت ناک ویرانے میں چھوڑ دیں جہاں کوئی دوست اور تمکد نہیں ہے؟“

حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ ”ہاں! حضرت ہاجرہ نے کہا کہ ”تجبدہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔“ ہاجرہ ویران صحرائیں..... حضرت ہاجرہ کھجور کھا کر اور پانی پی کر گزراہ کرتی رہیں یہاں تک کہ پانی ختم ہو گیا۔ اللہ عیٹ حضرت ابراہیم نے ان دونوں کو وہاں جبر اسود کی جگہ پر اتار اٹھا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت ابراہیم اپنی عمر کے سو (۱۰۰) سال پورے کر چکے تھے۔

عرب ایمن اور ملک یمن..... یہ روایت کہ حضرت اسماعیل پہلے آدمی ہیں جنہوں نے فصیح عربی زبان بولی، اس روایت کے خلاف نہیں ہے کہ عربی میں بات کرنے والا آدمی عرب ایمن خطان ہے۔ خطان پہلا آدمی ہے جس کو ”ابیت اللہن“ کہا گیا (یعنی تو لامت سے محفوظ کر دیا گیا، یہ عرب کا ایک علاقہ ہے جس کا استعمال سب سے پہلے خطان پر کیا گیا) اور ”انتم صباہا“ کہا گیا (یعنی صبح بخیر عربوں کا قدیم سلام ہے) اس عرب کو ایمن بھی کہا گیا (یعنی برکت والا) اس لئے کہ پیغمبر خدا حضرت ہوڈ نے اس سے کہا تھا کہ تم میرے بیٹوں میں سب سے زیادہ برکت والے ہو۔

ملک یمن کا نام یمن اسی لئے پڑا کہ ایمن وہاں جا کر اتر اٹھا۔ یہ پہلا آدمی ہے جس نے اشعار اور رجز کے (جز شاعری کی وہ قسم ہے جس کے ذریعہ سپاہیوں کو جنگ پر ابھارا جاتا ہے) ایک روایت یہ ہے کہ یمن کو یمن اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ کعبہ کے یمن یعنی دائیں جانب ہے۔

کہا جاتا ہے کہ پہلے آدمی جنہوں نے عربی میں تحریر لکھی حضرت اسماعیل ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ جس

نے پہلی بار عربی میں تحریر لکھی وہ نذر ابن معد ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

کلام عربی اور آدم واسامعیل..... ایسے ہی یہ روایت کہ فصیح عربی میں بولنے والے پہلے آدمی اسماعیل ہیں، اس روایت کے خلاف نہیں ہے کہ پہلی بار حضرت آدم نے جنت میں عربی بولی کیونکہ جب ان کو زمین پر اتارا گیا تو یہاں وہ سریانی زبان بولے۔ روایت ہے کہ سریانی زبان کا نام سریانی اس لئے پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو یہ زبان فرشتوں سے مخفی رکھ کر سکھائی اور ان کو اسی زبان میں کلام کر لیا۔

بارہ اہم کے زبانوں صحیفے اور آدم..... ایک روایت ہے کہ پہلے آدمی جنہوں نے عربی، فارسی، سریانی، عبرانی اور بقیہ بارہ زبانوں یعنی حمیری، یونانی، رومی، قبطی، بربری، اندلسی، ہندی اور چینی زبانوں میں صحیفے تحریر کئے وہ حضرت آدم ہیں۔ انہوں نے یہ صحیفے مٹی پر لکھے اور اس پکا دیا۔ جب طوقان نوح میں زمین غرق ہوئی تو اس کے بعد ہر قوم کو ایک ایک صحیفہ مل گیا اور انہوں نے اس کو لکھا۔ حضرت اسماعیل کو صحیفہ عربی ملا۔ اور جہاں تک یہ روایت ہے کہ پہلے آدمی جنہوں نے قلم سے لکھا وہ اور لیں ہیں تو اس سے مراد خط رمل ہے (رمل ایک علم ہے جس میں ریت پر لکیریں کھینچ کر آئندہ کے احوال معلوم کرتے ہیں۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ حضرت آدم لیں سب سے پہلے لکھنے والے اس لحاظ سے ہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے علم رمل کے زائچے بنائے اس لحاظ سے نہیں کہ انہوں نے قلم سے تحریر لکھی)۔

عربی صحفہ اور عربی عارہ..... ایک روایت ہے کہ جس نے عربی صحفہ میں بات کی وہ اسماعیل ہیں۔ عربی صحفہ قریش کی عربی ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔ قطان اور حمیر کی عربی اسماعیل سے پہلے کی ہے۔ جو شخص قطان اور حمیر کی عربی بولتا ہے اس کو عرب عارہ (یعنی خالص عربی لوگ) کہا جاتا ہے اور اسماعیل کی عربی بولنے والے کو عرب مستعربہ (یعنی عربوں میں داخل ہونے والے لوگ) کہا جاتا ہے یہی تاجز اور وہاں والوں کی زبان ہے۔ ایک قول ہے کہ جو اچھی طرح عربی بول سکتا ہے وہ فارسی نہ بولے کیونکہ یہ فغان کا بیج بونی ہے۔

اصحاب کف کی زبان..... بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ اصحاب کف تمام کے تمام عجمی (یعنی غیر عرب میں سے) تھے مگر وہ صرف عربی زبان میں ہی بات کرتے تھے۔ ان حضرات کو دوزخ المہدی کہا جاتا ہے (اصحاب کف بادشاہ قیافوس کے وزیر تھے اور مؤمن تھے۔ کہا جاتا ہے کہ دوزخ المہدی ایک ایسا لفظ ہے جس میں تمام اصحاب کف کے ناموں کے پہلے حروف جمع کر دیئے گئے ہیں مگر ان حضرات میں سے جن چند کے نام احقر کو یاد ہیں غالباً ان سب کے حروف اس میں نہیں پائے جاتے۔ مثلاً مرئوش، مہلیبیا، چروہا، عالیاس، کتا، ظہیر، اس بادشاہ کا نام قیافوس تھا جس کے یہ وزیر تھے)۔

عربوں میں آنحضرت ﷺ کی فصاحت..... لوگوں میں مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں حرف ضاد بولنے والوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ اس میں ”بولنے والوں“ سے مراد ایسی جمع ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے (یعنی عام عربی بولنے والے مراد ہیں جس کا مطلب عرب ہیں) معنی کے لحاظ سے یہ درست ہے اس لئے کہ معنی یہ ہوں گے کہ میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ کیونکہ صرف عرب ہی حرف ضاد بولتے ہیں ورنہ یہ حرف ان کے علاوہ کسی کی زبان میں نہیں پایا جاتا۔

حضرت اسماعیل اور گھوڑے سواری..... اسماعیل پہلے انسان ہیں جنہوں نے گھوڑے پر سواری کی۔ اس وقت تک گھوڑے وحشی جانوروں میں سے تھے اسی لئے ان کو عرب کہا گیا یا اس بناء پر جو آگے بیان ہوگی۔

گھوڑے سواری کے لئے حکم نبوی ﷺ..... آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”گھوڑوں پر سواری کرو اس لئے کہ وہ تمہارے باپ اسماعیل کی میراث ہیں۔“

ایک روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل پر وحی نازل فرمائی کہ وہ مقام اجیاد کی طرف جائیں، یہ ایک مشہور مقام ہے اور اس کا نام اجیاد اس لئے پڑا کہ یہاں قبیلہ عمالقہ کے سو (۱۰۰) نہایت اجیاد یعنی بہترین آدمی قتل ہوئے تھے (چنانچہ اسماعیل کو حکم دیا گیا کہ اجیاد پہنچ کر دعاء مانگو تمہارے پاس خزانہ آئے گا۔ حضرت اسماعیل اجیاد گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک دعاء الہام کی انہوں نے وہ دعاء مانگی تو سر زمین عرب پر کوئی گھوڑا ایسا باقی نہیں رہا جو ان کے پاس نہ پہنچ گیا ہو اور ان کے سامنے سر جھکا کر اپنے آپ کو ان کے حوالے نہ کر دیا ہو، انکو اللہ تعالیٰ نے اسماعیل کے لئے ذلیل اور تابع کر دیا تھا۔ اس لئے ان گھوڑوں پر سواری کیا کرو اور انہیں چارہ کھلایا کرو کیونکہ وہ باعث خیر و برکت ہیں اور تمہارے باپ اسماعیل کی میراث ہیں۔“

گھوڑے کی تخلیق اور برکات..... حافظ سیوطی نے گھوڑوں سے متعلق اپنی ایک کتاب میں جس کا نام ”خبر الذیل فی علم الخلیل“ ہے ذکر کیا ہے۔ نیز ”عراکس“ میں بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو جنوب کی ہواؤں سے ارشاد فرمایا کہ میں تجھ سے ایک مخلوق پیدا کرنے والا ہوں اس کو میرے تابعدار بندوں کیلئے عزت بنا دو اور میرے دشمنوں کیلئے ذلت کا سبب کر دو اور میری اطاعت کرنے والوں کیلئے حسن و زینت بنا دو۔ جنوب کی ہوائے عرض کیا کہ جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں کیجئے۔ اس قادر مطلق نے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور گھوڑے کو تخلیق فرمایا۔ پھر اس سے ارشاد فرمایا کہ میں نے تجھے عربی بنا کر پیدا کیا ہے اور تیری پیشانی میں خیر و برکت بجا دی ہے اور نعمتوں کو تیری پیٹھ پر جمع کر دیا ہے، اور تیرے لوہے تیرے مالک کو مر بان کر دیا ہے، اور تجھے ایسا بنایا ہے کہ تو بغیر پروں کے اڑے گا، پس تو مقصد حاصل کرنے کے لئے بھی ہو گا اور بھاگنے کے لئے بھی ہو گا۔

حضرت سلیمان کا گھوڑا..... وہب سے روایت ہے کہ سلیمان سے کہا گیا کہ ایک سیاہ اور سفید داغوں والا گھوڑا ہے جس کے پر ہیں جن سے وہ اڑتا ہے اور فلاں پانی پر اترتا ہے۔ سلیمان نے شیطین سے فرمایا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ وہ گئے اور انہوں نے اس جستمے میں جس پر وہ پانی پینے کے لئے اترتا تھا شراب ڈال دی، اس گھوڑے نے جب وہ پانی پیا تو وہ ہوش ہو گیا انہوں نے اس کو باندھ لیا اور سدھلایا یہاں تک کہ وہ مانوس ہو گیا۔ حضور ﷺ کا خزانہ بردار گھوڑا..... کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے یہ وہی گھوڑا ہو جس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”مجھے ساری دنیا کی کنجیاں ایک سیاہ اور سفید گھوڑے پر لاد کر دی گئیں جس کو جبرئیل میرے پاس لے کر آئے تھے۔“

حضرت آدم کی پسند اور گھوڑا..... ایک روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے سامنے اپنی تمام مخلوقات پیش کیں تو ان سے ارشاد فرمایا کہ میری مخلوقات میں سے جو چیز بھی تو چاہے اسے پسند کر لے۔ آدم نے گھوڑے کو پسند کر لیا، اس پر ان سے فرمایا گیا، تو نے وہ چیز پسند کر لی جو تیرے لئے اور تیری اولاد کے لئے عرت ہے جب تک وہ موجود ہیں گے یہ بھی موجود رہے گی اور جب تک وہ باقی رہیں گے یہ بھی باقی رہے گی ابد لا بد تک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

گھوڑے کی تخلیق آدم سے پہلے..... یہ بات واضح ہے کہ گھوڑے، آدم سے پہلے پیدا کئے گئے۔ لام سکتی

سے دریافت کیا گیا کہ آیا گھوڑے آدم سے پہلے پیدا کئے گئے یا بعد میں اور کیا ز پہلے پیدا کئے گئے یا بعد۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ گھوڑے حضرت آدم سے پہلے پیدا کئے گئے اس لئے کہ چپائے جھرت کے روز پیدا کئے گئے ہیں اور آدم جمعہ کے دن صبح کے بعد پیدا کئے گئے ہیں، نیز یہ کہ نر جنس مادہ سے پہلے پیدا کی گئیں جس کی دودھ جیسے ہیں۔ ایک قویہ کہ نر اشرف ہوتا ہے مادہ سے اور دوسرے یہ کہ نر کی حرارت مادہ کے مقابلے میں زیادہ قوی ہوتی ہے، اس وجہ سے حضرت آدم کی تخلیق حضرت حوا سے پہلے ہوئی۔ یہ بات قابل غور ہے۔

گھوڑے کے اعضاء..... لام سبیل نے ذکر کیا ہے کہ گھوڑے کے بیس عضو ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر عضو کا نام کسی نہ کسی پرندے کے نام پر ہے۔ اس بات کو اصرامی نے بھی ذکر کیا ہے اور ان ناموں کو بیان کیا ہے۔ ان ناموں میں سے کچھ یہ ہیں:-

ان کے ناموں کی ندرت..... کر مس، شتر مرغ، قحط (ایک پرندے کا نام) کھسی، چنیا، کوا، گدھ اور شکر کہتے ہیں کہ حیوان میں کچھ تو اعضاء بارہ پندرہ (ٹھنڈے خشک) ہوتے ہیں جیسے ہڈیاں۔ یہ سوداویت کے قائم مقام ہوتی ہیں۔ کچھ اعضاء بارہ رطبہ (ٹھنڈے تر) ہوتے ہیں جیسے دماغ۔ یہ بلغم کے قائم مقام ہوتا ہے۔ کچھ اعضاء حارہ پندرہ (گرم خشک) ہوتے ہیں جیسے قلب جو صفراء کا قائم مقام ہوتا ہے اور کچھ اعضاء حارہ رطبہ (گرم تر) ہوتے ہیں جیسے جگر جو خون کے قائم مقام ہوتا ہے (طبی اصطلاح میں یہ چار غلطیں یعنی سودا، صفراء، بلغم اور دم انسان کا حرج بناتی ہیں)۔

گھوڑوں پر حضور ﷺ کی شفقت..... حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو عورتوں کے بعد سب سے زیادہ شفقت گھوڑوں پر تھی۔

گھوڑوں کی دعاء..... ایک روایت ہے کہ کوئی رات ایسی نہیں ہوتی جس میں گھوڑا یہ دعا نہیں مانگا کہ:-
”خدا یا تو نے مجھے ابن آدم کے لئے مسخر کیا ہے (یعنی مجھے اس کا غلام بنایا ہے) اور میرا رزق اس کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ اے اللہ! پس تو مجھے اس کے لئے اس کے گھر والوں اور لولاد سے زیادہ محبوب بنا دے۔“
کسی دانشمند سے سوال کیا گیا کہ کون سا مال سب سے زیادہ باعزت اور اشرف ہے۔ اس نے کہا کہ گھوڑا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ گھوڑے کی پیٹھ پناہ ہے اور اس کا پیٹ خزانہ۔

بحر ظلمات کے گھوڑے..... حدیث میں ہے کہ سکندر ذو القرنین نے جب ظلمات کے (اندھیرے) راستے سے آب حیات کی تلاش میں جانے کا ارادہ کیا تو اس نے پوچھا کہ کون سا چوپایہ رات میں سب سے زیادہ دیکھ سکتا ہے۔ لوگوں نے کہا گھوڑا۔ پھر اس نے پوچھا کہ کون سا گھوڑا لوگوں نے کھلا دیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ کون سی مادہ سب سے زیادہ دیکھ سکتی ہے، لوگوں نے کہا کہ جواب تک بیانی نہ ہو۔ اس پر ذو القرنین نے اپنے لشکر میں سے اسی قسم کے چھ ہزار گھوڑے جمع کئے۔

حضرت اسماعیلؑ اور عربی کمان..... اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کو قوس عربی یعنی کمان دی تھی وہ جس چیز پر بھی (اس سے) تیر چلاتے تھے نشانہ پر لگتا تھا۔ حدیث میں ہے کہ اے اسماعیلؑ کی لولاد تیر اندازی کیا کرو اس لئے کہ تمہارے باپ اسماعیلؑ تیر انداز تھے۔

تیر اندازی سکھ لئے حکم نبوی ﷺ..... یہ بات آپ ﷺ نے اس جماعت سے کہی جو تیر اندازی کا مقابلہ کر رہی تھی۔ آپ ﷺ وہاں سے گزرے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کھیل بہت عمدہ ہے۔ یہ بات آپ ﷺ نے دو

تین مرتبہ فرمائی۔ بعض روایات میں اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ”تم تیر چلاؤ اور میں فلاں جماعت کی طرف سے شریک ہوتا ہوں۔“

تیر انگلنی حضور ﷺ کا محبوب شغل۔۔۔۔۔ پھر آپ ﷺ ان میں سے ایک فریق کے ساتھ شریک ہو گئے (آپ ﷺ کے شریک ہونے کے بعد انہوں نے تیر اندازی بند کر دی تو) آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے تم نے تیر چلانا بند کر دیا۔ انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کیسے تیر چلائیں آپ ﷺ ان کے ساتھ ہیں جب وہ ہم پر تیر چلاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا چھاتم تیر چلاؤ میں تم سب کے ساتھ ہوں۔

اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے یہی نے دلائل البیۃ میں اس حدیث میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ اس پورے دن تیر اندازی کرتے رہے اور آخر میں برابری پر کھیل ختم ہوا کوئی بھی دوسرے کو شکست نہ دے سکا۔

ایک حدیث ہے کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کھیل گھوڑے سواری اور تیر اندازی ہیں (لوگو!) تیر اندازی اور گھوڑے سواری کیا کرو اور تمہارا تیر اندازی کرنا مجھے گھوڑی سواری سے بھی زیادہ پسند ہے۔ بہترین کھیل۔۔۔۔۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین کھیل گھوڑے سواری کرنا اور تیر اندازی ہیں۔

ایک روایت ہے کہ آدمی جو کچھ بھی کھیلا ہے سوائے کمان سے تیر اندازی کے اور اپنے گھوڑے کو سدھانے کے یا اپنی بیوی کے ساتھ دل لگی کرنے کے اس لئے کہ یہ ان کا (یعنی بیویوں کا) حق ہے۔ تیر انگلنی کی فضیلت۔۔۔۔۔ ایک حدیث ہے کہ اپنی لولاد کو سیر و سیاحت اور تیر اندازی سکھلاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ اپنی لولاد کو تیر اندازی سکھلاؤ اس لئے کہ یہ دشمن کی شکست ہے۔

یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ تیر اندازی سکھو اس لئے کہ دو (۲) نشانوں کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

تیر انگلنی کی تعلیم کا حکم۔۔۔۔۔ ایک حدیث مرفوعہ ہے کہ بیٹے پر باپ کا حق ہے کہ اس کو لکھنا سکھائے۔ سیاحت کی تعلیم دے اور تیر اندازی سکھائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس نے تیر اندازی سیکھی اور پھر اسے بھلا دیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ (جس نے تیر اندازی سیکھ کر بھلا دی) اس نے ایک نعمت کو ٹھکر اویا۔

حافظ ابن سیوطی کہتے ہیں کہ تیر اندازی سے متعلق بہت احادیث ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ میں نے تیر اندازی سے متعلق ایک کتاب مرتب کی ہے جس کا نام ”غرس الانتاب فی الری بالعباب“ رکھا ہے۔

تیر انگلنی بہ نیت جہاد مسنون۔۔۔۔۔ عرائس میں ذکر ہے کہ حضرت اسماعیلؑ شکار کے بہت شوقین تھے خاص طور سے پرندوں کے شکار کے اور گھوڑے سواری کے، اسی طرح تیر اندازی کے اور زور آزمائی کے۔ تیر اندازی میں اگر جہاد کی تیاری کی نیت کر لی جائے تو یہ سنت ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

۱۔ حدیث مرفوعہ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے رولوں کا سلسلہ برہنہ اور است حضور ﷺ تک پہنچا ہوا اور جس کی سند خود آنحضرت ﷺ پر جا کر ختم ہوتی ہو۔ مرتب۔

وَاَعِزُّوْا لَهُمْ مَا سَطَعْتُمْ مَعَ قُوَّةِ الْمَخِ (آیتہ)

(ترجمہ) اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان و دست رکھو۔ (سورہ انفال پ ۱۰ ار کو ع ۳)۔

نیز آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے :-

”زور و طاقت تو تیر اندازی میں ہی ہے۔“

اس میں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ زور و طاقت کے اظہار کے لئے تو اور بھی بہت طریقے ہیں صرف تیر اندازی کو ہی طاقت کا ذریعہ کیوں بتلایا گیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف یہی ایک ذریعہ طاقت ہے بلکہ یہ پسندیدگی کا اظہار ہے چنانچہ مؤلف اس بات کو محسوس کر کے لکھتے ہیں کہ (یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ حج عرفات میں قیام کا نام ہے) (اس کا یہ مطلب نہیں کہ حج صرف وقوف عرفات کا نام ہے کیونکہ حج تو طواف، سعی اور رمی وغیرہ سب چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے اس لئے یہ صرف اہمیت کا اظہار ہے۔

حضرت امین عباسؒ نے وَاَعِزُّوْا لَهُمْ مَا سَطَعْتُمْ مَعَ قُوَّةِ کی تفسیر میں تیر اندازی، تلوار چلانا اور ہتھیاروں کا ذکر کیا ہے حافظ سیوطیؒ سے پوچھا گیا کہ کیا (جو نسخہ حرم کے پاس ہے مصر کا طبع شدہ ہے مگر مطبع کا نام نہیں ہے اس میں یہ عبارت بیہیں آکر بغیر خبر کے ختم ہو گئی ہے چھاپنے اور تصحیح کرنے والوں نے بھی اس غلطی کو محسوس کیا اور کتاب کے حاشیہ پر اس نقص کے متعلق نوٹ دیا ہے۔ کتب خانہ دارالعلوم دیوبند میں اس کتاب کا مطبع لاہوری کا بھی ایک نسخہ ہے جو اس نسخے سے مختلف ہے جو مترجم کے پاس ہے مگر یہ عبارت اس میں بھی اسی طرح ناقص ہے اور تصحیح کرنے والے نے اس میں بھی حاشیہ پر اس کے متعلق نوٹ دیا ہے) طبری اور مسعودی نے اپنی تاریخ میں جو ذکر کیا ہے کہ قوس عربیہ (کمان) سے سب سے پہلے جس شخص نے تیر اندازی کی وہ حضرت آدمؑ ہیں۔

آدمؑ کی قوس عربی اور جبرئیلؑ اس کا واقعہ یوں ہے کہ جب جنت سے اتار دیئے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو کھیتی باڑی کا حکم دیا اور انہوں نے کھیتی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے دو (۲) پرندے بھیج دیئے۔ جو حج حضرت آدمؑ کھیت میں ڈالتے یہ پرندے اس کو (مٹی میں سے) نکال کر کھا لیتے۔ حضرت آدمؑ نے اس تکلیف پر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تو ان کے پاس جبرئیلؑ آئے ان کے ہاتھ میں ایک کمان تھی ایک تانت تھی اور دو تیر تھے۔ آدمؑ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے اے جبرئیلؑ حضرت جبرئیلؑ نے ان کو کمان دی اور کہا کہ یہ اللہ کی قوت ہے، پھر تانت دی اور کہا کہ یہ اللہ کی شدت ہے پھر دونوں تیر دیئے اور کہا کہ یہ اللہ کا غلبہ ہے۔ اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے آدمؑ کو تیر اندازی سکھلائی۔ پھر آدمؑ نے دونوں پرندوں پر تیر چلایا اور انہیں مار دیا۔ حضرت آدمؑ نے ان دونوں تیروں کو اپنی تنہائی میں ہتھیار بنائے رکھا۔ اور جب (تنہائی سے) کوشت ہوتی تو یہ تیر ان کی دلجوئی کا سامان بنتے۔ (یہی قوس عربیہ یعنی کمان عربی ہے) پھر یہ قوس عربیہ ابراہیمؑ خلیل اللہ کے پاس پہنچی، پھر ان کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے پاس پہنچی۔ یہ روایت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ ابراہیمؑ کی کمان وہی ہے جو آدمؑ کو جنت سے بھیجی گئی تھی اور انہوں نے اس کو ابراہیمؑ کے لئے ذخیرہ کر دیا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کی کمان..... یہ بات بعض دوسرے مؤرخین کے قول کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ کی کمان اس (یعنی آدمؑ کی کمان) کے علاوہ ہے اور یہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے جنت سے بھیجی گئی تھی۔ اس

کا جواب حافظ سیوطی نے اس طرح دیا ہے کہ میں نے (اس مسئلہ کے متعلق) تدریج طبری میں حضرت آدم و حضرت ابراہیمؑ کی تاریخ و میلہ مکر اس میں یہ روایت نہیں ملی۔ اس کا صحیح ہونا بعید بھی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ساری چیزیں سکھلائی تھیں۔

لولین کمان ساز ابراہیمؑ..... ذکر کیا گیا ہے کہ ابن ابی الدنیا نے اپنی تہ اندازی سے متعلق کتاب میں ضحاک ابن مزاحم کے واسطے سے بیان کیا ہے جنہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا پہلے آدمی جنہوں نے کمانیں بنائیں حضرت ابراہیمؑ ہیں انہوں نے حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کے لئے دو (۲) کمانیں بنائیں اور وہ دونوں ان سے تہ اندازی کیا کرتے تھے۔

حضرت اسحاقؑ اور قوم لوطؑ..... یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے یہاں حضرت اسحاقؑ کی پیدائش اسماعیلؑ کے تیرہ سال بعد اور ایک روایت کے مطابق چودہ سال بعد ہوئی۔ حضرت اسحاقؑ کی والدہ سارہ کے یہاں اسحاقؑ کا حمل اس رات میں ٹھہرا جس میں اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو تباہ کیا۔ اس وقت سارہ کی عمر نوے (۹۰) سال تھی۔

جامع ابن شداد میں مرفوعاً روایت ہے کہ قوم لوطؑ میں لواطت (یعنی ہم جنسی) کا فعل بد مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں چالیس سال پہلے پیدا ہو گیا تھا۔ پھر اس کے بعد عورتیں عورتوں سے جنسی تسکین حاصل کرنے لگیں اور مرد مردوں سے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کو تباہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ قوم لوط کا یہ فعل بد (یعنی ہم جنسی) جانوروں میں سوائے گدھے اور خنزیر کے اور کوئی نہیں کرتا۔ اور جس نے سب سے پہلے قوس فاری کو مکان فاری (کو اختیار کیا وہ نمرود ہے۔ ان دونوں روایتوں میں مطابقت قائل غور ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ابراہیمؑ وہ پہلے آدمی ہوں جنہوں نے ان قوموں کے ختم ہو جانے کے بعد پہلی بار قوسیں بنائی ہوں اس طرح یہ اولیت اضافی ہو جاتی ہے۔

بنی اسماعیل میں خالد بنی..... یہ تو معلوم ہے کہ حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے ہیں عربوں میں سے حضرت اسماعیلؑ کے بعد سوائے آنحضرتؐ کے کوئی نبی بھی مستقل شریعت لے کر نہیں آیا۔ جہاں تک خالد ابن سنان کا تعلق ہے جیسا کہ بعض روایات ہیں تو وہ بنی اسماعیل میں سے ہیں۔ مگر بعض محدثین کہتے ہیں کہ بنی اسماعیل میں آنحضرتؐ سے پہلے سوائے خود حضرت اسماعیلؑ کے کوئی نبی نہیں ہوا۔ البتہ جو ہوئے وہ مستقل شریعت لے کر نہیں آئے بلکہ حضرت عیسیٰؑ کی شریعت کو برقرار رکھنے کے لئے آئے۔

حضرت خالد اور عرب کی آگ..... حضرت خالدؑ کے اور عیسیٰؑ کے درمیان تین سو سال کا فاصلہ ہے۔ یہ حضرت خالد وہی ہیں جنہوں نے وہ آگ بجھائی تھی جو کے اور مدینے کے درمیان جنگل میں اچانک بھڑک اٹھی تھی اور قریب تھا کہ جو سیوں یعنی آتش پرستوں کی طرح عرب بھی اس آگ کی پوجا کرنے لگتے۔ اس کے شعلے (اتنے بلند ہوتے تھے کہ) آٹھ رات کے فاصلے تک سے نظر آتے تھے۔ کبھی کبھی اس میں سے ایک گردن باہر نکلتی اور وہ زمین کی طرف جاتی اور جو چیز وہاں ہوتی اسے کھا لیتی تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت خالد ابن سنان کو اس آگ کے بجھانے کا حکم دیا۔ یہ آگ ایک کنویں میں سے نکلا کرتی تھی اور پھر پھیل جلیا کرتی تھی۔ چنانچہ جب آگ نکلی اور اس کے شعلے پھیلے تو حضرت خالد ابن سنان اس کو (بجھانے کے لئے) مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

”دب جا، دب جا، سب نے ہدایت پائی۔“

اس کے ساتھ ہی آگ بجھتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ (بجھتے بجھتے) آگ کنویں میں اتر گئی۔ حضرت خالد اس کے پیچھے پیچھے کنویں میں اترے۔ کنویں کے اندر انہوں نے چند کتے دیکھے، انہوں نے ان کتوں کو بھی بلالور آگ کو بھی بلالور کر بچا دیا۔

خالد کی بددعا اور آگ..... کہا جاتا ہے کہ اس آگ کے نکلنے کا سبب بھی خود حضرت خالد ہی تھے۔ کیونکہ انہوں نے جب اپنی قوم کو حق کی طرف بلایا تو قوم نے ان کو جھٹلایا اور کہا کہ تو ہمیں دوزخ کی آگ سے ڈراتا ہے اگر تو اس آگ کو ہم پر عذاب کی صورت میں پھیلا کر دکھلا دے تو ہم تیری اطاعت کر لیں گے۔ حضرت خالد نے وضو کیا اور اللہ سے دعا کی۔

”اے اللہ! میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے اور وہ اس وقت تک مجھ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تو اس آگ کو ان پر عذاب کی صورت میں نہ پھیلا دے۔ پس تو اس آگ کو ان کے لئے عذاب بنوے۔“ (حضرت خالد کی اس دعا پر) آگ نکل آئی تو لوگوں نے ان سے کہا اے خالد اس آگ کو ختم کر دو، ہم تم پر ایمان لائے۔ تب حضرت خالد نے اس آگ کو ختم کیا۔

خالد کا معجزہ..... کہا جاتا ہے کہ حضرت خالد کو جب پانی کی طلب ہوتی تھی تو وہ اپنا سر اپنے گریبان میں ڈالتے اور بارش ہونے لگتی اور اس وقت تک نہیں روکتی تھی جب تک کہ وہ اپنا سر نہیں اٹھا لیتے تھے۔

خالد کی بیٹی سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات..... کہا جاتا ہے کہ ان کی صاحبزادی جو بوڑھی ہو چکی تھیں آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے بہت مہربانی کے ساتھ ان سے ملاقات فرمائی اور ان کی اتنی عزت افزائی کی کہ ان کے لئے اپنی چادر بچا دی اور فرمایا۔

”میرے بھائی کی بیٹی کو مر حبا، خوش آمدید۔ اس نبی کی بیٹی کو مر حبا جس کو اس کی قوم نے ضائع کر دیا۔“ کیا عیسیٰؑ و آنحضرت ﷺ کے درمیان نبی نہیں..... اس کے بعد یہ خاتون مسلمان ہو گئیں۔ یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے رجال (روای) قائل اعتماد ہیں۔ مگر بخاری میں روایت ہے :-

”میں ابن مریم (یعنی حضرت عیسیٰؑ) سے دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ قریب ہوں اور میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔“

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث سے ان لوگوں کی بات غلط ثابت ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان حضرت خالد ابن سنان نبی ہوئے ہیں۔ ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ لفظ نبی سے آنحضرت ﷺ کی مراد وہ رسول ہے جو مستقل شریعت لے کر آیا ہو۔ اس کے بعد یہ اشکال نہیں رہتا جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ خالد ابن سنان مستقل شریعت لے کر نہیں آئے تھے۔

ان کے درمیان چار نبی..... نہ اس دوسری روایت سے (کوئی شکل پیدا ہوتی ہے) کہ میرے اور ان کے یعنی عیسیٰؑ کے درمیان نہ کوئی نبی ہے اور نہ رسول۔

مثلاً قوم رس کے بنی حنظلہ..... نہ ہی بیضاوی کے اس کلام سے جو انہوں نے تفسیر کشاف سے لیا ہے کہ

”حدیث مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کے آخر میں تابعی کے بعد صحابہ میں سے کوئی روایت نہ ہو بلکہ سند تابعی تک پہنچ کر کہتی ہو۔ مرتب“

حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان چار نبی ہوئے ہیں نمن بنی اسرائیل میں سے اور ایک عرب میں سے وہ حضرت خالد ابن سنان ہیں اور ان کے بعد حضرت حنظلہ ابن صفوانؓ ہیں جنہیں قوم رس کی طرف حضرت خالدؓ کے سوا سال بعد بھیجا گیا تھا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ان تینوں (اسرائیلی انبیاء) میں سے کوئی بھی مستقل شریعت لے کر نہ آیا ہو بلکہ حضرت عیسیٰؑ کی شریعت ہی کو پھیلانے اور برقرار رکھنے کے لئے آئے ہوں جیسے کہ خالد ابن سنان تھے۔

رس (جس سے قوم رس مشہور ہے) ایک کچا کنواں تھا۔ تفسیر کشاف میں اسی طرح ہے۔ مگر قاموس جیسے صحاح میں پختہ کنواں لکھا ہے۔

سرکش قوم اور حنظلہ کا قتل..... قوم رس نے حضرت حنظلہ کو قتل کر کے اس کنویں میں دھنسا دیا تھا۔ جب انہوں نے حضرت حنظلہ کو اس کنویں میں ڈال دیا تو اس کا پانی بہت نیچے گمرائی میں چلا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سیرابی کے بعد وہ پیاسے ہو گئے، ان کے درخت سوکھ گئے اور پھل ختم ہو گئے۔ حالانکہ اُس کنویں کا پانی اتنا ہوتا تھا کہ ان کی تمام ضرورتیں پوری ہو جاتی تھیں اور ساری زمینوں کو کافی ہو جاتا تھا۔ یہ قوم اس جگہ سے مانوس ہو چکی تھی مگر اب یہاں سے وحشت زدہ ہو گئے اور اجتماعیت اور یکجہایت کے بجائے وہ منتشر ہو گئے (کیونکہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے لوگ یہاں سے لوہر لوہر دوسرے علاقوں میں چلے گئے تھے)۔

قوم پر عذاب کا پرندہ..... یہ لوگ یعنی قوم رس بتوں کو پوجے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو ایک زبردست پرندے کے ذریعہ مصیبت میں مبتلا کیا جس کی گردن بہت لمبی تھی اور اس میں تمام رنگ تھے۔ یہ پرندہ قوم رس کے بچوں پر جھپٹتا تھا اور جب اس کو شک نہ ملتا تھا تو ان بچوں کو اچک کر لے جاتا تھا۔ اگر کوئی اس پرندے کو مارنے کے لئے اس پر جھپٹتا تو وہ اس بچے سمیت مغرب کی سمت جا کر غائب ہو جاتا تھا۔

عقواء مغرب پرندہ..... اس پرندے کی گردن (حق) کے لہا ہونے اور اس کے مغرب کی طرف بھاگ جانے کی وجہ سے اس کو ”عقواء مغرب“ کہا جانے لگا (لفظ عقواء اردو زبان میں بھی مشہور ہے اور کافی استعمال ہوتا ہے جو چیز دستیاب نہیں ہوتی اس کو محاورہ کہتے ہیں کہ فلاں چیز عقواء ہو گئی۔ اصل میں یہ پورا لفظ ”عقواء مغرب“ ہے اور اس کی اصل یہی پرندہ ہے جس کی گردن بہت لمبی تھی۔ گردن کو عربی میں عُنق کہتے ہیں اس لئے اس عجیب و غریب پرندے کا نام عقواء یعنی گردن والا پڑ گیا اور چونکہ مغرب میں جا کر یہ غائب ہوتا تھا اس لئے مغرب کہلایا مگر چونکہ اسے کبھی کوئی پکڑ سکا اور نہ مار سکا بلکہ یہ ہمیشہ غائب ہو گیا اس لئے عرب وغیرہ میں عقواء مغرب ایک فرضی پرندہ کا نام ہو گیا اور ہر اس چیز کے لئے استعمال ہونے لگا جو دستیاب نہ ہو۔ اسی واقعہ کی نسبت سے یہ لفظ عربی میں مصیبت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مرتب)

نبی کو احسان کا صلہ..... اس مصیبت پر ان لوگوں نے حضرت حنظلہؓ سے فریاد کی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس پرندے کی ہلاکت کے لئے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر آسمانی بجلی گرا کر اسے ہلاک کر دیا اور اس کی نسل بھی نہیں چلی۔ حضرت حنظلہؓ کو اس بھلائی کا بدلہ ان کی قوم نے ان کو قتل کر کے اور جو واقعہ گزر چکا ہے اس کے ذریعہ دیا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ حنظلہؓ بھی عرب تھے اور حضرت اسماعیلؑ کی لولاد میں سے تھے۔ پھر میں نے امین کثیر میں دیکھا جنہوں نے لکھا ہے کہ یہ حضرت حنظلہؓ حضرت موسیٰؑ سے پہلے کے زمانے میں

ہوئے ہیں۔

مثلاً حضرت دانیال نبی..... انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر ابن خطابؓ کے زمانے میں تسبیح ہو جو ایک مشہور شہر تھا اس میں (تسبیح کرنے والوں کو) ایک تابوت ملا ایک روایت کے مطابق ایک تخت ملا جس پر حضرت دانیالؑ تھے انہوں نے دیکھا کہ ان کی ناک ایک پالشت لمبی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک ہاتھ لمبی تھی۔ ان کے سر ہائے ایک مصحف یعنی تحریر رکھی ہوئی تھی جس میں قیامت تک چوڑے آنے والے واقعات درج تھے۔ اور اس دن تک (یعنی جب یہ لاش دیکھی گئی) ان کی وفات کو تین سو سال گزر چکے تھے۔

ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اگر ان کی وفات کو اتنی ہی مدت (یعنی تین سو سال) گزر چکی تھی تو وہ کوئی نبی نہیں ہو سکتے بلکہ کوئی نیک اور بزرگ آدمی ہوں گے اس لئے کہ عیسیٰ ابن مریمؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں گزرے ہیں جیسا کہ بخاری میں مذکور حدیث سے ثابت ہے۔

اقول مؤلف کتاب کہتے ہیں کہ اس کے متعلق جو جواب ہے وہ پڑھنے والے کو معلوم ہو چکا ہے کہ نبی سے مراد رسول ہے (کیونکہ نبی وہ ہے جو کسی پچھلی شریعت کو پھیلانے کے لئے بھیجا گیا ہو اور اس کے پاس حضرت جبرئیل آتے ہوں جبکہ رسول وہ ہے جو کوئی مستقل شریعت لے کر آیا ہو اور اس کے پاس حضرت جبرئیل آتے ہوں۔

یہاں مقصد یہ ہے کہ جیسا ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا تو یہاں نبی سے مراد رسول ہے جو اپنی مستقل شریعت لے کر آتا ہے۔ سو ایسا کوئی رسول عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان نہیں۔ البتہ جیسا کہ تفسیر بیضاویؒ اور تفسیر کشاف میں ذکر ہے کہ عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان چار نبی ہوئے ہیں، اس دوران میں رسول کے بجائے نبی کا ہونا ممکن ہے جو حضرت عیسیٰؑ کی شریعت کو برقرار رکھنے کے لئے آئے مرتب۔

یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ بعض روایات میں رسول کا عطف اس سے پہلے ذکر کئے گئے لفظ نبی پر ہوتا ہے (جیسا کہ پچھلی روایت میں ہے کہ میرے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ رسول۔ یہاں لفظ اور سے رسول کا عطف نبی پر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے اس لئے یہاں نبی اور رسول دونوں کی نفی کی گئی ہے) اس اعتراض کو دور کرنے کی یہی صورت ہے کہ یہاں عطف تیسری مانا جائے (یعنی لفظ رسول سے لفظ نبی کی تفسیر و تشریح مقصود ہے) واللہ اعلم۔

عیسیٰؑ و آنحضرت ﷺ کے درمیان فاصلہ..... ان دونوں (یعنی حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ) کے درمیان چار سو سال کا وقفہ ہے، ایک روایت ہے کہ چھ سو سال کا وقفہ ہے اور بعض نے اس میں بیس سال کا اضافہ کیا ہے۔

عدنان کے بعد نسب نامہ غیر یقینی..... حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ ہم نے کسی (نسب کے ماہر) کو نہیں دیکھا جو عدنان اور قحطان سے آگے (آنحضرت ﷺ کا نسب) جانتا ہو سوائے اس نے کہ وہ بھوٹ پھوٹا ہو (یہ عدنان وہی آخری آدمی ہیں جن تک آنحضرت ﷺ کا نسب تحقیق کے ساتھ معلوم ہے اور جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ چونکہ اصل میں یہ آنحضرت ﷺ کے نسب نامے کا باب چل رہا ہے اس لئے اب پھر اسی کا ذکر شروع ہوا ہے۔ درمیان میں اس کے ذیل میں جو واقعات آتے ہیں ان کا ذکر ہوتا ہے اور ان کے بعد پھر اصل

جو اصل صاحب شریعت تھے (یعنی ان کا جو وہ دین لے کر آئے تھے اور وہ حضرت ابراہیم ہیں) پھر (ان کا ذکر کیا گیا) جنہوں نے پہلے ان سے اس دین کو لیا (اور وہ حضرت ابراہیم کے بیٹے حضرت اسحاق ہیں) اور ان کے بعد ان سے لینے والے کا بلتر حیب۔ (چنانچہ حضرت اسحاق کے بعد اسی شریعت کو پھیلانے کے لئے ان کے بیٹے حضرت یعقوب کا ظہور ہوا اور ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت یوسف کا) واللہ اعلم۔

کیا نسب عدنان ابن ادا بن اود تک ہے؟..... حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب نسب بیان فرمایا تو معد ابن عدنان ابن اود سے آگے نہ بڑھے (یہاں متفقہ نسب میں جو عدنان تک ہے ان کے باپ اود کا بھی ذکر ہے) اس کے بعد آپ رک گئے اور پھر دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ نسب بتلانے والے جموعے ہیں۔ یہی ”کتے ہیں“ صحیح یہ ہے کہ یہ قول یعنی ”نسب بتلانے والے جموعے ہیں“ آنحضرت ﷺ کا قول نہیں ہے حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔

اقول۔ مؤلف کتب کہتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود نے جب یہ آیت

پاک پڑھی

اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوءُاَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمَ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَّ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ اَيُّهُمْ تَرْجُوْنَ۔ (اے کفار مکہ) کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں یعنی قوم نوح اور عاد (قوم ہود) اور ثمود (قوم صالح) اور جو لوگ ان کے بعد ہوئے ہیں جن کو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ (سورہ ابراہیم پ ۱۳ کو ع ۱۲)

(یہ آیت پڑھنے کے بعد حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے وہی جملہ) کہا کہ نسب بتلانے والے جموعے ہیں یعنی وہ لوگ جو نسب کے ماہر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے متعلق ان کے علم کی نفی فرمادی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قول پہلے آنحضرت ﷺ نے (اسی بنیاد پر) فرمایا ہو اور پھر حضرت ابن مسعود نے آپ ﷺ کے اتباع میں کہا ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس روایت نے متفقہ شجرے پر یا تو اضافہ ہو جاتا ہے اور یا اس سے کمی ہو جاتی ہے یعنی یا تو اود کا اضافہ ہو جاتا ہے اور یا عدنان (سے) بھی پہلے ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کی کمی ہوتی ہے اور ان دونوں صورتوں میں اس نسب کا خلاف ہو جاتا ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ (اود تک کے شجرے پر مزید اضافہ کرتے ہوئے) بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ (عدنان اود کے بیٹے

نہیں ہیں بلکہ) عدنان اور اود کے درمیان ایک اور بھی ہیں۔ چنانچہ یوں کہا جائے گا۔ عدنان ابن ادا بن اود۔ اود پہلا کاتب عربی..... اس کو اود اس لئے کہا گیا کہ اس کی آواز بہت لمبی تھی اور یہ بہت باعزت اور بلند مرتبہ آدمی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی ولادت میں یہ پہلا آدمی ہے جس نے لکھنا سیکھا۔ مراد ہے عربی لکھنا۔ مگر چچے یہ بات گزر چکی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ سب سے پہلے لکھنا سیکھنے والے نزار ہیں۔ اب یہ دیکھئے کہ آیا اس قول پر پیغمبر ابن عدی کی اس روایت سے تو کوئی اذکار پیدا نہیں ہو تا کہ عربی لکھنے کو حیرہ سے مجاز تک پہنچانے والا حرب ابن امیہ ابن عبد شمس ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ اولیت یعنی قریش کی اولیت اضافی ہے۔ عدنان واسماعیلؑ کے درمیان فاصلہ..... کہا جاتا ہے کہ عدنان کو عدنان اس لئے کہا گیا کہ انسان اور جن سب کی نظر اس کی طرف دیکھتی رہتی تھیں۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ عدنان اور حضرت اسماعیلؑ کے درمیان جو شجرہ ہے اس کے متعلق لوگوں کے درمیان اختلاف ہے کچھ لوگ (ان کے درمیان) سات باپ

(یعنی سات پشتیں) بتلاتے ہیں، بعض نو پشتیں بتاتے ہیں، کچھ پندرہ کہتے ہیں اور دوسرے بعض لوگوں نے چالیس پشتیں بتلائی ہیں۔ واللہ اعلم :-
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا۔ آیت (سورہ فرقان پ ۹ کو رخ ۳)
ترجمہ۔ اور ان کے بیچ بڑے سی امتوں کو ہلاک کر دیا۔

آدم و ابراہیم کے درمیان فاصلہ..... یعنی ان سب قرون اور زمانوں کو جان لینا ممکن نہیں ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آدم اور نوح کے درمیان دس قرن ہیں (قرن کے معنی سو (۱۰۰) سال کی مدت کے ہیں) اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے درمیان دس قرن ہیں۔

دنیا کی عمر..... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ دنیا کی عمر یعنی حضرت آدمؑ سے سات ہزار سال ہے آنحضرت ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے دنیا کی عمر میں سے پانچ ہزار سات سو چالیس سال گزر چکے تھے۔ ابو خنیمہ کی روایت ہے کہ پانچ ہزار آٹھ سو سال گزر چکے تھے۔

آدم و آنحضرت ﷺ کے درمیان فاصلہ..... مؤلف کہتے ہیں کہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ کی تخلیق سے آنحضرت ﷺ کے ظہور تک پانچ ہزار آٹھ سو تیس سال گزرے تھے۔

امت مسلمہ کی عمر..... صحاح کے طریقے سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ دنیا سات دن کی ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ظہور آخری دن میں ہوا ہے۔

چودھویں صدی..... حافظ سیوطیؒ نے لکھا کہ احادیث اور آثار یعنی صحابہؓ کے اقوال اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ اس امت کی عمر ایک ہزار سال سے زیادہ ہے مگر وہ امت مسلمہ کی عمر اور یہ (ایک ہزار سال پر) جو زیادتی ہے وہ پندرہ سو سال تو بالکل نہیں ہے البتہ تقریباً چودہ سو سال تک ہے۔

جہاں تک یہ روایت لوگوں میں مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک ہزار سال سے زیادہ اپنی قبر مبارک میں نہیں رہیں گے۔ بالکل غلط ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک حافظ سیوطیؒ کا کلام ہے۔

پانچ سو سال کا اضافہ ممکن..... مگر حافظ سیوطیؒ کا یہ قول کہ یہ زیادتی پندرہ سو سال تک نہیں ہے کیا اس قول کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے عاجز نہیں ہے کہ اس امت کی عمر آدھے دن بڑھا دے یعنی پانچ سو سال اضافہ کر دے (کیونکہ گذشتہ روایت میں ذکر ہوا ہے کہ ایک دن ایک ہزار سال کا ہے)

دنیا کی عمر اور نجومیوں کے اقوال..... بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ دنیا کی عمر کے متعلق نجومیوں کے مختلف قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ متحرک ستاروں کی تعداد کے مطابق اس دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے کیونکہ ایسے ستارے سات ہیں۔ بعض نے بروج عدد کے مطابق دنیا کی عمر بارہ ہزار سال بتلائی ہے۔ اور بعض درجہ فلک کے عدد کے مطابق اس کی عمر تین لاکھ ساٹھ ہزار سال بتلاتے ہیں۔ مگر یہ سب عقلی نظریات ہیں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

تخلیق کائنات کی ترتیب اور فاصلے..... شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عالم طیبی کو پیدا کرنے کے اکثر (۷۱) ہزار سال بعد عالم موجودات میں سے جہلات، نباتات اور حیوانات کی تخلیق کو مکمل فرمایا اور عالم طیبی کی تخلیق کے چوں ہزار سال بعد اللہ تعالیٰ نے دنیا کو تخلیق فرمایا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے

دنیا کے نو ہزار سال بعد آخرت یعنی جنت اور دوزخ کو تخلیق فرمایا اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم کی بقاء کی کوئی مدت نہیں رکھی بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

تخلیق دنیا اور تخلیق آدم کے درمیان فاصلہ..... (قال) دنیا کی عمر میں سے ستر ہزار سال گزر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم کی مٹی کو تخلیق فرمایا اور اس وقت آخرت کی عمر میں سے جس کی کوئی انتہاء نہیں ہے اور جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے آٹھ ہزار سال گزر چکے تھے۔

تخلیق جنت اور آدم کے درمیان فاصلہ..... خدا نے زمین پر جنت کو آدم سے ساٹھ ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔ شاید یہی معنی میں بعض حضرات کے اس قول کے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم سے پہلے ایک مخلوق پیدا فرمائی تھی جو جانوروں اور درندوں کی صورت کی تھی۔ پھر اس کے بعد حق تعالیٰ نے اس مخلوق کو ختم فرمایا۔ جنت کی قدیم نسلیں..... کہا جاتا ہے کہ یہ جنت بڑ، طم بڑ، جس اور بس تھے (یہ سب مختلف مخلوقات کے نام ہیں) انہوں نے زمین پر زبردست فساد پھیلا یا اور خوں ریزی کی جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

کیا آدم بھی متعدد ہوئے؟..... شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ایک ایسی قوم کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا جن کو میں نہیں جانتا تھا ان میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ کیا تم مجھے نہیں جانتے؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ میں تمہارے سب سے اولین آباء و اجدادوں میں سے ہوں۔ میں نے پوچھا کہ تمہیں مرے ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس نے کہا کہ چالیس ہزار سال سے کچھ زیادہ۔ میں نے کہا کہ آدم کو تو اتنی مدت نہیں گزری ہے۔ اس نے کہا کہ تم کون سے آدم کے متعلق کہہ رہے ہو، آیا اس آدم کے متعلق جو تم سے قریب ہیں یا کسی دوسرے آدم کے متعلق۔

ایک لاکھ آدم کے متعلق حدیث..... یہ سن کر مجھے وہ حدیث یاد آئی کہ آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ آدم پیدا فرمائے ہیں تو میں نے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ جد (دلو) جن کی طرف میرا اشارہ ہے ان ہی میں سے ہو جبکہ تاریخ اس بارے میں نامعلوم ہے باوجود یہ کہ یہ عالم بلا شک حادث ہے (حادث سے مراد نو پیدا شدہ یعنی جس کی کوئی ابتداء ہو۔ کیونکہ فلسفیوں کے ایک طبقے کا وجود ہریوں کا ہے یہ دعویٰ ہے کہ عالم قدیم ہے یعنی اس کی کوئی ابتداء نہیں ہے) (نعوذ باللہ)۔ یہاں تک شیخ محی الدین کا کلام ہے۔

سام اور عیسیٰ کے درمیان فاصلہ..... شیخ عبد الوہاب شعرانی نے کہا کہ وہب ابن منبہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے حضرت مسیح (عیسیٰ) مسیح سے درخواست کی کہ ان کے سامنے سام ابن نوح کو زندہ کر کے دکھائیں۔ حضرت مسیح نے فرمایا مجھے ان کی قبر دکھا دو۔ قبر پر پہنچ کر مسیح ”کھڑے ہوئے اور کافہم بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰی“ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑا ہو چلا۔ چنانچہ سام نکل کر کھڑے ہو گئے مگر اس حال میں کہ ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال بالکل سفید تھے۔ مسیح نے ان سے پوچھا کہ جب آپ کا انتقال ہوا تھا تو اس وقت تو آپ کے بال سیاہ تھے۔ سام نے جواب دیا کہ جب میں نے توفیق سنی تو میں سمجھا کہ قیامت ہو گئی ہے (اس خیال کے ساتھ ہی خوف کی وجہ سے) فوراً میرے بال سفید ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ نے ان سے پوچھا، آپ کے انتقال کو کتنے سال ہوئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ پانچ ہزار سال۔ مگر اب تک مجھ میں سے میری روح نکلنے کی حرارت اور تھکن دور نہیں ہوئی۔ (اس روایت سے گویا حضرت عیسیٰ اور سام ابن نوح کے درمیان فاصلہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے)۔

مزید نسب نہ ملنے کی وجہ..... عدنان سے حضرت آدم تک نسب کے سلسلے میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ

قدیم عرب صاحب کتاب نہیں تھے۔ وہ (اپنی تاریخ و نسب کے سلسلے میں) ان کی طرف رجوع کیا کرتے (صاحب کتاب سے مراد یہ ہے کہ قدیم عربوں میں کوئی پیغمبر آسمانی کتاب لے کر نہیں آیا) بلکہ ان لوگوں کا دلوں ایک دوسرے کے حافظہ پر تھا اور شاید یہ بات اس روایت کے خلاف نہیں کہ پہلا آدمی جس نے لکھنا سیکھا محد اور زمار تھے۔

سبط امین جوزیؒ نے لکھا ہے کہ اس اختلاف کا سبب دراصل یہودیوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے کیونکہ ان لوگوں میں نوح سے آدم تک کے اور دوسرے نبیوں کے درمیان جو مدت اور زمانہ ہے اس میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔

اگلے نسب میں عدم جہتو..... امین عباسؒ فرماتے ہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ اس (درمیانی مدت اور شجرے کو) جاننا چاہتے تو یقیناً جان سکتے تھے (یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے واقف کر دیتا) مراد یہ ہے کہ اگر آپ لوگوں کے علم کے لئے یہ بات معلوم کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے۔

کیا حضور ﷺ کو اگلا نسب معلوم تھا..... اس روایت کو اس طرح پڑھنا اس سے یہ معنی نکلتے ہوں جو بیان کئے گئے زیادہ بہتر ہے (کیونکہ اسی روایت کے عربی الفاظ کو اگر زیر اور جزم کے بجائے تشدید کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی یہ ہو جائیں گے کہ اگر آپ ﷺ اس درمیانی زمانے کو بتلانا چاہتے تو بتلا سکتے تھے۔ مگر مؤلف کہتے ہیں کہ اس عبارت کو اس طرح پڑھنا زیادہ مناسب ہے جس سے وہ معنی پیدا ہوں جو پیچھے ذکر کئے گئے کیونکہ ان معنی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خود آپ کو بھی اگرچہ اس زمانے کا علم نہیں تھا لیکن اگر آپ اس کو معلوم کرنا چاہتے تو معلوم کر سکتے تھے تاکہ پھر لوگوں کو بھی بتلا دیں۔

دوسری صورت میں جو معنی بنتے ہیں ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اس زمانے کا علم تھا لیکن آپ نے ہمیں نہیں بتلایا اگر آپ چاہتے تو ہمیں بھی بتلا دیتے۔

ترتیب زمانہ انبیاء..... علامہ امین جوزیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان حضرت شیثؑ اور حضرت لوطؑ گزرے ہیں اور حضرت نوح اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان میں حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ گزرے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰ ابن عمران کے درمیان حضرت اسماعیلؑ حضرت اسحاق اور حضرت لوطؑ گزرے ہیں۔ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کے درمیان حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ گزرے ہیں۔ حضرت لوطؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے بھانجے اور بن کے کاتب تھے۔ حضرت شعیبؑ کو (جو بہترین مقرر تھے) انبیاء کا خطیب کہا جاتا ہے۔

حضرت یعقوبؑ و یوسفؑ..... حضرت یوسفؑ اس وقت پیدا ہوئے تھے جب حضرت یعقوبؑ کی عمر اکیانوے (۹۱) سال کی ہو چکی تھی حضرت یوسفؑ جب حضرت یعقوبؑ سے جدا ہوئے تو اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ ان کے درمیان اکیس سال جدائی رہی اور دوبارہ مل جانے کے بعد سترہ سال اکٹھے رہے۔ یہاں تک سبط امین جوزیؒ کا کلام ہے۔

یوسفؑ کے فراق و وصال کی مدت..... اتفاق میں لکھا ہے کہ یوسفؑ کو جب کنویں میں ڈالا گیا تو اس وقت ان کی عمر بارہ سال تھی اور اسی سال کی عمر کے بعد باپ سے ملاقات ہوئی۔ ان کی عمر ایک سو میں (۱۲۰) سال ہوئی اور یہ عزیز مصر کے کاتب تھے۔

فراق یوسف کا سبب..... کہا جاتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کے درمیان جدائی کا سبب یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے ایک بکری کا بچہ اس کی ماں کے سامنے ذبح کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوئی اس لئے انہیں خون کے بدلے میں خون دکھلایا، جدائی کے بدلے میں جدائی دکھائی اور سوزش کے بدلے میں سوزش دکھائی (کیونکہ حضرت یوسفؑ کے بھائی جب یوسفؑ کو کتوس میں ڈال کر آئے تو انہوں نے اپنے والد حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کا کپڑا دکھلایا جو وہ جانور کے خون سے رنگ لائے تھے اور کہا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا خاگر لے گیا۔ اس پر بے وقاحت کا قرآن پاک میں ذکر ہے)

حضرت موسیٰ و داؤدؑ..... حضرت موسیٰ ابن عمران جو بنی اسرائیل کے پہلے نبی ہیں اور حضرت داؤدؑ کے درمیان پوشش ہوئے جو حضرت ہارونؑ کی طرح حضرت موسیٰ کے کاتب تھے۔

داؤدؑ کی مذاق سے ممانعت..... روایت ہے کہ جب حضرت داؤدؑ نے اپنے بیٹے حضرت سلیمانؑ کو اپنا جانشین بنایا تو ان کو جو نصیحتیں کیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

”میرے بیٹے مذاق (ہنسی غلطی) سے ہمیشہ بچتے رہنا اس لئے کہ اس سے فائدہ تو بہت کم ہے جبکہ بھائیوں کے درمیان یہ دشمنی پیدا کرتی ہے۔“

مذاق دشمنی کا بیج..... اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ”بچوں سے مذاق مت کرو ورنہ ان کی نظروں میں ہلکے ہو جاؤ گے اور شریف آدمی سے حوائق کرو گے تو وہ تم سے حسد کرنے لگے گا اور ذلیل آدمی سے حوائق کرو گے تو وہ تمہارے سر چڑھ جائے گا، ہر چیز کا ایک بیج ہوتا ہے اور دشمنی کا بیج مذاق ہے۔“

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مذاق آدمی کے وقار اور ہیبت کو ختم کر دیتا ہے اور کینہ کا بیج ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پھوٹ اور ناچاقی کا سبب مذاق ہے۔

چند پسند..... یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو زیادہ مذاق کرتا ہے وہ یقیناً تو دوسروں کی نظروں میں ہلکا ہو جاتا ہے اور یا لوگ اس سے حسد رکھنے لگتے ہیں۔ لوگوں سے لالچ چھوڑ دو اس لئے کہ یہی اصل دولت اور امیری ہے۔ اور ایسی بات کہنے اور کرنے سے بچو جس پر بعد میں تمہیں معذرت کرنی پڑے۔ اپنی زبان کو بچ کی عادت ڈالو اور نیکی اور دوسروں سے بھلائی کرتے رہو، جاہلوں کی مجلس میں ہرگز نہ بیٹھو اور اگر غصہ آئے تو زمین پر بیٹھ جاؤ یا لیٹ جاؤ۔

حدیث میں آتا ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو غصہ آجائے تو اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔

اچانک مرنے والے انبیاء..... انبیاء میں جن کی وفات اچانک ہوئی ہے حضرت داؤدؑ (بھی ہیں اور ان کے علاوہ) ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ اور حضرت ابراہیمؑ ہیں۔

پھر (حضرت موسیٰ ابن عمران اور حضرت داؤدؑ کے درمیان جو نبی ہوئے ہیں (ان میں) پوشش کے بعد کالب ابن یوسفؑ جو حضرت یوسفؑ کے خلیفہ ہیں پھر حزقیلؑ ہیں جو کالب کے خلیفہ ہیں علیکم السلام۔

حضرت کالب ابن عجز..... حضرت کالب کو ابن عجز (یعنی بڑھیا کا بیٹا) کہا جاتا تھا اس لئے کہ ان کی والدہ بوڑھی اور ناجھ ہو گئی تھیں (مگر ان کے کوئی نولاد نہیں ہوئی تو) انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ یہ انہیں ایک بیٹا عطا فرمائے (چنانچہ ان کی دعاء مقبول ہوئی اور) ان کے یہاں حضرت کالبؑ پیدا ہوئے۔ یہ ذوالکفل

ہیں اس لئے کہ انہوں نے نبیوں کی ضمانت اور ذمہ داری لی اور انہیں قتل ہونے سے بچایا۔
 حضرت شموئیلؑ و طاووتؑ..... پھر (کالب کے بعد) طاووت ملک ہیں۔ جب حضرت شموئیلؑ کی وفات کا
 وقت قریب آیا تو (ان کی قوم) بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ ہمارے درمیان ایک بادشاہ متعین فرما
 دیجئے۔ حضرت شموئیلؑ نے طاووت کو بادشاہ بنا دیا۔ طاووت قوم کے بڑے لوگوں میں سے نہیں تھے بلکہ
 چردا ہے تھے۔ ایک روایت ہے کہ پانی بھرنے کا کام کرتے تھے۔ کچھ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کچھ اور تھے۔
 داؤد و عیسیٰؑ کے درمیان انبیاء..... اور حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان جو بنی اسرائیل کے
 آخری نبی تھے حضرت ایوبؑ ہوئے پھر حضرت یونسؑ ہوئے پھر حضرت شعیاؑ ہوئے پھر حضرت اہصاءؑ پھر
 حضرت ذکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ ہوئے۔

ابو حیان نے نہر میں اس آیت پاک کی تفسیر میں لکھا ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ الْآخِيَةِ

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) دی اور (پھر) ان کے بعد یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجے رہے۔

پ ۱ سورہ بقرہ رکوع ۱۰

موسیٰ و عیسیٰؑ کے درمیان ایک ہزار نبی..... حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان جو نبی گزرے
 ہیں وہ یہ ہیں حضرت یوشعؑ، حضرت شموئیلؑ، حضرت شمعونؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت شعیاؑ
 حضرت ارمیاءؑ، حضرت عزیرؑ، حضرت حزقیلؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت یونسؑ، حضرت ذکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ
 علیہم السلام۔ ان میں حضرت عزیرؑ، حضرت ہارونؑ ابن عمرانؑ کی اولاد میں ہیں۔ اور یہ کہ حضرت موسیٰؑ اور
 حضرت عیسیٰؑ کے درمیان ایک ہزار نبی گزرے ہیں۔ یہاں تک ابو حیان کا کلام ہے۔

حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کے کاتب تھے حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان جو نبی ہیں
 ان کے متعلق بحث پیچھے گزر چکی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے نسب کا شرف

آپ ﷺ کے نسب کے شرف و منزلت اور عظمت و شان کے متعلق جو احادیث آتی ہیں ان میں ایک
 حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ افلاں آدمی
 بنی ثقیف کے افلاں آدمی کے بدلے میں قتل کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ اسے دور کرے وہ قریش سے
 بغض رکھتا تھا۔“

قریش کی فضیلت..... جامع صغیر میں ہے ”قریش لوگوں کی راستی اور نیکی ہیں اور لوگ ان کے بغیر درست
 نہیں ہو سکتے جیسے کہ کھانا نمک کے بغیر درست نہیں ہوتا۔ قریش اللہ کے دوست ہیں، جس نے ان سے لڑائی
 باندھی وہ تباہ ہوا اور جس نے ان سے برائی کرنے کا ارادہ کیا وہ دنیا اور آخرت میں رسوا ہوا۔“

تو بنی قریش کا ارادہ بھی ناجائز..... حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے عی یہ حدیث بھی نقل ہے کہ
 آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

”جس نے قریش کی توہین کرنے کا ارادہ کیا، اللہ اس کی توہین کرتا ہے“ (آخر حدیث تک)

سب سے بدترین توہین جو ہو سکتی ہے وہ آخرت میں توہین ہے۔

ارادۂ عمل پر سزا نہیں..... (یہاں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کا انصاف اور عدل یہ ہے کہ وہ محض بدی کو سوجنے اور ارادہ کرنے پر سزائیں دیتا ہوگا اس کے لئے بدی کا سرزد ہو جانا ضروری ہے کیونکہ سزا و جزا عمل پر ہے۔ لوہر کی حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ جس نے قریش کی توہین کا ارادہ کیا توہین کرنی چاہی اللہ تعالیٰ اس کی توہین کرے گا اور سب سے بدترین توہین، توہین آخرت ہے۔ یہاں محض ارادہ کرنے یا چاہنے پر سزا کا حکم کیوں ہے اس پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) یہاں ارادہ سے یا تو عزم اور پختہ ارادہ مراد ہے یا مبالغہ مقصود ہے اور یا پھر یہ (محض ارادہ بد پر سزا کا سختی ہو جانا) قریش کی خصوصیات میں سے ہے۔ تینوں صورتوں میں یہ حدیث اس کے خلاف نہیں ہوتی کہ اپنے انصاف میں اللہ کا یہ عام حکم اور فیصلہ ہے کہ محض ارادہ پر کوئی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ سزا اور جزا صرف اعمال پر اور ان اقوال پر ہوگی جو واقع ہو چکے ہوں۔ یا پھر ایسے اقوال پر ہوگی جو واقعہ کے درجہ میں ہوں جیسے پختہ عزم اور قطعی ارادہ (کیونکہ فیصلہ آخری اور قطعی ہو جائے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے عمل میں آچکا ہے) اور نہ یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے کہ آدمی جو کچھ اپنے دل میں سوچتا ہے اس پر اس سے کوئی پناہ نہیں ہوتی۔

قریش کی منفرد خصوصیات..... حضرت اُمّ ہانی بنت ابوطالب سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سات خصوصیتوں کی وجہ سے قریش کی فضیلت بیان فرمائی جو ایسی خصوصیات ہیں کہ نہ ان سے پہلے کسی کو (یہ سب) ملیں اور نہ ان کے بعد کسی کو دی جائیں گی۔ ان میں نبوت کا ہونا، ان میں خلافت کا ہونا، ان میں منصب حجاب کا ہونا، ان میں منصب سقاہ کا ہونا، اصحاب قبل یعنی ابراہیم کے لشکر پر ان کی فتح، ان کا سات سال اور ایک روایت کے مطابق دس سال اس طرح خدا کی عبادت کرنا کہ ان کے سوا کوئی اللہ کی عبادت نہیں کر رہا تھا اور ان کے متعلق قرآن پاک کی ایک آیت کا اترنا جس میں ان کے سوا کسی کا ذکر نہیں یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَوْمِ الْبَيْتِ یہاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَوْمِ الْبَيْتِ کو ایک سورت کا نام دینا بعض لوگوں کے اس قول کو رد کرتا ہے کہ سورۃ قبل اور لایلاف قریش ایک ہی سورت ہے۔

اس گزشتہ حدیث کا یہ جز قاطل غور ہے کہ قریش نے بغیر دوسروں کے اتنی تہذیب اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔

محبت قریش علامت ایمان..... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ قریش سے محبت رکھنا ایمان ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ تمام لوگ قریش کے تابع ہیں۔ عام مسلمان قریشی مسلمانوں کے تابع ہیں اور عام کافر قریشی کافروں کے تابع ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم قریش میں ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ امام اور سرور قریش میں سے ہونے چاہئیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کے روایوں کو ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے جس کا نام انہوں نے "لذۃ العیش فی طرق حلیۃ الامۃ من قریش" رکھا ہے۔

قریش کا علم..... ایک حدیث میں ہے کہ قریش کا عالم زمین کے طبقات کو علم سے محروم رہا ہے۔

ایک روایت میں کہ قریش کو ہدایت کو اس لئے کہ ان میں کا عالم زمین کے طبقات کو علم سے بھر دیتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اے اللہ! قریش کو ہدایت عطا فرما اس لئے کہ ان میں کا عالم زمین کے طبقات کو علم سے بھر دیتا ہے۔

امام شافعیؒ بھی قریشی..... اماموں کی ایک جماعت کا قول ہے جن میں امام احمد ابن حنبلؒ بھی ہیں کہ وہ عالم امام شافعیؒ ہیں کیونکہ صحابہؓ اور دوسرے حضرات میں کسی قریشی عالم کا علم زمین کے طبقات میں اتنا نہیں پھیلا جتنا امام شافعیؒ کا پھیلا ہے۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان اماموں میں جن کا فردی مسائل میں اجماع کیا جاتا ہے امام شافعیؒ کے سوا کوئی قریشی نہیں ہے۔ یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ امام مالک ابن انسؒ بھی قریشی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس قول باطل کے مطابق قریشی ہوتے ہیں کہ قصی ابن کلاب قریش کا مورث اعلیٰ ہے۔

سبکی کہتے ہیں کہ علماء نے لکھا ہے امام شافعیؒ کے خواص میں سے یہ ہے کہ جو بری نیت کے ساتھ من کے پالان کے مذہب کے درپے ہو لوہو بہت جلد ہلاک ہو گیا۔ ان حضرات کی اس بات کی بنیاد رسول اللہ کا یہ قول ہے کہ جس نے قریش کی توہین کی اللہ تعالیٰ اس کی توہین کرتا ہے۔ یہاں تک امام سبکی کا کلام ہے۔

حافظ عراقیؒ کہتے ہیں اس حدیث کی سند کزوری سے خالی نہیں کہ ”قریش کو ہدایت کوں کیونکہ ان میں کا عالم طبقات زمین کو علم سے بھر دیتا ہے۔“ اس قول کے ذریعہ انہوں نے منہل کی اس بات کو رد کر دیا ہے کہ یہ حدیث موضوع (من گھڑت) ہے۔ حاشا لو کلام امام احمد بن حنبلؒ کسی موضوع حدیث کو اپنی کسی بات کی دلیل نہیں بنا سکتے۔ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ (اسی حدیث کے ذریعے) وہ امام شافعیؒ کی فضیلت ثابت کریں۔

ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ایسے معاملوں میں یعنی تریف فضائل میں رائج اور مشہور ہے اور اس کو موضوع سمجھنا تو حسد کی وجہ سے ہے اور یا کھلی غلطی ہے۔

موت عالم موت عالم..... ریح سے روایت ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت آدمؑ کی وفات ہو گئی میں نے اس بارے میں (علماء سے تعبیر کے متعلق) سوال کیا۔ مجھے بتلایا گیا کہ یہ زمین والوں میں سب سے بڑے عالم کی موت ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو سب کچھ سکھلادیا تھا (اس لئے ان کی موت دیکھنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ موجودہ وقت میں سب سے بڑے عالم کی موت ہونے والی ہے) تھوڑے ہی عرصہ کے بعد امام شافعیؒ کی وفات ہو گئی۔

سہیل سیکندر حیدر باطنیؒ آزاد

امام شافعیؒ کے اقوال زیریں..... امام شافعیؒ کے جو اقوال نقل کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ :
”جو تمہارے سامنے تمہاری ایسی صفات بتلائے اور ایسی تریف کرے جو تم میں نہیں ہیں وہ تمہیں گویا گالیاں دیتا ہے۔ جو تمہیں دوسروں کی باتیں سناتا ہے وہ تمہاری باتیں بھی دوسروں کو سنائے گا، جس نے تمہارے پاس آکر کسی کی چٹلی کی وہ کسی دوسرے سے تمہاری بھی چٹلی کرے گا، اور ایسا شخص جس کو اگر تم خوش کر دو تو تم میں ایسی اچھائیاں گنائے جو تم میں نہیں ہیں اگر تم اس کو بدامان کر دو تو تم میں وہ برائیاں گنائے گا جو تم میں نہیں ہیں۔“

قریش کے متعلق نصائح نبوی ﷺ..... قریش کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :-

قریش کو آگے رکھوان سے آگے مت بڑھو۔ ایک روایت میں ہے کہ ان پر علم میں غلبہ پانے کی کوشش مت کرو اور نہ علم میں ان پر برتری کی کوشش کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کو اس لوئی مقام پر مت رکھو جو اسلحہ کے مقابلے میں شاکر دکا ہوتا ہے۔“

آپ ﷺ ہی کا فرمان ہے :-

”قریش سے محبت کرو اس لئے کہ جو ان سے محبت کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے گا۔“

قریش کی عالی مقامی..... آپ ﷺ کا ایک اور امر شاہ ہے :-

”اگر قریش کے مفرد و متکبر ہو جائے گا اور نہ ہوتا تو میں ان کو بتلاتا کہ اللہ عزوجل کے نزدیک ان کا کتنا اونچا درجہ ہے۔“

سنن ماثورہ میں امام شافعی سے ایک روایت نقل ہے جس کو حزنی نے بیان کیا، امام طحاوی نے کہا ہم سے حزنی نے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ہم سے امام شافعی نے بیان کیا کہ قتادہ بن نعمان کا (کسی معاملے میں) قریش سے جھگڑا ہو گیا اور قتادہ نے گویا میں برا بھلا کہا۔ آنحضرت نے فرمایا۔

”مفرد و قتادہ قریش کو بر امت کو اس لئے کہ شاید تمہیں ان میں ایسے آدمی نظر آئیں جن کو اگر تم دیکھ لو تو تم ان سے خوش ہو، اگر قریش کے مفرد و متکبر ہو جائے گا اور نہ ہوتا تو میں انہیں بتلاتا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا کتنا بلند درجہ ہے۔“

یعنی اگر یہ ڈرنے ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنے مرتبے اور بڑائی کو جان کر وہ عمل ہی نہیں چھوڑ دیں گے بلکہ شاید اس بھروسہ پر وہ مجازت و حرکتوں کا ارتکاب بھی کر ڈالیں گے تو میں ان کو یہ باتیں بتلاتا۔

مگر ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”تو میں بتلاتا کہ ان میں کے نیکو کاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں کتنا بڑا دوست ٹوکا ہے۔“

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قریش کی کتنی زیادہ قدر و منزلت اور کتنا اونچا مرتبہ

قریش کی امانت داری..... ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

”تو گواہی کہ قریش امانت دار ہیں جو ان کے لئے برائی چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو لوندا کر دے گا۔“

آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ وہ مسجد نبوی ﷺ میں تھے کہ ان کے پاس حضرت سعید ابن عامر کا گزروا اور حضرت عمرؓ نے ان کو سلام کیا اور کہا، سچھے! خدا کی قسم میں نے جنگ بدر میں تمہارے باپ کو قتل نہیں کیا (اور اگر میں نے کیا ہوتا) تو میں ایک مشرک کے قتل کے بارے میں کیوں معذرت کرتا۔

حضرت سعید ابن عامر نے جواب دیا کہ اگر آپ ہی قتل کرتے تو بھی آپ حق پر تھے اور وہ باطل پر۔ حضرت عمرؓ کی اس بات پر حیران رہ گئے اور کہا کہ قریش خیالات کے لحاظ سے لوگوں میں سب سے افضل ہیں اور امانت داری کے لحاظ سے سب سے بلند مرتبہ ہیں۔ جو قریش کی برائی چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو لوندا کر دے گا (یعنی اسے ذلیل کر دے گا) یہاں تک سنن ماثورہ کی روایت ہیں۔

حضرت سعیدؓ کے باپ عاص کو قتل کرنے والے حضرت علی ابن ابوطالب ہیں۔ ایک روایت ہے کہ سعد ابن ابی وقاص ہیں۔ حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ میں نے جنگ بدر میں عاص کو قتل کیا اور اس کی تلوار حاصل کی۔

قریش کے نیک و بد کی شان..... آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ قریش کے شریر لوگ شریر آدمیوں میں بہتر ہیں۔ ایک روایت ہے کہ قریش کے اچھے لوگ عام اچھے لوگوں سے بہتر ہیں اور قریش کے شریر آدمی عام شریر آدمیوں سے برے ہیں۔ یہاں غالباً دوسرے حصے میں ”بہتر“ کا لفظ چھوٹ گیا جس سے پچھلی روایت اور اس روایت میں مطابقت پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ گذشتہ روایت اسی کا تقاضہ کرتی ہے (کہ اچھے لوگ اچھوں میں بہتر ہیں اور برے لوگ بدوں میں بہتر ہیں) یہ بھی ممکن ہے کہ اس روایت کو جو ان کا توں رہنے دیا جائے (یعنی قریش کے شریر، شریروں میں بدترین ہیں) اس لئے کہ قریش مقتدا ہیں (اور مقتدا ہونے کی شان ان میں ہر صورت میں پائی جاتی ہے) مگر بدترین قسم کے شریر تھے (مگر چونکہ بدترین ہونے کے باوجود بھی مقتدا ہونے کی شان ان میں موجود تھی اس لئے ان کو عام بدترین لوگوں میں بہتر کہنے کی یہی وجہ ہے۔ یا اگر ان میں بدترین میں بدترین کہا جائے تو اس بنا پر کہ مقتدا ہونے کی شان چونکہ ان میں ہے (اس لئے اچھے ہوں گے تو عام اچھے آدمیوں میں بہترین ہوں گے اور شریر ہوں گے تو عام شریروں میں بدترین کہلائیں گے)

قریش اس دین کے والی..... پھر میں نے سنن ماثورہ میں حضرت امام شافعیؒ کی ایک روایت دیکھی جس کو مزنی نے ان سے نقل کیا ہے کہ قریش کے اچھے آدمی اچھوں میں بہترین ہیں اور قریش کے برے آدمی بدوں میں بہترین ہیں۔

حدیث میں ہے کہ قریش اس دین کے والی ہیں۔ پس نیک آدمی قریش کے نیک آدمیوں کے تابع ہیں اور فاجر آدمی قریش کے فاجروں کے تابع ہیں۔ اسی بناء پر امام طحاویؒ نے فرمایا ہے کہ ”قریش اہل امانت ہیں“ مزنی نے اس کو اسی طرح ”اہل امانت“ توں کے ساتھ پڑھا ہے۔ حقیقت میں یہ یم کے ساتھ ”اہل امانت“ ہے (یعنی قریش ان میں سے ہیں جن میں سرداری ہے)۔

ہمدے بعض فقہاء کہتے ہیں کہ قریش قطب عرب ہیں (یعنی تمام عربوں کا ان پر مدد ہے) اور ان میں بھلائی اور مرؤت ہے۔

حضور ﷺ کی عظمت شان..... آنحضرتؐ کے اس نسب کے عظمت و شرف پر جو دوسری روایت ہیں ان میں سے ایک وہ بھی ہے جو حضرت عمرو ابن العاصؓ سے روایت ہے کہ (اے حضرت ﷺ نے فرمایا) اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں میں عربوں کو منتخب فرمایا اور ان تمام عربوں میں جن میں سے میں ہوں مجھے ان میں سے منتخب فرمایا (یعنی نبی ہاشم میں سے)

حضرت داؤد ابن ابیہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔
”اللہ تعالیٰ نے نبی کنانہ میں سے قریش کو چنا، پھر قریش میں سے نبی ہاشم کو چنا اور نبی ہاشم میں سے مجھے چنا۔“

آنحضرت ﷺ انتخاب نبی آدمؑ..... (اقول) مؤلف کہتے ہیں کہ یہ روایت حضرت داؤد کے ہی ذریعہ سے ان الفاظ میں بھی آئی ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم میں سے حضرت ابراہیمؑ کو انتخاب فرمایا اور انہیں اپنا دوست بنایا، پھر حضرت ابراہیمؑ کی ولاد میں سے حضرت اسماعیلؑ کو انتخاب فرمایا، پھر حضرت اسماعیلؑ کی ولاد میں نزار کو انتخاب فرمایا، پھر نزار کی ولاد میں معمر کو انتخاب فرمایا، پھر معمر کی ولاد میں بنی کنانہ کو انتخاب فرمایا، پھر بنی کنانہ میں قریش کو منتخب فرمایا پھر قریش میں بنی ہاشم کو انتخاب فرمایا، پھر بنی ہاشم میں بنی عبدالمطلب کو انتخاب فرمایا اور پھر بنی عبدالمطلب میں سے مجھے انتخاب فرمایا۔ ”واللہ اعلم۔“

(قال) ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی ولاد میں حضرت اسماعیلؑ کو منتخب فرمایا پھر بنی اسماعیلؑ میں سے بنی کنانہ کو منتخب فرمایا پھر بنی کنانہ میں سے قریش کو منتخب فرمایا پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا اور پھر بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔
جبرئیلؑ بہترین خلایق کی تلاش میں..... اسی طرح قریش اور آنحضرت ﷺ کے نسب کے فضائل میں ہے جسے حضرت ابن عمرؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:-

”میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ نے مجھے بیچل میں دنیا کے مشرق اور مغرب اور میدانوں اور پہاڑوں میں گھوما مگر مجھے معمر کے سوا جانداروں میں کوئی چیز خیر اور بہتر نہیں ملی، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم پر میں بنی معمر میں گھوما مگر مجھے کنانہ کے سوا کوئی بہترین انسان نہیں ملا، پھر اللہ کے حکم پر میں بنی کنانہ میں پھر اکر مجھے قریش سے بہتر کوئی آدمی نہیں ملے، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم پر میں قبیلہ قریش میں گھوما مگر مجھے بنی ہاشم سے بہتر لوگ کوئی نہیں ملے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں بنی ہاشم میں سے بہترین آدمی کا انتخاب کروں تو مجھے آپ ﷺ سے بہتر کوئی انسان نہیں ملا۔“

حضور ﷺ مشترک متاع عرب..... وفاق میں حضرت ابن عباسؓ سے اس ارشاد باری کے متعلق ایک روایت ہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ . پ ۱۱ سورۃ توبہ ، ع ۱۶ آیت ۱۲۸

ترجمہ: تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں۔“

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عربوں میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے معمر اور اس کے ربیعہ اور اس کے یمنانی میں آنحضرت ﷺ کی ولادت نہ ہوئی ہو۔“

(یعنی معمر اور ربیعہ اور یمنانی میں جا کر تمام قبائل مشترک ہو جاتے ہیں میاؤں کا جائے کہ یہ تینوں عربوں کے مشترک اجداد ہیں اس لئے آپ کا ظہور ہر قبیلہ عرب کے اعتبار سے ان کے اپنوں میں ہوا ہے۔) نسبی برتری..... حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:-

”اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا اور ان میں سے بنی آدم کو منتخب فرمایا، پھر بنی آدم میں سے عربوں کو منتخب فرمایا پھر عربوں میں معمر کو منتخب فرمایا پھر بنی معمر میں قریش کو منتخب فرمایا پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا پھر بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا، پس میں بہترین لوگوں سے بہترین لوگوں تک میں بہترین ہوں (آخر حدیث تک)

اس حدیث میں یہ لفظ کہ ”پھر بنی معمر میں قریش کو منتخب فرمایا“ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ معمر قریش کا مورث اعلیٰ نہیں ہے ورنہ اس کی تمام ولاد قریش کہلاتی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جس کی سند کو وہ مرفوعہ کرتے ہیں اور حافظ عراقی نے اس سند کی تحسین کی ہے کہ

”جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو حضرت جبرئیلؑ کو (اس دنیا میں) بھیجا انہوں نے انسانوں کی دو (۲) قسمیں کیں ان میں سے ایک قسم عرب ہے اور ایک قسم عجم ہے (ان دونوں قسموں میں) اللہ تعالیٰ نے قسم عرب کو پسند فرمایا۔ پھر عربوں کی دو (۲) قسمیں کیں، ان میں سے ایک قسم یمن تھی اور ایک قسم مصر تھی (ان دونوں قسموں میں) اللہ تعالیٰ نے قسم مصر کو پسند فرمایا۔ پھر (حضرت جبرئیلؑ نے) یمنی مصر کی دو قسمیں کیں، ان میں سے ایک قسم قریش تھی اور اللہ تعالیٰ نے قریش کو پسند فرمایا، پھر ان میں (یعنی قریش میں) جو بہترین اور پسندیدہ تھے ان میں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا فرمایا۔“

بعض علماء لکھتے ہیں کہ جو کچھ قریش کی فضیلت میں آیا ہے وہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کیلئے ثابت ہے اس لئے کہ وہ قریش میں مخصوص ہیں۔ اور جو بات عام کے لئے ثابت ہوتی ہے وہ یقیناً خاص کے لئے بھی ثابت ہو جاتی ہے مگر اس کے برعکس نہیں ہوتا (کہ جو بات خاص کے لئے ثابت ہو وہ عام کے لئے ثابت ہوتی ہو)۔ حضور ﷺ کی کرامت و شرافت..... شفاء میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے جنہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-

”اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا اور مجھے ان میں سے بتایا جو اپنی قسم کے اعتبار سے بہترین تھے، اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:-

أَصْحَابُ الْيَمِينِ وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ (قرآن حکیم پ سورہ آیت
ترجمہ: (اصحاب یمنین یعنی دائیں والے اور اصحاب شمال یعنی بائیں والے)

یہں میں اصحاب یمنین میں سے ہوں اور میں اصحاب یمنین میں بھی بہترین ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان قسموں کی تین قسمیں بنائیں اور مجھے ان تینوں میں بہترین بتایا۔ اور وہ (یعنی تین قسموں کے حقائق) اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے

أَصْحَابُ الْيَمِينِ وَأَصْحَابُ الشِّمَالِ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ (قرآن حکیم پ سورہ واقف
ترجمہ: دائیں والے اور بائیں والے اور اگڑی والے تو اگڑی والے

یہں میں سابقین (یعنی سبقت لے جانے والوں میں سے ہوں) میں بہترین ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسموں کو قبیلوں میں تقسیم کیا اور مجھے ان میں بہترین قبیلے میں سے بتایا۔ اور وہ (یعنی قبیلوں کے حقائق) اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ (قرآن حکیم پ سورہ حجرات ع ۲ آیت ۱۳)
ترجمہ: اور تمہاری ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو۔“

یہں میں اولاد آدم میں سب سے بہترین اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ کریم و شریف ہوں اور یہ غرور نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قبیلوں کو گھرانوں میں تقسیم کیا اور مجھے ان میں سے بتایا جو گھرانے کے

حدیث مرفوعہ جس کی سند کا سلسلہ حضور ﷺ تک پہنچتا ہو، جیسا کہ گزر چکا ہے۔ مرتب

اعتبار سے سب سے بہترین ہیں اور یہ غرور نہیں ہے، بلکہ وہ (یعنی گمراہوں کے متعلق) اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔
 إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ (قرآن حکیم) پ ۲۱ سورہ احزاب ع ۴ آیت ۱۳
 ترجمہ: اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندمی باتیں اے نبی ﷺ کے گھر والو (اور ستھر کر دے تم کو ایک
 ستھرائی سے) یہاں تک شفاء کا کلام ہے جو قابل غور ہے۔

اسی نسب کی عظمت و شان کی طرف قصیدہ ہمزہ کے ان شعروں میں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَبَدَّ
مِنْ
كَرِيمٍ
كَرِيمٍ
رَبِّكَ
اللَّوْجُودِ
رَبِّكَ
كَرِيمٍ
كَرِيمٍ
كَرِيمٍ

اس عالم کے لئے تجھ سے (یعنی اللہ تعالیٰ سے) ایک کریم نبی ظاہر ہوا۔ یہ کریم پیغمبر ایک معزز

گھرانے کا فرد ہے۔

لَقَدْ
تَبَيَّنَ
لَهَا
نَجْوَاهَا
بِجَلَالِهِ
الْجُورَاءِ

یہ ایک ایسے بڑے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں کہ جس سے جوہ کو معزز کوئی دوسرا خاندان نہیں
 تمام خاندانوں کے سلسلے میں ان کے خاندان کا نام ایسا ہے جیسا کہ ستاروں کی کسی لڑی میں جوڑا ستارہ۔

كَانَتْ
فِيهِ
الْبَيْتَةُ
فِيهِ
كَانَتْ
فِيهِ
الْبَيْتَةُ
فِيهِ
كَانَتْ
فِيهِ
الْبَيْتَةُ
فِيهِ

کتنا اچھا ہے سرداری اور فخر کا بار۔ اور آپ اے محمد ﷺ اس بار میں ایک منفرد اور یکتا موتی کی حیثیت

میں ہیں۔

العلم صلّ علی محمد..... یعنی اس عالم کے لئے تیری جانب سے یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک کریم انسان
 ظاہر ہوئے جن میں کمال کی ساری صفات جمع ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں لوگوں میں سے میر
 ایک گرا دوست ہے (یعنی یہ جملہ بھی اسی قسم کا ہے جیسا کہ یہ محاورہ) اور یہ کریم انسان جو ظاہر ہوئے ان کے
 باپ دلوا بھی کریم اور شریف تھے اور جاہلیت کے عیب سے محفوظ تھے (یعنی جاہلیت میں جیسے ننگے ہو کر طواف کر
 جاتا تھا، زندہ لڑکیوں کو دفن کیا جاتا تھا وغیرہ وغیرہ ان عیبوں سے آپ کے باپ دادا محفوظ تھے) ان کے آباء
 اجداد لو کہنے میں ان کی والدہ اور نانہالی سلسلہ بھی شامل ہے۔ اور ان کے آباء و اجداد اور نانہال والے سب کے
 سب کریم و شریف تھے اور جاہلیت کی کمزوریوں سے محفوظ تھے یعنی جاہلیت کے اوصاف میں جو چیزیں اسلام کے
 نزدیک کمزوری اور عیب شمار ہوتی ہیں (ان سے محفوظ تھے) اور یہ ایسا نسب ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی نسب نہیں
 ہو سکتا اس کی عظمت کے متعلق اگر تم غور کرو گے تو جن کمالات اور عظمتوں سے یہ مرہون اور سچا ہوا ہے ان
 وجہ سے تم یہ محسوس کرو گے کہ جوڑا (انسان کے ایک بروج کا نام ہے) نے جس کے ستاروں کو تھپاؤ
 جوڑا (یعنی جوڑا کی بوڑھی) کہا جاتا ہے ان عظمتوں کا ایک ہار پہن رکھا ہے اور وہ ہار سرداری کا ہے اور جوڑا
 صفات رکھتا ہوا اس کی تعریف کی جاتی ہے تو گویا آپ اس ہار میں ایک یکتا اور درمیان کے ایسے موتی ہیں جس
 کوئی نظیر اور مثل نہیں ہے اور جو اپنی عظمت کی وجہ سے نگاہوں سے محفوظ ہے۔

ولو حال اور نانہال سے عالی نسب..... یہاں یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ (آپ کے نسب میں) باپ دادا
 کے ساتھ ماؤں کے سلسلے کو کیوں شامل کیا گیا اس کو نسب کہنا مناسب نہیں ہے کیونکہ شرعی نسب صرف باپ

کے سلسلے میں ہوتا ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہاں نسب کے لغوی معنی مراد ہیں (یعنی اصطلاحی اور شرعی نسب تو وہی ہوتا ہے جس میں صرف باپ دلو کا سلسلہ لیا جائے لیکن لغوی طور پر دیکھا جائے تو نسب کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ لوگ جن کی طرف آدمی منسوب ہو اور اس میں ماں اور باپ دونوں شامل ہیں)۔

یابہ کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کے باپ دلو کے کتروریوں سے محفوظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے صلب آپ ﷺ نکلے ہیں (وہ کتروریوں سے محفوظ ہیں) اس صورت میں لازمی طور پر آپ ﷺ کی باہمی نسبت کو بھی ایسا ہی ماننا پڑے گا (کیونکہ آپ ﷺ ان سے بھی نکلے ہیں)۔

پاک نطفوں سے پاک رحموں میں..... آگے یہ حدیث آئے گی کہ میں پاک مردوں کے نطفوں سے پاک عورتوں کے رحموں میں منتقل ہوا ہوں (یعنی مراد باپ دلو اور وہ مائیں ہیں جن کی ولادت میں آپ ﷺ ہوئے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر باپ اور ہر ماں کے ساتھ آپ ﷺ کو پہلوؤں کے مقابلہ پر بعد میں آئے والوں سے زیادہ قریبی نسبت حاصل ہے اس لئے ان میں سے ہر باپ کی صلب (یعنی نطفہ) اور ہر ماں کا رحم پاک تھا) اس بارے میں پوری تفصیل کے ساتھ بحث آگے آئے گی۔

عالیٰ نسب، شرط نبوت..... علامہ بلوردی نے کتب اعلام النبیین لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے نسب کا حال معلوم ہوتا ہے اور آپ کی ولادت کی پاکیزگی کا علم ہوتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ شریف اور عالی مرتبت آباد و جد کے نطفوں سے نکلے ہیں جن میں کوئی بھی نیچے درجے کا نہیں تھا ان میں سے ہر ایک سردار اور رہنما تھا۔ نسب کا شرف اور ولادت کی پاکیزگی نبوت کی شرائط میں سے ہے۔ یہاں تک بلوردی کا کلام ہے۔

آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے جو قصیدہ کہا ہے اس کے چند شعر یہ ہیں :-

اِذَا اجْتَمَعَتْ يَوْمًا قُرَيْشٌ لِمُعْتَمِرٍ
فَعَبْدٌ مَنَافٍ مِزَاجًا وَصَحْبُهُا

جب قریش کسی دن فخر کرنے کے لئے جمع ہوں تو سمجھ لو ان میں عبد مناف سب سے زیادہ شریف

اور محرز ہیں۔

وَإِنْ حَصَلَتْ أُنْسَابٌ عَبْدٌ مَنَافٍهَا
فَقِيٌّ هَادِجٌ أَشْرًا فَهَا وَفَدِيمُهَا

اور اگر عبد مناف کی اولاد کے نسب کا ذکر ہو تو سمجھ لو کہ ان میں کی شرافت اور بزرگی ہاشم میں ہے

وَإِنْ فَخَرْتِ يَوْمًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا
هُوَ الْمُصْطَفَىٰ مِنْ مِزَاجٍ وَكَرِيمٍهَا

اور اگر کسی دن ان میں فخر ہو تو سمجھ لو کہ حضرت محمد ﷺ ان میں سب سے منتخب کریم اور شریف ہیں بہتر قوم سے مراد اشرف قوم ہے۔ چنانچہ قوموں میں سب سے اشرف آپ ﷺ کی قوم ہے قبیلوں

میں سب سے اشرف آپ ﷺ کا قبیلہ ہے اور خاندانوں میں سب سے اشرف آپ ﷺ کا خاندان ہے۔

حضور ﷺ کے لئے عربوں سے محبت..... ابن عمرؓ سے روایت ہے جنہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا :-

”جو عربوں سے محبت کرے تو وہ میری وجہ سے کرے اور جو ان سے دشمنی رکھے تو میری وجہ سے

رکھے۔ (یعنی عربوں سے بھی تمہاری محبت اور دشمنی کا معیار میری ذات ہونی چاہئے)۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے جنہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:-

”اے سلمان! مجھ سے دشمنی مت رکھنا ورنہ اپنے دین سے محروم ہو جاؤ گے۔“

عربوں سے بغض حضور ﷺ سے بغض..... میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! بھلا آپ سے کیسے دشمنی

رکھ سکتا ہوں جبکہ آپ ﷺ ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی“ تو آپ ﷺ نے فرمایا:-

”اگر تم عربوں سے بغض وعداوت رکھو گے تو وہ گویا مجھ سے ہی دشمنی رکھتا ہوگا۔“

عرب دشمنی علامت نفاق..... حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ منافق

کے سوا عربوں سے کوئی بغض وعداوت نہیں رکھ سکتا۔“

ترمذی میں حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-

”جس نے عربوں سے کینہ اور فریب کیا وہ میری شفاعت میں داخل نہیں ہوگا ورنہ اسے میری

محبت ملے گی۔“

ترمذی نے اس کو حدیث غریبہ کہا ہے۔ آنحضرت ﷺ ہی کا ارشاد ہے:-

”سنو! جو عربوں سے محبت کرے وہ میری محبت کی وجہ سے کرے اور جو عربوں سے دشمنی رکھے وہ

میری وجہ سے دشمنی رکھے۔“

عربوں سے محبت کیوں ضروری؟..... آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

”عربوں کے ساتھ تین باتوں کی وجہ سے محبت رکھو، ایک اس لئے کہ میں عربی ہوں، قرآن عربی

میں ہے اور جنت والوں کی زبان عربی ہے۔“

عربوں کا مقام بلند..... نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-

”قیامت کے دن لواء الحمد (جھنڈا) میرے ہاتھ میں ہوگا اور اس دن جو لوگ میرے جھنڈے سے

سب سے زیادہ قریب ہوں گے وہ عرب ہوں گے۔“

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:-

”جب عرب ذلیل ہو جائیں گے تو اسلام بھی ذلیل ہو جائے گا۔“

ہمارے فقہاء کہتے ہیں کہ عرب امت میں سب سے زیادہ اولیٰ اور اشرف ہیں اس لئے کہ وہ دین کے

سب سے پہلے مخاطب ہیں۔ (دوسرے یہ کہ لوین عربی ہے۔)

حضور ﷺ اشرف خلافت..... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”عربوں

میں بہترین لوگ بنی مضر ہیں اور بنی مضر میں بہترین لوگ بنی عبد مناف ہیں اور بنی عبد مناف میں بہترین

لوگ بنی ہاشم ہیں اور بنی ہاشم میں بہترین لوگ بنی عبد المطلب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کرنے کے بعد

جب ان کی اولادوں کو تقسیم کیا ہے تو میں ان میں بہترین قسم میں رہا ہوں۔“

اقول مؤلف کہتے ہیں:- ابن عباسؓ ہی سے ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:-

حدیث غریبہ وہ ہے جس کی سند میں کسی جگہ ایک ہی راوی ہو جیسا کہ گزر چکا ہے۔ مرتب

”اللہ تعالیٰ نے جب مجھے پیدا کیا تو مجھے اپنی بہترین مخلوق میں سے بنایا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے قبیلوں کو پیدا کیا تو مجھے ان میں سے بنایا جو قبیلے کے اعتبار سے بہترین ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے افراد کو پیدا کیا تو مجھے ان میں سے بہترین افراد میں سے بنایا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے گھرانوں کو پیدا فرمایا تو مجھے ان میں سے بہترین گھرانے میں پیدا کیا پس میں لوگوں میں گھرانے کے لحاظ سے بھی بہترین ہوں اور نسب کے لحاظ سے بھی بہترین ہوں۔“

حضرت ابن عباس رضی سے ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی دو (۲) قسمیں فرمائیں اور مجھے ان میں سے بنایا جو اپنی قسم کے اعتبار سے بہترین تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان قسموں کی تین قسمیں فرمائیں اور مجھے ان تینوں میں سے بہترین قسم میں بنایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسموں سے قبیلے بنائے اور مجھے ان میں بنایا جو قبیلے کے لحاظ سے بھی بہترین ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے قبیلوں سے گھرانے بنائے اور مجھے ان میں سے بنایا جو گھرانے کے اعتبار سے بہترین ہیں۔“

شفاء کے حوالے سے اسی طرح کی ایک حدیث پیچھے گزر چکی ہے جس میں صرف اتنی زیادتی ہے کہ اس میں کلمات سے استدلال کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ وہ حدیث قائل غور ہے۔
فخر نسب کی ممانعت..... یہاں یہ اجمال ہو سکتا ہے کہ بہت سی احادیث میں اس بات کی ممانعت آئی ہے کہ فخر و غرور کے طور پر اپنے ان اباؤ و اجداد سے نسبت ظاہر کی جائے جو جاہلیت کے زمانے کے ہیں۔ مثلاً ان میں سے ایک حدیث یہ ہے:-

”اپنے ان باپ دلوں کو اپنے لئے فخر کا ذریعہ نہ بنانا جو جاہلیت کے زمانے میں مرے ہیں۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ گندگی میں ریختے والے بدبودار کپڑے تمہارے ان باپ دلوں سے بہتر ہیں جو جاہلیت کے زمانے میں مرے ہیں۔“

حدیث میں ہے کہ لوگ یا تو جاہلیت کے زمانے کا فخر و غرور چھوڑ دیں ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدبودار کپڑوں سے بھی بدتر ہوں گے۔

یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ نسب کی آفت فخر ہے یعنی آباؤ اجداد کے شرف کی مصیبت یہ ہے کہ اس شرف کے ذریعہ اپنی بڑائی بیان کی جائے۔

احادیث نسب فخر نہیں اقرار..... اس اعتراض کا جواب امام طحطاوی نے یہ دیا ہے کہ (گذشتہ ان تمام احادیث سے جن میں کسی شرافت و عظمت کا ذکر کیا گیا ہے) رسول اللہ ﷺ کا مقصود فخر و بڑائی کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ آپ ﷺ نے ان کے مقام اور مراتب کا اقرار فرمایا ہے اسی وجہ سے بعض روایات میں یہ لفظ آئے ہیں کہ یہ کوئی فخر کے لئے بیان نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ یہ بیان ہے اس بات کا جس کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے چاہے اس سے فخر لازم آتا ہو (کیونکہ اصل یہ فخر نہیں ہے) حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی طرف اشارہ ہے جو آپ کو حاصل ہوئی اور یہ اس نعمت کا اقرار اور اظہار ہے چاہے اس سے فخر لازم آتا ہو۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی کی ایک روایت اللہ تعالیٰ کے اس قول و تظاہر فی الساجدین

ترجمہ: (اور پھر تہہ رہے مجھے نمازیوں میں)

کے تحت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:- میں ایک نبی سے دوسرے نبی کے نفع میں مثل

ہو تا رہا یہاں تک کہ خود نبی کی حیثیت سے اس دنیا میں آیا۔ یعنی آپ ﷺ کے اجداد میں نبی موجود ہیں۔ اس بارے میں حدیث آگے آئے گی کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) مجھے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے نطفے میں ڈالا پھر نوحؑ کے نطفے میں پھر حضرت ابراہیمؑ کے نطفے میں اس کی دلیل بھی آگے آ رہی ہے۔

حضور ﷺ اصحاب انبیاء میں رہے۔۔۔۔۔ ابن عباسؓ سے ہی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مستقل طور پر مذکورہ نبیوں کے علاوہ غیر نبیوں کے نطفوں میں منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی والدہ نے آپ ﷺ کو جنم دیا۔ جیسا کہ ظاہر ہے آپ ﷺ کے اجداد میں نبیوں کے علاوہ عام لوگوں کا ہونا اس روایت کے خلاف نہیں ہے (یعنی لو پر کی روایت سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ صرف نبیوں کے نطفوں میں منتقل ہوتے رہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس کو حضرت ابن عباسؓ ہی کی اس دوسری روایت کے الفاظ صاف کر رہے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نبیوں اور غیر نبیوں کے نطفوں میں منتقل ہوتے رہے) بلکہ مراد یہ ہوئی کہ آپ ﷺ کے اجداد میں نبی بھی شامل ہیں جیسا کہ یہ بات بالکل کھلی ہوئی ہے کہ آپ کے اجداد سب کے سب نبی نہیں ہیں (بلکہ ان میں غیر نبی کی تعداد زیادہ ہے)

نور محمدی ﷺ ساجدین میں رہا۔۔۔۔۔ لیکن (ابن عباسؓ کے علاوہ) دوسرے محققین نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نور ایک ساجد (یعنی سجدہ کرنے والے) سے دوسرے ساجد میں منتقل ہو تا رہا (اس تحقیق کی بنیاد وہی مذکورہ بالا آیت پاک ہے یعنی تَقْلِبْکَ فِی السَّجِدِیْنَ۔ پھیرتے رہے تمہیں نمازیوں میں بعض مفسرین نے اس آیت سے یہ اشارہ مراد لیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نور ایک نمازی سے دوسرے نمازی میں منتقل ہوا ہے اور نمازیوں سے مراد آپ ﷺ کے آباء و اجداد ہیں لیکن جیسا کہ آگے آئے گا۔ مؤلف کتاب اس آیت کا یہ فتاء نہیں مراد لیتے کہ نور نبی ﷺ پاک نطفوں میں منتقل ہو تا رہا بلکہ کہتے ہیں کہ یہاں ساجدین سے مراد آپ ﷺ کے اصحاب ہیں)۔

ساجدین سے شیعوں کا استدلال۔۔۔۔۔ ابو حیانؒ کہتے ہیں کہ آیت کے جس حصے کا ذکر یعنی تفسیر کی گئی ہے اس کے متعلق روافض یعنی شیعہ حضرات نے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آباء و اجداد مومن تھے اس لئے کہ ساجد (سجدہ کرنے والا اور جس کا ترجمہ حضرت شاہ صاحبؒ نے نمازی سے کیا ہے) مسلمان ہی ہو سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہاں ایمان کو سجدے سے تعبیر فرمایا ہے اس بارے میں مزید بحث آگے آئے گی۔ یہ ظاہر پر کیا ہوا استدلال ہے (یعنی آیت کی ظاہری صورت سے جو معنی مراد لئے گئے ہیں وہ یہ ہو سکتے ہیں کہ ساجد یا نمازی سے مراد آنحضرت ﷺ کے آباء و اجداد ہیں اور نہ جیسا کہ آیت کے معنی کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ میں تہجد پڑھنے والوں کا حال معلوم کر رہے ہیں۔

آیت ساجدین کی تفسیر۔۔۔۔۔ (اس آیت کی یہ تفسیر کرنے کی بنیاد یہ ہے کہ) قیام لیل یعنی رات کی نماز یا تہجد کی فرضیت آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ سے منسوخ ہوئی جبکہ پہلے آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی امت پر یہ تہجد کی نماز فرض تھی اور یہی صحیح ہے (پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت پر تہجد یعنی رات کے وقت اللہ کی عبادت کرنا فرض تھا۔ چنانچہ تمام صحابہ کرامؓ رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہوتے تھے اور عبادت کیا کرتے تھے جس کا اثر یہ تھا کہ صحابہ کے پیروں میں درد کرنے لگیں اور ان پر درم آگیا۔ ایک سال بعد اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف اور آسانی پیدا فرمائی اور تہجد کی فرضیت ختم

فرما کر اس کو نفل کی حیثیت باقی رکھا گیا۔ اس کی تفصیل تفسیر ابن کثیر ص ۲۹ سورہ ہزل میں دیکھی جاسکتی۔
 ساجدین سے مراد تہجد گزار..... حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ تہجد کی نماز آنحضرت ﷺ سے پہلے دوسرے انبیاء پر بھی واجب تھی (جب تہجد کی فرضیت کو ختم کیا گیا تو آنحضرت ﷺ کو خیال ہوا کہ صحابہ کرام اس حکم کی منسوختی کے بعد اب بھی تہجد ضرور پڑھتے ہوں گے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کے مشتاق اور جو بارہتے ہیں اس لئے) آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کے گھروں کا رات کے وقت پھر لگایا تاکہ ان کا حال معلوم کریں یعنی آیا انہوں نے معراج کی رات میں پانچ نمازوں کی فرضیت کے بعد تہجد کی فرضیت جو منسوخ ہو گئی ہے اس کے بعد بھی رات کی نماز چھوڑی ہے یا نہیں کیونکہ صحابہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں (اس لئے ممکن ہے وہ اب بھی تہجد پڑھ رہے ہوں) چنانچہ رات کو جب آپ ﷺ ان کے گھروں کے پاس سے گزے تو آپ ﷺ نے ان کے گھروں کو ایسا پایا جیسے بھڑوں کے چھتے (یعنی جس طرح بھڑوں کے چھتے میں مسلسل بھڑوں کی ٹواڑاں زلزل کی صورت میں آتی رہتی ہے اسی طرح گھروں میں سے صحابہ کے آہستہ آہستہ کلام پاک پڑھنے کی ٹواڑاں آ رہی تھیں)۔

فرضیت تہجد اور منسوختی..... اللہ تعالیٰ نے سورہ ہزل کی شروع کی آیتوں میں آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی امت پر فرض کیا تھا کہ رات بھر آدھی رات یا کچھ کم یا زیادہ خدا کے حضور میں کھڑے ہو کریں (یعنی عبادت کیا کریں) پھر اسی سورت کے آخر میں مائیسرہ (ترجمہ۔ سو اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو) کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ فرمادیا۔ اس منسوختی کا حکم ایک سال بعد آیا۔ پھر یہ حکم بھی (یعنی یہ کہ جتنا آسانی کے ساتھ پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو) شب معراج میں پانچ نمازوں کی فرضیت کے ساتھ منسوخ ہو گیا جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔ اسی لئے بعض علماء نے اس کو نسخ قرار دیا ہے (یعنی منسوخ کرنے والے حکم کی منسوختی) کیونکہ بعد میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا تھا کہ اس سورت کا آخری حصہ پہلے حصہ کے لئے منسوخ کرنے والا ہے (یعنی پہلے حصہ میں تہجد کو فرض کیا گیا اور اسی سورت کے آخری حصے میں جو ایک سال بعد نازل ہوئی، اس فرضیت کو منسوخ کر دیا گیا اور پھر پانچ نمازوں کی فرضیت کے وقت (جو شب معراج میں ہوئیں) سورہ ہزل کا یہ آخری حصہ بھی منسوخ ہو گیا (جس میں صحابہ کو رعایت دی گئی تھی اسی لئے اس کو نسخ خارج کہا گیا)۔

تہجد اختیاری عبادت نہ کہ ایجابی..... یہاں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہاں (یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آیت سورہ مائیسرہ مِنَ الْقُرْآنِ مدینے میں نازل ہوئی۔ اس بات کو اس آیت کے حصے کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں عَلِيمٌ اَنْ مَّيْكُوْنَ حَتَّكُمْ مَرَحِيٍّ رَاخِرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَمْشُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاخِرُوْنَ يَقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

ترجمہ: اس نے تمہارے حال پر عنایت کی سو اب) تم لوگ جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو۔ اس کو (یہ بھی) معلوم ہے کہ بعض آدمی تم میں پلہ ہوں گے اور بعض تلاش معاش کے لئے ملک میں سفر کریں گے اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (اس لئے بھی اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا) کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ تو فی الحقیقت مدینہ منورہ میں فرض ہوا ہے (اور پہلی بار آنحضرت ﷺ نے میدان بدر میں کفار کا مقابلہ کیا ہے) اس لئے ظاہر و مائیسرہ میں اختیار ہے ایجاب نہیں ہے (یعنی یہ حکم نہیں ہے کہ رات کی عبادت مت کرو

بلکہ اقرار ہے کہ جسے توفیق ہو وہ کر سکتا ہے نہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(یہ اعتراض صرف اس بناء پر پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں جہاد کا بھی حکم ہے اور چونکہ جہاد کے کی زندگی میں فرض نہیں ہوا تھا بلکہ مدینے پہنچنے کے بعد اس کا حکم کیا ہے اس لئے اس آیت کو جس نے قیام لیل کی فرضیت کو منسوخ کیا ہے کہا گیا کہ یہ بھی مدینے ہی میں نازل ہوئی ہوگی۔ لیکن علامہ ابن کثیر اس پوری سورت کو مکی قرار دیتے ہیں اور جہاد کی فرضیت کے متعلق جو آئندہ چل کر ہونے والی تھی خبر دینے کو نبوت کی اعلیٰ مثال قرار دیتے ہیں۔ علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ”یہ آیت بلکہ پوری سورت مکی ہے مکہ شریف میں نازل ہوئی اس وقت جہاد نہیں تھا بلکہ مسلمان نہایت پست حالت میں تھے، پھر غیب کی یہ خبر دی اور اسی طرح ظہور میں بھی آنا کہ مسلمان کو جہاد میں پوری مشغولیت ہوئی، نبوت کی اعلیٰ اور بہترین دلیل ہے (ابن کثیر بارہ ۲۹ سورہ ہجرہ)۔

(اصل بحث اس آیت پر چل رہی ہے جو حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں مذکور ہے یعنی وَتَقْلَبُکَ فِی السَّجَدِ لَیْنٍ کہ یہاں ساجدین سے کیا مراد ہے۔ ابن عباسؓ اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ ساجدین سے مراد ایک نبی سے دوسرے نبی کے نطفے میں آنحضرت ﷺ کے نور کا منتقل ہونا ہے۔)

آیت ساجدین کی مختلف تفسیر..... علامہ رافضی نے ساجدین سے مراد آنحضرت ﷺ کے تمام آباء و اجداد کو لیتے ہوئے انہیں مسلمان قرار دیا ہے کہ یہاں ایمان کو سجدے سے تعبیر کیا گیا ہے اور سجدہ کرنے والا مسلمان ہی ہو سکتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ کے نور کا ایک ساجد سے دوسرے ساجد میں منتقل ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا نور ایک مومن کے نطفے سے دوسرے مومن کے نطفے میں منتقل ہوتا رہا۔ پھر اس آیت کی تیسری تفسیر یہ ہے جو پیش کی گئی۔ یعنی مؤلف کتاب کہتے ہیں کہ اس آیت کے ایک معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ آپ اپنے صحابہ میں تہجد پڑھنے والوں کا حال معلوم کرتے پھر رہے ہیں۔ اس کے بعد اس آیت کی چوتھی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس آیت کے ایک معنی یہ بھی کئے جاتے ہیں کہ نماز کے ارکان میں آپ کا حال بدلنا کھڑے ہوتے ہوئے پھر بیٹھے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے سجدہ کرنے والوں یعنی نمازیوں میں (اس طرح گویا آنحضرت ﷺ کو اطمینان دلایا گیا کہ نماز اور اس کے دوران کی حالت میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ آپ کو دیکھتا ہے اور آپ کی حفاظت فرماتا ہے۔ کیونکہ ان کے میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب ہر طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے، ہمہ وقت دشمنوں سے نقصان پہنچنے کا خدشہ رہتا تھا نماز کے دوران جبکہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب دنیا دہانیا سے بے خبر ہو کر صرف اللہ کی عبادت و اطاعت میں مشغول ہوتے تھے، یہ خطرہ اور زیادہ تھا کہ اس حالت میں کفار کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے۔ اس تفسیر کے مطابق آپ کو مطمئن کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت آپ کے ساتھ ہر وقت ہے اس تفسیر کے مطابق ساجدین کا تعلق تَقْلَبُکَ سے نہیں ہے بلکہ لفظ ساجد اسے ہے جس کو اس عبادت میں پوشیدہ مانا جا رہا ہے۔)

کیا حضور ﷺ کے اجداد مومن تھے..... یہاں یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ (رافضی کی تفسیر کے مطابق جب ساجدین سے مراد مؤمنین ہیں تو اس میں یہ اشکال ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آباء و اجداد میں حضرت ابراہیمؑ کا باپ آذر بھی ہے جو کافر تھا۔

ابراہیمؑ کا باپ آذر بھی ہے جو کافر تھا..... مؤلف کہتے ہیں کہ اس کا جواب ہم یہ دے سکتے ہیں کہ تمام اہل کتب اس بات پر

متفق ہیں کہ آذر ابراہیم کا چچا تھا (باپ نہیں تھا) اور عرب والے چچا کو باپ کہہ کر پکارتے ہیں جیسا کہ وہ خالہ کو ماں کہہ کر پکارتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب کا واقعہ حکایت فرمایا کہ انہوں نے کہا ”میرے باپ ابراہیم اور اسماعیل“ حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ اسماعیل حضرت یعقوب کے چچا (یعنی تیل) تھے۔ اسی وجہ سے یہ چلا ہے کہ ابراہیم کے باپ کا نام تدرخ تھا یعنی رخ کے ساتھ۔ ماہرین نسب میں جمہور کی رائے یہی ہے صرف حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”فتح البدری“ میں اس کو رخ سے (بغیر نقطے کے) تدرخ لکھا ہے۔

آذر یا تدرخ..... لیکن بہر حال بعض محققین نے دعویٰ کیا ہے کہ آذر اس کا لقب تھا اصل میں آذر اس بت کا نام تھا جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا اس طرح اس کے دو (۲) نام ہو گئے آذر اور تدرخ جیسے کہ حضرت یعقوب کے دو (۲) نام تھے یعقوب اور اسماعیل۔

مؤمن یا کافر..... بعض حضرات جیسے قاضی بیضاوی نے کہا ہے کہ جنہوں نے آیت کے ظاہر کو دیکھ کر ابراہیم کے باپ کے حلقہ رائے قائم کی انہوں نے تسامح اور سستی سے کام لیا (یعنی اگر غور کرنے کی زحمت کرتے تو ان کو رائے بدلنی پڑتی) قاضی بیضاوی وغیرہ نے کہا ہے کہ ابراہیم کا باپ کفر کی حالت میں ہی مرا ہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ ان کا چچا تھا یہ بغیر دلیل کے ظاہری معنی سے جتا ہے (یعنی اگر دلیل اور ضرورت آپڑے تب تو آیت کے صاف اور ظاہری معنی سے ہٹ کر باہمی تلاش کرنی چاہئے ورنہ آیت کا جو صاف اور واضح مطلب ہے اس کو اختیار کرنا چاہئے)۔

اس بارے میں سر میں جو کچھ ذکر ہے وہ بھی اس کی موافقت میں ہے (کہ آذر حضرت ابراہیم کا باپ تھا اور کفر کی حالت میں مرا) سر میں جو ذکر ہے وہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ آذر ابراہیم کے باپ کا نام تھا۔ سر کی یہ بات حافظ سیوطی کے اس قول کی نفی کرتا ہے جو انہوں نے ابراہیم کی اس دعا سے نکالا ہے (وہ قول یہی ہے کہ آذر ابراہیم کا چچا تھا اور جس آیت سے انہوں نے یہ مطلب نکالا ہے وہ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا ہے) رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (سورہ ابراہیم پ ۱۳ ع ۶ آیت ۴۱)

ترجمہ: اے ہمارے رب بخش مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو جس دن قائم ہو حساب۔ باپ کے لئے دعا مغفرت..... یہ دعا حضرت ابراہیم نے اپنے اسی چچا کی موت کے بعد مدت بعد مائگی بھی جس کا ذکر قرآن پاک میں کافر کی حیثیت سے ہوا ہے (گویا حافظ سیوطی اسی بنیاد پر آذر کو ابراہیم کا چچا مان رہے ہیں کہ ابراہیم نے اس کی مغفرت کی دعا مانگی اور دعائے مغفرت مردوں کے لئے ہی مانگی جاتی ہے۔ اس وقت جبکہ یہ دعا مانگی گئی ان کے چچا کو مرے ہوئے ایک عرصہ ہو چکا تھا اس لئے یہ دعا اسی کے لئے مانگی گئی ہے۔ مگر اس میں یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اس وقت جبکہ یہ دعا مانگی گئی ابراہیم کا باپ زندہ تھا یا نہیں۔ کیونکہ اگر باپ بھی مر چکا تھا تو یہ دعا اسی کے لئے ہوگی یعنی حقیقی باپ کے لئے؟

یہ دعا کافر چچا کے لئے تھی..... ابراہیم نے یہ دعا چونکہ ایک کافر کے لئے مانگی تھی جو مغفرت کے قابل نہیں اس لئے جب انہیں خنبہ ہوا تو انہوں نے اس کی مغفرت مانگنے سے اپنی برات کا اٹھلک کیا۔ چنانچہ حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ) پھر حضرت ابراہیم نے اس مغفرت کی دعا سے اپنی برات ظاہر کی جس کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح ہے۔

وَمَا كَانَ اسْتَغْفِرَ اِبْرَاهِيمَ لِهَيْبِهِ اِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ اِنَّهُ خَدُوْا لِلّٰهِ تَبَرَّءَ مِنْهُ

(پارہ ۱۱ سورہ توبہ ص ۱۱۳ آیت ۱۱۴)

ترجمہ: اور بخشش مانگنا ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے واسطے سونہ تھا مگر وعدے کے سبب کے وعدہ کر چکا تھا اس سے پھر جب کھل گیا ابراہیمؑ پر کہ وہ دشمن ہے اللہ کا تو اس سے بیزار ہو گیا۔
توبہ ابراہیمؑ کا چچا تھا حقیقی باپ نہیں تھا (یعنی مذکورہ بالا آیات جیسا کہ ظاہر کر رہی ہیں وہ کافر تھا مگر ابراہیمؑ کا باپ نہیں تھا بلکہ چچا تھا جس کو باپ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ عرب والے جس طرح خالہ کو ماں پکارتے ہیں اسی طرح چچا کو باپ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں)۔

اس کے بعد حافظ سیوطیؒ اپنی اس تحقیق پر انتہائی اطمینان اور اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس بات پر کہ اس نے یہ تحقیق میرے دل میں ڈالی۔
باب کا ایمان بھی مشتبہ..... مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ بات یہیں آکر ختم نہیں ہو جاتی والبتہ اُس صورت میں مکمل ہو سکتی ہے کہ جب ابراہیمؑ نے دعائے مغفرت سے اپنی برأت کا اظہار کیا اس وقت ان کا باپ زندہ ہو۔ اسی طرح ان کی اس برأت کا سبب ان کے چچا کی کفر کی حالت میں موت ہو، اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ وحی یعنی اطلاع نہ ہو کہ وہ کفر کی حالت میں مرے گا (کیونکہ اگر یہ وحی اس برأت کا سبب ہے تو پھر یہ برأت حقیقی باپ کے متعلق ہوگی جو اس وقت تک نہیں مرا تھا) اس صورت میں حضرت ابوہریرہؓ کے اس قول سے مراد حضرت ابراہیمؑ کا حقیقی باپ ہی ہوگا جس میں کہا گیا ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا اور وہ اس حالت میں نظر آئے کہ ان کے چاروں طرف سرسبز باغ نظر آتا تھا اور آگ نے جو ان کے چاروں طرف تھی سوائے ان کی مشکوں یعنی موڑھوں پر بندھی ہوئی رستیوں کے کچھ نہیں جلايا تھا اس وقت حضرت ابراہیمؑ کے باپ نے بہترین کلمہ کہا تھا کہ "اے ابراہیمؑ اتیرا رب بہت ہی اچھا رب ہے"۔ (تو کیا علامہ سیوطیؒ کی تحقیق کو ان کمزوریوں کے باوجود جن کا لوہر ذکر کیا گیا اگر تسلیم کر لیا جائے کہ آؤ ابراہیمؑ کا چچا تھا تو پھر حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا یہ قول جس کو حضرت ابوہریرہؓ نے نقل کیا ہے ان کے حقیقی باپ کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا اور اس طرح یہ کلمہ علامہ سیوطیؒ کی تحقیق کو مضبوط کرے گا کیونکہ جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا یہ بہترین کلمہ ہے اس لئے کہ بہترین کلمہ جو انسان لوہا کر سکتا ہے وہی ہے جس میں خدائے بزرگ و برتر کی تعریف ہو یا اس کی وحدانیت کا اظہار ہو یا اس کی قدرت و عظمت کا اقرار ہو۔ ایسا کلمہ چاہے مومن کے یا کافر بہر حال بہترین کلمہ ہے)۔

کشاف نے لکھا ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا اس وقت ان کی عمر صرف سولہ (۱۶) سال تھی (مگر اس بارے میں اختلاف ہے کیونکہ ان کے علاوہ بعض دوسرے حضرات نے لکھا ہے کہ اس وقت ان کی عمر تیس (۳۰) سال تھی جبکہ وہ تیرہ سال قید رہ چکے تھے۔

نور قریش کی تخلیق..... اس تفصیل کے بعد پھر اصل موضوع یعنی آنحضرت کے نسب کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت آدمؑ کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے قریش اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک نور کی صورت میں تھے اور یہ نور ہر وقت اللہ کی تسبیح کرتا رہتا تھا اور ان کی تسبیح و عبادت کے ساتھ فرشتے بھی تسبیح کرتے رہتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا تو یہ نور ان کا اصل یعنی پیٹھ میں ڈھلایا گیا ہم نے فرمایا کہ جس وقت اللہ نے مجھے آدمؑ کی پیٹھ میں زمین پر اتار دیا اور پھر نوح کے لطف

میں ڈالا اور اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے نطفے میں ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی طرح شریف و کریم نطفوں اور پاک رحموں میں منتقل فرمایا یہاں تک کہ اس نے مجھے میرے ماں باپ میں سے نکالا جنہوں نے کبھی فحش حرکت نہیں کی تھی۔

نور قریش نور محمدی ﷺ کا جزء..... اقول مؤلف کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ اس میں آنحضرت ﷺ کا جو قول ہے وہ پہلے حصہ سے متعلق نہ ہو جس میں فرمایا گیا ہے کہ قریش اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک نور کی طرح تھے (کیونکہ اگر اس پوری روایت کو ایک مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس طرح آنحضرت ﷺ کا نور قریش کے نور کے مجموعے میں شامل ماننا پڑے گا جسے بعد میں نور قریش سے الگ کر کے حضرت نور کے نطفے میں منتقل کیا گیا۔ بلکہ آگے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد آئے گا کہ ”میں آدمؑ کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کے سامنے ایک نور کی شکل میں تھا۔ اس قول کی موجودگی میں یہ ماننا لازم ہے کہ آپ کا نور قریش کے نور سے پہلے ہو گا اور یہ کہ قریش کا جو نور تھا وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ہی نور سے نکلا ہوا تھا۔

نور محمدی ﷺ اور انبیاء سابق..... (دوسری بات یہ کہ آپ ﷺ نے اپنے نور کے منتقل ہونے کے سلسلے میں صرف تین نبیوں کا نام لیا ہے یعنی حضرت آدم، حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کا اس کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ) آپ ﷺ نے صرف ان انبیاء کے ناموں پر بس کی جن کے نام اس حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں اس میں جو حکمت ہے وہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ تینوں انبیاء تمام نبیوں کے باپ ہیں چنانچہ (حضرت آدمؑ تو تمام انسانوں کے باپ ہیں ہی) نوحؑ کی لولاد میں حضرت ہود اور صالح علیہما السلام ہیں (جن سے آگے پیغمبروں کا سلسلہ چلا) اور حضرت ابراہیمؑ کی لولاد میں حضرت اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف شعیب اور موسیٰ و ہارون علیہم السلام ہیں۔ یہ اس بناء پر کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بیان کے باپ کے بھائی ہیں ورنہ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا آپ ﷺ کا نور حضرت آدمؑ سے حضرت شیثؑ میں منتقل ہوا تھا اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت اسماعیلؑ کی لولاد میں ہیں (یعنی حضرت ابراہیمؑ سے پیغمبروں کے دو سلسلے چلے ہیں۔ ایک حضرت اسماعیلؑ نور ان کی لولاد میں سرور کائنات ﷺ اور دوسرا سلسلہ حضرت اسحاقؑ یعنی حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے بیٹے سے چلا یعنی بنی اسرائیل کے انبیاء کا سلسلہ جس کے متعلق گزر چکا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بزرگ پیغمبر ہوئے ہیں)۔

نور محمدی ﷺ کی تخلیق..... علی بن حسینؑ سے روایت ہے جو اپنے والد سے لورہ اپنے دلوا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-

”میں آدمؑ کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کے سامنے ایک نور کی حیثیت میں تھا۔“
پھر میں نے کتاب التشریفات فی الخصائص والجزات دیکھی۔ اس کتب کے مؤلف کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا:-
”اے جبرئیلؑ کتنے سال کی عمر ہے؟“
جبرئیلؑ کی عمر..... حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا:-

”یا رسول اللہ! میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ چوتھے پردہ میں (مراد غالباً جو تھا آسمان ہے) ایک ستارہ ہے جو ہر ستر ہزار سال کے بعد ایک مرتبہ طلوع ہوتا ہے میں اس کو ستر ہزار مرتبہ دیکھ چکا ہوں۔“

محمد ﷺ مخلک کائنات..... یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”اے جبرئیل! میرے پروردگار جل جلالہ کی قسم کہ وہ ستارہ میں ہی ہوں۔“

اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ یہاں تک مؤلف تشریحات کا کلام ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی..... (تخریج: اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کے نور اور حضرت

جبرئیل کی عمر دونوں کا انداز ہوتا ہے جو ستارہ ستر ہزار سال میں صرف ایک مرتبہ نکلتا ہو اور اس کو حضرت

جبرئیل بمقر (۷۲) ہزار مرتبہ نکلتے دیکھ چکے ہوں تو یہ اتنی بے شمار مدت بنتی ہے کہ شاید عدد اور ہندوسوں میں

اس کا اظہار ممکن نہیں ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کے نور کو پیدا کرنے کی مدت ہے کیونکہ جیسا کہ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ ایک نور کی شکل میں تمام مخلوق سے پہلے وجود پانچے تھے۔ اور اس حدیث میں

آپ نے اس نور کی تشریح بھی فرمادی ہے کہ وہ ایک ستارے کی شکل میں تھا جو اتنی مدت بعد نکلتا تھا اور

جبرئیل اس کو ستر ہزار مرتبہ دیکھ چکے ہیں تو لب اللہ ہی جان سکتا ہے کہ جبرئیل کے اس ستارے کو پہلی بار دیکھنے

سے کتنی مدت پہلے سے وہ ستارہ نکل رہا ہوگا۔

بہر حال یہ عظیم مدت ایسی ہے کہ اس کا ہندسوں میں اظہار مشکل ہے، جیسا کہ آج کے سائنس

دانوں نے لامتناہی رفتہ اور مدت کے اظہار کے لئے ہندسوں کو بے بس پا کر نوری سال کی اصطلاح وضع کی ہے

جس کا مطلب ہے کہ روشنی جو دنیا میں حیز رفتہ ترین چیز ہے ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ بیاسی ہزار میل کا فاصلہ طے

کرتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ صرف چوبیس گھنٹوں میں یہ جتنا فاصلہ طے کرے گی اس کا اظہار کسی عدد یا ہندسے

کے ذریعہ نہیں کیا جاسکتا، چہ جائے کہ کائنات کے ان بے نہایت فاصلوں کو میلوں کے ذریعہ ظاہر کیا جائے

جہاں تک خود روشنی صدیوں اور کروڑوں سال میں پہنچ سکتی ہے۔ اسی لئے ان فاصلوں کے اظہار کے لئے نوری

سال کو اصطلاح کے طور پر ایک پلانہ اور عدد مقرر کیا گیا کہ روشنی اپنی اسی حیز رفتہ یعنی ایک لاکھ بیاسی ہزار

میل فی سیکنڈ کی رفتہ سے ایک سال میں جتنا فاصلہ طے کرے گی وہ ایک نوری سال یعنی

LIGHTYEAR کہلائے گا۔ (تخریج: قسم۔ صرف)

نور محمد ﷺ کوّل مخلوقات..... پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا فرمایا تو یہ نور ان کی پیٹھ میں رکھ دیا یہ گویا

اس وقت ہوا کہ آپ بھی نور کی صورت میں تھے اور قریش بھی نور کی صورت میں تھے مگر اس طرح کہ آپ کا

نور قریش کے نور سے پہلے پیدا کیا گیا تھا (یعنی سب سے پہلے آپ کا نور پیدا کیا گیا پھر آپ کے نور سے ہی

قریش کا نور بنایا گیا اور آدم کی تخلیق کے وقت یہ نور ان کی کمر میں ڈال دیا گیا۔

اس سے پہلے ایک روایت گزری ہے کہ آدم کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے قریش ایک نور کی

صورت میں تھے جیسے آدم کی پیٹھ میں ڈالا گیا۔ یہ گویا اس کی وضاحت ہے کہ قریش کو جو نور کی شکل میں پیدا کیا

گیا وہ آپ ﷺ کے بعد اور آپ کے نور کی وجہ سے ہوا۔

بلکہ آگے روایت آئے گی کہ آپ ﷺ کا نور ساری مخلوقات سے پہلے پیدا کیا گیا، بلکہ یہ مخلوقات

یعنی آدم اور ان کی اولاد کو اسی نور سے پیدا کیا گیا۔

نور مصطفیٰ ﷺ جبین آدم میں..... اس صورت میں یہاں اس کی وضاحت کرنی پڑے گی کہ

آدم کو آپ ﷺ کے نور سے پیدا کیا گیا اور پھر یہ نور ان کی پیٹھ میں ڈالا گیا۔ چنانچہ گذشتہ حدیث میں گذر چکا

ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا تو یہ نور ان کے پیٹے میں رکھ دیا۔ یعنی پھر یہ نور ان کی پیشانی میں دمستا تھا اور ان کے سارے نور پر غالب رہتا تھا۔ جیسا کہ آگے پوری بات آئے گی۔

آدم سے صلب شیث میں..... پھر (آدم سے) یہ نور ان کے بیٹے حضرت شیث کے نطفے میں منتقل ہوا جو ان کے نائب بنے۔ حضرت شیث کو اس نور کے حلقے جو کچھ بھی وصیت کی گئی ان میں سے یہ بھی ہے کہ ان کی ولاد میں جس کی طرف بھی وہ اس نور کو منتقل کریں اس کو وصیت کر دیں کہ وہ اس نور کو کسی پاک دامن عورت کے رحم میں رکھے۔ یہ وصیت گزشتہ زمانوں میں اسی طرح چلتی رہی یہاں تک کہ یہ نور عبدالمطلب تک پہنچا۔

نور محمدی ﷺ نسل در نسل..... یہ سب تفصیل اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ آپ ﷺ کے آباء و اجداد میں جس کی طرف بھی یہ نور منتقل ہوا اس میں یہ واضح طور پر محسوس ہوتا تھا کہ یہ بات اس گزشتہ بات کے خلاف جاتی ہے جس میں اس نور کے منتقل ہونے کے حلقے بعض مخصوص حضرات کا ذکر کیا گیا ہے (کیونکہ اس تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نور حضرت آدم سے لے کر آنحضرت کے والد عبد اللہ تک برابر ایک سے دوسرے میں منتقل ہوتا رہا مگر اس سے پہلے جو روایت گزری ہے اس میں متعین طور پر بعض ناموں کا ذکر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

شیث خوا کی تھا ولاد..... حضرت خوا کے کبھی کوئی تھا ولاد نہیں ہوئی سوائے حضرت شیث کے (کہ وہ تھا پیدا ہوئے) جو اس نور ہی کی کرامت تھی۔

شیث پیٹ میں نظر آتے تھے..... روایت ہے کہ وہ یعنی حضرت شیث اپنی والدہ کے پیٹ میں اتنی مدت رہے کہ پیٹ ہی میں ان کے دانت نکل آئے تھے۔ اور ان کی والدہ یعنی حضرت خوا کا پیٹ اس وقت اتنا صاف اور پاکیزہ تھا کہ شیث ماں کے پیٹ میں نظر آتے تھے۔ یہ آدم کی تیسری ولاد ہیں۔

آدم کی کل اولاد..... حضرت خوا کے ہر مرتبہ دو بچے ایک لڑکا ایک لڑکی ایک ساتھ پیدا ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت ہے کہ ان کے یہاں میں مرتبہ پیدائش ہوئی جس میں چالیس ولاد ہوئی۔

ایک روایت ہے کہ ایک سو بیس (۱۲۰) بچے ہوئے۔ ایک روایت ہے کہ ایک سو اسی (۱۸۰) بچے ہوئے اور ایک روایت ہے کہ پانچ سو (۵۰۰) بچے ہوئے۔

موت کے وقت آدم کی اولاد..... کہا جاتا ہے کہ جب آدم کی وفات ہوئی تو ان کے بیٹوں اور پوتوں میں چالیس ہزار آدمی تھے جنہوں نے ان کا ماتم کیا۔ آدم کی نسل میں سوائے شیث کی ولاد کے اور کسی بیٹے کی ولاد کے حلقے تاریخی علم نہیں ہے اس لئے کہ ان کی بالکل اولادیں نہیں ہوئیں (یا ان کا سلسلہ نہیں چلا) اس لئے وہ ابوالبشر (یعنی انسانوں کے باپ) ہیں۔

حضرت جابر ابن عبد اللہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا:-
”یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں مجھے بتائے کہ ساری چیزوں سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز کو پیدا فرمایا؟“

آنحضرت ﷺ عالم موجودات کی اصل..... آپ ﷺ نے فرمایا:-
”اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔“
اسی میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ (اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ) تمام موجودات کی اصل ہیں۔ واللہ

سبحانہ و تعالیٰ اعظم

عربوں کے کسی طبقے..... عربوں کے نسب میں جو طبقے ہیں ان کی تعداد اور ترتیب میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ عیون الآثار میں زبیر ابن عوف کا قول ہے کہ (عربوں کے نسبوں میں) چھ طبقے ہیں۔ جن کی تفصیل اور ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے شعب ہوتا ہے پھر قبیلہ، پھر عمارہ، پھر بطن، پھر فخذ اور پھر فیصلہ۔ زبیر ابن عوفی نے ان طبقوں کو اسی ترتیب کے ساتھ دو (۲) شعبوں میں نظم کیا ہے۔

للعرب فصلها
للعربا الزہود
للعربا وطبقا
للعربا رعدہ
للعربا رعدہ

ترجمہ: عربیں عمارہ کے کئی طبقے ہیں

جن کی تفصیل زبیر (عراقی) نے کی ہے اور وہ چھ ہیں
اَھمَّ اَھمَّ ذَاكَ الشَّعْبُ
عَمَارَةٌ بَطْنٌ
فَصِيلَةٌ فَصِيلَةٌ

ان میں سب سے پہلے شعب ہے پھر قبیلہ

پھر عمارہ، بطن، فخذ اور فیصلہ ہیں

چنانچہ (اس ترتیب کے مطابق) شعب سے قبیلہ جے ہیں، قبیلوں سے عمارہ بنے ہیں، عمارہ سے بطن بنے ہیں بطن سے فخذ بنے ہیں فخذ سے فیصلہ بنے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے طبقات نسب..... چنانچہ معمر (جس کو قریش کا مورث اعلیٰ کہا جاتا ہے) رسول اللہ ﷺ کا شعب ہے آپ ﷺ کا شعب خزیمہ کا بھی کہا جاتا ہے (کیونکہ اس کے متعلق بھی قریش کا مورث اعلیٰ ہونے کی روایتیں ہیں) اور کنانہ آپ ﷺ کا قبیلہ ہے اور قریش آنحضرت ﷺ کے عمارہ ہیں اور قصی آپ ﷺ کا بطن ہے اور ہاشم آپ ﷺ کے فخذ ہیں اور بنی عباس آپ ﷺ کے فیصلہ ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فیصلہ کے بعد عشیرہ ہوتا ہے اور عشیرہ کے بعد کچھ نہیں ہوتا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فیصلہ عشیرہ کے بعد ہوتا ہے، کچھ ہیں اس کے بعد ربط ہوتا ہے۔

بعض محققین نے اس کے بعد ذریت، عترہ اور اسرہ کا بھی اضافہ کیا ہے مگر ان کی ترتیب کا صحیح حال مشہور نہیں ہے۔

محمد ابن اسعد نے کہا ہے کہ یہ طبقے بارہ ہوتے ہیں جن کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے جذم، پھر جمور، پھر شعب، پھر قبیلہ، پھر عمار، پھر بطن، پھر فخذ، پھر عشیرہ، پھر فیصلہ، پھر ربط، پھر اسرہ، پھر ذریت۔ مگر اس میں محمد ابن سعد نے عترہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ بنی اسرائیل کے بطون (بطن کی جمع) اسبابا کہلاتے ہیں۔ شعب عربی میں ایسے گھنے درخت کو کہا جاتا ہے جس کی بہت سی ٹیٹیاں شاخیں اور پتے ہوں۔ بطون عرب قبائل کہلاتے ہیں۔ اور بطون غم شعوب (شعب کی جمع) کہلاتے ہیں۔ یہ اختلاف قائل غور ہے۔

باب دوم (۲)

آنحضرت ﷺ کے والد عبد اللہ

عبد اللہ کا حسن و پاکدامنی..... عبد المطلب کے بیٹے عبد اللہ، قریش میں صورتِ شکل اور اپنے اخلاق کی وجہ سے سب سے اچھے تھے اور آنحضرت ﷺ کا نوران کے حجب پر صاف نظر آتا تھا ایک روایت ہے کہ وہ قریش میں سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین آدمی تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ قریش کے نزدیک عبد اللہ اپنے باپ کی ولادت میں سب سے زیادہ مکمل، سب سے زیادہ حسین سب سے زیادہ پاک دامن اور سب سے زیادہ محبوب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے والد کو ہدایت دی اور انہوں نے ان کا نام عبد اللہ رکھا۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔ یہ ذبح بھی ہیں (یعنی جیسے اسماعیل ذبح کھلاتے ہیں۔ اسی طرح عبد اللہ بھی ذبح کھلاتے ہیں کیونکہ ان کے باپ عبد المطلب نے اپنی ایک مٹھ کو پورا کرنے کے لئے ان کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تھا اس واقعے کی تفصیل آگے آ رہی ہے)۔

چاہہ زمزم اور عبد المطلب..... ان کے والد عبد المطلب کو خوب میں زحرم کا کنوئیں کھودنے کا حکم دیا گیا یعنی اسماعیل کے کنوئیں کو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کنوئیں حضرت جبریلؑ کے واسطے سے حضرت اسماعیلؑ کے لئے ہی نکالا تھا جیسا کہ آگے اس کی تفصیل کہیے گی بنیاد کے سلسلے میں آئے گی۔

دو دفعہ کھدائی..... زحرم کا کنوئیں دو مرتبہ نکالا گیا ایک مرتبہ حضرت آدمؑ کے لئے اور ایک مرتبہ اسماعیلؑ کے لیے اس کنوئیں کو (دوبارہ کھودے جانے کے بعد) قبیلہ جرہم نے پاش دیا تھا۔

کعبہ کی بے حرمی اور مضامین کی فہمائش..... قبیلہ جرہم نے (جو اس وقت مکہ کے سردار اور بیت اللہ کے گھراں تھے) جب بیت اللہ شریف کی بے حرمی شروع کر دی اور کعبہ میں بڑے بڑے گناہ کرنے لگے تو ایک مرتبہ ان کا سردار مضامین ابن عمرو جرہمی اٹھالو خلیوں اور وحط و صیحت کے ذریعہ اپنی قوم کو سمجھانے لگا کہ اس مقدس مقام کی بے حرمی اور اس طرح توہین نہ کریں) مگر لوگوں پر اس وحط و صیحت کا کوئی اثر نہیں ہوا (اور وہ اپنی نامناسب حرکتوں سے باز نہیں آئے)۔

مال سمیت کنوئیں کی بھرائی..... جب مضامین نے یہ دیکھا کہ قوم پر سمجھانے بجائے کا کوئی اثر نہیں ہو رہا

ہے اور وہ اپنی یہودیگیوں سے باز نہیں آئیں گے تو یابوس ہو کر اس نے قوم کو اسکے حال پر نور بر بلاوی کے دہانے پر چھوڑ کر وہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کیا اس نے کعبے میں سے وہ دونوں ہرنیاں نکالیں جو خالص سونے کی بنی ہوئی تھیں، اس کے علاوہ اس نے وہ سب مال و دولت اور ہتھیار جیسے تلواریں اور زہریں وغیرہ بھی وہاں سے نکالیں جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ اور ان سب چیزوں کو زحرم کے کنویں میں بھر کر کنویں کو پاشید۔

کعبہ کی ہرنیاں اور شاہ فارس..... مرآت زمیں میں ہے کہ یہ دونوں ہرنیاں اور اسی طرح تلواریں ساسانی نے (بیت اللہ کو) ہدیہ کی تھیں جو فرس ثانیہ کا پسر بلاشاہ تھا (یہ شاہان فارس کی دوسری سلطنت کا جو ساسانی سلطنت تھی، بادشاہ تھا۔

شاہان فارس کے چار خاندان..... تشریح :- فارس کی چار سلطنتیں چار خاندانوں نے بنائیں۔ مگر ان خاندانوں کی ترتیب اس سے مختلف تھی۔ تاریخ ابو الفداء نے ان کی ترتیب یہ دی ہے کہ سب سے پہلے فیحد ثویہ خاندان کی سلطنت تھی جس میں یابوس بلاشاہ جوئے سب کا لقب فیحد ثویہ تھا جس کے متعہ بہت انصاف اور عدل کرنے والے کے ہیں۔ ان نو بلاشاہوں کے نام یہ ہیں لوئج، طورث، جشید، پیوراسب، اس کو خماک بھی کہا گیا، فریدون، مین اھلیان، منوچہر، افریسیاب، زو اور کرشاسف،

فیحد ثویہ کے بعد کیانی خاندان..... دوسری سلطنت کرشاسف کے مرنے کے بعد کیانیوں کی ہوئی جس میں سب سے پہلے یکتا بلاشاہ جو زکا جیسا تھا، اس کے بعد کیکاؤس نے تخت سنبھالا، پھر نکھر و پھر کرشاسف، پھر بخت نصر، جس کے متعلق پہلے گزرا ہے کہ یہ بنی اسرائیل پر مسلط ہوا تھا اس کے بعد لولاق ہوا، پھر بلطاعصر جو بخت نصر کا بیٹا تھا، پھر اسکے شرافت پھر زرتشت جو دین مجوس کا بانی کہلاتا ہے، پھر ازدرشیر بمن جو اسفندیار کا بیٹا تھا اور شرافت کا پوتا تھا۔ اور اس کے بعد دارا پھر اسکندر ابن فیلمس وغیرہ۔

تیسرا خاندان اشکانیہ..... پھر تیسری سلطنت اشکانیہ کی ہوئی ان میں پسر بلاشاہ اشکان ابن اشکان ہوا، اس کا نام اشکان ابن اشکان بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد سابور تخت نشین ہوا پھر جوہر پھر میران پھر جوہر پھر نرسی پھر ہرہر پھر اردوان پھر خسرو پھر بلدش پھر اردوان ہضر (یعنی اردوان ثانی) جس کو ازدرشیر ابن بابک نے قتل کرا دیا۔

چوتھا خاندان ساسان..... اس کے بعد چوتھی سلطنت ساسانیوں کی ہوئی جن میں پسر بلاشاہ ازدرشیر ابن بابک ہوئے یہ بابک ساسان ابن ازدرشیر بمن کی لولاد میں سے تھا جس کا ذکر گزر چکا ہے کہ وہ کیانی خاندان کا گیارہواں بادشاہ تھا۔ ازدرشیر ساسانی کی سلطنت آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے چار سو بائیس سال قبل ہوئی ہے اس کے بعد اس کا بیٹا سابور تخت نشین ہوا پھر اس کا بیٹا پھر ہرہر بلاشاہ ہوا پھر ہیرام ابن ہرہر پھر ہیرام ابن ہیرام پھر اس کا بیٹا ہرہر، پھر اس کا بیٹا ہرہر ابن نرسی پھر اس کا بیٹا سابور ابن ہرہر وغیرہ وغیرہ (تاریخ ابو الفداء جلد اول ص ۳۹ تا ص ۸۸) اس طرح ساسانی سلطنت شاہان فارس کے چوتھے طبعیہ میں آتی ہے۔ (مرتب)

کیا ایرانیوں کے حاکم رہے :-..... مگر اس بات کو ملحوظ رکھیں نے غلط قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ شاہان فارس نے نہ تو کبھی کے پر حکومت کی اور نہ کبھی وہ بیت اللہ کا حج کرنے آئے (کیونکہ اس دور میں فارس یعنی ایران میں مجوسیوں کی حکومت تھی، اور سارا ایران آگ کی پوجا کیا کرتا تھا، اسلام کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں مسلمانوں نے فتوحات شروع کیں۔ رفتہ رفتہ سارا ایران فتح ہوا اور ایرانیوں نے اسلامی

تعلیمات اور مسلمانوں کی معاشرت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا) یہاں تک مرآت زمان کا کلام ہے۔ یہاں یہ بھی قول ہے کہ یہ بات (کہ ایرانیوں نے کبھی نہ کئے پر حکومت کی اور نہ بیت اللہ کا حج کیا) اس روایت کے خلاف نہیں ہے (کیونکہ اس کے بغیر بھی یہ ممکن ہے کہ شہانِ قدس میں سے کسی نے بیت اللہ کے لئے ہدیہ بھیجا ہو)۔ یہ بات قابلِ غور ہے۔

جرہم کے بعد خزاعہ کی سرداری..... (بنی جرہم جس زمانے میں مکے کے سردار تھے) اس وقت زحرم کا کنواں خشک ہو گیا تھا۔ مضامین جڑ ہی قبیلہ جرہم کا سردار جب اپنی قوم کی طرف سے یایوس ہو کر مکے سے جاتے (لگا تو اس) نے رات کے وقت یہ کنواں کھودا اور بہت گراگڑھا کر کے اس میں (دو ہریاں اور تلواریں وغیرہ کو فن کر دیں۔ ایک روایت ہے کہ اس نے حجرِ اسود کو بھی اسی گڑھے میں دفن کر دیا تھا پھر اس نے کنویں کو پاٹ کر برابر کیا اور قوم کو چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی جرہم پر قبیلہ خزاعہ کو مسلط کر دیا جنہوں نے جرہم کو حرم (کی سر زمین اور مکے کی سرداری سے نکال دیا۔

اس کی تفصیل پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے) یہاں سے نکالے جانے کے بعد جرہم بھی لومر اور لومر بھاگ گئے اور ہلاک ہو گئے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

عبد المطلب کا خواب..... پھر زحرم کا کنواں مدتوں تک اسی طرح بند رہا۔ بنی خزاعہ اور قصی کی سرداری کا پورا زمانہ گزر گیا اور یہ بھی معلوم نہ رہا کہ زحرم کا کنواں کس وقت (حی) کے وہ یہ بھی بھول چکے تھے کہ اس نام کا کنواں کوئی یہاں رہا ہے) یہاں تک کہ قصی کے بعد عبد المطلب کا زمانہ آگیا (اور لوگ چاہ زحرم کے متعلق بے خبر رہے) پھر اس کے بعد عبد المطلب نے خواب دیکھا (جس میں انہیں زحرم کی جگہ بتلائی گئی) اور اسے کھودنے کا حکم دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مدت (جس میں زحرم بند پڑا) پانچ سو سال ہے۔ قصی ابن کلاب نے اپنی سرداری کے زمانے میں ایک کنواں کھود دیا تھا جو اس مکان میں تھا جس میں آنحضرت ﷺ کی چچا زاد بہن اُمّ ہانی رہتی تھیں۔ یہ پہلا کنواں ہے جو (زحرم کے بند ہو جانے کے بعد) مکے میں کھودا گیا۔

چاہ زحرم کھودنے کی ہدایت..... حضرت علی ابن ابی طالبؓ نے روایت کیا ہے کہ عبد المطلب نے کہا کہ میں حجرِ اسود کے مقام پر سو رہا تھا کہ میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھ سے کہا ”طیبہ“ کو کھودو (طیبہ کے معنی پاک ہیں۔ تفصیل آگے آ رہی ہے) میں نے اس سے پوچھا کہ طیبہ کیا ہے۔ مگر وہ (بتلائے بغیر) چلا گیا۔ اگلی رات کو میں پھر اپنے بستر پر پڑ کے سو گیا وہی شخص پھر میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ کو کھودو (بڑے کے معنی نیک اور نیک چلتی کے ہیں) میں نے اس سے پوچھا بڑے کیا ہے مگر وہ (بتلائے بغیر) مجھے حیران چھوڑ کر چلا گیا۔ جب اگلی رات ہوئی تو میں اپنے بستر پر سو گیا وہی شخص پھر میرے پاس آیا اور اس نے کہا مضمونہ کو کھودو۔ (مضمونہ کے معنی وہ چیز جس کے دینے میں نکل کیا جائے یعنی قیمتی اور خاص چیز) میں نے پوچھا مضمونہ کیا ہے۔ وہ بتلائے بغیر چلا گیا۔ اگلی رات میں پھر جب اپنے بستر پر سویا تو وہی شخص پھر (خواب میں) میرے پاس آیا اور بولا ”زحرم کو کھودو“ میں نے پوچھا زحرم کیا ہے اس نے کہا۔

”جس کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا، جس کا پانی کبھی کم نہیں ہوتا جو حاجیوں کے پے پے بڑے مجموعوں کو پانی سے سیراب کرتا ہے جو گندگی اور خون کے درمیان میں ہے، جہاں سفید پھل والا کو اچھوٹا مارتا ہے، جو قرینہ النمل کے پاس ہے۔“

اس کنویں کے تین سوت..... پانی ختم نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کنواں بھی پانی سے خالی نہیں ہوتا، اور نہ پانی بچا ہو کوئی تک پہنچا ہے۔ اس کے حقیقی ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کنویں میں (کسی زمانے میں جب اس میں پانی تھا) ایک جھٹی گرو کر مر گیا تھا اور وہیں اس کی لاش پھول کر پھٹ گئی، اس وجہ سے کنویں کو خالی کیا گیا اور لوگ کنویں کی گرائی تک پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ کنویں کی تہہ میں تین جھٹے (سوت) ہیں جن سے پانی اُبل رہا ہے، ان میں جو سوت سب سے بڑا تھا اور جس میں سے پانی سب سے زیادہ اُبل رہا تھا وہ حجرِ اسود کی طرف والا چشمہ تھا۔

یہ کہنا کہ لائڈم (دال کے ساتھ) اس کا مطلب ہے کہ یہ کم پانی کا کنواں نہیں (یہ مذمت یعنی برائی کرنے کے معنی میں نہیں ہے) اسی لفظ سے جس سے ”برنومہ“ یعنی کم پانی والا کنواں کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی کبھی کوئی شخص برائی نہیں کرتا۔ کیونکہ خالد ابن عبد اللہ قسری جو ولید ابن عبد الملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اس نے اس کنویں کی برائی کی ہے۔ اس نے اس کا نام ”مہم“ جھٹان یعنی کیڑوں کا کنواں رکھا تھا (نحوذ باللہ) اور کے سے باہر ولید ابن عبد الملک کے نام پر ایک دوسرا کنواں کھدوایا تھا وہ زحرم کے کنویں کے مقابلے میں اس کنویں کی فضیلت بیان کیا کرتا تھا اور لوگوں کو کہتا تھا کہ اس سے قبر تک حاصل کریں۔ (یعنی اس وجہ سے لائڈم کے معنی یہ نہیں کئے جاتے کہ اس کنویں کی کبھی کوئی شخص برائی نہیں کرتا) مگر کہا جاتا ہے کہ یہ تو اس شخص یعنی خالد ابن عبد اللہ کی گستاخی اور بے حیائی ہے (ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس کنویں کے پانی کی کبھی کسی نے برائی نہیں کی کیونکہ اس کا پانی عمدہ صاف، تازہ اور خوش ذائقہ رہا ہے) خالد ابن عبد اللہ وہی شخص ہے جو کھلم کھلا منبر پر کھڑے ہو کر حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ پر لعنت کیا کرتا تھا، اس لئے ایسے شخص کی مذمت کا کوئی اہلِ حق نہیں کیا جاسکتا (اور لائڈم کے معنی یہ کئے جاسکتے ہیں کہ وہ پانی جس کی کبھی کسی شخص نے برائی نہیں کی)۔

آب زحرم کے فضائل..... (عبد المطلب کو خواب میں پہلی رست میں اس کنویں کا نام زحرم کے بجائے) طیبہ (پاک) اس لئے کہا گیا کہ یہ پانی ابراہیم کی لولائوں میں پاک مردوں اور پاک عورتوں کے لئے ہے۔ (اگلے دن خواب میں) اس کو بڑھاس لئے کہا گیا کہ یہ ابراہیم یعنی پاکباز لوگوں کے لئے جلدی ہول (تیسری رات میں) اس کو صحنونہ (یعنی وہ چیز جس کو قیمتی ہونے کی وجہ سے دینے میں بخل کیا جائے) اس لئے کہا گیا کہ اس کے پانی کو ان لوگوں کو دینے میں بخل کیا گیا ہے جو مومن نہیں ہیں چنانچہ مناقب کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہیں ملے۔

ایک حدیث قدسی میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس پانی کو آپ کے سوا دوسروں کے لئے روک دیا گیا۔ آپ ﷺ سے مراد شاہد یہ ہے کہ کتب کے بیروں اور اشراج کرنے والوں کے سوا دوسروں پر یہ پانی بند کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس صورت میں کا مطلب وہی ہو گا جو اس سے پہلے قول کا ہے۔

چاہ زحرم کی نشاندہی..... ایک روایت ہے کہ عبد المطلب سے (خواب میں) کہا گیا کہ زحرم کا کنواں کھودو گو کہنے والے نے جبکہ کی کوئی نشانی اور علامت نہیں بتلائی۔ عبد المطلب اپنی قوم کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں زحرم کا کنواں کھودوں۔ لوگوں نے پوچھا کیا تمہیں یہ بھی بتلایا گیا کہ یہ زحرم کہاں ہے۔ عبد المطلب نے کہا کہ میں اتلو لوگوں نے کہا کہ پھر اسی بستر میں جا کر سو جاؤ جہاں تم نے یہ خواب دیکھا

تھا اگر یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم ہے اور حق ہے تو ہمیں بتلایا جائے گا اور اگر یہ شیطانی خبر ہے تو وہ تہمد ہے پس دوبارہ نہیں آئے گا۔ (رات کو) عبدالمطلب وہیں اپنے بستر میں جا کر سو گئے۔ خواب میں وہی شخص پھر آیا اور کہا: ”محرّم کا کنواں کھودو، اگر تم نے اسے کھودا تو تمہیں شرمندگی نہیں ہوگی، وہ تہمد ہے عظیم باپ کی میراث ہے، اس کا پانی کبھی ختم نہیں ہو تا اور نہ کبھی کم ہوتا ہے، اس کا پانی حاجیوں کے بڑے بڑے مجموعوں کو سیراب کر سکتا ہے۔“

اس جگہ کی علامتیں..... عبدالمطلب نے پوچھا کہ یہ کنواں کس جگہ ہے۔ اس شخص نے کہا: ”یہ گندگی (جہاں پڑی ہوگی اس) کے اور خون (جہاں پڑا ہوگا اس) کے درمیان میں ہے اور قرینۃ النمل کے پاس ہے جہاں کل ایک سفید پیٹ والا کواٹھو نکلیں مادرہا ہوگا۔“

(یہاں سفید پیٹ والے کواٹھ کے لئے غراب اسم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے کئی معنی کئے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ) اسم کے معنی سرخ چونچ اور سرخ پیروں والے کے بھی کئے گئے ہیں اور سفید پیٹ والے کے بھی کئے گئے ہیں۔ امام غزالی نے غراب اسم کے معنی صرف سفید پیٹ والے کواٹھ کے لئے ہیں انہوں نے اس حدیث کے سلسلے میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ فرمایا۔

عور توں میں شریف عورت کی مثال ایسی ہے جیسے سینکڑوں کدوں میں ایک غراب اسم (اس کے بعد امام غزالیؒ نے لکھا ہے) یعنی سفید پیٹ والا کواٹھ۔ یہاں تک امام صاحب کا کلام ہے۔ اس کے ایک معنی سفید پردوں والے کے بھی کئے گئے ہیں۔ نیز یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ وہ کوا جس کا

ایک بچہ سفید ہو۔

عبدالمطلب کنویں کی تلاش میں..... ہر حال اگلے دن عبدالمطلب اپنے بیٹے حوث کے ساتھ اس جگہ پر گئے۔ اس وقت تک عبدالمطلب کے صرف یہی ایک لڑکا تھا یہ دونوں اس جگہ پہنچ گئے جس کو خواب میں قرینۃ النمل بتلایا گیا تھا وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک جگہ گندگی اور خون پڑا ہوا ہے اور اس کے بچ میں کواٹھ نکلیں مادرہا ہے۔ یہ جگہ اساف اور ناکہ کے بتوں کے درمیان میں تھی۔ یہ دونوں وہی بت ہیں جن کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔ نیز یہ بھی پیچھے گزر چکا ہے کہ قریش ان کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ان کے پاس قربانیاں کیا کرتے تھے (چنانچہ گندگی اور خون سے مراد یہی ہے کہ وہاں قربانی کے جانوروں کی آلائش اور گوبر اور خون وغیرہ پڑ رہا تھا)۔

اس بارے میں جو دوسری روایت آئی ہے وہ قرین قیاس نہیں ہے کہ عبدالمطلب نے اپنے خواب کے مطابق قرینۃ النمل اور کواٹھ کے ٹھونکیں مارنے کی جگہ تو ڈھونڈ لی لیکن وہاں انہیں گندگی اور خون کہیں نظر نہ آیا وہ ابھی اسی سوچ میں تھے کہ اچانک ایک گائے اپنے ذبح کرنے والے کے پیچھے سے نکل کر بھاگی، اس کا مالک گائے کو پکڑنے دوڑا مگر وہ مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد اس کے ہاتھ آئی (یعنی اس جگہ جس کے متعلق عبدالمطلب کو خواب میں بتلایا گیا تھا) مالک نے گائے کو اسی جگہ ذبح کر دیا (جہاں وہ اس کے ہاتھ آئی) اب چونکہ یہ جگہ وہی تھی یعنی قرینۃ النمل اس لئے جب گائے کو وہاں ذبح کیا گیا تو اس جگہ خون اور آلائش وغیرہ گری۔ عبدالمطلب کو اس جگہ ابھی وہی علامتیں ملی تھیں مگر اب وہاں خون اور گندگی بھی موجود ہو گئی۔ اور اس طرح وہ ساری علامتیں پوری ہو گئیں جو خواب میں ان کو بتلانی تھیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس روایت کو مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ عبدالمطلب یہ

سمجھے ہوں کہ گندگی اور خون وہاں موجود ملے گا حالانکہ جبکہ چاہے وہی ہو جس کا اثر وہ خوب میں کیا گیا تھا مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ گندگی اور خون وہاں پہلے سے موجود ہوتے۔ چنانچہ عبدالمطلب جب وہاں پہنچے (اور وہاں انہیں خون اور گندگی نظر نہیں آئی) تو انہوں نے اس کو کافی نہیں سمجھا کہ وہاں صرف کو اٹھو نکلیں مارتا نظر آ رہا تھا (اور خون اور گندگی نہیں تھی۔ اس لئے صرف ایک علامت کو دیکھ کر انہوں نے زمین کو دے کا فیصلہ نہیں کیا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس گائے کو وہاں بھیج دیا تاکہ سارا معاملہ وہ پوری طرح اور صاف صاف دیکھ لیں۔ سبیل نے لکھا ہے کہ ان علامتوں کا ذکر کرنے میں حکمت اور مصلحت تھی۔ اس بات کو قبول کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

اساف و نائلہ بتوں کی جگہ..... شاید اساف اور نائلہ کے بت اس کے بعد صفا و مردہ پہاڑیوں پر منتقل کر دیئے گئے تھے جبکہ اس سے پہلے عمرو ابن لُحی نے ان بتوں کو کعبہ کے اندر سے نکال کر زحرم کے کنوئیں کی جگہ پر رکھوا دیا تھا (یعنی اب جبکہ عبدالمطلب کو خواب میں کنوئیں کی جگہ وہی بتلائی گئی جہاں یہ بت رکھے ہوئے تھے اور انہوں نے کنواں کھود لیا تو بتوں کو وہاں سے ہٹا کر صفا و مردہ پہاڑیوں پر رکھوا لیا)۔

صفا و مردہ شعائر دین..... چنانچہ قاضی بیضاوی وغیرہ کی یہ بات روایات کے خلاف نہیں ہے کہ اساف کا بت مٹا کر پہاڑی پر رکھا ہوا تھا اور نائلہ کا مردہ پہاڑی پر نہ نہ جا بلیت میں جب لوگ حج کے دورہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سہی کرتے تھے (یعنی دوڑتے تھے) تو ان دونوں بتوں کو برکت کے لئے چھو کرتے تھے اسی لئے اسلام کے آنے کے بعد جب تمام بتوں کو توڑ دیا گیا تھا تو مسلمانوں نے صفا و مردہ کے درمیان سہی کو پسند نہیں کیا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا:۔

”یا رسول اللہ! یہ ہمارا جا بلیت کے زمانے میں طریقہ تھا (کہ ان پہاڑیوں کے درمیان سہی کیا کرتے تھے) تاکہ ان بتوں کو چھو کر برکت حاصل کریں۔“

(یعنی اب جبکہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں ہم یہ طریقہ چھوڑ دینا چاہئے) مگر اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَا يَمَسُّهُنَّ

ترجمہ: تحقیقاً صفا و مردہ من جملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں۔ (پ ۲ سورہ بقرہ رکوع ۳)

اس طرح حق تعالیٰ نے یہ حقیقت ظاہر فرمادی کہ صفا و مردہ کے درمیان سہی کرنا جا بلیت کا شعائر اور طریقہ نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ طریقوں میں سے ایک طریقہ اور شعائر ہے۔

کما جاتا ہے کہ وہ گائے (جو بدک کر ذبح کرنے والے کے پیچھے سے بھاگ آئی تھی) حذوہ کے مقام پر کاٹی گئی تھی کہ اچانک بدکی اور بھاگ کر مسجد حرام میں زحرم کی جگہ پر پہنچی اور ہیں گر پڑی پھر وہیں اس کا گوشت بیٹا گیا (چونکہ جانور کٹنے کی وجہ سے وہاں آلائش اور لوبھڑی وغیرہ پڑی تھی) اس لئے ایک سفید پٹ والا کوا آیا اور اس آلائش میں چونچ مارنے لگا۔ اس روایت اور کچھ روایات میں مطابقت قابل غور ہے۔ (کیونکہ گذشتہ روایت میں ہے کہ گائے حرم میں ذبح کی گئی تھی اور اس میں یہ ہے کہ حذوہ کے مقام پر ذبح کی گئی تھی) یہ بھی کما جاتا ہے کہ ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہیں اس لئے کہ کچھ روایت میں جو یہ قول ہے کہ اچانک ایک گائے ذبح کرنے والے کے پیچھے سے بدک کر بھاگی یعنی اس نے ذبح کرنے کا لالہ کیا تھا اور ابھی پوری طرح ذبح

نہیں کر پایا تھا کہ وہ بھاگ کر حرم میں کھس گئی تب وہاں ذبح کی گئی یعنی بوجہ وہاں مکمل کیا گیا اس طرح کھیا وہ حذورہ اور مسجد حرام دونوں جگہوں پر ذبح کی گئی۔ یہ یہ ممکن ہے کہ حذورہ کے مقام پر اس کے کاٹے جانے سے مراد ذبح ہو اور حرم میں کاٹے جانے کا مطلب اسکی کھال اس پر تلور گوشت بنانا ہو۔ کیونکہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد دوسری جگہ پر ڈال کر اس گوشت بٹایا جاتا ہے۔

کھدائی کا ارادہ اور قریش کا اعتراض :-..... (اب جبکہ تمام نشانیاں اور علامتیں مل گئیں اور وہ جگہ متعین ہو گئی تو) عبد المطلب کدال لے کر آگئے اور کھدائی کے لئے تیار ہو گئے، مگر اسی وقت قریش رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے :-

”خدا کی قسم! ہم تمہیں یہ کھدائی نہیں کرنے دیں گے۔ تم ہمارے ان دونوں بچوں کے درمیان کنواں کھودنا چاہتے ہو جہاں ہم ان کے لئے قربانیاں کرتے ہیں!“

عبد المطلب کا پختہ عزم :-..... عبد المطلب نے (یہ حال دیکھ کر) اپنے بیٹے حادث سے کہا کہ ان لوگوں کو میرے قریب مت آنے دو تاکہ میں کھدائی کا کام کر سکا ہوں، کیونکہ جس کام کا مجھے حکم دیا گیا ہے خدا کی قسم میں اسے ضرور پورا کروں گا۔

بنیادوں کی برآمدگی :-..... جب قریش نے دیکھا کہ یہ ماٹے والے نہیں ہیں تو وہ انہیں پھوڑ کر ہٹ گئے۔ ابھی عبد المطلب نے تھوڑی سی سا کھودا تھا کہ اس میں بنیاد ظاہر ہو گئی (جو قدیم زمانے میں کنوئیں پر رہی ہوگی) یہ دیکھ کر عبد المطلب نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہا کہ یہ دیکھو یہ اسماعیل کی تعمیر ہے۔ قریش سمجھ گئے کہ عبد المطلب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے، چنانچہ وہ سب ان کے پاس آئے اور کہنے لگے :-

”عبد المطلب، خدا کی قسم یہ ہمارے باپ اسماعیل کا کنواں ہے اور اس میں ہمارا بھی حق ہے اس لئے ہم اس میں تمہارے شریک بنیں گے۔“

قریش جیسے دلداری کے دعویدار :-..... مگر عبد المطلب نے کہا کہ میں تمہیں شریک نہیں بنا سکتا یہ تمہارے سے الگ تمامیر اکام ہے۔ قریش نے کہا کہ تب پھر اس معاملے میں ہم تمہارے ساتھ جھگڑا کریں گے۔ عبد المطلب نے کہا کہ (فیصلے کے لئے میرے اور اپنے درمیان جسے چاہو حکم لو رکالت بناؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم بنی سعد ابن ہزیم کی کاہنہ کو حکم بناتے ہیں۔

شامی کاہنہ سے ثالثی کا ارادہ :-..... یہ کاہنہ ملک شام کے بالائی علاقہ میں رہتی تھی۔ شاید یہ وہی کاہنہ ہے (جس کے بارے میں یہ واقعہ مشہور ہے) کہ اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے شق اور سطح کو بلایا اور ان دونوں کے منہ میں تھوک اور کما سطح کمانت کے فن میں اس کا جانشین ہو گا اس کے بعد وہ اسی دن سر گئی۔ سطح کے متعلق تفصیل آگے آئے گی۔ شق کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ آدمی کے بدن کا آدھا حصہ تھا اس کے ایک ہاتھ، ایک پیر اور ٹانگ تھی اور ایک آنکھ تھی (یعنی اس کا جسم صرف بائیں طرف کا تھا۔ شق عربی میں طرف اور جانب کو کہتے ہیں۔ چونکہ شق کاہن کا جسم صرف ایک طرف کا تھا اس لئے اس کو شق کہا گیا)۔

فریقین کی شام کو زوالگی :-..... فرض (اس کاہنہ کو اپنا حکم بنانے کے بعد) عبد المطلب اس کے پاس جانے کے لئے روانہ ہوئے ان کے ساتھ بنی عبد مناف کے لوگوں کی ایک جماعت تھی اور قریش کے بھی ہر قبیلہ کی ایک ایک جماعت تھی۔ اس زمانے میں ملک حجاز اور شام کے درمیان ایک بیابان اور چٹیل میدان تھا جہاں

کنیں بھی پانی نہیں قلعہ جب عبد المطلب اس بیلیان میں داخل ہوئے تو ان کا پانی ختم ہو گیا۔ ساتھ ہی ان کے تمام ہمارا ہوں (یعنی بنی عبد مناف کے آدمیوں کا پانی بھی ختم ہو گیا۔ یہ لوگ پیاس سے اتنے بے حال ہو گئے کہ انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ آخر مجبور ہو کر انہوں نے قبیلہ قریش کے دوسرے لوگوں کی جو جماعت تھی اس سے پانی مانگا مگر قریش نے انکار کر دیا اور کہا کہ (اگر ہم نے اپنے پانی میں سے تمہیں بھی دیا تو) ہمیں ڈر ہے کہ ہمارا بھی تمہارے ہی جیسا حشر نہ ہو۔

عبد المطلب کے پاس پانی ختم :-..... آخر عبد المطلب نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ آپ کی رائے ہو گی وہی ہماری بھی ہو گی۔ عبد المطلب نے کہا :-

”میرا خیال ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے لئے ایک ایک گڑھا کھود لے اور میرے تک اسی میں رہے۔ جب بھی کوئی (پیاس سے) مرے گا تو دوسرے ساتھی اسی کو اس گڑھے میں دبا دیں گے۔ یہاں تک کہ (جب سب مر جائیں) تو آخری آدمی رہ جائے گا (جو دفن نہیں ہو سکے گا) مگر ایک آدمی کا ضائع ہو جانا یعنی بغیر کفن و دفن کے لاش کا ضائع ہونا تمام قافلے کے ضائع ہونے کے مقابلے میں کم ہے۔“

ماپوسی اور موت کا انتظار :-..... لوگ اس پر تیار ہو گئے۔ اب ہر ایک نے اپنے لئے ایک ایک گڑھا کھود لیا اور وہ لوگ ان میں (یعنی اپنی قبروں میں) بیٹھ کر اپنی موت کا انتظار کرنے لگے، مگر پھر عبد المطلب نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

”خدا کی قسم! اگر ہم اسی طرح اپنے ہاتھوں اپنی موت کا انتظار کرتے رہے تو ہم میں سے ہر ایک بے بس ہو جائے گا اس لئے بہتر ہے کہ ہم اوپر لوہر دیکھ بھال کریں، ممکن ہے خدا ہمارے لئے پانی کا بندوبست فرما دے۔“

عبد المطلب پر خاص فضل خداوندی :-..... چنانچہ اب سب اٹھ کر چل پڑے، ان کی قوم (یعنی قبیلہ قریش کے دوسرے خاندانوں کے لوگ) ان کی یہ سب حرکتیں (خاموشی سے) دیکھ رہے تھے (سب سے پہلے) عبد المطلب اپنی سواری کے پاس آئے اور اس پر سوار ہوئے، جیسے ہی وہ اٹھی اس کے پیروں کے نیچے سے چٹھے پانی کا ایک چشمہ اُبل آیا۔ عبد المطلب اور ان کے ساتھیوں نے دیکھتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ پھر عبد المطلب سواری سے اترے اور انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے مشکیزے پانی سے بھر لئے۔ اس کے بعد عبد المطلب نے قریش کے دوسرے خاندانوں کی جماعتوں کو بلایا (جنہوں نے ان کو پانی دینے سے انکار کر دیا تھا) اور ان سے کہا کہ آپ اپنی نکل آیا، اللہ نے ہمیں سیراب کر دیا تم بھی آؤ اور سیر ہو کر پانی پیو۔ وہ لوگ فوراً اُٹھ گئے اور سب نے سیر ہو کر پانی پیا۔ پھر انہوں نے عبد المطلب سے کہا۔

غیبی مدد پر قریش کا اعتراف :-..... ”خدا کی قسم عبد المطلب تمہارے حق میں فیصلہ ہو گیا، اب ہم ہرگز زحرم کے بارے میں کبھی تم سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ جس ذات نے جہیں اس بیلیان میں سیراب کر دیا وہی ہمیں زحرم سے بھی سیراب کرے گا۔ اس لئے بس اب سیدھے اپنے کنوئیں (یعنی زحرم) پر واپس چلو۔“

مکے کو واپسی :-..... (اس طرح گویا قریش نے دیکھ لیا کہ عبد المطلب کے حال پر خدا تعالیٰ کی خاص مدد رہی اور جماعت ہے ان سے جھگڑنا بے سود ہے کہ آخر میں یقیناً حق ہی کو ہو گی اس لئے انہوں نے سوچا کہ اب اس کاہنہ کے پاس جانا بے کار ہے وہاں بھی ہمیں ہی نجات دیکھنا پڑے گا۔ چنانچہ انہوں نے کاہنہ سے فیصلہ کر لیا کہ

لئے اس کے پاس جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور عبدالمطلب سے واپس کے چلنے کے لئے کہا۔

زحرم سے خزانہ کی برآمدگی :-..... عبدالمطلب اور یہ سب لوگ وہیں سے واپس آگئے۔ کاہنہ کے پاس نہیں گئے۔ واپس آکر عبدالمطلب نے پھر چاہ زحرم کی کھدائی شروع کر دی (تھوڑی سی کھدائی کے بعد) انہیں اس میں سے دو سونے کی ہرنیاں ملیں جنہیں قبیلہ جرہم نے اس میں دفن کر دیا تھا (اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے کہ بنی جرہم کے سردار مضاہ ابن عمرو جرہم نے اپنی قوم کی بدکاریاں دیکھ کر انہیں اس سے باز رکھنا چاہا اور سمجھایا مگر جب ان پر کوئی اثر نہیں ہوا تو ایک روز رات کے وقت اس نے چپکے سے کعبہ کا قیمتی سامان جیسے یہ سونے کی ہرنیاں اور کچھ تلواریں اور زور ہیں وغیرہ زحرم کے خشک شدہ کنوئیں میں دفن کر دیں اور خود قوم کی جابی کا یقین کرتے ہوئے کعبہ سے چلا گیا تھا۔

قریش کو لالچ :-..... عبدالمطلب کو اس میں کچھ تلواریں اور زور ہیں بھی ملیں۔ (یہ قیمتی سامان دیکھ کر پھر لوگوں کو لالچ آیا اور) قریش نے عبدالمطلب سے کہا :-

”عبدالمطلب! اس میں تمہارے ساتھ ہمارا بھی حصہ ہے۔“

انصاف کے لئے قرعہ کی تجویز :-..... مگر عبدالمطلب نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمیں انصاف کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ پانسہ کے تیروں کے ذریعہ قرعہ ڈالیں۔ قریش نے پوچھا کہ کیسے کرو گے تو عبدالمطلب نے کہا :-

”دو تیر تو میں کعبہ کے رکھوں گا، دو تیر میرے لئے ہوں گے اور دو تیر تمہارے لئے ہوں گے، جس کے تیر جس چیز پر نکلیں گے وہ چیز اس کی ہو جائے گی اور جس کے نام پر تیر نہیں نکلیں گے اس کو کچھ نہیں ملے گا۔“

قریش نے کہا کہ ہاں یہ انصاف کی صورت ہے چنانچہ زور رنگ کے دو تیر تو کعبہ کے نام کے طے کئے گئے اور سیاہ رنگ کے دو (۲) تیر عبدالمطلب کے نام پر اور سفید رنگ کے دو تیر قریش کے نام پر رکھے گئے۔ پھر انہوں نے یہ تیر قرعہ ڈالنے والے کو دیئے جو پہل نامی بت کے پاس قرعہ ڈالا کر تاتھا۔

قرعہ اندازی :-..... قرعہ میں انہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ (قرعہ کے سامان میں دونوں ہرنیاں ایک قسم شہد ہوں گی اور تلواریں اور زور ہیں ایک قسم شہد ہوں گی۔ اس کے بعد (جب قرعہ اندازی کی جانے لگی تو عبدالمطلب چند اشہد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی دعا مانگتے لگے۔ یہ شعر امتناع میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

قریش کی ناکامی :-..... اب قرعہ انداز نے تیروں کا پانسہ مارا تو دیکھا کہ زور رنگ کے تیروں پر (جو کعبہ کے نام کے تھے) سونے کی ہرنیاں نکلیں، اور سیاہ رنگ کے تیروں پر (جو عبدالمطلب کے نام کے تھے) تلواریں اور زور ہیں نکلیں اور قریش کے نام پر جو تیر تھے وہ کسی چیز پر بھی نہیں نکلے۔

در کعبہ کی آرائش :-..... عبدالمطلب نے تلواروں کو کعبہ کے دروازے کے لئے خاص کر دیا اور دونوں ہرنیوں کو اس دروازے پر رکھ دیا یہ پہلا موقع تھا کہ کعبہ کے دروازوں کو سونے سے سجایا گیا۔

عبد اللہ بن عباس کی روایت ہے کہ پہلا آدمی جس نے کعبہ کے دروازے کو سونے سے آراستہ کیا عبدالمطلب ہے۔

آرائش کعبہ میں خلفاء کا حصہ :-..... شفاء غرام میں ہے کہ عبدالمطلب نے دونوں ہرنیاں کعبہ میں لٹکادی تھیں اور اس طرح یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے کعبہ میں جھاڑو خانوس لٹکائے (اس طرح کو یاد دونوں روایتوں میں

اختلاف ہے۔ پہلی روایت کے مطابق عبدالمطلب نے ہر نیاں کعبے کے دروازے میں رکھیں اور دوسری روایت کے مطابق یہ ہر نیاں کعبے کے اندر لٹکائی گئیں۔ ان دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرنے کا بیان آئے گا کہ ہر نیاں لٹکائی گئیں یا ان سے کعبے کے دروازے کو زینت دی گئی۔ ہر حال اس کے بعد کعبے کے اندر مختلف لوگوں نے آرائش کی چیزیں لٹکائیں۔ چنانچہ جب فارس کا شہزادہ ابن کسریٰ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں حج ہوا تو مالِ قیمتی میں دو چاند (جو غالباً سونے کے تھے) حضرت عمرؓ نے کعبے میں لٹکانے کے لئے بھیجے، اسی طرح عبدالمطلب ابن مروان نے (اپنی خلافت کے زمانے میں) کدو شیشے کے بنے ہوئے سورج اور دو بلوریں تیر کعبے میں لٹکوائے۔ ولید ابن یزید نے ایک تخت کعبے کی زینت کے لئے بھیجا۔ سفاح بلا شہ نے ایک بزرگ کا بڑا پیالہ کعبے میں لٹکانے کے لئے بھیجا۔ اسی طرح خلیفہ منصور نے قادورہ فرعونیہ (ایک شیشے کا برتن) لٹکوا دیا۔ خلیفہ مامون رشید نے اپنا قوت کعبے کے لئے بھیجا جو ہر سال حج کے زمانے میں کعبے پر لٹکایا جاتا تھا۔ یہ سونے کی ایک لڑی میں لٹکا ہوا تھا۔ ان کے زمانے میں ایک بادشاہ مسلمان ہوا تو اس نے اپنا وہ بت کعبے کے لئے بھیج دیا جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا۔ یہ سونے کا بنا ہوا تھا اور جو اہل بیت، یاقوت اور خلیفہ وغیرہ سے جڑا ہوا تھا۔ چنانچہ اس کو کعبے کے خزانے میں جمع کر دیا گیا۔

خزانہ کعبہ کی چوری :- اس کے بعد وہ دونوں ہر نیاں (جو حرم کے کنوئیں سے نکلیں تھیں) چوری ہو گئیں۔ چوروں نے تاجروں کی ایک جماعت کو جو شراب وغیرہ لے کر کے آئی تھی وہ ہر نیاں بیچ کر اس کے بدلے میں ان سے شراب خرید لی۔ کہا جاتا ہے کہ ابولہب اور اس کے بعض ساتھیوں کے پاس ایک زمانے میں شراب بالکل ختم ہو گئی۔ اسی دورانِ شام سے ایک قافلہ آیا جس کے پاس شراب بھی تھی۔ ابولہب وغیرہ نے (کعبہ کی ہر نیاں میں سے) ایک ہر نی چرائی اور (وہ قافلے والوں کو دے کر) اس کے بدلے میں شراب خرید لی۔ قریش کو ان سونے کی ہر نیوں کے حصول کی بہت آرزو تھی اور ان میں سب سے زیادہ ان کا آرزو مند عبد اللہ ابنی جدِ علی تھا۔ ابولہب بھی چوروں میں :- (جب قریش کو پتہ چلا کہ ہر نی کن لوگوں نے چرائی ہے تو انہوں نے ان میں سے بعض کو پکڑ لیا) اور ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے، کچھ لوگ (جان بچا کر) بھاگ گئے، ان بھاگ جانے والوں میں ابولہب بھی تھا، اس نے اپنی نامال یعنی بنی خزاع کے پاس جا کر پناہ لی، جنہوں نے اس کو قریشیوں سے پھلایا (جو اسے پکڑ کر چوری کی سزا دلوانا چاہتے تھے) اسی لئے ابولہب کو کعبے کی ہر نی کا چور کہا جانے لگا تھا۔

عرب میں شراب سے نفع اندوزی :- کہا جاتا ہے کہ شراب سے فائدہ یہ تھا کہ وہ لوگ جب اس کو کعبے کی نواں اور قرب و جوار میں سے خرید کر لاتے تھے تو (کعبے میں) بہت گواں فروخت کرتے تھے۔ اس سے بہت نفع یوں بھی حاصل ہوتا تھا کہ اگر خرید کر شراب خریدنے میں بھلاؤ نہیں کرتا تھا تو یہ اس کی فضیلت اور بڑائی شہر ہوتی تھی۔ اس طرح یہ لوگ شراب سے بہت نفع کما لیتے تھے۔ (کعبے میں شراب نوشی کی عادت تمام لوگوں میں تھی اور بہت زیادہ تھی مگر خود مکہ شراب کی منڈی نہیں تھا اس لئے قرب و جوار کے علاقوں سے لوگ شراب لا کر اونچے داموں پر کعبے میں بیچا کرتے تھے۔ بڑے لوگ اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے شراب کی خریداری میں بھلاؤ تاؤ اور جھگڑا نہیں کرتے تھے بلکہ منہ ماگی قیمت لدا کیا کرتے تھے کیونکہ یہ بہت زیادہ بڑائی کی بات سمجھی جاتی تھی) (جیسا کہ آج بھی بھلاؤ تاؤ نہ کرنے والے کو بڑا آدمی سمجھا جاتا ہے اگرچہ یہ فرق ہے کہ آج کل عام طور پر ایسے بڑے آدمی کو بے وقوف بھی سمجھا جاتا ہے)

شراب کے اثرات :-..... شراب کے فائدوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کمزور آدمی کو طاقت دیتی ہے، کھانا بخم کر دیتی ہے، قوت مردی میں اضافہ کرتی ہے (یعنی شہوانی اور حیوانی خواہشات کو بڑھاتی ہے) مگر غم میں آدمی کو تسکین دیتی ہے، بزدلوں کو بہادر بناتی ہے (یعنی صرف نشے کے دور ان کہ اس وقت آدمی اپنے ہوش میں نہیں ہوتا اس لئے بغیر سوچے سمجھے مدہوش آدمی ہر کس و ناکس سے لڑنے کھڑا ہو جاتا ہے چاہے ویسے وہ بہادر ہو یا نہ ہو، چنانچہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس نشے کی حماقت میں اپنے ہاتھ پیر تروا بیٹھتا ہے، البتہ نشہ اتر جائے گا تو بزدل آدمی بزدل ہی رہے گا) خون کو شراب صاف کرتی ہے، حرارت غریزہ کو بڑھاتی ہے، اور ہمت اور بلند باغ و غوٹ کا جذبہ پیدا کرتی ہے (کہ آدمی اپنی حیثیت سے زیادہ دعوے کرنے لگتا ہے جس کے نتیجے میں اسے رسوا ہونا پڑتا ہے)

شراب کی مضر میں :-..... شراب میں یہ سب فائدے اس وقت تک تھے جب تک یہ حرام نہیں ہوئی تھی، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دے دیا تو اس کے یہ تمام فائدے بھی اس میں سے ختم فرمادیے اور یہ صرف نقصان ہی نقصان کا باعث رہ گئی، چنانچہ اس سے جو نقصانات ہیں وہ یہ ہیں کہ اس سے جسم میں درد کا عارضہ پیدا ہوتا ہے اور بدن میں ریشہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ نقصانات تو شراب نوش کو دنیا میں ہوتے ہیں اور آخرت میں اس کا نقصان یہ ہے کہ اسے دوزخیوں کا خون اور پیپ پلائی جائے گی۔

شراب کے بدترین نقصانات :-..... بعض محققین نے لکھا ہے کہ جس کو شراب نوشی کی عادت پڑ گئی ہو اس کے عقل میں فساد پیدا ہو جاتا ہے، پاگل پن پیدا ہو جاتا ہے گندہ دہنی کا مرض لگ جاتا ہے (گندہ دہنی ایک انتہائی خوفناک بیماری ہے، ایسے آدمی کے منہ میں سے ہر وقت اتنی شدید بدبو آتی ہے کہ لوگ اس کے قریب جاتے اور اس سے بات کرتے ہوئے نفرت محسوس کرتے ہیں۔ شراب نوشی کے نقصانات میں سب سے برا و نیا دی نقصان ایک یہی ہے کہ اس کو گندہ دہنی کی بیماری لگ جاتی ہے) نیز اس کی بیانی کمزوری ہو جاتی ہے، اعصابی کمزوری یعنی پٹھوں کے درد و دھن کی بیماری لگ جاتی ہے۔ شراب نوش کی موت اچانک ہوتی ہے (حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اچانک موت سے بچا ہمارا لیا ہے کیونکہ نہ معلوم آدمی کس حالت میں ہو پاکی یا ناپاکی کی حالت میں ہو یا گناہ میں مشغول ہو، پھر یہ کہ اچانک مرنے والے کو نہ معلوم کلمہ بھی نصیب ہو سکے یا نہیں) نیز شراب نوش کا قلب مر جاتا ہے (یعنی اس میں خیر اور بھلائی کی بات نہیں آتی) نیز یہ اللہ کو بدامان کرتی ہے (اور ظاہر ہے جس سے اللہ بدامان ہو جائے اس کا دین اور دنیا میں کمال ٹھکانہ ہے)۔

شراب کی خلاف احادیث و روایات :-..... اسی وجہ سے حدیث میں آتا ہے کہ شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔ ایک روایت ہے کہ شراب سے بچو اس لئے کہ یہ ہر برائی کی کنجی ہے یعنی برائیوں کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ ایک روایت ہے کہ شراب تمام گندے کاموں کی جڑ ہے اور ایک میں یہ لفظ ہیں کہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ ایک روایت ہے کہ جو شخص شراب سے تسکین حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو تسکین نہیں بخشے اور جو شخص اس سے شفا حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا نہیں فرماتا۔

بچھلی سطروں میں یہ دو روایتیں گزری ہیں جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ دونوں سونے کی ہر نیاں کعبے میں لٹکائی گئی تھیں اور ایک یہ ہے کہ وہ دونوں یا ان میں سے ایک چوری ہو گئی تھی۔ اس اختلاف کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر نیاں کعبے میں لٹکائی گئیں اور یہ کہ وہ دونوں یا ایک

چوری ہو گئی تھی یا یہ کہ عبدالمطلب نے ہر نیوں کو کعبہ کے دو دائرہ پر زینت کے لئے نصب کر دیا تھا کیونکہ ممکن ہے عبدالمطلب نے دونوں ہرنیاں یا ان میں سے ایک (چوری کے بعد) تاجروں سے چھڑائی ہو اور پھر انہیں بیت اللہ کے دو دائرے کی زینت بنادیا ہو جبکہ اس سے پہلے انہوں نے ان کو کعبے کے اندر لٹکایا ہو (یعنی ماہیہ میں کعبے کے اندر ہی لٹکایا ہو پھر وہاں سے چوری ہوئی ہوں اس کے بعد ان تاجروں سے جن کو چوروں نے بیچ دی تھیں واپس حاصل کر کے اس مرتبہ دو دائرے کی زینت بنادیا ہو)۔

قریش کا عبدالمطلب سے حسد :-..... امتناع میں لکھا ہے کہ زحرم کا کنواں ظاہر ہونے سے پہلے لوگ دوسرے کنوؤں سے پانی حاصل کیا کرتے تھے جو کعبے میں کھود لئے گئے تھے۔ ان میں سب سے پہلا کنواں قصی نے کھود لیا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے کعبے میں بیٹھے پانی کی بہت کمی تھی چنانچہ جب عبدالمطلب نے زحرم کا کنواں کھود لیا تو انہوں نے اس پر ایک حوض بنادی جس میں وہ لوہاں کا بیٹا تھمت پانی بھر دیا کرتے تھے مگر قریش اپنے حوض اور جلن کی وجہ سے دلت کو وہ حوض توڑ دیتے تھے۔ صبح کو جب وہ ٹوٹی ہوئی ملتی تو عبدالمطلب پھر اس کی مرمت کرتے تھے۔ جب قریش کی یہ حرکت بہت زیادہ بڑھ گئی اور یہاں تک کہ ایک دو ایک شخص نے آکر اس حوض میں غسل بھی کرنا شروع کر دیا تو عبدالمطلب کو بے حد غصہ آیا۔ اسی رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان سے کہا گیا۔ یہ کہو :-

”اے اللہ! میں اس حوض کو روپانی کو نہانے کے کام کے لئے حلال نہیں کرتا بلکہ یہ صرف پینے والوں کے لئے حلال اور جائز ہے۔“

آب زمزم کے متعلق دعاء :-..... چنانچہ (صبح کی) جب کہ مسجد حرام کے اندر قریش میں (اسی حوض کو روپانی کے معاملے پر) اختلاف ہو رہا تھا عبدالمطلب کھڑے ہوئے اور انہوں نے دعویٰ لفظ پکڑ کر لوگوں کے سامنے کہے (جن کو کہنے کے لئے انہیں خواب میں ہدایت ہوئی تھی، چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ) اب جو شخص بھی اس حوض کو توڑتا یا اس میں غسل کرتا تو اس کے بدن میں کوئی بیماری لگ جاتی۔

عبدالمطلب کو قریش کا طعنہ :-..... جب کنواں کھودتے وقت قریش نے رکاوٹ ڈالی تھی (اور) عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث سے کہا تھا کہ ان لوگوں کو میرے قریب مت آئے دو تاکہ میں کھدائی جاری رکھوں۔ اس وقت عبدالمطلب کو انداز ہوا تھا کہ (قریشی مخالفوں کی موجودگی میں اس کام کو پورا کرنے کی) مجھ میں طاقت نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے حثت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے دس بیٹے عطا فرمائے جو مخالفوں سے میری حفاظت کریں تو میں ان میں سے ایک کو کعبے میں ذبح کروں گا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابن مہنت کے ماننے کا سبب یہ ہوا تھا کہ مطعم کے باپ عدی ابن نوفل ابن عبد مناف نے ان سے کہا تھا کہ عبدالمطلب تم ہم پر چڑھ کے آتے ہو حالانکہ تم تمہارے کوئی تمہارے لڑکا نہیں ہے، یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ کئی لڑکے نہیں ہیں بلکہ صرف ایک ہی لڑکا ہے، نہ ہی تمہارے پاس مال و دولت ہے اور پھر یہ کہ تم اپنی قوم میں تمہارا ایک ہو۔

عبدالمطلب کا عدی کو کھرا جواب :-..... یہ سن کر عبدالمطلب نے عدی سے کہا کہ یہ بات تو کہتا ہے حالانکہ تیرا باپ نوفل، ہاشم، (یعنی عبدالمطلب کے باپ) کی سرپرستی میں رہتا تھا اس لئے کہ ہاشم، نوفل کی ماں کے مالک ہو گئے تھے اس وقت نوفل کم عمر تھا (اس لئے ہاشم ہی کی زیر تربیت رہا۔ ہاشم اپنے باپ کے مرنے

کے بعد اپنی سوتیلی ماں کے مالک ہو گئے تھے کیونکہ جیسا کہ آگے بیان ہو گا۔ عرب کا ایک نہایت یہود و ستور یہ تھا کہ باپ کے مرنے سے بعد سب سے بڑا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کا مالک ہو جاتا تھا اور اس پر شوہر کے جیسے حقوق قائم کر لیتا تھا۔ آنحضرت ﷺ ہاشم کی ولادت میں ہیں مگر ہاشم کی جائز ولادت جو منکوحہ یوی سے تھی اس سے ہیں آپ کے نسی ولادتوں میں سب جائز اور نکاح کی ولادت ہیں جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

اس پر عدی نے کہا کہ تم بھی یثرب میں غیروں کے پاس رہتے تھے اپنے باپ کے بجائے اپنی نانا مال یعنی بنی نجار میں اور پھر تمہارے چچا مطلب وہاں سے واپس لائے۔

دس بیٹوں کے لئے دعاء :- عبدالمطلب نے کہا کہ تو مجھے کی کا طعنہ دیتا ہے، خدا کی قسم میں منت ماننا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے دس لڑکے دے تو میں ان میں سے ایک کو کعبے میں قربان کروں گا۔ ایک روایت کے یہ لفظ ہیں کہ ان میں سے ایک کو خدا کے نام پر قربان کروں گا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ عبدالمطلب نے یہ منت اسی پر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ زحرم کے کنوئیں کی کھدائی ان کے لئے آسان کر دے تو ایک بیٹا ذبح کریں گے۔ چنانچہ حضرت معلیہ سے روایت ہے کہ جب عبدالمطلب کو چاہ زحرم کھودنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے منت مانی کہ اگر یہ کام آسانی سے ہو جائے تو وہ اپنے بیٹوں میں سے ایک کو ذبح کریں گے۔

ایک بیٹا قربان کرنے کی منت :- چنانچہ جب ان کے دس لڑکے ہو گئے اور زحرم کی کھدائی بھی پوری ہو گئی تو ان کو خواب میں حکم دیا گیا کہ وہ اپنی منت پوری کریں ان سے کہا گیا کہ اپنے لڑکوں میں سے ایک کو قربان کرو۔ یہ حکم اس وقت دیا گیا جب کہ وہ اپنی منت کو بھول چکے تھے۔ اس سے پہلے جب ان کو (خواب میں) کہا گیا تھا کہ منت پوری کرو تو انہوں نے ایک مینڈھا ذبح کر کے غریبوں کو کھانا کھلا دیا تھا۔ مگر پھر خواب میں حکم دیا گیا کہ اس سے زیادہ بڑی کوئی چیز پیش کرو۔ اس دفعہ عبدالمطلب نے ایک بیل ذبح کیا۔ خواب میں پھر یہی کہا گیا کہ اس سے بھی بڑی کوئی چیز پیش کرو۔ اب انہوں نے لونٹ ذبح کیا۔ مگر پھر خواب دیکھا اور کہا گیا کہ کوئی اس سے بھی بڑی چیز پیش کرو۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا چیز ہے۔ کہا گیا کہ اپنے بیٹوں میں سے کسی کو پیش کرو جس کے متعلق تم نے منت مانی تھی۔ اب عبدالمطلب نے (منت پوری کرنے کا ارادہ کیا اور) اپنے تمام بیٹوں کو جمع کر کے انہیں اپنی منت کے متعلق بتلایا۔ اور ان سے کہا کہ اسکو پورا کرنا چاہئے۔ بیٹوں نے باپ کی بات پر سر جھکا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سلسلے میں سب سے پہلے باپ کی بات کو ماننے والے عبد اللہ تھے۔

قربانی کے لئے عبد اللہ کے نام پر قرعہ :- اس کے بعد عبدالمطلب نے قرعہ ڈالنے کا ارادہ کیا اور اپنے تمام بیٹوں کے نام تھروں پر لکھ کر بیت اللہ کے در بان کو دیئے جو بیل بیت کا خادم تھا اس نے قرعہ ڈالا جو عبد اللہ کے نام پر نکلا۔ یہ عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے اور سب سے پیارے بیٹے تھے جیسا کہ ان کے اوصاف کے متعلق پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ عبدالمطلب نے چھری منبھائی اور بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اسراف اور نالکہ کے بتوں کے پاس لائے۔ اس کے بعد انہوں نے عبد اللہ کو زمین پر ڈالا اور ان کی گردن پر اپنا حیر رکھ لیا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت عباسؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ بھائی کی محبت کو جوش کیا اور عباسؓ نے عبد اللہ کو باپ کے حجر کے نیچے سے بچھ لیا۔ یہاں تک کہ (اس بچھ جان میں) عبد اللہ کے چہرے پر خراشیں آ گئیں جن کے نشان بعد میں ان کے مرنے تک ان کے چہرے پر رہے۔

اسی سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے والد پیدا ہوئے تو حضرت عباسؓ کی عمر تین سال کے تک پہنچ چکی تھی۔ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے والد کی پیدائش یاد ہے میں اس وقت تقریباً تین سال کا تھا، چنانچہ ان کو میرے پاس لایا گیا تو میں نے آپ کو ذکیعہ عورتیں مجھ سے کہنے لگیں کہ اپنے بھائی کو پیدا کرو تو میں نے ان کو پیدا کیا۔

ناہمال والوں کی رکاوٹ :-..... کہا جاتا ہے کہ (عبداللہ کی قربانی کے سلسلے میں) ان کی ناہمال کے لوگوں یعنی بنی مخزوم نے ان کو روکا اور کہا کہ خدا کی قسم اس کی ماں کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔

پھر انہوں نے عبدالطلب سے کہا کہ اپنے رب کو راضی کر لو اور بیٹے کی جان کا فدیہ دے دو۔ چنانچہ عبدالطلب نے سولہ ٹھ پیسے کی جان کا فدیہ دے دیا۔

قریش کی فمائش :-..... ایک روایت میں ہے کہ قریش کو یہ بات (یعنی عبداللہ کی قربانی) بہت گریں گزری چنانچہ سر دہن قریش اپنی اپنی مجلسوں سے اٹھ کر عبدالطلب کے پاس آئے اور انہیں اس سے روکنے لگے۔ انہوں نے کہا۔

”خدا کی قسم اس وقت تک ایسا مت کرو جب تک کہ فلاں کا ہنہ سے اس کے متعلق نہ پوچھ لو۔ یعنی ممکن ہے کہ وہ تمہارے رب کو راضی کرنے کی کوئی صورت بتا دے، کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو دوسرے لوگ بھی آ کر اپنے بیٹوں کو ذبح کرنا شروع کر دیں گے اور یہ ایک مستقل طریقہ بن جائے گا۔ شاید مراد یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے کے ساتھ بھی یہی منصفانہ صورت پیش آئے (تو وہ بھی بے جھجک اپنے بیٹوں کو یہاں لاکر ذبح کر دیا کریں گے)۔ قریش کے بعض دوسرے بزرگوں نے کہا کہ تم ایسا مت کرو۔ اگر اس کی جان کا فدیہ ہمارے مال کے ذریعہ ہو سکا ہے تو ہم لو اکر دیں گے۔“

کاہنہ سے مشورہ کی تجویز :-..... (جس کاہنہ سے پوچھنے کا مشورہ دیا گیا تھا) کہا جاتا ہے کہ اس کا نام قطبہ تھا۔ بعض مؤرخین نے کوئی دوسرا نام بھی ذکر کیا ہے۔ یہ خیر میں رہی تھی (ان لوگوں نے عبدالطلب سے کہا کہ اس کے پاس جا کر اس سے اس کے متعلق پوچھو۔ اگر وہ کاہنہ عبداللہ کو ذبح کرنے کا حکم عطا دے تو ذبح کر دینا اور اگر وہ کوئی ایسی بات کہے جس میں تمہارے اور عبداللہ کے لئے محجاش نکلی ہو تو تم اس کی بات مان لینا۔

کاہنہ کا مشورہ :-..... عبدالطلب اپنی قوم کے بعض آدمیوں اور عبداللہ کی ناہمال یعنی بنی مخزوم کے ساتھ اس کاہنہ کے پاس آئے اور اس کو تمام واقعہ سنا کر اس سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے سن کر کہا کہ آج تو تم لوگ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ جب میرا تابع آئے گا تو میں اس سے پوچھوں گی۔ یہ لوگ اس کے پاس سے آگئے۔ اگلے دن یہ پھر اس سے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ میرے پاس خبر آگئی ہے تمہیں دیت (یعنی جان کی قیمت کو اپنی پڑے گی)۔ انہوں نے پوچھا دیت کتنی ہو گی۔ اس نے کہا کہ دس لونٹوں پر قرعہ ڈالنا اور جب تک قرعہ عبداللہ کے نام پر نکلا رہے دس دس لونٹوں کا اضافہ کرتے رہنا (اور دوبارہ سہ سہ قرعہ ڈالتے رہنا)۔ یہاں تک کہ قرعہ لونٹوں کے نام پر نکل آئے۔

بیٹے کے فدیہ میں سولہ ٹھ :-..... (اس کے بعد عبدالطلب اور ان کے ساتھ خیر سے واپس آگئے اور کئے بچے کر)۔ انہوں نے دس لونٹوں پر قرعہ ڈالا۔ مگر وہ عبداللہ کے نام پر نکلا۔ اب ہر دفعہ دس لونٹ بڑھا کر (لونٹوں اور عبداللہ کے نام پر) قرعہ ڈالتے رہے یہاں تک کہ جب سولہ ٹھ تک پہنچ گئے تو قرعہ لونٹوں پر نکل

آیا۔ یہ دیکھ کر قریش نے کہا کہ بس کام پورا ہو گیا، تمہارا رب راضی ہو گیا۔ مگر عبدالمطلب نے کہا کہ نمی میں تین مرتبہ قرعہ ڈالوں گا۔ انہوں نے دو دفعہ اور سولوتوں پر قرعہ ڈالا (مگر تینوں دفعہ سولوتوں پر ہی نکلا) اب عبدالمطلب کو پوری طرح اطمینان ہو گیا کہ خدا نے عبد اللہ کے بدلے میں سولوتوں کی قربانی منظور فرمائی ہے) انہوں نے کعبے کی پاس اونٹ ذبح کئے اور کسی کو کھانے سے نہیں روکا یعنی یومی، جانور اور پرندے ہر ایک کو کھانے کی اجازت تھی۔

سولوتوں کے فدیہ کا رواج :-..... زہری کہتے ہیں کہ عبدالمطلب پہلے کوئی ہیں جنہوں نے کوئی کی جان کی قیمت سولوت فرمادیے کا طریقہ ڈالا یعنی اس سے پہلے دس لونٹ کی دیت تھی جیسا کہ گزر چکا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلا آدمی جس نے (سولوت کی دیت کا) طریقہ ڈالا وہ ابو یسار عدوانی تھا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ عامر ابن طرب تھا۔ اس کے بعد قریش میں دیت کی اس مقدار کا رواج پڑ گیا۔ اس طرح عبدالمطلب کی ولایت اضافی ہے۔ اس کے بعد یہ طریقہ سارے عرب میں پھیل گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس دیت کی تصدیق فرمائی۔ عربوں میں پہلا آدمی جس کے لئے سولوتوں کی دیت دی گئی فیصلہ ہو تو قرن کا زید ابن بکر تھا۔ اس کو اس کے بھائی نے قتل کر دیا تھا۔

(ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب عبدالمطلب نے سولوتوں اور عبد اللہ کے نام پر قرعہ ڈالا تو تین سولوتوں پر پہنچ کر قرعہ سولوتوں پر نکلا تھا۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ سولوتوں تک پہنچ جانے پر بھی قرعہ سولوتوں پر نکلا تھا۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ سولوتوں تک پہنچ جانے پر بھی قرعہ عبد اللہ ہی کے نام پر نکلا تھا اور جب تک تین سولوت نہیں ہو گئے انہیں کے نام پر نکلا نہ پہنچا۔ یہاں تک کہ تین سولوتوں پر جب قرعہ سولوتوں پر نکلا تو عبدالمطلب نے اتنے ہی لونٹ کا لئے، تو یہ روایت بہت زیادہ کمزور ہے۔

سولوتوں اور ابن عباس کا فتویٰ :-..... حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کا ذکر کیا ہے کہ جب ان سے ایک عورت نے کہا کہ اس نے اپنے بیٹے کو کعبے میں ذبح کرنے کی منت مانی ہے تو حضرت ابن عباسؓ نے اس کو سولوت ذبح کر دینے کا حکم دیا اور یہ فیصلہ انہوں نے اسی وقت کے تحت کیا۔ پھر اس عورت نے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے اس کے متعلق فتویٰ پوچھا مگر انہوں نے اس بارے میں کوئی فتویٰ نہیں دی۔ پھر یہ بات مروان ابن حکم کو معلوم ہوئی، یہ اس زمانے میں مدینے کا امیر تھا، اس نے اس عورت کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے بجائے جتنا ہو سکے کوئی کار خیر کر دے۔ مروان نے کہا کہ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ نے فتویٰ ٹھیک نہیں دیا۔

ایسی منت کے متعلق مسئلہ :-..... مؤلف کہتے ہیں کہ یہ بات ظاہر ہے کہ ہم شافعیوں کے نزدیک یہ منت سرے سے باطل اور لغو ہے اس لئے اس عورت پر کوئی قربانی واجب نہیں ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک قربانی کے دنوں میں اس عورت پر حرم میں بکری کی قربانی واجب ہوتی ہے۔ اس کی دلیل وہ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ سے لیتے ہیں (اس بارے میں امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کا مذہب یہی ہے مگر یہ شرط امام صاحبؒ سے ثابت نہیں ہے کہ بکری کی قربانی حرم میں ہو اور قربانی کے دنوں میں ہو۔ اس بارے میں آیت و حدیث بنا ہر بلع عظیم کے تحت تفسیر ماجدی میں مفصل بحث کی گئی ہے جس میں امام صاحبؒ کا بھی مسلک ذکر ہے مگر دونوں شرطوں کا ذکر نہیں ہے، امام مالکؒ اور احناف میں امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ یہ نذر اور سنت قطعی

باطل اور لغو ہے۔ مرتب۔

آنحضرت ﷺ دو ذبیحوں کے بیٹے :- کشف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں دو ذبیحوں کی اولاد ہوں، مری لو میں حضرت عبداللہ اور حضرت اسماعیلؑ۔ بعض حضرات لکھتے ہیں کہ ہم حضرت معلویہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ لوگوں میں ذبح کے متعلق بات چل پڑی کہ کیا ذبح حضرت اسماعیلؑ ہیں یا حضرت اسحاقؑ ہیں (ذبح اس کو کہتے ہیں جس کی قربانی کی جانے والی ہو جیسے حضرت اسماعیلؑ کو اور آنحضرت ﷺ کے والد عبد اللہ کو ذبح کہتے ہیں) چونکہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذبح حضرت اسحاقؑ یعنی حضرت اسماعیلؑ کے بھائی تھے۔ اس لئے مؤلف اس کے متعلق مختلف روایات کے ذریعہ ظاہر کر رہے ہیں کہ ذبح حقیقت میں حضرت اسماعیلؑ ہے (تھے) حضرت معلویہؑ نے یہ سن کر فرمایا کہ تم ایک باخبر اور جاننے والے آدمی کے پاس آئے (یعنی مجھے اس کے حقائق معلوم ہیں۔ تم نے میرے سامنے یہ بات کر کے ٹھیک کیا پھر فرمایا) ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھے کہ آپ کے پاس ایک دیہاتی آیا اور اس نے اپنی کھیتیاں خشک ہو جانے کی فریاد کی اور کہا :-

حضرت اسماعیلؑ و اسحاقؑ میں ذبح کون تھے؟ میں اپنے علاقے کو اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ خشک ہو گیا ہے، مال و دولت تباہ ہو گیا، مال بچے ضائع ہو گئے۔ اے دو (۲) ذبیحوں کے بیٹے اللہ کے اس احسان کی بناء پر جو اس نے آپ کے ساتھ فرمایا ہے آپ میرے لیے پور تو چر فرمائیے۔“

آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر (یعنی یہ جملہ کہ اے دو (۲) ذبیحوں کے بیٹے) مسکرائے اور آپ ﷺ نے اس بات سے انکار نہیں فرمایا۔ اس پر لوگوں نے حضرت معلویہؑ سے پوچھا کہ یہ دو ذبح کون تھے اے امیر المؤمنین انہوں نے جواب دیا کہ عبداللہ اور اسماعیلؑ۔ حافظ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ایک ایسا لوی ہے جس کا حال معلوم نہیں ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کی قربانی میں مصلحت بعض محققین کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ بشری قضاے کے مطابق حضرت اسماعیلؑ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ خاص طور پر اس لئے کہ وہ اس وقت تک ان کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ خصوصیت پیدا فرمائی ہے کہ پہلی اولاد سے باپ کو بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔ بالخصوص جب کہ وہ اکلوتی بھی ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اسی محبوب بیٹے کی قربانی کا حکم دیا تاکہ ان کے دل کو غیر اللہ یعنی اللہ کے علاوہ دوسروں کی محبت سے پاک فرمادے اور ایک انتہائی طریقے سے جو بیٹے کی قربانی ہی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ جب وہ ایسا کرنے پر تیار ہو گئے اور ان کا دل بیٹے کی (غیر معمولی محبت سے) صاف ہو گیا اور وہ طبعی قضاے سے پھر گئے تو اللہ نے (ان کے بیٹے کی جان کے بدلے میں میٹھے سے) قربانی قبول فرمائی (یہ قربانی یعنی بیٹے کی) اس لئے طلب کی گئی تھی کہ دوستی کا صحیح مقام یہ ہے کہ ساری محبت صرف محبوب کے لئے وقف کر دی جائے، چنانچہ جب حضرت ابراہیمؑ کی محبت کسی دوسرے کی شرکت سے پاک ہو گئی تو بیٹے کو ذبح کرانے کی مصلحت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ یہ حکم منسوخ ہو گیا، اور ندیہ لے لیا گیا۔

اسحاقؑ کے ذبح ہونے کی روایت :- ایک حدیث ایسی بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبح (حضرت اسماعیلؑ کے بجائے ان کے بھائی) حضرت اسحاقؑ ہیں آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا نبی سب سے زیادہ اشرف ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”یوسف صدیق اللہ ابن یعقوب اسرائیل اللہ ابن اسحاق ذبح اللہ ابن ابراہیم خلیل اللہ طہیم السلام“۔ یہ روایت اسی طرح

ہے لیکن بعض محدثین کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس طرح ثابت ہے کہ ”یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام“ اس سے زیادہ جو کچھ (الفاظ) ہیں وہ لوی کی طرف سے اضافہ ہیں۔

عزیز مصر کے نام یعقوب کا خط :-..... یہ جو ذکر کیا جاتا ہے وہ کہیں سے ثابت نہیں ہے کہ جب حضرت یعقوب کو معلوم ہوا کہ ان کے بیٹے بن یامین کو چوری کے الزام میں قید کر لیا گیا ہے تو انہوں نے عزیز مصر کو لکھا (عزیز مصر، مصر کے بادشاہ کو کہا جاتا تھا) اس وقت تک حضرت یعقوب کو معلوم نہیں تھا کہ عزیز مصر ان کے بیٹے حضرت یوسف ہو چکے ہیں۔ حضرت یعقوب نے انہیں لکھا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یعقوب امر اکل اللہ ابن اسحاق ذبح اللہ ابن ابراہیم خلیل اللہ کی طرف سے عزیز مصر کے نام۔ تا بعد ایشی ایک ایسے گھر کا آدمی ہوں جس پر کج کل مصیبتوں کا دور دورہ ہے (اشارہ ہے حضرت یوسف کی گمشدگی اور دوسرے بیٹے بن یامین کی گرفتاری کی طرف) جہاں تک میرے دادا یعنی حضرت ابراہیمؑ کا معاملہ ہے تو انکے ہاتھ پیر باندھ کر ان کو آگ میں ڈالا گیا تھا تاکہ وہ جلی کر ختم ہو جائیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا اور ان کے لئے آگ کو ٹھنڈک اور سلامتی کا ذریعہ بنادیا۔ جہاں تک میرے باپ (یعنی اسحاقؑ) کا معاملہ ہے تو ان کی شررگ پر چھری رکھ دی گئی تھی تاکہ ان کو ذبح کیا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا ذبح یہ قول فرمایا۔ اور جہاں تک میرا معاملہ ہے تو میرا ایک بیٹا تھا وہ مجھے اپنی اولاد میں سب سے زیادہ پیارا تھا مگر وہ کہیں کھو گیا اور اس کے غم میں روتے روتے میری آنکھیں بھی کھو گئیں۔ میرا ایک دوسرا بیٹا تھا جو اس کا سگابھائی تھا۔ میں اس کے ذریعہ یوسف کی جدائی میں تسلی حاصل کیا کرتا تھا مگر اس کو قتل کر دیا۔ میرے گھر والے چوری نہیں کر سکتے، اور نہ ہم چوروں کو جتے ہیں۔ پس اگر تو اس کو (یعنی بن یامین کو) پکڑاؤ تو اسے تو بہتر ہے ورنہ میں تیرے لئے ایسی بددعا کروں گا جس کا اثر تیری ساتویں پشت پر بھی پڑے گا۔ والسلام“۔

نا قابل قبول روایت :-..... (اس روایت کے متعلق خود مؤلف کتاب بھی لکھ رہے ہیں کہ اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے بلکہ یہ غلط ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس میں جو بددعا ہے وہ ایک نبی کی شان کے خلاف ہے۔ حضرت یعقوب اور دوسرے انبیاء نے اس طرح بددعائیں کی ہیں جن انبیاء نے اپنی قوموں کے لئے بددعائیں فرمائیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم پر فرمائیں اور اس وقت کہیں جبکہ وہ برسوں ان کو سمجھا سمجھا کر ان پر حجت تمام کر چکے تھے۔ اس لئے یہ مذکورہ بالا روایت قابل قبول نہیں ہے) کیونکہ قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں کہ یعقوب نے جو خط یوسف کو لکھا اس میں از طرف یعقوب ابن اسحاق ذبح اللہ لکھا تھا۔

دوسری غیر ثابت روایت :-..... اسی طرح انس جلیل میں یہ جو ایک روایت ہے غالباً اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ جب موسیٰ نے حضرت شعیبؑ سے جدا ہو کر اپنے وطن جانا چاہا جو فرعون کی مملکت میں تھا تو حضرت شعیبؑ نے دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے اور کہا ”اے ابراہیم خلیل کے پروردگار اے اسماعیل صلی، اسحاق ذبح، یعقوب سلیم اور یوسف صدیق کے پروردگار مجھے میری طاقت اور بھائی کو بھانسنے۔“

اس دعا پر موسیٰ نے آمین کہا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شعیبؑ کو طاقت اور بھائی دوبارہ عطا فرمادی۔
ذبح کے متعلق یہود و نصاریٰ کے دعوئے :-..... (مؤلف کہتے ہیں کہ یہ روایت بھی اسی طرح ثابت نہیں ہے جس طرح اس سے منجمل روایت ثابت نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ان دونوں روایتوں میں حضرت اسحاق کو ذبح کہا گیا ہے جبکہ بحث اسی پر چل رہی ہے کہ ذبح حضرت اسماعیلؑ ہیں حضرت اسحاقؑ نہیں۔ اس بارے میں یہ

بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ چونکہ ذبح ہوتا ایک عظیم فضیلت اور بلند مرتبہ کی بات ہے اس لئے یہودیوں اور عیسائیوں نے ہمیشہ اس کی کوشش کی ہے کہ یہ مرتبہ حضرت اسماعیلؑ کے بجائے حضرت اسحاقؑ کے لئے ثابت کریں جو اسرائیلی نبی ہیں۔ حالانکہ اگر واقعہ بدرجہی طور پر اس کا کوئی ثبوت ہو تا تو خود بعض یہودی اور عیسائی علماء اس کا قلم ہرگز نہ کرتے کہ درحقیقت ذبح حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں۔ جبکہ آگے بھی ایک واقعہ آ رہا ہے کہ خود ان قوموں کے علماء دل سے یہی جانتے ہیں کہ ذبح حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں (حضرت یعقوبؑ کے نام کے ساتھ عظیم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، یہ لفظ ان کے لئے دراصل قرآن پاک نے استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں گھٹا ہوا ہوتا۔ اس سے حضرت یعقوبؑ کی حالت کی طرف اشارہ ہے جو حضرت یوسفؑ کی گمشدگی اور مسلسل صدمے کی وجہ سے ہو گئی تھی کہ دو غم سے گھٹے ہوئے رہتے تھے)۔

ملک الموت سے یوسفؑ کی تحقیق :-..... ایک روایت ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے ایک مرتبہ ملک الموت کو خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ کیا تم یوسفؑ کی روح قبض کر چکے ہو (کیونکہ یوسفؑ عرصہ ہوا گم ہو چکے تھے اور انہیں ان کا حال بالکل معلوم نہیں تھا) ملک الموت نے جواب دیا: نہیں خدا کی قسم وہ زندہ ہیں۔ پھر ملک الموت نے ان کو ایک دعا بتلائی کہ خدا سے یہ دعا کیا کریں :-

”اے ہمیشہ بھلائی اور احسان والے جس کی بھلائی کبھی ختم نہیں ہوتی اور نہ اس عظیم بھلائی کا کوئی دوسرا معاملہ کر سکتا ہے، میری پریشانی کو دور فرما دے۔“

حضرت اسحاقؑ کے متعلق دیگر روایات :-..... ایک روایت ہے کہ حضرت اسحاقؑ کو ذبح کرنے کی بنیاد یہ بتلائی جاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے (اپنی بیوی) حضرت سارہ سے فرمایا کہ اگر تمہارے پیٹ سے میرے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا تو وہ اللہ تعالیٰ کی رلا میں ذبح (یعنی قربان) ہو گا۔ اس کے بعد حضرت سارہ کے یہاں حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ ان کے اور حضرت ہاجرہ کے بیٹے اسماعیلؑ کی پیدائش کے درمیان تیرہ یا چودہ سال کا فاصلہ تھا (حضرت ہاجرہ اور حضرت سارہ دونوں ابراہیمؑ کی بیویاں تھیں) عبرانی زبان میں حضرت اسحاقؑ کا نام ضحاک تھا۔ ایک حدیث میں جس کا راوی ضعیف سے آتا ہے کہ ذبح اسحاقؑ تھے (جس کی تفصیل یہ ہے کہ) حضرت داؤدؑ نے اپنے رب سے دعا کی اور کہا:-

”اے میرے پروردگار! مجھے میرے باپ داؤدؑ اور حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ جیسا بنادے۔“

اس دعاء پر اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ کے پاس وحی بھیجی کہ میں نے ابراہیمؑ کو آگ کی آزمائش میں ڈالا جس پر اس نے صبر کیا پھر میں نے اسحاقؑ کو ذبح کئے جانے کی آزمائش میں ڈالا جس پر اس نے صبر کیا۔ پھر میں نے یعقوبؑ کو ان کے بیٹے کی گمشدگی کی آزمائش میں ڈالا جس پر اس نے صبر کیا۔

قرآن پاک کی اس آیت **وَبَشِّرَاهُ بِالْحَقِّ نَبِيًّا** کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کی نبوت کی خوش خبری اس وقت دی گئی جب اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبح کے بدلے میں فدیہ قبول فرمایا۔ یہ خوش خبری حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کے وقت نہیں دی گئی تھی یعنی جب باپ نے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر (قربانی کے لئے) پیش کر دیا اور اس حکم پر صبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس فرماں برداری اور صبر کے بدلے میں ان کو بیٹے کی نبوت کی خوش خبری عطا فرمائی (گویا اس روایت سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے

کہ ذبح حضرت اسحاق تھے۔“

علامہ سیوٹی کی رائے :-..... حافظ سیوٹی فرماتے ہیں کہ قاضی عیاض نے اپنی مکتب شفاء میں اور بیہقی نے اپنی کتاب انصریف والا اعلام میں حضرت اسحاق کو ذبح ماننے پر یقین کا اظہار کیا ہے اور تفسیر کے علم میں۔ میں بھی اسی نظریہ کی طرف سائل ہو گیا تھا مگر اب میں اس نظریہ سے ہٹ چکا ہوں کہ حضرت اسحاق ذبح ہیں۔ یہاں تک سیوٹی کا کلام ہے۔

ذبح اسماعیل ہی تھے :-..... حضرت اسماعیلؑ حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ تینوں کو حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں ہی نبوت مل چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسماعیلؑ کو نبی جو ہم کی طرف نبی بنا کر بھیجا، حضرت اسحاقؑ کو شام کے علاقے میں نبی بنا کر بھیجا اور حضرت یعقوبؑ کو کھان کے علاقے میں نبی بنایا۔ (اگر حضرت اسحاقؑ کو ہی ذبح مانا جائے تو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جیسا کہ پیچھے روایت گزری ہے کہ ایک دیہاتی نے آپ ﷺ کو ”اے دو بیٹوں کے بیٹے“ کہا تو آپ نے انکار نہیں کیا بلکہ مسکرا دیئے حالانکہ آپ ﷺ حضرت اسحاقؑ کی ولاد میں نہیں ہیں بلکہ ان کے بھائی حضرت اسماعیلؑ کی ولاد میں ہیں۔ گویا حضرت اسحاقؑ لوہر کی پشتوں میں جا کر آپ کے چچا ہوتے ہیں، اس کا جواب دیتے ہیں کہ) اگر اسحاقؑ کو ذبح مانا جائے تو کتاب ﷺ نے اعرابی کے یہ کہنے پر کہ ”اے دو بیٹوں کے بیٹے“ اس لئے انکار نہیں کیا بلکہ مسکرا دیئے کہ عرب میں چچا کو بھی باپ ہی کہا جاتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی مغالطہ انگیزی :-..... حدیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ، تابعین اور ان کے بعد والے علماء کے قول کے مطابق صحیح یہی ہے کہ ذبح حضرت اسماعیلؑ ہیں۔ جہاں تک حضرت اسحاقؑ کو ذبح کہنے کا سوال ہے تو یہ ایسا قول ہے جس کو میں سے زائد دلیلوں کی وجہ سے رد کیا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ سے یہ بات نقل کی جاتی ہے کہ یہ قول (کہ ذبح اسحاقؑ ہیں) اہل کتاب کی چلائی ہوئی ہے (یعنی یہودیوں کی) حالانکہ خود ان کی آسمانی کتاب تورات میں لکھا ہے کہ یہ قول باطل ہے۔ کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ وہ اپنے پہلوئے بیٹے اور ایک لفظ یہ ہیں کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کریں۔ اس کو یہودیوں نے اپنی آسمانی کتاب جو ان کے پاس تھی اس میں اس طرح بدل دیا کہ (اللہ نے ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ) اپنے بیٹے اسحاقؑ کو ذبح کرو۔ چنانچہ معانی ابن ذکرین نے لکھا ہے کہ یہودی علماء میں سے ایک شخص جب مسلمان ہوا تو اس سے عمر ابن عبدالعزیزؒ نے پوچھا کہ ابراہیمؑ کے کس بیٹے کو ذبح کئے جانے کا حکم دیا گیا تھا؟ اس عالم نے جواب دیا :-

”خدا کی قسم امیر المؤمنینؑ یہودی جانتے ہیں کہ وہ بیٹے اسماعیلؑ ہیں لیکن وہ اس بات سے جلتے ہیں کہ جس فضیلت کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے وہ آپ کی قوم عربوں کے لئے ہو۔ اس لئے وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ فضیلت اسحاقؑ کے لئے تھی کیونکہ وہ ان کے باپ ہیں (یعنی یہودی اسحاقؑ کی ولاد میں سے ہیں)“

اس مسئلہ پر میری ایک کتاب ہے جس کا نام ”القول الملح فی تعیین الذبح“ ہے۔ بعض علماء نے مجھ سے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ میں نے یہ رسالہ ان کے جواب میں لکھا ہے جس میں اس قول کو ترجیح دی ہے کہ ذبح حقیقت میں اسماعیلؑ ہیں چنانچہ اگر حضرت اسماعیلؑ کو ذبح مانا جائے تو ذبح کرنے کی جگہ معنی ہوتی ہے لیکن اگر اسحاقؑ کو ذبح مانا جائے تو ذبح کرنے کی جگہ لرض مقدس میں بیت المقدس سے دو میل کے فاصلے پر مشہور ہے۔

علامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ یہ تائید ہے اس بات کی کہ ذبح حضرت اسماعیلؑ تھے حضرت اسماعیلؑ نہیں بچے، کیونکہ اگر ذبح شام میں ہوتے جیسا کہ لیل کتاب کا خیال ہے تو قربان گاہ اور ذبح کرنے کی جگہ کے پچے بجائے شام میں ہوتی۔

عبد المطلب کے دس بیٹے :-..... (پھر اصل موضوع یعنی عبد اللہ کے ذبح کے حقائق بحث کرتے ہیں) عبد المطلب کی منت یہ تھی کہ میرے دس لڑکے ہوں تو میں ان میں سے ایک کو ذبح کروں مگر اس میں اختلاف ہے کہ جب انہوں نے عبد اللہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے دس لڑکے ہو چکے تھے یا نہیں چنانچہ کہتے ہیں اس میں اشکال ہے کہ عبد اللہ کو ذبح کرنے کے وقت عبد المطلب کے دس لڑکے ہو چکے تھے یا نہیں کیونکہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ اس واقعہ کے بعد پیدا ہوئے حالانکہ ان کے دس لڑکے ان دونوں سمیت جیتے ہیں۔ اسی کے ساتھ بعض لوگوں کے اس قول سے بھی اشکال پیدا ہوتا ہے کہ (ذبح کرنے کا ارادہ اس وقت کیا گیا جب عبد المطلب کے دس لڑکے پورے ہو گئے جو یہ ہیں :- حارث، زبیر، جمل، ضرار، مقوم، ابولہب عباس، حمزہ، ابوطالب، اور عبد اللہ۔

ارادہ ذبح کے وقت بیٹوں کی تعداد :-..... مؤلف کہتے ہیں کہ پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے اس وقت یعنی ذبح کرنے کے لوہے کے وقت ان کے لڑکے کے دو لڑکے ہو چکے ہوں۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ عبد المطلب کے لڑکے حارث کے دو لڑکے تھے ابوسفیان اور نوفل۔ اور پوتے کو حقیقت میں بیٹائی کہا جاتا ہے۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بارہ چچا تھے بلکہ بعض تیرہ بتلاتے ہیں اور یہ کہ عبد اللہ تیرہ ہوئے تھے۔ اس روایت کے بعد کوئی اشکال نہیں رہتا نیز اس سے بھی کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا کہ حضرت عبد اللہ سے حمزہؓ میں چھوٹے تھے اور حضرت عباسؓ حمزہؓ سے چھوٹے تھے یعنی یہ دونوں حمزہؓ اور عباسؓ عبد اللہ سے چھوٹے تھے کیونکہ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ عبد اللہ ذبح کے وقت سب سے چھوٹی ولادت تھی (یعنی ان کے بعد حمزہؓ اور عباسؓ پیدا ہوئے) کیونکہ ممکن ہے جب ذبح کرنے کا ارادہ کیا ہو اس وقت سب سے چھوٹے ہوں۔ پھر چاہے ان کے دس ہونے کی قید ہو یا نہ ہو نیز عبد اللہ کو تیرہ حوالا کہنے سے بھی کوئی اشکال نہیں ہوتا کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرہ میں سے ایک وہ تھے۔

عبد اللہ کا حسن و جمال :-..... جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ عبد اللہ قریش میں سب سے زیادہ حسین اور خوبصورت تھے اور آنحضرت ﷺ کا نور ان کے چہرے میں اس طرح چمکتا تھا جیسے روشن ستارہ ہوتا ہے۔ ان کے اس حسن کی وجہ سے قریش کی نوجوان لڑکیاں ان کو بہت چاہتی تھیں اور سب عبد اللہ پر جان دیتی تھیں۔ قریشی لڑکیاں عبد اللہ پر کتنی فریفتہ تھیں اس کا اندازہ اس سے ہوگا۔

قریشی لڑکیوں کی وارفتگی :-..... کہا جاتا ہے کہ جب عبد اللہ کی آمد سے شادی ہوئی تو قبیلہ قریش میں بے محروم، بے عبد کس اور بے عبد مناف میں کوئی لڑکی ایسی نہیں تھی جو اس غم میں پھرتی ہو کہ اس کی شادی عبد اللہ سے نہ ہو سکی۔

عبد اللہ (شادی کے وقت) اپنے والد کے ساتھ آمنہ کو پہلا کر لانے کے لئے روانہ ہوئے۔ آمنہ وہب ابن عبد مناف ابن زہرہ کی بیٹی تھیں۔ زہرہ کے سستی سفیدی کے ہیں۔ آمنہ کی دلوئی یعنی وہب کی ماں کا نام قبیلہ بنت ابوکعبہ تھا۔ شادی کے وقت عبد اللہ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ راستے میں ان کا گزر قبیلہ بنی اسد ابن عبد العزیٰ

کی ایک عورت پر ہوا جس کو قتیلہ کہا جاتا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس کا نام ورقہ تھا یہ ورقہ امین نوفل کی بہن تھی (ورقہ امین نوفل قریش کے ایک عالم اور نیک نفس آدمی تھی) اس وقت قتیلہ کعبہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی (جب وہاں سے عبدالمطلب اور عبد اللہ کا گزر ہوا) قتیلہ نے اپنے بھائی نوفل سے سن رکھا تھا کہ اس امت کے لئے ایک نبی ہونے والے ہیں۔ لہذا یہ کہ ان کی نشانوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان کا نور ان کے باپ کے چہرے میں جھلکا ہو گا یا ہو سکتا ہے کہ یہ بات اس کے دل میں ڈال دی گئی ہو (کیونکہ آگے روایت آ رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت خود بھی ایک عالمہ اور کاہنہ تھی) اس نے حضرت عبد اللہ کی پیشانی میں نور نبوت دیکھ کر ان سے کہا۔

عبد اللہ کی پاک دامنی :-..... عبد اللہ کہاں جا رہے ہو ۱۲ برسوں نے کہا کہ اپنے والد کے ساتھ جا رہا ہوں۔ قتیلہ نے کہا۔

”میں تمہیں اتنے ہی لونٹ دوں گی جتنے تمہاری جان کے بدلے میں قربان کئے گئے تھے اگر تم اسی وقت میرے ساتھ جماع کر لو“

حضرت عبد اللہ نے کہا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ ہوں پھر ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا اور نہ ان سے جدا ہو سکتا ہوں۔ پھر انہوں نے یہ شعر پڑھے۔

لَمَّا رَدَّ الْحَرَامَ كَارِي كَيْ بَاتَ بِهٖ اِسَّ مِنْ سَرَّوْمَرٍ قَوْمٍ جَانَا
فَالْمَمَاتُ لَا جَلَّ فَاَسْتَبِيْنَةُ
يَعْبُدِي الْكَوْبَمِ غَرْبِيَّةً وَ
فَكَيْفَ بِالْأَمْرِ الَّذِي تَبِيْنَةُ

شریف آدمی اپنی آبرو و دین کی حفاظت کیا کرتا ہے اس لئے تو کیسے ایک غلط کام کی طرف مجھے بلارہی ہے کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ کے کچھ شعر یہ ہیں جو تذکرۃ الصالح الصغدی میں ذکر کئے گئے ہیں۔

لَقَدْ حَكَمَ الْبَادُونَ رَفِي كُلِّ بَلَدَةٍ
بَانَ لَنَا فَضْلًا عَلَى مَادَقِ الْأَرْضِ

دیہاتیوں نے ہر ہر شہر میں یہ اعلان کر دیا ہے کہ ساری دنیا کے سر داروں پر ہمیں فضیلت حاصل ہے۔

وَأَنَّ أَبِي ذُو الْمَجْدِ وَالسُّودِ وَالَّذِي
يُشَارِبُهُ مَالِيْنَ فَتَشْرِ إِلَيَّ خَنْصَرِ

اور میرے والد عزت اور سرداری والے ہیں جن کی طرف ان کی عزت و سرداری کی وجہ سے پلندہ اور پست ہر جگہ اشارہ کیا جاتا ہے۔

ابو یزید مدنی سے روایت ہے کہ جب عبدالمطلب اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ کو لے کر ان کی شادی کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو وہ ایک کاہنہ عورت کے پاس سے گزرے جو جالہ کی دہنہ والی تھی (ت پریش ہے) جالہ بن کا ایک شہر ہے۔ اس عورت نے بت سی کہائیں پڑھی تھیں اس کا نامہ فاطمہ بنت مرثدہ تھی۔ جب اس نے حضرت عبد اللہ کو دیکھا تو اسے ان کے چہرے میں نبوت کا نور دیکھا وہاں نظر کیا اس نے عبد اللہ سے کہا۔

اے نوجوان! کیا تم اسی وقت مجھ سے جماع کر سکتے ہو میں اس کے بدلے میں تمہیں سولونیٹ دوں گی :-

اس پر عبد اللہ نے جو کچھ جواب دیا وہ یہی ہے جو پیچھے گزر چکا ہے۔

حسین عورت کی پیش کش :-..... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ کبھی نے کہا ہے کہ یہ کاہنہ بے انتہائی حسین اور پاکدامن عورتوں میں سے تھی۔ اس نے حضرت عبد اللہ کو نکاح کی دعوت دی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اس سے کوئی روایت کا خلاف بھی نہیں ہوتا (یعنی اگر یہ کہا جائے کہ اس نے نکاح کی دعوت دی تھی، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ کہنے سے کہ ”مجھ سے اسی وقت اگر تم جماع کر لو۔“ اس کی مراد ہو کہ نکاح بعد مگر عبد اللہ یہ سمجھے ہوں کہ وہ بغیر پہلے نکاح کے صرف گناہ کی دعوت دے رہی ہے اس لئے وہ شعر پڑھے جو پیچھے گزرے ہیں اور جو حضرت عبد اللہ کی پاکدامنی اور پاکیزگی ظاہر کرتے ہیں۔ یہ بات اس لئے ہے کہ گذشتہ دونوں واقعے ایک ہی ہیں اور ان دونوں روایتوں میں جس عورت کا ذکر ہے وہ ایک ہی ہے۔ البتہ اس کے نام کے متعلق روایتوں میں اختلاف ہے۔ اور یہ کہ حضرت عبد اللہ جب اپنے والد کے ساتھ حضرت آمنہ سے شادی کرنے کے لئے جا رہے تھے اس وقت اس عورت کے پاس سے ان کا گزر ہوا تھا۔ اور اسی لئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا گزر اسی ایک عورت کے پاس سے ہوا اور اسی نے مذکورہ پیش کش کی۔

اس خواہش کا سبب :-..... مگر مواہب کی عبارت ظاہر طور پر یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ دو (۲) واقعے ہیں۔ پہلا اس وقت کا ہے جب وہ شادی کے بعد اس جگہ سے واپس لوٹ رہے تھے جہاں وہ اپنے والد کے ساتھ گئے تھے۔ اور ابو یزید مدنی کا جو یہ قول ہے کہ اس عورت نے بہت سی کتابیں پڑھی تھیں اس کے تحت ممکن ہے کہ اس نے ان کتابوں میں یہ پڑھا ہو کہ آنحضرت ﷺ جن کا ظہور ہونے والا تھا ایک نور کی حیثیت میں اپنے والد کے حجرے میں نمایاں ہو گئے اور یہ کہ آپ عبد المطلب کی لولاؤ میں سے ہو گئے۔ یا ممکن ہے کہ اس کے علم نے اس کو یہ بتلایا ہو اور اس پر اسے لالچ ہوا ہو کہ یہ نبی اس کے پیٹ سے ہوں۔ آگے جو روایت آ رہی ہے اس سے اس دوسرے خیال کی تائید ہوتی ہے واللہ اعلم۔

حضرت آمنہ سے نکاح :-..... بہر حال عبد المطلب (حضرت عبد اللہ کو لے کر) حضرت آمنہ کے چچا کے پاس آئے یہ وہیب ابن عبد مناف ابن زہرہ تھے۔ اس وقت یہی نبی زہرہ کے سردار تھے اور اپنے نسب اور شرف کی وجہ سے معزز تھے۔ حضرت آمنہ اپنے والد وہیب ابن عبد مناف کا انتقال ہو جانے کے وجہ سے وہیب ہی کی سرپرستی میں تھیں۔

نور نبوی کی آمنہ میں منتقلی :-..... ایک روایت یہ بھی ہے کہ عبد المطلب وہیب ابن عبد مناف کے پاس ہی پہنچے تھے (یعنی ان کا انتقال نہیں ہوا تھا بلکہ حضرت آمنہ کی شادی کے وقت وہ زندہ تھے) اور انہوں نے ہی اپنی بیٹی کی حضرت عبد اللہ سے شادی کی تھی۔ یہ استنباط میں گزرا ہے کہ انہوں نے حضرت آمنہ کو حضرت عبد اللہ سے بیاہ دیا اپنے وقت میں حضرت آمنہ قریبی عورتوں میں نسب اور مقام کے اعتبار سے سب سے زیادہ افضل خاتون تھیں۔ شادی کے بعد حضرت عبد اللہ جب ان کے مالک بن گئے تو ان سے ملے اور ہم بستری کی جس کے نتیجہ میں آنحضرت ﷺ بصورت حمل ان کے پیٹ میں اور حضرت عبد اللہ سے یہ نور ان میں منتقل ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبد اللہ نے ان سے حیر کے دن شعب ابوطالب میں جبرود سہلی کے مقام پر صحبت کی تھی۔ (شعب ابوطالب ایک گھائی کا نام ہے جس میں کفار نے مسلمانوں کا بایکٹ کیا تھا)۔

شادی کے بعد شب گزاری کی جگہ :- اقول۔ مؤلف کہتے ہیں کہ آگے فتح مکہ کے بیان میں یہ روایت آ رہی ہے کہ حضرت عبداللہ نے شعب ابوطالب میں جوں کے مقام پر اس جگہ قیام کیا تھا جہاں بنی ہاشم اور بنی مطلب کو (اسلام کی ابتداء میں قریش مکہ نے) قید کر کے ان کا بایکٹ کیا تھا۔

(روایتوں کا یہ فرق دور کرنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ شعب یعنی کھائی جو جوں کے مقام پر تھی یام حج کے علاوہ دوسرے دنوں میں ابوطالب کے قیام کے لئے ٹھکانہ تھی، لور وہ کھائی جو جرہ وسطی کے قریب تھی اس میں ابوطالب حج کے دنوں میں قیام کیا کرتے تھے واللہ اعلم۔

اس حسینہ سے پھر ملاقات :- پھر حضرت عبداللہ تین دن اپنی بیوی یعنی آمنہ کے پاس رہے۔ عریوں کا یہی دستور بھی تھا کہ جب مرد اپنی بیوی کے پاس (شادی کے بعد اس کے مہر میں) جاتا تو تین دن رہتا تھا، اس وقت حضرت آمنہ اور ان کے گھر والے شعب ابوطالب میں تھے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ جب بیوی کے پاس سے لوٹے تو اسی عورت کے پاس آئے جس نے ان سے وہ درخواست کی تھی جس کی تحصیل گزر چکی ہے (مگر جب عورت نے لب ان سے وہی درخواست نہیں کی جو پہلے دن کی تھی تو حضرت عبداللہ نے اس سے پوچھا کہ آج تو مجھ سے وہ بات نہیں کہہ رہی ہے جو پہلے دن کہی تھی۔ اس نے جواب دیا۔
”کل جو نور تم میں نظر آتا تھا وہ اب تم سے جدا ہو چکا ہے اس لئے آج مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

کیا عبداللہ کو نور نبوت کا اندازہ تھا؟ :- (اس سے ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ آگے کی سطروں میں خود مؤلف بھی اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ کو اس عورت کی اس پیش کش پر انتہائی حیرت تھی جو عورتوں کی فطرت کے بھی خلاف ہے۔ لور ساتھ ہی ان کو غالباً اس نور نبوت کا بھی کچھ نہ کچھ اندازہ تھا جس سے ان کا چہرہ منور رہتا تھا۔ اس لئے بلو جو اس کے کہ حضرت عبداللہ طبعی طور پر انتہائی شریف اور پاکباز تھے لور وہ اپنی اسی شرافت کے تحت اس عورت کو مایوس کر کے چلے گئے تھے مگر وہ اس کا امتحان بھی کرنا چاہتے تھے کہ آیا اس نے محض نفسانی خواہش کے تحت ایسا کہا تھا لور حقیقت اس نور کو پہچان کر یہ چاہتی تھی کہ یہ اس میں منتقل ہو جائے چنانچہ اسی جستجو میں وہ بطور آزمائش دوبارہ اس عورت کے پاس آئے جس کے بعد اس کے جواب سے اس حقیقت کی تصدیق ہو گئی)۔

حسینہ کا پہچاننے سے انکار :- ابو یزید مدنی کہتے ہیں کہ ایک روایت کے مطابق جب حضرت عبداللہ اپنی بیوی حضرت آمنہ سے بھستری کرنے کے بعد واپسی میں اس عورت کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے آج تو وہ پیش کش نہیں کر رہی ہے جو جھپٹی مرتبہ کی تھی۔ تو اس عورت نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ میں یتیم ہوں۔ تو اس عورت نے (بے اعتباری سے) کہا:-

”نہیں! تم وہ نہیں ہو۔ میں نے اس وقت تمہاری آنکھوں کے درمیان ایک نور دیکھا تھا جو اس وقت مجھے نظر نہیں آ رہا ہے، میرے پاس سے جانے کے بعد تم نے کیا کیا؟“

حضرت عبداللہ نے اس کو واقعہ بتلایا (کہ یہاں سے جانے کے بعد میری شادی ہوئی لور میں نے بیوی کے ساتھ رات گزاری، اس پر اس عورت نے کہا:-

ظہور نبوت کی پیش گوئی :- خدا کی قسم میں بدکار عورت نہیں ہوں، بلکہ میں نے تمہارے چہرے پر

ایک نور دیکھا تھا اس لئے میں نے چاہا کہ وہ نور مجھ میں آجائے مگر اللہ کی مرضی یہ نہیں تھی، بلکہ جہاں اس نے چاہا وہاں اس نور کو بھیج دیا، تم اپنی بیوی کو خوش خبری دو کہ دنیا کا بہترین انسان اس کے پیٹ میں ہے۔ صبح حسینہ کے علم کا امتحان :-..... اقول۔ مولف کہتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس عورت کا نام جس نے حضرت عبداللہ کو اپنے جسم کی پیش کش کی تھی یکتہ العدویہ تھا۔ اس وقت حضرت عبداللہ اپنے مکان کی تعمیر میں مصروف تھے اور ان کے چہرے پر مٹی اور گرد و غبار لگا ہوا تھا اور یہ کہ انہوں نے کنائیں ذرا اپنا بدن صاف کر لیں پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ پھر وہ اس کے پاس حضرت آمنہ کے ساتھ بھیجی کر کے اپنے گھر گئے جب کہ وہ نور ان سے حضرت آمنہ میں منتقل ہو چکا تھا۔ وہاں پہنچ کر حضرت عبداللہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تجھے لب بھی اس بات میں دکھائی ہے جو تو نے لکھی تھی۔ اس نے کہا نہیں! انہوں نے پوچھا کیوں؟ تو اس نے جواب دیا کہ تم ایک نور لے کر (حضرت آمنہ کے پاس) گئے تھے مگر اس کو لے کر واپس نہیں آئے۔ سیرت ابن ہشام میں (یہ) جواب اس طرح ہے کہ :-

”جب تم میرے پاس سے گزرے تو تہمدی دونوں آنکھوں کے پچھلے ایک روشنی تھی، اس لئے میں نے تمہیں (جسٹری کی) دعوت دی مگر تم نے انکار کر دیا اور آمنہ کے پاس چلے گئے وہ اس نور کو لے گئیں۔ اگر تم ان کے ساتھ بھستہ ہو چکے ہو تو وہ یقیناً ایک بادشاہ کو جنم دیں گی۔“

فطرت عورت کے خلاف پیش کش :-..... یہاں واقعہ کا مختلف ہونا ممکن ہے۔ یہ تفصیل ظاہر کرتی ہے کہ اس عورت کو اس بات کا علم تھا کہ حضرت عبداللہ کی آمنہ سے شادی ہو رہی ہے اور وہ ان کے ساتھ ہم بستر ہوں گے۔ نیز وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ایک نئی آنے والے ہیں جن کے پاس سلطنت اور طاقت ہوگی۔ ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ عبداللہ نے جب اس کے پاس (دوبارہ جا کر) اس کی پیشکش اسے یاد دلوائی تو (وہ زنا کے لالچ سے ہرگز نہیں) تھی بلکہ وہ اس مقصد کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے تھے جس کی وجہ سے وہ عورتوں کی فطرت اور عادت کے خلاف ان کے ساتھ ہم بستر کی اتنی بڑی مقدار بھی غدار کرنے کے لئے تیار تھی۔ وفاق میں جو کچھ لکھا ہے یہ بات اس کے خلاف نہیں پڑتی، بلکہ اور اس بات کو ثابت کر دیتی ہے۔ پھر وفاتے شعیبہ اور اس کے حسن و جمال کا تذکرہ کیا ہے اور اس پیش کش کا بھی جو اس نے حضرت عبداللہ سے کی تھی، الحمد للہ۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کے نسب میں پاکیزگی :-..... کئی سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ماں اور باپ کے طرف سے (پچھلی پشتوں میں) پانچ سو نامیں ہیں، مگر ان میں کہیں بھی کسی کے لئے زنا اور بدکاری ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ ایسا ہوتا ہے کہ مرد و عورت زنا کر لیتے ہیں اور اس کے بعد اگر مرد چاہتا ہے تو اسی عورت سے شادی کر لیتا ہے (مگر آنحضرت ﷺ کا پورا سلسلہ نسب نکاح لیا جائے وادہاں اور نامہاں میں لوہر کی پشتوں تک آپ ﷺ کی چھٹی ماںیں بھی ہیں کسی کے متعلق ایسی بات ثابت نہیں ہوتی جس سے معلوم ہو کہ ان کے کردار میں جھول تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے پورے نسب کی کس طرح حفاظت فرمائی اور اسے کس طرح پاکیزہ اور صاف و شفاف رکھا۔ ان میں جاہلیت کی حرکتوں میں سے کوئی حرکت پائی جاتی ہے یعنی مائید اور سوتیلی ماں کے ساتھ یعنی باپ کی دوسری بیوی کے ساتھ (باپ کے مرنے کے بعد) نکاح کرنے کی رسم بھی آپ کے نسب میں کہیں نہیں ملتی۔ کیونکہ جاہلیت کے زمانے میں عرب اس بات کو جائز

سمجھتے تھے کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کا سب سے بڑا لڑکا اپنی سوتیلی ماں کے لئے اپنے باپ کا جانشین ہو جاتا تھا۔ زمانہ جاہلیت کے یہودہ طریقے :- بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں سب سے زیادہ یہودہ رسم یہ بھی جاتی تھی کہ ایک شخص ایسی دو لڑکیوں سے شادی کر سکتا تھا جو آپس میں سگی بہنیں ہوں (بھیر سوتیلی ماں کے ساتھ شادی کے متعلق لکھتے ہیں کہ) جو شخص اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لیتا تھا اس پر خود قریش بھی عیب لگاتے تھے ایسے آدمی کو وہ ”غنیون“ کہتے تھے جس کے معنی ہیں وہ آدمی جو اپنے باپ کی بیوی کے متعلق رکاوٹ ڈالے ایسی شادی کو وہ لوگ ”نکاح المقت“ یعنی زنا کا عقد کہتے تھے۔ ایسی عورت کو ”زلبہ“ یعنی زنا کرنے والی اور ایسے شوہر کو زانی کہتے تھے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی لوہر کی پشتوں میں بھی ایسا نکاح ملایا جاتا ہے اس لئے کہ خزیمہ جو آپ کے اجداد میں سے ایک تھا، جب مر گیا تو اس کا سب سے بڑا لڑکا کنانہ اپنی مائید پر باپ کا جانشین بنا تھا اور اس سے نصر پیدا ہوا جو خود بھی آپ کے اجداد میں سے ہے۔

آپ ﷺ کے نسب میں جھول نہیں تھا :- یہ قول بالکل غلط اور لغو ہے اس لئے کہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد کنانہ جس عورت پر باپ کا جانشین ہوا تھا وہ مر گئی تھی اور اس سے کنانہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ یہ غلط بات اس لئے چلی کہ کنانہ نے اس کے بعد اپنے بھائی کی بیٹی سے شادی کر لی تھی اور اس کا بھی وہی نام تھا جو کنانہ کی مائید کا تھا۔ اس سے نصر پیدا ہوا۔

اس سلسلے میں امام سیوطی کا قول ہے کہ باپ کی بیوی سے نکاح گزشتہ شریعت کے مطابق جاہلیت کے زمانہ میں جائز تھا اور یہ حرام رشتوں میں سے نہیں تھا جسے انہوں نے توڑا اور نہ ان غلط باتوں میں سے تھا جسے جاہلیت کے دور میں ایجاد کیا گیا ہو۔ کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو آنحضرت ﷺ کے نسب میں پیش آ رہا ہے چنانچہ کنانہ نے اپنے باپ خزیمہ کی بیوی سے شادی کی جس کا نام بڑہ بنت مرہ تھا اور امام سیوطی کے قول کے مطابق اس سے نصر امین کنانہ پیدا ہوا۔

اس کے علاوہ ہاشم نے بھی اپنے باپ کی بیوی واقعہ سے شادی کر لی تھی اس سے اللہ کے ایک لڑکی ضعیفہ پیدا ہوئی، مگر یہ آنحضرت ﷺ کے نسب میں شامل نہیں ہے کیونکہ واقعہ کے پید سے آنحضرت ﷺ کے اجداد میں کوئی پیدا نہیں ہوا اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں زنا سے نہیں (یعنی میرے نسب میں کہیں بھی کوئی زنا سے پیدا شدہ نہیں ہے) اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَا تَكُونُوا مَانِعِينَ بَنَاتِكُمْ مِنَ الزَّهْوِ وَالْإِمَاقَةِ سَلَفَ الْآلِیَةِ پ ۴ سورہ نساء اور کوع ۳

ترجمہ :- تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ دلوایا نہ لے نکاح کیا ہو مگر جو بات گزر گئی گزر گئی۔ اس بارے میں قرآن سے استدلال :- یعنی گزشتہ زمانے میں اس نکاح کے حلال ہونے کی وجہ سے جو ایسی شادیاں ہوئیں وہ ہو چکیں (اب ایسی شادیاں تمہارے لوہر پر حرام کر دی گئی ہیں) اس استثناء کا فائدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نسب مبارک میں کوئی عیب نہیں پڑتا، یہ بات ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے اجداد میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو پیشہ در عورتوں یا بدکار عورتوں میں سے کسی کی اولاد ہو۔ آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک میں جن چیزوں سے روکا گیا ہے یعنی وہ چیزیں جو جائز نہیں ان میں سے کسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے الاماقد سلف یعنی مکر جو بات گزر گئی گزر گئی۔ کی شرط کا اضافہ نہیں فرمایا۔ مثلاً قرآن میں ہے وَلَا تَقْرَبُوا الزَّهْوَ یعنی زنا کے قریب

مت جاؤ مگر اس کے بعد الامام سلف نہیں فرمایا گیا (یعنی زمانہ ایسا فعل نہیں ہے کہ اگر پچھلے دور میں کسی نے کیا ہے تو وہ جائز ہو گا اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہو گا بلکہ وہ ہمیشہ حرام رہا ہے اور ہے)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ (یعنی جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو قتل مت کرو۔ مگر اس کے بعد بھی الامام سلف کے ذریعہ پچھلے زمانہ کا استثناء نہیں فرمایا۔ اسی طرح سوائے اس کے گناہوں میں سے کسی بھی گناہ کو جہاں قرآن میں رد کیا گیا اس کے ساتھ یہ استثناء ذکر نہیں کیا گیا۔ اسی طرح دوستی بہنوں کو نکاح میں لانا کیونکہ یہ بھی ہم سے پہلی شریعت میں جائز تھا (یعنی ایسی دوستیوں سے سے نکاح کرنا جو آپس میں سگی بہنیں ہوں۔ چنانچہ حضرت یعقوبؑ نے راحیل اور ان کی بہن لیا سے شادی کی ہوئی تھی۔ اس الامام سلف سے ان سگی بہنوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہاں تک لام سہیلی کا کلام ہے۔

(جو کچھ پیچھے ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ سے) کہ ناقابل توجہ ہے اور نہ اس پر اہم کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان کا یہ گناہ کہ حضرت یعقوبؑ کی بیویاں آپس میں سگی بہنیں تھیں، اس کی تردید قاضی بیہدویؒ کے قول سے ہو رہی ہے کہ یعقوبؑ نے لیا سے اس کی بہن راحیل کے انتقال کے بعد شادی کی تھی۔

علامہ واسطیؒ کی کتاب اسباب النزول میں ہے کہ بخاری میں اسباب سے روایت ہے کہ مفسرین کہتے ہیں۔ دستور جاہلیت کی ممانعت :- زمانہ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں مدینے والوں میں دستور تھا کہ اگر کوئی شخص مرنے لگا تو اس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کا مالک ہو جاتا تھا لڑکا مانیدر کے لہو پر اپنا کپڑا ڈال دیتا اور اس کے بعد اس عورت پر اس کا حق خود عورت یا کسی بھی دوسرے آدمی سے زیادہ ہو جاتا تھا۔ اگر وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تو بغیر مہر کے اسی مہر پر شادی کر لیتا جو مرنے والا لڑکا چکا تھا اور اگر چاہتا تو کسی دوسرے آدمی سے اس کی شادی کر دیتا مگر مہر خود وصول کر لیتا، اس عورت کو کچھ نہیں دیتا تھا اسی طرح اگر وہ چاہتا تو اس عورت کو یوں ہی چھوڑے رکھتا (یعنی نہ خود شادی کرنا اور نہ دوسرے کے ساتھ کرنے دیتا) اور اس کو تلخیص پہناتا تاکہ وہ اپنی جان کی قیمت یعنی فدیہ دے کہ اس کے بچے سے نکلے۔ اسی دور میں (یعنی اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں) انصاریوں میں سے ایک شخص مر گیا۔ فوراً اس کی بیوی کے پاس مرنے والے کا لڑکا لیا اور اس نے اپنا کپڑا اس عورت پر ڈال دیا اور پھر اس عورت کو یوں ہی چھوڑ دیا۔ نہ تو اس کے پاس گیا اور نہ اس کا خرچہ اٹھایا تاکہ وہ اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے اپنی جان کا فدیہ اس کو لو کر دے۔ یہ عورت پریشان ہو کر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور آپ ﷺ کو اپنی چٹائی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لَا تَكُونُوا مَلَائِكَةً يَهْوَىٰ كُلُّ مَنْ يَتَوَلَّاهُمْ - لَآ يَكُونُ مَرْءٌ مِّنْكُمْ مِّنْهُمَا

ترجمہ: تمہارے خود توں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ دلو لیا تانے نکاح کیا ہو مگر جو بات گزر گئی گزر گئی ایک ماں پر بیٹے کا یہودہ دعویٰ :- اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کا سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص ابو قیس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بیٹے قیس نے اپنی مانیدر کو اپنے نکاح میں لینا چاہا تو اس عورت نے کہا کہ میں نے تجھے ہمیشہ اپنے بیٹے کی طرح سمجھا ہے۔ پھر بھی میں آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر آپ سے اس بارے میں پوچھتی ہوں۔ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر جب اس نے یہ صورت حال بتائی تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اس رسم کی اسلام میں سخت سزا :-..... حضرت براء امین غائب سے روایت ہے کہ میری اپنے ناموں حضرت ابو الدرداءؓ سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت ان کے پاس ایک جھنڈا تھا (یعنی وہ جلا کی مم پر جا رہے تھے) میں نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں۔ کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ ایک ایسے آدمی کے پاس بھیج رہے ہیں جس نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لی ہے۔ اب میں اس کی گردن مارنے جا رہا ہوں۔ ”حمزہ کی روایت میں ان کا اور زیادہ ہے کہ (اس کی گردن مار دوں) اور اس کا مال و متاع چھین لوں۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ایسے شخص کے لئے کتنا سخت حکم ہے)۔

دوسری بہنوں سے بیک وقت نکاح :-..... بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں میں یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی شخص نکاح کرنا چاہتا تو وہ ”خطب“ یعنی ”ترشحہ دیا“ کہ دیکھو لڑکی والے اس کے جواب میں کہہ دیتے ”نکح“ یعنی ”نکاح کیا“..... یہ لفظ گویا ان کے ایجاب و قبول کے قائم تھے۔ نیز (ان ہی بعض مؤرخین کا قول ہے کہ) جاہلیت کے نکاحوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ لوگ ایسی دو لڑکیوں سے بیک وقت شادی کر لیتے تھے جو آپس میں سگی ہوں یعنی باوجود یہ کہ خود وہ بھی اس کو برا جانتے تھے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

پاکیزگی نسب پر ناز :-..... بعض محققین کہتے ہیں کہ توریت کے نازل ہونے سے پہلے (یعنی وہ آسمانی کتاب جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی تھی) ایسی دو لڑکیوں سے نکاح کرنا جائز تھا جو آپس میں سگی بہنیں ہوں پھر توریت کے نازل ہونے کے بعد یہ بات حرام کر دی گئی۔ یہی بعض محققین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی جدت یعنی ولایت پر فخر کیا کرتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکر کے طور پر جس سے آپ کا مقصد دوسری عورتوں کے مقابلے میں ان کی پاکیزگی اور فضیلت کا اظہار کرنا ہوتا تھا (کیونکہ عرب کے عام ماحول اور رسوم کے برخلاف آپ ﷺ کی تمام نسبی دلوایاں نہایت پاکیزہ تھیں اور ان سب کے شریعت کے مطابق نکاح ہوئے تھے) آپ فرمایا کرتے :-

”میں عواہک اور فواطم کی ولاد ہوں۔“

عواہک اور فواطم کی ولاد :-..... (عواہک عاتکہ کی جمع ہے عاتکہ کے معنی پاک و امن کے ہیں۔ فواطم فاطمہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ایسی لوتھی جس کے بچے کا دودھ چھڑا دیا گیا ہو۔ لوتھر عاتکہ اور فاطمہ عرب میں عورتوں کے مقبول ناموں میں سے ہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کی نسبی دلوایوں میں کئی عاتکہ اور فاطمہ نام کی ہیں۔ یہاں عواہک اور فواطم کے معنی مرلو نہیں ہیں بلکہ نام مرلو ہیں کہ میں عاتکوں اور فاطمہوں کا بیٹا یعنی ان کی ولاد ہوں)۔

موقعہ بموقہ اس کا اظہار :-..... حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابویوب انصاریؓ کے ساتھ اپنا گھوڑا لودڑا لیا تھا۔ آنحضرت حضرت کا گھوڑا حضرت ابوبکرؓ کے گھوڑے سے آگے نکل گیا تو آپ نے فرمایا۔

”میں عواہک یعنی عاتکوں کا بیٹا ہوں۔ اور یہ (یعنی میرا گھوڑا) نہایت سبک قدم اور تیز رو ہے۔“

اور آنحضرت ﷺ نے ایک غزوہ میں یعنی غزوہ خنین اور غزوہ احد میں فرمایا۔

”میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، میں عاتکوں کا بیٹا ہوں۔“

ایک روایت میں آیا ہے کہ میں بنی سلیم کی عاتکوں کا بیٹا ہوں۔ (یہاں سب جگہ بیٹا سے مراد ولولاد

ہے) عیون الاثر میں ہے کہ عاتکہ کے متنی خوشبو سے مصطرباک کے ہیں۔

بعض محققین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احد کے دن فرمایا کہ میں فاطمہاؤں کا بیٹا

ہوں۔ یہ بات اس روایت کے خلاف نہیں ہے جو پیچھے گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے اس دن یہ فرمایا تھا کہ میں

عاتکوں کی ولولاد ہوں اس لئے کہ ممکن ہے آپ ﷺ نے اسی دن یہ دونوں طے فرمائے ہوں۔

آپ ﷺ کے نسب میں عاتکائیں :-..... اسی کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ

کے نسب میں کتنی عاتکائیں ہیں، کچھ نے زیادہ تعداد بتلائی ہے اور کچھ نے کم۔ حافظ ابن عساکر نے نقل کیا ہے

کہ آنحضرت ﷺ کی نسبی مائیں (یعنی جدات۔ دلوہاں) چودہ ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ گیارہ ہیں اور ان میں

سب سے پہلی عاتکہ (بانی عورت) لؤی ابن غالب کی ماں ہیں۔ بنی سلیم میں جو عاتکائیں ہیں ان میں ایک تو

عاتکہ بنت ہلال ہیں جو عبد مناف کی ماں ہیں۔ دوسری عاتکہ بنت ارقص ابن مرہ ابن ہلال ہیں جو ہاشم کی ماں

ہیں۔ تیسری عاتکہ بنت خراہ ابن ہلال ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے دادا ہب کی ماں ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سلیم

کی عاتکوں سے مراد قبیلہ بنی سلیم کی وہ تین دو شیرائیں ہیں جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا جیسا کہ آگے

رضاعت کے واقعہ میں آ رہا ہے۔ ان تینوں کا نام عاتکہ تھا۔

آپ کے نسب میں فاطمائیں :-..... بنی بعض لوگ سعد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی

نسبی ماؤں میں دس فاطمائیں ہیں (یعنی دس کا نام فاطمہ رہا ہے)۔ اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- ایک روایت میں ہے

کہ پانچ (فاطمائیں) ہیں۔ بعض کہتے ہیں چھ ہیں اور بعض کہتے ہیں آٹھ ہیں۔ آپ ﷺ کی دلوہاں کی جانب سے

جو آپ ﷺ کی مائیں ہیں مجھے ان میں سے دو کے سوا متعین طریقے پر یہ معلوم نہیں کہ کس کس کا نام فاطمہ رہا

ہے۔ وہ دو یہ ہیں:- حضرت عبد اللہ کی والدہ فاطمہ اور قصی کی ماں فاطمہ۔ یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ

فرما کر کہ ”میں فاطمہاؤں کی ولولاد ہوں۔“ صرف وہ فاطمائیں مراد نہ لی ہوں جو آپ کے نسب کا تہ ہیں بلکہ عام

داوہلی فاطمائیں مراد لی ہوں اور اس طرح ان میں وہ فاطمہ بھی شامل ہوں جو اسد ابن ہاشم کی ماں ہیں۔ نیز وہ

فاطمہ بنت اسد بھی جو حضرت علی ابن ابوطالب کی ماں ہیں۔ اور خود ان فاطمہ کی ماں فاطمہ (یعنی جو حضرت علی کی

مائی ہوئیں کہ ماں اور مائی دونوں کا نام فاطمہ تھا) یہ فاطمائیں ان تینوں فاطمہاؤں کے علاوہ ہیں جن کے متعلق

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت علی کو ایک ریشی تھا نہایت فرمایا اور حکم دیا کہ اسے

تین فاطمہاؤں کے درمیان تقسیم کر دو۔ یہ تینوں فاطمائیں یہ ہیں۔ ایک فاطمہ جو آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی

ہیں۔ دوسری فاطمہ حضرت حمزہ کی صاحبزادی ہیں اور تیسری فاطمہ بنت اسد ہیں۔ بعض محققین نے ان میں

فاطمہ ام عمر و ابن عاص اور فاطمہ بنت عبد اللہ ابن رزام اور ان فاطمہ کی والدہ فاطمہ بنت حارث اور عبد مناف کی مائی

فاطمہ بنت نضر ابن عوف کو بھی شامل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

آپ ﷺ کے آباؤ اجداد کے شرعی نکاح :-..... حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عباسؓ

آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ ”میں نکاحوں کے ذریعہ پیدا ہوا ہوں زنا کے ذریعہ

نہیں!

(یعنی آپ کے آباء و اجداد میں جتنے بھی ہیں سب کے شرعی نکاح ہوئے ہیں اور ان کی جتنی لولادیں یعنی جو آپ کی نسبی دلوں میں وہ سب کے سب اپنے ماں باپ کی جائز لولاد ہیں ان میں سے کوئی بھی بھی ایسا نہیں ہے جو ماں باپ کی بدکاری کے ذریعہ پیدا ہوا ہو۔ آپ ﷺ کے نسبی اجداد کے شرعی نکاحوں کے متعلق آگے

تفصیل آ رہی ہے۔
نسبی پاکیزگی کا عظیم معجزہ..... یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ (اس زمانہ میں ایسا ہوتا تھا کہ) عورت مرد کے ایک عرصہ تک ناجائز تعلقات رکھتے تھے (اور اس کے نتیجہ میں ناجائز لولاد پیدا ہوتی تھی) پھر اگر وہ چاہتے تو آپس میں شادی کر لیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ عرب دنیا کو جائز سمجھتے تھے مگر ان میں جو شریف اور نیک لوگ تھے وہ کھلے عام اس برائی سے بچتے تھے اور ایسے بھی تھے جنہوں نے جاہلیت کے زمانے میں بھی اس کو اپنے لوہے پر حرام کر لیا تھا (یہ وہ لوگ تھے جو اپنی فطری شرافت اور شکیلاجہ سے جمالت اور لاعلمی کے باوجود برائی کو برائی سمجھتے تھے اور تمام عمر اس سے اپنا دامن بچاتے رکھتے تھے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے اجدادوں میں سب حضرات دہی ہیں جن میں شرافت طبعی اور فطری تھی۔ اور وہ لوگ اپنی فطرت سلیبہ کی بناء پر ہمیشہ اپنے زمانے کی برائیوں کو برائی سمجھتے رہے اور ان سے اپنے آپ کو بچاتے رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی نسل اور نطفے سے دونوں جہان کے بہترین انسان کو پیدا کرنا تھا۔ اس لئے اس نے آپ کے پورے نسبی سلسلے کو ان گندگیوں اور برائیوں سے محفوظ اور پاک رکھا جن میں اس دور کے اکثر لوگ گھرے ہوئے تھے۔ چنانچہ یہ بھی آنحضرت ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے کہ آپ کے پورے نسب میں جو ایک طویل سلسلہ ہے اور جس پر صدیوں کی لمبی مدت گزری اور علم و جمالت کے مختلف دور آئے ان میں یہ نسبت کی ہر برائی سے محفوظ رہا۔)

ایک غریب حدیث ہے کہ میں نکاحوں سے پیدا ہوا ہوں اور آدم کے دور سے اس وقت تک جب کہ میں اپنے ماں باپ سے پیدا ہوا (میرے آباؤ اجدادوں میں) کہیں بھی کوئی بدکاری کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوا۔ مجھ میں زمانہ جاہلیت کی بدکاریوں میں سے کوئی چیز نہیں پہنچی اور میں سوائے اسلامی نکاح کے (کسی دوسرے طریقے سے) پیدا نہیں ہوا۔

تو میں نور نبی کے لئے حریص رہیں :-..... حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :-

جب سے میں آدم کے صلب (نطفے) سے نکلا ہوں میں کسی بدکار کے ذریعہ پیدا نہیں ہوا اور تمام قومیں پشت در پشت (مجھے اپنی قوم کافر دیکھنے کے لئے) آپس میں الجھتی رہیں یہاں تک کہ میں دو اعتنائی افضل آدمیوں یعنی ہاشم اور زہرہ کی لولاد میں پیدا ہوا۔

تو میں تخلیق نور محمدی سے :-..... (یعنی حضرت آدمؑ کی صلب سے منتقل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کا نور برابر ایک سے دوسرے میں لولاد اور لولاد منتقل ہوتا رہا اس پورے سلسلے میں کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی پشت میں یہ نور نکاح کی بجائے بدکاری کے ذریعہ منتقل ہوا ہو اور اس کے نتیجے میں کہیں بھی اور کسی بھی دور میں آپ ﷺ کے نسب میں انگلی رکھی جاسکے۔ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ کا نور اس پوری کائنات سے پہلے پیدا کیا گیا اور جیسا کہ مختلف روایات سے پتہ چلتا ہے آپ ﷺ کی تخلیق ہی اس پورے عالم کی تخلیق کا

سب سے چنانچہ ابن عساکر نے سلمان فارسیؓ سے روایت کی ہے کہ جبرئیلؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا:-

آنحضرت ﷺ تخلیق کائنات کا سبب :-..... ”آپ ﷺ کا رب آپ سے فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنالیا تھا تو آپ کو اپنا محبوب بنالیا ہے، میں نے اپنے لئے آپ سے زیادہ شریف و معزز کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ میں نے دنیا اور دنیا والوں کو اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ انہیں دکھاؤں کہ میرے نزدیک آپ کا کتنا رتبہ اور مرتبہ ہے اور اگر آپ نے ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔“

محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا :-..... اسی طرح ہر صحابہؓ و تابعہؓ یہ میں حاکم کی حضرت محمد ﷺ سے مرفوعہ روایت ہے کہ حضرت آدمؑ نے عرش پر رسول اللہ ﷺ کا نام پائی لکھا ہوا دیکھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تھا کہ ”اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کر چکا۔“ نیز مختلف سندوں سے ایک روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا تو ان کے دل میں ڈالا گیا کہ وہ یہ کہیں :-

اے پروردگار! تو نے میرا لقب ابو محمد ﷺ کیوں رکھا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

نور محمد ﷺ کی سر عرش جلوہ بینی :-..... ”اے آدمؑ! اپنا سر اٹھ“ تو تم نے سر اٹھایا تو ان کو عرش کے پردوں میں آنحضرت ﷺ کا نور نظر آیا۔ انہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ ”اے پروردگار یہ نور کیا ہے؟“

جواب ملا کہ ”یہ نور میرے نبی کا نور ہے جو تمہاری لولاد میں ہوں گے، آسمانوں میں ان کا نام احمد ﷺ ہے اور زمین میں محمد ﷺ ہوگا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو نہ میں تمہیں پیدا کرنا اور نہ زمین اور آسمان کو پیدا کرتا۔“

بنی ہاشم اور بنی زہرہ کی سعادت :-..... گذشتہ آیتوں میں آپ ﷺ کے ظہور کی اطلاع ہے جو انبیاء کے ذریعہ دوسروں تک پہنچی۔ چنانچہ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس سعادت اور بزرگی کے لئے گذشتہ دور میں ہر قوم کو زد و مندر ہی جس کی طرف آپ ﷺ نے لوہے کی روایت میں اشارہ فرمایا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بنی ہاشم اور بنی زہرہ کے مقدر میں لکھی تھی کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت عبد اللہ قریش میں ہاشم کی لولاد میں ہوئے اور آپ ﷺ کے والدہ ماجدہ حضرت آمنہ زہرہ کی لولاد میں ہوئیں اور اس طرح ان دونوں خاندانوں کے ذریعہ سرور کائنات ﷺ اس عالم میں تشریف لائے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں (گذشتہ روایت میں بدکار کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بدکار سے مراد زمانہ عجاہلیت کی وہ عورتیں ہیں جو اپنے دروازوں پر ایک علامت یا جھنڈا لگا لیا کرتی تھیں۔ جس شخص کا دل چاہتا کہ حرام کاری کے لئے ان کے پاس پہنچ جائے تو اگر ان میں سے کسی کو حمل ٹھہر جاتا اور پھر بچہ پیدا ہو جاتا تو اس کے پاس آنے والے لوگ اس کے ہاں جمع ہو جاتے اور آپس میں قیافہ شناسی کرتے اور اس بچے کی صورت ان میں سے جس کے ساتھ بھی کچھ ملی ہوئی ہوتی وہ بچہ اسی کے سپرد کر دیا جاتا اور وہ اس کا بیٹا کہلاتے لگتے۔ شخص کسی کو اس سے روک نہیں سکتا تھا۔ واللہ اعلم۔

باعتبار دلوہاں و سسرال بہترین نسب :-..... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کی آیت اسی طرح پڑھی ”لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ“ (یعنی انفسکم میں سے) پڑھ رہا یعنی تم میں رسول آئے ہیں جو تم میں سے بہترین آدمیوں میں سے ہیں۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا میں تم میں بہترین

ہوں باعتبار نسب کے، باعتبار سر لاری رشتہ دلوں کے اور باعتبار شرافت کے، میرے آباء و اجداد میں آدمؑ کے وقت سے کبھی زمانہ نہیں ہوا سب کے نکاح ہوئے۔“

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں (یہ الفاظ بھی ہیں کہ سب کے نکاح ہوئے) اسلامی نکاح کی طرح ایک شخص دوسرے شخص کو لڑکی کے لئے رشتہ دیتا ہے، مگر لو اگر تاپہ اور شادی کر لیتا ہے لہذا جاء کم رسول من انفسکم کی قرأت میں ف پر پیش ہے جس سے اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تمہارے پاس (یعنی قریش کے پاس، ایسے رسول آئے ہیں جو تم ہی میں سے ہیں، لیکن جیسا کہ اوپر کی روایت میں گزرا اگر انفسکم کو ف پر زبر کے ساتھ انفسکم پڑھا جائے تو اس کے معنی وہ ہوں گے جو لو پہچان ہوئے۔

پورے نسب میں شرط نکاح مکمل :-..... لام سبکی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے نسب میں حضرت آدمؑ تک جتنے بھی نکاح ہیں ان میں نکاح کے درست ہونے کی وہ تمام شرطیں پائی جاتی ہیں جو ایک اسلامی نکاح کے لئے ضروری ہیں۔ حضرت آدمؑ تک آپ کے نسب میں کوئی نکاح ایسا نہیں مل سکتا جس میں وہ ساری شرطیں موجود نہ ہوں جو آج کے موجودہ اسلامی نکاح کے درست ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ لام سبکی کہتے ہیں، اس لئے اس بات پر اپنے دل سے اعتقاد اور یقین رکھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص یہ یقین نہیں رکھتا تو وہ دنیا اور آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔

نسب نبویؐ اور انعام خداوندی :-..... بعض محققین لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی یہ ایک عظیم عنایت ہے کہ آدمؑ سے لے کر آنحضرت ﷺ کی اپنے مائے باپ کے یہاں پیدائش تک اس نے آپ ﷺ کے تمام آباء و اجداد کے نکاح ایک ہی طریقے پر رکھے جو آپ ﷺ کی شریعت کے مطابق ہے۔ آپ ﷺ کے نسب میں کسی کا نکاح زمانہ جاہلیت کے اس طریقے پر نہیں ہوا کہ اگر کوئی شخص شادی کا ملوہ کرتا تو وہ کہہ دیتا ”رشتہ دیا۔“ مگر لڑکی والے کہہ دیتے ”نکاح ہو گیا“ جیسا کہ گزر چکا ہے (کیونکہ یہ طریقہ اسلامی نکاح کے طریقے کے خلاف ہے اس طرح نکاح نہیں ہو گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور آنحضرت ﷺ پر اس کا خاص احسان رہا ہے کہ آپ ﷺ کے آباء و اجداد میں کسی کا نکاح اس طریقے سے نہیں ہوا کہ آپ ﷺ کی نسی شرافت و عظمت پر انگلی رکھی جائے حالانکہ آپ ﷺ کے پورے نسب میں بہت سے ایسے دور آئے ہیں جب کہ ہر طرف جاہلیت اور خلاف شریعت باتوں کا دور دورہ تھا)۔

باندیاں بھی اس اصول میں شامل :-..... (زمانہ جاہلیت کے نکاح کا جو طریقہ اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ ایجاب و قبول کے قائم مقام سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی نکاح سے مراد یہ ہے کہ وہ طریقہ جو عورت کو مرد کے لئے (اللہ کے نزدیک) حلال کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس میں باندی کا حکم بھی شامل ہے کیونکہ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ حضرت اسماعیلؑ کے حمل تک حضرت ابراہیمؑ کی بیوی نہیں بلکہ باندی تھیں۔ اس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح نہیں کیا تھا (اسلام میں باندی کے ساتھ جنسی تعلق رکھنا جائز ہے کیونکہ وہ اپنے مالک مرد کی ملکیت ہوتی ہے۔ اگر مرد اس کو اپنی بیوی بنا کر رکھنا چاہے تو اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر سکتا ہے)۔

جاہلیت میں نکاح کی قسمیں :-..... حضرت عائشہؓ سے بخاری میں روایت ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں نکاح چار قسم سے ہوتے تھے ایک تو ایسا نکاح جس طرح لوگ آج کل کرتے ہیں یعنی شرعی ایجاب و قبول کے

نسب نبوی میں ناجائز نکاح کا وجود نہیں:۔۔۔۔۔ اب مراد یہ ہوگی کہ آنحضرت ﷺ کے نسب میں باپ کی بیوی سے بھی کسی کا نکاح ثابت نہیں۔ یہ بات سنی کی اس بدولایت کے خلاف ہے جو بچے گزر چکی ہے۔ (مثنویہ کہ ہاشم نے نور کینارے اپنی اپنی سوتیلی ماںوں سے نکاح کر لیا تھا) اسی طرح (آپ ﷺ کے نسب میں نہ تو دو بہنوں سے نکاح ملتا ہے اور نہ نکاح بغایا ملتا ہے۔

نکاح جمع :-..... اسی طرح آنحضرت ﷺ کے نسب میں نکاح جمع بھی نہیں تھا۔ نکاح جمع کا مطلب یہ ہے کہ ان طوائفوں میں سے جن کے درود و نسل پر علامت لگی ہوتی تھی کسی کے یہاں دوس سے کم تعدو میں آدمی جمع ہو جاتے اور پھر ایک ایک کر کے سب لوگ اس طوائف سے بدکاری کرتے، جب اس طوائف کو حمل ٹھہر جاتا اور بچہ بھی ہو جاتا تو بچے کی پیدائش کے چند دن بعد وہ طوائف ان ہی سب آدمیوں کو بلا بھیجتی جنہوں نے اس سے بدکاری کی تھی۔ اب ان سب لوگوں میں سے کسی کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کے گھر پہنچنے سے انکار کر کے چٹا چڑوہا سب لوگ اس کے یہاں جمع ہو جاتے۔ سب وہ طوائف ان سے کہتی :-

”تم لوگوں کو معلوم ہے جو کچھ تم نے کیا تھا، اس کے نتیجہ میں میرے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ وہ بچہ اے فلاں تمہارا ہے۔“

طوائف ان لوگوں میں سے جس کو پسند کر لیتی اسی کا نام لے کر یہ کہہ دیتی اور پھر وہ بچہ اسی شخص کا کہلاتا ہے اس بچہ میں اس کی شہیت بھی نہ ہو مگر وہ شخص (جس کو اس طوائف نے اپنے بچے کا باپ کہہ

دیا ہے) اس سے انکار کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

نکاح جمع اور نکاح بخلیا کا فرق..... اسی طرح نکاح بخلیادو قسم کا ہوتا تھا (ایک یہ جس کا یہاں بیان ہو اور ایک وہ جو پچھلے صفحوں میں ذکر ہوا کہ اسی طرح بہت سے لوگ ایک طوائف سے بدکاری کرتے اور جب اس کے یہاں بچہ ہو جاتا تو وہی سب لوگ وہاں جمع ہو کر آپس میں قیافہ شناسی کرتے اور اندازہ کر کے جس سے اس بچے کی صورت ملتی دیکھتے اسی سے اس کو لاحق کر دیتے) غالباً حضرت عمرو بن العاصؓ کی ماں نکاح بخلیا کی وہ سری قسم سے تھی۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ چار آدمیوں نے جماع کیا تھا جو یہ تھے۔ عامر بن ابوسب، امیر ابن خلف اور ابوسفیان ابن حرب۔ حضرت عمروؓ کی پیدائش کے بعد ملان چاروں میں سے ہر ایک نے ان پر اپنا دعویٰ کیا مگر اس عورت نے بچہ کو عامر کی طرف منسوب کر دیا۔ بعد میں اس عورت سے پوچھا گیا کہ تو نے عامر کو کیوں انتخاب کیا۔ اس نے کہا اس لئے کہ وہ میری لڑکیوں پر روپیہ خرچ کرتا ہے۔

حضرت عمرو ابن عاصؓ :-..... یہ بھی ممکن ہے کہ وہ نکاح بخلیا کی دوسری قسم سے رہی ہو۔ کیونکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عمروؓ کو عامر کا بچہ اس لئے شہد کیا گیا تھا کہ وہ صورت میں عامر کے مشابہ تھے۔ حضرت عمروؓ کو اس بات کی وجہ سے لوگ عار دلایا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت عبداللہؓ یا سرؓ نے بھی ان کو اسی سبب سے عار دلایا ہے۔ اس کی تفصیل حضرت عثمانؓ کے قتل کے سلسلے میں آئے گی جہاں مسجد نبویؐ کی تعمیر کے متعلق بحث ہے۔

پاک صلیبوں سے پاک رحموں میں :-..... نیز وہی بعض محققین کہتے ہیں یہ بھی روایت آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :-

”میں براہ پاک مردوں کے صلیبوں سے پاک عورتوں کے رحموں میں خنل ہوتا ہوں۔“

نیز ایک روایت میں ہے کہ :-

”اللہ تعالیٰ براہ مجھے شریف صلیبوں سے پاک رحموں میں خنل کر رہا۔“

بخاری نے (یہ حدیث) روایت کی ہے :-

”میں بنی آدم کے بہترین زمانے سے ظاہر ہوا ہوں زمانہ در زمانہ کے بعد یہاں تک کہ اس زمانے میں

جس میں کہ میں موجود ہوں۔“

کیا آپ ﷺ کے اجداد مومن تھے؟..... آیت پاک و نقلت فی الساجدین کے تحت یہ بات گزر چکی ہے کہ اس آیت کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ (رسول اللہ ﷺ کا نور) ایک نمازی سے دوسرے نمازی میں منتقل ہوتا رہا۔ اس بارے میں جو مختلف تفسیریں ہیں وہ بھی گزر چکی ہیں نیز ابو حبان کے قول کا یہ جز بھی گزر چکا ہے کہ اس تفسیر سے بعض راہضی مفسرین نے یہ بھی مراد لیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آباء واجد لو تمام کے تمام مومن تھے یعنی اپنے اپنے دور کے نبیوں کی شریعت پر چلتے تھے۔

پھر میں نے حافظ سیوطیؒ کی تحقیق دیکھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے آباء واجد لو میں آدمؑ سے مرثہ ابن کعب تک جتنے افراد ہیں ان سب کے ایمان کے متعلق پختہ طور پر معلومات ملتی ہیں یعنی احادیث اور سلف کے اقوال کے ذریعہ سے۔ اس کے بعد مرثہ اور عبدالمطلب کے درمیان چار آباء واجد لو باقی رہے ہیں جن کے مومن ہونے کے متعلق کوئی روایت پانے میں مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔

عبد المطلب دین ابراہیمی پر تھے :-..... جہاں تک خود عبد المطلب کا تعلق ہے ان کے بارے میں آگے بحث آئے گا۔ ان کے حلقہٴ ثمنِ قول ملتے ہیں جن میں سے ایک قہر ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت نہیں پہنچی تھی اور یہی سب سے زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ آگے بیان آ رہا ہے کہ ان کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب کہ آنحضرت ﷺ کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ دین ابراہیمی کے پیرو تھے (اس لئے حق پر پورے مومن تھے) یعنی وہ بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے اور تیسرا قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے ظہور کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ کیا یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور پھر دوبارہ فوت ہو گئے۔ یہ تیسرا قول سب سے زیادہ کمزور اور ضعیف ہے جو کسی کمزور حدیث وغیرہ میں نہیں آتا۔ نہ ہی اس کو امر سنت میں سے کسی نے نقل کیا ہے بلکہ بعض شیعہ حضرات نے اس قول کو ذکر کیا ہے۔

بعض محققین کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ قول کہ ”میں پاک مردوں کے صلیبوں سے پاک اور حلوں کے رجحانوں میں متزلزل ہو جاؤں گا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت آدم اور حوا تک آنحضرت ﷺ کے تمام نسبی باپ اور ماؤں میں کوئی بھی کافر نہیں تھا۔ اس لئے کہ کافر کو طہر اور پاک نہیں کہا جاتا۔ اس قول پر یہ اعتراض ہے کہ ممکن ہے پاکی سے مراد جاہلیت کے نکاحوں کے مقابلے میں (آنحضرت ﷺ کے آباء و اجداد کے شرعی) نکاح مر لو ہوں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے آنحضرت ﷺ کے آباء و اجداد کے اسلام کی طرف قہیدہ ہمزئیہ کے مصنف نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

لم نزل فی صمائل الکون تختارک الا مہات والاباء

ترجمہ :- کائنات کے جگر میں سے براہِ آپ ﷺ کے لئے بہترین مائیں اور بہترین باپ اختیار کئے جاتے رہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ بہترین مائیں اور باپ پسند فرماتا رہا) اس لئے کافر کو یہ نہیں کہا جاتا کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔

بنی زہرہ میں شادی پر بشارت :-..... (اس بحث کے بعد آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ کی شادی بنی زہرہ کے خاندان میں حضرت آمنہ سے کئے جانے کے حلقے کہتے ہیں کہ) عبد المطلب نے بیٹے کی شادی کے لئے بنی زہرہ کا خاندان منتخب کیا۔ اس کا سبب جو ہے وہ عبد المطلب کے بیٹے حضرت عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ عبد المطلب نے کہا۔

”ہم عربی کے موسم میں جانے والے چھاتی قافلے کے ساتھ یمن کے توہم یودیوں کے ایک کاہن کے پاس گئے جو زیور کتاب پڑھ رہا تھا (زیور سے مراد غالباً توہمت ہے جو حضرت موسیٰؑ پر اتری تھی) اس یودی نے ہم سے پوچھا تم لوگ کون ہو؟ میں نے کہا کہ ہم قریش میں سے ہیں۔ اس نے پوچھا قریش کے کس خاندان سے۔ میں نے کہا بنی ہاشم سے۔ پھر اس نے کہا کیا تم مجھے اس کی اجازت دو گے کہ میں تمہارے بدن کے کچھ حصے دیکھوں۔ میں نے کہا کہ ہاں اگر پوشیدہ حصوں کے سوا دیکھنا چاہے ہو تو دیکھ سکتے ہو۔ عبد المطلب کہتے ہیں اس کے بعد کاہن نے پہلے میری ناک کا ایک تختہ لیکھا اور اس کے بعد دوسرا دیکھا، پھر اس کے بعد کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تمہارے ایک ہاتھ میں سلطنت ہے اور دوسرے میں نبوت۔ ہاتھ سے مراد اصل میں تختہ ہی ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں یعنی سلطنت اور نبوت ہمیں بنی زہرہ کے خاندان (کے ساتھ آپ کے رشتہ

داری پیدا کرنے) میں نظر آ رہی ہیں۔ یہ کیسے ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ اس نے کہا کہ کیا تمہارا اس خاندان سے تعلق ہے۔ میں نے پوچھا طے سے کیا مراد ہے۔ اس نے کہا کہ بیوی جو چھ مہینے ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ آج تک تو نہیں ہے یعنی بنی زہرہ میں سے میرے یہاں بیوی نہیں ہے۔ یعنی نہ تو یہ تھا کہ جو بیوی تھی اس کے ساتھ دوسری ہوتی اور نہ لیا تھا کہ ان کی جو بیوی تھی اس کے ساتھ دوسری رہی ہو اور پھر اسے طلاق دے دی ہو پھر اس بیوی کا بہن نے کہا کہ جب تم شادی کرو تو بنی زہرہ میں کرنا۔

قیافہ شناس :-..... ایسے لوگ جو بدن کے اعضاء اور چہرہ مرہ دیکھ کر آدمی کے متعلق اپنی ذہانت اور ذکاوت کی بناء پر خبریں دیتے ہیں ان کو عربی میں جراء کہتے ہیں۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی نے اپنے شیخ میدی علی الخو اس کے متعلق ذکر کیا ہے کہ وہ آدمی کی ناک دیکھ کر اپنی ذہانت اور فراست کی وجہ سے اس کی اگلی اور پچھلی تمام لغزشیں متعین کر کے بتا دیا کرتے تھے۔ یہاں تک شیخ شعرانی کا کلام ہے۔

قیافہ شناسی کا عجیب واقعہ :-..... اسی سلسلے میں ایک واقعہ ہے کہ حضرت معاویہ ابن ابوسفیان نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ ابھی وہ اس سے ملے نہیں تھے انہوں نے اپنی پہلی بیوی میسون ام یرید سے کہا کہ جاؤ اسے دیکھ کر آؤ۔ وہ اس عورت کے پاس آئیں اور اسے دیکھ کر واپس اپنے شوہر کے پاس گئیں اور کہا۔

”وہ اتنی حسین و جمیل ہے کہ میں نے اس جیسی دوسری نہیں دیکھی مگر اس کی ناف کے نیچے ایک سیاہ رنگ کا تل ہے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے شوہر کا سر کاٹا جائے گا اور اس کی گود میں رکھا جائے گا۔“

امیر حمص کا قتل :-..... یہ سن کر حضرت معاویہؓ نے (اس کو دیکھے بغیر ہی) اسے طلاق دے دی۔ اس کے بعد حضرت نہال ابن بشیرؓ نے اس عورت سے شادی کر لی۔ یہ شخص کے گور نہ تھے۔ مسئلہ خلافت کے وقت انہوں نے مروان کی مخالفت کی اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ (کی خلافت) کے لئے کوشش کی۔ اس کے بعد (جب ان کی کوششیں ناکام ہو گئیں اور حمص والوں نے مروان کی بیعت کر لی تو یہ حمص والوں سے ڈر کر وہاں سے فرار ہو گئے مگر حمص والوں نے ان کا پچھا کیا (اور آخر انہیں پکڑ کر ملان کا سر کاٹا اور اس کو اسی عورت کی (جو ان کی بیوی ہو گئی تھی) گود میں ڈالا۔ پھر ان لوگوں نے یہ سر مروان کے پاس بھجوا دیا۔

نہال کے متعلق نبی ﷺ کی پیشین گوئی :-..... ان نہال ابن بشیرؓ کا واقعہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کی دلیلوں میں سے بھی ایک دلیل ہے۔ کیونکہ جب یہ پیدا ہوئے تھے تو ان کی والدہ انہیں لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائی تھیں۔ جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی ہجرت کے بعد انصاریوں میں یہ پہلی پیدائش تھی۔ غرض ان کی والدہ انہیں لے کر آپ ﷺ کے پاس آئیں۔ آپ ﷺ نے ایک چھوٹا سا بچہ دیکھا اور اسے چبا کر ان کے منہ میں رکھ دیا اس طرح آپ نے ان کی تحقیک کی (تحقیک اسی کو کہتے ہیں کہ چھوٹا بچہ اپنے منہ میں رکھا جائے اس کے بعد بچے کی ماں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ ادعہ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کی اولاد کے مال و دولت میں برکت عطا فرمائے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا تم اس کو پسند نہیں کرتیں کہ یہ اس طرح زندہ ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اس طرح مرے کہ شہید کہلائے اور جنت میں داخل ہو؟“

(اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوئی کہ انہوں نے شریفانہ زندگی گزاری اور اس

کے بعد شہید ہوئے اور انشاء اللہ جنت کے مستحق ہوئے۔

نعمانؓ کی یزید کو نصیحت :- یہی نعمان ابن بشیرؓ ہیں جنہوں نے یزید ابن ابی سفیان کو مٹھورہ دیا تھا کہ وہ اہل بیت (یعنی آنحضرت ﷺ کے گمراہوں اور لولہوں) کی عزت و احترام کرے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت امام حسینؓ اپنے ساتھیوں، بھتیجیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ شہید کئے گئے انہوں نے یزید سے کہا تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ ان کو (یعنی اپنی لولہوں کی) اس حالت میں دیکھتے تو جس طرح آپ ﷺ ان کے ساتھ پیش آتے تم بھی ان کیساتھ اسی طرح خوش آؤ۔

یہ سن کر یزید کے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے اہل بیت کا بہت عزت و احترام کیا اور نعمان کو ان کے ساتھ واپس بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ وہ نہایت عزت و احترام کے ساتھ انہیں لے جائیں جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔

حضرت نعمانؓ سے جو روایات نقل ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے

سنا

”شیطان کے بہت سے پھندے اور جال ہیں۔ اس کے پھندے اور جال یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر غرور کرنا، اللہ کی دین پر فخر کرنا، اللہ کے بندوں پر تکبر کرنا اور اللہ کو ناخوش کرنے والی چیزوں میں اپنے نفس کی پیروی کرنا۔“

شہر حمص کی خصوصیات :- شہر حمص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں آپ ﷺ کے نو سو صحابہ آئے ہیں جن میں سے سترہ تھے جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی تھی۔ حیات حیوان نامی کتب میں ہے کہ حمص میں پچھوڑ نہایت بڑے اور اگر باہر سے کوئی پچھوڑ لا کر وہاں چھوڑ دیا جائے تو وہ فوراً ہی مر جاتا ہے۔ اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس شہر کے ظلم اور جادو کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے۔ ایک ضعیف حدیث یہ ہے کہ حمص جنت کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔

(پچھے بیان ہو چکا ہے کہ انسان کے بدن میں کچھ علامتیں اور نشانات دیکھ کر آدمی کے اگلے اور پچھلے حالات بتانے والے کو خواء کہتے ہیں۔ اس کو ہم نے کاہن لکھا ہے۔ اسی بارے میں مزید تفصیل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خواء کاہن ہی کو کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (خواء) ایسے شخص کو کہتے ہیں جنہوں کے متعلق اندازے اور تخمینے سے بتلاتا ہے۔

عرب کے قدیم علوم :- خواء نجی کو بھی کہتے ہیں (جو ستاروں کی رفتار سے آئندہ کے حالات معلوم کرتے ہیں) کیونکہ نجی بھی ستاروں کے ذریعہ اندازے ہی کی بنیاد پر مستقبل کا حال بتلاتا ہے جس میں اکثر وہ حوک بھی کہا جاتا ہے۔ (خواء سے) کاہن اس لئے بھی مروا لیتے ہیں کہ عرب کے جو مشہور فن ہیں ان میں کمانت ہے، عیاذہ ہے (یعنی شگون) قیافہ ہے (یعنی چہرہ اور خط و خال دیکھ کر اندازہ کرنا) جبر ہے یہ بھی کمانت اور شگون کی ایک قسم ہے۔ مثلاً کوئی پرندہ اپنی جانب سے اڑتا تو اچھا شگون لیتے اور بائیں جانب سے اڑتا تو برا شگون لیتے تھے) خط یعنی علم رمل ہے (زائچہ اور نقشہ وغیرہ سمجھ کر آدمی کے متعلق پیشین گوئی کرنا) طب ہے، معرفت انواع ہے (یہ کچھ مخصوص ستارے ہیں جن میں سے جب ایک مغرب میں غروب ہوتا

ہے تو دوسرا شرقی میں اسی وقت طلوع ہوتا ہے۔ نجومیوں کے نزدیک ان ستاروں کی تعداد اٹھائیس ہے۔ ہر ستارہ ایک مہینہ تیرہ دن تک رہتا ہے، آخری ستارہ کے غروب کے ساتھ سال پورا ہو جاتا ہے۔ زہرہ چالیس میں یہ فن بھی مشہور تھا۔ اس کے ماہرین کا خیال تھا کہ ان میں سے ایک ستارہ کے غروب اور دوسرے کے طلوع کے وقت موسم پر اثر پڑتا ہے یا تو اس وقت بارش آتی ہے یا آندھی چلتی ہے اور علم ہوا تھا (یعنی علم موسمیات کہ ہواؤں کے رخ اور دھاؤں کے بتاء پر موسموں کے متعلق پیشین گوئی کرنا)۔

بنی زہرہ میں عبد المطلب و عبد اللہ کی شادی..... (اس کے بعد اصل واقعے کی طرف لوٹتے ہیں کہ یمن میں کاہن سے ملنے اور اس کی پیشین گوئی جاننے کے بعد جب عبد المطلب واپس کے آئے تو انہوں نے ہالہ بنت وہیب ابن عبد مناف سے اپنی شادی کر لی۔ ان سے ان کے یہاں حضرت حمزہ اور حضرت صفیہ پیدا ہوئے (ہالہ بنت وہیب بنی زہرہ کے خاندان سے تھیں جہاں شادی کرنے کے متعلق کاہن نے عبد المطلب کو مشورہ دیا تھا۔ یہ ہالہ آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں) پھر عبد المطلب نے اپنے بیٹے عبد اللہ کی شادی حضرت آمنہ بنت وہب سے کی۔ یہ وہب وہیب کا بھائی تھا اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے حضرت عبد اللہ کے یہاں حضرت آمنہ سے رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔ چنانچہ قریش کا کرے تھے کہ عبد اللہ اپنے باپ سے بھی آگے بڑھ گئے۔ یعنی حضرت عبد اللہ اس عظیم بچے کی پیدائش سے جو سعادت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے وہ ان کے باپ عبد المطلب کو حاصل نہیں ہو سکی کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت ایسی علامتیں اور برکتیں ظاہر ہوئیں جو کبھی کسی کی ولادت کے موقع پر ظاہر نہیں ہوتی تھیں (یعنی کاہن کی پیشین گوئی کے سبب عبد المطلب نے بنی زہرہ میں رشتہ قائم کیا اور اپنی بھی لور بیٹے کی بھی وہیں شادی کی تاکہ کاہن نے جو کہا تھا اس کے مطابق سلطنت اور نبوت ظاہر ہو۔ چنانچہ خود عبد المطلب کے یہاں تو بنی زہرہ کی لڑکی ہالہ سے بنی نہیں پیدا ہوئے، البتہ ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ کے یہاں بنی زہرہ کی لڑکی سے سلطنت اور نبوت ظاہر ہوئی اسی لئے قریش نے کہا کہ حضرت عبد اللہ اپنے باپ سے باری لے گئے)۔

ابن محدثؒ نے لکھا ہے کہ عبد المطلب نے اپنا رشتہ ہالہ بنت وہیب سے یعنی حضرت آمنہ کے چچا کی لڑکی سے اسی مجلس میں کیا جس میں انہوں نے اپنے بیٹے کا رشتہ حضرت آمنہ سے کیا۔ پھر دونوں نے شادی کی اور ولیمہ کیا، اور اس کے بعد دونوں نے اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ ہم بستری کی۔

باپ بیٹے کا نکاح ایک مجلس میں :..... (مؤلف کہتے ہیں) پھر میں نے کتب اسد الغابہ دیکھی تو اس میں بھی اسی کے مطابق تفصیل دی گئی یعنی عبد المطلب اور حضرت عبد اللہ کی شادی ایک ہی مجلس میں ہوئی۔ کہا جاتا ہے یہاں یہ صراحت ہے کہ اس وقت حضرت عبد اللہ پیدا ہو چکے تھے جب یہودی کاہن نے عبد المطلب سے کہا تھا کہ ان میں نبوت کی علامتیں موجود ہیں۔ لب اشکال یہ ہے کہ پھر عبد المطلب میں نبوت کی علامت کیونکر موجود تھی جبکہ وہ (حضرت عبد اللہ کی پیدائش کے بعد ان میں منتقل ہو چکی تھی۔) کیونکہ نبوت کے آثار ان میں جیسی تک موجود رہے جب تک کہ نور نبوت ان کی صلب میں رہا۔ پھر یہ نور عبد المطلب سے حضرت عبد اللہ میں منتقل ہو گیا تھا اور عبد المطلب میں سے ختم ہو گیا تھا (اس اشکال کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہ کہاں سے طے ہو گیا کہ عبد المطلب کاہن کے پاس جانے سے پہلے ہالہ سے (جو بنی زہرہ میں سے تھیں) شادی کر چکے تھے کہ (اس کے نتیجہ میں) یہ اشکال پیدا ہو کہ کاہن نے حضرت عبد اللہ کے وجود میں آنے کے بعد یہ بات کہی تھی۔ ہو سکتا ہے

کیا اللہ کی تائید بنی زہرہ تھے۔۔۔۔۔ مگر اس میں یہ مشکل ہے کہ یہ جواب جیسی درست ہو سکتا ہے جبکہ حضرت عبد اللہ کی والدہ بنی زہرہ میں سے ہی ہوں (کیونکہ اس جواب سے خود بخود یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عبد المطلب نے کابن کی پیشین گوئی کے مطابق اس کے پاس سے آنے کے بعد بنی زہرہ میں اپنی شادی کی ہوگی اور اس کے نتیجے میں حضرت عبد اللہ وجود میں آئے ہوں گے۔ حضرت عبد اللہ کی پیدائش عبد المطلب کے کابن کے پاس سے آنے کے بعد ہی ضروری ہے ورنہ نبوت اور سلطنت کی علامتیں کابن کو عبد المطلب میں نظر نہ آتیں اس لئے کہ یہ علامتیں اور نور عبد المطلب کی بیوی کے حضرت عبد اللہ سے حاملہ ہونے کے ساتھ ہی عبد المطلب میں سے نکل گئی تھیں اور یہ نور حضرت عبد اللہ کی والدہ کے پاک رحم میں منتقل ہو گیا تھا۔) اس دوسرے احوال کا بھی جواب ہو سکتا ہے کہ یوں کہا جائے کہ ممکن ہے حضرت عبد اللہ بنی زہرہ میں سے ہی ہوں (مگر اسی صورت میں کہ) ممکن ہے عبد المطلب نے ہالہ کے سوا بھی بنی زہرہ کی کسی دوسری لڑکی سے شادی کی ہو اور حضرت عبد اللہ سے پیدا ہوئے ہوں (کیونکہ جیسا کہ روایات ظاہر کرتی ہیں ہالہ حضرت عبد اللہ کی والدہ نہیں تھیں)۔

پھر کاہن کا عبد المطلب سے یہ کہنا بھی اعجاز پیدا کر سکتا ہے کہ میں تمہارے ایک ہاتھ میں سلطنت دیکھ رہا ہوں جو نئی ذرہ سے (رشتہ پیدا کرنے کے بعد) ملتی ہے۔ کیونکہ عبد المطلب کی ولادت میں سلطنت صرف ان کے ایک بیٹے حضرت عباسؓ کی ولادت میں ہوئی ہے (مر لو ہے خلافت عباسیہ جس میں ہارون رشید اور مامون رشید جیسے زبردست بادشاہ پیدا ہوئے) اور اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت عباسؓ کے والدہ بنی زہرہ میں سے تھیں (حالانکہ حضرت عباسؓ کی والدہ بنی زہرہ میں سے نہیں تھیں) ہالہ جو حضرت حمزہؓ کی والدہ تھیں بنی زہرہ میں سے تھیں یا ان کے علاوہ کوئی دوسری عورت رہی ہوں اور حضرت عباسؓ کی والدہ بنی زہرہ میں سے نہ ہوں۔ اگرچہ اس کے برخلاف بعض مؤرخین نے یہ کہا ہے کہ حضرت عباسؓ کی والدہ بھی ہالہ ہی تھیں اور حضرت عباسؓ حضرت حمزہؓ کے سگے بھائی تھے مگر یہ بات مؤرخین کے مشہور قول کے خلاف ہے۔

ہاں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے نبوت اور سلطنت سے کاہن کی مراد آنحضرت ﷺ کی نبوت اور سلطنت ہو، اس لئے کہ آپ ﷺ کو ان دونوں چیزوں یعنی نبوت کے ساتھ سلطنت بھی دی گئی تھی جو آپ ﷺ کی طرف آپ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ سے منتقل ہوئی تھیں کیونکہ حضرت عبداللہ کی والدہ بنی زہرہ کے خاندان سے تھیں (اس طرح گویا وہ اہل کمال دور ہو جائے گا کہ کاہن نے بنی زہرہ سے رشتہ قائم کرنے کی صورت میں جس نبوت اور سلطنت کی پیشین گوئی کی تھی وہ عبدالمطلب کی لولاد میں صرف حضرت عباس کی لولاد میں ہوئی حالانکہ حضرت عباس کی ماں بنی زہرہ میں سے نہیں تھی چنانچہ اگر نبوت کے ساتھ سلطنت سے مراد بنی عباس کی سلطنت یعنی خلافت عباسیہ مرعوضہ لی جائے بلکہ خود آنحضرت ﷺ ہی کی سلطنت و بادشاہی بھی مرعوضہ لی جائے تو یہ اعتراض پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس میں شک نہیں کہ آپ ﷺ دین اور دنیا دونوں کے بادشاہ تھے)۔

اس کے بعد قاتل بعض مورخین کا یہ قول بھی غلط نہیں رہتا کہ ”عبدالملک نے قاتلہ بہت عمر و سہ شادی کی سو نوشت اور سو رطل سونا ہمارا باندھا کیا اور اس قاتلہ سے ان کے یہاں ابو طالب اور حضرت عبداللہ یعنی آپ ﷺ کے والد پیدا ہوئے۔“

اس قول کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ فاطمہ بنت عمر دینی زہرہ میں سے ہوں۔ البتہ بات بھی غلط نہیں رہتی کہ کاہن نے یہ پوچھنے کے بعد کہ کیا تمہاری کوئی بیوی بنی زہرہ میں سے ہے، عبدالمطلب سے کہا کہ تم جب شادی کرو تو بنی زہرہ میں کرو۔

بنی زہرہ میں آمنہ کا انتخاب کیوں؟ :-..... عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبد اللہ کے لئے بنی زہرہ میں حضرت آمنہ عی کو کیوں منتخب کیا اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی کہ ایک کاہنہ عورت تھی جس کا نام سودہ بنت زمعہ تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کے والد وہب کی بھو بھئی تھی، اس عورت کا قصہ یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوئی تو اس کے باپ نے دیکھا کہ اس کا رنگ نیلگوں سیاہ ہے (یعنی بہت زیادہ اور چمک دلو حد تک کالی تھی) ایسی لڑکیوں کو قریش کے لوگ (زائد ماہلیت میں) زندہ دفن کر دیا کرتے تھے اور جو اس قسم کی تھیں ہوتی تھیں اس کو زندہ تو رہتے دیتے تھے مگر بہت ذلیل اور بچھا کر رکھتے تھے۔ اس لئے کہ جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ زندہ ماہلیت کے لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ یہ لوگ یا تو عار اور شرم کی وجہ سے لیا کرتے تھے اور یا غریبی اور فقر و فاقہ کی وجہ سے، ان کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ان میں خاص طور پر قبیلہ کنہہ کے لوگ تھے جو عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ (مگر ایسے لوگوں کے درمیان) ایک شخص عمر دین قلیل تھا جو ایسی لڑکیوں کو بچالیا کرتا تھا جنہیں لوگ تنگ دستی کے خوف کی وجہ سے زندہ دفن کر دینا چاہتے تھے۔ کوئی شخص لڑکی کو دفن کرنا چاہتا تو وہ اس سے کہتا کہ ایسا مت کرو (بلکہ لڑکی کو مجھے دے دو) میں اس کی پرورش کروں گا۔ اس کے بعد وہ بچی کو لے جاتا (اور اس کو اپنے خرچ پر پالتا) جب وہ بڑی ہو جاتی تو عمر دین کے باپ کے پاس جا کر کہتا کہ (اب تمہاری بیٹی بڑی ہو گئی ہے) اگر تم چاہو تو اس کو واپس لے سکتے ہو اور اگر (اب بھی لینا) نہیں چاہتے تو میں اس کی پرورش و پرداخت کا ذمہ دہر رہوں گا۔ اسی طرح مشہور شاعر فرزدق کا دوا بھی ایسی لڑکیوں کی جان بچالیا کرتا تھا۔

آمنہ کے متعلق کاہنہ کا پیشین گوئی :-..... (بہر حال سودہ بنت زمعہ پیدائش کے وقت چونکہ بہت زیادہ سیاہ رنگ کی تھی اور ایسی لڑکیوں کو عرب زندہ دفن کر دیا کرتے تھے) اس لیے اس کے باپ نے سودہ کو دفن کر دینے کا حکم دیا اور اس کو کجون کے مقام پر بھیج دیا تاکہ وہاں اس کو دبایا جائے۔ مگر جب گورکن نے گڑھا کھود کر اس کو دفن کرنا چاہا تو اسے ایک آواز آئی :-

”بچی کو دفن مت کرو۔ اس کو جنگل میں چھوڑ دو۔“

اس کاہنہ کا واقعہ :-..... گورکن نے ادھر ادھر نظر (دور زائی) مگر کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ اس نے پھر اس کو دفن کرنا چاہا تو دوبارہ اس کو کسی شخص کی آواز آئی جو دوسرے لفظوں میں یہی بات کہہ رہا تھا۔ اب اس نے لڑکی کو دفن کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اس کے باپ کے پاس جا کر اسے سارا ماجرا سنایا۔ باپ نے یہ سب سن کر کہا کہ اس بچی میں کوئی بات ہے۔ (اس لئے اس کو زندہ رہنے دینا چاہئے) چنانچہ اس نے بچی کو رکھ لیا۔ بڑی ہو کر یہی بچی قریش کی کاہنہ بنی۔

ایک دن اس نے خاندان بنی زہرہ سے کہا :-

”تم میں کوئی عورت یا تو زہرہ ہے اور یا اس کے پیٹ سے کوئی نذیر پیدا ہو گا، تم لوگ اپنی لڑکیوں کو میرے سامنے پیش کرو۔“

بنی زہرہ میں نور بنی محمدؐ کی جھلک: ب..... (نذیر اور نذیرہ سے مراد ہے ایسی عورت یا ایسا مرد جو لوگوں کو خدا کے خوف سے ڈرائے، دوسرے لفظوں میں گویا نیک کاموں کی تبلیغ کرے اور برے کاموں کے انجام سے ڈرائے چنانچہ انبیاء کو بھی نذیر کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا تھا:-

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ۔ یعنی سب سے پہلے اپنے خاندان کے قریبی رشتہ داروں کو خدا کے خوف سے ڈراؤ۔ اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نذیر ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ خاندان بنی زہرہ میں سے تھیں۔ اس لئے سودہ بنت زمعہ یعنی اس کا بہنہ نے خاندان کے لوگوں میں اس شرف کی علامتیں دیکھیں اور اپنے علم سے معلوم کر لیا کہ اس خاندان میں یا تو کوئی عورت نبی ہے اور یا کسی نبی کو جنم دے گی۔ پھر اس نے چاہا کہ اس خاندان کی تمام لڑکیوں کو ایک نظر دیکھے تاکہ معلوم ہو سکے کہ نبوت کی یہ علامتیں کس میں پائی جاتی ہیں (چنانچہ بنی زہرہ کی تمام لڑکیاں سودہ کے سامنے پیش کی گئیں۔ وہ ہر لڑکی کو دیکھ کر اس کے متعلق کوئی نہ کوئی پیشین گوئی کرتی رہی جو کچھ عرصے کے بعد پوری ہوئی۔ آخر جب حضرت آمنہ بنت وہب اس کے سامنے پیش ہوئیں تو وہ فوراً بول اٹھی:-

”یہی ہے وہ جو یا تو خ نذیرہ (یعنی نبیہ) ہے۔ اور یا اس کے پیٹ سے کوئی نذیر (یعنی نبی) پیدا ہو گا۔ اس کی ایک خاص شان ہے اور اس میں بڑی صاف علامتیں موجود ہیں۔“

چنانچہ کاہنہ کے اس واقعہ سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ عبدالمطلب نے بنی زہرہ میں سے اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ کے لئے حضرت آمنہ کو کیوں انتخاب کیا۔ کیا عبدالمطلب نے بھی بنی زہرہ میں نکاح کیا؟ :-..... اب خود عبدالمطلب نے اپنی شادی کے لئے جو بنی زہرہ کی لڑکی انتخاب کی۔ اس کا سبب یمن کے اس کاہن کی پیشین گوئی ہے جس کا واقعہ گزر چکا ہے مگر یہ اسی صورت میں کہ حضرت عبد اللہ کی والدہ کو بھی بنی زہرہ میں سے ہی تسلیم کیا جائے۔ مگر سیرت شامی نے یہ لکھا ہے کہ یمنی کاہن کی پیشین گوئی کی بناء پر عبدالمطلب نے (اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے بیٹے عبد اللہ کے لئے بنی زہرہ کی لڑکی پسند کی تھی۔ مگر علامہ شامیؒ کی اس رائے کو قبول کرنے میں بہت واضح اشکال ہے کیونکہ اگر اس کو مان لیا جائے تو پھر کاہن کے اس قول کا جوڑ کا ہے سے لگے گا جو اس نے عبدالمطلب سے کہا تھا کہ تم جب شادی کرو تو بنی زہرہ میں کرنا۔ اور اس سے پہلے وہ عبدالمطلب سے یہ بات پوچھ چکا تھا کہ کیا تمہاری بیوی بنی زہرہ میں سے ہے۔

اس کے بعد میں نے کتب تغیر کا مطالعہ کیا جس میں ابن دحیہؒ نے برقی کا قول نقل کیا ہے کہ :-
دو منافقوں کا ملاپ اور نبوت :-..... حضرت عبد اللہ کی حضرت آمنہ سے شادی کا سبب یہ ہوا کہ عبدالمطلب (تجارتی سلسلے میں) یمن جایا کرتے تھے اور وہاں یمن کے ایک معزز آدمی کے یہاں ٹھہر آکر رہتے تھے ایک مرتبہ وہاں گئے اور اس کے یہاں ٹھہرے تو دیکھا کہ میزبان کے پاس ایک عالم آدمی بیٹھا ہوا ہے (اس عالم نے عبدالمطلب کو دیکھا تو اسے ان میں نبوت کی علامتیں نظر آئیں) اس نے عبدالمطلب سے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ (کی ناک) کا تھننا دیکھوں۔ عبدالمطلب نے کہا کوئی حرج نہیں دیکھ لیجئے۔ اس نے (تھننا دیکھ کر) کہا کہ میں آپ میں نبوت اور سلطنت دیکھ رہا ہوں اور یہ دونوں چیزیں مجھے دونوں منافقوں (یعنی منافق بنی زہرہ) کے خاندانوں میں نظر آ رہی ہیں یعنی عبد مناف ابن قصی اور عبد مناف ابن زہرہ (یعنی یہ نبوت اور

سلطنت دو خاندانوں کے آپس میں رشتہ داری پیدا کرنے کے نتیجے میں حاصل ہوگی۔ ایک عبد مناف امین قصی کا خاندان یعنی خود عبد المطلب کا خاندان کیونکہ یہ عبد مناف امین قصی کے پوتے ہیں اور دوسرے عبد مناف امین زہرہ کا خاندان یعنی حضرت آمنہ کا گھرانہ)

عبد المطلب جب یمن سے واپس آئے تو اپنے بیٹے عبد اللہ کو اپنے ساتھ لے کر بنی زہرہ میں گئے۔ انہوں نے اپنی شادی تو ہالہ بنت وہیب سے کی جس سے ان کے یہاں حمزہ پیدا ہوئے۔ اور اپنے بیٹے عبد اللہ کی شادی آمنہ بنت وہب سے کی جن سے رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔

برقی کی یہ مذکورہ بالا روایت بالکل صاف ہے کیونکہ اس میں اس عالم کو کاہن کا یہ قول نہیں ذکر کیا گیا کہ کیا تمہاری کوئی بیوی بنی زہرہ میں سے ہے وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ عبد المطلب نے اس بارے میں اتنی احتیاط برتی کہ خود بھی بنی زہرہ میں سچی شادی کی اور اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ کی شادی بھی اسی خاندان میں کی۔ مگر اس کے ساتھ ہی علامہ برقی کے لئے زیادہ مناسب یہ تھا کہ وہ صرف یہ کہنے کے بجائے عبد اللہ کی آمنہ سے شادی کا سبب یہ تھا یوں کہتے کہ عبد اللہ سے آمنہ کی شادی اور ہالہ سے عبد المطلب کی شادی کا سبب یہ تھا (کیونکہ سبب بیان کیا جا رہا ہے صرف حضرت عبد اللہ کی حضرت آمنہ سے شادی کا حالانکہ اسی سبب کے تحت روایت میں حضرت عبد اللہ کے ساتھ خود عبد المطلب کے بھی اسی خاندان میں شادی کرنے کا تذکرہ ہے جو ظاہر ہے کہ اسی یہودی عالم کی پیش گوئی کی بنیاد پر کی گئی تھی)۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

باب سوم نمبر (۳)

آنحضرت ﷺ کا اپنی والدہ کے حمل میں ظہور

امام زہریؒ حضرت آمنہ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:-

”وہ میرے حمل میں تھے مگر مجھے اس حمل سے پیدائش تک کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔“

دور ان حمل آمنہ کی کیفیات :-..... حضرت آمنہ سے ہی یہ روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ وہ کتنی تھیں :-

”مجھے اس کا احساس ہی نہیں ہوا یعنی علم ہی نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ میرے حمل میں ہیں ہند مجھے کوئی بوجھ اور تھکن ہی محسوس ہوئی جیسا کہ عام طور پر عورتیں حمل کے دنوں میں محسوس کیا کرتی ہیں۔ ہاں مجھے اپنے حیض کے رک جانے سے گرائی ہوئی۔“

پُر سکون حالت :-..... (اس بارے میں بہت سی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ کو رسول اللہ ﷺ کے ان کے پیٹ میں رہنے سے پورے حمل کے زمانے میں کوئی بوجھ یا تھکن محسوس نہیں ہوئی۔ صرف حیض کی علامت ہی ایسی ہو سکتی تھی جس سے ان کو اپنے حاملہ ہونے کا خیال ہوتا مگر آگے خود حضرت آمنہ کہہ رہی ہیں کہ مجھے اکثر حیض رک رک کر ہوا کرتا تھا۔ یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی برکت اور ایک انوکھی بات تھی ورنہ خاص طور پر لڑکی کو پہلے حمل میں بہت زیادہ پریشانی اور تھکان رہتی ہے کیونکہ پہلے حمل میں اس کی طبیعت اور جسم کا نظام اس بوجھ کا عادی نہیں ہوتا۔)

(اس کے بعد حضرت آمنہ کی مندرجہ بالا روایت کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں کہ) انہوں نے کہا کہ میرا حیض کبھی رک جلیا کرتا تھا اور پھر شروع ہو جلیا کرتا تھا۔

اس لئے اس کارک جانا اس بات کی دلیل نہیں بنا کہ ان کو حمل ہو گیا تھا (اور یہ روایت میں گزر رہی چکا ہے کہ حضرت آمنہ کو اس کا علم ہی نہیں ہوا کہ ان کو حمل ہو گیا ہے)۔ اس سے غالباً یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حمل میں آنے سے پہلے ان کو کئی بار حیض آچکا تھا (مؤلف کہتے ہیں کہ) مجھے اس کا علم نہیں ہے کہ پہلے کتنی بار حیض ہوا تھا۔

آمنہ کو ندائے غیبی :-..... (اسی ذیل میں مؤلف کہتے ہیں) بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ کے حمل میں آنے سے پہلے دو مرتبہ حیض ہوا تھا۔ پھر حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک شخص آیا یعنی ملائکہ میں سے، اس وقت میں سونے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت میں تھی (یعنی جسے نیم غنودگی کہا جاسکتا ہے)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس وقت میں ایسی حالت میں تھی جیسے ایک سونے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت والے شخص کی ہوتی ہے پھر اس آنے والے نے مجھ سے کہا :-
تعویذ کے لئے تعظیم دعاء :-..... کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم اپنے شکم میں اس امت کے سردار اور نبی کو حمل کی صورت میں لئے ہوئے ہو۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ سردار و عالم کو اپنے شکم میں لئے ہوئے ہو۔ پھر کچھ عرصے کے بعد جب پیدائش کا وقت قریب آگیا تو وہی شخص پھر میرے پاس آیا کہ تمہارے یہاں پیدائش ہو تو یہ کہنا :-

اَعِیْذُہُ
مِنْ
شَرِّ
کُلِّ
حَاسِدٍ
بِاِلٰہِ الْوَاحِدِ

میں اس بچے کے لئے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں ہر حسد کرنے والے کے شر اور برائی سے
 غیبی آواز سے نام کا تعین :-..... پھر تم اس بچے کا نام محمد ﷺ رکھنا۔ کیونکہ ان کا نام تورات میں تو احمد ﷺ ہے کہ زمین اور آسمان والے ان کی حمد اور تعریف کرتے ہیں اور قرآن میں ان کا نام محمد ﷺ ہے۔ اور قرآن ان کی کتاب ہے (اس لفظ سے) کہ قرآن ان کی کتاب ہے یہ شبہ دور ہو جاتا ہے کہ حضرت آمنہ تو نہیں جانتی تھیں کہ قرآن کیا ہے اس لئے یہ کہنے سے کہ قرآن میں ان کا نام محمد ﷺ ہے وہ کیا سمجھی ہوں گی۔ مگر اس اگلے حصے سے یہ شک پیدا نہیں ہوتا۔ راقم الحروف نے البدایہ والنہایہ میں یہی روایت دیکھی مگر اس میں یہ بعد والا حصہ نہیں ہے جس سے حضرت آمنہ کو قرآن کے متعلق علم ہو سکے۔ (البدایہ والنہایہ جلد دوم ص ۲۶۴)
 آگے ایک روایت محمد باقر سے آئے گی جس میں یہ ہے کہ (اس فرشتے نے حضرت آمنہ سے کہا) پھر اس بچے کا نام احمد ﷺ رکھنا۔ بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ اس شعر کے بعد (جو روایت میں نو پر بیان ہوا) کچھ اور شعر بھی ذکر کئے جاتے ہیں مگر ان کی کوئی اصل نہیں ہے (یعنی روایت میں اس شعر کے بعد جو حرید شعر ذکر کئے جاتے ہیں وہ اعتقاد کے قابل نہیں ہیں۔

تشریح :- علامہ ابن کثیرؒ نے ابن اسحاقؒ کی روایت نقل کی ہے جس میں اس شعر کے بعد ان دوسرے اشعار کا بھی اضافہ ہے جن کو مؤلف ناقابل اعتبار قرار دے رہے ہیں۔ روایت یہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی والدہ آمنہ بیان کیا کرتی تھیں کہ جب ان کے شکم میں بصورت حمل آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو ان سے کہا گیا، تم اس امت کے سردار کو اپنے حمل میں اٹھائے ہوئے ہو جب وہ پید ہو کر زمین پر آجائیں تو یہ کہنا

اَعِیْذُہُ
مِنْ
شَرِّ
کُلِّ
حَاسِدٍ
بِاِلٰہِ الْوَاحِدِ
عَنْ
رَبِّ
کُلِّ
عَبْدٍ
رَّائِدٍ
ذَالِدٍ
عَنِ
الْحَمِیْدِ
عَنْ
اِلٰہِ الْوَاحِدِ

حَتَّى
لَوَاهُ
قَدْ
الْمَشَاهِدُ

نو مولود کی نشانی :-..... اس نو مولود کی نشانی یہ ہوگی کہ اس کے ساتھ ایک نور نکلے گا جس سے ملک شام میں بصری کے عکلات بھر جائیں گے جب وہ بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا نام محمد ﷺ رکھنا کیونکہ تورات میں اس کا نام احمد ﷺ ہے کہ آسمان والے اور زمین والے ان کی حمد کرتے ہیں اور انجیل میں ان کا نام احمد ﷺ ہے کہ آسمان والے اور زمین والے ان کی حمد و تعریف کرتے ہیں اور قرآن میں ان کا نام محمد ﷺ ہے۔ (حوالہ و تفسیر فتح از البدایہ والنہایہ جلد دوم ص ۲۶۳)

اگر یہ ثابت ہے کہ حضرت آمنہ نے یہ شعر آپ ﷺ پر پڑھا تھا تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے جیسا کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت آمنہ نے آنحضرت ﷺ کے لئے نظر بد سے تحفظ کیا تھا۔

آمنہ کو اس آواز سے حمل کا علم :-..... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- اس روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت آمنہ کو اپنے حاملہ ہو جانے کا علم اس فرشتے کے بتلانے پر ہی ہوا (اس سے پہلے تک انہیں اس کا علم نہیں تھا) اس لئے کہ ان کو کوئی ایسی علامت محسوس نہیں ہوئی جس سے وہ یہ سمجھ سکیں کیونکہ انہیں کسی بوجہ اور محسوس کا احساس بھی نہیں ہوا۔ اور ان کی یہ بھی عادت تھی کہ ان کا حیض اکثر رک چلیا کرتا تھا اور مستحین دلوں میں قائم ہو جانے کے بعد دوبارہ شروع ہو چلیا کرتا تھا۔ نہ ہی انہوں نے اس طرف توجہ کی کہ حضرت عبد اللہ کے چرے پر جو نور تھا وہ حمل ہو جانے کے بعد کہاں سے نکل کر خود ان کے چرے میں منتقل ہو گیا تھا جیسا کہ اس کے متعلق بعض علماء نے بیان کیا ہے۔ ان بعض حضرات نے لکھا ہے کہ جب یہ نور عبد اللہ کے چرے سے جا ہوا تو حضرت آمنہ کے چرے میں منتقل ہو گیا تھا اسی طرح سونے یا جانے کی حالت میں جو نور حضرت آمنہ کے جسم سے نکلا تھا وہ اس کو بھی نہیں محسوس کر سکی تھیں اس لئے کہ وہ خود حمل نہیں تھا (بلکہ حمل کے علاوہ محض نور تھا جو اس حمل سے نکلا تھا) جیسا کہ آگے اس کے متعلق ذکر ہو گا۔ روایت کے الفاظ سے یہ بات صاف طور پر نہیں نکلتی (کہ جو نور حضرت آمنہ کے جسم سے نکلا تھا اور جس سے ملک شام کے عکلات جگمگا اٹھے تھے وہ خود حمل ہی تھا)۔

اور شاید آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ نے بھی حضرت آمنہ کو اس عورت کا پیغام نہیں پہنچایا تھا جس نے اپنے آپ کو ہم بستری کے لئے حضرت عبد اللہ کے سامنے پیش کیا تھا اور (پھر جب اس کی خواہش پوری نہیں ہو سکی اور اس نے حضرت عبد اللہ کی آمنہ سے شادی اور ہم بستری کے بعد دیکھا کہ حضرت عبد اللہ کے چرے سے وہ نور نکل چکا ہے تو اس نے) حضرت عبد اللہ سے کہا تھا کہ جاؤ اور آمنہ کو بتا دو کہ وہ زمین کے رہنے والوں میں بہترین انسان کو حمل کی صورت میں حاصل کر چکی ہے۔ (اس واقعہ کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت آمنہ کو اپنے حمل کا علم فرشتے کے بتلانے سے پہلے نہیں ہو سکا کیونکہ معلوم ہونے کے جتنے سبب ہو سکتے تھے ان میں سے کوئی بھی پورا نہیں ہوا)۔

حمل کے ابتدائی زمانہ میں جو بوجہ حضرت آمنہ کو محسوس ہوا جیسا کہ آگے آنے والی بعض روایات سے معلوم ہو گا وہ ہو سکتا ہے کہ فرشتے کے بتلانے کے بعد محسوس ہوا ہو۔ مگر کتب مواہب میں ہے کہ حضرت کعبہ سے روایت ہے کہ حضرت آمنہ کے پاس فرشتہ اس وقت آیا تھا جب کہ ان کے حمل کو چھ مہینے گزر چکے تھے۔ آمنہ کو خواب میں بشارت :-..... یہ بات قابل غور ہے اس لئے کہ چھ مہینے کے حمل کو حمل کا ابتدائی

زمانہ نہیں کہا جاسکتا۔ حضرت کعبؓ کی اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

”حضرت آمنہؓ بیان کرتی تھی کہ ”جب میرے حمل کو چھ مہینے گزر چکے تھے تو میرے پاس خواب میں ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھ سے کہا اے آمنہ! تم سارے جہانوں کے بہترین شخص کو حمل کی صورت میں حاصل کر چکی ہو، جب وہ تمہارے یہاں پیدا ہو تو اس کا نام محمدؐ رکھنا اور اپنے آپ کو پوشیدہ رکھو۔“

سلطنتیں اٹھنے کی جانوروں کے ذریعے گواہی :-..... اس روایت کے ہوتے ہوئے ممکن طور پر صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ ہو سکتا ہے حضرت آمنہؓ کے پاس وہ فرشتہ دوبارہ آیا ہو واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت آمنہؓ کے شکم میں آنحضرت ﷺ کے بصورت حمل ظہور کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ تھی کہ اس رات قریش کا ہر جانور بول اٹھا یعنی جس رات میں آنحضرت ﷺ کا بصورت حمل ظہور ہوا اس رات سے پہلے کے دن میں آنحضرت ﷺ کی کوامت کی وجہ سے (قریش کا ہر جانور بول اٹھا) یعنی پیچھے گزرنے والی اس روایت کی بناء پر کہ جب حضرت عبداللہ نے حضرت آمنہؓ سے ہم بستری کی تو (حمل کے ساتھ ساتھ) وہ نور عبداللہ میں سے نکل کر حضرت آمنہؓ میں منتقل ہو گیا تھا۔ (غرض اس رات قریش کا ہر جانور یہ بول اٹھا کہ)

”رسول اللہ ﷺ بصورت حمل اپنی والدہ کے شکم میں تشریف لے آئے ہیں اور کہیے کے رب کی قسم ہے کہ دنیا کے بادشاہوں میں سے ہر بادشاہ کا تخت الٹا ہو گیا ہے۔“

اس قسم کی بات کہنے کا تعلق دیکھنے سے نہیں ہو سکتا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- سب یہ بات واضح ہے کہ پہلی علامت کا تعلق تو مطلقاً آنحضرت ﷺ کے بصورت حمل ظہور سے ہے۔ اس میں حضرت آمنہؓ کے ذریعہ اس حمل کی کوئی خصوصیت نہیں لیکن دوسری علامت (یعنی بادشاہان عالم کے تختوں یعنی سلطنتوں کے الٹ جانے) کے متعلق یہی کہا جاسکتا ہے کہ قدیم کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے بصورت حمل ظہور کی یہ علامت ذکر ہوگی (جیسا کہ اوپر گزرا۔ اس قسم کی بات کا تعلق دیکھنے سے نہیں ہو سکتا) لیکن یہاں حضرت ابن عباسؓ کا مقصود یہ بتانا ہے کہ اس حمل میں حضرت آمنہؓ کی خصوصیت کو بھی دخل ہے کیونکہ روایت کے الفاظ کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ کو اپنے حمل کا علم تھا واللہ اعلم۔

حمل کے ساتھ بت اٹھنے ہو گئے :-..... (حالانکہ پیچھے یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ حضرت آمنہؓ کو اپنے حمل کا کوئی علم نہیں ہوا یہاں تک کہ فرشتے نے ان کو اطلاع دی)۔

حضرت کعب ابن اجازؓ سے روایت ہے کہ:-

”اس رات کی صبح میں تمام بیتا کے بت اٹھ ہو گئے تھے۔“

قول صادقؓ اور آندیکھی گواہی :-..... غالباً حضرت آمنہؓ کے شکم میں آنحضرت ﷺ کے بصورت حمل ظہور کی یہ علامت قدیم کتابوں میں ذکر ہوگی (یعنی آسمانی کتابوں میں) اور قول صادقؓ غلط نہیں ہو اگر تا (یعنی) قدیم آسمانی کتابوں میں یہ علامت ذکر ہوگی جو خدا کا کلام ہے اور ایسا کلام بلا شک غلط نہیں ہو سکتا اس لئے ایسی را دیکھی علامت کو جو حق تعالیٰ کی طرف سے بیان کی گئی ہو واقعہ کے طور پر ظاہر کر دینا بالکل صحیح ہے کہ اس حلق یقین ہے کہ وہ اسی طرح ظاہر ہوئی ہوگی جس طرح بیان کی گئی ہے) آگے میں آئے گا کہ آپ کی ولادت

مبادک کے وقت بھی تمام دنیا کے بت لئے ہو گئے۔ ایسے واقعہ کے ایک مرتبہ سے زیادہ پیش آنے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے (یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دونوں روایتیں ایک دوسرے کی مختلف ہیں۔ اس لئے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ کب پیش آیا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بتوں کے الٹ جانے کا یہ واقعہ دوسرے مرتبہ پیش آیا ہو جس خدا کو ایک دفعہ ایسا کرنے کی قدرت ہے وہ ایک سے زائد مرتبہ بھی اس معجزے کو دہرا سکتا ہے۔

آنحضرت دعاء ابراہیمی اور بشارت عیسوی :-..... زہری فرماتے ہیں کہ حاکم نے یہ روایت بیان کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں اپنے متعلق کچھ بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا :-

میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعاء ہوں اور اپنے بھائی عیسیٰؑ کی بشارت و خوش خبری ہوں، جب میں اپنی والدہ کے شکم میں بصورت حمل آیا تو انہوں نے دیکھا کہ گویا ان سے ایک نور نکلا ہے۔ ایک روایت کے لفظ ہیں کہ گویا ایک چراغ نکلا ہے۔ اور ایک روایت کے لفظ ہیں کہ گویا ایک شہاب (یعنی آگ کی چمک یا ستارہ) نکلا ہے جس سے ملک شام میں بھری کے غلات روشن ہو گئے۔“

خواب اور بیداری میں شہابی روشنی :-..... حافظ عراقی فرماتے ہیں جو آگے ذکر ہو گا کہ انہوں نے (یعنی آنحضرت ﷺ کی والدہ نے دیکھا کہ ولادت کے وقت ان سے ایک نور نکلا۔ یہ روایت زیادہ معتبر ہے کیونکہ اس کی سند اور روایوں کا سلسلہ زیادہ مضبوط ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت آمنہ سے یہ نور دوسرے مرتبہ نکلا ہو، پہلے حمل کے وقت اور دوسرے ولادت کے وقت اور دونوں مرتبہ بیداری کی حالت میں ہی نکلا ہو۔ اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے مایہ بھی ممکن ہے کہ حمل کے وقت جو نور انہوں نے دیکھا وہ خواب کی حالت میں ہو جیسا کہ آنے والی روایت سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو رہی ہے۔ اور یہ دوسری مرتبہ اس کا نظر آنا جانے کی حالت میں ہو۔ اس طرح دونوں حدیثوں میں کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی۔ (یہاں تک حافظ عراقی کا قول ہے)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- آگے آنے والی جس روایت کا (حافظ عراقی نے) حوالہ دیا ہے وہ شدید لائق اوس کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ :-

”انہوں نے (یعنی آنحضرت ﷺ کی والدہ نے) خواب میں دیکھا کہ جو ان کے پیٹ میں ہے وہ ایک نور کی صورت میں نکلا۔“

یہ نور نور شریعت تھا :-..... (تشریح) البدریہ والنہایہ میں عبد اللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت آمنہ کہتی ہیں :-

”جس زمانے میں میں ان کو یعنی آنحضرت ﷺ کو بصورت حمل اٹھائے تھی تو مجھے کبھی کوئی بوجھ اور ٹھکن محسوس نہیں ہوئی یہاں تک کہ آپ پیدا ہو گئے۔ جب آپ میرے جسم سے جدا ہوئے تو آپ کے ساتھ ساتھ ایک نور نکلا جس سے شرق اور مغرب کے درمیان کا سدا احمر روشن ہو گیا۔ پھر آپ اس طرح زمین پر تشریف لائے کہ اپنے ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے ایک ٹھنی بحر مٹی اپنے ہاتھ میں اٹھائی اور اپنا چہرہ مبادک آسمان کی طرف اٹھلید۔“

(کتاب مواہب میں ہے :- آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت نور کے نکلنے سے اس نور کی طرف اشتداد ہے جو آپ ﷺ لے کر آئے یعنی شریعت اسلام جس سے ساری دنیا نے ہدایت حاصل کی اور جس نے کفر اور

شرک کے اندھیلوں کو ختم کر دیا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ مَجْلَى السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِمْ يَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (آل عمران ۱۶۶)

ترجمہ: تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک کتب واضح یعنی قرآن مجید کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رخصائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں اور ان کو رہبر است پر قائم رکھتے ہیں۔ محلات بصری روشن ہونے کی حکمت :-..... (حاکم کی مذکورہ بالا روایت میں بصری کا ذکر کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ) بصری ملک شام کا وہ پہلا موقع ہے جہاں نور نبوت پہنچا جہاں تک دو مرتبہ نور کے اس طرف نکلنے کا تعلق ہے وہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ دو مرتبہ وہاں تشریف لے گئے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے چچ ابوطالب کے ساتھ اور دوسری مرتبہ حضرت عذیبہؓ کے قلام میسرہ کے ساتھ جیسا کہ آگے اس کا تفصیلی بیان آئے گا۔ وہیں یعنی بصری میں آپ ﷺ کے لونٹ کے بیٹھنے کا نشان ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جہاں آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھی تھی وہاں اس کا نشان پڑ گیا تھا اس جگہ پر بعد میں مسجد بنادی گئی۔ اس طرح بصری ملک شام کا وہ پہلا شہر ہے جو اسلام کے دور میں فتح ہوا۔ یہ شہر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانے میں صلح کے ذریعہ فتح ہوا تھا، اس کو فتح کرنے والے حضرت خالد ابن ولیدؓ تھے۔ ہمیں پر حضرت سعد ابن عبادہؓ کی قبر ہے اور یہ حوران کا علاقہ ہے۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کی پیدائش مشتری ستارہ کے دور میں :-..... آنحضرت ﷺ کے حمل میں رہنے کی مدت میں بھی اختلاف ہے۔ ابن عابد سے روایت ہے کہ آپ ﷺ اپنی والدہ کے پیٹ میں پورے نو مہینے رہے اور حمل کی اس پوری مدت میں حضرت آمنہؓ کو نہ کبھی درد ہوا نہ بے چینی ہوئی اور نہ تکلیف ہوئی۔ نہ ہی کوئی کوئی ایسی شکایت ہوئی جو عام طور پر حاملہ عورتوں کو ہوا کرتی ہے اور یہ کہ آپ مشتری ستارہ کے وجود کے زمانے میں پیدا ہوئے یہ ایک نہایت چمکدار اور سعد ستارہ سمجھا جاتا ہے جو خوش بختی کا موجب ہوتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت سب سے زیادہ سعد وقت میں اور سب سے زیادہ روشن ستارہ کے زمانے میں ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کی والدہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے اس سے زیادہ ہلکا حمل اور اس سے زیادہ خیر و برکت والا حمل نہیں دیکھا۔

نزالی شان کا حمل :-..... ابن حبان حضرت حلیمہ سعدیہؓ سے روایت کرتے ہیں جو حضرت آمنہؓ سے روایت بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے کہا :-

”میرے اس بچے کی نزالی شان ہے۔ یہ میرے پیٹ میں تھے تو مجھے کوئی بوجھ اور تھکن محسوس نہیں ہوئی۔ میرے لئے اس حمل میں بالکل بوجھ نہیں تھا اور نہ ہی میں نے اس سے زیادہ برکت والا حمل دیکھا۔“

مدت حمل :-..... بعض روایتوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ دس مہینے ماں کے پیٹ میں رہے۔ بعض میں ہے کہ چھ مہینے، بعض میں ہے کہ سات مہینے اور بعض میں ہے کہ آٹھ مہینے۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ آٹھ مہینے میں پیدا ہوئے تھے (اگر آنحضرت ﷺ کے متعلق بھی آٹھ مہینے روایت کو مان لیا جائے) تو یہ بھی ایک آیت اور معجزہ ہو گا کیونکہ حکماء اور نجومیوں کا قول یہ ہے کہ جو بچہ آ

میں پیدا ہوتا ہے وہ زندہ نہیں رہتا، جبکہ فومینے، سات مینے اور چھ مینے میں ہونے والا بچہ زندہ رہتا ہے حالانکہ چھ مینے کی مدت حمل کی کم سے کم مدت ہے۔ حکماء اس کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ بچہ ساتویں مینے کے پورا ہونے کے وقت پیٹ سے باہر نکلنے کے لئے حرکت کرتا ہے۔ یہ ایک سخت حرکت ہوتی ہے جو چھ مینے کی حرکت سے زیادہ سخت ہوتی ہے (اب اس حرکت سے بچہ پیدا ہو گیا تو زندہ رہ جاتا ہے اور اگر پیدا نہیں ہو سکا تو وہ پیٹ میں سکون سے رک جاتا ہے چونکہ اس حرکت سے اس کو کمزوری اور تھکن ہو جاتی ہے اس لئے وہ آٹھویں مینے میں بالکل حرکت نہیں کرتا۔ اسی لئے اس سے مینے میں (یعنی آٹھویں مینے میں اس کی حرکت پیٹ میں بہت کم ہو جاتی ہے، لیکن اس نے پھر حرکت اور پیدا ہو گیا تو اس کو بہت زیادہ کمزوری اور تھکن ہو جاتی ہے اور دو سلسل اور کمزور کر دینے والی حرکتوں کی وجہ سے جب کہ وہ پہلے ہی کمزور تھا وہ بچہ زندہ نہیں رہتا)۔

آٹھویں ماہ کا بچہ زندہ نہیں رہتا:..... شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ میں نجوم کی منزلوں میں آٹھویں مینے کے بچے کی کوئی تصویر نہیں دیکھی (شیخ ابن عربی اور علامہ سیوطی فن نجوم کے کسی حد تک قائل ہیں۔ علم نجوم کے مطابق دنیا میں ہر پیدائش والے بچے کی تصویر نجوم کی منزلوں میں پہلے ہی آ جاتی ہے اور اس کے بعد اس کے مطابق بچہ دنیا میں آ جاتا ہے) مگر چونکہ آٹھویں مینے کا بچہ بالکل زندہ نہیں رہتا اس لئے اس کی تصویر کبھی نجوم کی منازل میں نہیں آتی کسی لئے اگر بچہ آٹھویں مینے میں پیدا ہو گیا تو وہ مر جاتا ہے کبھی زندہ نہیں رہتا۔ اور اگر بغرض محال وہ زندہ رہ جاتا ہے تو وہ ایسا بیمار اور روگی رہتا ہے کہ خود اپنے کام کا بھی نہیں رہتا۔ اور یہ اس لئے (یعنی آٹھویں مینے کا بچہ اس لئے زندہ نہیں رہتا) کہ آٹھویں مینے میں پیٹ میں رہنے والے بچے پر خشکی اور ٹھنڈ کا اثر ہوتا ہے اور یہی موت کا حرج ہے (یعنی ابن عربی بات تو یہی کہہ رہے ہیں کہ آٹھویں مینے کا بچہ زندہ نہیں رہتا مگر اس کی دلیل دوسری دے رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس مینے میں بچہ پیٹ میں خشکی اور ٹھنڈ کا اثر جلدی قبول کرتا ہے اور موت کا جو سبب ہے وہ یہی ہے کہ آدمی کا جسم کمزوری کی وجہ سے خشکی اور ٹھنڈ کا اثر جلدی قبول کرنے لگے۔ ان میں سے جس کا اثر بھی جسم پر ہو جائے گا موت واقع ہو جائے گی، کیونکہ خشکی اور ٹھنڈ کا اثر موت کا حرج اور اس کا پیش خیمہ ہے)۔

کیا حمل اور پیدائش ساتھ ساتھ ہوئے؟..... یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا بصورت حمل بطور اور پیدائش ایک ہی وقت میں ساتھ ساتھ ہوئی۔ ایک روایت یہ ہے کہ تین گھنٹے کے اندر حمل اور پیدائش ہوئی۔ یہی بات حضرت عیسیٰ کے متعلق بھی کہی جاتی ہے۔

سال ولادت و آسودگی کا سال:..... اس سال کو جس میں آنحضرت ﷺ حمل کی صورت میں وجود میں آئے اور خوشی کا سال بھی کہا جاتا ہے کیونکہ قریش اس سے پہلے سال میں سخت خشک سالی اور غلی میں مبتلا تھے مگر یہ سال (یعنی آنحضرت ﷺ کے حمل کا سال آتے ہی زمینیں سرسبز ہو گئیں اور درخت پھلوں سے جھک گئے۔ غرض اس سال میں قریش کو ہر طرف سے آسودگی اور عیش حاصل ہوا۔

اں کے پیٹ میں ذکر اللہ:..... ایک حدیث ہے جس کو کمزور اور مشتبہ قرار دیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی کرامت اور شرف کی وجہ سے اس سال میں اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی عورتوں کو حکم دیا کہ وہ نہ بچے (یعنی بچے) پیدا کریں۔ میں ان روایات سے واقف نہیں ہوں جو آنحضرت ﷺ کی تعریف اور مدح کرنے والوں میں مشہور ہیں کہ آپ ﷺ اپنی والدہ کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق

روایت ہے کہ جب ان کی والدہ حضرت مریم لوگوں سے الگ تھمائی میں ہوئیں تو حضرت عیسیٰ پریت میں سے اپنی والدہ سے باتیں کیا کرتے تھے اور جب وہ لوگوں کے ساتھ ہوتیں تو حضرت عیسیٰ اللہ کی حمد و ثنائیں مشغول رہتے اور حضرت مریم ان کی کوفہ نشی رہتی تھیں۔ حضرت شداد ابن ابی موسیٰ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ خلیلہ بنی عامر کا ایک بواش آپ ﷺ کے پاس آیا وہ اپنی قوم کا سردار تھا اور لاشعی کے سداے کیا تھا اس نے آپ کے سامنے ایک مثال دے کر بات کی اور آپ ﷺ کے دوا تک آپ ﷺ کا نسب ذکر کیا اور کہنے لگا۔

دعوائے نبوت اور اس کی حقیقت :-..... اے عبدالمطلب کے بیٹے! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنے آپ کو لوگوں کے لئے اللہ کا خلیفہ کہتے ہیں جس نے آپ کو وحی چیز (یعنی شریعت) کو سکری بھیجا ہے جو ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ وغیرہ جیسے نبیوں کو دے کر بھیجا تھا مگر آپ نے ایک بہت بڑی بات زبان سے نکالی ہے تمام انبیاء اور خلفاء یعنی بڑے بڑے نبی، بنی اسرائیل کے وہ خاندانوں میں ہوئے ہیں جب کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو پھر دلوں اور بتوں کو پوجتے والے ہیں اس لئے تمہیں نبوت سے کیا کام! مگر چونکہ ہر بات کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے اس لئے تم اپنے دعویٰ کی حقیقت اور اپنی اصلیت مجھے بتاؤ۔

شیخ عرب کا سوال اور نبی ﷺ کا جواب :-..... آنحضرت ﷺ کو اس شخص کے سوالات پسند آئے آپ ﷺ نے اس سے فرمایا :-

”اے بنی عامر کے بھائی! تم نے جو باتیں مجھ سے پوچھی ہیں ان کے جواب تفصیل اور وقت چاہتے ہیں۔“

دعاء ابراہیمؑ اور اس کا ثبوت :-..... اس پر وہ شخص چار زانوں ہو کر اس طرح بیٹھ گیا جیسے اونٹ ٹانگیں موڑ کر بیٹھا کرتا ہے اور اس نے اپنا رخ رسول اللہ ﷺ کی طرف کر لیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا :-

”اے بنی عامر کے بھائی! میرے قول اور دعویٰ کی حقیقت اور اصلیت یہ ہے کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعاء ہوں۔“ یعنی جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے دعاء کی تھی کہ :-

رَبَّنَا وَابْتَخِ فِیْهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

الآیہ ۱ سورہ بقرہ ع ۱۵

ترجمہ :- اے ہمارے پروردگار اور اس جماعت کے اندر ان ہی میں سے ایک ایسا خلیفہ بھی مقرر کیجے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سکھائے اور ان کو آسمانی کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاک کر دیں۔ بلاشبہ آپ ہی ہیں غالب القدر و کمال الانتقام۔

اور اسی وقت ان سے کہا گیا (یعنی حضرت ابراہیمؑ سے) کہ آپ کی دعاء قبول کر لی گئی۔ اخیر زمانے میں وہ نبی ہوں گے۔

تفسیر ابن جریر میں اسی طرح ہے۔ کتاب بیور حیات میں اس بات پر علماء کا اجماع و اتفاق ذکر کیا گیا ہے کہ اسی جگہ جس رسول کا ذکر کیا گیا ہے وہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔

یہ دعاء وعدہ خداوندی کے مطابق تھی :-..... اقول مؤلف کہتے ہیں۔ اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حضرت جبرئیلؑ حضرت ابراہیمؑ کو بتلا چکے تھے کہ عرب میں آپ کے بیٹے اسماعیلؑ کی ولادت ہوئی ایک

نئی ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ ایک روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کو وہاں سے مکے کی طرف لے جائیں تو وہ حضرت ہاجرہؑ کو اپنے بیٹے کو لے کر راق پر روانہ ہوئے، جب وہ مکے پہنچے تو حضرت جبریلؑ نے ان سے کہا کہ یہیں اتر جائیے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کیا یہاں پر جہاں نہ کھیت ہیں نہ دودھ ہے۔ حضرت جبریلؑ نے فرمایا کہ ہاں یہیں پر تمہارے بیٹے اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ایک اُنی نئی ظاہر ہوں گے، جن پر اللہ کا کلام پورا ہو جائے گا۔

اس اشکال کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعاء کا مقصد صرف یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ جلد حقیقت بن جائے۔ (اس روایت میں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اس میں) جو بات حضرت ابراہیمؑ نے حضرت جبریلؑ سے کہی وہ بات جیسا کہ یہاں ہو چکا ہے حضرت ہاجرہؑ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہی تھی (یعنی جب حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہؑ کو وہاں چھوڑ کر جانے لگے تو حضرت ہاجرہؑ نے کہا تھا کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ مجھے اور اس بچے کو اس وحشت ناک جگہ میں چھوڑ جائیں جہاں کوئی ہمد نہیں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ ہاں۔ تو حضرت ہاجرہؑ نے کہا کہ تب اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا (اللہ اعلم)۔

آنحضرت ﷺ کی بشارت ہیں :- (پھر اسی مذکورہ حدیث کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں جو اس اعرابی کے سوال کے متعلق تھی کہ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعاء ہوں)۔
”اور اپنے بھائی عیسیٰ کی بشارت و خوش خبری ہوں۔“

ایک روایت میں ہے کہ آخری شخص جس نے میرے ظہور کے متعلق بشارت دی یعنی نبیوں میں آخری نبی جنہوں نے میرے ظہور کے متعلق بشارت دی وہ عیسیٰ ہیں۔
(یہاں آخری شخص سے مراد یہی لی گئی ہے کہ نبیوں میں آخری نبی جنہوں نے آپ ﷺ کے متعلق بشارت دی، ایسا ایک دوسری روایت کی بناء پر مراد لیا گیا کہ میری بشارت دینے والے آخری شخص عیسیٰ ہیں کیونکہ نبی اپنی قوموں کو آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق بشارت دیتے رہے ہیں)۔
اسی بات کی طرف قصیدہ ہزنیہ کے مصنف نے اشارہ کیا ہے۔

ما مضت فخرہ من الرسل الا
بشرت قومها بك الانبياء

ترجمہ: پیغمبروں کے درمیان کوئی وقت ایسا نہیں گزرا کہ اس میں انبیاء نے اپنی قوموں کو آپ ﷺ کے متعلق بشارت نہ دی ہو۔

بشارت عیسوی کا ثبوت :- حضرت عیسیٰ کی بشارت اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے :-
وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَا تَبْطِئُوا بِآيَاتِي ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ (سورہ صفحہ ۱)۔

ترجمہ: اور اسی طرح وہ وقت بھی قائل ذکر ہے جب کہ عیسیٰ ابن مریم نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو توریت آچکی ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں جن کا نام مبارک احمد ﷺ ہوگا۔ میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔ دوسرے انبیاء کے متعلق بشارت میں :- دوسرے انبیاء میں بھی ایسے نبی ہیں جن کے وجود میں آنے

سے پہلے ان کے متعلق بشارت دی گئی ہے۔ ایسے انبیاء چار ہیں۔ حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب، حضرت محمدؐ اور حضرت عیسیٰ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کی والدہ سارہ کے حق میں فرمایا:-

فَبَشِّرْهُنَّ بِابْنٍ ذَكَرَهُ وَيُؤْتِيَهُنَّ يَاقُوتَ بَدَلًا ۚ پ ۱۲ سورہ ہود ع ۷۔

ترجمہ: سوہم نے ان کو مکرز بشارت دی اسماعیل کے پیدا ہونے اور اسماعیل کے پیچھے یعقوب کی۔

کہا جاتا ہے کہ سارہ کو بشارت دی گئی تھی کہ وہ اس وقت تک زندہ رہیں گی جب تک کہ ان کے بیٹے حضرت اسماعیل کے یہاں حضرت یعقوب نہ پیدا ہو جائیں۔

اسی طرح حضرت زکریا کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ ۚ الْآيَةُ ۚ پ ۳ سورہ آل عمران ع ۴

ترجمہ: تحقیق کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں گنجی کی۔ اور حضرت مریم کے حق میں اللہ تعالیٰ

نے یہ فرمایا:-

إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ أَنْتَ الْمَسْحُوقُ ۚ الْآيَةُ ۚ پ ۳ سورہ آل عمران ع ۵۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو مخائب اللہ ہو گا اس کا نام ذوق لب مسیح

عسیٰ ابن مریم ہو گا۔

آنحضرت ﷺ کے لئے بشارتوں کا تسلسل :-..... اس طرح کیا آنحضرت ﷺ کے علاوہ بھی چار

انبیاء ہیں جن کے متعلق ان کے اس دنیا میں آنے سے پہلے ان کو آمد کی بشارتیں دی گئی تھیں جو بعد میں پوری ہوئیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے متعلق حضرت آدمؑ کے وقت سے بشارتیں دی جا رہی ہیں اور پچھلی تمام آسمانی کتابوں میں آپ کی تشریف آوری کی بشارت اور آپ کے متعلق بعض دوسری اہم پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ چنانچہ ہر دور میں لوگ آپ ﷺ کا بے جا بی سے انتظار کرتے رہیں ہیں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے نور نبوت کو جو پاک صلیوں سے پاک رحموں میں نخل ہوتا کہ ہاتھ اپنے یہاں حاصل کرنے کے لئے مختلف خاندانوں میں کشاکش ہوتی رہی جیسا کہ اس کے متعلق گذشتہ صفحوں میں ایک حدیث گزر چکی ہے کہ لم قول تنازعنی الامم کابوا عن کابو کہ پچھلی امتوں میں ہمیشہ میرے نور کو حاصل کرنے کے لئے کشاکش رہی

اس کے بعد (آنحضرت ﷺ نے اسی اعرابی سے) فرمایا:-

دوسری چند خصوصیات :-..... ”میں اپنے ماں باپ کی پہلی اور اگلی نسلوں کو لاد ہوں۔ میری والدہ پر میرے حمل میں ہونے کا بوجھ دوسری عورتوں کے حمل کے بوجھ سے زیادہ تھا یہاں تک کہ جو بوجھ محسوس کرتی تھیں اپنی سیلیوں سے وہ اس کی شکایت کیا کرتی تھیں۔ پھر انہوں نے خواب میں دیکھا کہ جو چیز (یعنی جو حمل) ان کے پیٹ میں ہے وہ ایک نور کی صورت میں نکلا (حضرت آمنہ نے) کہا کہ میں نے اپنی نظریں اس نور کے پیچھے دوڑائیں مگر وہ نور میری نظروں سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ”اس نور سے روئے زمین کا مشرق و مغرب جگمگا اٹھا۔“ (حدیث)۔

اس حدیث کا آخری اور مکمل حصہ رضاعت کے بیان میں آئے گا۔ (یہ حدیث گویا ان روایتوں کے خلاف ہے جو پہلے گزر چکی ہیں کہ جب تک آنحضرت ﷺ جناب آمنہ کے پیٹ میں رہے حضرت آمنہ کو حمل

کا کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوا۔

اصلیت کی وضاحت :-..... ابن جوزیؒ روایت بیان فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کی اصلیت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا :-

میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعاء ہوں، بھٹی کی خوش خبری ہوں اور اپنی والدہ کا خواب ہوں، انہوں نے (یعنی حضرت آمنہؑ نے) کہا کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے عملات جگمگاتے تھے۔

(اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں اپنی والدہ کا خواب ہوں، دوسرے اس میں صرف نور کے نکلنے کا ذکر ہے جبکہ کچھ روایات کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خود حمل ہی نور کی صورت میں نکلا تھا جس کے متعلق مؤلف پیچھے کے صفحات میں اپنی رائے ظاہر کر چکے ہیں۔ اس سے کچھ روایات میں حمل کے غیر معمولی بوجھ کا ذکر ہے جو گزشتہ روایات کے مخالف ہے اس اختلاف کو دور کرنے کے سلسلے میں) حافظ ابو نعیم کہتے ہیں کہ اس روایت میں جس بوجھ کا ذکر کیا ہے وہ حمل کے ابتدائی وقت میں تھا اور کچھ روایتوں میں حمل کے جس غیر معمولی ہلکے پن کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد وہ وقت ہے جب حمل مستقر ہو چکا تھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ بوجھ جس کا حمل کے ابتدائی زمانہ میں ذکر کیا گیا ہے حضرت آمنہؑ کو اس وقت محسوس ہوا ہو جب کہ فرشتے نے ان کو اس کی خبر دی۔ اس طرح یہ کچھ روایات کے مخالف نہیں ہوگا۔

اس روایت میں وہی اشکال بھی پیدا ہوتا ہے جو پیچھے بیان ہوا اور اس کا جواب بھی پیچھے بیان ہو چکا ہے (یعنی حضرت آمنہؑ کی وہ روایت کہ مجھے حمل کا علم نہیں ہو سکا تھا)

مگر جیسا کہ علامہ زہری کی روایت پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ حضرت آمنہؑ نے کہا وہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) میرے حمل میں تھے مگر ان کی ولادت تک مجھے کوئی مشقت محسوس نہیں ہوئی۔ ممکن ہے مشقت سے مراد جیسا کہ پیچھے (دوسرے روایت میں) بیان ہو چکا ہے یہ ہو کہ انہوں نے (حمل کے پورے زمانے میں نہ درد کی شکایت کی اور نہ مروڑ اور تکلیف کی اور نہ ہی انہیں ایسی کوئی تکلیف ہوئی جو عام طور پر حاملہ عورتوں کو ہوتی ہے چنانچہ مطلب یہ ہوا کہ بھاری پن کے باوجود انہیں نہ کورہ مشقتوں میں سے کوئی مشقت نہیں ہوئی۔ اب اس مطلب کے بعد یہ روایت (جس میں ذکر ہے کہ حضرت آمنہؑ نے سیلیوں سے بھاری پن کی شکایت کی) دوسری روایت کے مخالف نہیں رہی بلکہ یہ کہ انہوں نے بھاری پن محسوس کیا (گویا عالم طور پر حمل کے زمانے میں عورتوں کو جو تکلیفیں محسوس ہوا کرتی ہیں ان میں سے حضرت آمنہؑ کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی البتہ انہوں نے بوجھ اور بھاری پن محسوس کیا جس کے متعلق انہوں نے اپنی سیلیوں سے بھی تذکرہ کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب چہارم (۴)

آنحضرت ﷺ کے والد کی وفات

ابن اسحاق سے روایت ہے کہ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا اس حال میں کہ حضرت آمنہ ابھی حاملہ ہی تھیں۔ اسی پر اکثر علماء کا اتفاق ہے (یعنی حضرت عبداللہ کا انتقال آنحضرت ﷺ کی ولادت سے پہلے ہو گیا تھا اگرچہ کچھ روایات ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد فوت ہوئے جیسا کہ ان کا ذکر آگے آ رہا ہے) حافظ دمیاطی نے بھی اسی قول کو درست قرار دیا ہے۔ آگے بعض روایتوں سے معلوم ہو گا کہ قدیم کتابوں میں (جہاں آپ کی آمد کی خبریں ہیں) اس بات کو بھی آپ کی نبوت کی علامتوں میں سے ایک علامت بتلایا گیا ہے (کہ آپ کے والد کا انتقال آپ ﷺ کی ولادت سے پہلے ہی ہو جائے گا اور اس طرح آنحضرت ﷺ میں یتیم ہونے کی شان مکمل طریقے پر پائی جائے گی)۔

کیا والد کا انتقال آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد ہوا :-..... ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب کہ آپ ﷺ صرف دو مہینے کے حمل کی صورت میں تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش سے دو مہینے پہلے ہوا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کی عمر اس وقت دو ماہ کی ہو چکی تھی اور آپ ﷺ پالنے میں جھولتے تھے جب آپ کے والد کا انتقال ہوا۔ علامہ اسماعیلی نے (روض الانف) میں لکھا ہے کہ اسی قول پر اکثر علماء کا اتفاق ہے۔ (مؤلف کہتے ہیں کہ) جو قول پیچھے گزر چکا ہے اس کی موجودگی میں اب یہ بات قابل غور ہے۔

عبداللہ کا یشرب میں انتقال :-..... کتاب سیرت نبویہ میں ہے۔ آنحضرت ﷺ کے والد کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جبکہ آپ حضرت آمنہ کے پیٹ میں تھے۔ حضرت عبداللہ کا انتقال مدینے میں ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ ایک قریشی قافلہ کے ساتھ تجارت کے لئے گئے تھے مگر وہاں سے بیمار ہو کر واپس ہوئے۔ جب یہ قافلہ مدینے سے گزرا تو حضرت عبداللہ اپنی نامنال یعنی بنی نجاد کے یہاں ٹھہر گئے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ کی والدہ بنی نجاد میں سے تھیں۔ یہ یہاں ایک مہینے تک بیماری کی حالت میں رہے جب ان کے ساتھیوں کا قافلہ کے پہنچا تو عبدالمطلب نے ان سے اپنے بیٹے کے متعلق پوچھا، انہوں نے بتلایا کہ ہم نے ان کو بیماری کی حالت میں ان

کی ناناہل میں چھوڑ دیا ہے۔ عبد المطلب نے حضرت عبد اللہ کو کئے لانے کے لئے حادثہ یازیر کو جو عبد اللہ کے بھائی تھے مدینے بھیجا مگر وہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کو وہیں دفن کر دیا گیا ہے۔ جب حضرت آمنہ کو یہ جانکاہ خبر ملی تو انہوں نے اپنے محبوب شوہر کا یہ مرثیہ پڑھا

عَفَا جَانِبَ الْبَطْحَاءِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ
وَجَا وَرَدًا خَارِجًا فِي الْعَمَلِمْ

دَعَتْهُ الْمَنِيَا دَعْوَةً فَاجَابَهَا
وَمَا تَرَكْتَ فِي النَّاسِ مِثْلَ ابْنِ هَاشِمٍ

عَشِيَّةَ رَاحٍ يَحْمِلُونَ سِرِّيَّةَ
نَعَاوِرَهُ أَصْحَابَهُ فِي الطَّلَامِ

(اس کے بعد حضرت عبد اللہ کی وفات کے متعلق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مکان کا انتقال مدینے میں ہوا جہاں وہ کچھ بچوں کی تجارت کے سلسلے میں اپنی ناناہل (یعنی اپنے والد عبد المطلب کی ناناہل والوں سے) ملنے گئے تھے۔ ان کی ناناہل والے بنی عدی ابن نجار تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جانے کے دونوں مقصد ہوں۔

بیماری اور ناناہل میں قیام :-..... ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ قریش کے قافلوں میں سے ایک غیر یعنی قافلے کے ساتھ غزہ کے لئے روانہ ہوئے۔ عمر سے مراد وہ قافلہ ہے جو تجارتی مسلمان لے کر جاتا ہے۔ یہ لوگ تجارت کے سلسلے میں روانہ ہوئے تھے۔ جب غزہ میں وہ تجارت سے فارغ ہو گئے اور وہاں سے واپس ہوئے تو راستے میں مدینے سے گزرے۔ اس وقت حضرت عبد اللہ بیمار ہو گئے تھے ماس لئے انہوں نے قافلے والوں سے کہا کہ میں یہاں اپنی ناناہل بنی عدی ابن نجار کے پاس ٹھہر جاتا ہوں۔

(درمیان میں نجد کے متعلق تفصیل بتلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ) نجد کا اصل نام حمیم تھا۔ اس کو نجد اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کی فتنہ اس آلہ سے کی گئی تھی جو بڑھئی کا لوزار ہوتا ہے (اس کو عربی میں قدوم کہتے ہیں اور اردو میں برسولہ کہتے ہیں۔ چونکہ عربی میں بڑھئی کو نجد کہتے ہیں اس لئے حمیم کو بھی نجد کہا جانے لگا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حمیم نے ایک شخص کا مومنہ برسولہ مد کر زخمی کر دیا تھا اور چونکہ نجر کے معنی رندے سے چھپنے اور مارنے کے ہیں اس لئے حمیم کو نجد کہا جانے لگا۔

کئے لانے کے لئے حادثہ کی روانگی :-..... غرض عبد اللہ بنی نجد کے پاس بیماری کی حالت میں ایک مہینہ رہے اور یہ روایت پہلی روایت کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے۔ بہر حال قریشی قافلہ (حضرت عبد اللہ کو ان کی ناناہل میں بیمار چھوڑ کر) آگے بڑھ گیا۔ جب یہ کئے پہنچا تو ان لوگوں سے حضرت عبد اللہ کے والد عبد المطلب نے بیٹے کے متعلق دریافت کیا۔ قافلے والوں نے بتلایا کہ ہم نے ان کو بیماری کی حالت میں ان کی ناناہل بنی عدی ابن نجار کے پاس چھوڑا ہے۔

وفات اور بیثرب میں تدفین :-..... یہ سن کر عبد المطلب نے حضرت عبد اللہ کے بھائی حادثہ کو انکے پاس بھیجا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ حادثہ عبد المطلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے اور اسی لئے عبد المطلب کا لقب ابو الحادث (یعنی حادثہ کا باپ) تھا۔ یہ حادثہ اسلام سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔ غرض جب حادثہ مدینے پہنچے تو انہوں نے عبد اللہ کو مردہ پایا۔

کتاب اسد الغابہ میں یہ روایت ہے کہ عبدالمطلب نے (عبداللہ کی پیدائی کی خبر سن کر) اپنے بیٹے زبیر کو ان کے پاس بھیجا جو حضرت عبداللہ کے گئے بھائی تھے اور یہ کہ حضرت عبداللہ کی وفات (مدینے میں) زبیر کے سامنے ہی ہوئی ان کو وہاں تاجروں والے مکان میں دفن کیا گیا۔ تاہم بنی عدی ابن نجار میں سے ایک شخص کا نام تھا یادر فتنی :..... ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینے پہنچے اور آپ ﷺ نے اس مکان کو دیکھا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو اس کے متعلق بتلاتے ہوئے فرمایا کہ : میں میری والدہ مجھے لے کر اتری تھیں اور اسی گھر میں میرے والد عبداللہ کی قبر ہے اور مجھے بنی عدی ابن نجار کے پانی میں تیرا بت اچھا لگتا تھا۔ نجار کے پانی میں تیرا کی پسند خاطر :-..... (جس طرح اس روایت میں آنحضرت ﷺ کے تیرے کا ذکر کیا ہے) اسی طرح ایک اور روایت ہے جسے عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھی ایک چھوٹے تالاب میں تیرے تھے تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص تیرے اپنے ساتھی کی طرف جائے (یعنی ایک اس کنارے سے تیرا جائے اور دوسرا اس کنارے سے تیرا ہوا آئے) چنانچہ ہر شخص اپنے اپنے ساتھی کی طرف تیر کر چلا (یعنی سب کو ایک ایک ساتھی مل گیا) صرف آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ رہ گئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ کی طرف تیرے یہاں تک کہ آپ نے (ان کے پاس پہنچ کر) انہیں گلے لگالیا اور فرمایا ”میں اور میرا ساتھی“۔ ایک روایت میں ہے کہ ”میں اپنے ساتھی کی طرف ہیں اپنے ساتھی کی طرف“۔

ان روایتوں سے بعض علماء کے قول کی تردید ہوتی ہے (کہ آنحضرت ﷺ کبھی تیرے نہیں) جن سے یہ پوچھا گیا تھا کہ کیا آنحضرت ﷺ تیرے ہیں (جواب میں ان بعض نے کہا) کہ بظاہر نہیں کیونکہ یہ بھی ثابت نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی حری سفر فرمایا ہو اور لوہر حرمین (یعنی مکہ اور مدینے) میں بھی کوئی دریا نہیں ہے۔ کیا عبداللہ ابواء میں فوت ہوئے؟..... بہر حال ابن اسحاق کہتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ کا ابواء کے مقام پر انتقال ہو اور وہیں ان کو ان کے والد نے دفن کیا۔ ابواء کے لوہر مدینے کے بیچ میں ایک جگہ کا نام ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ آگے روایت آ رہی ہے کہ ابواء کے مقام پر جو قبر ہے وہ آنحضرت ﷺ کی والدہ کی ہے اور زیادہ صحیح یہی بات ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ کہنے والے کو اسی بناء پر (والدہ اور والد کے لفظوں میں) مبالغہ ہوا ہو۔ ممکن ہے کہ اس نے (یعنی اس روایت کے کہنے والے نے) ابواء کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہو کہ یہاں میرے والدین میں سے ایک کی قبر ہے۔

شیشی اور غربت کے فضا کل :-..... بعض علماء نے وہ حالتیں بھی بیان کی ہیں جو آنحضرت ﷺ کے یتیم رہنے اور اس حالت میں آپ کی پرورش میں پوشیدہ ہیں مگر یہاں طوالت کی وجہ سے ان کو بیان نہیں کر رہے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ یتیموں پر رحم کرو اور غریبوں کی عزت کرو اس لئے کہ میں اپنے بچپن میں یتیم تھا۔ اور بڑے ہو کر غریب تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ غریب آدمی کی طرف روزانہ ایک ہزار بار دیکھتا ہے۔ واللہ اعلم۔

کیا آپ ﷺ کے والدین مسلمان ہوئے؟..... خطیب نے حضرت عائشہؓ کی ایک روایت بیان کی ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے والد کو (آپ ﷺ کی نبوت کے ظہور کے بعد دوبارہ زندہ کر کے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا اور وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے۔

مواہب میں یہ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے آپ ﷺ کے ماں باپ دونوں کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ مگر ان روایتوں کے متعلق علامہ سیوطی یہ کہتے ہیں کہ ان کی سند میں مجہول لوگ ہیں (یعنی جن کے متعلق کوئی علم نہیں کہ وہ کس جال کے ہیں اور کیا ان کی روایتیں قابل اعتبار ہو سکتی ہیں)۔ حافظ ابن کثیرؒ (اس سے بھی آگے بڑھ کر) یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے (یعنی قابل اعتبار نہیں ہے) اور ابن دجیہؒ (ان دونوں سے بڑھ کر) یہ کہتے ہیں کہ یہ روایت موضوع یعنی من گھڑت ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس روایت کی قرآن پاک اور اجماع علماء دونوں تردید کرتے ہیں (یعنی علماء کا جو متفقہ فتویٰ ہے وہ بھی اس کے خلاف ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین دوبارہ زندہ کئے گئے اور پھر وہ آپ پر ایمان لائے) اور اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو آنحضرت ﷺ کے اس قول کا خلاف ہو جائے گا جو یہ ہے کہ آپ سے ایک شخص نے پوچھا (یعنی اپنے باپ کے متعلق پوچھا جو مر چکا تھا) کہ میرا باپ کہاں ہے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ دوزخ میں (اس لئے کہ وہ کفر کی حالت میں مرا تھا) اس کے بعد جب وہ شخص جانے کے لئے مڑ گیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ میرا باپ اور میرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔

اسلام والدین کی روایت پر اشکال :-..... یہاں یہ اشکال بھی ہے کہ یہ دوسری حدیث امام مسلمؒ نے ذکر کی ہے اس لئے پہلی حدیث اس کے مخالف نہیں ہو سکتی (کیونکہ امام مسلم نے جو احادیث بھی بیان کی ہیں وہ سب ایسی ہیں کہ اپنی سند اور رلوئیوں کے لحاظ سے نہایت پائے کی اور معتبر احادیث ہیں)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ یہ حدیث گذشتہ روایت کے خلاف جیسی ہوگی جبکہ اس کے آخری الفاظ ثابت ہو جائیں کیونکہ مسلم کی اس حدیث میں تمام راوی اس حصے پر متفق نہیں ہیں کہ ”میرا باپ اور میرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔“ ان الفاظ کو حماد ابن سلمہ نے ثابت سے روایت کیا ہے اور ثابت نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے مگر معمر نے اس کی مخالفت کی ہے جو اس حدیث کو ثابت سے نقل کرتے ہیں اور ثابت حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ معمر نے ان لفظوں کے بجائے یہ لفظ روایت کئے ہیں (جو کیا آنحضرت ﷺ نے اس شخص سے فرمائے) کہ جب تو کسی کافر کی قبر سے گزرے تو اس کو (یعنی قبر والے کو) جہنم کی بشارت دے۔

ناقدین حدیث (یعنی وہ حضرات جو سند اور رلوئیوں کے حالات کی بنیاد پر ان کی بیان کی ہوئی حدیث کو پرکھتے ہیں) اس بات پر متفق ہیں کہ رلوئیوں میں حماد ابن سلمہ کے مقابلے میں معمر زیادہ بھروسہ کے قابل ہیں۔

اسلام والدین کی تائیدی وجوہ :-..... یعنی مسلم کی یہ حدیث مجمل حدیث کے مقابلے میں مان تولی جائے مگر اس حدیث کے ان ہی آخری لفظوں میں اختلاف ہے جن پر یہاں بحث ہے کیونکہ اس کو دو (۲) رلوئیوں نے ایک ہی سند سے ذکر کیا ہے یعنی حماد ابن سلمہ نے اور معمر نے۔ دونوں ثابت سے اس کو نقل کر رہے ہیں جو حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں مگر دونوں کا ان لفظوں میں اختلاف ہے۔ یہ لفظ صرف حماد نے ہی نقل کئے ہیں کہ ”میرا باپ اور میرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔“ جبکہ معمر اسی حدیث کو روایت کرتے ہیں تو وہ یہ الفاظ

نقل نہیں کرتے بلکہ اس کے مقابلے میں ایک عام بات نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس شخص سے یہ فرمایا کہ ”تو جب بھی کسی کافر کی قبر پر سے گزرے تو اس کو جہنم کی بشارت دے دے۔“

اس اختلاف کی وجہ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ آنحضرت ﷺ کے والدین کافر ہیں۔ اور حریہ کہ حوالہ دہ معمر دونوں رولویوں میں زیادہ قابل اعتماد رولوی معمر ہیں کیونکہ علماء نے مختلف وجوہ سے معمر کے حافظے کو زیادہ بھروسہ کے قابل قرار دیا ہے جیسا کہ بیان کرتے ہیں اس لئے حملہ کے حافظے کو زیادہ داشت میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ ان کی بیان کی ہوئی حدیثوں میں بہت سی ناقابل اعتبار باتیں ہیں۔ اسی لئے ربیعہ نے حملہ کی حدیثیں اپنی کتاب سے ملائی تھیں۔ حملہ کا حافظہ بھی اچھا نہیں تھا، چنانچہ یہ روایت انہوں نے بیان کی مگر اس میں انہیں وہم ہو گیا ان کے مقابلے میں معمر کے حافظے میں کوئی کلام نہیں ہے اور نہ ان کی بیان کی ہوئی حدیثوں میں کوئی نا پسندیدہ چیز ہے۔

والدین کے جہنمی ہونے کی خبر نہیں دی گئی :-..... اس کے علاوہ معمر کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ (معمر نے جو روایت نقل کی ہے وہی حضرت سعد ابن ابی وقاص کی حدیث میں بھی آ رہی ہے) یعنی جس طرح حضرت انس کی بیان کی ہوئی روایت ہے جس کو معمر نے ثابت سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح حضرت سعد کی بیان کی ہوئی حدیث بھی ہے جو اسی مفہوم اور مطلب کی ہے) اس کا سلسلہ سند یہ ہے کہ اس کو یزید، طبرانی اور بیہقی تینوں نے ابراہیم ابن سعد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے زہری سے انہوں نے عائد ابن سعد سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے ایک دیرماتی نے پوچھا کہ میرا باپ کہاں ہے (یعنی جو کفر کی حالت میں مر چکا ہے، اب جنت میں ہے یا دوزخ میں) آپ ﷺ نے فرمایا جہنم میں ہے۔ پھر اس دیرماتی نے پوچھا کہ آپ کے باپ کہاں ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

”تو جب بھی کسی کافر کی قبر سے گزرے اسے جہنم کی بشارت دے دے۔“

معمر کی روایت زیادہ قوی :-..... گویا آپ ﷺ نے صاف لفظوں میں یہ نہیں فرمایا کہ میرے باپ بھی جہنم میں ہیں بلکہ ایک عام بات فرمائی جو اس شخص کے سوال کا جواب بھی بن گئی اور اس میں آپ نے اپنے والد کے انجام کے متعلق براہ راست کوئی خبر بھی نہیں دی، یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی ان شرائط کے مطابق ہے جو وہ حدیث کو قبول کرنے کے سلسلے میں لگاتے ہیں (اس طرح گویا یہ معلوم ہو گیا کہ یہ کمزور حدیث نہیں ہے بلکہ پائے کی حدیث ہے) اس لئے اس روایت میں جو دوسرے الفاظ ہیں (یعنی جنہیں حوالہ ابن سلمہ نے نقل کیا ہے اور جو یہ ہیں کہ ”میرا باپ اور میرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔“ رولوی کی طرف سے آئے ہیں جنہیں اس نے غلطی کے لحاظ سے استعمال کیا ہے اور جو معنی وہ سمجھا ان کے مطابق الفاظ استعمال کر دیئے اور اس میں اس نے غلطی کی یعنی حملہ نے روایت کے جو اصل الفاظ تھے وہ نقل نہیں کئے بلکہ ان کا مطلب اپنے لفظوں میں نقل کیا ہے اور مطلب سمجھنے میں اس نے غلطی کی ہے۔ اصل الفاظ وہی ہیں کہ جب کسی کافر کی قبر سے گزرے تو اس کو جہنم کی بشارت دے دو چونکہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات اپنے والد کے انجام کے متعلق سوال کے جواب میں فرمائی تھی اس لئے ان لفظوں سے حملہ نے یہ مطلب نکالا کہ آپ اپنے والد کو بھی کافر کہہ رہے ہیں لہذا حملہ نے آنحضرت ﷺ کے اصل لفظ نقل کرنے کے بجائے اپنی سمجھ کے مطابق ان کا مطلب یہ بتلادیا کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ میرا باپ اور میرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں ایسی حدیث کو جس کا مطلب رولوی

نے اپنے لفظوں میں ادا کیا ہو روایت بالمعنی کہتے ہیں اور جس حدیث کو رلوی نے اس کے اصل لفظوں میں بیان کیا ہو اس کو روایت بالالفاظ کہتے ہیں۔

حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ بخاری اور مسلم میں بہت سی روایتوں میں ایسا ہوا ہے (کہ رلوی نے روایت بالمعنی کی ہے) ان میں سے ایک مسلم کی حدیث ہے جو حضرت انسؓ سے روایت ہے اور جو بسم اللہ نہ پڑھنے کے متعلق ہے یعنی نماز میں بسم اللہ زور سے یعنی آواز کے ساتھ نہ پڑھی جائے جبکہ ایک دوسری روایت میں ثابت صرف یہ ہو رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ سے اس کا زور سے پڑھنا سنا نہیں گیا۔ اس سے رلوی یہ سمجھا کہ بسم اللہ زور سے پڑھنے کی ممانعت ہے چنانچہ رلوی نے اپنی کچھ کے مطابق حدیث بالمعنی بیان کر دی اور اس میں غلطی کی۔ امام شافعیؒ نے اس حدیث کا ہی طرح جواب دیا ہے جس میں بسم اللہ کے زور سے پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔

(چونکہ مصنف کتاب شافعی ہے اس لئے وہ اس مسئلے کے ذیل میں امام شافعیؒ کا مسلک ثابت کر رہے ہیں امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق نماز میں بسم اللہ آہستہ سے پڑھنی چاہئے اس بارے میں احادیث ہیں جن میں رلوی بیان کر رہے ہیں کہ انہوں نے نہ آنحضرت ﷺ کو نماز میں زور سے بسم اللہ پڑھتے سنا اور نہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو۔ ہر حال اس سلسلے میں بہت سے ایسے ثبوت موجود ہیں جو امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کو ثابت کرتے ہیں مگر ان کا ذکر یہاں موضوع کے بھی خلاف اور طوالت کا سبب ہوگا۔)

کیا باپ سے مراد چچا تھے؟..... (حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث پیچھے بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے والدین کو آپ کے سامنے دوبارہ زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ اس کے متعلق علامہ سیوطی وغیرہ کا قول نقل ہو چکا ہے۔ اس کے بعد حماد ابن سلمہ اور معمر کی روایتیں آئیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد کافر ہیں۔ چونکہ دونوں روایتیں ایک دوسرے کے مخالف ہیں اس لئے ان کا اختلاف دور کرنے کے لئے کہتے ہیں) مناسب یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ یعنی مسلم کی حدیث (جس میں آپ ﷺ کے والد کا کفر ثابت ہوتا ہے) ممکن ہے اس واقعہ سے پہلے کی ہو جب کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے والد کو دوبارہ زندہ کرنے کی دعاء کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ اسی جواب کی طرف اصل یعنی عیون الاثر نے بھی اشارہ کیا ہے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے یہ جملہ (یعنی میرا باپ اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں) اس سوال کرنے والے کے ایمان کی مصلحت سے فرمایا ہو (یعنی جب آپ ﷺ نے اس کے باپ کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ وہ جہنم میں ہے تو یہ سن کر وہ بددل ہوا اور اس سے اس کے ایمان پر اثر پڑنے کا اندیشہ ہوا ہو۔ اس لئے آپ نے بعد میں اس کی تسلی کے لئے یہ فرمادیا ہو کہ تیرے ہی باپ نہیں بلکہ میرے باپ بھی جہنم میں ہیں) اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ نے اس سے مسلسل کلام نہیں فرمایا بلکہ جب وہ لوٹ کر جانے لگا تو آپ کو اس کی حالت (یعنی چہرے کے اتار چڑھاؤ) سے یہ اندازہ ہوا کہ یہ فتنہ میں مبتلا ہو گیا ہے۔ یعنی ممکن ہے اسلام سے ہی پھر جائے اس لئے اس وقت آپ نے ایسی بات فرمادی جو ظاہر میں پہلی دلی بات جیسی تھی (یعنی اس کے باپ کے متعلق کہنے کے بعد اپنے والد کے متعلق بھی فرمادیا) اور باپ کے لفظ سے آپ نے اپنے چچا ابو طالب کو مراد لیا ہو، حضرت عبد اللہ کو نہیں کیونکہ (قریش کے لوگ آنحضرت ﷺ کے متعلق ابو طالب سے اس طرح کہا کرتے تھے کہ (مثلاً) اپنے بیٹے سے کہو کہ وہ ہماری مجبوروں کو گالیاں نہ دے۔ یا مثلاً یہ کہا کرتے تھے کہ اپنے بیٹے (یعنی آنحضرت ﷺ) کو، ہمارے حوالے کر دو اور اس کے بدلے میں ہم سے یہ لے لو۔ جس پر ابو طالب نے

جواب دیا تھا کہ کیا میں اپنے بیٹے کو تہمدے حوالے کر دوں تاکہ تم اسے قتل کرو۔ غرض اس کے علاوہ بھی (اور) مثالیں ہیں جن میں چچا کو باپ اور بھتیجے کو بیٹا کہا گیا ہے) موجود ہیں جو آگے آئیں گی کیونکہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے اہل عرب چچا کو باپ ہی کہتے تھے۔

کیا بعد مرگ اسلام مفید ہے؟..... حضرت عائشہؓ کی اس حدیث میں جس میں کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے والد کو دوبارہ زندہ کر کے مومن بنایا گیا، ایک اشکال پیدا ہوتا ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس حدیث کو اگر ثابت مان لیا جائے جس کے متعلق حدیث کے حافظوں میں سے ایک سے زیادہ نے صراحت کی ہے اور اس کے جن رویوں کو ناقابل قبول قرار دیا گیا ہے ان کی طرف توجہ نہیں دی جائے تو یہ اعتراض نہ ہونا چاہئے کہ مرنے کے بعد ایمان کس طرح مفید ہوگا (کیونکہ انسان کے لئے زندگی تک ہی اس کی گنجائش ہے کہ وہ حق کو قبول کر لے۔ اگر اس نے زندگی میں حق کو قبول نہیں کیا اور ناحق پر موت ہو گئی تو دوسرے عالم میں اس کو زندگی کے عمل کی سزا ملے گی۔ کیونکہ دنیاوی فعل ہے اور موت کے بعد آدمی جس عالم میں پہنچتا ہے وہ دلائل الجزاء ہے) اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک کئی جائے گی مگر اس جواب پر بھی بعض علماء کہتے ہیں کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے اس کو اس خصوصیت کی دلیل بھی پیش کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ محض احتمال اور مکان کی وجہ سے کوئی خصوصیت ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ جب تک اس کی دلیل کے طور پر کوئی حدیث صحیح نہ پیش کی جائے وہ خصوصیت ثابت نہیں ہوگی۔ (اس دوسرے اشکال کے جواب کے طور پر ایک اور روایت پیش کی جاتی ہے جس کو علامہ قرطبیؒ نے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ) قرطبی کے کلام میں یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے مردوں کی ایک جماعت کو زندہ کیا تھا (تاکہ آپ ان کو اسلام پیش کریں) اب اگر یہ بات ثابت ہو تو اس بات میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین بھی دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لائے تھے یہ بات آنحضرت ﷺ کی فضیلت اور شرف کو اور زیادہ بڑھاتی ہے۔ اور اگر آپ ﷺ کے والدین کا دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لانا فائدہ مند نہ ہوتا تو ان کو زندہ ہی نہ کیا جاتا جیسا کہ سورج کا لوٹنا اگر لوگات متعین کرنے کے لئے فائدہ مند نہ ہوتا تو وہ لوٹا ہی نہ جاتا واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کو تسنن اور اکلوتی ولاد :-..... واقعہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اور اہل علم کے نزدیک مشہور بات یہی ہے کہ حضرت آمنہ اور حضرت عبداللہ کے یہاں آنحضرت ﷺ کے علاوہ کوئی ولاد نہیں ہوئی۔ علامہ سبّا ابن جوزی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ کے سوا کبھی کسی سے نہیں ہوئی اور اسی طرح حضرت آمنہ کی شادی حضرت عبداللہ کے سوا کبھی کسی سے نہیں ہوئی۔ اسی طرح انہوں نے مؤرخین و علماء کا اس بات پر اتفاق و اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت آمنہ کے پیٹ میں آنحضرت ﷺ کے سوا کبھی کوئی بصورت حمل نہیں کیا۔ حضرت آمنہ کا جو یہ قول ہے کہ ”مجھے اس سے زیادہ ہلکا حمل کبھی نہیں ہوا۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں آنحضرت ﷺ کے علاوہ اور حمل بھی ہوا ہے مگر (اس اشکال کا جواب

یہ ہے کہ) انہوں نے یہ بات اپنے قول میں تاکید پیدا کرنے کے لئے کہی ہے۔
عبداللہ و آمنہ کی ایک ہی شادی ہوئی :-..... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: (حضرت آمنہ کی) یہ جو روایت بیان کی گئی ہے میں اس سے واقف نہیں ہوں (یعنی یہ کہ مجھے اس سے زیادہ ہلکا حمل کبھی نہیں ہوا) جو روایت

(ہماری اس کتاب میں) گزری ہے وہ یہ ہے کہ ”میں نے اس سے زیادہ ہلکا حمل کبھی نہیں دیکھا“ اور دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”آپ میرے حمل میں آئے مگر میں نے کبھی اعلیٰ ہلکا حمل نہیں پایا جتنا ہلکا یہ مجھ پر ہوا ہے۔“ چنانچہ ”دیکھنے“ اور ”پانے“ کا مطلب یہ لیا جاسکتا ہے کہ (حمل کے بوجھ اور مشقت کے سلسلے میں) انہیں دوسری حاملہ عورتوں نے اپنی حالت اور کیفیت بتلائی ہوگی۔ اس لئے اس روایت کا مطلب یہ ہونا ضروری نہیں کہ انہیں آنحضرت کے سوا اور حمل بھی ہوا ہے اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ (اعلیٰ ہلکا حمل میں نے کوئی نہیں پایا) جتنا ہلکا مجھ پر یہ ہوا ہے۔ اس بات کے خلاف نہیں ہوتا (کہ آنحضرت ﷺ کے سوا حضرت آمنہ کو کبھی کوئی دوسرا حمل نہیں ہوا) اس لئے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے (یہاں جہاں تک میں نے اس بارے میں سن رکھا ہے) واللہ اعلم۔

کیا آمنہ کو آنحضرت ﷺ کے سوا بھی حمل ہوا؟..... واقعہ یہ کہ سبط ابن جوزی نے جو علماء کا اتفاق و اجماع نقل کیا ہے (کہ حضرت آمنہ کو آنحضرت ﷺ کے سوا کبھی کوئی حمل نہیں ہوا) اس کو حافظ ابن حجرؒ نے مبالغہ سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے کہ سبط ابن جوزی نے اپنی عادت کے مطابق جملہ یعنی علماء کا اتفاق نقل کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے (یعنی حافظ ابن حجرؒ اس بات کو علماء کی متفقہ رائے نہیں تسلیم کرتے کہ حضرت آمنہ کو صرف یہی ایک حمل ہوا جس سے آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے اس کے سوا کبھی کوئی دوسرا حمل نہیں ہوا چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ) یہ بات غیر ممکن نہیں کہ حضرت آمنہ کو حضرت عبداللہ (کے حمل) سے کبھی اسقاط بھی ہوا ہو اور اسی کی طرف انہوں نے اپنے غم کو ردہ قول میں اشارہ کیا ہو۔ مگر حافظ ابن حجرؒ کی اس رائے میں بھی اشکال ہے چنانچہ مؤلف اسی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

آمنہ کو دوسرا حمل محض ظن و خیال :-..... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- (اگر اسقاط ہوتا جائے تو اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت آمنہ کو اس اسقاط کا حمل آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد ہوا ہو اور اس کی بنیاد یہ ہوگی کہ حضرت عبداللہ کا اس وقت انتقال نہیں ہوا جبکہ آنحضرت ﷺ حمل کی صورت میں (حضرت آمنہ کے پیٹ میں) تھے بلکہ ان کا انتقال آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد ہوا (جیسا کہ پہلی سطروں میں یہ روایتیں بھی گزر چکی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت سات مہینے یا نو مہینے یا اٹھارہ مہینے یا اٹھائیس مہینے کی تھی) اور یہ کہ حضرت آمنہ کو جو مشقت محسوس ہوئی وہ اسی اسقاط والے حمل میں ہوئی اور انہوں نے اس مشقت کا ذکر اس اسقاط والے حمل کے بعد کیا۔ اور یہ کہ اس اسقاط والے حمل میں ان کو جو مشقت اور تکلیف ہوئی وہ آنحضرت ﷺ کے حمل میں ہونے کے وقت یا نکل نہیں ہوئی (اس حمل کو آنحضرت ﷺ والے حمل کے بعد اس لئے ماننا پڑے گا کہ) اگر اس اسقاط والے حمل کو آنحضرت ﷺ والے حمل سے پہلے مان لیا جائے تو یہ اس روایت کے خلاف ہو جائے گا جو پیچھے گذر چکی ہے کہ ”حضرت عبداللہ حضرت آمنہ کے مالک (یعنی شوہر) بن گئے تو وہ ان کے ساتھ بھرتے ہوئے اور اسی وقت نور نبوت ان میں سے نکل کر حضرت آمنہ میں منتقل ہو گیا (اس کے علاوہ دوسرا اشکال یہ ہوگا کہ اس اسقاط والے حمل کو اگر آنحضرت ﷺ والے حمل سے پہلے مان لیا جائے تو آنحضرت ﷺ اپنے والدین کی جیشی ولاد نہیں رہتے)۔

اب جہاں تک (حضرت آمنہ کی) اس ایک دوسری روایت کا تعلق ہے کہ ”مجھے دوسرے حمل بھی ہوئے مگر (آنحضرت ﷺ کے میرے حمل میں آنے کے وقت) مجھے کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوا“ اس کے

بارے میں واقف کیا کرتے ہیں کہ یہ روایت لعل علم کے نزدیک مشہور نہیں ہے جیسا کہ ہم نے کوکب منیر میں بیان کیا ہے اس لئے کہ مستطاب والے حمل کا امکان اس بارے میں علماء کے اجماع و اتفاق کے خلاف نہیں پڑتا کہ حضرت آمنہؓ کو آنحضرت ﷺ کے بصورت حمل آنے کے سوا کوئی دوسرا حمل نہیں ہوا۔ کیونکہ ممکن ہے حمل سے مراد مکمل حمل ہو (جب کہ عسقلان کا حمل مکمل حمل نہیں ہوتا)۔ کتاب خصائص مغربی میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین کے یہاں آپ کے سوا کوئی ولولاد نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

عبد اللہ کی باندی ام ایمن :-..... اس کے بعد واقعہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ نے اپنی باندی ام ایمن پر کہ جیہ پھوڑی۔

یہ ام ایمن (جن کا نام برکہ حبشہ تھا) اور ان کے بیٹے امین دونوں اسلام کے شروع میں ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ لیکن ایک حبشی غلام کے بیٹے تھے جس کا نام عبید تھا۔

ام ایمن کے نکاح اور ولولاد :-..... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- ابن جوزی کے کلام میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا، اس وقت ام ایمن سے ایمن پیدا ہوئے۔ یہ بات اس روایت کے خلاف نہیں جو اصحاب میں ہے کہ ام ایمن کی شادی کے میں جاہلیت کے زمانے میں عبید حبشی ابن زید سے ہوئی۔ عبید کے آکر وہیں رہے تھے اس کے بعد ام ایمن کو لے کر یثرب یعنی مدینے چلے گئے جن سے ان کے یہاں ایمن پیدا ہوئے۔ اس کے بعد عبید کا انتقال ہو گیا۔ ام ایمن واپس کے آگئیں جہاں زید ابن حارثہ نے ان سے شادی کر لی۔ یہ روایت بلاذری نے نقل کی ہے۔ واللہ اعلم۔ (گویا ام ایمن کا عبید کے ساتھ یثرب یعنی مدینے جانا آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے تھا)۔

ام ایمن کی فضیلت :-..... پھر واقعہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ام ایمن کی شادی اپنے غلام زید ابن حارثہ سے کر دی، یعنی نبوت کے بعد (ام ایمن کی یہ دوسری شادی ہوئی) حضرت زید ابن حارثہ ام ایمن سے شادی کرنے کے اس وقت خواہشمند ہو گئے تھے جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔

”جو شخص اس کا خواہشمند ہو کہ وہ جنت کی عورتوں میں سے کسی عورت سے شادی کرے تو وہ ام ایمن سے نکاح کرے۔“

زید کا امینؓ سے نکاح اور ولادت اسماءؓ :-..... (چنانچہ ام ایمن کے معلق آنحضرت ﷺ کی یہ عظیم بشارت سن کر حضرت زید ابن حارثہ اس کے خواہشمند ہوئے کہ ام ایمن سے شادی کریں) ان کے یہاں ام ایمن سے حضرت اسماءؓ پیدا ہوئے جن کو لوگ حب ابن حب (یعنی محبوب کا بیٹا محبوب) کہنے لگے تھے (کیونکہ آنحضرت ﷺ کو حضرت زید ابن حارثہ بھی بہت عزیز تھے اور حضرت اسماءؓ ابن زید بھی)۔

عبد اللہ کا ترکہ :-..... ایک روایت یہ بھی ہے کہ ام ایمن کو حضرت عبد اللہ نے ہی اپنی موت سے پہلے آزاد کر دیا تھا اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی والدہ کی باندی تھیں۔

حضرت عبد اللہ نے انتقال کے بعد جو ترکہ چھوڑا وہ اپنا نمونہ اور کچھ بکریاں تھیں۔ آنحضرت ﷺ کو اپنے والد کا جو ترکہ ملا وہ بھی تھا۔ ان

خود نبی کا ترکہ میراث نہیں :-..... چنانچہ رسول اللہ ﷺ وارث بن سکتے ہیں مگر خود آپ ﷺ کا ترکہ وراثت کے طور پر تقسیم نہیں ہو سکا۔ آپ ﷺ نے فرمایا :-

”ہم انبیاء کی جماعت جو کچھ ترکہ چھوڑیں وہ (کسی کی وراثت نہیں بلکہ) صدقہ ہے۔ (کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی پوری امت کے لئے باپ کے درجہ میں ہوتے ہیں اس لئے ان کا چھوڑا ہوا ترکہ ساری امت کی ملکیت ہوتا ہے کسی مخصوص فرد کا نہیں) بعض علماء نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ نے اپنی صاحبزادیوں کا ترکہ بھی نہیں لیا جو آپ کی زندگی میں وفات پاگئی تھیں۔ اس روایت کو صحیح مان لینے کی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے آپ ﷺ نے اپنی میراث کا لینا ناپسند کیا ہو اس لئے چھوڑ دیا ہو۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

آم ایمن پر رحمت باری :-..... امین جوزی نقل کرتے ہیں کہ جب ام ایمن ہجرت کر گئے کے سے مدینے کو روانہ ہوئیں تو یہ بالکل تنہا تھیں اور پیدل جا رہی تھیں، راستے میں ان کو پیاس لگی تو ان کے لور پڑول کی طرح سے ایک چیز آسمان سے جبک آئی جس سے پانی کے سفید جھینے گر رہے تھے، انہوں نے اس میں سے پانی پیا اور سیراب ہو گئیں۔ یہ کہا کرتی تھیں کہ اس کے بعد سے مجھے کبھی پیاس اور تھکی نہیں ہو گئی۔ اور اگر کبھی روزے کی حالت میں پیاس لگی تو (وہ خود بجھ جاتی تھی پور) میں تشنہ نہیں رہتی تھی۔

آم ایمن کا سلام :-..... مزمل لکھنؤ میں واقعہ بتاتے ہیں کہ ام ایمن کی زبان میں کچھ لکنت تھی۔ چنانچہ جب وہ کسی مجلس میں جائیں تو سلام اللہ علیکم کے بجائے ”سلام لا علیکم“ کہہا کرتی تھیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے پھر ان کو اس کی اجازت دے دی کہ وہ سلام علیکم یا السلام علیکم کہہ دیا کریں۔ یہاں تک امین جوزی کا کلام ہے۔

یہ قائل غور ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ نکلا ہے کہ سلام کے اصل الفاظ ”سلام اللہ علیکم“ ہیں جبکہ سلام کے اصل لفظ یا تو السلام علیکم ہیں اور یا سلام علیکم ہیں۔ اسی طرح علیکم السلام بھی ہیں مگر ہمارے کاموں نے یہ لفظ ذکر نہیں کئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ پر ام ایمن کا ناز :-..... حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نے پانی پیا اس وقت ام ایمن بھی آپ کے پاس تھیں انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے بھی پانی پلا دیجئے۔ تو میں نے ام ایمن سے کہا کہ کیا یہ بات تم رسول اللہ ﷺ سے کہہ رہی ہو؟ (یعنی آنحضرت ﷺ سے خدمت لے رہی ہو) اس پر ام ایمن نے کہا کہ کیا میں نے اس سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت نہیں کی۔ آنحضرت ﷺ نے اس پر فرمایا کہ تم نے سچ کہا اور اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کو پانی پلایا (گویا آنحضرت ﷺ بھی ان کا بہت خیال فرماتے تھے اور انہیں بھی آپ ﷺ کی محبت کی وجہ سے آپ ﷺ پر بے حد ناز تھا)۔

اسامہ کا نسب اور جز زندقہ :-..... بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ برکہ یعنی ام ایمن حبشی باندہ سی تھیں جو اصحاب قبل (یعنی ابراہہ کے لشکر) میں کی تھیں (ابراہہ کا واقعہ آگے کے صفحات میں تفصیل سے آ رہا ہے) یہ بالکل سیاہ رنگ کی تھیں اور اسی لئے ان کے بیٹے اسامہ بھی سیاہ قام تھے۔ مگر اسامہ کے والد حضرت زیدؓ سفید رنگ کے تھے۔ اسی لئے منافقین حضرت اسامہؓ کے نسب میں شک کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ (نہوذا اللہ) حضرت اسامہؓ حضرت زیدؓ کے بیٹے نہیں ہیں۔ منافقوں کی اس طعنہ زنی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف اور تشویش ہو کر تھی۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ میرے پاس شریف لائے تو آپ بہت خوش تھے پھر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جز زندقہ آیا تھا۔ اس نے اسامہؓ اور زیدؓ کو لکھا جو ایک چادر سر تک ڈھکے ہوئے لیٹے تھے مگر ان دونوں کے پیر محل رہے تھے۔ مدحی نے (بیردوں کو دیکھا تو (را) کہا کہ یہ پیر تو ایک ہی خاندان کے ہیں۔ (جز زندقہ ایک مشہور قیافہ شناس تھا جو آدمی کا چہرہ و مہرہ اور جسم کی

وضع قطع دیکھ کر بتا دیا کرتا تھا کہ یہ کس خاندان کا کوئی ہے اس نے حضرت زیدؓ اور حضرت اسماءؓ کے ہر ایک ہی چادر میں سے نکلے ہوئے دیکھے۔ ان بیروں میں سے دو کارنگ بالکل سیاہ تھا اور دو کا سفید تھا۔ وہ چونکہ قیافہ شناس تھا اور بیروں کی بناوٹ دیکھ کر سمجھ چکا تھا کہ یہ باپ بیٹے کے ہر ہیں مگر دونوں کے بیروں کے رنگ میں بہت زیادہ فرق تھا۔ اسی لئے غالباً اسے حیرت ہوئی کہ باپ اور بیٹے کے ہر اتنے مختلف رنگ کے ہیں۔ چنانچہ اسی حیرت کے اظہار کے طور پر اس نے فوراً کہیہ ہر تو باپ بیٹے کے ہیں۔ چونکہ مدعی مشہور قیافہ شناس تھا اور لوگ اس کی قیافہ شناسی کے قائل تھے اس لئے جب اس نے بیروں کو دیکھتے ہی باز خود کہہ دیا کہ یہ ہر باپ بیٹے کے ہیں تو آنحضرت ﷺ کو بہت خوش اور اطمینان ہوا کہ یہ نیکو منافقین حضرت اسماءؓ کے نسب میں ان کے رنگ کی وجہ سے شک کیا کرتے تھے۔ پھر آپ نے اپنی اس خوشی کا اظہار حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔

لعین نسب اور قیافہ شناسی :-..... اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نسب متعین کرنے کے سلسلے میں قیافہ شناسی بھی اسلام میں قابل اعتبار ہے چنانچہ اسی حدیث کی بنیاد پر نسب متعین کرنے کے سلسلے میں قیافہ شناس کے قول پر اعتماد کرنا واجب ہے۔

(برکہ حبیبہ کے متعلق) لایا جیتے ہیں کہ (ام ایمن کا نام برکہ ہے مگر یہ حبیبہ نہیں تھیں بلکہ) جو حبیبہ تھی وہ دوسری برکہ نامی عورت تھی (جو حضرت ام حبیبہؓ کی باندی تھیں اور ان کے ساتھ حبش سے آئی تھیں۔ اس کا لقب ام یوسف تھا اور یہ بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ یہی وہ باندی ہے جس نے آنحضرت ﷺ کا بول (پیٹا) لیا تھا جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے والد کے ترکہ میں (ام ایمن باندی کے علاوہ) شتران نامی غلام بھی ملا تھا۔ یہ ایک حبشی غلام تھا جس کو غزوہ بدر کے بعد آنحضرت ﷺ نے آزلو کر دیا تھا۔ شتران کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کو آنحضرت ﷺ نے حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ سے خرید کر آزلو کیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس غلام کو حضرت ابن عوفؓ سے خرید لیا تھا بلکہ ابن عوفؓ نے یہ غلام آپ کو ہدیہ میں دے دیا تھا۔

باب پنجم (۵)

آنحضرت ﷺ کی ولادت مبارکہ

حضرت امین عباسؑ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو آپ کی ناف (جیسے اصطلاح میں) آئول ہال کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ پیٹ میں بچہ اور ماں کے جسموں کے درمیان رابطہ رہتا ہے اور اس کو پیدائش کے بعد دایہ کا شہ قی ہے) کٹی ہوئی تھی۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے تو حضرت جبریلؑ آئے اور انہوں نے ان کی ہال کاٹی، پھر ان کے کان میں توازن کی اور اس کے بعد انہیں ایک سفید کپڑا پہنایا۔

پھر ہمارے نبی آنحضرت ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے یعنی اس طرح جیسے ختنوں کو می ہوتا ہے۔ نیز اس طرح کہ (آپ کی آنکھوں میں گویا سرمہ لگا ہوا تھا اور پاک صاف پیدا ہوئے کہ آپ کے جسم مبارک پر کوئی آلودگی نہیں تھی) یعنی آپ اس طرح پیدا نہیں ہوئے جس طرح عام بچے پیدا ہوتے ہیں کہ ان کے سارے جسم پر گندگی اور خون وغیرہ لگا ہوتا ہے یہاں تک کہ منہ کے اندر بھی آلائش بھری ہوتی ہے جسے دایہ صاف کرتی ہے۔

آلودگی سے پاک پیدائش :-..... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- آپ کے جسم اطہر پر گندگی اور آلائش لگی ہوئی نہیں تھی۔ چنانچہ اس سے اس بات کا انکار نہیں ہوتا کہ آپ کی پیدائش کے بعد یعنی نفاس کے خون (جو عورتوں کو زچگی کے زمانے میں آتا ہے) کے زمانے میں گندگی اور آلائش نہیں آئی۔ اس لئے اس حدیث کا یہ مطلب نہیں لیا جاتا کہ آپ کی والدہ کو (اس زچگی میں) نفاس کا خون نہیں آیا۔ کیونکہ شافعیوں کے نزدیک نفاس وہی آلائش ہے جو ولادت کے بعد زچگی کے زمانے میں آتا ہے یہ پیدائش کے بعد پندرہ دن کی مدت گزرنے سے پہلے آتا ہے (اور شافعیوں کے نزدیک) نفاس یا آلائش اس کو نہیں کہتے جو بچہ کے ساتھ آتا ہے واللہ اعلم

آنحضرت ﷺ پیدائشی ختنوں تھے :-..... علامہ شامی کہتے ہیں حضرت انس امین مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”میرا شرف جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے ہے یہ ہے کہ میں ختنہ شدہ پیدا ہوا اور میری شرمگاہ کسی نے نہیں دیکھی۔ یعنی تاکہ کوئی ختنہ کے وقت میری شرمگاہ نہ دیکھ سکے۔ حاکم کہتے ہیں کہ اس بارے میں متواتر حدیثیں ہیں کہ آپ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ مگر علامہ ذہبیؒ نے اس قول کی مخالفت کی ہے وہ

کہتے ہیں کہ میں اس قول کی صحت کے بارے میں نہیں جانتا اس لئے یہ متواتر کیسے کہلائے گا (کیونکہ متواتر حدیث وہ کہلاتی ہے جس کو تمام راوی اپنے اپنے طریقوں سے بیان کرتے ہیں) علامہ ذہبی کے اس اعتراض کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ تواتر سے مراد عام شہرت ہے۔ چنانچہ اس بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ حدیث کے حافظوں میں کچھ وہ ہیں جنہوں نے ان احادیث کو صحیح قرار دیا ہے، کچھ وہ ہیں جنہوں نے ان کو ضعیف لگے اور کمزور قرار دیا ہے اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے ان کو حدیث حسن لگے قرار دیا ہے۔

سال ولادت کی برکتیں :-..... آنحضرت ﷺ کے مختون پیدا ہونے کے متعلق سیرت نبویہ نے بھی لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ یہ سال جس میں رسول اللہ ﷺ کا حمل ہوا قریش کے لئے فتح اور خوشی و مسرت کا سال تھا کیونکہ اس سے پہلے قریش زبردست خشک سالی اور قحط کا شکار تھے۔ مگر جب یہ سال آیا جس میں آنحضرت ﷺ کا حمل ہوا تو اچانک دنیا ہی بدل گئی، زمین سبزہ زار بن گئی اور درخت ہرے بھرے ہو کر پھلوں کے بوجھ سے دب گئے۔ ہر طرف بجلی کی کڑک نظر آتی، گھٹائیں گھر گھر کر آئیں اور برس کر جل تھل کر جاتیں۔ اس سال کی یہ برکت بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی عورتوں کے لئے حکم فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے اعزاز کی وجہ سے وہ اس سال نہ بچے جنیں۔ پھر آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو اس حال میں تشریف لائے کہ آپ ختنہ شدہ تھے یعنی ایسے تھے جیسے کہ مختون ہوتا ہے۔ سر نکلیں آنکھیں تھیں اور جسم مہلک بالکل پاک صاف تھا کہ اس پر کوئی آلائش وغیرہ نہیں تھی۔

زانی شان کا بچہ (تشریح) :-..... کتاب البدایہ والتمہایہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اس حال میں پیدا ہوئے کہ آپ ختنہ شدہ تھے اور آپ ﷺ کی آئول نال گئی ہوئی تھی (جس کو بعد میں دایہ کا کرتی ہے)۔ عبدالمطلب یہ دیکھ کر بے حد حیران اور خوش تھے اور کہتے تھے کہ میرا یہ بیٹا زانی اور بڑی شان کا ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسی کتاب میں ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ختنہ حضرت جبرئیل نے کی تھی اور اس وقت کی تھی جب انہوں نے آپ ﷺ کے قلب مہلک کو صاف کیا تھا، مگر یہ روایت غریب ہے۔ اسی طرح ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی ختنہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے کی تھی اور اس موقع پر انہوں نے قریش کی دعوت کی تھی۔ (البدایہ ص ۲۶۵ جلد ۲ مرتبہ)

ہر حال ان مختلف احادیث سے اتنی بات صاف ہو جاتی ہے کہ آپ ختنہ شدہ پیدا ہوئے تھے۔ مگر چھ شخص ابن عدیم نے اس کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ کی ختنہ عربوں کے طریقہ پر بعد میں ہوئی ہے۔ دوسرے پیدائشی مختون ہیں۔..... آنحضرت ﷺ کے علاوہ بھی دوسرے نبیوں میں سولہ نئی ایسے ہیں جو مختون پیدا ہوئے۔ کسی شاعر نے ان کو اس طرح نظم کیا ہے

۱۔ حدیث صحیحہ ہے جن کے راوی آخر تک تمام کے تمام مستبر صاحب عدالت اور مسلم ہوں۔
۲۔ اگر راوی صاحب عدالت نہیں ہے یا دوسری کوئی شرط اس میں نہ پائی جاتی ہو تو اس کی بیان کی ہوئی حدیث ضعیف کہلائے گی۔
۳۔ جس کے نقل کرنے والے سے آنحضرت ﷺ تک راویوں کے سلسلے میں کسی ایک میں وہ تمام صفات نہ پائی جاتی ہوں جو ضروری ہیں۔

وَفِي الرُّسُلِ مَخْنُونٌ لِعَمْرِكَ خَلْقَهُ
ثَمَانٌ وَ بَشْعٌ طَيِّبُونَ أَكْثَرُ

قسم ہے کہ نبیوں میں پیدائشی طور پر کچھ دوسرے نبی بھی مخنون ہیں اور یہ سب بڑے بڑے و غیر کل
ملا کر آٹھ لور تو یعنی سترہ ہیں۔ ہم ذکر کیا، شیت، مادر یس، یوسف
وحظلة عیسیٰ و موسیٰ و آدم

وہ نبی یہ ہے۔ حضرت ذکریا، حضرت شیت، حضرت اور یس، حضرت یوسف، حضرت جعفر،
حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت آدم علیہم السلام۔

دَنُوحٌ، شَعِيبٌ، سَامٌ، لُوطٌ و صَالِحٌ
سُلَيْمَانٌ، يَحْيَى، هُودٌ، يِسَٰ، خَالِمٌ

حضرت نوح، حضرت شعیب، حضرت لوط، حضرت صالح، حضرت سلیمان، حضرت یحییٰ، حضرت
ہود، حضرت یس، اور حضرت خاتم الانبیاء علیہم السلام۔

عوام میں مخنون پیدائش ممکن..... مخنون پیدائش صرف نبیوں کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ
عام لوگ بھی مخنون پیدا ہوتے ہیں، عوام میں ایک بے بنیاد بات یہ چلتی ہے کہ جو شخص مخنون پیدا ہوتا ہے اس
کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کی ختنہ چاند نے کی ہے۔ اس لئے کہ عرب یہ سمجھتے تھے کہ جو شخص برج قر
(نجومیوں کی ایک اصطلاح ہے) میں پیدا ہوتا ہے تو اس برج کے اثر سے عضو ناسل کے منہ پر جو کمال یا کمال
ہوتی ہے (اور جسے ختنہ کے وقت کاٹ دیتے ہیں) کوہ سکر جاتی ہے اور عضو ناسل ایسا ہو جاتا ہے جیسا ختنہ شدہ
آدمی کا ہوتا ہے (ایسے بچے کے متعلق) عوام میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی ختنہ فرشتوں نے کر دی ہے۔
(شیخ جمال الدین ابن عدیم کے) اس قول سے شیخ جلال الدین سیوطی کے اس قول کی تردید ہو جاتی ہے
جو انہوں نے خصائص صغریٰ میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا مخنون پیدا ہونا آپ کی خصوصیات میں سے ہے
(کیونکہ جیسے شیخ ابن عدیم نے لکھا ہے کہ مخنون پیدا ہونا تو آنحضرت ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کیونکہ آپ
کے علاوہ دوسرے سولہ نبی بھی مخنون پیدا ہوئے ہیں اور نہ ہی مخنون پیدا ہونا صرف انبیاء کی خصوصیت ہے کہ
نبیوں کے علاوہ عام لوگ بھی مخنون پیدا ہو جاتے ہیں)۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کی ختنہ فرشتے نے کی تھی اور وہ فرشتہ حضرت جبریلؑ تھے جیسا کہ
بعض محققین نے لکھا ہے کہ (آپ کی ختنہ حضرت جبریلؑ نے اس دن کی جس دن آپ کا سینہ چاک کیا گیا تھا
جب کہ آپ اس زمانے میں اپنی دلیہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس رہتے تھے۔ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ
حدیث منکر ہے (یعنی اس پر اجماع نہیں کیا جاسکتا)۔

کیا ختنہ بعد میں ہوئی؟..... ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی ختنہ آپ ﷺ کی پیدائش کے ساتویں
دن آپ ﷺ کے دلوا عبد المطلب نے کی تھی، مگر حافظ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند غیر صحیح ہے۔ اور
یہ ساتویں دن ختنہ اسی وقت کی گئی جب کہ عبد المطلب نے آپ کا عقیقہ کیا تھا اور اس موقع پر ایک دنبہ صدقہ کیا
تھا جیسا کہ آگے تفصیل سے بیان ہوگا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- دونوں روایتوں کا (یعنی مخنون پیدا ہونے اور یا بعد میں ختنہ کئے جانے کے
منکر وہ حدیث ہے جس کا لوی ضعیف ہو اور وہ قوی راوی کی مخالفت کرے۔

مخلوق (اختلاف دور کرنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ختم شدہ تو پیدا ہوئے ہوں مگر مکمل طور پر مخلوق نہ ہوئی جیسا کہ اس قسم کے واقعات میں عام طور پر ہوتا ہے) کہ جو بچے مخلوق پیدا ہوتے ہیں ان کی ختم مکمل نہیں ہوتی اور پھر بعد میں اسے پورا کر لیا جاتا ہے) چنانچہ آپ ﷺ کے دلوانے بعد میں آپ کی ختم مکمل کرائی ہو (مگر ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کے بعد) آنحضرت ﷺ کے اس قول کی مخالفت ہوتی ہے جو پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ میرے رب کی طرف سے میرا شرف یہ ہے کہ میں مخلوق پیدا ہوا اور کسی نے میری شرم گاہ نہیں دیکھی۔ (یعنی بظاہر ختم کی وجہ سے) (جو شرمگاہ پر دوسروں کی نظر پڑتی ہے آپ اس سے محفوظ رہے) بشرطیکہ یہ روایت صحیح ہو جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی ختم ایک آلے (یعنی اُستر وغیرہ) کے ذریعہ کی گئی تھی (حالانکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ ان نبیوں میں سے ہیں جو مخلوق پیدا ہوئے لیکن ان دونوں روایتوں میں بھی وہی طریقہ پر مطابقت اور موافقت پیدا کی جاسکتی ہے جو بیان ہو چکا ہے۔ (یعنی مخلوق پیدا ہوئے ہوں مگر ختم مکمل نہ ہو اس لئے بعد میں کسی آلے کے ذریعہ ختم مکمل کی گئی ہو) اور وہ آلہ جس سے حضرت عیسیٰ اور آنحضرت ﷺ کی ختم کی گئی جیسا کہ بیان کیا گیا کہ آپ کے دلوانے آپ کی ختم کی تھی وہی مشہور آلہ ہے جس کو اُستر کہتے ہیں۔ اگر یہ آلہ اُستر نہ ہو تا تو یہی اس کو بیان کیا جاتا کیونکہ اس کی مخلوق روایتوں میں تفصیلی ذکر آنے کے اسباب کافی موجود ہیں (یعنی جیسا کہ عام طور پر ہر تفصیل روایات میں مل جاتی ہے اور کوئی خاص بات ہے تو اس کا تذکرہ ضرور ہی روایات میں ملتا ہے اس لئے اگر اُستر کے بجائے جو اس مقصد کے لئے عام طور پر استعمال ہوتا ہے کوئی دوسری چیز استعمال کی جاتی تو اس کے مخلوق روایات میں تذکرہ ضرور ملتا یہ ان ہی بعض مؤرخین کا قول ہے جو یہ مانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ختم کی گئی تھی)۔

مخلوق کامل..... یہاں یہ اشکال نہ کیا جائے کہ (آنحضرت ﷺ) مگر مخلوق پیدا ہوئے ہیں تو خصوصاً اس کی اہلی کمال (جو ختم میں کافی جاتی ہے) موجود نہیں رہی ہوگی اور یہ انسان کا خلقی طور پر پیدائشی نقص کھلانے کا (جبکہ آنحضرت ﷺ کے مخلوق یہ بات نہیں سوچی جاسکتی) کیونکہ انسان کے قلب کا وہ سیاہ دانہ جو بدن میں شیطان کا حصہ اور گھر ہوتا ہے (اور جس کو نکالنے کے لئے آنحضرت ﷺ کا سینہ چاک کر کے صاف کیا گیا تھا) آپ اس کے بغیر بھی پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ آپ کے جسم مبارک میں موجود تھا اور اس کے (شیطان کا حصہ ہونے کے باوجود) آپ کے جسم اطہر میں پائے جانے کی حکمت یہی بیان کی جاتی ہے کہ وہ آپ کی تخلیق کو مکمل کرنے کے لئے ہی آپ میں رکھا گیا تھا (اور بعد میں ملائکہ کے ذریعہ صاف کر دیا گیا۔ تو گویا اشکال کا حاصل یہ ہوا کہ جب محض آپ کی تخلیق کو مکمل کرنے کی غرض سے اس سیاہ دانے تک کو جو جسم میں شیطان کا حصہ اور مرکز ہوتا ہے آپ کے جسم اطہر میں رکھا گیا تو خصوصاً اس کی اس کمال کے بغیر آپ کو کیسے پیدا کر دیا گیا جو کہ اس سیاہ دانے کے مقابلے میں بہت کمزور درجے کی چیز ہے اور وہ شیطان کا مقام بھی نہیں ہے، گویا آپ کے مخلوق ہونے کی صورت میں یہ اشکال پیدا ہو سکتا ہے)۔

بے پردگی سے قدرتی تحفظ..... اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ آپ اس کمال یا تجلی کے بغیر اسی لئے پیدا کئے گئے تاکہ آپ کی انسانی خلقت مکمل ہو سکے۔ یہ تجلی باقی نہیں رہی جاتی اور اس کو کٹ کر نکالنے کی صورت میں ہر آدمی کی شرمگاہ کا کھلنا ضروری ہوتا ہے (کیونکہ ختم دوسرا کوئی کرتا ہے اور اس کے ساتھ

دوسرے لوگوں کی نظر بھی آدمی کی شرمگاہ پر پڑتی ہے (اس لئے یہ تو خود آدمی کی خلقت کا ایک نقص اور کمی ہے کہ اس کے جسم میں کوئی حصہ ایسا پایا جاتا ہو جس کی وجہ سے اس کی شرمگاہ پر دوسروں کی نظر پڑنی ضروری ہو۔ اسی لئے آپ کے جسم اظہر میں ایسی کوئی چیز رکھی ہی نہیں گئی جس کی وجہ سے آپ کی شرمگاہ پر دوسروں کی نظر پڑ سکے) چنانچہ خلقت کا یہ نقص اور کمی تو خلقت کا عین کمال ہے بر خلاف (قلب میں پائے جانے والے سیاہ دانے کے) کہ اس کے پائے جانے سے انسان کی خلقت مکمل ہوتی ہے اور وہ جسم کا ایسا حصہ نہیں کہ بدن کو شیطان سے پاکیزہ کرنے کے لئے اگر اسے نکالا جائے تو شرمگاہ کی بے پردگی ہوتی ہو۔ اس سیاہ دانے کے متعلق علماء و محققین کہتے ہیں کہ ہر انسان کے قلب میں یا اس کے قریب ہوتا ہے اور یہی بدن میں شیطان کا مقام اور مرکز ہوتا ہے کہ وہ یہیں سے پورے بدن میں سرایت کرتا ہے اور آدمی کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے۔

عرب میں بچے کی ختنہ کی عمر..... حضرت حسن بصریؒ نے اس بات کو پند کیا کہ بچے کی ختنہ ساتویں دن کی جائے کیونکہ اس میں یودیوں سے عہد پیدا ہوتا ہے اس لئے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کے ساتویں دن ان کی ختنہ کی تو بنی اسرائیل نے اس کو سنت اور اپنا شعار بنالیا اور وہ اپنے بچوں کی ختنہ ساتویں دن ہی کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی ختنہ تیرہ سال کی عمر میں ہوئی ہے۔ ابو العباس ابن حمیہؒ کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیلؑ کی اس عمر میں ختنہ کے بعد سے ان کی ولادت یعنی عربوں میں اسی سنت کا رواج ہو گیا۔ اسی بات کی تائید (یعنی تیرہویں سال میں ختنہ ہونے کی) حضرت ابن عباسؓ کے قول سے بھی ہو رہی ہے کہ لڑکے کی ختنہ اس عمر میں کرتے ہیں جب وہ بلوغ کے قریب پہنچ جائے۔ اس سے تیرہ سال کی تائید اس لئے ہوتی ہے کہ اسی عمر میں لڑکا بلوغ کے قریب پہنچتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر کیا تھی تو انہوں نے کہا کہ اس وقت میری ختنہ ہو چکی تھی۔ یعنی بلوغ کے ابتدائی حصہ میں تھلا۔ واللہ اعلم۔

وقت ولادت شہادت توحید..... آنحضرت ﷺ جب پیدا ہوئے تو زمین پر اس طرح تشریف لائے کہ آپ کی ٹھنی بند تھی اور شہادت کی انگلی اس طرح اٹھی ہوئی تھی جس طرح اس سے تسبیح (یعنی نماز میں خدا کی وحدانیت کا اشارہ) کیا کرتے ہیں۔

سہیل سیکندہ حیدرہ آبادیلف آباد

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کی والدہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد جب میں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ سجدہ میں تھے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں اس طرح اٹھا رکھی تھیں جیسے کوئی انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کرنے والا ہوتا ہے (چونکہ اس روایت میں لفظ ”انگلیاں“ ہے جبکہ صحیح روایت میں صرف شہادت کی انگلی کا ذکر ہے اس لئے روایتوں کے اس اختلاف کو دور کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ ممکن ہے انگلیوں سے دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں مرو لوں۔ واللہ اعلم۔

پیدائش کے وقت صورت سجدہ..... پیدائش کے وقت آپ ﷺ کے سجدے کی حالت میں ہونے سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کی ابتداء ہی اللہ تعالیٰ سے قرب کے ساتھ ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ابن سعدؒ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو آپ ﷺ اپنے ہاتھوں پر جھکے ہوئے تھے اور سر آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے تھے۔ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ

آپ اپنی ہتھیلیوں اور گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی نگاہیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔
حیات پاکیزہ کی نیک ابتداء..... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ایک روایت میں ہے کہ آپ گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے تھے۔ یہ حضرت آمنہ کی اس روایت کے خلاف نہیں جس میں وہ کہتی ہیں کہ جب میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ سجدے کی حالت میں تھے۔ کیونکہ ممکن ہے آپ آسمان کی جانب سر اٹھائے ہوئے پیدا ہوئے ہوں اور آپ ﷺ کی نگاہیں آسمان کی طرف لگی ہوئی ہوں اور اس کے بعد آپ ﷺ سجدے کی حالت میں آگئے ہوں۔ اسی طرح ان دونوں روایتوں میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے جن میں سے ایک میں یہ ہے کہ آپ اس حالت میں پیدا ہوئے کہ آپ کی مٹھی بند تھی اور دوسری میں یہ ہے کہ آپ ہتھیلیوں کے بل جھکے ہوئے تھے کیونکہ ممکن ہے (کہ پیدائش کے وقت آپ ہتھیلیوں کے بل یعنی کھلی ہوئی انگلیوں کے ساتھ زمین پر تشریف لائے ہوں اور پھر) آپ نے سوائے شہادت کی انگلی کے باقی انگلیاں موڑ کر مٹھی بند کر لی ہو (اس روایت کے جس میں ہے کہ آپ پیدائش کے وقت گھٹنوں کے بل تھے) یہ قول بھی مخالف نہیں ہو تا کہ آپ مٹھی بند کئے ہوئے تھے اس بنیاد پر کہ زمین پر تشریف لانے کے فوراً بعد ایسا ہوا ہو گا۔ اور جہاں تک (پچھلی روایت میں) صرف گھٹنوں کا ذکر کرنے کا سوال ہے (جبکہ دوسری روایت میں گھٹنوں سے پہلے ہتھیلیوں کا بھی ذکر ہے) تو اس سے گھٹنے اور ہتھیلیاں دونوں سر لوینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔ بعض علماء کے کلام میں یہ بھی دیکھا ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ نے اپنا ایک ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھا ہوا تھا اور دوسرا اپنی شرمگاہ پر رکھا ہوا تھا یہ روایت قابل غور ہے واللہ اعلم

آنحضرت ﷺ کے پیدائش کے وقت آسمان کی جانب سر اور نگاہیں اٹھائے ہوئے ہونے کے حلقہ

قصیدہ ہزنیہ کے مصنف نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے

وَالْعَارَاءُ أَمْسَتْ وَفِي ذَلِكَ الرَّفْعِ إِلَى كُلِّ مَوَدَّةٍ لِهَمَاءٍ

ترجمہ: پیدائش کے وقت آپ اپنا سر اوپر اٹھائے ہوئے تھے اور اس سر کے اٹھانے میں اس طرف

اشارہ تھا کہ آپ عظمت اور سرداری والے ہیں۔

وَأَمَّا طَرْفُهُ السَّمَاءَ رَدَّ
عَيْنٍ مِنْ شَأْنِهِ الْعُلُوِّ الْعَلَاءِ

ترجمہ: آپ کی نگاہیں آسمان کی طرف دیکھ رہی تھیں اور آپ کی نگاہوں کا بلند مرکز آپ کی بلند وبالا

شان کا اظہار کر رہا تھا۔

کیفیت ولادت میں علو شان کا اشارہ..... یعنی آپ ﷺ والدہ نے جب آپ کو جنم دیا تو آپ اس حالت میں تھے کہ آپ ﷺ کا سر آسمان کی جانب اٹھا ہوا تھا اور اس سر کے اٹھنے میں جو اس عالم میں تشریف لانے کے بعد آپ کا سب سے پہلا فعل تھا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کو بلند اور سرداری حاصل ہو گی۔ اور آپ ﷺ کی والدہ نے آپ کو جنم دیا تو آپ اس حالت میں تھے کہ آپ کی نگاہیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں اور اس اشارے میں آپ کی بلند پروازی کا اشارہ پوشیدہ تھا کیونکہ آپ کی نگاہوں کا مرکز آپ کے بلند وبالا سر تھے اور عظیم الشان مقام کا پتہ دے رہا تھا۔

تفسیر زمین کی قال..... پھر علامہ شامی فرماتے ہیں۔ ایک روایت ہے کہ پیدائش کے بعد آنحضرت ﷺ

نے اپنی مٹھی میں کچھ مٹی اٹھالی اور پھر آپ ﷺ مجھ میں گر گئے۔ یہ بات بنی لب کے ایک شخص کو معلوم ہوئی تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اگر یہ قال صحیح ہے تو یہ بچہ تمام روئے زمین پر غالب ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے مٹی کو (یعنی زمین کو) مٹھی میں لیا اور وہ اس کی مٹھی میں آگئی۔

قال اس کو کہتے ہیں جس سے نیک شگون لیا جائے اور (اس کے مقابلے میں) تطیر اس کو کہتے ہیں جس سے برا شگون لیا جائے۔ اس لئے قال، تطیر کی ضد ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ میں قال (یعنی نیک شگون) لیتا ہوں تطیر (یعنی برا شگون) نہیں لیتا۔

قال نیک کی حیثیت..... ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ قال کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اچھی بات جو تم میں سے کوئی شخص نے (یعنی اچھی بات سن کر اس سے نیک شگون مراد لیتا)۔ اس کے مقابلے میں تطیر اور بد شگونی یہ ہے کہ عرب کوئی سفر وغیرہ یا کام کرنے سے پہلے پرندوں کو ان کے گھونسلوں سے اڑایا کرتے تھے۔ اگر وہ بائیں جانب کو اڑ کر چلا جاتا تھا تو اس کو بد شگونی سمجھتے تھے اور سفر وغیرہ نہیں کرتے تھے۔ اس کو آنحضرت ﷺ نے ناجائز فرمایا ہے (آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نہ بیماری کے متحی ہونے (یعنی مرض کے اڑ کر گئے) کو مانتا ہوں اور نہ بد شگونی کو بلکہ مجھے قال پسند ہے جو اچھی بات اور نیک شگون ہوتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ میں قال نیک کو پسند کرتا ہوں۔ بعض محققین نے قال اور تفاؤل کے درمیان بھی فرق کیا ہے۔ چنانچہ قال آدمی سے سنی ہوئی (اچھی) بات سے لی جاتی ہے اور تفاؤل کا مطلب ہے پرندوں کے ناموں پر ان کی آوازوں اور اذان سے شگون لیتا)۔

مرض میں چھوت چھات کی حیثیت..... (پچھلی روایت میں آنحضرت ﷺ کا قول ہے کہ میں بیماری کے متحی ہونے (یعنی اڑ کر گئے) کو نہیں مانتا۔ یہ قول اس روایت کے خلاف پڑتا ہے جس میں ذکر ہے کہ قبیلہ ثقیف کے وفد میں (جو آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تھا) ایک شخص تھا جسے کوڑھ اور جذام کا مرض تھا۔ وہ وفد کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس بیعت کے لئے حاضر ہوا تھا، مگر جب آپ کو معلوم ہوا کہ اس کو جذام کا مرض ہے تو آپ ﷺ نے اس کو اپنے پاس بلا کر بیعت لینے سے بجائے اس سے کہلا دیا کہ ہم نے تمہاری بیعت لے لی اس لئے واپس لوٹ جاؤ، چنانچہ وہ واپس چلا گیا اور آپ ﷺ نے اس سے مصافحہ بھی نہیں کیا۔ یہ بھی روایت آتی ہے کہ جذامیوں کی طرف مستقل مت دیکھو۔ آگے بیان کر رہے ہیں جس سے ان دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا ہونی ممکن ہوگی (یعنی اس روایت میں جس میں آپ نے مرض کے متحی ہونے کو ماننے سے انکار فرمایا ہے۔ اور ان روایتوں میں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جذامی آدمی سے مصافحہ بھی نہیں فرمایا۔ جذام کوڑھ کی وہ قسم ہے جس میں آدمی کا بدن گل جاتا ہے اور سفید داغوں سے مورا لٹکا رہتا ہے) اسی طرح آنے والے بیان سے اس روایت کا بھی ان دونوں سے جوڑ لگ جائے گا جس میں ذکر ہے کہ آپ نے ایک جذامی آدمی کا ہاتھ پکڑا اور اس کے ساتھ (کھانے کے) پیالے میں اپنا ہاتھ ڈال کر فرمایا کہ اللہ عزوجل کا نام لے کر اور اس پر بھروسہ کرتے ہوئے کھاؤ۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے عملی طور پر بھی ثابت کیا کہ آپ ﷺ چھوت کی بیماری پر یقین نہیں رکھتے)۔

قدیم عربوں کی شگون پرستی..... بنو لب (جس کی قال نیک کا پچھلی سطروں میں ذکر آیا ہے) یعنی ل پرزیر اور ہ پر جزم کے ساتھ۔ یہ بنی آذر کی ایک شاخ ہے۔ یہ لوگ پرندوں کو اڑ کر ان کے ذریعہ اور اس کے بغیر بھی

شگون لینے میں بہت مشہور تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں عربوں میں یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی شخص اپنی کسی ضرورت سے سفر میں جائے کالمودہ کرتا تو وہ پر عدوں کے پاس آتا اور انہیں ان کے گھوٹلوں سے لایا۔ اگر پر عدہ دائیں جانب اڑ کر جاتا تو اس کو یہ لوگ ”سراج“ کہتے اور اس سے نیک شگون لیتے کہ سفر میں ضرورت پوری ہوگی۔ لیکن اگر وہ پر عدہ بائیں جانب اڑ کر جاتا تو یہ لوگ اس کو ”بدراج“ کہتے اور ضرورت مند مسافر اپنا سفر ملتوی کر دیتا کہ بد شگون ہی ہو گئی اب کام پورا نہیں ہوگا۔

شگون پرستی بے بنیاد..... اسی تفصیل کے مطابق امام شافعی نے اس حدیث کا مطلب بیان کیا ہے کہ ”پر عدوں کو ان کے گھوٹلوں ہی میں رہنے دو۔“ یعنی ان کو اڑا کر اچھا برا شگون مت لو کہ یہ بائیں بے اصل ہیں اور ان سے آدمی کی زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، چنانچہ سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے پوچھا کہ اے ابو عبد اللہ اس حدیث کے کیا معنی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ پر عدوں کی اڑان کے سلسلے میں عرب میں ایک خاص فن تھا جب ان میں سے کوئی شخص سفر میں جائے کالمودہ کرتا تو وہ پر عدوں کے گھوٹلوں کی طرف آتا اور انہیں اڑاتا..... (اور پھر ان کی اڑان کی سمت وغیرہ سے سفر میں مقصد پورا ہونے کا شگون لیتا)۔

ایک ماہر شگون عرب..... وائل ابن حجر سے روایت ہے۔ یہ پر عدوں کی اڑان سے (مختلف قسم کے) شگون لینے میں بے حد ماہر تھا۔ یہ زیادہ کے پاس کوفہ میں آیا تھا۔ یہ زیادہ ہی ہے جس کو حضرت معاویہؓ نے اپنے والد ابو سفیان کی ولادت قرار دیا تھا۔ یہ زیادہ اسی عبد اللہ ابن زیاد کا باپ ہے جس نے حضرت امام حسینؑ سے جنگ کی تھی۔ غرض اس زمانے میں کوفہ کے گورنر حضرت مغیرہ ابن شعبہ تھے (یہ وائل ابن حجر جب کوفہ سے زیادہ کے پاس سے روانہ ہوا تو اس نے دیکھا کہ ایک کوا بول رہا ہے۔ وائل اسی وقت زیادہ کے پاس واپس آیا اور اس سے کہلے کوا جنہیں یہاں سے ایک بہتر جگہ کے لئے روانہ کر رہا ہے۔ چنانچہ اسی روز حضرت معاویہؓ کا قصد بصرہ میں زیادہ کے پاس آگیا، زیادہ نے حضرت معاویہؓ کی خلافت تسلیم کر کے بیعت کر لی تھی۔ چنانچہ حضرت معاویہؓ نے اس کو بصرہ کا حاکم بنا دیا تھا۔ اس کے بارے میں روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ابو سفیان کی ناجائز ولادت تھا جو سمیٹ نالی طائف کی ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ (تاریخ ابوالفداء جلد اول ص ۱۸۵)۔

وفات نبویؐ اور شگون..... (اسی شگون لینے کے فن کے سلسلے میں یہ روایت بھی ہے) کہا جاتا ہے کہ ابو ذؤبب ہذلی ایک شاعر تھا یہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں مسلمان ہو گیا تھا مگر اس کی آنحضرت ﷺ سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ یہ ہذلی کہتا ہے کہ ہمیں معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ بیمار ہیں۔ صبح کو منہ اندھیرے جبکہ سو رہا تھا مجھے ایک پکڑنے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہا تھا

فَیْسُ النَّبِیِّ
مَعْمَدٌ عَلَیْہِ
السَّلَامُ

ترجمہ: آنحضرت ﷺ وفات پا گئے ہیں اور ہماری آنکھیں آپ ﷺ کی یاد میں مسلسل آنسو بہا رہی ہیں۔ یہ کہتا ہے کہ میں فوراً اٹھ کر نیر سے بیدار ہو گیا۔ اس وقت مجھے آسمان میں سوائے شمس ستارے کے اور کچھ نظر نہیں آیا۔ میں نے اس سے برا شگون لیا اور سمجھ گیا کہ آنحضرت ﷺ وفات پا چکے ہیں۔ میں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر چل دیا یہاں تک کہ جنگل میں پہنچ گیا۔ یہاں میں نے ایک پرعرے کو گھونسلے سے لڑایا اس کی پرواز نے مجھے بتلایا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہو چکی ہے۔ چنانچہ جب میں مدینہ میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ لوگوں کی آمد بکا اور رونے کی۔ تو اس طرح کہی ہے جیسے حاجیوں کے حج کا شور مارتا ہے۔ میں نے ایک

شخص سے وجہ پوچھی تو مجھے بتلایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی ہے اور آپ کو چادر اڑھا کر آپ کے گھر والے وہاں سے ہٹ گئے ہیں۔ اسی ابو ہریرہؓ کے یہ شعر ہیں

امن المنون وریة توجع
وللنهر لبس بمعب من یجزع

ترجمہ: کیا تو موت اور اس کے خیال سے پریشان ہوتا ہے۔ زمانہ گھبرانے والے آدمی کو کوئی مہلت نہیں دیتا۔

واذا العیة انشبت اطفا رها
الفیت کل تمیمة لاتنفع

ترجمہ: جب موت اپنے بچے کا زود ہوتی ہے تو میں نے کسی تدبیر اور علاج کو کھڑا کر ہونے نہیں دیکھا۔

وتجلدی للمشامین لوریهم
الی لوبب النحر لا تضضع

ترجمہ: میں نے بد خواہوں کو دکھلادیا ہے کہ میں زمانے کے فریب کے سامنے جھکنے والا نہیں ہوں۔

والنفس واغیة اذا رغبها
واذا ترد الی قلیل تقم

ترجمہ: نفس کو اگر تم زیادہ کی طرف راغب کر دو تو وہ راغب ہو جائے گا اور اگر اسے کم (مال و دولت) کی طرف پھیر دو تو وہ اسی پر قناعت کر لے گا۔

شگون کا ایک دلچسپ واقعہ..... پرندوں کی اڑان سے شگون لینے کے سلسلے میں بعض لوگوں نے ایک حکایت نقل کی ہے کہ ایک دیہاتی (جو قال لینے کے علم سے واقف تھا) قاضی ابوالحسن ازدی مالکی کے گھر آیا، اتفاق سے اسی وقت اس گھر میں ایک درخت پر ایک کوا آکر بیٹھ رہا تھا۔ کوا نے دیکھا کہ قاضی ابوالحسن نے وہیں دوسرے لوگوں کی موجودگی میں قاضی ابوالحسن سے کہا کہ یہ کوا یوں کہہ رہا ہے کہ اس گھر کا مالک سات دن کے بعد مر جائے گا۔ یہ سن کر لوگ ایک دم بگڑ اٹھے اور دیہاتی کو ڈانٹنے پھنکارنے لگے۔ وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا مگر ٹھیک سات دن کے بعد اس قاضی کا انتقال ہو گیا۔

پرندوں سے شگون لینا شرک..... شگون لینے اور پرندوں کو (اس مقصد سے) اڑانے کی اس حدیث میں ممانعت آئی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں بیٹھے رہنے دو یعنی انہیں اس مقصد سے مت اڑاؤ۔

ایک حدیث میں ہے کہ پرندوں کی اڑان سے شگون لینا شرک ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس نے اپنی ضرورت کے پوری ہونے نہ ہونے کے متعلق پرندوں کی اڑان سے معلوم کیا، اس نے شرک کیا۔ یعنی جس نے اس اعتقاد کے ساتھ ایسا کیا کہ اس اڑان کا سفر پر اثر پڑتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس کو پرندوں کی اڑان سے برا شگون معلوم ہو وہ یہ دعاء پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَنْتِ بِالْحَسَنَاتِ اِنَّتَ لَا تَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ یعنی اے اللہ! خوشگوار چیزیں ظاہر کرنے والا تیرے سوا کوئی نہیں اور ناگوار چیزیں دور کرنے والا تیرے سوا کوئی نہیں اور تیرے سوا کسی میں کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے۔

ایک روایت میں (یہ دعا ذکر کی گئی) ہے: اَللّٰهُمَّ لَا طَيْرَ اِلَّا طَيْرُكَ وَلَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ وَلَا اِلَهَ اِلَّا عَزَّوَجَلَّ یعنی اے اللہ سب پرندے تیرے ہی ہیں اور ساری بھلائیاں تیری ہی ہیں اور تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق

نہیں ہے یہ پڑھ کر اپنا کام شروع کرے (انشاء اللہ پورا ہو گا، پر ندوں کی لڑائی سے مقصد کا انجام معلوم کرنا ہے اصل اور شرک ہے) ایک روایت میں ہے نہ تو چھوٹ کی بیماری کوئی چیز ہے نہ پر ندوں کی لڑائی اور ہام یا ہامہ (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اور نہ صفر یعنی پیٹ کے کیڑے کوئی چیز ہیں (صفر کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔
دعاء تحفظ..... ہام سے مراد یہ کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ یہ سمجھتے تھے کہ جب کوئی شخص قتل ہو جاتا ہے تو جب تک اس کے قاتل سے اس کا بدلہ نہ لیا جائے اس کا ایک پرندہ ظاہر ہوتا ہے جو اس مقتول کی قبر کے پاس آکر یہ کہتا ہے کہ میرے قاتل کے خون سے میری پیاس بجھاؤ، میرے قاتل کے خون سے میری پیاس بجھاؤ۔ یہ پرندہ اس وقت تک یہی کہتا رہتا ہے جب تک کہ مقتول کا بدلہ نہ لے لیا جائے اس کو عرب ہامہ بھی کہتے تھے۔ اور ہامہ تشدید کے ساتھ جو ہے وہ سانپ بچھو اور ان جیسے دوسرے زہریلے کیڑوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب حضرت حسن اور حضرت حسینؑ پر دعاء پڑھتے تو یہ پڑھا کرتے تھے نہ۔

أَعِزُّنَا بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ وَمِنْ كُلِّ لَاحِقَةٍ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ
 کلموں کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں تمام شیطانوں اور کیڑوں کوڑوں سے اور ہر نظر بد سے اس کے بعد آپ فرماتے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹوں حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ پر یہی دعا پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔

لفظ صفر کے بارے میں امام نوویؒ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ زرد رنگ کا سانپ یا کیڑا ہے جس کے بارے میں عربوں کا خیال تھا کہ یہ آدمی کے پیٹ میں ہوتا ہے اور جب اس کو بھوک لگتی ہے تو پیٹ میں کاٹتا ہے۔ لفظ صفر کی یہی تشریح صحیح ہے جیسا کہ عام علماء نے بیان کی ہے۔ امام مسلم نے یہ تشریح حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے جو اس حدیث کے رولوی ہیں جس میں یہ لفظ آیا ہے اور اس طرح ہی تشریح مہروسہ کے قاتل ہے۔
وقت ولادت نور کی شعاع..... ابن سعدؒ نے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ جب میری والدہ نے مجھے جنم دیا تو ان سے ایک نور نکلا جس سے شام کے عکلات جگمگاٹھے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت آپ ﷺ کی والدہ نے کہا کہ ان کے (یعنی آنحضرت ﷺ کے) ساتھ ساتھ ایک نور نکلا تھا جس سے مشرق سے لے کر مغرب تک روشنی پھیل گئی اور اس سے شام کے عکلات اور اس کے بازار جگمگاٹھے یہاں تک کہ مجھے بھری میں چلنے والے لوگوں کی گردنیں تک نظر آگئیں۔ خصائص صغریٰ میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ نے ایک نور دیکھا جو ان سے نکلا جس سے شام کے عکلات جگمگاٹھے۔ اسی طرح تمام نبیوں کی مائیں دیکھتی ہیں۔

اس نور سے عالم میں جگمگاٹھ..... یہاں غالباً دوسرے نبیوں کی مائیں کے بویکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ نور دیکھتی ہیں اس طرح نہیں کہ اس سے شام کے عکلات جگمگاٹھیں۔ جہاں تک شام کے عکلات کا تعلق ہے تو ان سے مراد تمام ممالک ہیں۔ خاص طور پر بصری ہی نہیں اور خاص طور پر بصری کو ذکر کرنے سے غالباً مراد یہ ہے کہ وہاں نور سب سے زیادہ تھا۔ اسی لئے حضرت آمنہؓ نے یہ کہا کہ مجھے بصری میں لوگوں کی گردنیں نظر آنے لگیں۔ یا ممکن ہے یہ مراد ہو کہ ایک دفعہ انہوں نے خاص بصری میں نور کا پتہ دیکھا ہو اور دوسری مرتبہ اس وقت جب کہ وہاں سے بھی آگے تک پہنچا ہو۔ یہ قابل غور ہے۔

قصیدہ عباس میں اس نور کا ذکر..... اسی نور کی طرف آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے اپنے اس قصیدے میں اشارہ کیا ہے جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں اس وقت لکھا تھا جب آپ ﷺ غزوہ تبوک

سے (فتح حاصل کر کے) لو ایں تشریف لائے تھے۔ اس غزوے سے آنحضرت ﷺ کی واپسی پر حضرت عباسؓ نے آپ سے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کی شان میں ایک قصیدہ لکھنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے دانتوں کو سلامت رکھے (یہ عرب کی ایک دعاء ہے) پھر حضرت عباسؓ نے قصیدہ کہا جس کے دو شعر یہ ہیں۔

وَأَنْتَ لَمَّا وَلِدْتَ أَشْرَقْتَ الْأَرْضَ وَهَذَانِ بَنُوكَ الْأَفْ

ترجمہ: جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو آپ ﷺ کے نور سے دنیا جگمگا اٹھی اور کھڑے روشن ہو گئے

فَصَحْنُ فِي ذَالِكَ الْقُبَاءِ وَفِي النَّوْرِ وَسِيلُ الرِّشَادِ نَعْرِقُ

ترجمہ: نور ہم اس نور اور روشنی میں سیدھے راستوں پر چل رہے ہیں

اسی طرف قصیدہ ہمزہ کے شاعر نے اشارہ کیا ہے

وَتَرَأَتْ قُصُورَ قِصْرِ بِالرُّومِ بِالرَّوْمِ بِرَأْسِ دَارِهِ الْبَطْمَاءِ

ترجمہ: نور روم میں قیصر روم کے محلات دکھلا دیئے گئے جو بطحاء میں آپ کے گھر سے نظر آ رہے تھے۔

یعنی بادشاہ روم کے محلات جو روم کے شہروں میں تھے وہ ان ہی آنکھوں سے نظر آنے لگے جو بطحا میں تھیں۔

علامہ شافعیؒ کہتے ہیں یہ بات (یعنی رومی محلات کا نظر آنا) ظاہر ہے اس لئے کہ حضرت آمنہؓ نے یہ نور

جاگنے کی حالت میں دیکھا تھا۔ اور ہر شداد کی روایت کی ہوئی حدیث میں گزر چکا ہے کہ حضرت آمنہؓ نے یہ نور

خواب کی حالت میں دیکھا تھا (ان دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرنے کی بحث بھی گزر چکی ہے۔ اس مطابقت

پیدا کرنے میں جو اشکال پیدا ہوتا ہے وہ بھی پیچھے گزر چکا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ امام شافعیؒ کی والدہ نے جب امام صاحبؒ ان کے پیٹ میں بصورت حمل تھے..... دیکھا

کہ مشتری ستارہ اپنے مطلع میں نکلا اور مصر میں چکا پھر ہر شہر پر اس کی شعاعیں پڑیں۔ خواب کی تعبیر بیان کرنے

والوں نے اس کی تعبیر یہ دی کہ ان کے یعنی امام شافعیؒ کی والدہ کے پیٹ سے جو بچہ پیدا ہو گا وہ زبردست عالم

ہو گا۔ ان کا علم پہل مصر میں اجالا کرے گا اور اس کے بعد وہ تمام شہروں کو روشن کرے گا۔

بعد ولادت نبی کا کلام..... علامہ سیوطیؒ نے روایت نقل کی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو آپ

بولے اور فرمایا کہ میرے عظیم کے رب جلا کی قسم۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اپنی والدہ کے پیٹ سے باہر تشریف

لانے کے بعد جو سب سے پہلا کلام آپ ﷺ نے فرمایا وہ یہ تھا۔

اللَّهُ أَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا وَسُبْحَانَ اللَّهِ بُكْرَةً وَأَصْبَلًا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اللہ تعالیٰ کی بے حد تعریف ہے اور میں صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔

اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سب ہی کلموں کے ساتھ کلام فرمایا ہو۔ چنانچہ

دوسری روایت میں جو اولیت ہے وہ اضافی ہے (یعنی ایک کے مقابلے میں پہلے اور دوسرے کے مقابلے میں بعد

میں) جیسا کہ روایتوں سے ظاہر ہو رہا ہے۔

پہلا ولادت..... آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔ یعنی رات کے وقت ہوئی یا دن

کے وقت۔ اور اگر دن میں ہوئی تو دن کے کون سے وقت اور صبح میں ہوئی۔ اسی طرح پیدائش کے مہینے، سال اور

جگہ کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ ہجر کے دن پیدا ہوئے۔ بعض محققین نے لکھا ہے

کہ اس بارے میں (یعنی پیر کے دن میں) کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ جو یہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کے دن پیدا ہوئے تھائی قسم اس نے غلطی کی (یعنی ان بعض محققین کو یقینی طور پر یہ علم حاصل ہوا کہ آپ ﷺ پیر کے دن ہی پیدا ہوئے ہیں) چنانچہ حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پیر کے دن کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا۔

وقت ولادت..... (آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت کے بارے میں اگر ہر ابن بکاء اور حافظ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش کا وقت منہج سورے یعنی طلوع فجر کے وقت تھا اس بات کا ثبوت آپ ﷺ کے دوا عبد المطلب کا یہ قول ہے کہ میرے یہاں رات اور صبح کے ملنے کے وقت ایک لڑکا پیدا ہوا۔

تاریخ ولادت..... حضرت سعید ابن مسیب سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ دن کے وسط یعنی درمیان میں پیدا ہوئے اور اس وقت ربیع الاول کی گیارہواں گزر چکی تھی (یعنی ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی)..... اور آپ ﷺ کی پیدائش ربیع کی فصل کے نزلنے میں ہوئی۔ کسی نے اپنے شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

يَقُولُ لَنَا لِسَانُ الْحَقِّ يَطْبِقُ لِلتَّائِيهِ
وَقَوْلُ الْحَقِّ يَطْبِقُ لِلتَّائِيهِ

زبانِ حلال ہمیں تلاوت ہے

اور سچی بات سننے والوں کو ملتی ہے

فَوْجِيهِ وَ الزَّمانَ وَ خَيْرَ وَ حَبِي

رَبِّهِ رَبِّهِ رَبِّهِ رَبِّهِ

میرا چہرہ اور میری پیدائش کا زمانہ اور میری پیدائش کا مہینہ چودھویں کے چاند کی طرح ہے فصل ربیع

ہے میں ہے اور ربیع الاول ہے

علامہ شافعی کہتے ہیں کہ اس پر (یعنی ربیع الاول کی بارہویں تاریخ پر) علماء کا اتفاق ہے اور اسی پر عمل ہے یعنی شہروں میں اور خاص طور پر مکہ والوں کے آپ کی جائے پیدائش کی زیادت کے سلسلے میں اتفاق ہے یہ بھی روایت ہے کہ (آپ کی پیدائش) ربیع الاول کی دس تاریخ کو ہے اور اس کو درست قرار دیا گیا ہے۔ اس کو درست قرار دینے والے علامہ حافظ دہمائی ہیں۔

(اس دوسری روایت کو صحیح قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ) پہلی روایت (یعنی بارہویں تاریخ) میں ابن وجہ نے اشکال کیا ہے کہ اس روایت کو ابن اسحاق نے بغیر سند (یعنی سلسلہ روایت کے) منقول انداز میں ذکر کیا ہے (یعنی اس کے روایوں کا سلسلہ اور ان کے نام وغیرہ ذکر نہیں کئے) اور یہ طریقہ درست نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اگر ابن اسحاق نے اس روایت کا سلسلہ (یعنی روایت کرنے والوں کے نام) ذکر بھی کئے ہوتے تو ان کی روایت کو قبول نہ کیا جاتا کیونکہ علماء نے ابن اسحاق پر نکتہ چینی کے ہے (یعنی ان کی نقل کی ہوئی روایتوں کو قابل اعتبار نہیں سمجھا ہے) چنانچہ ابن مدینی اور ابن مہین دو نوں نے کہا ہے کہ ابن اسحاق کی روایت کی ہوئی حدیثیں حجت اور دلیل نہیں بنائی جاسکتیں، نیز امام مالک نے ان کو جموعاً کہا ہے۔ (ابن اسحاق کو جموعاً کہنے کے سلسلے میں) امام مالک پر بھی نکتہ چینی اور تنقید کی گئی ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ امام مالک تک کسی ذریعہ سے یہ بات پہنچی کہ ابن اسحاق نے کہا کہ مالک کی بیان کی ہوئی حدیث میرے سامنے پیش کر دو کیونکہ میں ان کی کمزوریوں کو جانتا ہوں (جب یہ بات امام مالک کو معلوم ہوئی) تو انہوں نے کہا کہ خود ابن اسحاق کا کیا معاملہ ہے وہ دو بتاؤں میں سے ایک

ہے جسے ہم نے مدینے سے نکال دیا تھا۔ مگر بعض علماء کہتے ہیں کہ ابن اسحاق ابن حضرت ابراہیم سے ہیں جن سے شیخ مالک صحابی ابن سعید نے روایتیں نقل کی ہیں۔ کچھ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ ابن اسحاق ایک معتبر شخصہ میں مگر وہ مدلس ہیں (مدلس اس محدث کو کہتے ہیں جو حدیث بیان کرتے ہوئے اس روایت کا نام نہ ذکر کرے جس سے اس نے خود وہ حدیث سنی ہے بلکہ لکھ دے پہلے یا بعد کے روایت کا نام بتلائے مگر اس طرح کے لفظوں سے ذکر کرے گویا اس نے اس روایت سے خود یہ حدیث سنی ہے۔)

تاریخ پیدائش پر دوسری روایات..... ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ ربيع الاول کی سترہ تاریخ کو پیدا ہوئے۔ ایک روایت آٹھویں ربيع الاول کی بھی ہے۔ ابن وحید کہتے ہیں کہ یہ روایت (یعنی آٹھویں تاریخ کی) بھی صحیح ہے دوسری کوئی صحیح نہیں ہے اور تمام مؤرخین اسی روایت پر متفق ہیں۔ علامہ قطب قسطلانی (اسی روایت کے متعلق) کہتے ہیں کہ اکثر محدثین نے اسی پر اتفاق کیا ہے..... مثلاً حمید بن کوران کے استاذ ابن حزم نے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ربيع الاول کی دوسری تاریخ کو آپ کی پیدائش ہوئی۔ علامہ عبد البر نے اسی روایت کو سب سے زیادہ معتبر قرار دیا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ربيع الاول کی اٹھارہ تاریخ تھی۔ یہ روایت ابن ابی شیبہ نے ذکر کی ہے مگر یہ حدیث مطولی یعنی کثرور ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بارہویں ربيع الاول کے باقی تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رمضان کی بارہ تاریخ تھی اور ایک قول ہے کہ رمضان کی آٹھ تاریخ تھی۔ اس روایت (یعنی آٹھویں رمضان کو) سب سے علماء نے درست قرار دیا ہے۔ یہ قول اس روایت کے مطابق ہے جو پیچھے گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ جنابہ آمنہ کے حکم مبدک میں بصورت حمل یام تشریق (یعنی ذی الحجہ کی نو تاریخ سے تیرہویں تک) میں یا یوم عاشوراء (یعنی محرم کی دسویں تاریخ میں تشریف لائے اور آپ پورے نو مہینے والدہ کے پیٹ میں رہے۔ مگر بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ روایت بہت زیادہ غریب ہے۔ (حدیث غریب کی تشریف پھلی قط میں گزر چکی ہے) اس روایت کو ماننے والے یہ دلیل دیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر رمضان کے ہی مہینے میں وحی نازل ہوئی تھی اس لئے آپ کی پیدائش اسی مہینے میں مانی جائے گی۔ نیز اس بنیاد پر کہ حضرت آمنہ کے حمل میں آنحضرت ﷺ یام تشریق میں ولود ہوئے دوسری تمام روایتیں کثرور ہو جاتی ہیں۔

مشہور قول پر ربيع الاول میں ولادت..... علامہ شامی کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ صفر کے مہینے میں پیدا ہوئے۔ ایک روایت ہے کہ ربيع الثانی میں پیدا ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق محرم میں اور ایک قول کے مطابق دسویں محرم کو ولادت ہوئی۔ جیسا کہ حضرت مصطفیٰ دسویں محرم کو پیدا ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ محرم کی پچیس تاریخ کو پیدا ہوئے الخ..... علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ یہ قول یعنی دس محرم کی پیدائش اس روایت کے مطابق نہیں ہو گا جس میں ہے کہ حضرت آمنہ نے یام تشریق میں آنحضرت ﷺ کو حمل میں لیا اور یہ کہ آپ ﷺ پورے نو مہینے اپنی والدہ کے پیٹ میں رہے (کیونکہ یام تشریق یعنی ذی الحجہ کی نویں سے تیرہویں تاریخ تک کے دوران حمل ہوا تو محرم کی دس تاریخ تک صرف ایک مہینہ بنتا ہے اور اگر اٹھ محرم مر لیا جائے تو تیرہ مہینے بنتے ہیں جبکہ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ پورے نو مہینے حمل کی صورت میں رہے مگر اسی طرح کا اذکار دوسرے اقوال میں بھی پیدا ہوتا ہے چنانچہ کہتے ہیں) یہ بہتان یعنی جھوٹ صرف اسی قول (یعنی دسویں محرم کو پیدائش ماننے) پر ہی نہیں پڑتا بلکہ دوسرے اقوال اور روایتوں کو ماننے کی صورت میں بھی پیدا ہوتا

ہے مثلاً مغالان کے مہینے میں پیدائش ماننے پر بھی یہی احوال ہوتا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ بعض علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا حمل درجب کے مہینے میں ہوا قبل اس کو دلانے کی صورت میں یہ مشہور قول درست ہو جائے گا کہ آپ ﷺ کی ولادت ۱۰ رجب الاول کے مہینے میں ہوئی (کیونکہ اس طرح سے رجب الاول تک نو مہینے ہو جاتے ہیں)۔

ماہ رجب الاول اور پیر کا دن جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے دن میں بھی اختلاف ہے اس لئے اس سلسلے میں لکھتے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ پیر کے دن ۱۰ رجب الاول کے مہینے میں پیدا ہوئے اور آپ کو رجب الاول کے ہی مہینے میں پیر کے دن ہی نبوت ملی اور آپ نے پیر کے ہی دن ۱۰ رجب الاول کے ہی مہینے میں مدینہ کو ہجرت فرمائی اور پیر کے دن ۱۰ رجب الاول کے ہی مہینے میں آپ پر سورہ بقرہ نازل ہوئی اور پیر کے ہی دن ۱۰ رجب الاول کے ہی مہینے میں آپ کی وفات ہوئی۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ روایت بہت زیادہ غریب ہے۔

بوقت شب ولادت کا قول مکرر ہے ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش دن کے وقت میں نہیں ہوئی بلکہ رات میں ہوئی۔ چنانچہ حضرت عثمان ابن ابوالعاص اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ رات کے وقت جب آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی تو وہ وہاں موجود تھیں اور کہتی تھیں کہ میں گھر میں جس چیز پر بھی نظر ڈالتی تھی تو نور ہی نور اور روشنی ہی روشنی نظر آتی تھی۔ میں ستروں کو دیکھتی تھی کہ وہ قریب آتے جا رہے ہیں (یعنی بچے گرتے آ رہے ہیں) یہاں تک کہ میں کہتی تھی کہ وہ مجھ پر آگئیں گے۔ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موقوف ہے (حدیث موقوف کی تعریف پیچھے گزر چکی ہے)۔

علماء میں سے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ یہ روایت کہ آپ ﷺ رات کے وقت پیدا ہوئے، میرے نزدیک درست نہیں ہے کیونکہ اس کے برخلاف آنحضرت ﷺ کا ایک قول ہے جو ثابت ہے اور معتبر روایوں کے ذریعہ پہنچا ہے کہ آپ ﷺ سے پیر کے دن کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اسی دن پیدا ہوا تھا (اس لئے اس دن کے روزے کی فضیلت ہے) اور یوم دن کو کہتے ہیں جیسا کہ (یوم کا لفظ دن کے لئے) قرآن پاک میں استعمال کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ روزہ دن میں ہی ہوتا ہے (اس لئے روزے کے متعلق سوال کے جواب میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں اسی دن میں پیدا ہوا تھا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش رات کے وقت نہیں بلکہ دن کے وقت ہوئی تھی۔ علامہ بدر زکریا کہتے ہیں کہ عثمان ابن ابوالعاص کا پیچھے گزرنے والا قول اگر درست ملے، بھی لیا جائے تو اس میں ایسا کوئی اشارہ نہیں جس سے معلوم ہو کہ آپ رات کے وقت پیدا ہوئے تھے وہ کہتے ہیں کہ جب نبوت عظمیٰ ہوتا ہے تو اس میں عجیب و غریب واقعات پیش کیا کرتے ہیں چنانچہ یہ تک ممکن ہے کہ دن کے وقت میں سترے ٹوٹ ٹوٹ کر گر جائیں۔ چہ جائے کہ یہ کہا جائے کہ ٹوٹنے کے قریب ہو گئے تھے خاص طور پر اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی ولادت فجر کے وقت کے قریب ہوئی کیونکہ یہ وقت رات سے ملا ہوا ہوتا ہے یعنی نبوت کے نمانے میں عجیب و غریب واقعات ظہور میں آیا کرتے ہیں اور ستروں کا ٹوٹ کر گرتے ہوئے معلوم ہونا تو بعد کی بات ہے اس زمانے میں یہ تک ممکن ہے کہ سترے دن کے وقت میں ٹوٹ ٹوٹ کر گر جائیں۔ دوسرے یہ کہ اگر فجر یعنی تر کے وقت مان لیا جائے تو اس میں احوال کی بات ہی نہیں رہ جاتی کیونکہ یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ رات اور صبح ملتی ہوئی ہوتی ہیں، سترے موجود ہوتے ہیں

مگر یہ رات کا وقت نہیں ہوتا اس لئے ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان کی روایت میں جس میں لفظ رات کا ذکر نہیں ہے یہی وقت مراد ہو۔

آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت میں جو اختلاف اور تردد ہے کہ آیا رات کے وقت ہوئی یا دن کے وقت ہوئی اس کی طرف قصیدہ ہزنیہ کے شاعر نے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے

لَيْلَةُ الْمَوْلِدِ الَّذِي كَانَ لِلْبَيْنِ مَرُودٌ يَوْمَهُ وَابْدُ هَاءُ

ترجمہ: آپ ﷺ کی پیدائش کی رات (یعنی پیدائش) جو دین اسلام کے لئے خوشی و مسرت تھی اور اس دن میں سرور و شادمانی تھی۔

فَهَيَّجَا بِهِ لِأُمِّهِ الْفَضْلِ الَّذِي شَرَفَتْ بِهِ حَوَاءُ

پس مبارکباد ہے حضرت آمنہ کے لئے اس عظیم فضیلت پر جو ان کو آنحضرت ﷺ کی ولادت سے حاصل ہوئی ایسی فضیلت جو حضرت حواء کو بھی حاصل ہوئی (کیونکہ وہ تمام انسانوں کی ماں ہیں اس لئے یہ فضیلت ان کو بھی حاصل ہے اور حضرت آمنہ کو بھی)۔

مِنْ رَحْوَاءِ أَهْلِهَا حَمَلَتْ أَحْمَدَ لَوْ أَنَّهَا بِهِ نَفَسَاءُ

مگر حضرت حواء کے لئے یہ کون کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کے حمل میں آئے اور ان کو آپ کی ولادت سے نفاس (یعنی ولادت کے بعد) کا خون کیا۔

يَوْمَ نَالَتْ بَوَاضِعَهُ رَأْنَةً وَهَبَ مِنْ فَخَارِ مَالِمَ قَتَلَهُ النِّسَاءُ

وہ شرف اور اعزاز جو حضرت آمنہ کو آنحضرت ﷺ کی ولادت سے حاصل ہوا ایسا ہے جو دوسری کسی عورت کو حاصل نہیں ہوا۔

شب میں ولادت کے دلائل..... یعنی وہ رات جس میں آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی اس کا دن مذہب اسلام کے لئے زبردست خوشی اور مسرت کا دن ہے۔ چونکہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ ولادت دن میں ہوئی یا رات میں اس لئے شاعر نے دن اور رات دونوں کا ذکر کیا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی وجہ سے حضرت آمنہ کو جو اعزاز اور شرف حاصل ہوا اس پر حضرت آمنہ مبارکباد کی مستحق ہیں۔ اور اس اعزاز اور شرف میں کوئی تکلیف اور مشقت نہیں ہوئی۔ یہ شرف حضرت حواء کو بھی حاصل ہے (یعنی آنحضرت ﷺ کی ماں کلامنے کا) اس لئے کہ وہ تمام انسانوں کی ماں ہیں۔ مگر حضرت حواء کو یہ اعزاز کہاں حاصل ہوا کہ آنحضرت ﷺ ان کے پیٹ میں رہے ہوں اور اس ولادت کے بعد انہیں نفاس کا خون کیا ہو جیسا کہ حضرت آمنہ کو اس دن یہ فخر و شرف حاصل ہوا جس دن انہوں نے آنحضرت ﷺ کو جنم دیا۔ کیونکہ یہ وہ عظیم خصوصیت اور زبردست اعزاز ہے جو دنیا کی کسی دوسری عورت کو حاصل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مرشد میں آنحضرت ﷺ کی ولادت کی رات کی قسم کھائی ہے۔

وَالضُّحَىٰ وَاللَّيْلِ

ترجمہ: قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جبکہ وہ قرآن مجید سے

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس رات سے (جس کی قسم کھائی ہے) اللہ تعالیٰ نے شب معراج مراد لی ہے۔ مگر یہ ماننے میں بھی کوئی حرج نہیں پیدا ہوتا کہ دونوں راتوں کی قسم کھائی ہو (یعنی لفظ رات کو دونوں راتوں کے لئے

استعمال کیا گیا ہو۔ آنحضرت ﷺ کی ولادت ذات کے وقت ہونے کے ثبوت میں ایک یہودی کا قول بھی ہے (یہ ایک عالم آدمی تھا) جس نے آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا (جس رات میں آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے اس کی صبح میں اس یہودی عالم نے قریش سے پوچھا کہ کیا آج رات تم میں سے کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے؟ قریش نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں۔ یہودی نے کہا کہ آج رات آخری امت کے نبی پیدا ہو گئے ہیں اس (یہ روایت مکمل طور پر آگے آ رہی ہے) نیز آگے وہ بیان بھی آئے گا جس سے اس پیشین گوئی کی بنیاد بھی معلوم ہوگی۔ وہ بنیاد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو (عرب کے عام دستور کے مطابق پیدائش کے فوراً بعد) ایک برتن سے ڈھانپ دیا گیا تھا (اس کی تفصیلات اگلے صفحوں میں ذکر ہو رہی ہیں)۔

سن پیدائش..... (جہاں تک آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے سال کا تعلق ہے اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آپ کی پیدائش عام فیل میں ہوئی ہے) (جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، عام فیل سے مراد وہ سال ہے جس میں ابراہہ نے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ بیت اللہ شریف پر حملہ کیا تھا۔ عربی میں عام، سال کو کہتے ہیں اور فیل ہاتھی کو، چنانچہ عام فیل یعنی ہاتھیوں والے سال سے مراد یہی اہم واقعہ ہے۔ اس سے عرب تاریخوں کا حساب کرنے لگے تھے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کا حساب بھی اسی سال سے لگایا جاتا ہے) ایک روایت یہ بھی ہے کہ (آپ ﷺ کی پیدائش) خاص ہاتھیوں والے دن میں ہوئی تھی (یعنی اسی روز جس دن کہ ابراہہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر آیا تھا) چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہاتھیوں والے دن میں پیدا ہوئے تھے۔

ولادت عام فیل میں یا یوم فیل میں..... حضرت قیس ابن مخزومؓ سے روایت ہے کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ہاتھیوں والے دن میں چاشت کے وقت پیدا ہوئے تھے اور ہم دونوں ایک ساتھ کے ہیں۔ علامہ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ لفظ دن کے بجائے لفظ سال درست ہے (یعنی ہاتھیوں والے دن کے بجائے ہاتھیوں والا سال)۔ کبھی کبھی دن کے لفظ سے مطلق وقت اور زمانہ بھی مراد لیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسی صورت اس کے معنی سال کے بھی ہوتے ہیں جیسے کہ یوم فتح (یعنی فتح کہ سال یا زمانہ) اور یوم بدر (یعنی غزوہ بدر کا سال یا زمانہ) کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ”ہم دونوں ایک ساتھ کے ہیں“ کے معنی ہوں گے کہ ہم دونوں عمر میں متقاربان (ب کے ساتھ) ہیں۔ (یعنی قریب قریب عموں کے ہیں بالکل ایک عمر مراد نہیں ہوگی) لیکن اگر ایک ساتھ کے ہونے کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں (یعنی ہم دونوں بالکل ایک عمر کے ہیں) تو مطلب ہوگا کہ ہم دونوں عمر میں متقاربان (توں کے ساتھ) ہیں (یعنی بالکل ایک اور برابر عمر کے ہیں) مگر تاریخ ابن حبان میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ عام فیل میں اس دن پیدا ہوئے جس دن اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل (یعنی ابراہہ کے لشکر) پر اہانتل برعموں کو (لشکر کی جگہ) کے لئے بھیجا۔ ابن سعد کے نزدیک آپ ﷺ کی پیدائش یوم فیل یعنی عام فیل میں ہوئی اس یوم فیل سے اسی قاعدے کے تحت عام فیل (یعنی سال) مراد لیا گیا ہے جس کے معنی علامہ ابن حجر کا قول پیچھے گزرا ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر ابن حبان کا جو قول یوم فیل (یعنی دن) کے معنی گزرا ہے اس کا مطلب دن کے بجائے مطلق وقت اور زمانہ لیا جائے گا جس سے وہ قول بھی (اس دن کے بجائے اس سال) پر صادق آجائے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش عام فیل کے پچاس دن بعد ہوئی (یعنی وہ سال ختم ہونے کے پچاس دن بعد ہوئی)۔ ابن حقیق کو بہت سے مؤرخین نے تسلیم کیا ہے جن میں علامہ سیوطیؒ بھی ہیں۔ بعض علماء نے اس قول کو مشہور

قول کہا ہے۔

پھر علامہ شامیؒ کہتے ہیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بچپن دن کے بعد آنحضرت ﷺ کی پیدائش ہوئی۔ ایک روایت ہے کہ واقعہ نفل کے چار دن بعد ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک ماہ بعد، ایک میں ہے کہ دس سال بعد۔ ایک میں ہے کہ تیس سال بعد۔ ایک میں تیس سال بعد۔ ایک میں چالیس سال بعد۔ اور ایک میں ہے کہ ستر سال بعد ولادت ہوئی۔ الخ۔ (مگر یہ سب کمزور قول ہیں)۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت واقعہ نفل کے بچپن دن بعد ہوئی تو اس کو صرف حافظ دمیاطیؒ نے تسلیم کیا ہے۔ اس سلسلے میں کتاب مواہب کی عبارت کو علامہ دمیاطیؒ نے اپنی کتاب آخرین میں نقل کیا ہے جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ آپ واقعہ نفل کے سال میں پیدا ہوئے اس کو علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے کہا ہے کہ یہ اکثر علماء کے نزدیک مشہور ہے۔ امام بخاریؒ کے استاد علامہ ابراہیم ابن منذر نے کہا ہے کہ اس قول کے درست ہونے کے متعلق علماء میں سے کسی کو بھی شک نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے حضرات نے لکھا ہے کہ اس پر علماء کا اتفاق و اجماع ہے۔ ان حضرات نے لکھا ہے کہ اس کے خلاف جتنے بھی دوسرے قول ہیں وہ سب وہم ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے آپ ﷺ کی ولادت واقعہ نفل سے پندرہ سال پہلے ہوئی مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ قول غریب اور غیر معتبر ہے، نیز بہت کمزور ہے۔

نور نبوت اور شاہ ابرہہ..... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ اب یہ تین قول ہوئے کہ آنحضرت ﷺ واقعہ نفل کے دن میں پیدا ہوئے، یا اسی سال میں پیدا ہوئے یا یہ کہ واقعہ نفل کے دس سال بعد پیدا ہوئے۔ ان تینوں اقوال سے حافظ ابو سعید نیشاپوریؒ کی وہ روایت کمزور ہو جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نور آپ کے دلوٰ عبد المطلب کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ (یہ روایت اس لئے کمزور ہو جاتی ہے کہ نور نبوت عبد المطلب میں سے نکل کر حضرت عبد اللہ میں منتقل ہو چکا تھا۔ اس لئے واقعہ نفل کے زمانے میں یا اس کے دس سال بعد اگر آنحضرت ﷺ کی پیدائش ہوئی ہے تو یقیناً اس سے بہت پہلے آپ ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ کی پیدائش بلکہ حمل کے وقت نور نبوت عبد المطلب میں سے نکل کر حضرت عبد اللہ میں آپ کا تھا اور پھر ان کی شادی کے بعد حضرت آمنہ میں منتقل ہو گیا جو آپ کی ولادت تک ان میں رہا۔ چنانچہ اس کے بعد یہ روایت کمزور ہو جاتی ہے جو آگے آ رہی ہے کہ ابرہہ کے حمل کے وقت نور نبوت عبد المطلب کی پیشانی میں چمکتا تھا اور یہ کہ جب قریش خشک سالی اور قحط میں مبتلا ہوتے تو وہ عبد المطلب کا ہاتھ پکڑ کر فیر پہاڑ پر لے جاتے اور ان کے واسطے سے پانی اور بارش کی دعا مانگتے اور اللہ تعالیٰ اس نور کی برکت سے انہیں پانی سے سیرات کر دیتا۔ اسی طرح وہ واقعہ کہ ابرہہ نے مکے پر چڑھائی کی تاکہ کہے کو وعاذے اور اس کنیہ یعنی عبادت گاہ کو کہے کی جگہ دے جو اس نے بنوائی تھی تاکہ لوگ (کہے کے بجائے) اس کنیہ کا حج کیا کریں۔ یہ کنیہ ایک بہت بلند اور عظیم الشان عبادت تھی۔ ابرہہ نے اس کنیہ یعنی عبادت گاہ کو بجائے اور آراستہ کرانے میں خاص توجہ کی تھی۔ اس نے اس میں سفید سنگ مرمر اور سونے کے کام والے نقشین چتر لگوائے تھے۔ ابرہہ نے یہ پھر حضرت سلیمانؑ کی بیوی بلقیس کے محل میں سے حاصل کئے تھے۔ اس کنیہ میں ابرہہ نے سونے چاندی کے ستون لگوائے اور بہترین سال اور آہنسی لکڑیوں کے گھبر بنوائے تھے۔ اس کام کے سلسلے میں ابرہہ نے جو مستری، کارگر اور دوسرے لوگ لگائے ان سے کام

لینے کے لئے ان پر اس نے بڑی سختیاں اور ظلم کئے (انہیں حکم تھا کہ صبح کو سورج نکلنے سے پہلے سب لوگ اپنا اپنا کام شروع کر دیا کریں) مگر کسی شخص کو کام پر پہنچنے میں اتنی دیر ہو گئی کہ سورج نکل آیا تو ابرہہ فوراً اس شخص کا ہاتھ کوٹ دیا تھا۔ ایک مرتبہ ان کا ریکروڈ میں سے ایک شخص سو گیا یہاں تک کہ سورج نکل آیا (جب آنکھ کھلی تو وہ شخص سزا کے ڈر سے سخت گھبرایا۔ اسی وجہ سے اس شخص کی بوڑھی ماں بھی اس کے ساتھ ابرہہ کے پاس آئی اور بہت گڑگڑا کر اس نے ابرہہ سے درخواست کی کہ ان کے بیٹے کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ مگر ابرہہ نے اس صورت کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہاتھ ضرور کاٹا جائے گا آخر اس بڑھیا کو غصہ آیا اور اس نے کہا کہ آج تو تیرا اپنی کدال سے میرے بیٹے کا ہاتھ کاٹ دے اس لئے کہ آج تو بادشاہ ہے مگر کل کوئی دوسرا شخص تیری جگہ ہو گا۔ ابرہہ نے یہ سن کر کہا کہ بد تمیز کیا کہتی ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ ہاں یہ سلطنت تیرے ہاتھ سے اسی طرح نکل کر دوسرے کے پاس پہنچ جائے گی جس طرح کسی دوسرے کے پاس سے نکل کر تیرے پاس آئی ہے۔ بڑھیا کی اس بات کا ابرہہ کے دل پر اثر ہوا اور اس نے اس کے بیٹے کو محاف کر دیا اور پھر اس سزا کو ہی ختم کر دیا۔

نور نبوت سے فتح کی بشارت..... (غرض جب ابرہہ نے مکے پر چڑھائی کی تو) عبدالمطلب قریش کو ساتھ لے کر فہر ہڈ پر گئے۔ اس وقت یہ نور نبوت عبدالمطلب کے چہرے میں ابتدائی مینے کے چاند کی طرح چمکنے لگا اور اس کی شعاں میں بیت اللہ شریف پر مشعل کی روشنی کی طرح پڑ رہی تھیں جب عبدالمطلب نے یہ دیکھا تو انہوں نے کہا۔

”قریش کے لوگ اب وہیں لوٹ چلو اس معاملے سے تمہارا بچھا چھوٹ گیا۔ خدا کی قسم! مجھ سے یہ نور نکل کر اسی لئے چکر لگ رہا ہے کہ یہاں ہی فتح ہوگی۔“

اس کے بعد یہ سب وہاں سے واپس لوٹے۔

ابرہہ کا قاصد اور اس نور کی ہیبت..... اس کے بعد جب ابرہہ کا قاصد مکے میں آیا اور اس کی نظر عبدالمطلب کے چہرے پر پڑی تو اس پر ایک گھبراہٹ طاری ہو گئی اور اس کی زبان لڑکھڑانے لگی، آخر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اور اس کے منہ سے اس طرح کی کواہیں نکلنے لگیں جس طرح بیل ذبح ہونے کے وقت چیخا کرتا ہے اس کے بعد جب اس کے لوسان کچھ ٹھیک ہوئے تو وہ فوراً عبدالمطلب کے سامنے سجدے میں گر گیا۔

ابرہہ نے اس قاصد کو حکم دیا تھا کہ وہ قریش سے یہ کہے کہ بلاشاہ ابرہہ بیت اللہ کو ڈھانے کے لئے آیا ہے اگر تم لوگ اس کے کام میں رکاوٹ نہیں ڈالو گے تو وہ صرف بیت اللہ کو ڈھاکر چلا جائے گا (جہیں کچھ نہیں کہے گا) لیکن اگر تم نے بیت اللہ کے ڈھانے میں رکاوٹ ڈالی تو ابرہہ جہیں بھی نہیں پہنچے گا۔

ابرہہ کو عبدالمطلب کا سادہ جواب..... (ابرہہ کا یہ پیغام سن کر) عبدالمطلب نے کہا:-

”ہمارے پاس جہیں روکے گی کوئی طاقت نہیں ہے اس لئے ہم بیت اللہ کا کوئی بچاؤ اور دفاع نہیں کریں گے۔ بیت اللہ کا رب موجود ہے وہ اگر چاہے گا تو خود اس کا بچاؤ کر لے گا۔“

ایک روایت میں ہے کہ عبدالمطلب نے کہا:-

”خدا کی قسم! ہم ابرہہ سے جگ کرنا نہیں چاہتے نہ ہی جگ کرنے کے لئے ہمارے پاس طاقت ہے یہ اللہ تعالیٰ کا اور اس کے دوست حضرت ابراہیم کا مقدس گھر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ابرہہ سے اس کا بچاؤ کرتا ہے تو یہ اس کا گھر ہے اور اگر وہ ہی بچاؤ نہیں کرتا تو خدا کی قسم ہمارے پاس اس کے بچاؤ کے لئے کوئی طاقت نہیں ہے۔“

ہے۔
عبد المطلب کے لونٹ ابرہہ کے قبضہ میں..... ابرہہ نے (جو مکے کے باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا) اپنے قاصد کو یہ بھی حکم دیا تھا کہ وہ قوم قریش کے سردار کو اس کے پاس لے کر آئے۔ چنانچہ قاصد نے عبد المطلب سے کہا کہ بادشاہ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ کو اس کے پاس لے کر جاؤں۔ عبد المطلب نے (جو قریش کے سردار تھے) کہا کہ چلو۔ اسی وقت عبد المطلب کے پاس ان کے لونٹوں اور گھوڑوں کا چرواہا آیا اور اس نے عبد المطلب کو بتلایا کہ آپ کے جو لونٹ گھوڑے ذی الحجاز کے مقام پر چر رہے تھے ان کو ابرہہ کے لشکر کے لوگ پکڑ کر لے گئے۔

سیرت امین و شام بلکہ سیرت کی اکثر کتابوں میں (عبد المطلب کے) صرف لونٹوں کا ذکر ہے (گھوڑوں کا ذکر نہیں ہے) یہ لونٹ کل ملا کر دو سو تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ چار سو تھے۔ غرض عبد المطلب قاصد کے ساتھ سولہ ہو کر ابرہہ کے پاس پہنچے ان کے ساتھ ان کا بیٹا حارث بھی تھا (پڑاؤ میں بھیج کر ان کو ابرہہ کے سامنے پیش کرنے کی اجازت لی گئی۔ اور اس سے کہا گیا کہ ”جہاں پناہ اقریش کا سردار آپ کے دروازے پر موجود ہے اور پیشی کی اجازت چاہتا ہے۔ وہ مکے کے چشمے یعنی زحرم کاٹنا لگ ہے اور پہاڑوں میں رہنے والے چرتندو پر بند کے گوشت سے لوگوں کی تواضع کرتا ہے۔“

ابرہہ نے عبد المطلب کو پیش ہونے کی اجازت دی۔ جب عبد المطلب آئے اور ابرہہ نے ان کو دیکھا تو ان کے ساتھ نہایت عزت اور احترام کے ساتھ پیش آیا۔

سردار قریش کے لئے ابرہہ کا اعزاز..... ابرہہ نے (جو تخت پر بیٹھا ہوا تھا) یہ پسند نہیں کیا کہ عبد المطلب کو اپنے سے نیچے بٹھائے۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی مناسب نہیں معلوم ہوا کہ لوگ عبد المطلب کو بادشاہ کے تخت پر بیٹھا ہوا دیکھیں۔ اس لئے وہ خود ہی تخت سے نیچے اتر آیا اور عبد المطلب کے ساتھ نیچے فرش پر بیٹھ گیا۔

عبد المطلب کو اپنے لونٹوں کی فکر..... پھر اس نے ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھو ان کا قصہ کیا ہے؟ عبد المطلب نے اپنے لونٹوں اور گھوڑوں کے متعلق ذکر کیا (جنہیں ابرہہ کے لشکر والے پکڑائے تھے) ترجمان نے یہ بات بادشاہ کو بتلائی۔ ابرہہ نے جیسی زبان میں ترجمان سے کہا:-

”میں نے جب تمہیں دیکھا تو تم مجھے بہت بھلے آدمی معلوم ہوئے مگر اب تمہاری قدر میری نظروں میں کم ہو گئی کہ تم اپنے لونٹوں اور گھوڑوں کی بات کر رہے ہو اور اس بیت اللہ کا ذکر بکلی نہیں کرتے جو تمہاری عزت و شان ہے!“

کعبہ کا مالک و محافظ اللہ ہے..... ترجمان نے یہ ساری بات عبد المطلب کو بتلائی۔ تو عبد المطلب نے جواب دیا۔

”ان لونٹوں اور گھوڑوں کا میں خود مالک ہوں جن کے متعلق میں نے بادشاہ سلامت سے ذکر کیا ہے۔ جہاں تک بیت اللہ کا تعلق ہے تو اس کا اپنا رب اور مالک موجود ہے وہ اگر چاہے گا تو بادشاہ کو خود ہی اپنے گھر سے دور کر دے گا۔“

ابرہہ نے کہا کہ وہ مجھے اس سے یعنی بیت اللہ سے باز نہیں رکھ سکتا۔
عبد المطلب نے جواب دیا کہ وہ بیت اللہ کو بھی بے مدد کے نہیں چھوڑے گا۔

نور نبوت کو ہاتھیوں کا سلام..... اس کے بعد عبدالمطلب وہاں سے لوٹ آئے، حبشی زبان میں امیرہ سفید چہرہ والے کو گتے پوندہ لپٹی میں جب ہاتھیوں نے عبدالمطلب کے چہرے کی طرف دیکھا (تو نور نبوت کے آثار دیکھ کر کچھ ایک دم اونٹوں کی طرح چاروں ٹانگوں پر بیٹھ گئے اور عبدالمطلب کے سامنے سجدے میں گر گئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان ہاتھیوں کو بولنے کی قوت دے دی اور انہوں نے کہا:-

”اے عبدالمطلب اس نور پر سلام ہو جو تمہاری بیٹھ (یعنی حلب) میں روشن ہے۔“

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب امیرہ کو معلوم ہوا کہ عبدالمطلب اس کے پاس آ رہے ہیں تو اس نے حکم دیا کہ عبدالمطلب کو اس کے پاس لانے سے پہلے ہاتھیوں کی طرف لے جایا جائے تاکہ وہ ان زبردست ہاتھیوں کو دیکھیں جو سب سفید رنگ کے تھے (اور ان پر رعب پڑے)۔

اقول: مؤلف کہتے ہیں: میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ چین کے بادشاہ کے اصطل میں ایک ہزر ہافید ہاتھی تھے، اسی طرح ابو عبیدہ ابن مسعودؓ (جو ایک جنگ میں مسلمانوں کے امیر تھے اور) جنہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت میں مسلم فوج کی کمان کی ان کے دشمن کی فوج میں گھوڑوں کے علاوہ بہت سے ہاتھی بھی تھے جن کے گھنٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ دشمن کے ان ہاتھیوں کے بیچ میں ایک بہت بڑا سفید ہاتھی تھا۔ مسلمان گھوڑے سوار دستہ جب بھی دشمن پر حملہ کرتا تھا تو گھوڑے، ہاتھیوں کی گھنٹیوں کے شور سے گھبرا کر بھڑک جاتے۔ آخر ابو عبیدہ نے مسلمان لشکر کو حکم دیا کہ وہ سب سے پہلے ہاتھیوں ہی کو قتل کریں۔ چنانچہ عباد بن نے ہاتھیوں کا صفایا کر دیا۔ ابو عبیدہ خود اس بڑے سفید ہاتھی کی طرف بڑھے اور تلوار سے اس پر حملہ کر کے اس کی سوز کاٹ ڈالی۔ ہاتھی نے ایک بھینک چنگھاڑ کے ساتھ ابو عبیدہ پر حملہ کیا اور ان کو اپنے پیروں سے روند کر شہید کر دیا۔ اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے ہاتھی پر حملہ کیا۔ یہ وہ شخص تھے جن کو ابو عبیدہ ثقیفی نے وصیت کی تھی کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو لشکر کی کمان تم سنبھال لینا۔ انہوں نے اس ہاتھی پر حملہ کیا تو ہاتھی نے ان کو بھی مار ڈالا یہاں تک کہ اسی طرح اس ہاتھی نے قبیلہ ثقیف کے سات آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔ یہ سب وہ لوگ تھے جن کے متعلق ابو عبیدہ پہلے ہی نمبر وار اس کی نشان دہی کر چکے تھے۔ چنانچہ یہ انتہائی عجیب اتفاقات میں سے ایک واقعہ ہے (کہ جن جن لوگوں کو ابو عبیدہ ثقیفی نے وصیت کی تھی کہ میں قتل ہو جاؤ تو فلاں شخص لشکر کا امیر بنے اور فلاں کے قتل ہونے کے بعد فلاں کمان سنبھالے۔ وہ سب یکے بعد دیگرے اسی ترتیب سے شہید ہوئے)۔

ہاتھیوں کی سلامی سے امیرہ کو گھبراہٹ..... امیرہ نے عبدالمطلب کو اپنے ہاتھی اس لئے دکھائے تھے کہ وہ اس کی طاقت سے خوف زدہ اور مرعوب ہو جائیں کیونکہ عرب ہاتھیوں کو نہیں جانتے تھے (اور نہ انہوں نے اس جانور کو دیکھا تھا کیونکہ یہ عرب میں نہیں پایا جاتا) یہ جتنے بھی ہاتھی تھے سب کے سب سوائے بڑے ہاتھی کے امیرہ کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ بڑا ہاتھی جو تھوہ صرف نجاشی بادشاہ حبشہ کو سجدہ کیا کرتا تھا (کیونکہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی ہی تھا) امیرہ اس کا گور نہ تھا) مگر جب عبدالمطلب ہاتھیوں کے پاس پہنچے تو تمام ہاتھیوں نے ان کو (نور نبوت کی وجہ سے) سجدہ کیا۔ یہاں تک کہ اس بڑے ہاتھی نے بھی سجدہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ امیرہ ہمیشہ صرف بڑے ہاتھی پر ہی سوار ہو کر نکلتا تھا۔ جب امیرہ کو معلوم ہوا کہ ہاتھیوں نے عبدالمطلب کو سجدہ کیا ہے تو اسے اس نے اپنے حق میں بدشگونی سمجھا اور حکم دیا کہ عبدالمطلب کو اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ (یعنی امیرہ کو یہ بات عبدالمطلب سے ملنے سے پہلے معلوم ہوئی تھی کہ ہاتھیوں نے ان کو دیکھ کر سجدہ کیا ہے چنانچہ یہ بات معلوم

ہونے پر ہی اس نے عبدالمطلب سے ملاقات کرنے کا ارادہ کیا (جب امیرہ نے عبدالمطلب کو دیکھا تو اس کے دل میں ان کی ہیبت بیٹھ گئی اور وہ ان کے احترام میں فوراً اپنے تخت سے نیچے اتر گیا۔

(اس سلسلے میں مؤلف نے علامہ حافظ نیشاپوری کا قول نقل کیا تھا کہ جب امیرہ نے کے پر چڑھائی کی تھی تو عبدالمطلب قریش کے ساتھ شیر پہاڑ پر چلے گئے تھے اور نور نبوت ان کی پیشانی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا وغیرہ۔ اس پر یہ اعتراض تھا کہ جب کہ حضرت عبد اللہ پیدا ہو چکے تھے اور روایت کے مطابق نور نبوت عبدالمطلب سے نکل کر ان میں جا چکا تھا تو اس قول کا کیا مطلب ہو گا۔ اس سلسلے میں علامہ ابن حجر کا قول نقل کرتے ہوئے مؤلف لکھتے ہیں کہ) یہ روایت جس میں حافظ نیشاپوری نے لکھا ہے کہ عبدالمطلب کی پیشانی سے نور نبوت چاند کی صورت میں چمکا تھا وغیرہ۔ اور دوسری روایت یہ کہ عبدالمطلب کو دیکھ کر ہاتھوں نے کہا کہ عبدالمطلب تمہاری بیٹیہ میں جو نور روشن ہے اس پر سلام ہو۔ حالانکہ اس وقت آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے یہ بات لازم آتی ہے کہ نور نبوت عبدالمطلب میں سے نکل کر حضرت عبد اللہ میں منتقل ہو چکا ہو گا اور پھر حضرت عبد اللہ میں سے نکل کر حضرت آمنہ میں چلا گیا ہو گا۔

اس سلسلے میں میں نے شرح ہزریہ میں دیکھا کہ حافظ ابن حجر اس احوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ نور عبدالمطلب میں سے منتقل ہو چکا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کو یہ اعزاز دیا کہ یہ نور ان کی بیٹیہ اور ان کے چہرے میں پھر موجود ہو گیا اور اس طرح ہاتھوں کو یہ نظر آ گیا۔ یہاں تک حافظ ابن حجر کا کلام ہے مگر یہ قابل غور ہے۔

بعض محققین لکھتے ہیں کہ انما بدوہم لحم شمیم جانور ہونے کے باوجود ہاتھ کی آواز بہت کمزور ہوتی ہے اور وہ لمبی سے ڈرنا اور گھبرانا ہے۔

واقعہ فیل ولادت نبوی کی تمہید تھا..... کتاب مواہب میں یہ لکھا ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ واقعہ فیل کے بعد پیدا ہوئے، کیونکہ یہ واقعہ آپ ﷺ کی نبوت کی تمہید اور آپ ﷺ کے ظہور (یعنی پیدائش) کی علامت تھی۔ یہاں تک مواہب کی عبادت ہے (یعنی نبوٹ کا زمانہ جب قریب ہوتا ہے تو اس میں عجیب و غریب واقعات پیش آیا کرتے ہیں جو اس بات کی علامت ہوتے ہیں کہ کوئی بڑا اور خوشگوار انقلاب ہونے والا ہے اور اس طرح پہلے پیش آنے والے عجیب و غریب واقعات اس نبوت کی تمہید اور پیش خیمہ ہوتے ہیں)۔

اس میں یہ احوال ہے کہ کہا جاتا ہے کہ عجوبے جو ظاہر ہوا کرتے ہیں وہ نبی کی پیدائش کے بعد لود نبوت کے ظہور سے پہلے ہوا کرتے ہیں یعنی رسالت اور نبی کے ظہور سے پہلے نہ کہ نبی کے وجود اور پیدائش ہی سے پہلے جیسا کہ مواہب کی عبادت میں لفظ ظہور سے مراد ہے۔

کیا ولادت واقعہ فیل سے پہلے ہوئی؟..... مگر قاضی بیضاوی کا قول ہے کہ واقعہ فیل ان ہی عجیب واقعات میں تھا (جو نبوت کے قریب کے زمانے میں پیش آیا کرتے ہیں۔ کیونکہ ایک روایت ہے کہ واقعہ فیل اسی سال میں پیش آیا جس میں آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے۔ یعنی آپ کی پیدائش اور وجود کے بعد اسی لئے کتاب ہدی میں علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ وہ بڑے بڑے اور عظیم الشان امور سے پہلے ان کے مقدمے اور تمہیدیں ظاہر فرمایا کرتا ہے قاضی بیضاوی کا یہ قول کتاب مواہب کی عبادت کی تشریح میں لکھی ہے

جس کا مطلب ہو گا کہ واقعہ قبل آپ کی نبوت کے ظہور سے پہلے (اور پیدائش کے بعد) پیش کیا۔ یہاں تک قاضی بیضاوی کا کلام ہے (گویا مواہب کی عبارت سے جیسے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ واقعہ قبل آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے پیش آیا اس کی تفسیر قاضی بیضاوی کے قول سے ہو جاتی ہے کہ مراد آپ ﷺ کی پیدائش نہیں بلکہ آپ کی نبوت کا ظہور ہے۔ آپ ﷺ اسی سال پیدا ہو چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت کے مطابق نبی کے وجود کے بعد اور ظہور سے پہلے جو عجیب و غریب واقعات پیش کیا کرتے ہیں۔ یہ واقعہ قبل ان ہی میں سے ایک تھا۔

واقعہ قبل نور ہاتھیوں کا پاس اوب..... (اس کے بعد پھر اصل واقعے یعنی ابرہہ کے قسے کا ذکر کرتے ہیں علامہ شامی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ابرہہ نے (اپنے بڑاؤ سے) مکے کی طرف چلنا شروع کیا (یعنی بیت اللہ پر حملہ کرنے کے لئے) اور اس کا ہاتھی ابتدائے حرم تک پہنچ گیا۔ کتب مواہب نے ابتدائے حرم کا لفظ چھوڑ دیا کیونکہ اس سے یہ دہم ہوتا ہے کہ ابرہہ کا لشکر مکے میں داخل ہو گیا تھا اور یہ کہ ہاتھی (جیسا کہ آگے ذکر آئے گا) بیت اللہ کے سامنے پہنچ کر چار زانو بیٹھا تھا (یعنی ہاتھی کے میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ اس سے باہر ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو بٹھا دیا تھا) یہ بات قابل غور ہے۔ غرض جب وہ لول حرم تک پہنچا تو فوراً اس کا ہاتھی چار زانو بیٹھ گیا۔ ملامت اس کے سر پر مارنے لگے اور اس کے بدن میں آنکس چھانے لگے مگر وہ کھڑا نہیں ہوتا تھا۔ پھر جب ملاوٹوں نے اس ہاتھی کا رخ (مکے کی طرف سے) موڑ کر یمن کی طرف کر دیا تو وہ فوراً کھڑا ہو کر تیزی سے چلنے لگا، اسی طرح جب اس کا رخ ملک شام کی طرف کیا جاتا تو وہ کھڑا ہو جاتا اور چلنے کو تیار ہو جاتا۔ ملاوٹوں نے بار بار اس کا تجربہ کیا۔ آخر ابرہہ نے حکم دیا کہ ہاتھی کو شراب پلا کر مدہوش کر دیا جائے (تاکہ اس کے بعد اسے سدھتہ رہے اور جس طرف چاہیں اس کو ہٹا سکیں) چنانچہ ہاتھی کو شراب پلائی گئی مگر اس سے کوئی اثر نہیں ہوا (اور وہ اپنی جگہ سے اُس سے اُس نہ ہوا)۔

ہاتھی کو قلیل کی حبیبہ..... کہا جاتا ہے کہ (جب ابرہہ کا ہاتھی مکے کے قریب پہنچا تو ایک شخص (قیل ابن حبیب) اس کے برابر آکر کھڑا ہو گیا اور ہاتھی کا کان پکڑ کر بولا کہ بھلائی کے ساتھ چار زانو ہو کر بیٹھ جاوے جس طرف سے آیا ہے اسی طرف سیدہ حالات جا اس لئے کہ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے مقدس شہر میں ہے۔ یہ کہہ کر قلیل نے ہاتھی کا کان چھوڑ دیا اور وہ فوراً چار زانو بیٹھ گیا۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ ہاتھی چار زانو نہیں بیٹھا کرتا (بلکہ چار زانو ہو کر لوٹ بیٹھتا ہے) اس صورت میں ممکن ہے کہ چار زانو بیٹھنے سے مراد ہاتھی کا زمین پر ٹیک جانا ہو کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا تھا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ چار زانو بیٹھا ہو جس کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ دھرنا دے کر بیٹھ جانا اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ اور ہاتھی کے اس فعل کو چار زانو بیٹھنے سے تعبیر کیا گیا ہو۔ نیز کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے ہاتھیوں میں ایک قسم ایسی بھی ہوتی ہے جو لوٹ کی طرح چار زانو ہو کر بیٹھتی ہے۔

ابابیلوں کا لشکر..... غرض (جبکہ لوہر ابرہہ کے ہاتھی کو اٹھانے کی کوشش کی جا رہی تھی) چاکت سمندر کی سمت سے ان پر اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کو بھیج دیا جو خطاطیہ کے جھنڈ کی طرح آئیں اور پورے لشکر کو تباہ اور ہلاک کر گئیں (خطاطیہ عرب میں ایک پرندہ ہوتا ہے جو ابابیل ہی کی طرح کا ہوتا ہے اور دوں میں اس پرندے کا کوئی نام نہیں معلوم ہو سکا) اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حرم شریف کے کبوتر اسی پرندے کے نسل سے ہیں۔ مگر بعض محققین کہتے ہیں کہ یہ غلط فہمی ہے کیونکہ جس پرندے کو ابابیل کی نسل سے بتایا گیا ہے وہ ایک دوسرا

پرندہ ہوتا ہے جو حرم کے باب ابراہیم پر پیلا جاتا ہے اور جو زور پر ندے کے محل ہوتا ہے (زور زورہ چڑیا سے کچھ بڑا ہوتا ہے ان میں بعض سیاہ ہوتے ہیں اور بعض سیاہ اور سفید۔ اردو میں اس سیاہ پرندے کو کالی چڑیا یا کلچڑی کہتے ہیں لہذا سیاہ سفید پرندے کو جو بہت خوب صورت ہوتا ہے ہماری طرف چڑیوں کی دھوئیں کہا جاتا ہے۔ یہ چڑیاں سردی کے دنوں میں نظر آتی ہیں۔ ہر حال جو لوگ حرم شریف کے کبوتروں کو بائبل کی نسل سے بتاتے ہیں ان کو غلط فہمی ہوئی ہے) کیونکہ آگے ذکر آئے گا کہ حرم شریف کے کبوتر اس کبوتر کی نسل سے ہیں جس نے اس عمارت کے موہر پر اڑے دیئے تھے (جس میں آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ہجرت کے وقت کے سے نکل کر تین دن قیام کیا تھا)۔ کتاب حیات الحیوان میں ہے کہ بائبل پرندہ زمین اور آسمان کے درمیان اڑے دیتا اور بچے نکالتا ہے۔

فتح عظیم اور قریش کی عظمت..... ابراہہ اور اس کے لشکر کے ہلاک ہو جانے کے بعد قریش کی عزت بہت زیادہ بڑھ گئی اور تمام لوگوں پر ان کی ہیبت چھا گئی وہ کہتے کہ قریش اللہ والے ہیں کیونکہ اللہ ان کے ساتھ

ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ (قریش اللہ والے ہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے ان کے دشمن سے جنگ کی (یعنی ابابیلوں کے لشکر کے ذریعہ) اور ان کو اس دشمن کی تباہ کاری سے بچایا جس سے سارے عرب مل کر بھی نہیں لڑ سکتے تھے (ابراہہ کے لشکر کے ہلاک ہو جانے کے بعد) قریش نے اس کے تمام مل اور سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سے ہی حبش کی قوم پارہ پارہ ہو گئی اور اس کنیسہ یعنی عبادت گاہ کے چاروں طرف کا حصہ بالکل تباہ ہو گیا جس کو ابراہہ نے بنایا تھا۔ اس کے بعد اس عبادت گاہ کو پھر کسی نے آباد نہیں کیا بلکہ وہاں درندوں، سانپ پتھروں اور جراثیم کی آبادی ہو گئی۔ یہاں تک کہ جو شخص وہاں سے کوئی چیز (یعنی قیمتی پتھر اور دوسرا ساز و سامان جو وہاں لگا ہوا تھا) لینا چاہتا تو اس پر جراثیم کا اثر ہو جاتا۔ خلیفہ سفاح کے زمانے تک یہی کیفیت رہی۔ یہ بنی عباس کا پہلا خلیفہ ہے۔ اس کے زمانے میں کچھ لوگوں نے اس کنیسہ کے متعلق اس سے بھی تذکرہ کیا خلیفہ سفاح نے اپنے یمن کے گورنر کو وہاں بھیج کر اس عبادت گاہ کو تباہ کر لیا اور وہ تمام قیمتی لکڑی جس پر سونے کا کام ہو رہا تھا۔ سی طرح دوسرے چاندی کے کام کے سامان پر قبضہ کر لیا۔ یہ سونا چاندی بے شمار وزن کا تھا۔ اس طرح خلیفہ کو اس کنیسہ کے ذریعہ بے شمار دولت ہاتھ آئی۔ اس کے بعد سے اس کنیسہ کا نام و نشان مٹ گیا اور اس کے آثار بھی باقی نہ رہے۔

جملے وقت قریش کی مکے کو خیر یاد..... (جس وقت ابراہہ کے لشکر نے مکے پر چڑھائی کی تھی تو) عبدالمطلب نے اس دور سے کہ لوگ قریش کو شکست کھا جانے پر شرم اور عار دلائیں گے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ مکے سے نکل کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جائیں (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قریش کیا تمام عرب مل کر بھی ابراہہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور لشکر کے مکے میں داخل ہونے کے وقت قریش کو مجبوراً خاموشی کی طرح اپنے شہر اور حرم پر دشمن کی یلغار دیکھنی پڑتی جس پر بعد میں تمام عرب قریش کو شرم دلاتے) قریش کو ساتھ لئے کر پہاڑوں پر جانے سے پہلے عبدالمطلب کچھ سرور و انوار قریش کے ساتھ حرم شریف میں گئے اور کہنے کے دروازے کی زنجیر پکڑ کر ابراہہ اور اس کے لشکر کے خلاف فتح کی دعا مانگی۔ انہوں نے کہا:-

لَا هُمْ اِنَّ الْعَبْدَ يَخْتَمِي وَحَلَهُ فَاَمْنَعُ حَلَالَكَ

اے اللہ ایہ بندہ اپنے قافلے اور اپنی جماعت کی حفاظت کر رہا ہے پس تو اپنے گھر (یعنی بیت اللہ) کی حفاظت فرما۔

لَا يَغْلِبَنَّ صَلَيبُهُمْ وَمَحَالُهُمْ غَدَاةَ مَحَالِكَ

ان کی صلیب فتح نہ حاصل کر سکے ان کی طاقت تیری طاقت کے آگے بچ ہے

صلیب کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ابراہیم اور اس کا لشکر عیسائی تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ (ابراہیم کے لشکر کی آمد پر) عبدالمطلب نے اپنی قوم کے لوگوں کو (مقابلے کے لئے) جمع کر کے ایک جھنڈا بنایا اور سب کے ساتھ منیٰ کے میدان میں پڑاؤ ڈالا۔ یہ روایت اس روایت کے خلاف ہے جو پیچھے گزری ہے کہ عبدالمطلب اپنی قوم کو ساتھ لے کر پہاڑیوں کی چوٹیوں میں جا چسپے تھے۔ مگر ابن ظفر نے ان دونوں روایتوں کا اختلاف اس طرح دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ ممکن ہے عبدالمطلب نے عورتوں اور بچوں کو پہاڑوں میں جا کر چھپ جانے کا حکم دیا ہو اور ان کی تسلی کے لئے خود بھی ان کے ساتھ وہاں ٹھک گئے ہوں، پھر وہاں سے واپس آکر لڑنے والوں کو جمع کیا ہو (اور لشکر بنا کر منیٰ میں پڑاؤ ڈالا ہو)۔

اس بات کا ثبوت کتب مواہب کی اس روایت سے بھی ملتا ہے جس میں ہے کہ پھر ابراہیم نے اپنی قوم کے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ (کچھ لشکر کے ساتھ جا کر) قریش کو شکست دے۔ چنانچہ جب وہ شخص کے پہنچا اور اس کی نظر عبدالمطلب کے چہرے پر پڑی تو وہ فوراً غیب اور خوفزدہ ہو گیا۔ اس کے بعد روایت کا وہ حصہ ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہ بات کچھ اچھی نہیں کہ کتب مواہب نے روایت کا یہ حصہ تو ذکر کر دیا کہ ابراہیم نے ایک شخص کو قریشی لشکر کی سرکوبی کے لئے بھیجا مگر یہ حصہ ذکر نہیں کیا کہ جب ابراہیم کا لشکر آیا تھا تو قریش نے بھی اپنا لشکر تیار کیا تھا۔

ابراہیم کے لشکر کی بھی ایک تباہی..... غرض جب ابراہیم کے لشکر کو کے بچنے میں دیر ہوئی تو عبدالمطلب حالات معلوم کرنے کے لئے آئے وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ سارا لشکر ہلاک ہو چکا ہے یعنی اکثر حصہ ہلاک ہو چکا ہے اور جو بچا ہے اس میں کے اکثر لوگ بھاگ گئے ہیں۔ چنانچہ عبدالمطلب نے (تباہ شدہ لشکر کے چھوڑے ہوئے ساز و سامان میں سے) جس قدر چاہا سونا چاندی حاصل کیا۔ اس کے بعد انہوں نے کے والوں کو لشکر کے تباہ ہونے کی خبر دی۔ یہ سن کر قریش کے لوگ بھی نکل نکل کر آئے اور خوب مال غنیمت حاصل کیا۔

بے شمار مال غنیمت..... علامہ سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کی دولتِ حندی اور دیارِ یست کا سبب یہی تھا کہ ان کا باپ عفان اور عبدالمطلب اور ابو مسعود ثقفی تینوں وہ تھے جو ابراہیم اور اس کے لشکر کے تباہ ہونے کے بعد سب سے پہلے ابراہیم کے پڑاؤ میں پہنچے اور انہوں نے ابراہیم اور اس کے تباہ شدہ لشکر کا تمام قیمتی سامان پہلے ہی لوٹ لیا اور اس کو قریش سے چھپا کر زمین میں دفن کر دیا چنانچہ یہ لوگ قریش میں سب سے زیادہ مالدار اور دولت مند ہو گئے۔ پھر جب عفان کا انتقال ہو گیا تو اس کی تمام دولت کے وارث حضرت عثمانؓ ہوئے۔

ابراہیم کے لشکر میں سے جو لوگ واپس نہیں گئے بلکہ کے میں رہے اور مسلمان ہوئے ان میں ابراہیم کے ہاتھی کا مہوت اور اس کے آگے آگے چلنے والا بھی تھے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے کے میں (ابراہیم کے بڑے) ہاتھی کے مہوت اور اس کے رہبر کو دیکھا کہ وہ دونوں اندھے اور لالچ تھے اور لوگوں سے روٹی مانگتے تھے۔

کعبے کے حملہ آور پر خدا کی مار..... (اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرنے والے پر بتائی نازل ہوتی ہے جیسا کہ ابراہیم چاہے اور ہلاک ہوا مگر اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ حجاج ابن یوسف نے (جو کوفہ کا گورنر تھا) بیت اللہ پر منہجی کے ذریعہ چتر برسا کر کعبے کو نقصان پہنچایا مگر اس کے نتیجے میں خود حجاج کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس اشکال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حجاج کعبے کو مس کر کے اور اس کو نقصان پہنچانے کے لئے نہیں آیا تھا۔ عی اس کی یہ نیت تھی۔ وہ تو صرف حضرت عبداللہ ابن زبیر کو پریشان کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ اپنے آپ اس کے حوالے کر دیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے یہ جواب اس جواب سے بہتر ہے جو کتب مواہب میں نقل ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ واقعہ ۶۲ھ کا ہے جبکہ یزید ابن معاویہ کی بادشاہت کا زمانہ تھا۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ اس کے خلاف مکہ والوں سے بیعت لے لی تھی۔ یزید نے حضرت عبداللہ ابن زبیر کے خلاف ایک لشکر مدینے سے لے کر روانہ کیا تھا جس کی کمان مسلم ابن عقبہ کر رہا تھا۔ مگر راستے میں حنینہ الودع کے مقام پر مسلم کا انتقال ہو گیا، آخری وقت میں مسلم نے حمین ابن نمیر سکونی کو اپنا جانشین یعنی سپہ سالار بنادیا تھا۔ حمین یہ لشکر لے کر مکہ پہنچا اور چالیس دن تک حضرت عبداللہ ابن زبیر کا محاصرہ کیا جس کے دوران لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اس فوج نے بیت اللہ شریف پر منہجی کے ذریعہ چتر برسائے اور کعبے کو آگ بھی لگائی جس سے بیت اللہ کا پردہ اور لکڑی وغیرہ جل گئیں اسی دوران میں مدینے سے یہ اطلاع آئی کہ یزید ابن معاویہ کا انتقال ہو گیا۔ جب حمین کو یہ خبر ملی تو اس نے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے معاہدہ کرنا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ آخر حمین اپنے ساتھیوں کے ساتھ شام چلا گیا۔ مدینے میں بنی امیہ کے جو لوگ تھے وہ بھی حمین کے ساتھ عی ملک شام کو چلے گئے۔ (تاریخ ابوالفضل، ۱۹۲ جلد اول، تاریخ کامل جلد ۲ ص ۳۹)۔

مکان جہاں آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی

آنحضرت ﷺ کی ولادت کے میں اس مکان میں ہوئی جو بعد میں حجاج ابن یوسف کے بھائی محمد ابن یوسف کا مکان کہلایا۔ اس سے پہلے یہ مکان (آنحضرت ﷺ کی مدینے میں ہجرت کے بعد) ابو طالب کے بیٹے عقیل کے قبضہ میں تھا۔ پھر یہ عقیل کی لولائوں میں وراثت کے طور پر منتقل ہو تا رہا۔ یہاں تک کہ عقیل کی لولاد نے اس کو ایک لاکھ دینار میں محمد ابن یوسف کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ قول علامہ فاکھی کا ہے۔ محمد ابن یوسف نے اس مکان کو خرید کر اپنے مکان میں شامل کر لیا تھا اور اس کا نام ”بیضاء“ (یعنی سفید گھر) رکھ دیا تھا کیونکہ یہ چوڑے سے بنایا گیا تھا اور پھر اس پر چوڑے سے سفید روغن کر کے اس کو بالکل سفید کر دیا گیا تھا اور یہ ”امین یوسف“ کا مکان کہلانے لگا تھا۔

مکان کی تاریخ اور فروختگی..... (اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکان عقیل کے بعد اس کی لولاد میں وراثت کے طور پر پہنچا مگر آنے والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو خود عقیل ہی نے فروخت کر دیا تھا کیونکہ) حج مکہ کے بیان میں آئے گا کہ (جب آنحضرت ﷺ نے مکہ حج فرمایا تو وہاں) صحابہ نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ مکان میں قیام فرمائیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ”کیا عقیل نے ہمارے لئے کوئی گھر یا ٹھکانہ چھوڑا ہے؟“۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود عقیل نے ہی اس مکان کو فروخت کر دیا تھا اور یہ اس کے یا اس کے بعد میں اس کی لولاد کے قبضہ میں نہیں رہا تھا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ عقیل نے اس حصہ کے سوائے جس میں آنحضرت ﷺ کی پیدائش ہوئی تھی باقی تمام حصے فروخت کر دیئے تھے (جو سب کے سب ملے جلتے تھے) کیونکہ حج مکہ کے بیان میں یہ روایت بھی آئے گی کہ عقیل نے اپنے باپ ابو طالب کا مکان بیچ دیا تھا۔ کیونکہ ابو طالب کے بیٹوں عقیل، طالب، حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ میں سے ابو طالب کی وفات کے وقت عقیل اور طالب کا فرقہ اور حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ مسلمان ہو چکے تھے۔ اس لئے عقیل اور طالب کو ہی باپ کا ورثہ ملا۔ بعد میں عقیل بھی مسلمان ہو گئے تھے۔ البتہ طالب مسلمان نہیں ہوئے۔ کیونکہ اس پر جن کا اثر ہو گیا تھا۔ (اور دماغ میں کچھ خلل پیدا ہو گیا تھا) جس کے بعد اس کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ (کہ کہاں گیا اور کیا انجام ہوا) عقیل نے رسول اللہ ﷺ کا وہ مکان بھی فروخت کر دیا تھا جو اصل میں ام المومنین حضرت خدیجہؓ کا تھا اور جس میں حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئی تھیں۔ یہ مکان لب (یعنی مولف کے زمانے میں) مسجد دیا گیا ہے جس میں نماز ہوتی ہے۔ اس کو حضرت معاویہؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں مسجد بنایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بیت اللہ شریف کے بعد کے میں یہ جگہ سب سے زیادہ افضل اور مبارک جگہ ہے۔ اگرچہ اس مکان میں حضرت خدیجہؓ سے حضرت فاطمہؓ کی دوسری بہنیں بھی پیدا ہوئیں مگر حضرت فاطمہؓ کی فضیلت کی وجہ سے مکان حضرت فاطمہؓ کی جائے ولادت کے نام سے ہی مشہور ہوا۔ شاید حضرت معاویہؓ نے اس مکان کو اس قسم سے خرید لیا جس کے ہاتھ اس کو عقیل نے بیچا تھا۔ اس سے بعض محققین کے اس قول کا ثبوت ملتا ہے جسے نے نقل کیا ہے کہ حج مکہ کے وقت یہ مکان یعنی حضرت خدیجہؓ کا مکان (جو حضرت فاطمہؓ کی جائے پیدائش

(ہے) اگرچہ عقل کے قبضے میں تھا مگر آنحضرت ﷺ نے اس سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔ حالانکہ آپ ہجرت سے پہلے اس میں رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ہجرت کے بعد وہ عقل کے قبضے میں آگیا۔

عقل نے آپ کو کچھ نہیں دیا۔۔۔۔۔ ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح فرمایا تو آپ نے جنوں کے مقام پر اپنا خیمہ لگایا۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ شعب ابوطالب میں اپنے مکان میں نہیں ٹھہریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا عقل نے ہمارے لئے کوئی مکان چھوڑا ہے۔ جب آنحضرت ﷺ اور عقل کے بھائیوں نے (یعنی حضرت علی اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما) کے لئے سے ہجرت فرمائی تو عقل نے ان کے مکانات فروخت کر دیئے تھے بلکہ بنی ہاشم میں سے جس شخص نے بھی ہجرت کی عقل نے اس کا مکان بیچ دیا۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ بنی ہاشم میں عقل سب سے بعد میں مسلمان ہوئے اور سب کے بعد ہی انہوں نے ہجرت کی۔ یہ معاہدہ حدیبیہ کے سال یعنی ۱ھ میں مسلمان ہوئے۔ انہوں نے بنی ہاشم کے سب مکانات بیچ دیئے اور آنحضرت ﷺ کو ان کی قیمت میں سے کوئی چیز نہیں دی۔

مکان کی مسجد میں تبدیلی۔۔۔۔۔ یہ مکان جس میں آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے صفا پہاڑی کے قریب ہے۔ ہارون رشید کی بیوہ زبیدہ نے جو اہل کی ماں تھی جب حج کیا تو اس مکان کی جگہ مسجد بنوا دی تھی۔ مگر ابن دجیہ نے لکھا ہے کہ ہارون رشید کی ماں خیران جب حج کرنے کے لئے مکہ آئی تو اس نے اس مکان کو محمد ابن یوسف کے مکان سے علیحدہ کر کے اس کی جگہ مسجد بنوا دی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کو خیران ہی نے مسجد بنوایا ہو اور اس کے بعد زبیدہ نے اس کو پھر سے بنوایا ہو۔ اس طرح اس سلسلہ میں دونوں کا نام آنے لگا۔ مگر آگے روایت آئے گی کہ خیران نے دار ارقم (یعنی ارقم ابن ارقم کے مکان) کو مسجد بنایا تھا وہ بھی صفا پہاڑی کے قریب ہے ہو سکتا ہے کہ بعض روایت کرنے والوں کو اس بارے میں غلط فہمی ہوئی ہو کیونکہ دونوں مکان صفا پہاڑی کے قریب ہیں (دار ارقم وہی مشہور مکان ہے جو اسلام کی سب سے پہلی پناہ گاہ تھی کیونکہ مکہ میں مسلمان اور آنحضرت ﷺ اسی مکان میں جمع ہوا کرتے تھے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی)۔

یہ مکان شعب بنی ہاشم میں تھا۔۔۔۔۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ شعب بنی ہاشم میں پیدا ہوئے۔

(اقول) مؤلف کہتے ہیں۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس روایت سے کوئی اختلاف نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ممکن ہے کہ یہ مکان شعب بنی ہاشم میں ہی ہو۔ پھر اس کی تفصیل بھی میری نظر سے گزری (شعب بنی ہاشم کے متعلق جو روایت گزری ہے اس سے شعب ابوطالب بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ ابوطالب بھی بنی ہاشم میں سے ہیں۔ یہ شعب جنوں کے مقام پر تھی۔ ممکن ہے ابوطالب سب سے علیحدہ اسی شعب یعنی گھائی میں رہنے لگے ہوں۔ واللہ اعلم۔

کیا ولادت ردم جمع میں ہوئی۔۔۔۔۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ ردم کے مقام پر پیدا ہوئے۔ یہ ردم (یعنی یہ مقام) بنی حارث کا ردم کہلاتا تھا (ردم عربی میں پائے اور گڑھا) بھرنے کو کہتے ہیں) بنی حارث قبیلہ قریش کی ہی ایک شاخ کے لوگ تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں بنی حارث بنی حارث کے درمیان ایک دفعہ جنگ ہوئی تھی۔ اس جنگ میں بنی حارث کو کامیابی ہوئی انہوں نے بنی حارث کے بے شمار آدمی قتل کر دیئے اور ان سب کو اسی جگہ دبا دیا۔ (غرض روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش جس مکان میں ہوئی وہ اسی جگہ تھا) ایک قول

یہ بھی ہے کہ آپ عثمان میں پیدا ہوئے۔
پیدائش و وفات مکہ مدینہ نبی میں..... اقول مؤلف کہتے ہیں۔ یہ روایت کہ آنحضرت ﷺ عثمان میں پیدا ہوئے بعض فقہاء کے اس قول سے غلط ثابت ہو جاتی ہے جس میں مسئلہ بتلایا گیا ہے کہ (مسلمان) بچے کے سر پرست کے لئے جو باتیں ضروری ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ بچے کو (مختار اسلام کے متعلق کم سے کم) یہ ضرور بتلائے کہ آپ کے میں پیدا ہوئے اور مدینہ میں آپ کا انتقال ہوا (گویا مسلمان ماں باپ کا یہ فرض ہے کہ اگر زیادہ نہیں تو آنحضرت ﷺ کے متعلق اپنے بچوں کو اتنا ضرور بتلائیں کہ آپ کی پیدائش کہاں ہوئی اور وفات کہاں۔ اس بارے میں فقہاء نے صاف طور پر پیدائش کی جگہ مکہ بتلائی ہے۔ جبکہ اس روایت کے مطابق آپ کی پیدائش عثمان میں بتلائی گئی ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ کی روشنی میں یہ ماننا پڑے گا کہ عثمان کے متعلق روایت صحیح نہیں ہے پھر بھی اگر اس روایت کو پیش نظر رکھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ فقہاء کا جو قول ہے وہ زیادہ صحیح روایت کی بنیاد پر ہے (اور عثمان کے متعلق جو روایت ہے وہ کمزور ہے اسی لئے فقہاء نے اس کو اختیار نہیں کیا)

مقام رُوم..... روم کا مقام (مکہ سے باہر وہ جگہ ہے جہاں سے اب سے بیت اللہ نظر آتا تھا) یعنی اس وقت نظر آتا تھا جبکہ درمیان میں مکانات اور لوہی عدا تیں نہیں تھیں) اب اس جگہ کو ذی یعنی دعا کرنے کی جگہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہاں پہنچ کر وہ دعا پڑھی جاتی ہے جو بیت اللہ شریف کے دیکھنے کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ میں ایسی کوئی روایت نہیں دیکھ سکا کہ آنحضرت ﷺ اس جگہ پر (دعا مانگنے کے لئے) کہے ہیں۔ شاید آپ کے زمانہ میں یہ جگہ زیادہ لوہی نہیں تھی۔ (کہ وہاں سے اس وقت بھی کعبہ شریف نظر آتا ہو)

مقام رُوم میں تعمیر قارونی..... اصل میں اس جگہ کو حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس وقت لوہا کر لیا اور تعمیر کر لیا جبکہ وہ عظیم سیلاب آیا جو ”آتم نھمل کا طوفان“ کے نام سے مشہور ہوا (اس نام سے یہ سیلاب اس لئے مشہور ہوا کہ) آتم نھمل جو عبیدہ ابن سعید ابن عاص کی بیٹی تھی یہ اس پانی میں گھر گئی تھی اور سیلاب اس کو نکلے کے فشی علاقے میں بہا کر لے گیا تھا جہاں وہ مردہ پائی گئی۔ اس سیلاب نے حرم میں سے مقام ابراہیم کو بھی بہا کر کے کے زیریں علاقہ میں لے جا ڈالا تھا (مقام ابراہیم اس پتھر کا نام ہے جس پر حضرت ابراہیم کے قدموں کے نشانات ہیں) سیلاب اتر جانے کے بعد اس مقام ابراہیم کو پھر کے میں لایا گیا اور کعبہ کے قریب نصب کیا گیا۔

سیلاب آتم نھمل کے بعد تعمیر..... جب یہ واقعہ پیش آیا تھا تو حضرت عمرؓ کو (جو مدینہ میں تھے) اس کے متعلق اطلاع دی گئی۔ حضرت عمرؓ (مقام ابراہیم کے بہہ جانے سے) سخت دہشت زدہ ہوئے اور گھبرا کر فوراً مکہ حاضر ہوئے۔ وہ عمرؓ کا احترام باندھ کر مکہ میں داخل ہوئے انہوں نے دیکھا کہ مقام ابراہیم کی جگہ (سیلاب کی وجہ سے) مٹ گئی ہے اور اس کی صحیح جگہ کو معلوم کرنا مشکل ہے اس بات سے حضرت عمرؓ پریشان اور فکر مند ہو گئے اور انہوں نے (لوگوں سے) کہا۔

سیلاب اور مقام ابراہیم..... جس شخص کو بھی مقام ابراہیم کی صحیح جگہ کا پتہ ہو میں اس کو قسم دیتا ہوں کہ ہمیں بتلائے۔ حضرت مطلب ابن رفاعہ (جو ایک صحابی تھے انہوں نے یہ سن کر) کہا کہ امیر المؤمنین وہ شخص میں ہوں مجھے اس جگہ کا صحیح پتہ ہے۔ مجھے مقام ابراہیم کے متعلق اس قسم کا خطرہ ہوتا تھا اس لئے میں نے مقام

ابراہیم سے حجر اسود کی سمت والے دروازے تک اور دوسری طرف اس جگہ سے زحرم کے کنوئیں تک ناپ کر اس کی پیمائش کو حفاظت سے رکھ چھوڑا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ تم میرے پاس بیٹھو اور وہ پیمائش گہنی کے ذریعہ فوراً منگاد۔ چنانچہ حضرت مطلبؓ نے۔۔۔ اسی وقت وہ یادداشت منگائی اور اسکے مطابق پیمائش کر کے مقام ابراہیم کو اس کی جگہ نصب کر دیا گیا جہاں وہ آج کل نصب ہے اور اس کو اس دفعہ خرب مضبوط طریقہ سے نصب کیا گیا۔ اسی وقت حضرت عمرؓ نے یہ جگہ بھی بڑی بڑی مضبوط چٹانوں سے تعمیر کرائی جس کو زوم کہا جاتا ہے۔ اس کو حضرت عمرؓ نے اتنا اونچا کر لیا تھا کہ سیلاب کا پانی اس سے گزر کر حرم میں نہ داخل ہو سکے۔ اور اس جگہ کے اونچا ہو جانے کی وجہ سے یہاں کھڑے ہو کر کعبہ شریف بھی نظر آنے لگے مگر اب درمیان میں اونچے اونچے مکانات بن گئے ہیں اس لئے وہاں سے بیت اللہ نظر نہیں آتا۔ پھر بھی یہاں ٹھہر کر دعا پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تبرک کی نیت سے یہاں دعا پڑھئے کہ پچھلے بزرگوں نے بھی ایسا کیا ہے۔

مقام ابراہیم کی جگہ..... بعض مؤرخین کا قول ہے کہ مقام ابراہیم کو اس جگہ منتقل کرنے والے پہلے آدمی حضرت عمرؓ ہیں۔ اس سے پہلے یہ کعبہ سے بالکل ملا ہوا تھا۔ شاید ان مؤرخین نے اسی روایت کی بنیاد پر یہ بات کہی ہے۔ آگے روایت آنے لگی کہ اس کو منتقل کرنے والے آنحضرت ﷺ ہیں۔ اس طرح ان اقوال میں اختلاف نہیں پیدا ہوتا۔ مگر میں نے ابن کثیر میں دیکھا ہے کہ یہ پتھر جس کو مقام ابراہیم کہا جاتا ہے پرانے زمانہ سے حضرت عمرؓ کے زمانہ تک کعبہ کے دروازے سے بالکل ملا ہوا تھا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس کو وہاں سے ہٹا کر نصب کر لیا تاکہ اس کے قریب نماز پڑھنے والے اور کعبہ کا طواف کرنے والے ایک دوسرے کے لئے رکاوٹ نہ بنیں۔ یہاں تک ابن کثیر کا کلام ہے۔

ان کے قول میں پرانے زمانے سے مراد حضرت ابراہیم کا زمانہ ہی ہو سکتا ہے۔ بہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قائل غور ہے (کیونکہ جیسا کہ پہلے بیان ہوا مقام ابراہیم کے دوسری جگہ نصب کرانے کی وجہ سے سیلاب عظیم تھا جبکہ اس روایت میں اس کا سبب دوسرا بیان کیا گیا ہے)

ولادت کی تورات میں خبر..... (اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کی جائے پیدائش کے متعلق روایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں) حضرت کعب ابن احبلہ سے روایت ہے کہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش مکہ میں ہوگی (تورات میں پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ) حضرت کعبؓ مسلمان ہونے سے پہلے یہودی تھے۔

(قال) حضرت عبد الرحمن ابن عوفؓ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں جن کا نام شفاء تھا۔ بعض لوگوں نے ان کا نام شفاء لکھا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ جب حضرت آمنہ کے یہاں پیدائش ہوئی تو آنحضرت ﷺ پیدائش کے بعد میرے ہاتھوں پر آئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت آمنہ کی دایہ تھیں۔ مگر ابن دبیہ نے لکھا ہے کہ آپ کی دایہ ام ایمن تھیں۔ اس بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ ام ایمن کو دایہ اس بنیاد پر کہا گیا ہے کہ انہوں نے (بچپن میں) آنحضرت ﷺ کی خدمت کی ہے مگر اس طرح ان کو آنحضرت ﷺ کی کھلائی کنا مناسب ہے۔

سعاد توں کا خزینہ..... اس سلسلہ میں ایک نکتہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ اور دایہ کے ناموں میں لفظ ”آمن“ (یعنی سلامتی اور حفاظت) اور لفظ ”شفاء“ (صحت) آتا ہے (کیونکہ آپ کی والدہ کا نام

”آمنہ“ ہے جو اسن سے بنا ہے معنی ہیں سلامتی والی۔ اور آپ کی دلیہ کا نام شفاء ہے جس کے معنی ہیں صحت اور ندرستی اسی طرح آپ کی آیہ کے نام میں ”برکت اور نما“ آ رہا ہے (یعنی ام ایمن جن کا نام برکت ہے جیسا کہ گزر چکا ہے جس کے معنی ہیں زیادتی، بلندی اور بڑھوتری اسی طرح آپ کی پہلی دودھ پلانے والی عورت ”ثویہ“ کے نام میں ”ثوب“ کا لفظ آتا ہے۔ پھر آپ کی جو دوسری دودھ پلانے والی دلیہ ہیں ان کا نام حلیمہ سعدیہ ہے جس میں ”حلم“ یعنی بردباری و شرافت اور ”سعد“ یعنی نیک خستی اور سعادت کا لفظ آتا ہے۔

رحمت باری اور ندائے غیب..... (اس کے بعد حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کی والدہ یعنی شفاء کی روایت کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں) شفاء معنی ہیں کہ (میرے ہاتھوں پر آنے کے بعد آپ روئے تو میں نے کسی کہنے والے کی آواز سنی جس نے کہا یُوحَمُّکَ اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت فرمائے یا اس نے یہ کہا کہ دُحَمُّکَ رَبِّکَ تیرے پر درود گارنے تجھ پر رحمت فرمائی یہاں یہ لفظ کہ یُوحَمُّکَ رَبِّکَ تیرا پروردگار تجھ پر رحمت فرمائے۔

ولادت کے بعد آپ کا چھینکا..... یہ کلمہ یعنی یرحمک اللہ صرف کسی کے چھینکنے پر کہا جاتا ہے اور اس کو (یعنی یرحمک اللہ کہنے کی) عربی میں تعفیت کہتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ہر ایسی چیز سے بچائے جس پر تجھ کو برا کہا جاسکے اس روایت میں ذکر ہے کہ جب آپ روئے یعنی جیسا کہ پیدائش کے بعد بچہ چل کر روتا ہے تو کسی کے یرحمک اللہ کہنے کی آواز آئی۔ اسی بناء پر) یعنی یرحمک اللہ کی آواز آنے کی بنا پر) بعض حضرات کہتے ہیں کہ پیدائش کے فوراً بعد آنحضرت ﷺ چھینکے تھے حالانکہ کسی حدیث میں ایسی کوئی روایت نہیں آئی۔ جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ کو پیدائش کے فوراً بعد چھینک آئی تھی۔ پیدائش کے سلسلے میں جتنی بھی احادیث و روایات ہیں میں سب کو دیکھ چکا ہوں۔ عربی میں چھینکنے کو ”عَطَسَ یَعْطِسُ“ کہتے ہیں اور بچے کے رونے کو استہلال کہتے ہیں۔ مندرجہ بالا حدیث میں یہ لفظ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے استہلال کیا تو جواب میں یرحمک اللہ کہنے کی آواز آئی۔ اس بارے میں کہتے ہیں) مگر کتاب جامع صغیر میں ہے کہ استہلال کے معنی چھینکنے کے ہیں۔ اب گویا بچے کے استہلال کرنے کے دو معنی ہو گئے ایک بلند آواز سے یعنی چیخ کر رونا اور دوسرے چھینکا اس حدیث میں استہلال کا لفظ جو ہے اس کے معنی رولنے چھینکنے کے لئے کیونکہ اس استہلال کے جواب میں یرحمک اللہ کہنے کی آواز آئی تھی اور یہ کلمہ صرف چھینک کے جواب میں ہی کہا جاتا ہے بچے کے رونے کے جواب میں نہیں کہا جاتا)۔

اس یُوحَمُّکَ اللہ کی آواز آنے پر قصیدہ ہمزیہ (یعنی نعت) کے شاعر نے بھی اپنے اس شعر میں اشارہ

کیا ہے

خَمَطُ الْمَلَائِكَةِ إِذْ وَجَعَتْهُ
وَحَلَّتْهَا بِفَوَاحِ الشَّعَاءِ

آپ ﷺ کو پیدائش کے وقت تعفیت کی گئی یعنی یرحمک اللہ کہا گیا جس کے متعلق ہمیں آپ کی دلیہ

شفاء نے جو حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کی والدہ ہیں ملاحظہ فرمادیں۔ خوش کیا۔

چھینکنے پر حمد اور اس کا جواب..... (اقول) مؤلف کہتے ہیں: بعض علماء کا قول ہے کہ آپ ﷺ کو پیدائش کے وقت جب چھینک آئی تو آپ نے شاید الحمد للہ کہا ہو گا کیونکہ آپ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق مسنون کی ہے کہ چھینکنے والا الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہا جاتا ہے۔ یہاں تک ان علماء کا قول ہے۔

اس بات کی طرف پیچھے گزرنے والی اس روایت سے بھی اشدہ ملتا ہے جس میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اپنی والدہ کے پیٹ سے باہر تشریف لائے تو آپ نے الحمد للہ کثیر فرمایا۔ مگر قصیدہ ہمزویہ کی شرح کرنے والوں میں سے ایک عالم نے اس سلسلے میں یہ کہا ہے کہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ کی عظمت اور بلند مرتبہ کی وجہ سے آپ کے چھینکے پر الحمد للہ نہ کہنے کے باوجود آپ کو یرحکم اللہ کی دعا دی گئی ہو۔ اگرچہ حدیث میں آتا ہے کہ چھینکے والا اگر الحمد للہ کے توجوب میں یرحکم اللہ کہہ کر اسے دعا دے اور الحمد للہ نہ کہے تو اس کو یرحکم اللہ کی دعامت دو۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ اگر کسی کو چھینک آئی اور اس نے الحمد للہ کہا تو ہر سننے والے کا حق ہے کہ وہ اس کو یرحکم اللہ کہہ کر دعا دے۔

چھینک پر دعا دینا چاہئے..... بخاری میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص کو چھینک آئی اور اس نے الحمد للہ کہا تو آپ نے اس کو یرحکم اللہ کہا۔ پھر دوسرے کو چھینک آئی مگر اس نے الحمد للہ نہیں کہا تو آپ ﷺ نے اس کو یرحکم اللہ نہیں کہا۔ ایک حدیث حسنہ یہ ہے۔

”اگر تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کے پاس بیٹھ ہوا شخص جواب میں یرحکم اللہ کہہ کر اس کو دعا دے لیکن اگر اسے تین سے زیادہ چھینکیں آجائیں تو سمجھو کہ وہ شخص زکام میں مبتلا ہے اس لئے تین چھینکوں کے بعد یرحکم اللہ نہ کہا جائے۔“

اس قول میں آنحضرت ﷺ نے حکیم (یعنی امر کے) معنی سے یرحکم اللہ کہنے کا حکم فرمایا ہے اور حکیم معنی سے اس مسئلے کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے (نیز کچھ حدیث جس میں ہے کہ ہر سننے والے کا حق ہے کہ وہ یرحکم اللہ کہے) ان دونوں باتوں سے (یعنی امر کے معنی اور حق کے لفظ سے اُلل ظاہر ہے) (جو حدیث کے ظاہری الفاظ اور معنی پر حکم لگاتے ہیں) کہا ہے کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ہر سننے والے پر یرحکم اللہ کہنا مسئلہ کے لحاظ سے واجب ہے۔ مگر فقہ کے بعض اماموں کا مذہب یہ ہے کہ یرحکم اللہ کہنا فرض کفایہ ہے (یعنی ایک کہہ دے تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا) حضرت امام مالک کا مشہور قول بھی ہے۔

یہ دعا شیطان پر بھاری..... (ی) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ چھینکے والے کو یرحکم اللہ کہنا شیطان کو..... سب سے زیادہ سخت محسوس ہوتا ہے۔

حضرت سالم ابن عید اللہ جو اصحاب مکہ صفہ میں سے تھے ان کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:- جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ عزوجل کی حمد کرے (یعنی الحمد للہ کہے) اور جو اس کے پاس ہو وہ سن کر کہے یرحکم اللہ اور پھر چھینکے والا اس کے جواب میں کہے بِغَيْرِ اللّٰهِ لَیْ وَلَکُمْ (یعنی اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے)

اس ذیل میں ایک لطیفہ..... اس سلسلے میں ایک لطیفہ ہے کہ خلیفہ منصور کے پاس کسی نے اس کے کسی گورنر کی (بد عنوانیوں کے متعلق شکایت کی) (جس پر خلیفہ نے اسے اپنے پاس طلب کر لیا) جب وہ خلیفہ منصور کے

۱۔ حدیث حسنہ جو حدیث کی حیثیت کے لحاظ سے ایک قسم ہے اس کی تشریف پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے
۲۔ اصحاب مکہ صفہ صحابہ اکرم کی وہ پاک جماعت تھی جو اسلام کے نام پر اور آنحضرت ﷺ کی محبت میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپ کے قدموں میں آئے تھے ان حضرات کے پاس نہ کھانے کو روٹی تھی نہ پہننے کو کپڑا اور نہ رہنے کو گھر تھا
آنحضرت ﷺ نے ان حضرات کے لئے مسجد نبوی کے قریب ایک جگہ متعین کر دی تھی جہاں یہ رہتے تھے۔ صحابہ کرام اپنے ان بھائیوں کی بے حد خبر گیری کرتے تھے ان کی تفصیل اور واقعات آگے آئیں ۱۲ مرتب

پاس پہنچا تو خلیفہ کو چھینک آئی۔ مگر اس گور نے خلیفہ کو برحک اللہ نہیں کہا۔ خلیفہ نے پوچھا تم نے برحک اللہ کیوں نہیں کہا اس عامل نے کہا اس لئے کہ آپ نے جھینکنے پر الحمد للہ نہیں کہا تھا خلیفہ نے کہا کہ میں نے دل میں کہہ لیا تھا۔ گور نے کہا کہ میں نے بھی دل ہی میں برحک اللہ کہہ لیا تھا۔ (خلیفہ شریعت کی پابندی کے لحاظ سے اس گور نے صاف کوئی سے بہت متاثر ہوا اور اس نے کہا۔)

”اپنے کام پر واپس پہنچ جاؤ۔ جب تم نے میری ہی کوئی بے جا رعایت نہیں کی تو دوسروں کی بھی رعایت نہیں کرتے ہو گے۔“

چھینکنے پر دعا کی حکمت..... بعض محققین کہتے ہیں کہ چھینکنے والے کے لئے الحمد للہ کہنے کی حکمت یہ ہے کہ اکثر چھینک گروں کے ٹیڑھا ہو جانے کا سبب بن جاتی ہے اس لئے چھینکنے والا اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کرے کہ اس نے اس کو اس نصیبت سے محفوظ رکھا۔

چھینک ایک نعمت..... بعض دوسرے محققین کہتے ہیں کہ (چھینکنے پر الحمد للہ اس لئے کہنا چاہئے کہ) چھینک کے ساتھ بیماری یعنی دماغ میں رک جانے والے بخارات نکل کر دور ہو جاتے ہیں (جبکہ انسان کے جسم میں دماغ ہی اصل ہے) کیونکہ اسی میں یادداشت اور سوچنے سمجھنے کی قوت ہوتی ہے۔ اس طرح بخارات کا پھر جانا دماغ کا بحران ہوتا ہے (جو چھینکنے سے ہلکا ہو جاتا ہے) جیسے ہمارے بدن سے پسینہ نکلنا بدن کے بحران کی دلیل ہے۔ چنانچہ یہ ایک زبردست نعمت اور عظیم الشان فائدہ ہے اس لئے آدمی پر ضروری ہے کہ وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ چنانچہ اطباء کے یہاں جیسا کہ ان میں سے بعض کا خیال ہے یہ بات منقذ ہے کہ چھینک سرگی کی بیماری کی ایک قسم ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس موذی مرض سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ یہ بات اس بیان کے خلاف ہے جو پیچھے گزرا ہے اور جس کو بعض اطباء نے ذکر کیا ہے کہ چھینک دماغ کے لئے ایسی ہی ہے جیسے پھپھورے کے لئے کھانسی ہے۔

چھینک کے فائدے..... (قال) دماغ کو ہلکا کرنے کے لئے چھینک سب سے زیادہ بہترین چیز ہے۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو دماغ میں بھر جانے والے مولو کو کم کرتی ہے اور سر کے ہماری پن کو تھام پہنچاتی ہے جس سے طبیعت میں ہلکاپن اور فرحت پیدا ہوتی ہے۔

حکیم ترمذی نے کتاب نو نور الاصول میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا۔
”یہ جبرئیل ہیں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع دے رہے ہیں کہ ہر مومن جب بھی مسلسل تین دفعہ چھینکا ہے تو اس کا ایمان اس کے دل میں پختہ ہو جاتا ہے۔“

چھینک محبوب جماعتی نا محبوب..... کتاب جامع صغیر میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھینک پسندیدہ ہے اور حاشی نا پسندیدہ چیز ہے۔ لیکن بہت زور سے ہونے والی چھینک شیطان کے اثر سے ہوتی ہے۔
چھینک ایمان کی گولہ..... حدیث میں آتا ہے کہ چھینک (آدمی کے ایمان کا) ایک نہایت سچا گولہ ہے۔ ایک دوسری حدیث حسن میں ہے کہ بہترین کلام وہ ہے جو چھینکنے والے کی چھینک سن کر کہا جائے (یعنی برحک اللہ یعنی یہ کلمہ بہترین کلام بھی ہے اور اس سے اس کے کہنے والے کے ایمان کی گولہ بھی مل جاتی ہے)

چھینک اور احمد للہ..... ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت آدمؑ میں روح پھوگی مگر اللہ وہ ان کی ناک کی نسلوں میں پہنچی تو حضرت آدمؑ کو چھینک آئی۔ اس کے بعد جب وہ روح ان کے منہ اور زبان تک پہنچی تو اللہ تعالیٰ

نے ان سے فرمایا کہ کَوَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ یعنی تمام تعزیمیں ہیں اللہ تعالیٰ کے لئے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ حضرت آدمؑ نے ایسا ہی کہا (یعنی انہوں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہا) تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔

”یہ حکم اللہ اے آدم! میں نے تجھے اسی لئے پیدا کیا ہے۔“

ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ رحمت کے لئے ہی میں نے تجھے پیدا کیا ہے یعنی موت کے لئے (کیونکہ مومن کے واسطے یہ ایک نعمت ہے جو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کے انعامات اور رحمتوں کا دروازہ کھول دیتی ہے) امام ترمذی نے ایک حدیث بیان کی ہے جس کی سند تو ضعیف ہے مگر روایت مرفوعہ ہے کہ نماز میں چھینک کا آنا، اگر انائی یا جمائی کا آنا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

نماز میں چھینک ابن ابی شیبہ نے ضعیف سند کے ساتھ ایک موقوفہ حدیث نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نماز میں جمائی لینے کو ناپسند فرماتا ہے اور چھینکنے کو پسند فرماتا ہے۔ یعنی اگرچہ نماز کے دوران چھینکا اور جمائی لینا دونوں شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں مگر ان دونوں میں چھینکا (جمائی لینے کے مقابلے میں) اللہ تعالیٰ کو پسند ہے (یعنی کم ناپسندیدہ ہے اور اسی طرح اس بات کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ) نماز میں چھینکنے کے مقابلے میں جمائی لینا اللہ تعالیٰ کو زیادہ ناپسندیدہ ہے (یعنی یہ فرق اس لئے کیا گیا کہ چھپلی روایت کی موجودگی میں جس میں چھینک کو پسند چیز بتلایا گیا ہے اس کو مکروہ اور ناپسندیدہ کہنا شک سے خالی بات نہیں رہی (چونکہ چھینکنے کو اسلامیت میں پسندیدہ اور قابل شکر چیز بتلایا گیا ہے اور یہاں نماز میں جمائی کے ساتھ چھینک کو بھی شیطانی کام بتلایا گیا ہے اس لئے اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے) یہ کہا جاسکتا ہے کہ جیسا کہ پہلے بھی بیان میں یہ ظاہر کیا جا چکا ہے اگر چھینک میں آواز بہت زیادہ بلند ہو جائے اور دوسرے ہو تو یہ شیطانی چیز ہوگی۔ یہ بات چھپلی روایت میں بھی ظاہر کر دی گئی ہے۔ اسی لئے ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے یعنی چھینکنے کا راہ وہ کرے تو وہ اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھے اور اپنی آواز کو بھی ہلکا کرے۔

زچگی میں مقدس خواتین کی آمد (اس کے بعد پھر اصل بات کا ذکر کرتے ہیں یعنی آنحضرت ﷺ کی والدت کے وقت کون عورتیں حضرت آمنہ کے پاس موجود تھیں جو دایہ کا فرض انجام دے رہی تھیں۔ اس بارے میں دو روایتیں گزری ہیں جن میں سے ایک میں دایہ کے طور پر شفاء کا موجود ہونا معلوم ہوتا ہے اور ایک میں عثمان ابن عامر کی والدہ کے دایہ ہونے کا ذکر ہے) آگے آنے والی روایت سے جو معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت ان دونوں عورتوں کا موجود ہونا غلط ثابت نہیں ہوتا وہ روایت یہ ہے کہ۔ حضرت آمنہ کتنی ہیں جب میں اس تکلیف میں مبتلا ہوئی جو ایسے وقت میں عورتوں کو ہوتی ہے یعنی زچگی کے وقت کی تکلیف تو اس وقت میں گھر میں اکیلی تھی مگر پھر میں نے کچھ عورتوں کو دیکھا جو کجور کے درخت کی طرف بسی اور ڈیل ڈول کی تھیں بالکل ایسی جیسے عبد مناف کے خاندان کی عورتیں ہوں اور یہ سب عورتیں

۱۔ حدیث مرفوعہ کی تریف پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راویوں کا سلسلہ براہ راست آنحضرت ﷺ تک پہنچ کر ختم ہوتا ہو۔

۲۔ حدیث موقوفہ کی تریف بھی گزر چکی ہے یعنی وہ حدیث جس کے راویوں کا سلسلہ کسی تاہی تک پہنچ کر ختم ہو جائے اور تاہی جس نے آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا وہ اس واسطے کے براہ راست آنحضرت ﷺ سے روایت تمام

میرے چاروں طرف جمع ہو گئیں۔ امین محدث نے (حضرت آمنہ کی) اس روایت کو یوں نقل کیا ہے کہ پھر میرے پاس کچھ ایسی لمبی لمبی عورتیں آئیں جیسے عبدالمطلب کی بیٹیاں ہوں۔ ان عورتوں کے چہرے ایسے چمک دار اور روشن تھے کہ میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ پھر ان عورتوں میں سے ایک بڑھ کر میرے قریب آگئی اور میں اس کا سہارا لے کر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد مجھے دردِ ذہن یعنی بچے کی پیدائش کے وقت کا درد ہونے لگا اور تکلیف بڑھ گئی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے ان عورتوں میں سے ایک میرے پاس تھوڑا سا پانی لے کر آئی جو دودھ سے زیادہ سفید تھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شمد سے زیادہ میٹھا تھا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا کہ اسے پی لو، میں نے وہ شربت پی لیا۔ پھر تیسری عورت نے کہا اور پوچھا میں نے تھوڑا اور پی لیا۔ اس کے بعد اس نے میرے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔

”بسم اللہ اللہ کے حکم سے باہر آجائے۔“

مریم و آسیہ کی موجودگی..... اس کے بعد ان عورتوں نے مجھے بتایا کہ ہم میں سے ایک فرعون کی بیوی آسیہ ہے اور ایک عیسیٰ کی والدہ مریم بنت عمران ہے۔

یہ تینوں خواتین جنت کی حوروں میں سے ہیں۔

(اب اس روایت کے بعد یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ولادت کے وقت جب آسیہ اور حضرت مریم تھیں تو شفاء اور حضرت عبدالمحن کی والدہ نے کیسے کہا کہ اس وقت ہم موجود تھے (اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے شفاء اور حضرت عبدالمحن کی والدہ ان دونوں کے یعنی آسیہ اور حضرت مریم کے جانے کے بعد آئی ہوں) اور آپ ﷺ کی پیدائش آسیہ، مریم کی موجودگی میں نہ ہوئی ہو کیونکہ اسی قول سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت میں دیر لگی یہاں تک کہ آپ (حضرت مریم اور آسیہ کے جانے کے بعد) شفاء کے ہاتھوں پر باہر تشریف لائے جیسا کہ پیچھے گزرنے والی روایت میں شفاء کا قول ہے کہ (ولادت کے وقت پیٹ سے نکلتے ہی) آنحضرت ﷺ میرے ہاتھوں پر آ رہے۔

جنت میں یہ دونوں آپ کی ازواج..... آنحضرت ﷺ کی ولادت مبارک کے وقت آسیہ اور حضرت مریم کے وہاں موجود ہونے میں شاید یہ حکمت رہی ہوگی کہ یہ دونوں محترم عورتیں (جیسا کہ روایات سے ظاہر ہے) جنت میں آنحضرت ﷺ کی بیویاں ہوں گی۔ ان کے علاوہ وہاں حضرت موسیٰ کی بہن کلثوم بھی آنحضرت ﷺ کی بیوی ہوں گی۔

موسیٰ کی بہن بھی ازواج میں..... چنانچہ کتب جامع صغیر میں یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی اور موسیٰ کی بہن سے میری شادی کی ہے۔ نیز آگے حضرت خدیجہ کی وفات کے بیان میں یہ حدیث بھی آئے گی کہ آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت خدیجہ سے فرمایا۔

”کیا تمہیں معلوم ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے بتلایا ہے کہ ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ..... کیا تمہیں نہیں معلوم اللہ تعالیٰ نے جنت میں تمہارے علاوہ مریم بنت عمران (یعنی حضرت عیسیٰ کی والدہ) اور موسیٰ کی بہن کلثوم اور فرعون کی بیوی آسیہ سے بھی میری شادی کر دی ہے۔“

حضرت خدیجہ نے پوچھا کہ کیا یہ بات آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! حضرت خدیجہ دعادی کہ اللہ تعالیٰ محبت اور برکت عطا فرمائے۔

آسیہ فرعون سے محفوظ رہیں..... (چونکہ یہ تینوں خواتین یعنی حضرت مریم بنت عمران، آسیہ اور کلثوم جنت میں آنحضرت ﷺ کی بیویاں بنے دلی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کو اس بات سے محفوظ رکھا کہ کوئی شخص ان کے ساتھ بھستری کر سکے (یہاں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ ان تینوں میں آسیہ جو فرعون کی بیوی تھیں ان کے بارے میں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ بیوی ہونے کے باوجود فرعون کے ساتھ ہم بستر نہیں ہوئیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں) مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب فرعون سے آسیہ (کی پاکبازی اور خوبصورتی) کا ذکر کیا گیا تو اس کو ان کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش ہوئی۔ مگر جب آسیہ کو اس کی خبر ہوئی تو وہ نہ خود تیار ہوئیں اور نہ ان کے باپ راضی ہوئے فرعون نے ان کو خوش کرنے کے لئے بہت دولت خرچ کی مگر پھر بھی وہ راضی نہ ہوئیں۔ آخر فرعون نے (جو بادشاہ تھا) زبردستی ان سے شادی کر لی، رات کو جب فرعون آسیہ کے پاس پہنچا اور ان سے بھستری کا ارادہ کیا تو اللہ نے اس کو آسیہ کے پاس سے دور کر دیا اس کے بعد جب بھی اس نے آسیہ کے ساتھ ہم بستی کرنی چاہی تو یہی صورت پیش آئی (مگر چونکہ فرعون آسیہ کو بے حد چاہتا تھا اس لئے اس کے باوجود اس نے ان کو علیحدہ نہیں کیا بلکہ) آخر اسی پر راضی ہو گیا کہ صرف آسیہ کو دیکھ لیا کرے (اور اس طرح اپنی محبت کو تسکین دیتا رہے)

مریم یوسف سے محفوظ رہیں..... جہاں تک حضرت مریم (یعنی حضرت عیسیٰ کی والدہ) کا تعلق ہے کہا جاتا ہے کہ ان کی شادی ان کے چچا کے بیٹے یوسف نجد سے ہوئی تھی مگر یوسف ان کے ساتھ بھستری نہیں کر سکے۔ حضرت مریم نے یوسف سے اس لئے شادی کی تھی کہ وہ ان کے ساتھ مصر جاسکے جہاں وہ اپنے بیٹے حضرت عیسیٰ کے ساتھ جانا چاہتی تھیں۔ یہ وہاں بارہ سال تک رہے اسکے بعد حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ واپس شام آ گئے اور نامصرہ کے مقام پر آکر قیام کیا۔

موسیٰ کی بہن کنواری رہیں..... جہاں تک حضرت موسیٰ کی بہن کلثوم کا تعلق ہے ان کے متعلق ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس سے معلوم ہو کہ ان کی شادی ہوئی تھی۔

بنی عبد مناف کے ذیل ڈول..... (پہلے حضرت آمنہ کی روایت گزری ہے کہ میں نے اپنے پاس کچھ عورتوں کو دیکھا جو ایسی ہی اور ذیل ڈول کی تھیں جیسے عبد المطلب کی یا عبد مناف کی بیٹیاں ہیں اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ) جو روایت گزری اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد مناف کی یا عبد المطلب کی بیٹیاں دوسری عورتوں کے مقابلے میں اپنے قد و بدن اور ذیل ڈول میں ممتاز تھیں (عبد المطلب کے پورے خاندان کے متعلق مشہور ہے کہ سب بہت لمبے اور قد آور تھے) چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عباس کے بیٹے علی کے متعلق میں نے (ایک کتاب میں) لکھا کہ وہ غیر معمولی طور پر لمبے قد کے تھے جب طواف کرتے تو لوگوں کے درمیان ایسے گتے تھے جیسے گھوڑے پر سوار ہوں یہ علی ابن عبد اللہ خاندان بنی عباس کے پہلے دو خلفاء یعنی خلیفہ سفاح اور خلیفہ منصور کے دوا تھے۔ یہ دونوں خلفاء علی کے بیٹے محمد کے لڑکے تھے۔ یہ علی اتنے لمبے قد کے ہونے کے باوجود اپنے باپ حضرت عبد اللہ ابن عباس کے موٹے سے کے برابر پہنچتے تھے۔ پھر یہ کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس بھی اتنے لمبے ہوتے ہوئے اپنے والد حضرت عباس کے موٹے سے کے برابر تھے اور اسی طرح خود حضرت عباس اپنے والد عبد المطلب کے موٹے سے کے برابر تھے (یہ روایت غیر معمولی طور پر لمبے قد ظاہر کرتی ہے جو بظاہر سمجھ میں نہیں آتے) چنانچہ علامہ ابن جوزی نے لمبے قد کے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے ان میں علی ابن عبد اللہ کے ساتھ

حضرت عبداللہ، حضرت عباسؓ اور عبدالطلب کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف حضرت عمر ابن خطابؓ، حضرت زبیر ابن عقیلؓ میں ابن سعد اور حبیب ابن سلمہ کا ذکر ہے۔

بنی عباس میں حسن و تقویٰ..... کتب مواہب میں ہے کہ حضرت عباسؓ درمیانے قد کے تھے اور ایک روایت کے مطابق لمبے قد کے تھے۔ میں نے ان علی ابن عبداللہ کے متعلق جو دو عباسی خلفاء کے دواختے ایک کتب میں دیکھا ہے کہ یہ حد درجہ عبادت گزار اور پرہیزگار عالم با عمل تھے، اس کے ساتھ ہی نہایت حسین اور خوبصورت تھے۔ یہاں تک کہ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ خوبصورت اور ایک شریف انسان تھے۔ اس قدر عبادت گزار تھے کہ روزانہ رات کو ایک ہزار رکعت تفلیں پڑھا کرتے تھے اسی وجہ سے ان کو سجد یعنی بہت زیادہ سجدہ کرنے والا کہا جاتا تھا۔ حضرت علی ابن ابوطالب کرم اللہ وجہہ نے ہی ان کا نام علی رکھا تھا۔

چنانچہ روایت ہے کہ ایک مرتبہ طہر کی نماز میں حضرت علیؓ کو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نظر نہیں آئے حضرت علیؓ نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا بات ہے ابو العباس یعنی حضرت عبداللہ مسجد میں نظر نہیں آ رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے چنانچہ نماز پڑھنے کے بعد حضرت علیؓ نے لوگوں سے کہہ کر ابو العباس (یہ حضرت عبداللہ کی کنیت ہے) کے گھر چلے ہیں۔ ان کے گھر پہنچ کر حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ کو بچے کی مبارک باد دی اور فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے خدا تمہیں اس بچے میں برکتیں عطا فرمائے۔ بعض رویوں نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ۔ خدا اس میں تمہارے لئے خیر ظاہر فرمائے۔ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے۔“

حضرت عبداللہ ﷺ نے فرمایا

”آپ کے ہوتے ہوئے کیا میرے لئے یہ مناسب ہے کہ میں اس کا نام رکھوں۔“

حضرت علیؓ نے بچے کو لانے کا حکم دیا چنانچہ جب ان کے پاس لایا گیا۔ حضرت علیؓ نے (سنت کے مطابق) بھجور چپا کر بچے کے منہ میں ڈالی (جس کو عربی میں تحیک کہتے ہیں) پھر بچے کے لئے دعا کی اور اس کو حضرت عبداللہ کو دیتے ہوئے فرمایا۔

”ابوالاٹاک کو لو میں نے اس کا نام علی رکھا ہے اور اس کا لقب ابوالحسن رکھا ہے۔“

سیاسی اختلاف کے اثرات..... اس طرح ان کا نام حضرت علیؓ نے اپنے نام پر رکھا اور لقب بھی اپنا ہی رکھا یعنی ابوالحسن جس کے معنی ہیں حسن کا باپ کیونکہ حضرت علیؓ کے ایک صاحبزادے حضرت امام حسنؓ تھے۔ مگر حضرت معاویہؓ سیاسی طور پر چونکہ حضرت علیؓ کے مخالف تھے اس لئے جب حضرت معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ تم اس کا نام دو لقب دو نہ رکھو جو ان کا یعنی حضرت علیؓ کا ہے۔ امیر معاویہ نے ایسا اپنی ناپسندگی کی وجہ سے کیا (پھر امیر معاویہؓ نے کہا کہ میں نے ان کا لقب ابومحمّد رکھ دیا ہے، اس کے بعد لوگوں میں ان کا یہی لقب مشہور ہو گیا۔

مگر بعض علماء نے یہ روایت اس طرح بیان کی ہے کہ جب یہ علی ابن عبداللہ، عبدالملک ابن مروان کے پاس آئے تو اس نے ان سے کہا۔

علی نام لقب پر ناپسندیدگی..... اپنا نام یا لقب بدلواں لئے کہ میں تمہارے نام کو برداشت نہیں کر سکتا

کیونکہ وہ نام علی ہے، اسی طرح تہمد القب بھی میں برداشت نہیں کر سکتا اس لئے کہ وہ ابو الحسن ہے۔
 علی ابن عبد اللہ نے جواب دیا کہ جہاں تک میرے نام (یعنی علی) کا تعلق ہے تو اسے میں نہیں بدلوں
 گا، ہاں میرا لقب بدل کر آپ ابو محمد رکھ سکتے ہیں۔ (کیونکہ محمد ان کے بیٹے کا نام ہے اور ابو محمد کا مطلب ہے محمد کا
 باپ یعنی وہ محمد ہیں جو پہلے دو عباسی خلفاء خلیفہ سفاح اور خلیفہ منصور کے باپ ہیں)
 عبد الملک نے یہ بات (یعنی نام اور لقب بدلنے کی بات) حضرت علی ابن ابوطالب کے نام اور لقب
 سے ناپسندگی کی وجہ سے کہی تھی۔

علی عباسی کی پیشینگوئی اور سزا..... ایک دفعہ یہ علی ابن عبد اللہ اپنے دونوں پوتوں سفاح اور منصور کے
 ساتھ خلیفہ ہشام ابن عبد الملک ابن مروان کے پاس پہنچے اس وقت ہشام ابن عبد الملک (جو بنی امیہ میں سے
 تھا) خلیفہ تھا اور سفاح اور منصور دونوں بچے تھے (جنہوں نے بڑے ہو کر بنی امیہ سے سلطنت چھینی اور اپنے
 خاندان یعنی بنی عباس میں بادشاہی قائم کی) خلیفہ ہشام، علی کے ساتھ بہت عزت سے پیش کیا مگر علی خلیفہ کو
 اپنے پوتوں کے متعلق فصاحت کرنے لگے تو کہا کہ یہ دونوں اس خلافت اور سلطنت کے مالک نہیں گے (خلیفہ
 ہشام نے ان کی اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ ان کی سادگی پر حیران ہونے لگا اور اس بات کو ان کی بے
 وقوفی سمجھ کر ہل گیا مگر کہا جاتا ہے کہ جب (اس کا بھائی ولید ابن عبد الملک خلیفہ بنا اور اس نے سنا کہ علی ایسی
 بات کہتے ہیں) کہ میرے پوتے تہمد ان سے خلافت و سلطنت چھین لیں گے (تو اس نے علی کو اس کی
 سزائیں کوڑوں سے پٹوایا پھر اس نے انہیں ایک لونٹ پر اس طرح سولہ کر لیا کہ ان کا منہ لونٹ کی دم کی طرف کر
 دیا اور اس طرح انہیں شہر میں گھمایا کہ لونٹ کے پیچھے ایک شخص چلاتا جاتا تھا کہ یہ جھوٹا علی ابن عبد اللہ
 ابن عباس ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں علی کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے لوگ تم
 پر جھوٹ کا الزام لگ رہے ہیں، علی نے کہا۔

”انہیں میرے متعلق معلوم ہوا ہے کہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ خلافت و سلطنت میرے بیٹوں کے ہاتھوں
 میں پہنچنے والی ہے اور خدا کی قسم ایسا ضرور ہوگا“

پیشینگوئی کی تکمیل..... چنانچہ (ان کی پیشین گوئی پوری ہوئی) اور یہ بات اسی طرح ظاہر ہوئی جیسے علی نے کہا
 تھا کہ بنی امیہ میں سے خلافت نکلی گئی اور بنی عباس میں پہنچ گئی (چنانچہ بنی عباس میں پہلا) خلیفہ سفاح ہو اور
 اس کے بعد (اس کا بھائی) منصور خلیفہ بنا۔

ابن عباس کی پیشینگوئی..... یہی کی کتاب دلائل البیۃ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ ابن
 عباس حضرت امیر معاویہ کے پاس گئے (اس وقت حضرت امیر معاویہ خلیفہ تھے) امیر معاویہ نے ان کے ساتھ
 بہت عزت کا معاملہ کیا اور ان کو انعام دیا پھر امیر معاویہ نے کہا کہ اے ابو العباس کیا یہ سلطنت تمہارے خاندان
 میں بھی پہنچے گی۔ حضرت ابن عباس نے کہا کہ امیر المومنین مجھے معاف فرمائیے۔ امیر معاویہ نے کہا کہ کیا کچھ
 بتاؤ گے۔ حضرت عبد اللہ نے کہا ہاں! امیر معاویہ نے پوچھا کہ (جب تم لوگ یعنی بنی عباس ہم بنی امیہ سے
 خلافت چھینو گے تو) تمہارے مددگار کون لوگ ہوں گے۔ حضرت عبد اللہ نے کہا کہ خراسان کے لوگ
 (ی) یعنی ابو مسلم خراسانی جو اپنے لشکر کے ساتھ آئے گا اور ان کے ساتھ سیاحہ گ کے جھنڈے ہوں گے جو
 بنی امیہ کے ہاتھوں سے سلطنت چھین کر اس کو بنی عباس میں پہنچا دیں گے۔

ابو مسلم اور بنی امیہ کا زوال..... کہا جاتا ہے کہ اس ابو مسلم خراسانی نے ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا جو ان کے علاوہ ہیں جنہیں اس نے مختلف جنگوں میں قتل کیا۔ (اس ابو مسلم خراسانی کے لشکر کے ساتھ سیاہ رنگ کے جھنڈے تھے یہ وہ جھنڈے نہیں ہیں جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم یہ دیکھو کہ خراسان کی جانب سے سیاہ رنگ کے جھنڈے (یعنی لشکر کے ساتھ) آگئے ہیں تو ان جھنڈوں کے نیچے پہنچ جانا اس لئے کہ ان جھنڈوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مہدی ہوں گے۔

(ابو مسلم کے لشکر کے ساتھ والے سیاہ جھنڈے اس لئے وہ جھنڈے نہیں ہو سکتے جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ واقعہ قیامت کے قریب پیش آئے گا۔

بنی عباس کا اقتدار..... اس کے بعد پھر اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہیں کہ علی ابن عبد اللہ کی قیادت میں بنی امیہ سے خلافت چھن گئی اور بنی عباس میں پہنچی جن میں سے سب سے پہلا خلیفہ علی کا پوتا سفاح بن ابی اس کے بعد اس کا بھائی منصور ہوا) پھر یہ خلافت منصور کی اولاد میں رہی (علی نے صحیح روایت میں جو یہ کہا ہے کہ خلافت میرے بیٹوں کے ہاتھوں میں پہنچے گی اس سے مراد بیٹے نہیں بلکہ) ظاہر ہے پوتے مراد ہیں کیونکہ پوتے کو بھی بیٹائی کہا جاتا ہے۔

کتاب مرآت زمان میں ہے کہ خلیفہ مامون سے روایت ہے کہ مجھ سے میرے باپ خلیفہ ہارون رشید نے روایت کیا جو اپنے باپ خلیفہ مہدی سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے باپ خلیفہ منصور سے وہ اپنے باپ محمد ابن علی سے وہ اپنے باپ علی سے وہ اپنے باپ حضرت عبد اللہ ابن عباس سے وہ آنحضرت ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کا سردار عوام کا خادم ہوتا ہے۔

مامون عباسی کے اقوال..... کہا جاتا ہے کہ مامون کے جو قول نقل ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:-
”آدمی کا اپنے مہمان سے خدمت لینا بد بختی کی بات ہے۔“

خلیفہ مامون یہ بھی کہا کرتا تھا:-

اگر لوگوں کو میری درگزر کر دینے اور (بجروں کو) معاف کر دینے کی عادت کے متعلق پتہ چل جائے تو وہ جرم کر کر کے میرے پاس آنا شروع کر دیں اور مجھے ڈر ہے کہ میں انہیں معافی دینے کے بدلے میں ان سے کوئی اجر نہیں لوں گا۔ اس لئے کہ یہ (معاف کر دینا) میری عادت اور مزاج بن گیا ہے۔
مشرق و مغرب میں اسلام..... (اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ) آنحضرت ﷺ کی والدہ نے کہا:-

”میں نے (آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت) تین جھنڈے دیکھے جن میں سے ایک جھنڈا مشرق کا تھا (جس سے مشرق میں آپ ﷺ کا کلمہ پھیل جائے گی) اور ایک جھنڈا مغرب کا تھا (جس سے مغرب میں آپ کا کلمہ پھیلے گی) اور تیسرا جھنڈا کعبہ کی سمت پر لگا ہوا تھا (جس سے آنحضرت ﷺ کے لئے ہوئے دین اسلام کے مرکز کی طرف اشارہ تھا) واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ اور عرب کا دستور..... جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو آپ ﷺ کو (عرب کے قاعدے کے مطابق) ایک بڑے برتن سے ڈھانپ دیا گیا مگر اس برتن کے پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گئے۔
مولود نبی اور مجززہ..... (قول یہ روایت بھی ان میں سے ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ رات کے

وقت پیدا ہوئے کیونکہ حضرت امین عباسؑ سے روایت ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں (قریش میں) جب کوئی بچہ رات کے وقت پیدا ہوتا تو اس کو ایک برتن کے نیچے رکھ دیا جاتا اور لوگ صبح ہونے تک (غالباً شگون کی وجہ سے) اس کو نہیں دیکھتے تھے۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ (رات کے وقت) پیدا ہوئے تو آپ کو ایک برتن کے نیچے رکھ دیا گیا جو ایک پکانہ تھا۔ ایک روایت کے مطابق یہ ایک بڑا پکانہ تھا۔ جب صبح ہوئی تو لوگ اس پکانے کے پاس (آپ ﷺ کو دیکھنے کے لئے) آئے مگر انہوں نے دیکھا کہ وہ پکانہ یعنی برتن پھٹ کر دو ٹکڑے ہو چکا تھا اور آنحضرت ﷺ کی نگاہیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ لوگوں کو یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا۔

انگوٹھے سے دودھ..... آپ کی والدہ (حضرت آمنہ) سے روایت ہے کہ میں نے (آپ کی پیدائش کے بعد) آپ کے لوہر ایک برتن ڈھانپ دیا مگر (صبح کو) میں نے دیکھا کہ وہ برتن پھٹ کر آپ ﷺ کے لوہر سے ہٹ چکا ہے اور آپ ﷺ (اس حال میں تھے کہ) اپنا انگوٹھا چوس رہے تھے جس سے دودھ نکل رہا تھا۔

بچوں کے انگوٹھے میں رزق..... عرائس میں ہے کہ فرعون نے (جب حضرت موسیٰ کی پیدائش کے ڈر سے) یہ حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر بچہ کو قتل کر دیا جائے تو عورتیں یہ کرنے لگیں کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو اسے لے کر چھپکے سے کسی ولوی یا غار میں لے جاتیں اور اس میں بچے کو چھپا دیتیں اللہ تعالیٰ اس بچے کے لئے فرشتوں میں سے کسی کو منتخب فرما دیتا جو اس کو کھلاتا پلاتا تا یہاں تک کہ (بڑے ہو کر وہ بچہ) لوگوں میں آتا (سامری جادوگر جو اسی زمانے میں پیدا ہوا تھا) اس کی ماں نے اسے بھی اسی طرح ایک غار میں چھپا دیا تھا اس کے پاس جو فرشتہ (اس کو کھلانے پلانے کے لئے) آیا وہ حضرت جبریلؑ تھے۔ یہ سامری اس غار میں (انگوٹھا چوسا کرتا تھا) اس کے ایک ہاتھ کے انگوٹھے میں سے مسکے نکلتا تھا اور دوسرے سے شمد نکلتا تھا، اسی وجہ سے جب دودھ پینے والا بچہ بھوکا ہوتا ہے تو وہ اپنا انگوٹھا چوستا ہے۔ چنانچہ انگوٹھا چوسنے کے متعلق روایت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ ان کے لئے رزق رکھ دیا ہے یہ سامری ایک منافق تھا جو ظاہر میں حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے کاد عویٰ کرتا تھا اور اپنے کفر کو چھپاتا تھا۔

عبدالطلب کو ولادت کی خبر..... (آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے بعد آپ ﷺ پر برتن ڈھانپ دیئے جانے کے متعلق ذکر کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں) ایک روایت میں ہے کہ یہ عبدالطلب تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو عورتوں کے سپرد کیا کہ وہ آپ ﷺ پر برتن ڈھانپ دیں۔

(اقول) مؤلف کہتے ہیں: یہ بات آگے آنے والی امین اسحاق کی اس روایت کے مطابق ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے بعد آپ کی والدہ نے آنحضرت ﷺ کے ولوا عبدالطلب کو بلانے کے لئے آوی بھجوا دیا عبدالطلب اس رات کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ عبدالطلب حضرت آمنہ کے پاس آئے۔ تو حضرت آمنہ نے کہا،

”اے ابوالخالد! آپ کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے جو عجیب ہے۔“

ولادت کے عجائبات..... عبدالطلب اتنی بات سن کر گھبرا گئے اور کہنے لگے کیا وہ مکمل انسان نہیں ہے؟ حضرت آمنہ نے جواب دیا۔

”ہاں (مکمل انسان ہے) مگر وہ اس طرح پیدا ہوا کہ وہ مجھ کے کی حالت میں تھا۔ پھر اس نے اپنا سر اٹھایا اور انگلیاں آسمان کی طرف اٹھائیں۔“

نو مولود کو طواف کعبہ..... اس کے بعد حضرت آمنہ نے بچے کو کپڑے سے لٹال کر عبدالمطلب کو دید۔ عبدالمطلب نے آپ کو دیکھا اور اس کے بعد آپ ﷺ کو لے کر کعبے میں گئے پھر (طواف کرنے کے بعد) آپ ﷺ کو واپس حضرت آمنہ کو لا کر دیا (اس کے بعد غالباً عبدالمطلب نے آپ کو برتن سے ڈھانپنے کے لئے کہا ہوگا)

مگر اس میں ابن ورید کی اس روایت سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ (آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد) حضرت آمنہ نے آپ کو ایک بڑے برتن سے ڈھانپ دیا تاکہ عبدالمطلب سے پہلے آپ کو کوئی دیکھنے نہ پائے۔ چنانچہ آپ کے دوا آئے تو دیکھا کہ وہ برتن ٹوٹ چکا تھا۔

بچے پر برتن ڈھکنے کی کوشش..... (یہ شبہ دور کرنے کے لئے) کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے آپ کے دوا (عبدالمطلب) نے آپ کو برتن کے ٹوٹنے کے بعد ہی گود میں لیا ہو اور پھر آپ کو کعبے میں لے کر گئے ہوں۔ پھر کعبے سے واپس لانے کے بعد انہوں نے آپ ﷺ کو حضرت آمنہ اور دوسری عورتوں کے سپرد کیا ہو تاکہ صبح ہونے تک آپ پر دوسرا برتن ڈھانپ دیا جائے اور اس کے بعد یہ دوسرا برتن بھی ٹوٹ کر ٹکڑے ہو گیا ہو۔ اس طرح یہ روایت حضرت آمنہ کے اس قول کے خلاف نہیں رہتی جس میں انہوں نے کہا ہے کہ میں نے دیکھا کہ وہ برتن پھٹ کر آپ کے اوپر سے ہٹ چکا ہے اور آپ (اس حال میں تھے کہ) اپنا انگوٹھا چوس رہے تھے (اس ذیل میں ایک حکایت نقل کرتے ہیں کہ)۔

لیاس جس کی ذہانت اور حافظہ ضرب المثل ہے اس سے روایت ہے کہ مجھے اپنی پیدائش کی رات یاد ہے (میری پیدائش کے بعد) میری ماں نے میرے اوپر ایک برتن رکھ دیا تھا۔ لیاس نے ایک مرتبہ اپنی ماں سے پوچھا کہ میری پیدائش کے قریب تم نے کوئی آواز سنی محمدؐ میں نے کہا کہ ہاں بیٹے مجھے ایسا لگا تھا جیسے کوئی طباق لوپر سے نیچے گر پڑا ہو۔ میں اس آواز سے اتنی گھبرائی کہ اسی وقت تم پیدا ہو گئے۔

بعض محققین (لیاس کی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے متعلق) کہتے ہیں کہ ہر سو سال کے بعد ایک ایسا شخص پیدا ہوتا ہے جس کی عقل بالکل مکمل ہوتی ہے لیاس ان ہی لوگوں میں سے تھا۔ شاید یہی مراد ہے اس حدیث سے کہ اللہ تعالیٰ ہر سال میں ایک ایسے شخص (یعنی محمدؐ کو پیدا فرماتا ہے جو اس امت کے دین کو زندہ کرتا ہے۔ سو سال سے مراد ہے صدی کے آخر میں تاکہ اسے اس کے بعد آنے والی صدی کا ابتدائی حصہ زندہ کی میں ملے۔ مگر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ لیاس بھی مجددوں میں سے تھے یا نہیں۔ واللہ اعلم

نبی کی ولادت اور شیطان کی چیخ..... تفسیر ابن عجلہ جس کے بارے میں ابن حزم نے کہا ہے کہ اس جیسی کتاب دوسری نہیں لکھی گئی اس میں ہے کہ شیطان صرف چار مرتبہ نہایت مصیبت اور غم کے ساتھ چینا ہے۔ ایک دفعہ اس وقت چینا جب اس کو اللہ تعالیٰ نے ملعون اور رائدہؓ درگاہ کیلے دوسری بار وہ اس وقت چینا جب اس کو آسمانوں سے زمین پر اتار دیا گیا۔ تیسری بار وہ اس وقت چینا جب آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی۔ بعض حضرات کے قول کے مطابق یہاں آنحضرت ﷺ کی ولادت سے مراد آپ کی بعثت یعنی نبوت ملنے کا دن ہے (کہ تیسری بار اس وقت چینا) اور چوتھی بار اس وقت چینا جب آنحضرت ﷺ پر سورۃ فاتحہ نازل ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت شیطان کے پیچنے کی طرف کتاب عیون الاثر کے مصنف نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

لَعُولِهِ قَلَوْنَ اٰلِیْسُ رَنَّةٌ
فَسَحَقَالَهُ مَاذَا یَغْدِیْ رَنَیْةٌ

ترجمہ: آپ کی پیدائش کے وقت شیطان بہت غم و الم کے ساتھ چیخا پس ہلاک ہو وہ اس کے چیخنے سے کیا فائدہ حاصل ہو گا۔

شیطان کی آہ و بکا کے موقعے..... عطاء خراسانی کہتے ہیں کہ جب یہ آیت پاک نازل ہوئی اس وقت بھی شیطان نے ایک زبردست اور بھیاںک چیخ ماری۔ (وہ آیت یہ ہے)

وَمَنْ یَعْمَلْ سَوَآءً اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهُ نَحْمُ وَنَسْتَغْفِرُ اللّٰهُ یَجِدُ اللّٰهُ خُفْرًا رَّجْحًا (پ ۵ سورہ نہلہ ص ۱۶) آیت:

ترجمہ: نور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان کا ضرر کرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا۔

استغفار اور شیطان کی چیخیں..... (اس آیت پاک کے نازل ہونے کے وقت شیطان اتنے زبردست طریقے سے چیخا کہ اس کے لشکر کے دوسرے تمام شیطان دنیا کے کونے کونے سے اس کے پاس آکر جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ توجہ بھیاںک طریقے سے کس لئے چیخا کہ ہم سب گھبرا گئے۔ شیطان نے کہا کہ ایک ایسا حکم نازل ہوا ہے کہ اس سے زیادہ سخت بات میرے لئے کبھی نازل نہیں ہوئی۔ اس شیطانی گروہ نے پوچھا کہ وہ کیا ہے تو شیطان نے (لو پر گزرنے والی) آیت انہیں پڑھ کر سنائی (جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ دیا ہے کہ میری نافرمانی کرنے والا شخص اگر گناہ کرنے کے بعد مجھ سے استغفار کر لے تو میں اسے معاف کر دوں گا۔ گویا اس طرح شیطان کے سارے کئے دھرے پر پانی پھر جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ لوگوں کو دور قلا کر ان سے گناہ کرائے اور اس طرح ان کا انجام خراب کر لوے۔ جتنے زیادہ آدمیوں کو خدا کے ہاں جہنم میں ڈھکیلا جائے گا شیطان کو اس سے تسلی ہوگی کہ اس کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ مگر اس آیت میں گنہگاروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا نسخہ اور تدبیر بتلا دی کہ اس کے ذریعہ وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہو سکتے ہیں اور وہ نسخہ استغفار ہے کہ ایک گنہگار شخص استغفار کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ شیطان پر یہ استغفار ہی بہت شاق گزری اور اسے اس سے اتنا صدمہ ہوا کہ وہ بھیاںک انداز سے چیخا یہاں تک کہ دوسری سب شیطان جمع ہو گئے۔ شیطان نے استغفار کے متعلق یہ آیت سنا کر ان سے پوچھا، کیا تمہارے پاس کا (یعنی استغفار کا) بھی کوئی توڑ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس اس کا کوئی توڑ نہیں ہے (یعنی ایسی کوئی تدبیر ہمارے پاس نہیں جس سے ہم توی کے استغفار کرنے کے بعد بھی اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق نہ رہتے دیں) شیطان نے کہا کہ کوئی اس کا توڑ تلاش کر میں بھی تلاش کروں گا۔

شیطان اور استغفار کا توڑ..... پھر علامہ خراسانی لکھتے ہیں کہ اس کے بعد ایک زمانہ گزر گیا تو پھر شیطان ایک بار بڑے زور سے چیخا یہاں تک کہ دوسرے سب شیطان پھر اس کے پاس جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے کہ توجہ زور سے چیخا جتنا کچھلی دفعہ کے سوا کبھی نہیں چیخا تھا۔ الیس نے کہا کہ (کیا سوچ بچا کے بعد) تمہیں استغفار کا کوئی توڑ ملا۔ شیطانوں نے کہا کہ نہیں ہمیں کوئی تدبیر نہیں سوچی۔ الیس نے (خوش ہو کر) کہا کہ میں نے اس کا توڑ سوچ لیا ہے۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے۔ الیس نے کہا۔

بدعات سے استغفار کا مقابلہ..... ”میں بدعات کو بڑے خوبصورت انداز میں مسلمانوں کے سامنے پیش

کروں گا جنہیں وہ دین سمجھ کر اختیار کر لیں گے (حالانکہ وہ گناہ ہوں گی مگر چونکہ لوگ اپنی جہالت اور شیطان کے درغلانے کی وجہ سے ان کو دین سمجھے ہوئے ہوں گے اس لئے وہ ان گناہوں پر استغفار نہیں کریں گے کیونکہ بدعت پر عمل کرنے والا آدمی اپنی جہالت کی وجہ سے اس بدعت کو حق اور درست سمجھتا ہے گناہ نہیں سمجھتا کہ اس پر اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرے (اور اس طرح آدمی گناہ کرنے کے بعد اس کو مٹانے کا نسخہ جانتے ہوئے بھی اسے استعمال نہیں کرتا جس کے نتیجہ میں شیطان کا مقصد پورا ہو جاتا ہے)

بدعتی کے اعمال نامقبول..... (بدعت کے سلسلے میں) حدیث میں آتا ہے کہ بدعت کرنے والا جب تک کہ اس بدعت کو چھوڑ نہ دے اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتا یعنی جب تک آدمی اس بدعت میں جلتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عمل پر اس کو ٹوبہ نہیں دیتا۔

بدعات گناہوں کا راستہ..... حسن بصریؒ کہتے ہیں۔ میں نے سنا کہ شیطان نے کہا میں نے حضرت محمد ﷺ کی امت کے لئے گناہوں کا راستہ ہموار کیا مگر اس نے استغفار کے ذریعہ میری مکر توڑ دی مگر پھر میں نے ان کے لئے ایسے گناہوں کا راستہ ہموار کر دیا جن پر وہ اللہ سے استغفار ہی نہیں کرتے اور وہ خواہشات یعنی بدعتیں ہیں۔

بدعات نفسانی خواہشوں کا نام..... ایک حدیث میں آتا ہے

میں اپنے بعد اپنی امت پر تین باتوں کی وجہ سے ڈرتا ہوں۔ نفسانی خواہشات کی مگرانی (آخر حدیث تک) یہاں نفس کی خواہشات پر عمل کرنے والوں سے مراد بدعت پر چلنے والے لوگ ہیں۔

ستاروں کا گونا گونا گونا پیدائش..... حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے اور شیطان نے ستاروں کو گرتے ہوئے دیکھا تو اس نے اپنے لشکر سے کہا اس رات میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے کاموں کو برباد کرے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں کا ٹوٹنا شیطان کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی علامت تھا۔ شیطان کے لشکر نے کہا کہ پھر تو جا کر اس بچے کو تباہ کیوں نہیں کر دیتا (یہ سن کر شیطان آنحضرت ﷺ کی طرف چلا) جب وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیلؑ کو بھیجا جنہوں نے شیطان کے ایک ٹھوکری جس سے وہ ملک عدل میں جا کر گر۔

شیطان کو آسمان سے دھکا..... ستاروں کا ٹوٹنا شیطان کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی ولادت کی علامت ہونا صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ بعض علماء کا قول ہے کہ جب شیطانوں کو آسمانوں میں پہنچنے اور وہاں کی باتیں سن لینے سے روک دیا گیا اور انہیں بار بار کردہاں سے بھگا دیا گیا تو شیطانوں نے اٹلیں سے آکر اس بات کی فریاد کی۔ شیطان نے کہا معلوم ہوتا ہے دنیا میں کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے۔ پھر اس نے شیطانوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے پاس زمین کے ہر علاقے سے تھوڑی تھوڑی مٹی اٹھا کر لائیں (جب شیطان مٹی لے کر آئے تو) اٹلیں ہر ہر مٹی کو سونگھ کر دیکھنے لگا یہاں تک کہ اس نے ہمامہ یعنی کے کی مٹی سونگھی۔ اسے سونگھ کر اس نے کہا یہاں (یعنی اس علاقہ میں) کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ بعض حضرات نے اس طرح اس بات کو آپ کی ولادت کے وقت کی بات بتلایا ہے (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو آنحضرت ﷺ کی ولادت کی خبر نہیں ہوئی تھی یہاں تک کہ اس نے شیطانوں کی شکایت پر مختلف علاقوں کی مٹیاں منگا کر سونگھیں اور اس سے آپ کی ولادت کے متعلق معلوم ہوا جبکہ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے ستاروں کو ٹوٹنے ہوئے دیکھا تو چونکہ اسے معلوم تھا کہ

یہ علامت نبی آخر الزماں کی پیدائش کی ہے اس لئے اس نے دوسرے شیطانوں کو خبر دی کہ وہ نبی پیدا ہو گئے ہیں) مگر اس اذکال کو دور کرنے اور دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ ستاروں کا ٹوٹنا آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی علامت تھا مگر اس سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ ولادت کس علاقے میں اور کس مقام پر ہوئی (اور شیطان نے اس روایت کے مطابق) مٹی سو گھ کر آپ ﷺ کی جائے پیدائش کا پتہ چلایا۔ بعض علماء نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ یہ جو واقعہ گزرا ہے وہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت کا ہے۔ بلکہ جیسا کہ بیان ہو چکا بعض دوسرے علماء کے خیال میں یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی بعثت (یعنی نبوت ملنے) کے وقت کا ہے (کہ شیطان کو آسمانوں میں پہنچنے سے روک دیا گیا) جیسا کہ یہ بحث آگے آئے گی۔ شاید یہ غلط فہمی ربویوں کے آپس میں گڈمڈ ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔

ولادت عیسیٰ اور شیطان کو روک..... بعض علماء نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ شیاطین پہلے زمانے میں آسمان پر جلیا کرتے تھے۔ پھر دنیا کے اس آسمان سے لوہر دوسرے آسمان تک پہنچ جاتے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ کی پیدائش ہوئی تو شیطانوں کو آسمان دنیا سے لوہر جانے سے روک دیا گیا۔ اب وہ صرف آسمان دنیا ہی میں پہنچ کر وہاں کی کچھ باتیں سن لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ کی پیدائش ہوئی تو شیاطین کو آسمان دنیا میں پہنچنے سے بھی کسی حد تک روک دیا گیا۔ اب انہیں صرف کبھی کبھی اس کا موقعہ ملتا تھا کہ آسمان دنیا میں پہنچ کر وہاں کی باتیں سن سکیں۔ ورنہ اکثر وہ آسمان دنیا کے نیچے ہی بندھ لائے رہتے اور باتیں سننے کی کوشش کرتے۔ آخر جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی (یعنی آپ کو نبوت ملی) تو شیاطین کو آسمان دنیا میں جانے سے بالکل روک دیا گیا، اب وہ جو کچھ بھی سن پاتے وہ آسمان دنیا کے نیچے رہ کر ہی سنتے تھے۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ میں نے (اپنی کتاب) ”الگوکب الحیر فی مولد النبیؐ“ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ (پہلے زمانے میں) شیطانوں کو آسمانوں میں جانے کی ممانعت نہیں تھی۔ چنانچہ وہ آسمانوں کے اندر پہنچ جاتے اور وہاں وہ باتیں سن لیتے جو دنیا میں پیش آنے والی ہیں۔ پھر یہ شیاطین وہ باتیں کانہوں کو بتا دیتے (جن کے متعلق عام لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ غیب کی باتیں جانتے ہیں) پھر جب حضرت عیسیٰ کی پیدائش ہوئی تو انہیں (لوہر کے) تین آسمانوں میں جانے سے روک دیا گیا..... حضرت وہب ابن منبہ کی روایت کے مطابق انہیں چار آسمانوں میں جانے سے روک دیا گیا تھا۔ اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو شیاطین کو تمام آسمانوں میں جانے سے روک دیا گیا اور فرشتے ان (آسمانوں) کی حفاظت ستاروں سے کرنے لگے۔ چنانچہ شیاطین میں سے اب جب بھی کوئی وہاں کی باتیں سننے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے شلب عاقب یعنی ستارے مدے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں جو ضروری تفصیل اور تشریح ہے وہ اس باب میں ذکر ہو گی جس میں آپ ﷺ کی بعثت کا بیان ہے۔

طلوع ستارہ احمد..... پادریوں اور راہبوں کو آنحضرت ﷺ کی ولادت کی خبر تھی۔ چنانچہ حضرت حسان ابن عابت سے روایت کے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت (میں سات اٹھ سال کا لڑکا تھا اور جو کچھ دیکھا اور سنا تھا اس کو سمجھتا تھا اسی زمانے میں میں نے ایک دن صبح کے وقت یثرب (یعنی مدینے) میں ایک یہودی کو دیکھا جو ایک لونچے فکرے پر چڑھ کر چلا رہا تھا اور یہودیوں کو پکار رہا تھا۔ لوگ (اس کی کوالا سن کر) اس کے پاس جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا بات ہو گئی (کیوں چیخ رہا ہے) اس یہودی نے کہا۔

احمد کا ستارہ طلوع ہو گیا اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ آنحضرتؐ کی پیدائش کی علامت کے طور پر ذکر تھا۔
 ان حضرات حسان ابن ثابتؓ کے متعلق آگے بیان آئے گا کہ (اسلام قبول کرنے سے پہلے) جاہلیت کے دور میں انہوں نے ساٹھ سال گنڈے۔ پھر مسلمان ہونے کے بعد بھی اتنے ہی سال (یعنی ساٹھ سال زندہ رہے۔ اس طرح ان کی کل عمر ایک سو بیس سال کی ہوئی) اسی طرح ان کے باپ، دلولو اور پڑدولوا کی عمریں بھی اتنی ہی (یعنی ایک سو بیس سال کی) ہوئیں۔

شاعر اسلام کی عمر و جسمانی خصوصیات..... بعض مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت حسانؓ اور ان کے باپ دلولوا کے سوا (تاریخ میں) ایسے دوسرے کسی آدمی کا ذکر نہیں ہے جن کی ولادت اور ولاد بالکل برابر عمریں ہوئی ہوں (حضرت حسان ابن ثابتؓ مشہور صحابہ میں سے ہیں اور انکو شاعر اسلام کہا جاتا ہے جن کی نصیحتیں اور آنحضرتؐ کی شان میں قصیدے مشہور ہیں)۔ حضرت حسانؓ (کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کی زبان بہت لمبی تھی یہاں تک کہ وہ اپنی زبان سے اپنی ناک کا بانسہ چھو لیا کرتے تھے (جبکہ عام طور پر آدمی کے لئے یہ ناممکن ہے) اسی طرح ان کے بیٹے، باپ اور دلولوا (بھی اپنی زبان سے ناک کا بانسہ چھو لیا کرتے تھے)۔

ستارہ احمد اور موسیٰ..... حضرت کعب ابن احیدر سے روایت ہے کہ میں نے قوریت میں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت کی خبر دے دی تھی اور حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم (یعنی بنی اسرائیل) کو اس کی اطلاع دے دی تھی کہ :-

یہود اور ولادت نبویؐ کی نشانی..... تمہارے نزدیک جو مشہور چمک دار ستارہ ہے اور جس کا قلاں نام ہے جب وہ حرکت میں آئے گا اور اپنی جگہ سے سرکنا شروع ہوگا تو وہی وقت رسول اللہؐ کی پیدائش کا ہوگا۔ (یہ خبر بنی اسرائیل کے علماء ایک دوسرے کو دیتے آئے تھے (اور اس طرح بنی اسرائیل کو بھی آنحضرتؐ کی ولادت کا وقت یعنی اس کی علامت معلوم تھی)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی (عالم) کے میں رہتا تھا۔ جب وہ رات آئی جس میں آنحضرتؐ پیدا ہوئے تو وہ قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔
 ”کیا تمہارے یہاں آج کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟“

حضورؐ کا ولادہ دودھ نہ پینا بھی علامت..... لوگوں نے کہا کہ ہمیں تو معلوم نہیں۔ یہودی نے کہا۔
 ”میں جو کچھ کہتا ہوں اسے اچھی طرح سن لو کہ آج اس آخری امت کا نبی پیدا ہو گیا ہے۔ (یہ اور قریش کے لوگو وہ تمہیں سے ہے (یعنی قریشی ہے) اس کے موٹے پر (یہ یعنی موٹے پر کے پاس ایک علامت (یعنی مہربوت) ہے جس میں بہت زیادہ بال ہوں گے یعنی اتنے مسلسل اور گھنے بال ہیں جیسے گھوڑے کے لیال میں ہوتے ہیں۔ (یہ اور یہ نشان مہربوت ہے (یہ جو نبوت کی علامت اور دلیل ہے (دوسری علامت اس بچے کی یہ ہے کہ کچھ دورات تک دودھ نہیں پئے گا۔ یہ باتیں اس کی نبوت کی علامتوں کے طور پر قدیم کتابوں میں ذکر ہیں۔

(یہ دودن تک دودھ نہ پینا غالباً کسی بیماری وغیرہ کے سبب ہوگا۔ (اس بارے میں) حافظ ابن حجرؒ نے آپؐ کے دودن تک دودھ نہ پینے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جنات میں سے کسی عفریت نے آپ کے منہ پر اپنا

ہاتھ رکھ دیا تھا۔

مہر نبوت کی یہودی عالم پر ہیبت..... کہا جاتا ہے کہ جب یہودی نے یہ بات بتلائی تو قریش کے لوگ فوراً مجلس سے اٹھ گئے۔ وہ سب یہودی کی بات سن کر بہت حیران ہو رہے تھے۔ جب وہ لوگ اپنے گھروں میں پہنچے تو ان میں سے ہر ایک نے اس بات کا تذکرہ اپنے گھر والوں سے کیا (گھر والوں کو چونکہ حضرت عبداللہ کے یہاں بیٹا ہونے کی خبر ہو چکی تھی اس لئے) انہوں نے اپنے مردوں کو بتلایا کہ آج رات تو عبداللہ ابن عبدالمطلب کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس کا نام انہوں نے محمد رکھا ہے۔ اب یہ قریشی پھر ملے اور سب یہودی کے پاس پہنچے اور اس کو یہ بات بتلائی (ی) انہوں نے اس یہودی سے کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ ہمارے یہاں (یعنی قریش میں) ایک لڑکا پیدا ہوا ہے (یہودی پہلے ہی جانتا تھا اور اس بچے کو دیکھنے اور اپنی بات کی تصدیق کرنے کے لئے بے قرار تھا اس لئے) اس نے کہا کہ میرے ساتھ تم لوگ چلو تاکہ میں ایک نظر اس بچے کو دیکھ لوں۔ قریشی اسے لے کر چلے اور آنحضرت ﷺ کی والدہ (حضرت آمنہ) کے پاس لائے۔ یہودی نے کہا کہ ذرا اپنے بچے کو ہمیں دکھلائیے۔ حضرت آمنہ نے بچے کو کپڑے سے نکالا تو ان لوگوں نے آپ کی کرکھول کر دیکھی۔ یہودی کو جیسے ہی مہر نبوت نظر آئی وہ (غم و ہیبت کی وجہ سے) فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب اسے کچھ ہوش آیا اور وہ سنبھلا تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تجھے کیا ہو گیا تھا اس نے جواب دیا:-

(”میں اس غم میں بے ہوش ہو کر گر پڑا تھا) کہ بنی اسرائیل میں سے (یعنی میری قوم میں سے) نبوت ختم ہو گئی، کیا تم اس بات پر خوش ہو۔ قریشیو! قسم ہے خدا کی کہ یہ شخص تم پر زبردست غلبہ حاصل کر لے گا اور اس کی شہرت مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی۔“

قریش میں ولادت پیغمبر کا اعلان..... (ی) علامہ واقدی سے روایت ہے کہ مکہ میں ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام یوسف تھا۔ اس دن یعنی اس وقت جبکہ رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تو اس سے پہلے کہ قریشیوں کو آنحضرت ﷺ کی ولادت کی خبر ہوتی اس یہودی نے قریشیوں سے کہا:-

”اے قریش کے لوگو! آج رات تمہارے اس علاقے میں اس امت کا نبی پیدا ہو گیا ہے۔“

اس کے بعد وہ قریش کے گھرانوں میں (بچے کے متعلق معلوم کرنے کے لئے) پھرنے لگا مگر اسے کچھ پتہ نہ چل سکا۔ آخر (گھومنے گھومتے ہوئے) عبدالمطلب کی مجلس میں پہنچ گیا۔ وہاں بھی اس نے (بچے کے متعلق) تحقیق کی تو اس کو بتلایا گیا کہ ابن عبدالمطلب یعنی حضرت عبداللہ کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ اس یہودی نے (یہ سننے ہی) کہا کہ تو ریت کی قسم وہ اس امت کا نبی ہے۔

شامی یہودی کی پیشین گوئی..... (اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ) تر ظہران کے مقام پر ملک شام کا ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام عیص تھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے زبردست علم دیا تھا وہ ہر وقت ایک عبادت گاہ میں رہتا تھا جو اسی کی تھی۔ وہ جب بھی مکہ کے آتا تو لوگوں سے ملتا اور کہتا:-

”بہت قریب زمانے میں تمہارے درمیان ایک بچہ پیدا ہو گا اور سارا عرب اس کے راستے (یعنی دین) پر چلے گا (ی) اور اس کے سامنے ذلیل اور پست ہو جائے گا۔ وہ عجم کا بھی یعنی اس کے شرور اور ملاقوں کا بھی مالک ہو جائے گا۔ یہی اس کا زمانہ ہے جو اس کو یعنی اس کی نبوت کے زمانے کو پائے گا اور اس کی پیروی کرے گا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ (ی) جس خیر اور بھلائی کی وہ امید کرتا ہے (وہ اس کو حاصل ہو گی) اور جو شخص

اس کی نبوت کا زمانہ پائے گا مگر اس کی مخالفت کرے گا وہ اپنے مقصد اور اثر و دل میں ناکام ہوگا۔

چنانچہ مکے میں (اس زمانے میں) جو بھی بچہ پیدا ہوتا وہ اس کے بارے میں تحقیق کرنا اور کتنا کہ ابھی وہ بچہ نہیں پیدا ہوا۔ آخر جب وہ صبح ہوئی یعنی وہ وقت آیا جس میں کہ آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو عبدالمطلب (اپنے گھر سے) نکلے اور عیص کے پاس آئے اور اس کی عبادت گاہ کے دروازے پر پہنچ کر انہوں نے اس کو آواز دی۔ عیص نے پوچھا کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں عبدالمطلب ہوں۔ پھر انہوں نے اس راہب سے پوچھا کہ اس بچے کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ اس نے کہا۔

عیص یسودی کی تصدیق ولادت..... تم اس کے باپ ہی ہو سکتے ہو۔ بے شک وہ بچہ پیدا ہو گیا جس کے بارے میں تم سے کہا کہ تا قتل اور وہ ستارہ (ی) جس کا طلوع ہونا اس بچے کی پیدائش کی علامت ہے آج رات نکل آیا ہے اور اس کی علامت یہ بھی ہے کہ اس وقت اس بچے کو درد ہو رہا ہے۔ یہ تکلیف اسے تین دن رہے گی اور اس کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)۔

بعض مؤرخین یہ کہتے ہیں کہ عیص یسودی کے پاس آنے والے آدمی (عبدالمطلب کے بجائے) آنحضرت ﷺ کے والد عبد اللہ تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ کی وفات اس وقت نہیں ہوئی تھی جبکہ آنحضرت ﷺ ماں کے پیٹ میں تھے (بلکہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد ان کا انتقال ہوا اس سلسلے کی تفصیلی بحث گزر چکی ہے)۔ (ی) شاید یہ بات ماننے والے لوگ اس بیٹا پر ایسا کہتے ہیں کہ راہب سے جب پوچھا گیا کہ تم اس بچے کے متعلق کیا کہتے ہو تو اس نے پہلا جملہ یہ کہا کہ تم اس کے باپ ہی ہو سکتے ہو۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ (راہب نے جو یہ بات کہی کہ وہ بچہ تین دن تک تکلیف میں رہے گا اس کی تفصیل یہ ہے کہ (ی) آپ نے تین رات تک دودھ نہیں پیا (اس بارے میں ایک قول یہ بھی گزر چکا ہے کہ پیدائش کے بعد آپ نے دو رات تک دودھ نہیں پیا اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ) یہ روایت اس قول کے خلاف نہیں ہوتی (جس سے دودھ نہ پینے کے متعلق معلوم ہوتا ہے)۔

عیص سے عبدالمطلب کی ملاقات..... (جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ راہب کے پاس جانے والے حضرت عبد اللہ تھے اور دلیل یہ ہے کہ راہب نے کہا تھا کہ تم اس کے باپ ہی ہو سکتے ہو اس پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) راہب کے اس قول سے یہ بات نہیں ثابت ہوتی کہ وہاں جانے والے آنحضرت ﷺ کے والد یعنی عبد اللہ ہی تھے کیونکہ (عربوں کے قاعدے کے مطابق) عبدالمطلب کو بھی آنحضرت ﷺ کا باپ ہی کہا جاتا تھا اسی طرح آنحضرت ﷺ کو عبدالمطلب کا بیٹا کہا جاتا تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے آنحضرت ﷺ نے خود ایک موقع پر فرمایا کہ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں (کیونکہ عرب میں اکثر دادا کو بھی باپ اور پوتے کو بیٹا کہا جاتا ہے) واللہ اعلم

ولادت کو راز رکھنے کی ہدایت..... (اس کے بعد پھر عیص یسودی کے واقعہ کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) پھر اس نے عبدالمطلب سے کہا کہ (اس بارے میں) اپنی زبان بند ہی رکھنا (ی) یعنی جو کچھ میں نے تم سے (اس بچے کے متعلق بتلایا ہے) اس کا کسی سے ذکر مت کرنا اس لئے کہ لوگ اس بچے سے امتیاز بردست حسد کریں گے کہ آج تک کسی سے نہیں کیا ہو گا اور اس کی اتنی سخت مخالفت ہوگی کہ کبھی کسی کی نہیں ہوئی ہوگی (پوتے کے متعلق یہ باتیں سن کر) عبدالمطلب نے عیص سے پوچھا کہ اس بچے کی عمر کتنی ہوگی۔ اس نے کہا۔

عمر مبارک کی پیشینگوئی..... مگر اس کی عمر لمبی ہوئی تو بھی ستر سال تک کی نہیں ہو گی بلکہ اس سے پہلے ہی اسٹھ (۶۱) سال یا تیرٹھ (۶۳) سال کی عمر تک اس کی وقات ہو جائے گی..... ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ..... یہ عمر (یعنی اسٹھ سال یا تیرٹھ سال) اس کی امت کی زیادہ سے زیادہ عمر ہو گی (یعنی عمر طبعی یہی ہو گی اور اس کی پیدائش کے وقت دنیا کے بت ٹوٹ کر گر گئے ہیں)۔

اس بارے میں ایک روایت پچھلے صفحوں میں گزر چکی ہے کہ دنیا کے بت آنحضرت ﷺ کے حمل کے وقت ٹوٹ کر گرے ہیں (جیسا کہ قدیم کتابوں میں آپ ﷺ کی پیدائش کی علامت کے طور پر لکھا ہوا تھا) نیز اسی سلسلے میں یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ بتوں کے دوسرے بت ٹوٹ کر گرنے کو مان لینے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے (کیونکہ اس طرح دونوں روایتیں درست ہو جاتی ہیں کہ دنیا کے بت آپ ﷺ کے حمل کے وقت بھی ٹوٹ کر گرے اور پھر دوسری مرتبہ آپ ﷺ کی ولادت کے وقت ٹوٹ کر گرے)

ولادت پر بتوں کا زوال..... حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت اللہ تعالیٰ کے سولویا کی وہ ساری چیزیں جو معبود کی حیثیت سے پوجی جاتی ہیں، اس طرح گر پڑی تھیں کہ ان کے سر زمین پر تھے اور وہ سجدہ کی سی حالت میں ہو گئیں اور اس کیفیت کو دیکھ کر شیطان گھبرا اٹھا تھا۔

شیاطین کی حیرانی..... چنانچہ حضرت وہب ابن جہ سے روایت ہے کہ جب وہ رات آئی جس میں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تو دنیا کے سارے بت سر کے بل گوندھے ہو کر زمین پر گر پڑے (یعنی جیسے سجدہ کی حالت میں انسان اپنا سر زمین پر رکھ دیتا ہے لوگ یہ دیکھ کر ان کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگے) مگر جب بھی وہ اٹھا کر سیدھے کئے جاتے تو وہ پھر گر پڑتے تھے۔ یہ کیفیت دیکھ کر تمام شیاطین حیران و پریشان تھے مگر انہیں اس کی وجہ (یعنی حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی خبر) نہیں تھی۔ وہ سب اٹلیں کے پاس فریادے کر گئے (مگر اس وقت تک اسے بھی اس بات کی وجہ معلوم نہیں تھی اس لئے) کہ ساری دنیا میں ٹھوٹا اور پھر (اس کا سبب معلوم کرنے کے بعد) ان شیاطین کے پاس واپس آکر بولا کہ۔

میں نے ایک بچہ (یعنی حضرت عیسیٰ کو) دیکھا جسے فرشتے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں اس لئے میں اس کے پاس نہیں پہنچ سکا۔ میرے اور تم سب کے اوپر کوئی نئی آفت بھاری نہیں ہو اجتنا یہ ہے۔ میری آرزو ہے کہ جتنے آدمیوں کو وہ ہدایت پر اور سیدھے راستے پر لگائے میں ان سے زیادہ آدمیوں کو گمراہ کر دوں۔

(جیسا کہ پچھلی روایت میں آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت دنیا کے بتوں کے ٹوٹ کر گرنے کے متعلق معلوم ہوا اس کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے مؤلف اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں کہ) آنحضرت ﷺ کی خصوصیت..... (اقول) مؤلف کہتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ دنیا کے بت آنحضرت ﷺ کے لئے دوسرے بت ٹوٹ کر گرے۔ ایک مرتبہ آپ کے حمل کے وقت اور دوسری مرتبہ آپ کی ولادت کے وقت۔ اس کا مطلب ہے کہ اس بارے میں آنحضرت ﷺ کی خصوصیت بتوں کا آپ کے حمل کے وقت گرنا تھا کیونکہ ولادت کے وقت تو حضرت عیسیٰ کے لئے بھی دنیا کے بت گرے تھے۔ مگر علامہ سیوطی نے اپنی کتاب ”خصائص صغریٰ“ میں لکھا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی کہ آپ کی پیدائش کے وقت دنیا کے بت گر پڑے تھے (مگر جیسا کہ بیان کیا گیا دنیا کے بت حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت بھی گرے تھے) اس لئے اس کی روشنی میں علامہ سیوطی کے اس قول کو درست نہیں کہا جاسکتا۔ (ہاں اگر آپ کے حمل کے وقت

بتوں کے کرنے کو آپ کی خصوصیت کہا جائے تو صحیح ہو گا کیونکہ حمل کے وقت صرف آپ ہی کے لئے بت کرے تھے۔ حضرت عیسیٰ کے حمل کے وقت ایسا نہیں ہوا تھا۔

دیوار کعبہ کا اعلاان ولادت..... عبدالمطلب سے روایت ہے کہ میں کعبے میں تھا اچانک میں نے دیکھا کہ کعبہ کے بت اپنی جگہوں سے گر پڑے اور سجدے کی ہی حالت میں زمین پر لوں دھے ہو گئے۔ ساتھ ہی میں نے کعبے کی دیوار میں سے آنے والی ایک کواڑ سنی جو کہہ رہی تھی کہ وہ محبوب خدا پیدا ہو گئے جن کے ہاتھوں کفار ہلاک ہوں گے اور جو مکہ کو بتوں کی پوجا سے پاک کر دیں گے اور جو لوگوں کو اس خدا کی عبادت کا حکم دیں گے جو سب کچھ جاننے والا ہے۔

(پچھے دور دانتیں گزری ہیں۔ ایک میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت ابلیس جب تحقیق کے لئے مکہ میں پہنچا تو وہ آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ گیا مگر اسی وقت اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو بھیجا جنہوں نے ٹھوکر مار کر اسے آپ کے پاس سے دور کر دیا۔ دوسری روایت حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کہ جب ابلیس تحقیق کے لئے وہاں پہنچا تو حضرت عیسیٰ کے چاروں طرف فرشتوں کے گھیرے کی وجہ سے وہ ان کے قریب نہیں جاسکا۔)

شیطان کی بے چینی..... اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق تو شیطان نے یہ کہا کہ میں ان کے قریب نہیں پہنچ سکا اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق اس نے یہ کہا کہ جب میں ان کے قریب پہنچا تو جبرئیل نے ٹھوکر مار کر مجھے وہاں سے دور کر دیا (تو حضرت عیسیٰ کے مقابلے میں وہ آنحضرت ﷺ کے قریب کیسے پہنچ سکا کیونکہ اگرچہ ٹھوکر مار کر اسے وہاں سے ہٹا دیا گیا مگر قریب پہنچ تو گیا جبکہ عیسیٰ کے قریب پہنچ ہی نہیں سکا تھا)

اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ جانے سے مراد اس جگہ کے قریب پہنچ جانا ہو جہاں آپ تھے نہ کہ آپ کے جسم اطہر کے قریب پہنچ جانا۔ اور حضرت عیسیٰ کے قریب نہ پہنچ سکے سے مراد یہ ہو کہ ان کے جسم کے قریب نہیں پہنچ سکا (اس طرح دونوں روایتوں سے مطلب ایک ہی نکلے گا کہ ابلیس نہ حضرت عیسیٰ کے جسم کے قریب پہنچ سکا اور نہ آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کے قریب پہنچ سکا)

ہر فرزند آدم کو شیطان کے کچوکے..... اسی سلسلے میں ایک اشکال اور پیدا ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سوائے مریم اور ان کے بیٹے (عیسیٰ) کے کوئی بچہ ایسا نہیں کہ اس کی پیدائش کے وقت شیطان اس کو چھو نہ ہو جس سے کہ وہ چھین مل کر دنیا شروع کر دیتا ہے۔ اس روایت کو شیخین نے نقل کیا ہے (یعنی پیدائش کے فوراً بعد بچہ جو روتا ہے وہ شیطان کے چھونے کی وجہ سے ہی روتا ہے اس سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کے علاوہ دوسرے تمام نبیوں کو بھی پیدائش کے وقت شیطان کا چھونا ثابت ہوتا ہے جن میں آنحضرت ﷺ بھی شامل ہو جاتے ہیں حالانکہ آپ کو سارے نبیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اور حضرت مریم کا شیطان کے چھونے سے محفوظ ہونا)..... حضرت مریم کی والدہ کے اس قول کی وجہ سے تھا (جو انہوں نے دعا کے طور پر حضرت مریم پر پڑھا تھا کہ) میں مریم اور اس کی اولاد کے لئے شیطان لعین سے (بچاؤ کے واسطے) تیری پناہ مانگتی ہوں۔

حضرت عیسیٰ کا استثناء..... اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ سوائے عیسیٰ ابن مریم کے ہر ابن کو تم (یعنی

آدمی) کے پہلو میں اس کی پیدائش کے وقت شیطان اپنی انگلیوں سے کچھ کے لگاتا ہے وہ جب (عیسیٰ کے) کچھ کے مارنے کے لئے گیا تو وہ چوٹ اس پر دے میں لگی جو اس سے حفاظت کے لئے ان کے نو پر ڈھک دیا گیا تھا۔ (ی۔ اس سے مراد وہ جھلی ہے جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ غالباً اس حدیث میں پہلو سے مراد پائیاں پہلو ہے) (جس طرف دل ہوتا ہے اور جس میں وہ سیاہ دائرہ یعنی شیطان کا حصہ اور ٹھکانہ ہوتا ہے جس کا بیان گزرجکا ہے)۔

(اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسانوں میں شیطان کے قریب آنے اور کچھ کے لگانے سے صرف حضرت عیسیٰ بچے ہیں یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ بھی نہیں بچے)

اسی طرح حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ سوائے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے ہر بچے کے پہلو میں شیطان اپنی انگلیوں سے کچھ کے لگاتا ہے جس سے وہ بچہ چیخ کر رونے لگتا ہے۔ ان دونوں کے نو پر (یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم پر) اللہ تعالیٰ نے ایک پردہ تان دیا تھا اس لئے شیطان کے کچھ کے اس پردے پر لگے ان دونوں تک اس کا کوئی اثر نہیں پہنچا۔ (اس حدیث سے بھی یہ خصوصیت صرف عیسیٰ اور مریم کی ہی معلوم ہوتی ہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی بھی نہیں تھی) یہاں بھی غالباً پردے سے مراد وہی جھلی ہے لیکن ہو سکتا ہے جھلی کے علاوہ کوئی اور پردہ مراد ہو (جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی)۔

تمام انبیاء کا استثناء..... (اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے) کہتے ہیں کہ مجاہد نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ پیدائش کے وقت عیسیٰ جس طرح شیطان کے کچھ کوں سے محفوظ رہے اسی طرح سارے انبیاء علیہم السلام محفوظ رہے (جس سے وہ اشکال ختم ہو گیا کہ یہ دوسرے تمام انبیاء کے مقابلے میں نہ صرف حضرت عیسیٰ کی خصوصیت تھی بلکہ معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بچلایا چنانچہ اب یہ اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ اس خصوصیت اور حفاظت میں حضرت عیسیٰ آنحضرت ﷺ سے بڑھے ہوئے تھے جبکہ رسول اللہ ﷺ تمام نبیوں میں افضل ہیں) مگر یہ بات ایسی ہے جس کا تعلق دیکھنے سے نہیں ہے (اب یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ مجاہد کی اس حدیث کو مان لینے کے بعد ان حدیثوں کے متعلق کیا کہا جائے گا جن میں یہ خصوصیت صرف حضرت عیسیٰ کی بیان کی گئی ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ) مجاہد کی اس روایت کو مان لینے کے بعد ان احادیث کے متعلق جن میں صرف حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کا ذکر ہے یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ اس وقت فرمایا جب آپ کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی تھی کہ تمام انبیاء حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کی طرح ہیں (اور شیطان کے کچھ کوں سے محفوظ رہے ہیں۔ یعنی اس بات کی خبر اللہ تعالیٰ پہلے آپ کو بعد میں دی)۔

بچے کی شیطان سے حفاظت کی دعا..... گذشتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا کوئی بھی بچہ پیدائش کے وقت شیطان کے کچھ کوں سے محفوظ نہیں رہتا) مگر ان روایتوں سے قاضی بیضاوی کے بیان کی تردید ہوتی ہے جس میں انہوں نے ایک حدیث ہی کی بنیاد پر (بچے کے شیطان سے محفوظ رہنے کے متعلق لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

”جب کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس ہم بستری کے لئے جائے اور یہ دعا پڑھے“

اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْنَا

”یعنی اے اللہ! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھے اور جو کچھ تو ہمیں عطا فرمائے اس سے شیطان کو دور رکھے“

اگر اس ہم بستری کے نتیجے میں ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا تو شیطان کبھی اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا

سکے گا۔

(اس حدیث سے ایک طرف تو معلوم ہوا کہ ہم بستر کی وقت یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اس طرح بچہ شیطان کے کچھ کوں اور نقصان پہنچانے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ جبکہ پچھلی احادیث سے معلوم ہوا تھا کہ کوئی بھی بچہ شیطان سے محفوظ نہیں رہتا اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ صرف وہ بچہ (جس کے حمل کے وقت یہ دعا پڑھی گئی تھی) محفوظ رہے گا اس کے علاوہ دوسرے بچے محفوظ نہیں رہیں گے (گویا قدرت کا اصول تو یہی ہے کہ ہر بچے کو شیطان پریشان کر تا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس سے بچاؤ کی تدبیر اور طالع بھی بتلادیا ہے جو یہی دعا ہے جس کا پڑھ کر کیا گیا ہے)۔

پچھلے صفحات میں گزرنے والی حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ شیطان آنحضرت ﷺ کے قریب نہیں پہنچ سکتا تھا (کیونکہ حضرت جبرائیلؑ نے اس کو ٹھوکر مار کر دور کر دیا تھا) حالانکہ پچھلے صفحات میں ہی حافظ ابن حجرؒ کی ایک روایت گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دورات تک دودھ نہیں پیا تھا کیونکہ جنات میں سے ایک عفریت نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ روایت کو مان لینے کی صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے خاص طور پر ایلیس کو بھی آنحضرت ﷺ کے قریب آنے سے روکا گیا ہو (جبکہ آپ ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھنے والا ایلیس نہیں بلکہ جنات میں سے ایک عفریت تھا)۔

ہر نو مولود کو اور غلامانے کی تمنا..... کتب کشف کے مصنف نے (بچے کو شیطان کے) چھوٹے اور کچھ کے مارنے کے متعلق کہا ہے کہ اس سے اس کے اصل معنی مروی نہیں ہیں (کہ شیطان کچھ بچے پر ہاتھ پھیرتا اور کچھ کے لگاتا ہے) بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان کو اس بات کا لالچ اور تمنا ہوتی ہے کہ وہ اس کو در غلامے۔ یہی رائے قاضی بیضاوی کی بھی ہے۔ اس سلسلے میں جو تفصیلی بحث ہے وہ اگلے صفحات میں آئے گی جہاں آنحضرت ﷺ کے شق صدر (یعنی سینہ مبارک چاک کئے جانے وغیرہ) کی تفصیل آئے گی۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیدائش کے فوراً بعد وہ اس لئے نہیں ہوتا کہ شیطان اس کو کچھ کے لگاتا ہے)۔

نو مولود کے رونے کا سبب..... (بچہ کے اسی رونے کے سبب کے متعلق) شیخ محمد الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں کہ دراصل ہر انسان کو جنت میں پہنچنے تک کچھ نہ کچھ تکلیف اور سختی سے ضرور گزرنا پڑتا ہے۔ مثلاً مرنے کے بعد برزخ میں پہنچنے سے بھی اسے مشقت و غمی پیش آتی ہے۔ اس مشقت اور غمی کا کم سے کم درجہ (قبر میں) منکر نکیر کے سوالات ہوتے ہیں (جو ایک امتحان اور آزمائش ہوتی ہے اور ہر امتحان اور آزمائش میں انسان کو مشقت اور غمی محسوس ہوتی ہے) پھر جب وہ حساب و کتاب کے لئے دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس میں بھی اسے اپنے یا دوسرے کے خوف کی ہی تکلیف اور مشقت ہوگی۔ چنانچہ دنیا میں آنے کے بعد بچے کو جو سب سے پہلا صدمہ اور تکلیف ہوتی ہے جس سے وہ چیخ کر روتا ہے اس کو ماں کے رحم اور اس کی (آرام دہ) گریباٹ سے جدائی کا صدمہ ہوتا ہے کیونکہ رحم سے باہر آنے کے بعد اس کو ہوا لگتی ہے جس سے اسے تکلیف دہ ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اور وہ رونے لگتا ہے۔ اب اگر وہ (اسی وقت اس ٹھنڈک کی تکلیف سے) سر گیا تو کیا (اسے) تھوڑے وقت کے لئے دنیا میں آنے کے باوجود اس کو دنیا کی بلاؤں اور مصیبتوں میں سے اس کا حصہ مل گیا۔

وَالسَّالَامُ عَلَیْکِ تفسیر..... اس کے بعد علامہ ابن عربیؒ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں (جس میں حضرت عیسیٰؑ نے اپنے متعلق کہا ہے)

وَالسَّلَامُ عَلٰی یَوْمٍ وَلَیْلَتٍ (پ ۱۶ سورہ مریح ۲) آیہ ۳۳

ترجمہ: نور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز قیامت میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس شیطان سے حفاظت اور بچاؤ بچنے کی پیدائش کے وقت اس کے کچوکے لگانے پر متعین ہے جبکہ بچہ باہر آجانے کے بعد اس کے کچوکوں سے بچتا ہے (چنانچہ اسی حفاظت اور سلامتی کی وجہ سے وہ شیطان کے کچوکوں سے محفوظ رہے اور مدوئے نہیں کہ جب وہ ماں کے پیٹ سے باہر آئے تو زمین پر آکر اللہ کے حضور میں سجدہ کی حالت میں واقع ہوئے۔

بحالت سجدہ ولادت..... اب علامہ ابن عربی کی یہ بات قابل غور ہو گئی کیونکہ اسی قول کے شروع میں وہ یہ کہہ چکے ہیں کہ پیدائش کے وقت بچے کے رونے کا سبب یہ ہے کہ اس کو ماں کے رحم اور اس کی آرام دہ گرمی سے جدائی کا صدمہ ہوتا ہے اور اوپر وہ ٹھنڈک کی تکلیف محسوس کرتا ہے (جب کہ آخر میں وہ حضرت عیسیٰ کے نہ رونے کا سبب یہ بتلاتے ہیں کہ وہ شیطان کے کچوکوں سے محفوظ رہے تھے۔ اس طرح یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف ہو گئیں۔

علامہ ابن عربی نے اپنے اس قول میں کہا ہے کہ عیسیٰ ماں کے پیٹ سے نکل کر سجدے کی حالت میں زمین پر واقع ہوئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا پیدائش کے بعد سجدے کی حالت میں زمین پر واقع ہونا صرف آپ کی خصوصیات میں سے نہیں تھا واللہ اعلم

بت کے پیٹ سے اعلان ولادت..... (اصل بیان یہ چل رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت دنیا کے بت لو نہ دھے ہو کر گر پڑے تھے اس کے متعلق مزید لکھتے ہیں کہ) کہا جاتا ہے کہ قریش کی ایک جماعت جس میں ورقہ ابن نوفل، زید ابن عمرو ابن قلیل اور عبد اللہ ابن جحش بھی تھے ایک بت کے پاس آیا کرتے تھے، جس رات میں آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے اس رات میں جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ بت لو نہ دھے منہ پڑا ہوا ہے۔ ان لوگوں کو یہ بات بہت بری لگی اور انہوں نے جلدی سے اس کو اٹھا کر سیدھا کیا مگر پھر وہ اسی طرح بالکل الٹا ہو کر گر گیا۔ انہوں نے پھر تیسری دفعہ اس کو سیدھا کیا مگر وہ بت تیسری دفعہ بھی لو نہ دھا ہو کر گر گیا۔ (اب ان لوگوں کو یہ بات اہم معلوم ہوئی اور انہوں نے کہا کہ یہ تو کوئی نئی بات معلوم ہوتی ہے۔ پھر ان لوگوں میں سے ایک نے کچھ شعر پڑھے جس میں اس بت سے خطاب تھا اور اس کی اس حالت پر حیرانی ظاہر کی گئی تھی (ان شعروں میں پڑھنے والے نے اس بت سے اس کے لو نہ دھا ہو جانے کا سبب پوچھا تھا۔ اچانک اس نے سنا کہ اس کے پیٹ سے ایک آواز آرہی ہے اور کوئی کہنے والا بلند آواز سے یہ کہہ رہا ہے۔

نروی لمولود اصاحت بنورہ

جمع فجاج الارض بالشرق والغرب

ترجمہ: ایک ایسے بچے کی پیدائش کی خبر ہے جس کے نور سے مشرق اور مغرب میں زمین کے تمام

کوشے منور ہو گئے ہیں۔

اسی واقعے کی طرف قصیدہ ہزنیہ کے شاعر نے اپنے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے :-

وتوات بشری الموقوف ان قد

ولد المصطفیٰ وحق الهناء

یعنی پکانے والوں کی (مر لو ایسا شخص جس کی آواز سنائی دے مگر بولنے والا نظر نہ آئے) یہ خوش خبریاں مسلسل ہیں کہ بے شک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پیدا ہو گئے ہیں جو دنیا کی ساری مخلوق میں پسندیدہ اور منتخب ترین انسان ہیں اور اس خوشخبری یعنی آپ کی ولادت کے نتیجے میں ساری مخلوق کے لئے خوشی اور مسرت ظاہر ہوئی۔

وقت ولادت زلزلہ..... (اسی طرح آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت جو عجیب واقعات پیش آئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ) آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی رات میں کعبے میں زلزلہ آیا اور وہ تین دن اور تین رات تک ہلتا رہا (جو اس بات کی علامت تھی کہ کعبہ جیسی مقدس جگہ جس کو کھلانے والے کا لالہ اور کھاتھاس کو بتوں سے پاک کرنے اور اس کا احترام کرنے کا وقت آیا) آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی علامتوں میں یہ پہلی علامت تھی جس کو قریش نے دیکھا (اسی کے ساتھ ساتھ آپ کی پیدائش کے وقت) کسریٰ نو شیر وال (یعنی ایرانی سلطنت کے شہنشاہ) کا محل بننے لگا اور اس میں شگاف پڑ گئے۔

نو شیر وال کے محل میں لرزش..... نو شیر وال کے معنی ہیں مجدد و ملک یعنی لئے سرے سے سلطنت بنانے والا۔ نو شیر وال کا یہ محل ایک نہایت مضبوط و محکم عمارت تھی جو بڑے بڑے پتھر والے چوڑے سے بنائی گئی تھی اور اس میں کہیں بھی کوئی کمزور چیز استعمال نہیں کی گئی تھی (مگر اس کے باوجود آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت آگ کے پجاری کا یہ محل جھکے کی طرح لرز کر پھٹ گیا جس سے پوری سلطنت میں دہشت پھیل گئی) نو شیر وال اس محل میں تقریباً بیس سال تک رہا اس محل کے پھٹنے کی بڑی زبردست اور خوفناک آواز ہوئی اور اس کے بعد اس کے چودہ کنگورے ٹوٹ کر گر گئے۔ یہ شگاف عمارت کی کسی کمزوری اور خالی کی وجہ سے نہیں پیدا ہوئے تھے (کیونکہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ ایک نہایت مضبوط اور پتھر کی عمارت تھی) بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ یہ عمارت کی پھٹنے اس کے نبی کی ایک نشانی بن کر دنیا میں (ایک طویل عرصہ تک) باقی رہے۔

قصر نو شیر وال کا انہدام..... (بعد میں اس محل کا جو انجام ہوا اس کے متعلق کہتے ہیں) کہا جاتا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے سخی ابن خالد برکی کو جو جعفر اور فضل برکی کا باپ تھا حکم دیا کہ کسریٰ کے اس محل کو ڈھا دیا جائے۔ سخی نے اس پر کہا کہ آپ اس عمارت کو مت گرائیے جو اپنے بنانے والے (یعنی کسریٰ نو شیر وال) کی عظمت کا نشان ہے (سخی ابن خالد برکی خود اصل میں ایرانی تھا اس لئے اس نے اپنے ملک کے ایک پچھلے بادشاہ کی نشانی کو ڈھانے سے خلیفہ کو روکنا چاہا۔ ہارون رشید نے اس بات کو سمجھ لیا اس لئے اس نے طرہ انداز میں) کہا کہ کیوں نہیں اے مجوسی (یعنی آگ کو پوجنے والے) اس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کے فرمان کی تعمیل کی جائے۔ آخر سخی ابن خالد نے اس محل کو ڈھانے میں جو خرچہ آتا تھا وہ خلیفہ کو پیش کیا۔ خلیفہ ہارون رشید کو یہ خرچہ زیادہ معلوم ہوا (اور اس نے اس کا اظہار کیا تو سخی نے خلیفہ پر طنز کرتے ہوئے) کہا کہ آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ آپ اس عمارت کو ڈھانے سے بھی عاجز ہوں جس کو آپ ہی جیسے ایک بادشاہ نے بنوایا تھا۔ (یہاں تک خلیفہ ہارون رشید سے متعلق واقعہ ہے)

مگر (س واقعہ کے برخلاف) میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ خلیفہ منصور نے جب بغداد شہر کی تعمیر کی تو اس نے چاہا کہ کسریٰ کے اس محل کو ڈھا کر وہاں شہر بسائے کیونکہ بغداد کو کسریٰ کے اس محل کے درمیان ایک دن کا فاصلہ تھا (یعنی مسافر ایک دن میں جتنا فاصلہ چلتا ہے) چنانچہ اس بارے میں اس نے خالد ابن برمک سے مشورہ کیا جو اس کا وزیر تھا۔ خالد نے خلیفہ کو اس بارہ سے روکا اور کہا۔

”یہ اسلام کی ایک نشانی ہے (کیونکہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے ساتھ ہی اس میں شگاف پڑ گیا تھا) ہر دیکھنے والا اسے دیکھ کر جان لے گا کہ جس کا یہ محل ہے اس کا معاملہ (عبرت کی چیز بن کر دنیا کے سامنے) موجود ہے۔ پھر یہ کہ یہاں حضرت علیؑ نے نماز پڑھی ہے۔ اس کی ڈھانے پر جو خرچہ آئے گا وہ اس کی تعمیر سے بھی زیادہ ہوگا۔“

ہو سکتا ہے کہ خلیفہ منصور اور اس کے پوتے خلیفہ ہارون رشید دونوں نے (اپنے اپنے زمانے میں) اس محل کو ڈھانے کا ارادہ کیا ہو۔

انہدام رکوانے کی برآمدہ کی سعی..... (جب خلیفہ ہارون رشید نے اس محل کو ڈھانے کا ارادہ کیا تھا اور اس کے وزیر حجاجی ابن خالد برکی نے اسکو اس سے روکا تو خلیفہ نے حجاجی کو بجوسی یعنی آتش پرست کہہ کا پکارا تھا حالانکہ وہ مسلمان تھا۔ اس کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں) خلیفہ ہارون رشید نے حجاجی کو بجوسی اس لئے کہا تھا کہ اس کا دادا یعنی خالد برکی کا باپ برک اصل میں خراسان کا رہنے والا تھا اور شروع میں وہ بجوسی یعنی آگ کو پوجنے والا تھا پھر بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ وہ ایک نہایت ہوشیار اور عقلمند، لکھنے والا (یعنی فرمان لور تحریریں مرتب کرنے والا) تھا اور ہمت سے علم جانتا تھا۔ یہ برک بنی امیہ کی سلطنت کے زمانے میں ملک شام میں آگیا تھا اور عبدالملک ابن مروان کے خاص اور مقرب لوگوں میں شامل ہو گیا تھا۔ یہاں اس کو ترقی کے بہت اچھے مواقع ملے اور اس کی حیثیت دربار شاہی میں بہت بڑھ گئی۔

اس کے بعد جب بنی امیہ کی سلطنت ختم ہو گئی اور بنی عباس کی خلافت کا زمانہ آگیا تو یہ برک (بنی عباس کے پہلے خلیفہ) سفاح کا وزیر بن گیا۔ پھر سفاح کے بعد اس کے بھائی یعنی بنی عباس کے دوسرے خلیفہ منصور کا وزیر بن گیا۔

خالد برکی کا ہند میں عجیب تجربہ..... اسی برک کے متعلق میں نے ایک بڑی عجیب حکایت پڑھی ہے کہ وہ ایک مرتبہ ہندوستان کے بلاشاہ یعنی مہاراجہ سے ملنے کے لئے گیا۔ مہاراجہ نے اس کی بڑی عزت کی اور اس کے ساتھ محبت اور اپنائیت کے ساتھ پیش آیا اس کے بعد مہاراجہ نے برک کے لئے کھانا منگوایا اور کہا کہ کھاؤ (برک کہتا ہے کہ) میں نے کھایا یہاں تک کہ (پیٹ بھرنے کے بعد) میں نے ہاتھ روک لیا۔ مہاراجہ نے مجھ سے پوچھا کہ کھانے کے لئے کہا کر (چونکہ میرا پیٹ بھر چکا تھا اس لئے) میں نے کہا کہ جہاں پناہ لور کھانے کی گنجائش بالکل نہیں ہے۔ راجہ نے یہ سن کر غلام سے ایک درخت کی ٹہنی لانے کو کہا اور اس کے بعد وہ ٹہنی لے کر اس نے میرے سینے پر پھیری۔ اس کے ٹکٹے ہی مجھے ایسا لگا گیا میں نے کچھ کھلایا نہیں۔ یہاں تک کہ میں نے پھر پورا کھانا کھلایا اور پیٹ بھرنے کے بعد ہاتھ روک لیا۔ راجہ نے پھر مجھ سے پوچھا کہ کھانے کے لئے کہا کر میں نے جواب دیا کہ نہیں۔ بلاشاہ سلامت۔ اب پور گنجائش نہیں ہے۔ راجہ نے پھر وہ ٹہنی میرے سینے پر لگائی اور مجھے پھر ایسا محسوس ہوا گیا میں نے کبھی کچھ کھلایا نہیں۔ میں نے پھر پیٹ بھر کر کھانا کھلایا اور اس کے بعد ہاتھ روک لیا۔ راجہ نے پھر کہا کہ پور کھاؤ مگر میں نے کہا کہ اب مجھ میں اس کی ہمت نہیں ہے۔ راجہ نے تیسری دفعہ پھر وہی ٹہنی میرے سینے پر پھیرنی چاہی تو میں نے فوراً کہا کہ جہاں پناہ آجو کچھ پیٹ میں پہنچ چکا ہے وہ اب ٹھکانا چاہتا ہے۔ بلاشاہ نے کہا کہ ٹھیک کہتے ہو۔ اس کے بعد اس نے وہ ٹہنی میرے سینے پر نہیں پھیری۔ اب میں نے راجہ سے اس ٹہنی کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ میرے پاس یہ ایک بلاشاہ کا تختہ ہے۔

بچی برکی کے مقولے..... بچی ابن خالد برکی کے جو مقولے اور خاص قول پیچھے گزر چکے ہیں ان کے علاوہ اس کا ایک قول یہ بھی مشہور ہے کہ۔

”جب تم کسی شخص سے بلاوجہ محبت کرنے لگو تو اس سے بھلائی اور خیر کی امید رکھو اور جب تم کسی شخص سے بلاوجہ ناراض رہنے لگو تو اس کی برائی سے بچتے رہنا چاہئے۔“

برکی مظالم کا انجام..... اسی کا ایک قول یہ بھی مشہور ہے جو اس زمانے کا ہے جب وہ اپنے بیٹے کے ساتھ (تندری کے جرم میں) خلیفہ ہارون رشید کی قید میں تھا۔ خلیفہ اس کے بیٹے جعفر برکی کو (اس جرم میں) قتل کر کے اس کی لاش کو سربازار لٹکا چکا تھا اور تمام برکی خاندان کے مال و دولت کو چاہ کر اچکا تھا اس وقت قید خانے میں بچی برکی کے دوسرے بیٹے نے جو غالباً فضل بنی ہو گا اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان ازیر دست اعرزو احترام اور حکمرانی کے بعد ہم اس حال کو سنبھالیں گے۔ اس کے جواب میں بچی برکی نے کہا۔

”بیٹے! مظلوموں کی آپس اور بددعائیں رات کے اندھیروں میں (آسمانوں کی طرف جاری تھیں ہم ان سے غافل ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ تو ان بددعاؤں سے غافل نہیں تھا۔“ (یعنی ہماری زیادتیوں اور ظلم کے نتیجے میں مظلوموں کے دلوں سے جو بددعائیں راتوں کو چھپ چھپ کر نکلی تھیں وہ آج رنگ لارہی ہیں۔ ہم ان سے غافل ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ ان آہوں کو سن رہا تھا)

ظلم و مقام مظلومیت..... ی۔ (مظلوم کی بددعا کے سلسلے میں) حضرت ابوالدرداء کا قول ہے کہ :-
”یہیم کے آنسو اور مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہو اس لئے کہ وہ راتوں کو اس وقت چلتی ہے جب کہ لوگ غافل سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔“

(ی) مظلوم کی بددعا کا یہ اثر اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”اگر میں ظالم آدمی کے ظلم سے غافل ہو جاؤ تو میں سب سے برا ظالم ہوں گا۔“

اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے :

”مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہو۔ اس لئے کہ وہ بددعا اللہ تعالیٰ سے اپنا حق مانگتی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی حق دار کا حق نہیں روکتا۔“

ایک حدیث میں آتا ہے کہ مظلوم کو بددعا سے ڈرو اس لئے کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا (یعنی مظلوم کی بددعا اللہ تعالیٰ فوراً سنتا ہے)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچتے رہو اس لئے کہ وہ باولوں پر سوار ہو کر جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے کہ میری عزت اور میرے جلال کی قسم! میں تیری مدد ضرور کروں گا چاہے کچھ دیر کے بعد ہی کروں۔

یہاں بادل سے مراد وہ سفید بادل ہے جو ساتویں آسمان کے لوہے پر ہے اور جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ ہے۔

وَيَوْمَ تَشْقَى السَّمَاءُ بِالنَّفْثِ لَا يَنْفَعُهَا ۚ
ترجمہ: اور جس روز آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ جائے گا۔

(ی) یعنی اگر وہ گر جائے تو کسی میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کو اٹھا سکے۔

یہاں مظلوم کی بددعا کی مدد کرنے سے مراد اس کی قبولیت ہے چاہے وہ ایک لمبی مدت کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ظالم کو چھوٹ دے سکتا ہے مگر چھوڑتا نہیں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو اس لئے کہ وہ آسمان کی طرف اس طرح چڑھتی ہے جیسے آگ کا شعلہ بلند ہوتا ہے۔ (دی) یعنی ساتویں آسمان کی طرف چڑھتی ہے اور اس کے بعد اس چیز کی طرف جو اس سے اوپر ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو چاہے وہ مظلوم کوئی کافر ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ اس بددعا کے آگے کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ اسی سلسلے میں ایک شاعر کا قول ہے :-

تَنَامُ عَيْنُكَ وَالْمَظْلُومُ مَتْنَبُهُ
يَدُ عَوْنِكَ وَهَيْبَةُ اللَّهِ لَمْ تَنْمُ

ترجمہ: تیری آنکھیں سو جاتی ہیں مگر مظلوم جاگتا رہتا ہے (اور راتوں کو) تیرے لئے بددعا کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آنکھ کبھی نہیں سوتی۔

برائے کی فیاضی..... اسی بچی خالدہ امین خالدہ کے بارے میں ایک قصیدہ لکھا گیا ہے جس میں اس کی زبردست تقریریں کی گئی ہیں۔ اس میں کے دو شعر یہ ہیں :-

سَأَلْتُ النَّهْدِيَّ هَلْ أُنْتَ حُرٌّ فَقَالَ لَا
وَلَكِنَّنِي عِنْدَ لَيْعُنِي بَنُ خَالِدٍ

ترجمہ: میں نے سخوت اور خیر سے پوچھا کہ کیا تو آزاد ہے تو اس نے کہا کہ نہیں میں آزاد لو کہاں ہوں میں تو بچی امین خالدہ کی غلام ہوں۔

فَقُلْتُ شَرَاءَ فَقَالَ لَا بَلَّ وَرَدَانَهُ
تَوَا وَشِي مِنْ وَالِدٍ بَعْدَ وَالِدٍ

پھر میں نے اس سے پوچھا کہ کیا بچی نے تجھے خریدا ہے (یعنی کیا یہ بھلائی اور سخوت بچی کی اپنی ہی عادت ہے) تو اس نے کہا کہ نہیں (اس کے تو سارے خاندان اور باپ دلا سے یہ شرافت چلی آ رہی ہے اور اس نے مجھے وراثت میں اپنے باپ دلا سے حاصل کیا ہے۔

بچی کے باپ خالدہ کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ تین دن کے بعد (کسی بچے کی) مبارکباد دینا اس بچے کی توہین ہے (یعنی مبارکباد بروقت اور فوراً ہو تو مبارکباد ہے ورنہ توہین ہے۔

بچی برکی کے بیٹے کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ :-

”بدترین مال وہ ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے تمہیں گناہ کرنا پڑے اور اس کو (نیک کاموں میں خرچ کرنے سے ٹولنا نہ ملے۔“

اسی کا ایک قول یہ بھی ہے کہ :-

”برا آدمی دوسروں کے متعلق بھی برا خیال ہی رکھتا ہے اس لئے کہ وہ ان کو اپنے مزاج اور طبیعت کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔“

جعفر امین بچی برکی کے متعلق ایک شاعر نے قصیدہ لکھا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں :-

تَرَدُّمٌ وَلَا يَصْنَعُونَ الْمَلُوكَ لَدَى جَفَرٍ
يَصْنَعُ كَمَا يَصْنَعُونَ

وَلَيْسَ بِالْمَعْرُوفَةِ وَمَعَهُمُ الْغَنَىٰ أَوْ مَعَ

(ی) اس کے متعلق فارس کے بادشاہ کو لکھا گیا تھا کہ اس رات میں یعنی جس میں آنحضرت ﷺ کی ولادت ہوئی) تمام آتش کدوں کی آگ ٹھنڈی ہو گئی جبکہ اس سے پہلے ایک ہزار سال سے یہ آگ (جس کو مجوسی پوجتے ہیں اور جو ان کے نزدیک سب سے زیادہ مقدس چیز ہے) ایک ہزار سال سے نہیں بجھی تھی۔ اور (اسی رات میں) دریائے سلوہ کا (جو فارس کا مشہور دریا ہے) پانی ختم ہو گیا۔ (ی) یعنی اس طرح سوکھ گیا جیسے اس میں کبھی پانی رہا ہی نہیں تھا۔ حالانکہ یہ دریا بردست اور نہایت لمبا چوڑا تھا۔ فارس کے بادشاہ کو یہ بات اس کے یمن کے گورنر نے لکھ کر بھیجی تھی۔ اسی واقعہ کی طرف صاحب اصل (یعنی کتاب عیون الاثر کے مصنف) نے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

لَمَوْلِدِهِ أَيُّوْ اَنِ كَسْرِي تَشَقَّقَتْ
مَبَايِهِ وَ اَنْحَطَّتْ عَلَيْهِ خُشُونَهُ

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی برکت سے کسریٰ شاہ فارس کے محل کی بنیادیں پھٹ گئیں اور ان پر اس کی دیواریں گر گئیں۔

لمولیدہ
 فلاشرف
 خجوت
 بنارس
 علا
 یقی
 شرفانہ
 حصینہ

آپ ﷺ کی پیدائش سے اس کی بلندیاں جھک گئیں۔ اب فارس والوں کا کوئی ایسا اعزاز نہیں رہا جس سے ان کی عظمت باقی رہے۔

لمولده ندرین قارس آخست

فَتَوَرَّاهُمْ الْخُمَادَةُ كَانَ خَصِيْنَةُ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی برکت سے فارس کے آتش کدوں کی آگ مجھ مٹتی

لَمَوْلَاهُ غَاضَتْ بِحِيرَةُ سَاوَةٍ
وَأَعْقَبَ ذَلِكَ الْمَدَّ جُورِشِينَهُ

آپ کی پیدائش سے دریائے سادہ کا پانی خشک ہو گیا اور پانی کے اس اسد کے بعد اس میں اور خرابی پیدا ہو گئی۔

كَانَ لَمْ يَكُنْ يَا لَاسِ رِيَا مُسْتَهَامٌ لَنَا هَلْ مَعِينَهُ

وودود العین المستهام
گویا کل اس چشمہ پر کوئی تری نہیں تھی لہٰذا ایک بیابان کے لئے وہاں آنے میں کوئی بول کشی تھی۔
اسی واقعے کی طرف قصیدہ ہمزہ کے شاعر نے بھی اشارہ کیا۔

وَلَمَّا عُمِيَ لِيُوَانِ رَكْسَرَىٰ وَلَوْلَا
أَيُّهُ مِنْكَ مَا تَدَّ اِجْمَعِي السَّجْنَاءُ

کسریٰ کا محل ٹوٹ گیا۔ اگر یہ بات آپ کی پیدائش کی نشانی نہ ہوتی تو اس کی بنیادیں ہر گز نہ کرتیں۔

وَعَفَا كَلَّ يَت نَار وَفِيهِ
كَوْبَةٌ مِنْ خُمُودِهَا وَبَلَاءُ

آگ کے بجھ جانے کی وجہ سے ہر آتش کدے میں صف ماتم بچھ گئی۔

وَعَبَّوْنَ بِالْفَرْسِ غَارَتِ فَهْلُ كَا
نَ لَنِيْرَا رَهْمَ بَهَا اَطْفَاءُ

فارس والوں کے پانی کے تمام چشمے سوکھ گئے تو کیا اسی پانی نے آتش کدوں کی آگ کو بجھایا تھا (جس کی وجہ سے وہاں کے سارے چشمے اور دریا سوکھ گئے)۔

ولادت اور عجائبات کا ظہور..... (قصیدہ ہمزئیہ کے ان شعروں کا مطلب بتلاتے ہوئے کہتے ہیں) یعنی آنحضرت ﷺ کی ولادت کی رات میں (یعنی ولادت کے وقت دنیا میں) جو عجائبات ظاہر ہوئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کسریٰ نو شیر واں کا وہ محل اچانک گر گیا جس میں وہ اپنی حکومت کے ذمہ داروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا (خاص طور پر فارس کے بادشاہ کا محل گرنے کا سبب غالباً یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے دنیا کے بادشاہوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اس سلسلے میں آپ نے بادشاہوں کے نام فرمان یعنی خط بھیجے تو جس نے آپ کے فرمان کی سب سے زیادہ توہین کی وہ کسریٰ فارس ہی تھا اگرچہ وہ کسریٰ نو شیر واں نہیں تھا بلکہ دوسرا بادشاہ تھا جس کا ذکر آئے گا۔ اس نے قاصد سے وہ خط لے کر اس کو پھاڑ ڈالا اور اپنے یمن کے گورنر کو لکھا کہ عرب میں جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کو گرفتار کر کے ہمارے پاس لاؤ۔ اس کے بعد اس بادشاہ کا جو کچھ انجام ہوا اس کی تفصیل تو آگے آئے گی البتہ جب آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ کسریٰ نے آپ کے فرمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہے تو آپ نے فرمایا تھا کہ اس کی سلطنت بھی اسی طرح بارہ بارہ ہو گئی۔ چنانچہ آنے والے چند ہی سال میں آنحضرت ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور کسریٰ کی عظیم سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اسلام کے قدموں میں آگری۔ اس طرح آنحضرت ﷺ کی ولادت کے ساتھ سب سے زیادہ بربادی کی علامتیں جس سلطنت میں ظاہر ہوئیں وہ کسریٰ فارس کی سلطنت تھی۔ ہزاروں سال سے مسلسل جلتی ہوئی قدیم نور مقدس آگ بجھ گئی، دریاؤں کا پانی سوکھ گیا اور اس عظیم محل کی بنیادیں ٹل کر اس میں شکاف پڑ گئے اور اس کے چودہ جھروکے اچانک ٹوٹ کر گر گئے حالانکہ اپنی کشادگی، پیلوٹ اور مضبوطی کے لحاظ سے یہ محل دنیا کے عجائبات میں سے سمجھا جاتا تھا (چنانچہ شاعر کہتے ہیں کہ) اگر وہ علامتیں ظاہر نہ ہوتیں جو آپ ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کی وجہ سے ظاہر ہوئیں تو یہ عظیم الشان اور عظیم و مستحکم عمارت نہ گرتی۔ پھر ان ہی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ظاہر ہوئی کہ اس رات فارس کے تمام آتش کدوں کی وہ آگ بجھ گئی جس کو وہ لوگ پوجتے تھے ایک ہی وقت میں ان تمام آتش کدوں کی آگ بجھ جانے کے وجہ سے ان میں زبردست صف ماتم بجھ گئی۔ پھر آنحضرت ﷺ کے وجود میں آنے کی ان ہی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ظاہر ہوئی کہ فارس کی سر زمین میں تمام چشموں کا پانی سوکھ گیا۔ یہاں تک کہ ان میں ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب علامتیں فارس والوں کو (ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے) سزا دیئے جانے کا اشارہ تھیں۔ اسی لئے کہا

جاتا ہے کہ کیا آتش کدوں کی آگ اسی پانی سے بجھی تھی جو چشموں میں سے اچانک غائب ہو گیا تھا۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ نہیں (چشموں کا پانی اس آگ کو بجھانے کی وجہ سے ختم یا غائب نہیں ہوا تھا) بلکہ آتش کدوں کی آگ اس عظیم پیغمبر کے وجود میں آجانے کی وجہ سے ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

ولادت پر پیشوائے فارس کا خواب..... فارسیوں کا بڑا قاضی جو شخص ہوتا تھا اس کو موبدان کہا جاتا تھا۔ علامہ ابن محدث کہتے ہیں کہ موبدان بڑی یعنی مقدس آگ کا خادم ہوتا تھا اور اس کا مرتبہ حکومت سے بھی اونچا ہوتا تھا۔ لوگ مذہب کے معاملات میں اسی کا حکم مانتے تھے اس موبدان نے (آنحضرت ﷺ) کی ولادت کے وقت (خواب میں دیکھا کہ جھاکش لونٹ عربی گھوڑوں کو ہٹا رہی ہیں) (یہ گھوڑے ترکی گھوڑوں کی نسل کے علاوہ ہوتے ہیں) اور انہوں نے دجلہ یعنی بغداد کی نہر کو پار کر لیا ہے اور وہاں کے شہروں میں پھیل گئے۔

اس خواب میں لونٹوں سے عوام کی طرف اشارہ ہے۔

عجائبات اور کسریٰ کی گھبراہٹ..... ادھر کسریٰ نے اپنے محل کو لڑتے اور اس کے جھروکوں کو گرتے دیکھا جس سے وہ سخت گھبرایا اور خوفزدہ تھا مگر اس خیال سے کہ اپنی کزور ظاہر نہ ہو اس نے صبر سے کام لیا اور صبح کو اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا مگر پھر اسے محسوس ہوا کہ اس کی گھبراہٹ اور پریشانی اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ اس معاملے کو اپنے فوجی افسروں اور بہادر سرداروں سے چھپا نہیں سکتا چنانچہ اس نے ان سب سرداروں کو دربار میں حاضر ہونے کے لئے کھلا دیا۔ اس کے بعد کسریٰ نو شیر والے اپنا تاج سر پر پہنا اور شاہی تخت پر جا کر بیٹھ گیا اور سرداروں کو اطلاع کر دی۔ جب سب جمع ہو گئے تو اس نے ان سے کہا

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تم لوگوں کو کیوں بلایا ہے؟“

پیہم حیرتاک حولوش..... درباریوں نے کہا کہ تمہیں ہمیں معلوم نہیں ہے۔ جہاں پناہ ہی ہمیں بتلائیں گے۔ اچھی وہ یہ باتیں کر رہی رہے تھے کہ بادشاہ کے پاس (کسی دوسرے علاقے سے) ایک خط آیا جس میں (اس حیرتاک واقعے کی) اطلاع دی گئی تھی کہ (جس رات میں بادشاہ کا محل چھٹا تھا اسی رات میں ہمارے آتش کدوں (یعنی عبادت گاہوں) کی آگ بجھ گئی۔ (ی) کسریٰ کے پاس ایک خط ایلیا کے گورنر کا آیا کہ رات دریائے ساوہ کا پانی خشک ہو گیا۔ ایک خط شام کے گورنر کے پاس سے آیا کہ رات وادی ساوہ کا راستہ (زلزلہ کی وجہ سے) پھٹ کر ختم ہو گیا۔ اسی طرح ایک خط طبریہ کے گورنر کے پاس سے آیا کہ دریائے طبریہ میں اچانک پانی کا بہاؤ بند ہو گیا (ان میں سے ہر حادثہ اسی رات میں پیش آیا جس میں آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے اور یہ ساری علامتیں آپ کی پیدائش کی وجہ سے ہی ظاہر ہوئیں) چنانچہ کسریٰ کو لب تک اپنے ہی واقعے کا رنج و غم کم نہیں ہوا تھا کہ اچانک یہ سب اندوہناک خبریں ملیں جس سے اس کا غم اور گھبراہٹ اور زیادہ بڑھ گئی۔ آخر کسریٰ نے (یہ) سب خبریں سننے کے بعد (حاضرین کو وہ واقعہ سنایا جو خود اس کی پیش آیا تھا اور جس سے وہ بہت زیادہ خوفزدہ اور گھبرایا ہوا تھا۔ (ی) یعنی محل کا زلزلہ، اس میں شکاف پڑ جانا اور اس کو چودہ کھڑکیوں کا بغیر کسی کزوری کے گر پڑنا۔ یہ ساری باتیں سن کر موبدان یعنی اسی بڑے راہب نے کہا۔

”خدا بادشاہ کو سلامت رکھے میں نے بھی اس رات ایک خواب دیکھا تھا۔“

تحقیق کے لئے گورنر حیرہ کو فرمان..... اس کے بعد موبدان نے وہی اپنا لونٹوں والا خواب بیان کیا (جو) پچھلی سطروں میں ذکر ہو چکا ہے) کسریٰ نے یہ سب کچھ سن کر پوچھا

”وہ کیا بات ہو سکتی ہے (جس کی وجہ سے یہ حادثے پیش آئے ہیں)؟“

موبذلن نے کہا

”یہ کوئی ایسا واقعہ ہے جو عرب کے علاقے میں پیش آیا ہے۔ حیرہ میں جو آپ کا گورنر ہے آپ اس کے پاس پیغام بھیجئے کہ وہ اپنے علاقے سے (یعنی عربوں میں سے) کسی عالم کو آپ کے پاس بھیجے۔ یہ لوگ نئے پیش آنے والے حادثوں کے متعلق بہت علم رکھتے ہیں۔

(کسریٰ کو یہ مشورہ پسند آگیا اور) اس نے اسی وقت حیرہ کے گورنر کو یہ خط لکھا۔

”(یہ فرمان ہے) شہنشاہ کسریٰ کی طرف سے (حیرہ کے گورنر) نعمان امین مندر کے نام۔ تم میرے پاس اپنے کسی عالم کو بھیجو کیونکہ میں اس سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔“

مذراثن سے جابیہ تک کھلی..... (جب نعمان امین مندر کو یہ شاہی فرمان ملا تو) اس نے (ایک زبردست عالم اور کاہن) عبد اسحاق غسانی کو کسریٰ کے پاس بھیجا۔ (ی) یہ عبد اسحاق غسانی ان چند لوگوں میں سے ہے جس کی بہت زیادہ عمر ہوئی۔ یہ ڈیڑھ سو سال زندہ رہا۔ جب عبد اسحاق کسریٰ کے پاس پہنچا تو کسریٰ نے (اس کے علم کا امتحان لینے کے لئے) اس سے پوچھا کہ کیا تو جانتا ہے میں تجھ سے کس چیز کے متعلق پوچھنا چاہتا ہے۔ مگر عبد اسحاق نے یہ جواب دیا کہ جہاں پتا مجھ سے جو باتیں معلوم کریں گے اگر میں ان کو جانتا ہوں گا تو بتا دوں گا اور اگر نہیں جانتا ہوں گا تو ایسے آدمی کا نام بتا دوں گا جو ان باتوں کا جواب دے سکتا ہو۔ اب کسریٰ نے عبد اسحاق کو وہ واقعہ بتلایا جس کے متعلق معلومات کرنے کے لئے عبد اسحاق کو بلایا تھا۔ عبد اسحاق نے واقعہ سن کر کہا کہ اس بات کا جواب میرا ماموں دے سکتا ہے جو شام کے بالائی علاقے میں رہتا ہے۔ یعنی مشہور شہر جابیہ میں۔ اس عالم کا نام اسحاق ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے وہ سب باتیں پوچھو جو میں نے تم سے پوچھی ہیں۔ پھر ان سب کا جواب لیکن میرے پاس آؤ اور مجھے بتاؤ۔

جابیہ کا کاہن اسحاق..... عبد اسحاق اسی وقت شام کے لئے روانہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ (کچھ دن بعد وہ) اسحاق کے پاس پہنچا۔ جب عبد اسحاق اسحاق کے پاس پہنچا (تو اس کا آخری وقت قریب آچکا تھا اور وہ اپنی آخری سانسیں پوری کر رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت اسحاق کی عمر تین سو سال تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس وقت وہ سات سو سال کا تھا۔ (اگرچہ اسحاق کی عمر کے متعلق یہ روایتیں ہیں مگر شاید یہ زیادہ قابل اعتبار نہیں ہیں کیونکہ علامہ ابن جوزی نے (ان روایتوں کے باوجود اسحاق کو ان لوگوں میں شمار نہیں کیا جن کی بہت زیادہ عمریں ہوئی ہیں۔

یہ عجیب الخلقیت بوڑھا..... یہ اسحاق کاہن صرف ایک گوشت کے لٹو شکاری طرح کا تھا۔ یعنی اس کے نہ ہاتھ تھے نہ انگلیں اور پیر وغیرہ تھے اسی وجہ سے وہ بیٹھ نہیں سکتا تھا (بلکہ پڑا رہتا تھا)۔ ہاں جب اسے کسی بات پر غصہ آتا تھا تو اس کا بدن پھولنے لگتا تھا جس سے وہ اچانک خود بخود بیٹھ جاتا تھا۔ اس کا چہرہ اس کے سینے میں تھا (یعنی گردن بالکل عریض نہیں تھی بلکہ چہرے کی شکل اس کے سینے پر بنی ہوئی تھی) اسی طرح اس کے سر بھی نہیں تھا۔ کچھ مورخین لکھتے ہیں کہ سوائے سر کی ہڈی کے اس کے پورے بدن میں کہیں کوئی ہڈی نہیں تھی۔ ایک روایت یہ ہے کہ سوائے کھوپڑی اور ہاتھوں کی ہڈی کے اس کے پورے بدن میں نہ تو کہیں ہڈی تھی اور نہ پٹے اور اعصاب تھے۔ خلقت میں زن و مرد کے نطفے کا عمل..... انسان کے بدن میں ہڈی اور پٹوں کی بناوٹ کا ہے سے ہوتی

(ہے) اس کے متعلق آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث آگے آئے گی کہ (انسان کے بدن میں) مرد کے نطفے یعنی منی سے تو ہڈی اور پٹھے اور اعصاب بنتے ہیں اور عورت کے نطفے یعنی منی سے گوشت اور خون بنتا ہے۔ یہ بات آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کے سوال کے جواب میں فرمائی تھی۔ یہودیوں نے ایک مرتبہ آپ سے پوچھا کہ بچہ کن چیزوں سے بنتا ہے اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ بات بتلائی جو لوہر ذکر کی گئی۔ یہ سن کر ان یہودیوں نے کہا۔

”آپ سے پہلے بزرگ یعنی انبیاء بھی یہی کہتے تھے۔“

خلقت عیسیٰ..... یہاں یہ اذکار پیدا ہوتا ہے کہ اگر بدن میں ہڈی اور پٹھے مرد کے نطفے سے بنتے ہیں تو حضرت عیسیٰ جو صرف ایک نطفے سے پیدا ہوئے تھے یعنی اپنی والدہ حضرت مریم کے نطفے سے تو ان کے بدن میں ہڈیاں اور پٹھے کیسے بنے۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت مریم کے سامنے فرشتہ ایک نوجوان آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا تھا جس سے حضرت مریم کی ثبوت یعنی نطفہ ان کے رحم کے اندر اتر گیا تھا۔
تخلیق عیسیٰ بغیر نطفے کے..... حضرت عیسیٰ کی پیدائش اور تخلیق کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کی پیدائش اور تخلیق میں کسی بھی نطفے کا دخل نہیں تھا (یعنی وہ مرد یا عورت کسی کے بھی نطفے سے نہیں بنے ہیں) پہلی بات کے متعلق (کہ حضرت عیسیٰ صرف اپنی والدہ کے نطفے سے بنے ہیں) شیخ محی الدین ابن عربی نے وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حکماء اس بات کو نہیں مانتے کہ مرد یا عورت میں سے کسی ایک کے نطفے سے بچہ بن سکتا ہے۔ مگر حضرت عیسیٰ کی تخلیق سے ان حکماء کا قول غلط ہو جاتا ہے کیونکہ وہ صرف اپنی والدہ کے نطفے (یعنی منی) سے بنے ہیں اور یہ اس طرح ہوا کہ جب حضرت مریم کے سامنے فرشتہ ایک حسین و جمیل انسان کی صورت میں آیا تو ان کو دیکھنے سے حضرت مریم کو ایک شدید لذت کا احساس ہوا اور اس کے ساتھ ہی ان کا نطفہ (یعنی مادہ منی) ان کے رحم میں اتر گیا چنانچہ اسی مادہ سے حضرت عیسیٰ کی تخلیق ہوئی جو حضرت مریم میں ایک ہجان انگیز لذت کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ اور اسی طرح حضرت عیسیٰ صرف اپنی والدہ کے نطفے سے بنے۔ یہاں تک شیخ ابن عربی کا کلام ہے۔

(اس تفصیل کے بعد پھر اصل واقعے یعنی سطح کاہن کے متعلق بیان کرتے ہیں جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ اس کا چہرہ اس کے سینے پر تھا۔ اس حیرت ناک بات کے متعلق کہتے ہیں) سطح کے بارے میں جو یہ بات کہی گئی کہ اس کا چہرہ اس کے سینے پر تھا۔ یہ صرف سطح کی ہی خصوصیت نہیں تھی کیونکہ نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ عروذی الاذعار نامی ایک شخص تھا قادی الاذعار عمر و کا لقب تھا جس کے معنی ہیں خوفناک چیزوں والا (اس کا یہ لقب اس لئے پڑا کہ اس نے ایک ایسی قوم کو پکڑ کر اپنا قیدی بنالیا تھا جن کے چہرے ان کے سینوں پر تھے۔ لوگ ان قیدیوں کو دیکھ کر بے حد خوفزدہ ہوئے یہ عمر و حضرت سلیمان ابن داؤد کے زمانے میں تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان سے تھوڑے زمانے پہلے تھا حضرت سلیمان کے بعد ان کی بیوی بلقیس نے حکومت سنبھالی۔ اس وقت عروان قیدیوں کو (لوگوں کے ڈرنے کی وجہ سے) قتل کر چکا تھا۔

سج سے پوچھنے کا طریقہ..... (غرض سینے پر چہرہ ہونے کی یہ بھی ایک خصوصیت صرف سطح کی ہی نہیں تھی بلکہ قدیم زمانے میں ایک پوری قوم ہی ایسی تھی ہر حال چونکہ سج کے ہاتھ پیر اور گردن وغیرہ نہیں تھے اور وہ

صرف گوشت کا ایک ٹکڑا تھا جو نہ چل سکتا تھا اور نہ حرکت کر سکتا تھا اس لئے اس کے واسطے ایک کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کا ایک پلنگ بنوایا گیا تھا۔ جب اس کو کسی ضرورت سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا ہوتا تو اس کے پیروں سے لے کر (یعنی پیروں کی جگہ سے لے کر) پہلی تک اس کو اس طرح لپیٹ دیا جاتا جس طرح کپڑے کو لپیٹ دیا جاتا ہے (کیونکہ سطح کے بدن میں ہڈیاں نہیں تھیں اس لئے اسے اس طرح لپیٹ دیا جاتا تھا اور پھر اسے اس پلنگ پر ڈال کر جہاں لے جانا ہوتا وہاں پہنچا دیا جاتا تھا۔ جب اس سے اگلی چھلی اور چھپی ہوئی ہاتھیں معلوم کرنی ہوتیں تو سطح کو اس طرح ہلایا جاتا جیسے کھن نکالنے کے لئے دودھ کو برتن میں ڈال کر ہلایا جاتا ہے۔ اس طرح ہلانے سے سطح کے اندر ایک بیچان پیدا ہوتا اور اس کا سانس تیزی سے چلنے لگتا۔ اس وقت اس سے جو کچھ پوچھنا ہوتا پوچھا جاتا اور وہ فوراً اس کا جواب دیتا تھا۔ سطح کی کھوپڑی اس قدر نرم اور ملائم تھی کہ اگر اس کو ہاتھ یا کسی چیز سے چھوا جاتا تو اس پر گڑھا سا پڑ جاتا تھا۔

سطح مشہور کاہنہ کا جانشین..... کہا جاتا ہے کہ سطح عرب کا پہلا کاہن تھا (یعنی جس نے اپنی شہرت حاصل کی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سطح کاہن اپنے ساتھی شق نامی کاہن سے بڑھا ہوا تھا۔ جس کا ذکر چاہہا زحرم کی کھدائی کے واقعہ میں گزر چکا ہے کہ عبد المطلب اور قریش کے دوسرے لوگ جس کاہنہ عورت کے پاس اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے گئے اس نے (مرتے وقت اپنے دونوں چیلوں یعنی شاگردوں) سطح اور شق کے منہ میں تھوکا تھا اور کہا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد سطح اس کا جانشین ہوگا۔ (یہ واقعہ اس وقت کا ہے اور سیرت حلبیہ اردو کی قسط دوم میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ جب عبد المطلب نے زحرم کا کتواں کھودا جس کے متعلق انہیں خواب میں بشارت ہوئی تھی تو قریش کے لوگ زحرم پر اپنا حق بھی جتانے لگے مگر عبد المطلب نے کہا کہ میں نے تم لوگوں کی مدد کے بغیر یہ کتواں کھودا ہے اس لئے اس پر میرے سوا کسی کا حق نہیں ہے۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ دونوں فریق اپنا جھگڑا اپنی سعد ابن ہذیم کی ایک کاہنہ عورت سے طے کرائیں جس کی بہت شہرت تھی۔ یہ کاہنہ شام کے بالائی علاقے میں رہتی تھی سطح اور شق اسی کاہنہ کے شاگرد اور چیلے تھے۔ اس کاہنہ کے یہ دونوں چیلے عجیب و غریب اور ہیبت ناک تھے کہ سطح تو ایک گوشت کے لوٹھرے کی شکل میں تھا جس کے بدن میں نہ ہڈیاں تھیں اور نہ گردن اور نہ ہاتھ پیر وغیرہ تھے، دوسرا چیلہ شق تھا جس کا بدن سر سے لے کر پیر تک آدھا تھا یعنی آدھا چہرہ اور اس کے نیچے آدھی گردن، ایک ہاتھ اور ایک ٹانگہ اور پیر۔ عبد المطلب وغیرہ اس کاہنہ کے پاس اس وقت پہنچے تھے جب وہ موت کے کنارے آچکی تھی۔ اس نے سطح اور شق کے منہ میں تھوکا اور سطح کے ہارے میں اعلان کیا کہ وہ اس کے بعد اس کا جانشین ہوگا۔

سطح فن کہانت کا باپ..... بعض مورخین نے لکھا ہے کہ کہانت کے فن میں سطح سے زیادہ عالم اور ماہر کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔ یہ سطح غسان میں تھا۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ سطح (آنحضرت ﷺ) کے زمانے میں نہیں تھا بلکہ یہ نزار ابن سعد ابن عدنان کے زمانے میں تھا (یہ عدنان وہی ہیں جن تک آنحضرت ﷺ کے نسب کا سلسلہ تحقیق کے ساتھ معلوم ہے جیسا کہ گذشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے۔ ہر حال جو مؤرخ سطح کو نزار ابن سعد ابن عدنان کے زمانے میں مانتے ہیں کہہ سکتے ہیں کہ سطح نے ہی نزار کی لولاد یعنی مضر اور اس کے بھائیوں میں ان کے باپ کی میراث تقسیم کی تھی (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزار کی لولاد میں باپ کے ترکہ کی تقسیم پر جھگڑا ہوا تھا)۔

سُح کی طویل عمر..... (پچھلی سطروں میں ذکر ہوا ہے کہ سُح کا ہن کی عمر سات سال ہوئی ہے۔ اب اس روایت سے کہ سُح نزار کے زمانے میں تھا اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ سُح کی عمر سات سو سال ہوئی ہوگی (کیونکہ آنحضرت ﷺ اور نزار کے درمیان تقریباً ستر ہی سال کا عرصہ ہوگا)

یہ لوگ کاہنوں میں بہت لمبے درجے کے فنکار اور مگر اور ٹھوس علم رکھنے والے لوگ تھے۔ (یہاں مراد ہیں بنی سعد امین ہذیم کی کاہنہ، سُح، اور شق) کیونکہ یوں تو (دوسرے بھی کاہن تھے مثلاً) بنی حنیفہ میں مسیلہ کذاب تھا (جس نے آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں خود بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس کا بیان آگے آئے گا) اسی طرح قبیلہ بنی حنیفہ میں ایک عورت جراح تھی جو کاہنہ تھی (اس نے بھی آنحضرت ﷺ کے مقابلے میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اس کے متعلق بھی تفصیلات آگے آئیں گے) جراح نام کی ہی ایک دوسری عورت بھی کاہنہ تھی جو قبیلہ بنی سعد میں سے تھی۔

کلمات کی حقیقت..... کلمات کا مطلب جیسی ہوئی باتوں کے متعلق بتانا اور ان کی پہلے ہی خبر دینا ہے۔ کلمات کا تعلق انسان کے نفس سے ہوتا ہے نفس میں اس کی صلاحیت ہوتی ہے کہ اس کو نفسانیت (اور پستی سے اروجانیت اور بلند ی کی طرف موڑا جاسکتا ہے اور روحانیت، نفس کے مقابلے میں بلند ہوتی ہے) قاصد کسری سُح کے پاس..... (اس تفصیل کے بعد پھر اصل قصہ کا ذکر کرتے ہیں جو عبدالحج کے پاس جانے کا واقعہ ہے چنانچہ شاہ کسری کی طرف سے عبدالحج ملک شام میں سُح کے پاس پہنچا جو اس وقت اپنے آخری سالوں پورے کر رہا تھا) عبدالحج نے وہاں پہنچ کر سُح کو سلام کیا اور اس سے باتیں کیں مگر سُح نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر عبدالحج نے سُح کے سامنے کچھ شعر پڑھے جن میں سے ایک مصرعہ یہ ہے:-

أَصَمَّ ام يَسْمَعُ غَطْرِيفَ الْبَعْنِ

سبیل سکتہ حیدرہ العلیف آباد

یعنی یمن کا سر دار ہمارا ہو گیا ہے یا میری بات سن رہا ہے

جب سُح نے عبدالحج کے یہ شعر سنے تو اس نے اپنا سر اٹھایا (یہاں سر اٹھانے کا ذکر ہے جبکہ پچھلی سطروں میں گزر چکا ہے کہ سُح کے سر تھا ہی نہیں اس اذکار کو صاف کرتے ہیں)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- یہاں سُح کے سر کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ اس سے پہلے اس کے سر نہ ہونے کے بارے میں بتلایا گیا ہے۔ اس بارے میں یہ جواب دیا جاتا ہے کہ سر کا لفظ ہونے سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے سر سے مراد چہرہ ہو۔ پچھلے صفحات میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ سُح کے بدن میں سونے اس کی کھوپڑی کے کہیں کوئی بڑی نہیں تھی۔ اس بات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سر تھا۔ اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ دوسروں کے سروں کے مقابلے میں چونکہ اس کی کھوپڑی اور سر اتنا لمبا تھا کہ اس میں ہاتھ ٹکراتے تھے گڑھا پڑ جاتا تھا اس لئے (اس کے سر ہونے سے انکار کیا گیا اگرچہ سر موجود تھا چونکہ ہونے کے برابر تھا کہنا جاسکتا ہے کہ اس کے سر تھا بھی اور نہیں تھا واللہ اعلم۔

بغیر پوچھے سُح کا جواب..... غرض (سُح نے عبدالحج کے شعر سن کر سر اٹھایا اور (عبدالحج کے بتلانے سے پہلے اس کے آنے کا مقصد بتاتے ہوئے) کہا

عبدالحج ایک تیز رفتور فلولٹ پر سوار ہو کر سُح کے پاس آیا جبکہ سُح قبر کے کنارے پہنچ چکا ہے۔ تجھے شاہ ساسان نے بھیجا ہے اور اس لئے بھیجا ہے کہ اس کا محل لرزاں تھا اور آتش کدوں کی آگ بجھ گئی اور موبدان

(یعنی بڑے عابد) کے ایک خواب کی وجہ سے بھیجا ہے جس میں اس نے دیکھا ہے کہ کمزور لونٹ عربی گھوڑوں کو ہٹا رہے ہیں اور انہوں نے دریائے و بطل کو پار کر لیا ہے اور وہ دریائے و بطل کے علاقے کے شہروں میں پھیل گئے ہیں۔

اے عبدالمسح اگر خلاوت یعنی قرآن پاک کی تلاوت بڑھ گئی (یعنی مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی) اور عصا یعنی چھڑی لے کر چلنے والا (مر لو ہیں آنحضرت ﷺ) ظاہر ہو گیا اور دریائے سادہ خشک ہو گیا اور قارس کی آگ بجھ گئی (یعنی جو سی ندھب ختم ہو گیا) تو جانشینوں کے مقابلے میں گھوڑوں کو کوئی حیثیت نہیں رہے گی اور نہ سطح کے لئے ملک شام، شام رہے گا، ان ہی میں سے (یعنی فارسیوں میں سے) اپنے اپنے مرتبے کے اعتبار سے کچھ بادشاہ اور ملکہ ہوں گے مگر جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

اس کے بعد سطح اسی وقت مگر گیا۔

سطح نے حضور کو عصا والا کہا..... (پچھلی سطروں میں عصا والے کا ذکر ہوا ہے) عصا سے مراد موٹی چھڑی ہے اور عصا والے سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں کیونکہ آپ چلنے کے دوران اکثر ہاتھ میں عصا کھاکرتے تھے اور اس کو اپنے سامنے رکھتے تھے۔ نماز کے وقت اس عصا کو اپنے سامنے کھڑا کر کے نماز پڑھاکرتے تھے (یعنی سترہ کے طور پر تاکہ سامنے سے گزرنے والوں کی وجہ سے نماز میں خلل نہ ہو اور گزرنے والوں کو بھی تکلیف نہ ہو۔

عصا مومن کی علامت..... (عصا ہاتھ میں لے کر چلنے والوں کی فضیلت احادیث میں آئی ہے) ایک حدیث میں ہے کہ عصا لے کر چلتا مومن ہونے کی علامت ہے اور نبیوں کی سنت ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد عصا لے کر نہیں چلا وہ (بڑائی اور غرور ظاہر) کرتا ہے۔

بہر حال یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عصا سے سطح کی مراد (بھٹن چھڑی نہیں ہے جس کو سردارے کے طور پر ہاتھ میں لے کر آدمی چلا ہے بلکہ وہ عصا ہے جس کو آپ نماز کے وقت اپنے سامنے کھڑا کر لیا کرتے تھے۔ ایسا آپ ﷺ اس وقت کرتے تھے جبکہ مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز پڑھتے تھے۔ یہ عصا (جو نماز کے وقت سامنے کھڑا کرنے کے لئے ساتھ لیا جائے) آنحضرت ﷺ سے پہلے نبیوں میں سے کوئی نہیں رکھتے تھے۔

کسریٰ کے خواب میں عصا والا..... علامہ طبری نے لکھا ہے کہ قارس کے بادشاہ پرویز ابن ہر حر نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ اس کے پاس ایک شخص آیا اور اس سے بولا۔ کہ تیرے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ عصا والے کو دے دے۔ اس خواب کے بعد سے شاہ پرویز سخت خوفزدہ اور گھبراہٹا ہوا رہا تھا یہاں تک کہ آخر اس کو اس کے گورنر نعمان ابن منذر نے مکے میں آنحضرت ﷺ کے ظہور کی اطلاع دی اس وقت شاہ پرویز سمجھ گیا کہ یہ سلطنت جلد ہی اس غمی کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی۔

کاہن کی موت..... غرض جب عبدالمسح کو جواب دے کر سطح ابن مریم آیا تو عبدالمسح اٹھ کر اپنی سواری پر سوار ہوا اور کچھ شعر پڑھنے لگا جس میں سے چند یہ ہیں:-

شمس فالتک ماضی العزم شمیر
ولا یفونک تلفیق و عھیر

ترجمہ: سمیٹ لے اس لئے کہ تو اپنے لڑوہ کو ضرور پورا کرتا ہے، محلات کی تبدیلی اور انتظار تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے۔

والناس اولاد علانت فمن علموا
ان قلا قتل لمحورده مهورا

ترجمہ: تمام انسان علانی اولاد ہیں (یعنی جن کا باپ ایک ہے اور ماں میں مختلف ہیں) اب ان میں سے جس کو بے عزت کر دیا گیا وہ ذلیل اور تنہا ہو گیا۔

وهم بنو الام اما ان راوا نشا
فلاک بالغیب محفوظ و منصور

اور سب انسان ایک ماں کی اولاد ہیں مگر ان میں سے جو شخص ہمت کر کے آگے بڑھتا ہے اس کی غیب سے حفاظت اور مدد کی جاتی ہے۔

والخیر والضر مغرونان فی قرن
فالخیر متبع والضر محذور

بھلائی اور برائی دونوں اسی دنیا میں پائی جاتی ہیں مگر بھلائی کو اختیار کیا جاتا ہے اور برائی سے بچا جاتا ہے۔
کسریٰ تک تباہ کن پیشینگو نبی..... اس کے بعد عبداللہ کو ایس کسریٰ کے پاس کیا اور جو کچھ سچ گنے کہا تھا وہ بادشاہ کو بتایا (یعنی ایک عسaulے نبی ﷺ ظاہر ہوں گے جو عرب و شام پر چھا جائیں گے اور تمہارے لو پر حاکم ہوں گے..... اور یہ کہ جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ کسریٰ نے غالباً دوسرے کانوں سے بھی معلومات کی تھیں چنانچہ اس نے عبداللہ کی بات سن کر کہا۔

”عرب کے نبی کا قارس پر اس وقت تک قبضہ نہیں ہوگا جب تک کہ ہم میں سے چودہ (یعنی فارسیوں میں سے) چودہ شخص بادشاہ نہیں بن جاتے۔“

پیشینگو کی خلافت عثمان میں پوری..... (یعنی اگرچہ یہ سلطنت فارسیوں اور مجوسیوں کے ہاتھوں سے نکل کر اس نبی کی امت میں پہنچ جائے گی مگر ابھی ایسا ہونے میں بہت مدت باقی ہے کیونکہ ابھی قارس کے ہی چودہ آدمی اور بادشاہت کریں گے۔ کسریٰ اس سے یہ سمجھ کر مطمئن ہو گیا تھا کہ چودہ بادشاہتوں کے لئے بہت لمبی مدت درکار ہوتی ہے کوئی بادشاہ دس سال حکومت کر سکتا ہے کسی کی حکومت تیس سال چالیس سال رہ سکتی ہے اور کسی کی حکومت پچاس ساٹھ سال بھی ہو سکتی ہے اس طرح چودہ بادشاہوں کے لئے بہت لمبی مدت اور کئی صدیاں درکار ہیں۔ اس طرح فوری پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے) مگر یہ تو ہوا کہ اس کے بعد چودہ دوسرے بادشاہ ہوئے) لیکن ان میں سے دس کا زمانہ تو صرف چار سال میں پورا ہو گیا اور باقی چار بادشاہ حضرت عثمان غنی کی خلافت کے زمانے میں حکومت کر کے اپنا وقت پورا کر گئے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ان میں سے آخری (یعنی کسریٰ نو شیر وال کے بعد سے چودہ ہوں) بادشاہ حضرت عثمان غنی کی خلافت کے شروع ہی میں ہلاک ہو گیا (اور اس طرح اٹنی مدت میں چودہ بادشاہ ہو کر مر رہے جتنی مدت صرف ایک دو بادشاہ ہوں کی حکومت ہو سکتی ہے)۔

(ی) قارس میں مجوسیوں کی حکومت تین ہزار ایک سو چھالیس سال رہی۔

نبی کے خوف سے کسریٰ کا عربوں پر ظلم..... قارس کے سامانی بادشاہوں میں ایک بادشاہ ساہور ہوا ہے جس کا لقب ذوالاکتاف یعنی موڑھوں والا تھا اس کا یہ لقب اس لئے پڑا کہ عربوں میں سے جس کسی پر بھی اس کو غلبہ اور کامیابی حاصل ہوتی تو شاہ ساہور اس شخص کے موڑھے اترو دیتا تھا۔ ایک مرتبہ جب اس نے عرب پر حملہ کیا اور وہ قبیلہ بنی تمیم کے علاقے میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سب لوگ اس سے اور اس کے لشکر سے ڈر کر

بھاگ گئے ہیں صرف ایک شخص عمیر ابن حمیم وہاں موجود ملا جس کی عمر تین سو سال ہو چکی تھی (اور اسی وجہ سے وہ وہاں سے بھاگ بھی نہیں سکا کہ وہ کمزوری کی وجہ سے بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا بلکہ کھجور کی ٹوکر کی ایک جمولے میں لٹکا رہتا تھا۔ شاہ ساہور کے سپاہی اس بوڑھے کو پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لائے۔ ساہور نے اس بوڑھے یعنی عمیر سے کچھ بولنے کے لئے کہا۔ جب عمیر نے بات کی تو شاہ ساہور کو معلوم ہوا کہ بوڑھا عمیر نہایت شائستہ اور مہذب گفتگو کرتا ہے اور بہت عالم آدمی ہے۔ عمیر نے ساہور سے کہا۔

”اے بادشاہ! تو نے عربوں کے ساتھ یہ معاملہ کیوں کیا؟“
ایک عرب کی کسریٰ کو فمائش..... کسریٰ ساہور نے جواب دیا۔

”اس لئے کہ عرب سمجھتے ہیں کہ ہماری سلطنت (یعنی فارس کی سلطنت) ایک ایسے نبی کے ہاتھوں ان کے قبضے میں چلی جائے گی جو آخری زمانے میں ظاہر ہوگا۔“

اس پر عمیر نے جواب دیا۔

بادشاہوں جیسی رولڈاری اور عظمتی تم میں کیوں نہیں ہے (تم نے عربوں کو ستانے سے پہلے یہ کیوں نہیں سوچا کہ اگر یہ پیشین گوئی غلط ہے تو شہس اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور اگر سچ ہے تو تمہارے اچھے معاملے کی وجہ سے اپنے دور میں کچھ تمہارے ساتھ بھلائی کریں گے۔ تم ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں نہیں کرتے کہ اپنے دور میں وہ تمہیں اس کا اچھا بدلہ دیں اور آج تمہاری حکومت میں تمہاری عزت اور احترام کریں!)“
 (ساہور کسریٰ کے یہ بات سمجھ میں آئی اور کچھ داپس لوٹ گیا۔ اس کے بعد اس نے عربوں سے الگ ہوا چھوڑ دیا بلکہ اس واقعہ کے بعد وہ ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے لگا۔

(گذشتہ صفحہ میں مسیح کا ہن کا یہ قول گذرا ہے کہ فارسیوں میں مرد اور عورتیں بادشاہ ہوں گے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ) میں اس واقعہ نہیں کہ ان میں کوئی عورت بھی بادشاہ ہوئی۔ ہاں ایک عورت بادشاہ بنی جس کا نام ”بوران“ تھا جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے اس سلسلے میں فرمایا۔
 ”وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے ایک عورت کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور دے دی۔“

یہ عورت بوران ایک سال تک بادشاہ بنی اس کے بعد یہ مر گئی۔

بڑے کو لے کر دوا کی حرم میں دعا..... ان ضمنی واقعات کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت حال بیان کرتے ہیں کہ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی پیدائش ہوئی تو آپ ﷺ کی لدہ حضرت آمنہ نے عبدالمطلب کو خبر بھیجی کہ آپ کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے اس کو اگر دیکھ لیتے۔ عبدالمطلب رائے اور اگر بچہ کو دیکھا۔ پھر حضرت آمنہ نے جو کچھ (آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت دیکھا تھا وہ ان سے بیان کیا۔ عبدالمطلب آپ کو گود میں لے کر کچھ میں آئے۔ (ی) جہاں وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے رہے۔ (ی) اور ان کے گرد لے آئیں کہتے رہے۔ عبدالمطلب نے اللہ کی اس دین اور نعمت پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد عبدالمطلب آپ کو لے کر واپس حضرت آمنہ کے پاس آئے اور بچہ کو ان کے حوالے کیا۔

پچھلے صفحات میں ہم نے اس کے بیان کرنے کے متعلق وعدہ کیا تھا کہ یہ روایت آگے آئے گی۔ نیز بابائے میں جو اختلاف ہے وہ بھی گزر چکا ہے۔

پالنے میں نکیر و حمہ..... (قال) آنحضرت ﷺ نے ولادت کے بعد شروع کے دنوں میں ہی

جھولے میں کلام فرمایا آپ نے جو پہلا کلمہ بولا وہ یہ تھا
 اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا (یعنی اللہ تعالیٰ سب سے بڑا اور بزرگ و برتر ہے اور اس کی تعریفیں
 بے شمار ہیں۔)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- پچھلے صفحات میں یہ روایت گزری ہے جس کو سہیلؒ نے واقعہ سے نقل
 کیا ہے کہ اپنی والدہ کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد آپ نے یہ کلمہ فرمایا تھا۔ جلال ربی الوضیع یعنی میرے بلند و
 برتر پروردگار کے جلال کی قسم ہے۔ نیز یہ بھی گزرا ہے کہ ماں کے پیٹ سے باہر تشریف لانے کے بعد آپ نے
 جو کلمہ فرمایا وہ یہ تھا۔

اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا وَسُبْحَانَ اللَّهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے ہر عیب سے
 پاک ہے صبح اور شام۔) (ان تینوں روایتوں کے حعلق کہتے ہیں کہ) ممکن ہے آپ نے یہ کلام کئی مرتبہ یعنی ماں
 کے پیٹ سے باہر آنے کے وقت، ولادت کے وقت (یعنی فوراً بعد) اور جھولے میں لٹائے جانے کے وقت فرمایا
 ہو۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ آپ نے تیسری مرتبہ (کے کلام) میں وَسُبْحَانَ اللَّهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا بھی فرمایا۔ اب
 گویا یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہوئی کہ ماں کے پیٹ سے نکلنے کے وقت بھی آپ نے کلام فرمایا۔ اس
 خصوصیت میں سوائے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت نوحؑ کے دوسرے کوئی نبی آپ کے شریک نہیں ہیں اس کا
 تفصیل آگے آئے گی۔

جہاں تک جھولے میں آپ کے کلام فرمانے کا سوال ہے تو اس کے حعلق آگے بیان آئے گا کہ ممکن
 ہے جھولے میں گفتگو کرنے سے مراد (یہ نہ ہو کہ آپ ﷺ نے جھولے میں لیٹے ہوئے ہی کلام فرمایا بلکہ یہ مراد
 ہو کہ) آپ نے اس عمر اور زمانے میں کلام فرمایا جس میں عام طور پر بچے گفتگو اور بات نہیں کر سکتے۔ یہ بھی کہ
 جاتا ہے کہ یہ کلام (یعنی اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا) جس کے حعلق کہا گیا ہے کہ آپ نے جھولے میں
 فرمایا تھا یہ کلام) آپ ﷺ نے دودھ چھونٹنے کے وقت فرمایا تھا۔
 (اسی سلسلے میں) یہ بھی گزر چکا ہے کہ آپ نے پیدائش کے وقت الحمد للہ کہا تھا جس کے حعلق بعض
 محققین کا خیال ہے کہ آپ کو چونکہ چھینک آئی تھی اس لئے آپ نے یہ کلمہ فرمایا اس میں جو اشکال تھا وہ بھی
 بیان ہو چکا ہے۔

یہ بھی بتا جاسکتا ہے کہ آپ نے ولادت کے وقت یہ تینوں کلمے فرمائے ہوں یعنی جلال ربی الوضیع اور
 اللَّهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ ان میں سے کون سا جملہ پہلے فرمایا اور کون
 بعد میں فرمایا اس کا جائزہ روایتوں پر موقوف ہے چنانچہ ان کے بولنے میں اولیت یعنی یہ کہ پہلے کون سا کلمہ فرمایا
 تو حقیقی ہو گی اور یا اضافی ہو گی (یعنی تینوں میں سے ایک کے مقابلے میں پہلے اور دوسرے کے مقابلے میں بعد
 میں) یہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ آپ کے جلال ربی الوضیع فرمانے کو اللہ اکبر کبیرا اور الحمد للہ کثیرا۔
 مقابلے میں جو اولیت اور پہل ہے وہ اضافی ہے (یعنی ایک کے مقابلے میں پہلے اور دوسرے کے مقابلے میں بعد
 میں)۔

پالنے میں بولنے والے بچے..... (قال) جن لوگوں نے جھولے میں جھولنے کی عمر میں کلام کیا وہ بہت
 حضرات ہیں جن کے ناموں کو علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے چار شعروں میں جمع کیا ہے وہ شعر یہ ہیں:-

تکلم فی المہذا النبی محمد
وہی و عیسیٰ و الخلیل و مریم

ترجمہ: گوارہ میں آنحضرت ﷺ نے کلام فرمایا
”اور حضرت عیسیٰؑ بھی“ عیسیٰؑ ہمارا چچ اور مریمؑ نے

ومیری جو بیچ نم شاهد یوسف
وظفل للی الاخلدود یروہ مسلم

اور اس بچے نے جس نے کر برأت کی تھی جرج کی اور اس نے کہ جس نے گواہی دی تھی حضرت
یوسفؑ کی اور اس نے کہ جس نے کلام کیا تھا کھائی کے پاس جیسا کہ امام مسلم کی روایت ہے۔

وظفل علیہ مر بالامۃ النبی
یقال لہائزنی ولا تکلم

اور اس بچے نے جسے اس کی ماں لے کر گزری تھی جس کے بارے میں سب کہتے تھے کہ یہ بدکار ہے
مگر وہ خود کچھ نہ بولتی تھی۔

وما شطۃ فی عہد فرعون طفلہا
وفی زمن الہادی المبارک یختم

اور فرعون کے زمانے میں ایک عورت باطلہ کے بچے نے کلام کیا اور امیر المومنین ہادی کے دور میں
بھی ایک بچے نے کلام کیا۔

ایک نو مولود اور ماں کی برأت..... (اس طرح یہ کل گیارہ بچے ہیں جنہوں نے جھولا جھولنے کی عمر میں
کلام کیا ان کی تفصیل اگلی سطروں میں آ رہی ہے) لیکن اس سلسلے میں ایک حدیث ہے اس میں رسول اللہ ﷺ
نے (بچپن میں کلام کرنے والوں میں) صرف تین نام گناے مگر اس میں آنحضرت ﷺ نے خود اپنے کو نہیں فرمایا
وہ حدیث یہ ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس کی سند آنحضرت ﷺ تک پہنچتی ہے۔

”جھولے میں جن بچوں نے کلام کیا وہ صرف تین ہیں ایک حضرت عیسیٰؑ، دوسرے حضرت جرج
(ان کے متعلق تفصیل آ رہی ہے) اور تیسرا اس عورت کا لڑکا جس کے پاس سے ایک عورت گزری جس کے
بارے میں لوگ الزام لگاتے تھے کہ اس نے زنا کیا (مگر حقیقت میں وہ عورت پاکدامن اور پاکیزہ تھی۔ چنانچہ اللہ
تعالیٰ نے اس کی پاکیزگی اس طرح ظاہر فرمائی کہ ایک معصوم بچے نے اس عورت کی پاکدامنی کی گواہی دی۔

لام بخاری نے اس واقعہ کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ نبی اسرائیلؑ کی ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا
رہی تھی، اس کے سامنے سے ایک سوار گزرا بڑی شان کا اور ان ہاں کا سوار تھا۔ عورت نے اس کو دیکھا تو دعا کی
کہ خدواندا! اس بچے کو اس جیسا کر دے۔ بچے نے فوراً دودھ چھوڑا اور کہا:-

”خدواندا! مجھے اس جیسا نہ بنا۔“

کچھ دیر بعد وہاں سے ایک باندی گزری۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہاں سے ایک باندی اس حالت میں
گزری کہ لوگ اس کو کھینچتے ہوئے لے جا رہے تھے۔ اس کی زبان سے نکلا، خدواندا! میرے بچے کو اس جیسا نہ کرنا
بچے نے اس دعا کے جواب میں فوراً پھر وہاں کا دودھ چھوڑا اور دعا کی۔

”خدواندا! مجھے اس جیسا نہ بنا۔“

ماں نے بچے سے حیران ہو کر کہا کہ یہ الٹی دعا کیسی؟

بچے نے جواب دیا کہ ابھی جو سوار گزرا تھا (وہ ظاہر میں تو بڑی آن بان کا تھا مگر) یہ اظالم اور سرکش بادشاہ ہے جس کا انجام بہت زیادہ خراب ہوگا۔ اور یہ باندی جو گزری وہ (بظاہر تو بہت بری حالت میں ہے مگر) بے قصور اور پاکدامن ہے۔ لوگ اس پر الزام لگاتے ہیں کہ اس نے چوری کی، ہذا کیا مگر یہ باندی کوئی جواب نہیں دیتی بلکہ صرف یہ کہتی رہتی ہے کہ

”حَسْبِيَ اللَّهُ مجھے بس اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔“

حضرات علماء نے یہاں ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ اہل حقیقت کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے اور اہل ظاہر صرف دنیاوی بھڑک اور تب و تاب کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں، جیسا کہ جب عام لوگوں نے قادون کو دیکھا تو اس کی دولت سے ان کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں اور وہ کہنے لگے کاش یہ دولت جو قادون کو میسر ہے ہمیں بھی ملی ہوتی۔ مگر جن کی نگاہیں حقیقت پر تھیں انہوں نے ان جلد باز دعا کرنے والوں سے کہا۔

”تمہارا براہویہ دنیا چند روزہ ہے تمنا ثواب کی کرنی چاہئے اللہ تعالیٰ کے یہاں ثواب ہمیشہ رہنے والا ہے۔“

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے خود اپنا اور دوسروں کا ذکر نہیں کیا (اس کا جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ صرف تین آدمیوں کا ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں کے تین بچے جنہوں نے جھوٹے میں کلام کیا۔ یا پھر یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ بعد میں آپ نے ایسے لوگوں میں جن کا اضافہ فرمایا ان کے متعلق آپ کو اس وقت تک (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) خبر نہیں دی گئی تھی۔

بولنے کے وقت عیسیٰ کی عمر..... کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے جس وقت کلام کیا اس وقت وہ صرف ایک رات کے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس وقت وہ چالیس دن کے تھے۔ انہوں نے جب کلام کیا تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے لوہی کو اواز کے ساتھ فرمایا۔

”میں اللہ کا بندہ ہوں۔“

واقعہ مریم و عیسیٰ..... حضرت عیسیٰ نے یہ کلام اس وقت کیا تھا جب کہ..... ایک روز بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کا حضرت مریم کے پاس گزرا ہوا۔ اس وقت حضرت مریمؑ حضرت عیسیٰ کو گود میں لئے ہوئے تھیں۔ ان اسرائیلیوں کو (چونکہ خبر تھی کہ حضرت مریمؑ کنواری ہیں اس لئے ان کی گود میں بچہ دیکھ کر انہیں بہت تعجب ہوا اور انہیں کہیے بات بہت بری لگی۔) جب انہوں نے حضرت مریمؑ سے اس کے متعلق پوچھ گچھ کی تو انہوں نے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس سے ہی پوچھ لو۔ اسرائیلی حیرت اور تعجب میں پڑ گئے اور انہوں نے اپنے منہ پیٹتے ہوئے کہا کہ کیا ہم جھوٹے میں پڑے ہوئے ایک بچے سے بات کریں۔ اس کے جواب میں حضرت عیسیٰ نے جو کچھ کہا اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے۔

میں نے اس واقعے کو حراج کے واقعہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنی پیدائش کے دن جوابات کی اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ ان کی والدہ حضرت مریمؑ کے ساموں یوسفؑ (جو جب ایک روز حضرت مریمؑ نہیں ملیں تو وہ ان کی تلاش میں نکلا۔ حضرت مریمؑ اس وقت زچگی کی تکلیف میں مبتلا ہو رہی تھیں اور اس کی وجہ سے بیت المقدس سے باہر ایک سوکھے ہوئے درخت کے نیچے بیٹھ گئیں۔ ان کی برکت سے وہ درخت اسی وقت ہرا ہوا گیا اور اسی کے سرسبز شاخیں لٹکنے لگیں اور اس کے نیچے سے ایک پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ حضرت مریمؑ نے

اسی جگہ حضرت عیسیٰ کو جنم دیا۔ (یوسف نجات حضرت مریم کو ڈھونڈ رہا تھا ہوا میں پھنسا ہوا تھا اس حال میں پلا تو اسے یہ بات بہت بری معلوم ہوئی مگر حضرت عیسیٰ جو اسی وقت پیدا ہوئے تھے فوراً بول اٹھے)

”خوش خبری ہو تمہیں اے یوسف اتم خوش رہو اور تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رہیں، مجھے میرے پروردگار نے ماں کے پیٹ کے اندر حیاروں سے جکڑ گئی ہوئی دنیا میں پہنچا دیا۔ میں بنی اسرائیل کے لئے (ایک نئی حیثیت میں) ظاہر ہوں گا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرمانبرداری کی طرف بلاؤں گا۔“

(یوسف نجات بچہ کا یہ کلام سن کر حیران رہ گیا اور کہاں سے حضرت ذکر کیا کے پاس پہنچا اور انہیں حضرت مریم کے یہاں بچہ پیدا ہونے کے متعلق بھی بتلایا اور اس بچے نے جو کچھ بات کی تھی وہ بھی ماں کو بتلائی۔)

شکم مادر میں بھی عیسیٰ کا کلام..... کتاب لفظ مفہوم میں یہ روایت ہے کہ اسی یوسف نجات سے حضرت عیسیٰ نے جو کلام اور بات کی وہ (اپنی پیدائش سے بھی پہلے) ماں کے پیٹ ہی میں سے کی تھی۔ یوسف نجات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جسے سب سے پہلے حضرت مریم کے حمل سے ہونے کے متعلق معلوم ہوا وہ یوسف ہی ہے۔ (یہ پتہ چلے پڑا انہیں بہت غصہ آیا اور انہوں نے حضرت مریم) یعنی اپنی بھانجی سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے زنا اور بدکاری سے اپنی برأت اور صفائی کی کہ میں ہرگز کسی بدکاری میں مبتلا نہیں ہوئی۔ اس پر یوسف نجات نے ان کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”اے مریم! کیا زمین میں بغیر بیج کے بھی کھیتی ہو کرتی ہے اور کیا بغیر مرد کے بھی بچہ ہوا کرتا ہے؟“

یہ سن کر حضرت عیسیٰ اپنی والدہ کے پیٹ میں سے بولے۔

”ٹھو لو اور جا کر عبادت کرو اور جو کچھ بدگمانی تمہارے دل میں پیدا ہوئی ہے اس پر خدا تعالیٰ سے استغفار کرو۔“

(اس طرح کو یوسف نجات کو حضرت عیسیٰ کے اپنی والدہ کے پیٹ میں سے بولنے پر حیران کی صفائی اور برأت کرنے پر احساس ہوا کہ یہ کوئی عام حمل اور عام بچہ نہیں ہے۔)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بچپن میں (یعنی جھولے میں جھولنے کی عمر میں) تین مرتبہ کلام کیا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ اس عمر کو پہنچنے تک نہیں بولے جس میں کہ بچے عام طور پر بولنے لگا کرتے ہیں۔ (ی) غالباً یہ تیسری مرتبہ کا ہی کلام تھا جس میں انہوں نے اس طرح اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تعریف بیان کی کہ اس جیسی کالوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ انہوں نے یہ تعریف ان الفاظ میں بیان کی۔

اللَّهُمَّ أَنْتَ أَقْرَبُ فِي عِلْوِكَ الْمَعَالِي فِي دُنُوكَ بِالرُّبُوعِ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مِنْ خَلْقِكَ هَارِي الْأَبْصَارِ حُونَ النَّظَرِ إِلَيْكَ

ترجمہ: اے اللہ! تو انتہائی بلند ہونے کے باوجود ہم سے کتنا قریب ہے، اپنی تمام مخلوق پر غالب اور چھائے ہوئے ہے آپ کی ہستی میں غور کرنے سے ہر ایک حیران اور عاجز ہے۔

ابن جریج کا جھولے میں کلام..... (مچھلی سطروں میں علامہ جلال الدین سیوطی کے جو شعر نقل کئے گئے ہیں جن میں ان بچوں کے نام جمع کئے گئے ہیں جو بچپن میں بولے ہیں ان میں سے ایک جریج کی برأت اور صفائی کرنے والا بچہ ہے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں) جریج کی برأت کرنے والا بچہ بھی اسی طرح اپنی ماں کے پیٹ میں سے بولا تھا۔ اس سے پوچھا گیا تھا کہ تیرا باپ کون ہے؟ تو اس نے کہا تھا کہ فلاں قوم کا غلام ہے جو ایک چروہا ہے۔ یہ بچہ دوسری مرتبہ اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد (یعنی پیدا ہو جانے کے بعد) بولا تھا۔ اس

طرح یہ پچھ دو مرتبہ بولا۔ ایک مرتبہ اس وقت جبکہ یہ ماں کے پیٹ میں تھا اور دوسری مرتبہ اس وقت جبکہ یہ بالکل بچہ تھا۔ کتاب نقل مفہوم میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے لیکن میں اس سے واقف نہیں کہ یہ بچہ کس وقت بولا اور کیا بولا۔

ابن جرّح کا واقعہ..... (جرّح کا واقعہ نہایت عجیب و غریب اور حیرت ناک ہے جس کو لام بخاری نے بھی چند جگہ نقل کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا واقعہ بیان فرمایا کہ یہ جرّح بنی اسرائیل کے ایک نیک اور بزرگ آدمی تھے۔ ان کی نسل اور بزرگی کی جب شہرت پھیل گئی تو کچھ براہی کے لوگ ان کے دشمن بن گئے اور وہ ان کی شہرت اور نیک نامی سے جلنے لگے۔ آخر انہوں نے جرّح کو بدنام کرنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ ایک بدکار عورت کو اس پر تیار کیا کہ وہ تمہاری بیوی جرّح کے پاس جائے اور ان کو بدکاری اور زنا کی طرف متوجہ کرے تاکہ اس کے بہانے ان کو بدنام کیا جاسکے۔ یہ عورت جرّح کے پاس پہنچی اور انہیں اپنے ساتھ بدکاری کے لئے درخلائیا مگر جرّح حرام کاری کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ آخر یہاں سے ہاپس ہو کر یہ عورت ان کے پاس سے نکلی اور پھر ایک چرواہے سے اس نے زنا کر لیا۔ جب اس کو حاصل ہو گیا تو اس نے لوگوں کے پوچھنے پر بتلایا کہ یہ جرّح کا حمل ہے۔ وہ لوگ جو موقعہ کی تلاش میں تھے فوراً جرّح پر چڑھ دوڑے اور ان کو مارنے لگے۔ جرّح نے ان سے پوچھا کہ آخر تم لوگ مجھے کیوں مارتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ تو نے اس بزرگی کے پردے میں فلاں عورت سے زنا کیا۔ انہوں نے اس الزام سے انکار کیا اور کہا کہ اس بچے سے پوچھ لو کہ وہ کس کا بیٹا ہے۔ آخر لوگوں نے اس بچے سے پوچھا جو بالکل نو مولود تھا۔ خدا کی قدرت سے وہ بچہ فوراً بول اٹھا اور اس نے بتلایا کہ میں فلاں چرواہے کا بیٹا ہوں جو فلاں قوم کا آدمی ہے۔ لوگوں کو اس پر بڑی حیرانی ہوئی اور انہیں جرّح کی بے گناہی کا یقین آ گیا۔ پھر انہوں نے جرّح سے پوچھا کہ اتنے بزرگ ہونے کے باوجود تم پر یہ گند الزام کیوں لگا۔ تو انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ میں نقلیں پڑھنے کھڑا ہوا تو میری ماں کی کام سے مجھے پکارتی ہوئی آئی مگر میں اس کو جواب دینے کے بجائے یہ سوچتا رہا کہ ماں کی بات سننے کے لئے نقل چھوڑ دوں یا نہیں۔ میں یہ سوچتا رہا اور ماں غصہ میں واپس چلی گئی۔ میری ماں نے غصہ میں مجھے بددعا دی کہ خدا کرے تو اس وقت تک نہ مرے جب تک کہ تجھ پر زنا کا الزام نہ لگ جائے۔ چنانچہ ماں کی یہ بددعا قبول ہوئی اور جرّح پر یہ بہتان لگا۔ (بخاری ص ۳۸۹)

(علامہ سیوطی کے ان ہی مذکورہ اشعار میں حضرت حجتی کے متعلق بھی ذکر ہے کہ انہوں نے بچپن میں کلام کیا) انہوں نے تین سال کی عمر میں کلام کیا تھا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ سے کہا تھا۔
”میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں۔“

(ان ہی اشعار میں حضرت خلیل یعنی ابراہیم کے متعلق بھی ذکر ہے کہ انہوں نے بچپن میں کلام کیا ہے۔ انہوں نے سین اپنی پیدائش کے وقت کلام کیا تھا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

یہاں یہ اشکال ہے کہ ولادت کے وقت بولنے سے مراد جمہولاً جمولنے کی عمر میں بولنا ہے جبکہ حضرت حجتی کے متعلق یہ بیان ہوا ہے کہ وہ تین سال کی عمر میں بولے (حالانکہ یہ عمر جمہولاً جمولنے کی یعنی بالکل بچپن کی نہیں ہے یہاں یہ جواب ہو سکتا ہے کہ جمولے میں بولنے سے مراد اس عمر میں بولنا ہے جس میں بچے عام طور پر بولنے کے قابل نہیں ہوتے۔

آگ کے پاس بچے کا کلام..... بچپن میں بولنے والے ان بچوں میں جن کا ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ کسی

بولنے والے کی عمر کے متعلق مجھے معلوم نہیں ہے ہاں ایک اس بچے کے متعلق واقف ہوں جو آگ کے شعلوں کے قریب بولا تھا اس کا واقعہ یوں ہے کہ اس بچے کی ماں کو آگ میں ڈالنے کے لئے لایا گیا کہ وہ یا تو کفر کا کلمہ کہہ دے ورنہ اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس وقت یعنی آگ کے پاس پہنچ کر وہ ہچکچا گئی اس وقت یہ بچہ جو ماں کے ساتھ تھا بول اٹھا۔

”ماں اصبر کر اس لئے کہ تو حق اور سچائی پر ہے۔“

امین قیثمہ کہتے ہیں کہ اس وقت اس بچے کی عمر سات مہینے تھی۔

اسی شعر وں میں شاہد یوسف یعنی حضرت یوسفؑ کی پاک دامنی کی گواہی دینے والے بچے کا بھی ذکر ہے اس کے متعلق کتاب فلق مفہوم میں ہے کہ (جب اس بچے نے کلام کیا اور حضرت یوسفؑ کے حق میں گواہی دی تو اس کی عمر صرف دو مہینے کی تھی اور وہ زلیخا کی دلیہ کا لڑکا تھا۔

شیر خوار بچے اور نبوت کی گواہی..... کتاب خصائص مغربی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کے حق میں دودھ پیتے بچوں نے کلام کیا اور آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دی۔ اس بات کو بدر اللہما مٹی نے ذکر کیا ہے۔ یہاں تک خصائص مغربی کا حوالہ ہے۔

عیسیٰ کے بولنے کی حکمت..... اس بات میں اشکال ہے کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے بچوں میں سے سوائے ایک بچے مبارک ہمامہ کے کسی اور نے (دودھ پینے کے زمانے میں) آپ کی نبوت کی گواہی نہیں دی (مبارک ہمامہ کا واقعہ آگے تحریر ہے)

علامہ ابن عونؒ کی کتاب ”مہجوزہ السنۃ“ میں ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ ہمیشہ نبی نہیں رہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ انہوں نے پوچھا پھر آپ نے دودھ پینے کی عمر میں کلام کیوں نہیں کیا جیسا کہ اس عمر میں حضرت عیسیٰؑ بولے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا تھا اس لئے اگر وہ دودھ پینے کی عمر میں نہ بولتے تو حضرت مریم کے لئے (اپنی صفائی اور برائت کا) کوئی عذر نہ ہوتا اور ان پر اسی طرح تحت لگتی جیسی کہ ایسے حائلے میں ایک عورت پر لگ سکتی ہے جبکہ میں ماں اور باپ دونوں سے پیدا ہوا ہوں۔“ یہاں تک علامہ ابن عونؒ کا کلام ہے۔

پچھلی روایت میں گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی دودھ پینے کی عمر میں بولے ہیں جب کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس عمر میں کلام نہیں کیا۔ اس بات کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہودیوں نے جو آپ سے سوال کیا تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ نے بچپن کی عمر میں بھی کلام کیوں نہیں فرمایا جو عیسیٰؑ نے فرمایا تھا (کہ میں خدا کا بندہ اور رسول ہوں وغیرہ وغیرہ) پایہ کہا جاسکتا ہے کہ اس بات کا جواب دینے میں آنحضرت ﷺ نے ڈھیل دی (کیونکہ حقیقت میں آپ نے بھی بچپن میں کلام فرمایا تھا) بہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

شیر خوار کی میں کلام ابراہیم..... (پچھلے شعر وں میں گزرا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ غلیل اللہ نے بچپن میں کلام فرمایا اس کے متعلق لکھتے ہیں) میں نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق پوچھا ہے کہ جب وہ ماں کے پیٹ سے باہر زمین پر آئے تو دونوں قدموں پر سیدھے کھڑے ہو گئے اور فرمایا:-

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَخَدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود اور عبادت کے لائق نہیں ہے اور وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے وہی حکومت کے لائق ہے اور وہی ہر تعریف کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر اور تعریف ہے اس بات پر کہ اس نے اس (سیدھے راستے اور سچائی) کی طرف ہمیں راستہ دکھلایا۔

کتاب نطق مفہوم میں ہے کہ حضرت ابراہیم ایک عمار میں پیدا ہوئے تھے اور یہ وہی عمار تھا جس میں حضرت نوح اور حضرت لوط پیدا ہوئے تھے۔ تو ریت میں اس عمار کو عمار نور کہا گیا ہے۔

بہت اہم عربی کا کلام..... (بچپن میں بولنے والے جن بچوں کا ذکر کیا گیا ہے) ابن عباسؓ میں وہ واقعہ بھی شامل کیا جاسکتا ہے جس کو شیخ محمد بن الدین ابن عمرؓ نے ذکر کیا ہے کہ میری ایک بچی جو ابھی دودھ پیتی تھی اور جس کی عمر تقریباً ایک سال تھی میں نے ایک روز اس سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے جس نے اپنی بیوی سے ہم بستری کی ہو مگر اسے انزال نہ ہوا ہو تو اس پر غسل واجب ہو یا نہیں؟ بچی فوراً بول پڑی اور کہنے لگی کہ اس پر غسل واجب ہے (اس بارے میں مسئلہ یہی ہے کہ ہم بستری میں اگر عضو تناسل اتنا داخل ہو گیا کہ حشفہ یعنی اس کا اگلا حصہ نظر نہ آئے تو چاہے انزال سے پہلے ہی دونوں الگ ہو جائیں مگر غسل واجب ہو جائے گا) غرض بچی کے جواب دینے پر تمام لوگ جو وہاں موجود تھے حیران رہ گئے (اسی بچی کی ذہانت کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اس کے بعد میں مکہ معظمہ چلا گیا اور وہاں ایک سال تک اس بچی سے دو درہا سال بھر بعد میں نے اپنی بیوی کو لکھا کہ وہ بھی حج کرنے کے لئے آجائے چنانچہ وہ شامی حاجیوں کے قافلے کے ساتھ آگئی (مجھے جب معلوم ہوا کہ قافلہ آ رہا ہے جس کے ساتھ میرے گھر والے ہیں تو) میں ان کی پیشوائی اور استقبال کے لئے نکلا۔ وہ بچی اس وقت تک دودھ پیتی تھی۔ اس نے لونٹ پر سے مجھے دیکھا اور اتنی چھوٹی عمر اور ایک سال تک دور رہنے کے باوجود اس نے مجھے پہچان لیا اور اپنی ماں سے بہت صاف آواز میں کہا کہ یہ میرے باپ ہیں۔ اس کے بعد وہ بننے لگی اور لک کر میری گود میں آگئی۔

ایک اور واقعہ..... علامہ ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے بچے کے بارے میں بھی سنا ہے جس کی ماں کو جب ایک بد چھینک آئی تو بچے نے پیٹ ہی میں سے ہاں کو (الحمد للہ کہنے کے جواب میں) یہ حکم اللہ کہا۔ اس وقت جتنے لوگ بھی موجود تھے ان سب نے پیٹ میں سے آنے والی بچے کی یہ آواز سنی اس کے متعلق مسخر گو اہوں نے مجھے بتلایا جنہوں نے یہ واقعہ دیکھا ہے۔ علامہ ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ یہ تمام واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس بچے کو اہل بیتؑ میں سے ہی اس بات کا (یعنی یہ حکم اللہ کہنے کا) علم عطا فرمایا۔

(اس بارے میں قرآن پاک کی ایک آیت ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس حالت میں پیدا کیا کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ اس آیت کی روشنی میں علامہ ابن عربیؒ کی اس روایت پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ وہ بچہ ماں کے پیٹ ہی میں اس بات کو کیسے جان سکتا ہے اس کے بارے میں جواب دیتے ہوئے علامہ کہتے ہیں) یہاں اب اللہ تعالیٰ کے اس قول کو اس واقعہ کے خلاف دلیل نہ بنائیں (وہ آیت یہ ہے)

وَاللَّهُ أَنشَأَكُم مِّن بَطْنٍ مَّهِمَّكُمْ لَا تَعْلَمُونَ حَيْثُ يَرْتَدُّكُمْ وَأَنتُمْ مُنْكَرُونَ (سورہ بقرہ ۱۱)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے

تھے۔

اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ ایک عالم آدمی کے ساتھ اس کا علم ہر وقت ہی ہو۔ پیدا ہونے والا مستقبل کے لحاظ سے عالم ہوتا ہے لیکن اس وقت وہ عالم نہیں ہوتا جبکہ پیدا ہوا ہے۔ اس آیت پاک سے یہی مراد ہے۔

حضرت یوسف کا کلام..... کتب نقل مفہوم میں ہے کہ حضرت یوسفؑ بھی ماں کے پیٹ میں سے ہی بولے تھے اور (اپنے متعلق) کہد

”میں ایک لمبی مدت کے لئے گم اور اپنے والد کی نظروں سے گوجھل ہونے والا ہوں۔“

حضرت یوسفؑ کا یہ کلام ان کی والدہ نے سنا تو انہوں نے یہ بات اپنے شوہر (حضرت یعقوبؑ) سے بتلائی۔ انہوں نے کہا کہ کیا اس بات کو پوشیدہ رکھو۔

اسی طرح ایک روایت ہے کہ حضرت نوحؑ اپنی پیدائش کے فوراً بعد بولے تھے۔ ان کی والدہ اپنی اور اپنے ہونے والے بچے کی جان کے خوف سے دشمنوں سے چھپ کر ایک غار میں آئیں اور وہیں ان کے یہاں حضرت نوحؑ پیدا ہوئے۔ چنانچہ جب وہ پیدائش کے مرحلے سے فارغ ہو گئیں تو بچے کو وہیں غار میں چھوڑ کر جانے لگیں اور (چلتے وقت بچے کو حسرت سے دیکھ کر) کہنے لگیں۔ اے نوح! نوح جو موسیٰ کی گویائی..... یہ سن کر حضرت نوحؑ بول اٹھے۔

”ماں امیری جان کے متعلق کسی کی دشمنی سے مت ڈرو۔ اس لئے کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے وہی میری حفاظت فرمائے گا۔“

اسی طرح روایت ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے ان کو جنم دیا تو حضرت موسیٰؑ پیٹ سے باہر آنے کے بعد سیدھے بیٹھ گئے اور اپنی والدہ سے کہا (جو فرعون کے خوف سے بچے کو چھپا رہی تھیں کیونکہ فرعون کو یہ پیشین گوئی پہنچی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہو گیا جو بنی ہو گا اور فرعون کی سلطنت کو تباہ کر دے گا اس لئے فرعون نے یہ حکم دے دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ بھی پیدا ہو اس کو ذبح کر دیا جائے۔ چنانچہ کتنے ہی معصوم بچے اس حکم کی جھینٹ چڑھ گئے اسی وجہ سے حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو بیٹے کی جان کا خوف تھا مگر پیدا ہوتے ہی حضرت موسیٰؑ نے اپنی والدہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا)۔

”ماں افرعون کا خوف مت کرو۔ اللہ تعالیٰ امداد ساتھ ہے۔“

شرخوار کی حضور ﷺ کے لئے شہادت..... (اس تفصیل کے بعد پھر ان بچوں کا ذکر کرتے ہیں جن کے متعلق گذشتہ شعروں میں ذکر ہوا ہے اور جن میں مبارک یمامہ کا بھی تذکرہ ہے کہ) مبارک یمامہ کے واقعے کے متعلق صحابہ میں سے کسی نے روایت کیا ہے کہ میں ایک روز ایک گھر میں گیا جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور وہاں میں نے ایک عجیب واقعہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص ایک بچے کو لئے ہوئے آیا جسے اس نے ایک کپڑے میں لپیٹ رکھا تھا۔ یہ بچہ اسی دن پیدا ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس بچے سے پوچھا کہ اے لڑکے میں کون ہوں۔ اس (ایک دن کے بچے) نے فوراً بت صاف لہجے میں جواب دیا۔

”آپ خدا کے پیغمبر ہیں۔“

آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے۔ اس کے بعد بچہ کچھ نہیں بولا۔ اس واقعہ کے بعد سے (جس میں آنحضرت ﷺ نے اس کو برکت کی دعا دی) ہم اس بچہ کو مبارک یمامہ کہنے لگے۔ یہ واقعہ

جنتہ الوداع میں پیش آیا (یعنی ساتھ میں جس میں آپ ﷺ نے آخری حج فرمایا اسی وجہ سے اس کو جنتہ الوداع یعنی رخصتی حج کہا جاتا ہے)

آنحضرت ﷺ دودھ پینے کی عمر میں چاند سے باتیں فرمایا کرتے تھے (مراد ہے بچہ کا غول غاں کرنا) کہا جاتا ہے کہ عورت نے بچے کے ساتھ غول غاں کر کے بات کی یعنی بچے سے اس طرح بولی جس سے بچہ خوش ہوتا ہے۔ چاند کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا باتیں کرنا آپ کی خصوصیات میں گنا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت عباسؓ سے ایک حدیث نقل کی جاتی ہے۔ آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے ایک مرتبہ آپ ﷺ سے فرمایا۔

یا رسول اللہ! میں نے آپ کی نبوت کی ایک علامت دیکھی تھی جس کی وجہ سے میں آپ کے دین میں شامل ہوا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ آپ جھولے میں لیٹے ہوئے چاند سے باتیں فرماتے تھے اور آپ اپنی انگلی سے چاند کو جس طرف بھی اشارہ فرماتے وہ اسی طرف سرک جاتا تھا۔

ایک عجیب خصوصیت..... آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔

”میں اس سے باتیں کرتا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور مجھے رونے سے ہلانے رکھتا تھا۔ جب وہ یعنی چاند عرش کے نیچے سجدہ پڑھتا تھا تو میں اس کے گرنے کی آواز سنا کرتا تھا (یعنی جب چاند ایک دھماکے کے ساتھ عرش کے نیچے گرتا تھا جو در حقیقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا سجدہ ہوتا ہے تو آنحضرت ﷺ اس کے سجدہ کرنے یعنی گرنے کی آواز سنا کرتے تھے)

اس حدیث کے راویوں میں بعض مجہول لوگ ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حدیث غریب لفظ ہے (یعنی اس کے راویوں میں بعض ایسے نامعلوم لوگ ہیں جن کے پورے حالات کا پتہ نہیں ہے اور ان کے معتبر ہونے کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا)

حافظ ابوالفتح یعنی عیون الاثر کے مصنف کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر کتنی تھی (جب آپ جھولے میں لیٹے ہوئے چاند سے باتیں فرمایا کرتے تھے)

آنحضرت ﷺ کا جو جھولا یعنی پالنا تھا اس کو ملائکہ یعنی فرشتے ہلایا کرتے تھے اور اسی سے وہ ہلکا رہتا تھا۔ اسی لئے علامہ ابن سبیر نے اس کو بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں شمار کیا ہے۔ (چاند سے یا چاند کے باتیں کرنے سے یہ مراد ہے کہ آپ اس کو دیکھ کر غول غاں کیا کرتے تھے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے چاند کو آپ کے دل ہلانے کے ذریعہ ہلایا تھا)

باب ششم (۶)

آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی محمد اور احمد کہنے کا بیان

یہ بات ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جتنے بھی اسماء گرامی اور نام ہیں وہ تمام کے تمام ان صفات اور خوبیوں سے بے ہیں جو آپ میں پائی جاتی تھیں اور جن صفات کی وجہ سے آپ کی تعریف بھی ضروری ہوتی ہے اور آپ کا مکمل ترین انسان ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ ہر وصف اور خوبی سے آپ کا ایک نام بنایا ہے۔ (قال) جس طرح اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نام ہیں اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بھی ایک ہزار نام ہیں۔ ابو جعفر محمد بن علی ابن حسین ابن علی ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ آپ علم کا ایک اتمہاہ سمندر ہیں۔

جب حضرت آمنہ کے پیٹ میں آنحضرت ﷺ حمل کی صورت میں تھے تو ان کو خواب میں حکم دیا گیا کہ وہ آپ کا نام نامی ”احمد“ رکھیں (جس کے معنی ہیں سب سے زیادہ تعریف کرنے والا) مگر ابن اسحاق سے جو روایت ہے اس میں ہے کہ آپ کا نام ”محمد“ رکھیں (جس کے معنی ہیں وہ جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے)۔ یہ روایت پیچھے گزر چکی ہے۔ (قال) دوسری روایت (یعنی محمد نام رکھنے کی روایت) دوسری روایات کے مقابلے میں زیادہ مشہور ہے۔ (ی) پہلی (یعنی احمد نام رکھنے کی) روایت حافظ دمیاطی نے نقل کی ہے۔

محمد نام عرب میں پہلی بار آپ کا نام ”محمد“ رکھنے والے آپ کے دوا عبدالمطلب ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو ولادت کے ساتویں دن آپ کے دوا عبدالمطلب نے ایک بھیڑوئج کر کے آپ کا عقیقہ کیا اور آپ کا نام نامی ”محمد“ رکھا (یہ نام اس وقت تک عربوں میں نہیں رکھا جاتا تھا جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے اسی لئے قریش کو یہ نام لو پرالکا) چنانچہ عبدالمطلب سے کہا گیا۔

”اے ابوالحرث! کیا وجہ ہے کہ تم نے اس بچے کا نام اس کے باپ دوا کے نام پر نہیں رکھا بلکہ محمد رکھا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ حالانکہ یہ نام نہ تمہارے باپ دوا میں سے کسی کا ہے اور نہ تمہارے قوم ہی میں کسی کا ہے؟“

عبدالمطلب نے جواب دیا۔

اس سے میری تمنا یہ ہے کہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ اس بچے کی تعریف فرمائیں اور زمین پر لوگ اس کی تعریف کریں، اس لحاظ سے مؤلف کہتے ہیں

یہ نام منجانب اللہ..... یہ بات اس مشہور قول کے مطابق ہے کہ آپ کے دلوانے آپ کا نام محمد، اللہ تعالیٰ کی جانب سے دل میں ڈالے جانے کی بنا پر رکھا تھا جس میں یہ فال نیک بھی تھی کہ آپ کی ان عمدہ صفات اور خوبیوں کی وجہ سے جن کی تعریف کی جاتی ہے ساری مخلوق آپ کی بہت زیادہ تعریف کرے۔ اسی وجہ سے یہ نام زیادہ عمدہ اور مرام کے لحاظ سے صحیح ہے (یوں تو محمود کے معنی بھی وہی ہیں جو محمد کے ہیں یعنی وہ جس کی تعریف کی جائے مگر محمد کے معنی ہیں وہ جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے) اسی بات کی طرف حضرت حسان ابن ثابت نے جو مبالغہ ہیں اور شاعر اسلام کہلاتے ہیں اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

فَشَقَّ لَهُ مِنَ الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَهَذَا مُحَمَّدٌ لِيَجْلَهُ

ترجمہ: آنحضرت کی عظمت کی وجہ سے آپ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام سے بتایا گیا پس اللہ تعالیٰ محمود ہیں اور آپ محمد ہیں۔

خواب میں اس نام کا اشارہ..... جیسا کہ بیان ہوا عبدالمطلب کے دل میں بات ڈالی گئی تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کا نام محمد رکھیں۔ یہ بات اس روایت کے خلاف نہیں جاتی کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ نے عبدالمطلب سے کہا ہو کہ مجھے خواب میں اپنے بچے کا نام محمد رکھنے کا حکم دیا گیا۔ (کیونکہ ہو سکتا ہے کہ عبدالمطلب کے دل میں بھی یہ بات ڈالی گئی ہو اور پھر حضرت آمنہ نے بھی ان سے یہی کہا ہو کیونکہ آپ کا نام محمد رکھنے سے عبدالمطلب کی تمنا یہ تھی کہ آسمان اور زمین میں سب آپ کی تعریف کریں) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ آرزو پوری کی اور آنحضرت ﷺ میں وہ تمام خوبیاں اور بلند ترین صفات جمع فرمادیں جن کی وجہ سے لوگ کسی کو پسند کرتے ہیں۔ اسی بناء پر آپ ﷺ کو خالق اور مخلوق سب کی مکمل محبت حاصل ہوئی اور آپ کے نام نامی (یعنی محمد جس کے معنی ہیں وہ جس کی تعریف کریں) کے معنی حقیقت بن کر ظاہر ہوئے۔

اس کے معنی..... کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کا نام اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے نکلا ہے۔ نیز یہ بھی آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کا نام احمد ﷺ رکھا گیا جبکہ آپ سے پہلے یہ نام کسی کا نہیں رکھا گیا تھا۔ اس لفظ یعنی محمد کے معنی میں کثرت اور زیادتی ہے یعنی محمد صرف اسی کو کہا جاسکتا ہے جس کی بار بار تعریف کی جائے۔ یہ تعریف ان خوبیوں اور لائقے توصیف کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس ذات میں پائی جاتی ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ لفظ یعنی محمد مبالغہ کے صیغوں میں ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کے معنی میں کثرت اور زیادتی ہے مگر یہ کثرت اور مبالغہ (اس لفظ کو اس طرح استعمال کرنے کے لحاظ سے ہے ورنہ یہ لفظ حقیقت کے لحاظ سے مبالغہ کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ مبالغہ کے معنی دینے والے جو صیغے ہیں ان کے لوزان صرف پانچ ہیں اور لفظ محمد ان دونوں میں سے نہیں ہے۔

نام ولادت کے ساتویں دن..... حضرت امین عباس کی جو روایت پیچھے گزری ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ نام آپ کے عقیقہ کے دن رکھا گیا ہے اور آپ کا عقیقہ پیدائش کے ساتویں دن ہوا ہے لیکن

ایک روایت پیچھے بیان ہوئی ہے کہ عبد اللہ ابن عبد المطلب کے یہاں رات میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام انمول نے محمد رکھا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ نام آپ کی پیدائش کی رات یا پیدائش کے دن میں ہی رکھ دیا گیا تھا۔

اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ ابن عباس کی روایت میں جو یہ لفظ ہیں کہ عبد المطلب نے بھیڑ ذبح کر کے آپ کا حقیقہ کیا اور آپ کا نام نامی محمد رکھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ (اگرچہ نام تو پیدائش کے وقت ہی رکھ دیا گیا تھا مگر) عام لوگوں کے سامنے آپ کا نام حقیقہ کے دن ظاہر کیا۔

اسم کا اثر مستحکم پر..... آنحضرت ﷺ کا نام نامی محمد رکھنے کی جو وجہ لوہ پر بیان کی گئی ہے (کہ زمین و آسمان میں آپ کی تعریف کی جائے) اس سے یہ مقولہ ثابت ہوتا ہے کہ حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ اسم اور مستی یعنی نام اور نام والے میں اچھائی و برائی اور پاکیزگی اور عدم پاکیزگی کے لحاظ سے مناسبت اور موافقت ہونی چاہئے (یعنی جو نام کے معنی ہیں وہ صفات نام والے میں بھی ہونی ضروری ہیں کہ اگر کسی کا نام فاضل ہے تو اس شخص کو بھی عالم و فاضل ہونا چاہئے یا اگر نام شریف ہے تو اس نام والے شخص کو بھی شریف اور نیک ہونا چاہئے تاکہ یہ نام اس کو سچے نامی وجہ سے اکثر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے قدیم اور برے نام بدل کر (اس نام والے کی خوبیوں کے مطابق) اچھے نام رکھ دیئے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ (کفار کے) اچھے ناموں کو بدل کر برے نام رکھ دیئے جیسا کہ آپ نے عمرو بن ہشام یعنی ابوالحکم کا نام بدل کر ابو جہل رکھ دیا تھا (یہاں تک کہ یہ نام ایسا مشہور ہوا کہ لوگ ابو جہل کا اصل نام بھول گئے اور اب وہ صرف اسی نام سے مشہور ہے) اسی طرح ایک اور دشمن اسلام ابو عامر کو ابو عامر راہب کہا جاتا تھا مگر آپ نے اس کا نام ابو عامر فاسق رکھ دیا تھا۔

اچھے معنی کا نام پسندیدہ..... حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک صحابی سے فرمایا کہ کسی شخص کو بلاؤ جو میری لونگی کا دودھ دودھ دے وہ صحابی ایک شخص کو لائے آپ ﷺ نے اس سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا حرب (یعنی جنگ بمعنی قتل و قتل اور موت) آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم جاؤ اس کے بعد وہ صحابی ایک دوسرے شخص کو لائے آپ ﷺ نے اس سے بھی پوچھا تمہارا کیا نام ہے اس نے کہا "عیش" (یعنی زندگی) آپ نے اس سے کہا کہ تم لونگی کا دودھ نکالو (اس طرح گویا آپ نے اس برے نام والے کے مقابلے میں ایک اچھے نام والے آدمی کو پسند فرمایا)۔

اسی طرح روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے کسی شخص کو کٹواں کھودنے کے لئے بلایا چنانچہ ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا "مرہ" (یعنی کڑوا اور بخیل) آپ ﷺ نے فرمایا تم جاؤ (یعنی آپ ﷺ نے اس شخص سے کام لینا پسند نہیں فرمایا)۔

اسلام میں بد شکونی نہیں..... (یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بد شکونی کو ناپسند فرمایا ہے جبکہ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بد شکونی کی وجہ سے ان برے نام والے لوگوں سے کام نہیں لیا۔ اس کا جواب دیتے ہیں) کہ یہ وہ بد شکونی نہیں ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے اور جس سے آپ ﷺ نے رد کیا ہے بلکہ یہ برے ناموں سے آپ کی ناپسندیدگی کا اظہار ہے (یعنی یہ اس بات کا اظہار تھا کہ آپ ایسے ناموں کو پسند نہیں فرماتے جن کے معنی برے ہوں۔ یہ مقصد نہیں تھا کہ ایسے نام والے لوگوں سے

کام لینے میں بد شکوئی اور ناکامی ہوتی ہے)

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے حالموں (یعنی ملاکائی گورنروں) کو لکھا کرتے تھے کہ تم جب بھی میرے پاس کوئی اپنی اور قاصد بھیجو تو ایسا بھیجو کہ جس کا نام بھی اچھا ہو اور ظاہری وجاہت بھی رکھتا ہو۔

(چونکہ آنحضرت ﷺ نے شکون وغیرہ لینے کو ناپسند فرمایا اور اس سے روکا ہے اس لئے) جب یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک برے نام والے آدمی کو نوشتہ کا دو دوہے اور اسی طرح ایک شخص کو کتوں کھونے سے منع فرمایا تو حضرت عمرؓ کے ذہن میں بھی یہی اشکال ہوا کہ آپ نے تو بد شکوئی کو روکا ہے پھر ان برے نام والے لوگوں سے کام لینے سے کیوں انکار فرمایا چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میں جیران ہوں کہ ان بارے میں کچھ پوچھوں یا خاموش رہوں۔ آپ نے فرمایا پوچھو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آپ نے ہمیں بد شکوئی کو ماننے سے روکا ہے (جبکہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ شکون لیتے ہیں) آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا۔

”میں نے کسی شکون کے خیال سے ایسا نہیں کیا بلکہ میں اچھے نام کو (برے نام کے مقابلے میں زیادہ پسند کرتا ہوں)۔“

آنحضرت ﷺ نے نام بدل دیتے..... آنحضرت ﷺ نے صحابہ اور غیر صحابہ میں جن لوگوں کے نام بدلے ہیں ان سب کے متعلق علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے مگر میں اس کے نام سے واقف نہیں ہوں۔

میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ حن ابن ابی وہب رحمہ اللہ کے دن مسلمان ہوئے۔ یہ حضرت سعید ابن مسیب کے دوا ہیں (چونکہ ان کا نام حزن تھا جس کے معنی ہیں رنج و غم جو ایک برا نام ہے اس لئے) آنحضرت ﷺ نے چاہا کہ ان کا نام بدل دیں اور اس کے بجائے سل رکھ دیں مگر حزن نے اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں وہ نام نہیں بدلوں گا جو میرے ماں باپ نے رکھا ہے۔ چنانچہ ان کے پوتے حضرت سعید کہتے ہیں کہ ہمارے گھرانے میں ہمیشہ غم اور صدمہ رہا۔ واللہ اعلم۔

شانِ رحمتہ للعالَمین پر شکر..... (ی) ایک حدیث میں ہے کہ نبوت ملنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنی جانب سے خود حقیقہ فرمایا۔ مگر امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔ مگر حدیث منکر حدیث کی ایک کمزور قسم ہے لیکن ایسی حدیث باطل نہیں ہوتی جیسا کہ اس لفظ سے وہم ہوتا ہے مگر حافظ سیوطیؒ نے اس حدیث کے منکر ہونے پر توجہ نہیں دی بلکہ انہوں نے اس کو میلاد کے لئے دلیل بنالیا ہے اس سلسلے میں علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ اصل میں حقیقہ تو دوبارہ کیا نہیں جاتا (صرف ایک بار پیدائش کے ساتویں دن ہونا چاہئے) اس لئے اس کا مطلب ہے کہ یہ حقیقہ جو آنحضرت ﷺ نے خود فرمایا وہ (در اصل حقیقہ نہیں بلکہ) اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر تھا کہ اس نے آپ کو ساری دنیا کے لئے رحمت بنالیا، نیز یہ کہ اس طرح آپ ﷺ نے اپنی امت کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کے لہام و احسان پر شکر کا اظہار کیا جانا چاہئے جیسا کہ آپ ﷺ اسی اظہار شکر کے لئے اپنے لوہر و درود بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے مستحب ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ولادت کے دن

۱۔ حدیث منکر کی تریف کچھ کمزور ہو۔

شکر کا اظہار کریں۔ یہاں تک حافظہ سیدھی کا کام ہے۔

میلاد النبی منانا بدعت (میلاد النبی کا منانا حقیقت میں ایک بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے کیونکہ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی نعت پر شکر کا اظہار کرنا ہے اس کے لئے کوئی خاص دن متعین کرنا سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات انسان پر ہر روز اور ہر وقت ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو اس دنیا میں رحمت بنا کر بھیجا تھا تعالیٰ کا نئی قوم پر سب سے بڑا احسان ہے اس لئے اتنے عظیم احسان پر اظہار شکر ہر وقت اور ہر گھڑی ہونا چاہئے جب بھی شکر کا حق ادا نہیں ہو سکتا چاہے جائے کہ اتنے زبردست احسان پر سال میں صرف ایک بار اظہار شکر کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ خود اپنی ذلت بابرکات پر درود بھیجا کرتے تھے مگر اس کے لئے آپ نے اپنی ولادت مبارکہ کا دن متعین نہیں فرمایا تھا اور پھر آج میلاد النبی جس طرح منایا جاتا ہے کہ اس میں گانا بجاتا ہوتا ہے اس کو کسی حالت میں بھی درست نہیں کہا جاسکتا۔

عبد المطلب کا خواب اور یہ نام (اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کے نام نامی کے متعلق کہتے ہیں) ایک روایت ہے کہ عبد المطلب نے آپ کا محمد ﷺ نام ایک خواب کی وجہ سے رکھا انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کی کمر سے ایک (تور کا) سلسلہ نکل رہا ہے جس کا ایک سر زمین میں ہے اور دوسرا آسمان میں۔ اسی طرح ایک سرا مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں۔ پھر اس نے ایک درخت کی صورت اختیار کی جس کے ہر پتے پر نور چمک رہا تھا اور مشرق اور مغرب کے لوگ اس درخت سے لگے ہوئے تھے۔

عبد المطلب نے یہ خواب لوگوں سے بیان کیا تو اس کی یہ تعبیر دی گئی کہ ان کی مصلب یعنی نطفے سے ایک بچہ پیدا ہو گا جس کی مشرق اور مغرب کے لوگ پیروی کریں گے اور آسمان اور زمین والے اس کی تعریف کریں گے۔ اسی لئے عبد المطلب نے آپ کا نام محمد رکھا۔ (ی) یعنی اس کے علاوہ (یہ نام رکھنے کا) ایک سبب وہ بھی تھا کہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے ان کو اپنا وہ خواب بتلایا تھا جو انہوں نے دیکھا تھا جس کا بیان گزر چکا ہے۔

خواب میں شجر طیب ابو نعیم عبد المطلب سے روایت بیان کرتے ہیں کہ عبد المطلب نے کہا

ایک روز میں حجر اسود کے پاس سو رہا تھا کہ میں نے ایک ایسا خواب دیکھا جس سے میں بے حد خوفزدہ اور پریشان ہو گیا۔ چنانچہ میں (تعبیر پوچھنے کے لئے) قریش کی کاہنہ کے پاس گیا۔ اس نے مجھے دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ میرے چہرے کا رنگ اڑا ہوا ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ سردار قریش کو کیا ہو گیا۔ آپ کے چہرے کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے، کیا کوئی حادثہ پیش آیا ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد میں نے اس سے کہا۔

”رات جب کہ میں حجر اسود کے پاس سو رہا تھا میں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک درخت اُگ گیا جس کی چوٹی تو آسمان کو چھو لے گئی اور شاخیں مشرق اور مغرب تک پھیل گئیں اس درخت سے جو روشنی اور نور نکل رہا تھا میں نے اس سے زیادہ چمک دار نور کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ عرب اور عجم کے لوگ اس درخت کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ درخت ہر گھڑی پھیلتا جا رہا تھا اور ہر گھڑی زیادہ روشن اور زیادہ اونچا ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے قریش کی ایک جماعت کو دیکھا جو اس درخت شاخوں سے لٹکی ہوئی ہے۔ ساتھ ہی میں نے قریش کی ایک دوسری جماعت کو دیکھا جو اس درخت کو کاٹنے کی کوشش میں ہے مگر یہ لوگ جب بھی اس کے قریب پہنچتے تو میں نے دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت نوجوان کہ اتنا حسین و جمیل آدمی میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ان لوگوں کو اس درخت سے پیچھے ہٹا دیتا ہے اس نوجوان میں سے خوشبو کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ یہ نوجوان ان قریشیوں کی

(جو اس درخت کو کاٹنا چاہتے تھے) مگر توڑ دیتا اور ان کی آنکھیں نکال لیتے۔ میں نے اس درخت کی طرف ہاتھ بڑھایا تاکہ اس میں سے میں بھی اپنا حصہ حاصل کر لوں مگر اس تک نہیں پہنچ سکا۔ اسی کے ساتھ انتہائی گھبراہٹ اور پریشانی میں میری آنکھ کھل گئی۔

کاہنہ کی زبانی تعبیر خواب..... (یہ خواب سنانے کے بعد) میں نے کاہنہ کی طرف دیکھا اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا ہے۔ آخر وہ بولی۔

”اگر تمہارا خواب سچا ہے تو یقیناً تمہاری طلب یعنی نفط سے ایک ایسا شخص پیدا ہو گا جو مشرق اور مغرب کا مالک بن جائے گا اور لوگ اس کے راستے یعنی دین پر چلیں گے۔“

یہ سن کر عبد المطلب نے اپنے بیٹے ابو طالب سے کہا کہ شاید وہ بچہ تم ہی ہو۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد ابو طالب اس واقعہ کا ذکر کیا کرتے اور کہتے کہ وہ درخت جو

ان کے والد عبد المطلب نے خواب میں دیکھا تھا (محمد ﷺ) ہیں۔

کیا دادا نے نام قسم رکھا..... کتب امتاع میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے پیدا ہونے سے پہلے عبد المطلب کے ایک بیٹے قسم کا تین سال کی عمر میں انتقال ہو گیا تو عبد المطلب کو اس کا بے حد رنج و غم ہوا۔ اسی لئے جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کا نام قسم رکھا۔ مگر پھر حضرت آمنہ نے ان کو بتلایا کہ مجھے خواب میں کہا گیا ہے کہ اس بچے کا نام محمد (ﷺ) رکھیں۔ چنانچہ پھر عبد المطلب نے آپ کا نام محمد ﷺ رکھا۔

(ی) اگر امتاع کی اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو بھی جیسا کہ ظاہر ہے اس میں اور کچھ روایتوں میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لئے کہ ممکن ہے (آنحضرت ﷺ کا نام قسم رکھتے وقت) عبد المطلب اپنے اس خواب کو بھول گئے ہوں (جو انہوں نے قریشی کاہنہ سے بیان کیا تھا) اور پھر بعد میں انہیں وہ یاد آ گیا ہو۔

(ب) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عبد المطلب نے آپ کا نام پہلے قسم رکھا تھا اور قریش کو اس کی خبر ہو گئی تھی تو انہوں نے عبد المطلب سے یہ سوال کیوں کیا کہ تم نے کس بناء پر اس بچے کا نام محمد رکھا۔ انہیں اس کے بجائے یہ پوچھنا چاہیے تھا کہ تم نے کس وجہ سے اس بچے کا نام بدل دیا اس بارے میں کہتے ہیں کہ (قریش کا عبد المطلب سے یہ پوچھنا کہ تم نے اپنے باپ و دلو اور قوم کے نام چھوڑ کر اس بچے کا نام محمد کیوں رکھا۔ اس کے معنی اب یہ ہوں گے کہ (پسلا نام چھوڑ کر) تم اس نام یعنی محمد ﷺ پر اگر کیسے ٹھہرے۔

کیا پہلے بھی یہ نام رکھا گیا..... بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے عرب میں تین آدمیوں کے سوا کسی کا یہ نام سننے میں نہیں آتا۔ (ان کا واقعہ اس طرح ہے کہ ان تینوں کی پیدائش سے پہلے ان کے باپ (کسی ضرورت سے) ایک بادشاہ کے پاس گئے۔ یہ بادشاہ تورات و زبور کا عالم تھا اس نے ان عربوں کو بتلایا کہ جلد ہی ملک حجاز میں ایک نبی ظاہر ہوں گے جن کا نام محمد (ﷺ) ہو گا اتفاق سے یہ تین آدمی اپنے گھروں سے جب چلے تھے تو اپنی بیویوں کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے تھے کہ وہ حاملہ تھیں۔ اس لئے اب بادشاہ کی یہ بات سن کر ان تینوں نے طے کیا کہ اگر ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام محمد رکھیں گے (چنانچہ ان کے یہاں لڑکے ہی پیدا ہوئے اور انہوں نے ان کے نام محمد رکھے) (یہی تین آدمی ہیں جن کے نام آنحضرت ﷺ سے پہلے محمد رکھے گئے)۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پرانی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا نام محمد لکھا ہوا تھا (احمد

(نہیں تھا)

محمد و احمد دونوں لوگوں کا نام..... مگر کتاب شفا میں یہ لکھا ہے کہ ان دو ناموں یعنی محمد اور احمد میں آنحضرت ﷺ کی زبردست نشانیاں اور عظیم خصوصیات چھپی ہوئی ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دو ناموں کو اس سے محفوظ رکھا کہ یہ نام آنحضرت ﷺ سے پہلے کسی دوسرے کے رکھے جائیں۔ ان دونوں ناموں میں سے جہاں تک احمد نام کا تعلق ہے یہ پرانی کتابوں (یعنی آسمانی کتابوں) میں آیا ہے اور انبیاء کو (آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق) اسی نام سے خوش خبری دی گئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہی حکمت اور قدرت سے اس نام کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے جب سے کہ دنیا پیدا کی گئی اور آنحضرت ﷺ کی زندگی میں یہ نام یعنی احمد کسی دوسرے شخص کا نہ رکھا جائے اور نہ کوئی شخص اس لفظ سے پکارا جائے۔ علامہ زین عراقی نے اس میں یہ اضافہ بھی کیا ہے۔ کہ آپ کے صحابہ کے زمانہ میں بھی کسی شخص کا یہ نام نہ رکھا جائے تاکہ کمزور اعتقاد لوگوں کے دلوں میں شک و شبہ نہ پیدا ہو (یعنی ہر نیکو کتابوں میں اگر یہ نام آنحضرت ﷺ سے پہلے کسی کا ہوتا تو کمزور اعتقاد کے لوگ اس شک میں مبتلا ہو سکتے تھے کہ ان میں آنحضرت ﷺ کس زمانے کے ہیں)

یہ نام انبیاء میں آپ کی خصوصیت..... (ی) چنانچہ یہ نام رکھا جانا بھی ان تمام لوگوں پر آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں۔ مگر حافظ سیوطی نے کتاب خصائص صغریٰ میں اس کے متعلق جو لکھا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس نام یعنی احمد رکھے جانے کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت صرف انبیاء پر ہے (یعنی انبیاء میں آپ کے سوا کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا البتہ عام لوگوں کا یہ نام رکھا گیا)۔

احمد و محمد میں معنوی فرق..... اسی بناء پر بعض علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ناموں میں احمد نام کو محمد نام پر فضیلت اور برتری حاصل ہے۔ علامہ صلاح صفدی کہتے ہیں کہ معنی کے اعتبار سے احمد نام محمد سے زیادہ لو نچا ہے (اس کی فضیلت عربی زبان کے اس قاعدے کے تحت ہے جس کے مطابق) لفظ اخر (بسمت سرخ) اور لفظ اصر (بسمت زرد) محمد اور مصفر کے مقابلے میں معنی کے لحاظ سے زیادہ پُر زور ہیں۔ چنانچہ احمد نام کی فضیلت اس لئے ہے کہ یہ افضل المتفضل کا صیغہ ہے (افضل المتفضل عربی کا ایک وزن ہے یعنی افضل ہے۔ دو وزن لفظ کے معنی میں شدت اور زیادتی پیدا کرنے کے لئے ہے جو لفظ بھی اس وزن پر لایا جائے گا اس کے معنی میں زیادتی ہو جائے گی۔ مثلاً لفظ حامد ہے جس کے معنی ہیں تعریف کرنے والا اس کو جب افضل کے وزن پر لائیں گے تو یہ احمد ہو جائے گا۔ اور اب اس کے معنی میں زیادتی ہو جائے گی یعنی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔ اسی لئے علامہ صلاح صفدی کہتے ہیں کہ احمد نام محمد کے مقابلے میں معنی کے لحاظ سے زیادہ لو نچا ہے) کیونکہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف کرنے والوں میں سب سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں اور آپ کی ان ہی خوبیوں اور حمد و ثنا کی وجہ سے آپ کے لئے مقام محمود میں وہ مقام عطا ہوا جو آپ سے پہلے کبھی کسی کے لئے نہیں کھولا گیا۔

احمد و محمد اور حماد کے معنی..... مگر کتاب ہدیٰ میں یہ لکھا ہے کہ۔ اگر آپ کا نام ہادی احمد اس لحاظ سے ہے کہ آپ اپنے رب کی بسمت حمد و ثناء تعریف کرنے والے ہیں تو زیادہ بہتر یہ ہوتا کہ آپ کا نام ”حماد“ ہوتا (کیونکہ اس کے معنی میں اور بھی زیادہ شدت ہے یعنی بسمت ہی زیادہ تعریف کرنے والا) جیسا کہ آپ کی بسمت کو اس نام سے یاد کیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نام یعنی احمد کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس کی آسمان والے اور زمین

والے لور دنیوالے لور آخرت والے سب تریف کریں یہ تریف آپ کی ان خوبیوں لور عمدہ صفات کی وجہ سے ہے جن کا شکر کرنالور جن کا اندازہ کسی شخص کی طاقت میں نہیں ہے، یعنی آپ ﷺ اس کے تمام مخلوقات سے زیادہ حق لور مستحق ہیں کہ آپ کی تریف کی جائے چنانچہ احمد نام محمد کے معنی ہیں ہے (محمد یعنی جس کی تریف کی جائے) اب گویا لفظ احمد میں یہ فعل یعنی تریف و حمد کرنا فعل نہیں ہے جو قائل یعنی آنحضرت ﷺ سے واقع ہو رہا ہے بلکہ یہ حمد لور تریف کرنے کا فعل ایک ایسا فعل ہے جو دوسروں سے سرزد ہو رہا ہے لور آنحضرت ﷺ کی ذات باریکات اس فعل کا وہ مفعول ہے جس پر یہ فعل واقع ہو رہا ہے (دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ آپ کے نام نامی احمد کا مطلب یہی نہیں ہے کہ آپ سب سے زیادہ تریف کرنے والے ہیں بلکہ یہ محمد کے معنی میں ہے کہ وہ ذات جس کی زمین و آسمان والے بہت زیادہ تریف کرتے ہیں۔ مگر اس طرح محمد لور احمد کے معنی ایک ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کا باریک لور لطیف فرق بتلاتے ہیں کہ) اب محمد لور احمد کے معنی میں یہ فرق ہو گا کہ محمد تو وہ جس کی لوگ بہت زیادہ تریف کریں۔ لور احمد وہ کہ لوگ جن کی تریف کرتے ہیں ان میں اس کی تریف سب سے زیادہ فضیلت والی ہو۔

سب سے زیادہ لائق تریف شخصیت..... چنانچہ آگے شفا کے حوالے سے یہ بیان آئے گا کہ آنحضرت ﷺ احمد المحمودین لور احمد الحامدین ہیں یعنی جن کی تریف کی جاتی ہے ان میں سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی تریف کی گئی لور جو اللہ تعالیٰ کی تریف کرنے والے ہیں ان میں سب سے زیادہ تریف کرنے والے بھی آنحضرت ﷺ ہیں۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ لفظ احمد میں تریف و حمد کا فعل وہ فعل ہے جو آنحضرت ﷺ کے بجائے دوسروں سے آپ کی ذات کے لئے واقع ہو رہا ہے لور ساتھ ہی حمد و تریف کرنے کا فعل وہ فعل بھی ہے جو قائل یعنی آنحضرت ﷺ سے ہی سرزد ہو رہا ہے (چنانچہ مطلب یہ ہوا کہ آپ ہی وہ ہیں جو اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ حمد و ثناء فرمانے والے ہیں لور آپ ہی وہ ذات ہیں جن کی حمد و تریف تمام مخلوق نے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ افضل لور اعلیٰ انداز میں کی)

سب سے زیادہ حمد کرنے والے..... مگر علامہ سیبلی نے لکھا ہے کہ آپ احمد ﷺ پہلے ہیں لور محمد ﷺ بعد میں ہیں (یعنی آپ کی تریف دوسروں نے بعد میں کی اس سے پہلے آپ کی شان یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد و ثناء بیان کرنے والے ہیں۔ گویا کتاب شفا کے مصنف قاضی عیاض کی رائے کے برخلاف علامہ سیبلی نے احمد کے معنی یہی لیتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تریف کرے۔ اسی لئے علامہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی یہ شان پہلے ہے کہ آپ احمد یعنی اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تریف لور حمد و ثناء بیان کرنے والے ہیں) اسی لئے آپ کا ذکر محمد نام کے مقابلے میں احمد نام کے ذریعہ پہلے کیا گیا (اس بات کی تفصیل آگے آرہی ہے) کیونکہ دوسروں کے ذریعہ آپ کی تریف ہونے کی شان آپ میں بعد میں ہے اس سے پہلے آپ کی شان یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے پروردگار کی بہت زیادہ تریف بیان فرماتے ہیں۔ علامہ سیبلی نے اس پر بہت مفصل کلام کیا ہے۔

محمد نام میں زیادہ تعظیم..... شافعی علماء میں سے کسی نے لکھا ہے کہ احمد نام میں وہ تعظیم لور احترام نہیں ہے جو محمد نام میں ہے اس لئے کہ یہی نام یعنی محمد ﷺ آپ کے ناموں میں سب سے زیادہ مشہور لور افضل ہے۔ اسی لئے (نماز کے دوران) تشہد یعنی اہمیت میں محمد کے بجائے احمد کہنا کافی نہیں ہے۔

دیگر پسندیدہ نام..... (اسی سلسلے میں افضلیت کے لحاظ سے ان ناموں کی ترتیب بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں) محدث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان دونوں میں عبد الرحمن کے مقابلے میں عبد اللہ نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ اس میں عبدیت یعنی غلامی اور بندگی کی اضافت و نسبت لفظ اللہ کی طرف ہے جو تمام علماء کے نزدیک معتقد طور پر حق تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے جبکہ لفظ الرحمن کے حق تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ خاص ہونے پر سب کا اتفاق نہیں ہے اگرچہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ یہ بھی حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں آنحضرت ﷺ کو عبد اللہ نام سے یاد کیا گیا ہے وہ آیت یہ ہے:-

وَلِلّٰهِ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوهُ الْخَلَاءُ ۝۱۹ سورہ جن رکوع ۲

ترجمہ:- اور جب خدا کا خاص بندہ خدا کی عبادت کے واسطے کھڑا ہوتا ہے تو یہ (کافر) لوگ اس بندہ پر بھیڑ لگاتے ہو جاتے ہیں۔

(پچھلی سطروں میں ذکر ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ذکر محمد نام کے مقابلے میں احمد نام کے ساتھ قرآن پاک میں پہلے کیا گیا اب پسندیدہ ناموں کی جو ترتیب ہے اس کے مطابق محمد نام کے مقابلے میں احمد کے ساتھ آپ کا ذکر پہلے کئے جانے کا مطلب ہے کہ عبد الرحمن نام کے بعد احمد نام ذکر کیا گیا (اور اس کے بعد محمد نام ذکر ہوا) جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلٰی الْاَیۡمِ ۝۱۹ سورہ فرقان رکوع ۶

ترجمہ:- اور (حضرت) محمد بن عبد الرحمن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین میں عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔

(یہاں عبد الرحمن (عباد الرحمن عبد الرحمن کی جمع ہے یعنی رحمن کے بندے) کا ذکر ہوا تو گویا سب سے زیادہ محبوب نام عبد اللہ، پھر عبد الرحمن پھر احمد اور پھر محمد ہے)۔ اور اس کے بعد ابراہیم نام پسندیدہ

ہے۔ اگرچہ اس کے برخلاف بعض نے ابراہیم نام کو ترتیب میں عبد الرحمن کے بعد قرار دیا ہے۔

حضور کے بعد پہلا احمد نامی شخص..... بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے

جس شخص کا نام احمد رکھا گیا وہ حضرت جعفر ابن ابوطالب کے بیٹے ہیں۔ (اس سے پہلے زین العرائی کا قول گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نام کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ آپ کے صحابہ کے زمانے میں بھی کسی شخص کا یہ

نام نہیں رکھا گیا) یہاں جو قول ذکر کیا گیا ہے وہ زین عراقی کے قول کے خلاف ہوتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ (آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے جس کا نام احمد رکھا گیا وہ) ظلیل کے

والد ہیں۔ غالباً یہاں ظلیل سے مراد ظلیل ابن احمد ہیں جو علم عروض یعنی شعروں کے وزن کے مشہور عالم ہیں۔

میں نے اس کی تصدیق کے لئے زین العراقی کی کتاب دیکھی جنہوں نے (ظلیل کی وضاحت کرتے ہوئے) کہا

ہے کہ اسلام میں پہلا آدمی جس کا نام احمد رکھا گیا وہ علم عروض کے ماہر ظلیل ابن احمد کے والد (احمد) ہیں۔

صحابہ اور محمد نام..... عراقی کے اس قول میں اور اس قول میں مخالفت ہے کہ صحابہ کے زمانے میں بھی کسی کا

نام محمد نہیں رکھا گیا، اور خود اس قول میں بھی انکشاف ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے احمد نام

ظلیل ابن احمد کے والد کا رکھا گیا۔ کیونکہ ایک قول یہ بھی گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے

حضرت جعفر ابن ابوطالب کے بیٹے کا نام احمد رکھا گیا اس بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ عراقی کے نزدیک یہ

قول صحیح نہیں ہوگا (کہ سب سے پہلے حضرت جعفر کے بیٹے کا نام احمد رکھا گیا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ سے مروی عرواتی کے نزدیک وہ صحابہ ہیں جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد زعمورہ ہے اس طرح حضرت جعفر کے بیٹے کا نام احمد رکھا جانا قابل اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ حضرت جعفر آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں شہید ہو گئے تھے (اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسے صحابہ کے زمانے میں بھی کسی کا نام احمد نہیں رکھا گیا جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد زعمورہ ہے ہوں)

یہ ظلیل ابن احمد جو ہیں (جن کے والد کا نام سب سے پہلے احمد رکھا گیا) اپنے باپ کے پانچ بیٹوں میں سے ایک ہیں یا چھ بیٹوں سے ایک ہیں اور ان میں سے ہر ایک ظلیل ابن احمد کہلاتا تھا۔ احمد نام کی طرح ہی محمد نام بھی وہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وجود اور پیدائش سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا سوائے اس کے کہ جب یہ بات مشہور ہو گئی (جو کسی عالم بادشاہ نے کسی تھی) کہ بہت جلد ایک نبی ظاہر ہونے والے ہیں جن کا نام محمد ہو گا اور وہ ملک حجاز میں ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ اس اطلاع کے بعد چند لوگوں نے (یعنی تین آدمیوں نے جیسا کہ گزر چکا ہے) جو عرب تھے اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت و قدرت سے ان تینوں میں سے کسی نے بھی نہ تو نبوت کا دعویٰ کیا اور نہ ہی ان میں سے کسی کو نبی کہا گیا نہ ہی ان میں سے کسی پر ایسی کوئی علامت ظاہر ہوئی جس سے لوگ ان کو نبی سمجھ بیٹھتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ (محمد نام کے لوگوں میں) صرف آنحضرت ﷺ کے لئے ہی نبوت ثابت ہوئی (اور ایسی کوئی بات پیش نہیں آئی کہ کثرت اور اعتقاد کے لوگوں کو شک و شبہ یا مغالطہ ہو سکے)

کتاب قدیم میں آپ کا نام جہاں تک (بعض مورخین کی) اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ قدیم آسمانی کتابوں میں آپ کا نام احمد ذکر کیا گیا ہے تو یہ دعویٰ اس روایت کے خلاف ہے جو پیچھے بیان ہو چکی ہے (کہ ایک بادشاہ جو قدیم کتابوں کا عالم تھا اس نے تین عربوں سے کہا تھا کہ محمد ﷺ نام کے ایک نبی جلد ہی ظاہر ہونے والے ہیں) اس کے علاوہ انجیل اور تورات کا حوالہ جو آگے آ رہا ہے اس کے بھی یہ بات خلاف ہے (کہ قدیم کتابوں میں آپ کا نام محمد کے بجائے احمد ذکر کیا گیا ہے) البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ قدیم کتابوں سے مروی (تمام کتابیں نہیں بلکہ) اکثر کتابیں ہیں۔ اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی کتاب میں آپ کا نام محمد ذکر کیا گیا ہے کسی میں احمد ہے اور کسی میں احمد اور محمد دونوں نام ذکر ہیں۔

راہب اور حضور کے لئے پیشینگوئی علماء میں سے کسی نے لکھا ہے کہ میں نے محمد ابن عدی سے سنا کہ اس سے کسی نے پوچھا جاہلیت کے زمانے میں تیرے باپ نے حیر نام محمد کیسے رکھا۔ محمد ابن عدی نے جواب دیا کہ میں نے بھی اپنے باپ سے اسی کے متعلق سوال کیا تھا تو اس نے جواب دیا۔

ایک دفعہ بنی تمیم کے چار آدمی جن میں سے ایک میں بھی تھا ملک شام جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ ایک جگہ ہم نے ایک تالاب کے کنارے پر ٹوٹا ملا یہاں ایک خانقاہ بھی تھی (جب ہم وہاں ٹھہرے تو) خانقاہ کا محافظ (ہمدی گفتگو کن) ہمارے پاس آیا اور بولا کہ جو زبان تم لوگ بول رہے ہو یہ اس علاقے کے لوگوں کی زبان تو ہے نہیں یہ تو کسی دوسری قوم کی زبان ہے۔ ہم نے کہا کہ ہم مصر کی لولاد میں سے ہیں (یعنی قریش ہیں) اس نے پوچھا مصر کی لولاد میں کس شاخ سے ہو؟ ہم نے کہا مذہب کی لولاد میں سے ہیں۔ تب اس نے کہا اللہ تعالیٰ بہت جلد تم میں ایک نبی ظاہر فرمائے گا اس لئے تم لوگ فوراً اس کی پیروی کرنا اور اس نبی کی

ذلت سے اپنا حصہ حاصل کر کے رہبری پالیماں لئے کہ وہ خاتم النبیین یعنی آخری پیغمبر ہوں گے۔“

قبل ولادت آپ کے چرچے..... یہ سن کر ہم نے اس سے پوچھا کہ اس نبی کا نام کیا ہوگا اس نے کہا۔ محمد ﷺ۔ اتنا کہ کردہ اپنی خانقاہ میں واپس چلا گیا۔ خدا کی قسم اس کی یہ بات سننے کے بعد ہم میں سے ہر ایک نے خاموشی سے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر میرے یہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی لڑکا دیا تو اس کا نام محمد رکھوں گا۔ کیونکہ جو کچھ اس کا خانقاہ والے راہب نے بتلایا تھا ہمیں اس کا لالچ تھا۔ (ی) یعنی ہم میں سے ہر ایک نے منت مان لی۔ یہ بات پچھلی روایت کے مطابق ہی ہے۔ غرض اس کے بعد جب ہم وطن واپس آئے تو ہم میں سے ہر ایک کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور ہم میں سے ہر ایک نے اس آئندہ میں اپنے بچے کا نام محمد رکھا کہ ان میں سے کوئی وہ پیغمبر ہو جائے۔ مگر اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ رسالت اور پیغمبری سے کس کو نوازنے والا ہے۔“

(اس سے پہلے اسی قسم کی ایک روایت تین آدمیوں کے متعلق گزر چکی ہے جن سے یہی بات ایک بادشاہ نے کہی تھی اس لئے)

مختلف لوگ اور یکساں پیشنگوئی..... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ ممکن ہے ان چاروں آدمیوں میں سے ہی وہ تینوں بھی ہوں جو کسی بادشاہ کے پاس گئے تھے اور اس طرح ان (میں سے تین) کو یہی بات دوسرے معلوم ہوئی ایک دفعہ بادشاہ سے اور دوسری مرتبہ خانقاہ کے راہب سے (پچھلی روایت میں گزرا ہے کہ بادشاہ سے یہ بات سننے کے بعد تینوں نے یہ منت مانی کہ اپنے ہونے والے لڑکے کا نام محمد رکھیں گے۔ لیکن اس روایت میں ہے کہ چاروں نے خاموشی سے دل میں یہ فیصلہ کیا) لیکن خاموشی سے دل میں فیصلہ کرنا منت ماننے کے خلاف نہیں ہے (کیونکہ ممکن ہے منت بھی خاموشی سے دل میں ہو) اور اس طرح دل میں فیصلہ کرنے کا مطلب جیسا کہ پیچھے ذکر کیا گیا منت ماننا ہی ہے۔

یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ یہ چار آدمی جن کو راہب نے آنحضرت ﷺ کے متعلق بتلایا ان تین عربوں کے علاوہ ہوں جنہیں بادشاہ نے اس بات کی خبر دی تھی اس طرح یہ کل ملا کر سات آدمی ہوں۔
کاہنہ کی زبان سے حق بات..... ابن ظفر نے ذکر کیا ہے کہ سفیان ابن عیاض کا قبیلہ بنی حمیم کی ایک بستی میں سے گزرا اس نے دیکھا کہ سب لوگ ایک کاہنہ عورت کے پاس جمع ہیں اور وہ کہہ رہی ہے۔
”عزت والا وہ ہے جو اس کا ساتھ ہو گیا اور ذلیل وہ ہے جو اس سے دور رہا۔“

سیاہ و سرخ سب انسانوں کا نبی..... سفیان نے یہ جملہ سن کر اس کاہنہ سے پوچھا کہ خدا کے لئے یہ تو جتنا کہ تم کس کا ذکر رہی ہو؟ کاہنہ نے جواب دیا

”اسی کا جو ہدایت والا ہے، علم والا یعنی عالم ہے جو جنگ کا بھی ماہر ہے اور امن و سلامتی والا بھی ہے۔“
سفیان نے پوچھا۔ ”خدا تجھے خوش رکھے وہ کون ہے؟ کاہنہ نے کہا
”ایک نبی جو آنے والا ہے، جس کے ظاہر ہونے کا وقت آچکا ہے اور جس کی پیدائش قریب ہے۔ جو سیاہ و سرخ سب انسانوں کے لئے آئے گا اور جس کا نام محمد ﷺ ہوگا۔“

سفیان نے پھر پوچھا کہ کیوں نبی عربی ہو گیا۔ مجھے یعنی غیر عرب ہوگا۔ کاہنہ نے جواب دیا۔
”آسمان کی بلندیوں کی قسم اور پُرچہ شاخوں والے درختوں کی قسم وہ نبی معد ابن عدنان کی نسل سے ہوگا۔ بس اتنا کافی ہے۔ تم نے بہت کچھ پوچھ لیا اے سفیان۔“

چنانچہ اس کے بعد سفیان نے اس کا ہنہ سے پھر کچھ نہیں پوچھا اور اپنے گھر واپس آ گیا۔ اس کی بیوی کو اس زمانے میں حمل تھا، جب (کچھ عرصہ بعد) اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو سفیان نے بچے کا نام اس حنا میں محمد رکھا کہ وہ نبی کی ہو جائے جس کے کو صاف اس کا ہنہ نے بیان کئے تھے واللہ اعلم۔

محمد نامی افراد کی تعداد..... محققین میں سے کسی نے ایسے لوگوں کی تعداد سولہ بتلائی ہے جن کا نام (آنحضرت ﷺ سے پہلے) محمد رکھا گیا اور ان سب کو ان شعروں میں ذکر کیا ہے

إِنَّ اللَّهَ سَمَّاهُ بِاسْمِ مُحَمَّدٍ
مِن قَبْلِ خَيْرِ الْخَلْقِ جَعَلَ ثَمَانٍ

ترجمہ :- مخلوق میں سب سے بہترین انسان (یعنی آنحضرت ﷺ) سے پہلے جن لوگوں کا نام محمد رکھا گیا وہ آٹھ کے دو گئے یعنی سولہ ہیں۔

إِبْنُ الْبَرَاءِ مَجَابِعَ بْنِ رَيْعَةَ
ثُمَّ ابْنُ مُسْلِمٍ يَعْمَدِي حِرْمَانِي

لَيْثِي السُّلَمِي وَابْنِ اسْمَعِيلَ
سَعْدِي وَابْنِ سَوَّاءَ هَمْدَانِي

وَإِبْنُ الْجَلَامِ مَعَ الْأَسَدِي بِأَلْفِي
ثُمَّ الْفُطَيْمِي هَكْلًا الْحِمْرَانِي

ایک مورخ نے کہا ہے کہ ان میں دو آدمی (جن کے نام محمد تھے) ذکر نہیں ہیں وہ دو محمد ابن حرت اور محمد ابن..... عمر ابن مفضل ہیں (مفضل اسی طرح پڑھا جائے جس طرح لکھا گیا ہے) اس بارے میں مورخین کا زبردست اختلاف ہے کہ ان (سولہ یا آٹھارہ) لوگوں میں سب سے پہلا کون ہے جس کا نام آنحضرت ﷺ سے پہلے محمد رکھا گیا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ ابن ہاشم کی کتاب "شرح کفایہ" میں ہے کہ وہ چار یا سات آدمی (جن کا ذکر پیچھے گزرا ہے) کہ انہوں نے ایک بادشاہ یا کاہن سے آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی سن کر اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے تھے ان کے علاوہ جن دوسرے لوگوں نے اپنے بیٹوں کے یہ نام رکھے انہوں نے بھی (آنحضرت ﷺ کے متعلق وہ پیشین گوئی ان ہی چار یا سات آدمیوں سے سن کر اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھ دیئے ہوں اور اسی آرزو میں رکھے ہوں کہ وہ نبی کا بیٹا ہو جائے (کیونکہ عجیبی روایتوں میں صرف چار یا سات آدمیوں کا تذکرہ ہے جب کہ ان شعروں میں سولہ یا آٹھارہ ایسے آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا نام محمد رکھا گیا۔

یوسفؑ کی زبانی موسیٰؑ کی بشارت..... اسی طرح کا ایک واقعہ بنی اسرائیل کے ساتھ بھی پیش کیا تھا کہ حضرت یوسفؑ جو بنی اسرائیل کے پہلے نبی ہیں جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے بنی اسرائیل کو اس کی خبر دی۔ انہوں نے یہ خبر سن کر حضرت یوسفؑ سے عرض کیا۔

"اے خدا کے پیغمبر! ہم یہ جانتا چاہتے ہیں کہ آپ کے ہمارے سامنے سے ہٹ جانے کے بعد ہمارے دین کے معاملات کا کیا بنے گا؟"

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔

”تمہارا دین اسی طرح باقی اور قائم رہے گا یہاں تک کہ تم میں ایک قبیلی شخص (یعنی فرعون پیدا ہوگا جو بے حد ظالم اور سرکش ہوگا۔ یہ شخص خدائی کا دعویٰ کرے گا، تمہارے بچوں کو ذبح کرے گا اور تمہاری عورتوں کی بے حرمتی اور بے عزتی کرے گا۔ آخر تم بنی اسرائیل میں سے ایک شخص ظاہر ہوگا جس کا نام موسیٰ ابن عمران ہوگا۔ اللہ اسی شخص کے ذریعہ تمہیں قبیلوں سے نجات دلائے گا۔“

یہ سننے کے بعد بنی اسرائیل میں سے جس شخص کے یہاں بھی لڑکا پیدا ہوتا وہ اس کا نام عمران (یعنی موسیٰ کے والد کا نام) رکھ دیتا اور اس آرزو میں رکھتا کہ کاش وہ نبی اس بیٹے کی ولادت میں ہو جائے (کیونکہ اپنے بیٹوں کا نام موسیٰ تو اس لئے نہیں رکھ سکتے تھے کہ حضرت یوسفؑ نے حضرت موسیٰؑ کے والد کا نام عمران بتلادیا تھا جبکہ ان لوگوں میں کسی کا نام عمران نہیں تھا۔ اسی وجہ سے وہ لوگ اپنے بیٹوں کا نام عمران رکھتے تاکہ موسیٰ ان کے بیٹے عمران کے یہاں پیدا ہو جائیں اور یہ اعزاز اس کو مل جائے)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ حضرت موسیٰؑ کے والد عمران اور حضرت عیسیٰؑ کی والدہ حضرت مریم کے والد عمران (ایک نہیں ہیں بلکہ ان) کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تیزیہ بھی واضح رہے کہ حضرت یوسفؑ کو بنی اسرائیل کا پہلا نبی ہونے کے بعد کہا گیا کہ ”اسرائیل اللہ کا لقب ان کے والد ماجد حضرت یعقوبؑ کا تھا جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے) آپ کے زمانے میں محمد نامی لوگ..... جن لوگوں کا نام آنحضرت ﷺ سے پہلے محمد رکھا گیا ان میں سے ان لوگوں نے اسلام کا زمانہ پایا، محمد ابن ربیعہ، محمد ابن حارث اور محمد ابن مسلمہ۔ اگرچہ ان میں سے محمد ابن مسلمہ کے بارے میں بعض لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ (یہ آنحضرت ﷺ سے پہلے نہیں ہیں بلکہ) یہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے چند سال سے بھی زیادہ عرصے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔

علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں جس کا نام سب سے پہلے محمد رکھا گیا وہ محمد ابن حاطب

ہیں۔

محمد نام کے سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ حدیث بیان کرتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا)

”قرآن پاک میں میرا نام (ی) یعنی تورات کی طرح۔ محمد ﷺ ذکر ہے اور انجیل میں احمد ﷺ۔“

محمد نام رکھنے کی فضیلت..... اس نام یعنی محمد نام رکھنے کی فضیلت کے حلقہ بہت احادیث اور مشہور روایات ہیں۔ (ی) ان میں سے ایک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میری عزت اور جلال کی قسم۔ میں کسی ایسے شخص کو جہنم کا عذاب نہیں دوں گا جس کا نام آپ کے نام پر ہو۔“

(ی) یعنی آپ کے مشہور نام محمد ﷺ یا احمد ﷺ پر جس کا نام ہو۔

محمد نام سے رزق میں برکت..... ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

”ہر ایسا ستر خوان جس کو بچانے کے بعد اس پر (کھانا کھانے کے لئے) کوئی ایسا شخص آئے جس کا نام

احمد یا محمد ہو۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ جس پر میرے نام کا کوئی شخص کھانا کھائے۔ اللہ تعالیٰ اس مکان کو (جس میں یہ دسترخوان بچا ہے) ہر روز دو مرتبہ بارگاہ برکت اور پاک کرتا ہے۔“

محمد و احمد نام کے لوگ جنتی..... ان ہی میں سے ایک حدیث ہے۔

”میدان حشر میں کوہِ بندے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ (ی) جن میں سے ایک کا نام احمد ہو گا اور دوسرے کا نام محمد ہو گا۔ ان کے متعلق حکم ہو گا کہ ان کو جنت میں پہنچا دیا جائے، وہ دونوں عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! تو نے کس بناء پر ہمارے لئے جنت کو آسان فرمایا جب کہ ہم نے ایسا کوئی نیک عمل نہیں کیا جس کے بدلے میں تو ہمیں جنت عطا فرماتا؟ حق تعالیٰ کا ارشاد ہو گا تم دونوں جنت میں پہنچ جاؤ اس لئے کہ میں نے اپنی قسم کھائی ہے کہ ایسے کسی شخص کو جہنم میں نہیں بھیجوں گا جس کا نام احمد یا محمد ہو گا۔“

بچے کا نام محمد تو باپ جنت میں..... مگر بعض محدثین کہتے ہیں کہ محمد نام کی فضیلت میں جو احادیث ہیں وہ صحیح نہیں ہیں بلکہ اس سلسلے میں جتنی روایتیں بھی آتی ہیں وہ سب موضوع یعنی من گھڑت ہیں۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ ان احادیث میں جو سب سے زیادہ صحیح ہونے کے قریب ہے وہ صرف یہ ہے کہ :-

”جس شخص کے یہاں لڑکا پیدا ہو اور وہ میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کے لئے اس بچے کا نام محمد رکھے تو وہ شخص اور اس کا بچہ دونوں جنتی ہوں گے۔“

محمد نامی شخص کا اعزاز چاہئے..... اور انھیں اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں جنہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ

”اگر تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو نہ اس کو مارو اور نہ اس سے پرہیز کرو۔“

ایک دوسری روایت میں ہے جس کے بعض رولویوں کے متعلق یہ الزام ہے کہ وہ حدیث گھڑتے تھے کہ (جس بچے کا نام محمد رکھ دو نہ اس کو گالی دو نہ ذلیل کرو اور نہ اس سے نفرت کرو بلکہ اس کی عزت و احترام اور اعزاز کرو، اس کی قسم کا پاس کرو اور (جب وہ تہلے مجلس میں آئے تو اس کے لئے مجلس میں جگہ خالی کرو، اس کو کو سناہت دو اللہ تعالیٰ نے محمد نام میں برکت رکھی ہے اور اس گھر میں بھی برکت رکھی ہے جس میں محمد نام کا آدمی ہو اور اس مجلس میں بھی برکت رکھی ہے جس میں محمد نامی شخص ہو۔“

ایک روایت میں ہے کہ ”(یہ بات بہت بری ہے کہ) تم بچے کا نام محمد رکھو اور پھر اسے گالی دو۔“

ایک روایت ہے جس کے بعض رولویوں کو غیر معتبر کہا گیا ہے کہ :-

”کیا تمہیں اس بات سے حیا نہیں آتی کہ (اپنے محمد نام کے بچے کی لائے محمد کہہ کر اسے مارو“

محمد نام لولاد میں نہ رکھنا جمالت..... حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا)

”جس شخص کے یہاں تین لڑکے ہو گئے اور اس نے ان میں سے کسی کا نام محمد نہیں رکھا اس نے جمالت کا ثبوت دیا۔ (ی) ایک روایت میں ہے کہ اس نے بُرا کیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے میرے ساتھ برائی کی۔“

محمد نام تجویز تو لڑکا پیدا ہو گا..... ایک محدث نے ایک اور حدیث نقل کی ہے اگرچہ وہ مرفوع احادیث میں سے نہیں ہے وہ حدیث یہ ہے

جو شخص یہ چاہے کہ اس کی بیوی کے حمل سے لڑکا پیدا ہو تو وہ اپنا ہاتھ حائل بیوی کے پیٹ پر رکھے کہے کہ۔ ”اگر اس حمل سے میرے یہاں لڑکا پیدا ہو تو میں اس کا نام محمد رکھوں گا۔ تو اس (نیت کے اثر سے) اس کے یہاں لڑکا پیدا ہو گا۔“

ایک حدیث ہے جس کو عطاء نے نقل کیا ہے کہ :-

”جس بچے کا نام (اس کی پیدائش سے پہلے) ماں کے پیٹ میں رہتے ہوئے محمد رکھ دیا جائے تو وہ لڑکا ہی پیدا ہوگا۔“

ابن الجوزی نے موضوعات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے رویوں کا سلسلہ بعض محدثین نے حضور ﷺ تک پہنچایا ہے۔

مشورہ میں محمد نامی شخص سے برکت..... (ی) ایک روایت ہے کہ ”جو لوگ بھی کسی مشورہ کے لئے جمع ہوئے اور ان میں محمد یا احمد نام کا بھی کوئی شخص ہو اور انہوں نے اس شخص کو بھی مشورہ میں شریک کیا تو ان کے لئے ضرور اس معاملہ میں خیر اور بھلائی ظاہر ہوگی جس کے لئے انہوں نے مشورہ کیا ہے اور جس گھر میں بھی محمد نام (کا کوئی شخص ہو گا اس گھر میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرماتا ہے۔“

یہ نام اور کھانے میں برکت..... اس روایت کے روی پر اتمام ہے کہ وہ مجرد ہے (یعنی اس کی سچائی، راست بازی اور حافظہ پر علماء نے شک کا اظہار کیا ہے۔

ایک روایت ہے کہ ”جو لوگ بھی کوئی حلال کھانا کھانے بیٹھیں اور ان لوگوں میں کوئی ایسا شخص بھی ہو جس کا نام میرے نام پر ہو تو اس میں ان کے لئے دو گنی برکت ظاہر ہوگی۔“ یہاں نام سے آنحضرت ﷺ کے مشہور نام احمد یا محمد مراد ہیں۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

اس نام پر گھر کی حفاظت..... کتب شفا میں ہے کہ۔ ”اللہ تعالیٰ کے کچھ ملائکہ (یعنی فرشتے) ایسے ہیں جن کا کام ایسے گھروں کی حفاظت کرنا ہے جس میں محمد نام ہو۔“ حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

حضرت امام حسینؑ ابن علی ابن ابوطالبؑ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص کی بیوی کے حمل ہو اور وہ یہ نیت کرے کہ وہ اس (بچے) کا نام محمد رکھے گا تو چاہے وہ بچہ لڑکی ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کو لڑکا بنا دیتا ہے۔“

اس حدیث کے رویوں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے اپنے یہاں ساتھ مرتبہ یہ نیت کی اور سب کا نام محمد ہی رکھا (یعنی ہر مرتبہ اس حدیث کی سچائی کا تجربہ ہوا کہ لڑکا پیدا ہوا اور میں نے نیت کے مطابق ہر ایک کا نام محمد رکھا)۔

نیز آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔

”جس شخص کی بیوی حاملہ ہو اور وہ شخص یہ فیصلہ کرے کہ اس بچے کا نام محمد رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو لڑکا عطا فرماتا ہے۔“

آپ کے نام کی خیر و برکت..... ایک مرتبہ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اس کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا۔ آپ نے فرمایا ”حق تعالیٰ کے نام پر یہ فیصلہ کر لو کہ جو لڑکا اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائیں اس کا نام محمد رکھو گی۔“

چنانچہ اس عورت نے ایسا ہی کیا اور اس کے نتیجہ میں اس کا وہ لڑکا زندہ رہا۔

جنت میں آدم کا لقب ابو محمد..... عربوں کا یہ دستور تھا کہ وہ جب کسی شخص کی عظمت اور احترام کرتے تھے

تو اس کی کنیت یعنی لقب رکھتے تھے اور اس کی ولادت میں جو سب سے زیادہ قابل اور لائق ہوتا تھا اس کے نام پر کنیت یعنی لقب رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے ایک مرفوع روایت ہے کہ :-

”جنت میں ہر شخص کو اسی کے نام سے پکارا جائے گا مگر حضرت آدمؑ کو ابو محمدؑ (محمدؑ کے باپ) کہہ کر پکارا جائے گا جس سے حضرت آدمؑ کی تعظیم اور آنحضرتؑ کی توقیر اور احترام مقصود ہوگا۔“

یہ حافظہ میاطی کا قول ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ
”کوئی شخص یعنی جنت والوں میں سے کوئی شخص سوائے آدمؑ کے ایسا نہیں ہوگا جس کو کوئی لقب دیا جائے ان کو یعنی حضرت آدمؑ کو ابو محمدؑ کا لقب دیا جائے گا۔“

قیامت میں محمدؑ نام کی پکار..... ایک حدیث میں ہے جو محض لہ ہے کہ :-

جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا اے محمدؑ انھوں اور بغیر حساب کتب کے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس آواز پر ہر وہ شخص اٹھ کر بڑھے گا جس کا نام محمدؑ ہوگا اور پھر رسول اللہؑ کے احترام کی وجہ سے ان میں سے کسی کو نہیں روکا جائے گا۔“

محمدؑ نام کے احترام میں مغفرت..... کتب علیہ الاولیاء میں ابو نعیم یوسف ابن ماجہ سے روایت کرتے ہیں کہ :-

بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جس نے سو سال تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی (اور گناہ کرتا رہا) اس کے بعد جب وہ مر گیا تو تو لوگوں نے اس کی لاش کو اٹھا کر (اس سے نفرت کی وجہ سے) کوڑے کے ڈھیر پر ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل فرمائی کہ اس شخص کو وہاں سے نکالو اور اس کی تہذیب و تمدن حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا۔

”اے پروردگار اپنی اسرائیل نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ اس نے سو برس تک تیری نافرمانی کی۔“ مگر اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ ہاں وہ ایسا ہی تھا مگر اس کی ایک عادت تھی کہ وہ جب بھی (اللہ تعالیٰ کی کتب) تورات کو کھولتا تھا اور اس میں محمدؑ کے نام پر اس کی نظر پڑتی تھی تو وہ اس کو چومتا تھا اور آنکھوں سے نگاہ کرتا تھا میں نے اس کی اس لوا کو قبول کر لیا اور اس کے گناہ معاف کر کے ستر حوروں کے ساتھ اس کو پہنچا دیا۔“

لوگوں میں یہ عادت پھیل گئی ہے کہ جب آنحضرتؑ کی ولادت مبارکہ کا حال سننے ہیں تو آپؑ کی تعظیم میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ قیام یعنی کھڑا ہونا بالکل ایک بدعت ہے جس کی (شریعت میں) کوئی اصل نہیں ہے۔

۱۔ حدیث مفصل وہ ہے جس کے راویوں کے سلسلے میں دو یا اس سے زائد راوی کم ہو رہے ہوں۔ مرتب

باب ہفتم (۷)

رضاعت یعنی شیر خوارگی اور اس سے متعلق واقعات

آپ کو دودھ پلانے والیاں..... کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آٹھ عورتوں کا دودھ پیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ دس عورتوں کا دودھ پیا ہے جن میں خولہ بنت منذر بھی شامل ہیں۔ ام ایمن عزیزہ کہتی ہیں کہ سب سے پہلے جس عورت نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا (ی) یعنی آپ کی والدہ کے بعد جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ وہ ثویبہ ہیں۔ (قال) یہ ثویبہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابولسب کی باندی تھیں۔ اس عورت کو ابولسب نے اس وقت آڑلو کر دیا تھا جب اس نے ابولسب کو آنحضرت ﷺ کی ولادت کی خوشخبری آکر دی تھی (آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد) ثویبہ نے ابولسب سے آکر کہا۔

”کیا آپ کو معلوم ہے کہ تمہارے بھائی عبد اللہ کی بیوی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا ہے؟“
آپ کی برکت اور ابولسب..... یہ سنتے ہی ابولسب نے (خوش ہو کر) کہا کہ تو آڑلو ہے۔ (آنحضرت ﷺ کی ولادت سے خوش ہونے کی وجہ سے) ابولسب کو اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ بدلہ دیا گیا ہے کہ میرے دن (جو رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا دن ہے) اس کے عذاب میں کمی کی جاتی ہے اور اس کو اس رات میں جہنم میں پانی پلایا جاتا ہے۔ یہ پانی اس کو اتنی مقدار میں دیا جاتا ہے جتنا انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیان فاصلے میں آسکتا ہے (یعنی ایک گھونٹ پانی) یعنی اس کے عذاب میں مزید کمی جاتی ہے وہی ہے کہ اس کو اتنی مقدار میں پانی پلایا جاتا ہے۔

پانچویں آزاد کرنے کا انعام..... کہا جاتا ہے کہ ابولسب کے رشتہ داروں میں سے کسی نے (ی) یعنی اس کے بھائی حضرت عباسؓ نے اس کو ایک رات خواب میں (اس کے مرنے کے بعد) بہت بُری حالت میں دیکھا۔ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ ابولسب کی موت کے بعد ایک سال تک میں نے اس کو خواب میں نہیں دیکھا۔ اس کے بعد ایک رات اسے دیکھا تو بہت بُرے حال میں پایا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو وہاں کن حالات سے دو چار ہوا۔ ابولسب نے جواب دیا کہ تمہارے سے جدا ہونے کے بعد مجھے بالکل سکون نہیں ملا۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ بہت بُرے حالات سے دو چار ہوا۔ پھر اس نے اپنے انگوٹھے اور انگلی سے اسی مقدار کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”بس ثویبہ کو (آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی خوش خبری سن کر) آڑلو کرنے کے بدلے میں مجھے اتنا پانی پلایا جاتا ہے۔“

اس روایت کو حافظ دمیاطی نے بیان کیا ہے۔ کتاب مواہب میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ابولہب کی موت کے بعد اس کو خواب میں دیکھا گیا۔ دیکھنے والے نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں جہنم میں ہوں بس یہ رعایت ہے کہ ہر پیر کی رات میں میرے عذاب میں کمی کی دی جاتی ہے اور مجھے ان دو انگلیوں کے درمیان فاصلے کے برابر پانی پلایا جاتا ہے۔ (ابولہب نے اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا) یہ رعایت مجھے اس لئے ملی ہے کہ میں ثویبہ کو اس وقت آزاد کر دیا تھا جب اس نے مجھے نبی کریم ﷺ کی پیدائش کی خوش خبری سنائی اور اس کے بعد اس نے آپ کو دودھ پلایا۔

ثویبہ باندی کی آزادی کب..... روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ابولہب نے ثویبہ کو اس وقت آزاد کیا تھا جب کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینے کو ہجرت فرمائی۔ (ی) یعنی حضرت خدیجہؓ ثویبہ کی بہت عزت کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے ثویبہ کو ابولہب سے خریدنا چاہا تا کہ ان کو آزاد کر دیں مگر ابولہب نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے لگے تو ابولہب نے ثویبہ کو آزاد کر دیا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں (روایتوں کے اس اختلاف کے متعلق) کہ بھی کہا جاتا ہے یہ دونوں درست ہو سکتی ہیں کیونکہ ممکن ہے ابولہب نے ثویبہ کو (آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت ہی) آزاد کر دیا ہو مگر ان کی اس آزادی کو ظاہر نہ کیا ہو اور حضرت خدیجہؓ کے ہاتھ ثویبہ کو اس نے بیچنے سے بھی اسی لئے انکار کیا ہو کہ وہ آزاد تھیں (جن کو بچا نہیں جاسکتا تھا) پھر آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے وقت اس نے ثویبہ کی آزادی کو ظاہر کر دیا ہو واللہ اعلم۔

ثویبہ بھی حضور کی دودھ پیاری..... ثویبہ نے آنحضرت ﷺ کو حلیمہ سعدیہ کے آنے سے پہلے صرف چند دن دودھ پلایا ہے اس زمانے میں یہ اپنے بیٹے سرور کے دودھ سے تھیں (سرور نام کوہم کے پیش کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ نور میں اسی طرح لکھا ہے لیکن سیرت شامی نے اس کو م کے زیر کے ساتھ سرور لکھا ہے) ثویبہ نے اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کے پچا حث کے بیٹے ابوسفیان کو بھی دودھ پلایا تھا۔

ابوسفیان بچپن کے دوست..... بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابوسفیان بچپن سے آنحضرت ﷺ کے گھر کے دوست تھے، ان میں آپ کی شبہات بھی تھی اور وہ آپ کی نبوت سے پہلے آپ سے بے حد محبت کرتے تھے مگر جب آپ ﷺ کو نبوت ملی تو ابوسفیان آپ کے دشمن ہو گئے اور دوستی چھوڑ کر آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کی شان میں توہین آمیز شعر کہنے لگے اس لئے کہ یہ ایک نہایت بہترین شاعر تھے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ آگے آئے گا یہ اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ کے لئے وہاں پہنچے تھے۔

ابوسفیان و حمزہ آپ کے رضائی بھائی..... حضرت ثویبہ نے آنحضرت ﷺ اور ابوسفیان کو دودھ پلانے سے پہلے آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب کو بھی دودھ پلایا تھا حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ سے دو سال بڑے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چار سال بڑے تھے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ یہ بات (کہ حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ سے دو سال یا چار سال بڑے تھے) اس روایت کے خلاف ہے جو پیچھے گزری ہے کہ عبدالمطلب نے بنی زہرہ کے خاندان میں ہالہ بنت وہیب سے شادی کی اور حضرت عبد اللہ کی شادی اسی خاندان میں حضرت آمنہ سے ہوئی اور عبدالمطلب کے یہاں ہالہ

سے حضرت حمزہؓ پیدا ہوئے اور یہ دونوں شادیاں ایک ہی وقت میں ہوئیں۔ نیز اس روایت میں یہ بھی گزرا ہے کہ حضرت آمنہؓ آنحضرت ﷺ کے حمل سے اسی وقت حاملہ ہو گئی تھیں جب کہ حضرت عبداللہؓ نے ان سے (پہلی بار) بھستری کی اور حضرت عبداللہؓ نے حضرت آمنہؓ کا مالک بننے کے بعد ان سے بھستری کی تھی ظاہر ہے کہ اس روایت کی روشنی میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ سے دو سال بڑے تھے (جبکہ دونوں کے ماں باپ کی ایک ہی وقت میں شادی ہوئی اور فوراً ہی حمل ٹھہر گئے۔ اس طرح آنحضرت ﷺ اور حضرت حمزہؓ کی ایک ہی عمر ہونی چاہئے) اس اختلاف کو یہ کہہ کر ہی دور کیا جاسکتا ہے کہ پہلی روایت میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ حضرت عبداللہؓ اور عبدالمطلبؓ نے ایک ہی وقت میں اپنی بیویوں سے بھستری کی تھی۔

باپ بیٹے کی شادی ایک ساتھ..... علامہ سیبلی نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب کی پھوپھی ہالہ بنت وہیب ابن عبد مناف ابن زہرہ سے عبدالمطلبؓ نے اپنی شادی اور اپنے بیٹے عبداللہؓ کی آمنہ کی ساتھ شادی ایک ہی وقت میں کی چنانچہ اس کے نتیجہ میں عبدالمطلبؓ کے یہاں ہالہ سے حضرت حمزہؓ پیدا ہوئے اور عبداللہؓ کے یہاں آمنہ سے رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے پھر ان دونوں کو ثویبہ نے دودھ پلایا۔ یہاں تک سیبلی کا کلام ہے۔

چھپے کتاب اسد الغابہ کی عبارت گزری ہے کہ..... عبدالمطلبؓ نے اپنی اور اپنے بیٹے عبداللہؓ کی شادی ایک ہی مجلس میں کی۔ اس عبارت کی طرح سیبلی کی عبارت سے یہ بات صاف نہیں ہوتی کہ عبدالمطلبؓ اور حضرت عبداللہؓ نے ایک ہی وقت میں اپنی بیویوں سے ہم بستری کی اور اس طرح یہ امکان باقی رہتا ہے کہ شادی سے مراد صرف رشتہ دینا ہو جیسا کہ پچھلے صفحات میں یہ تصریح گزری ہے کہ (شادی سے مراد یہ ہے کہ) عبدالمطلبؓ نے اسی مجلس میں ہالہ سے اپنا رشتہ دیا جس مجلس میں عبداللہؓ کا رشتہ آمنہ سے دیا۔ (اس طرح یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ان دونوں رشتوں کے بعد عبدالمطلبؓ اور حضرت عبداللہؓ کی جو شادیاں ہوئیں وہ ایک وقت میں نہ ہوئی ہوں۔ اس کے بعد یہ بھی مانا جاسکتا ہے کہ حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ سے دو سال بڑے ہوں کو اللہ اعلم۔ حضورؐ اور حمزہؓ کی عمر کا فرق..... پھر میں نے اس سلسلے میں کتاب استیعاب دیکھی جس میں لکھا ہے، حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ سے چار سال بڑے تھے لیکن یہ بات میرے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت حمزہؓ کو ثویبہ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ دودھ پلایا ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ثویبہ نے (حضرت حمزہؓ اور رسول اللہ ﷺ) دونوں کو دو مختلف زمانوں میں دودھ پلایا ہو۔ یہاں تک استیعاب کی عبارت ہے۔

اس قول میں ایک تو وہی اشکال ہے جو گزر چکا اور ایک اشکال یہ بھی ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ دونوں کو دو..... مختلف زمانوں میں دودھ پلایا تو آگے ایک روایت آئے گی کہ ثویبہ دونوں کو دودھ پلانے کے زمانے میں اپنے بیٹے سرور کے دودھ سے ٹھیں (اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ سے چار سال بڑے تھے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ثویبہ کے ایک ہی بیٹے کا دودھ چار سال تک باقی رہا یہاں تک کہ انہوں نے یہی دودھ آنحضرت ﷺ کو پلایا (کیونکہ ایک بیٹے سے عورت کی چھاتیوں میں جو دودھ اترتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ ڈھائی سال تک چل سکتا ہے اس کے بعد بچے کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے اور وہ چھاتیوں میں سے خشک ہو جاتا ہے) اس اشکال کا جواب یہ ہے وہ بھی آگے آئے گا۔

ابو سلمہ بھی رضائی بھائی..... آنحضرت ﷺ کے بعد ثویبہ نے ابو سلمہ ابن عبدالعزیٰ کو دودھ پلایا۔

(ی) یعنی جو آپ کی پھوپھی کے لڑکے تھے اور ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان کے چلے شوہر تھے۔ اس طرح گویا حضرت ثویبہ نے پہلے حضرت حمزہ کو دودھ پلایا۔ پھر ابوسفیان کو پھر رسول اللہ ﷺ کو اور پھر ابو سلمہ کو دودھ پلایا۔ مگر یہ روایت بظاہر اس بات کے خلاف ہے جو علامہ محبت طبری نے کہی ہے کہ :-
ابو اسب کی باندی ثویبہ نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا اور آپ کے ساتھ حضرت حمزہ اور ابو سلمہ عبد اللہ ابن عبد الاسد ابن عبد العزیٰ کو بھی پلایا اور ثویبہ کے یہ دودھ ان کے بیٹے سرورج کا تھلہ یہاں تک محبت طبری کا کلام ہے۔

اس میں جو اشکال ہے اس کا ذکر ہو چکا ہے (کہ اگر آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی حضرت حمزہ کو دودھ پلایا گیا ہے اور دونوں کو سرورج کا ہی دودھ پلایا گیا ہے تو دونوں کی عمروں میں چار سال کا فرق کیسے ہو سکتا ہے) اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے (ثویبہ نے دونوں کو دودھ تو اپنے بیٹے سرورج کا ہی پلایا ہے لیکن الگ الگ زمانوں میں پلایا ہو اور) انہیں اس مدت میں دوسرا حمل نہ ہوا ہو جس کی وجہ سے ان کا یہی دودھ باقی رہا جو سرورج کی پیدائش سے اتر ا تھا۔ نیز ثویبہ نے حضرت حمزہ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان حضرت ابوسفیان کو بھی یہی دودھ پلایا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

ابو سلمہ کی روایت حدیث..... حضرت ابو سلمہ نے آنحضرت ﷺ سے صرف ایک حدیث بیان کی ہے جو یہ ہے۔

حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ابو سلمہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے :-

”میں نے رسول اللہ ﷺ سے آج ایک ایسی بات سنی ہے جس سے مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ مسلمان پر کوئی بھی مصیبت آئے اگر وہ ایسا اللہ پڑھے اور پھر یہ دعا پڑھے اللہم اجرنی فی مصیبتی وأخلف علی خیر امتی (یعنی اے اللہ! مجھے اس مصیبت کا نیک بدلہ عطا فرما اور اس میں سے میرے لئے خیر اور بھلائی ظاہر فرما) تو اس دعا کا نتیجہ ضرور ایسا ہی نکلتا ہے۔“
ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ (حدیث حسن اور غریب کا مطلب گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے)

حضرت ام حبیبہ کی ایک روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو سلمہ آنحضرت ﷺ کے دودھ شریک بھائی تھے۔ حضرت ام حبیبہ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ سے عرض کیا کیا آپ میری بن یعنی ابوسفیان کی بیٹی عذہ کو (بیوی بنانا) پسند فرمائیں گے؟ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ کیا آپ میری بن حنہ بنت ابوسفیان کو (بیوی بنانا) پسند فرمائیں گے؟ مسلم شریف میں یہ قول اس طرح ہے کہ میری بن عذہ سے نکاح کر لیجئے۔ (ی) اور بخاری میں ہے کہ میری بن یعنی ابوسفیان کی بیٹی سے نکاح کر لیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر پوچھا کہ کیا تم ایسا چاہتی ہو؟ حضرت ام حبیبہ نے جواب دیا کہ ہاں میں نہیں چاہتی کہ آپ اس کو نکاح میں نہ لائیں۔ (ی) میں چاہتی ہوں کہ اس نکاح اور بھلائی میں شریک ہونے والی میری بن ہی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔
”میرے لئے ایسا کرنا جائز اور حلال نہیں ہے (یعنی بیوی کی سگی بن سے نکاح کرنا)۔“

آم حبیبہ فرماتی ہیں کہ یہ سن کر مجھے اس بات کی خبر ہوئی۔

(ی) ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

رضاعی بیٹی سے نکاح حرام..... کہ ہم باتیں کر رہے تھے (تو) حضرت ام حبیبہ نے عرض کیا کہ آپ دورہ سے رشتہ دیجئے۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ کیا آپ ابو سلمہ کی بیٹی دورہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ دورہ سے حضرت ام حبیبہ کی مراد خود اپنی بیٹی تھیں جو ان کے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہ سے تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر پوچھا کہ کیا ابو سلمہ کی بیٹی ہے۔ (حضرت ام حبیبہ فرماتی ہیں کیا میں نے عرض کیا ہلا۔ آپ نے فرمایا) خدا کی قسم اگر میری وہ سہیلی بیٹی میری پرورش اور نگرانی میں نہ بھی ہوتی تب بھی وہ میرے لئے حلال نہیں تھی وہ میرے دورہ شریک بھائی کی بیٹی ہے۔ اس کو (یعنی ابو سلمہ کو) اور مجھے تو یہ نے دورہ پلایا ہے۔

(ی) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ اگر میں ام سلمہ یعنی ام حبیبہ سے جو دورہ کی ماں ہیں نہ بھی نکاح کرتا تب بھی وہ یعنی دورہ میرے لئے حلال نہیں تھی کیونکہ اس کا باپ میرا دورہ شریک بھائی ہے۔ (ی) اور جہاں تک تمہاری بہن (یعنی حنہ یا عذہ بنت ابوسفیان) کا تعلق ہے وہ اگر میرے دورہ شریک بھائی ہے۔ (ی) اور جہاں تک تمہاری ہوتی تو بھی تو یہ میرے لئے حلال نہیں ہے کہ میں تمہاری سگی بہن کو تمہارے ہوتے ہوئے بیوی بناؤں۔ اس لئے اپنی بیٹیوں اور اپنی بہنوں کو مجھ پر پیش نہ کیا کرو۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت کا جو قول ہے کہ۔ اگر میری وہ سہیلی بیٹی میری پرورش اور نگرانی میں نہ ہوتی (تو بھی دورہ شریک بھائی کی بیٹی ہونے کی وجہ سے وہ میرے لئے حلال نہیں تھی)۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:-

وَرَبُّكُمْ الْمَلِئُیْ حُجُّوْا نَکْمَ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ اَنْتُمْ

ترجمہ:- (تم پر حرام کی گئیں)..... تمہاری بیٹیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہیں ان بیٹیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو۔

رسیدہ کا حکم..... تو یہ دونوں اقوال داؤد ظاہری کے لئے اس بات کی دلیل بنتی ہیں کہ سوتیلی بیٹی اپنی ماں کے شوہر کے لئے صرف اس وقت ہی حرام ہوتی ہے جبکہ وہ اس کی پرورش اور نگرانی میں ہو لیکن اگر وہ سوتیلی باپ کی پرورش و نگرانی میں نہ ہوتی تو اس کے لئے حلال ہے۔ (چونکہ داؤد ظاہری قرآن پاک اور حدیث کے صرف ظاہری معنی پر ہی مسئلہ نکالتے ہیں اور حق تعالیٰ اور آنحضرت کے ان ارشادات میں سوتیلی بیٹی کے ساتھ یہ قید بھی ہے کہ جو تمہاری پرورش اور نگرانی میں ہوں۔ اس لئے داؤد ظاہری کے واسطے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ سوتیلی بیٹی اگر اپنی ماں کے شوہر کی پرورش اور نگرانی میں نہ ہو تو سوتیلی باپ کے لئے اس سے نکاح حلال ہے۔ حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ مرد کے لئے اپنی بیوی کی پہلے شوہر سے جو بیٹی ہے وہ اس وقت حرام ہو جاتی ہے جب کہ مرد نکاح کے بعد اس عورت سے ہم بستری کر لے۔ یعنی صرف نکاح سے حرام نہیں ہوتی بلکہ نکاح کے بعد جب وہ بیوی سے ہم بستری کر لیتا ہے تب اس کے پہلے شوہر سے جو بیٹی ہے وہ حرام ہو جاتی ہے)

سوتیلی بیٹی کو عربی میں رسیدہ کہتے ہیں۔ یہ لفظ رب سے بنا ہے جس کا مطلب ہے اصلاح و پرورش۔ چونکہ سوتیلی باپ اس کی پرورش اور اصلاح کا ذمہ دار ہوتا ہے اس لئے سوتیلی بیٹی کو رسیدہ کہا جاتا ہے۔

سگی بہنوں سے بیک وقت نکاح حرام..... گزشتہ روایت میں حضرت ام حبیبہؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی بہن کی پیش کش کی تھی مگر آنحضرت ﷺ نے جواب میں ان سے فرمایا کہ تم اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو مجھ سے نکاح کے لئے نہ پیش کرو۔ حالانکہ ذکر صرف بہن کا تھا اس کے مطلق کہتے ہیں) یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بظاہر جواب میں صرف بہنوں کا ذکر ہونا چاہئے تھا کیونکہ حضرت ام حبیبہؓ نے صرف اپنی بہن کی پیشکش کی تھی اپنی بیٹی ورنہ کی پیش کش نہیں کی تھی (کیونکہ جس روایت میں آنحضرت ﷺ کا یہ جواب ہے اس میں صرف بہن کی پیشکش کی گئی تھی جبکہ آپ کے جواب میں بہن اور بیٹی یعنی نسبتی بہن اور سوکیلی بیٹی دونوں کو پیش کرنے سے روکا ہے) آنحضرت ﷺ کا جامع جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ام حبیبہؓ کو جو جواب دیا ہے اس کو آپ ﷺ نے ایک ایسا عام جواب دیا ہے جو آپ ﷺ کی تمام ازواج مطہرات یعنی بیویوں کے لئے عام ہے کیونکہ یہ حکم کسی ایک بیوی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام بیویوں کے لئے ہے (تاکہ تمام ازواج مطہرات کو یہ مسئلہ معلوم ہو جائے کہ بیوی کے پہلے شوہر سے جو بیٹی ہے وہ اور بیوی کی سگی بہن دونوں مرد کے لئے حلال نہیں ہے۔)

اقوال۔ مؤلف کہتے ہیں۔ اس جواب پر یہ اشکال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آپ کی بیویوں میں سے کسی نے اپنی بیٹی کو آپ کی پیشکش کی ہے تو آنحضرت ﷺ کا یہ جواب صاف اور واضح ہو جاتا ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے جواب میں جو یہ لفظ ہیں کہ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو مجھ پر پیش نہ کیا کرو اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو مجھ پر (نکاح کے لئے) پیش کرو۔ اس کے بعد پھر آنحضرت ﷺ کے جواب میں یہ لازم نہیں آتا کہ جواب دینے کے وقت یا اس سے پہلے آپ کی سوکیلی بیٹی کی پیش کش ہو چکی ہو۔

میں نے اس سلسلے میں انورویؒ کی کتاب دیکھی۔ انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ کی طرف سے آنحضرت ﷺ سے نکاح کے لئے اپنی بہن کی پیش کش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس سے پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ (تمام امت کی طرح) آنحضرت ﷺ کے لئے بھی ایسی دو عورتوں سے نکاح کرنا ناجائز ہے جو آپؐ میں سگی بہنیں ہوں۔ اس کے بعد امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اسی طرح جس نے حضرت ام حبیبہؓ کی (پہلے شوہر سے) بیٹی کے آنحضرت ﷺ سے نکاح کی پیش کی وہ بھی یہ نہیں جانتی تھیں کہ سوکیلی بیٹی سے نکاح حرام ہے۔ یہاں تک امام نووی کا کلام ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے (یعنی ازواج مطہرات میں سے کسی نے) حضرت ام سلمہؓ کی بیٹی (یعنی آنحضرت ﷺ کی سوکیلی بیٹی کی پیش کش کی تھی اور جب کہ یہ پیشکش آنحضرت ﷺ کی بیویوں سے کسی کی طرف سے تھی تو آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان۔

بالکل درست ہو گیا کہ مجھ پر اپنی بیٹیاں مت پیش کرو (کیونکہ بیٹیوں کو نکاح کے لئے پیش نہ کرنے کا حکم چند مخصوص رشتوں کو چھوڑ کر صرف بیویوں کے لئے ہی ہو سکتا ہے عام آدمیوں کے لیے نہیں ہو سکتا) پھر بھی یہ تاویل قابل غور ہے۔

اس حدیث سے ان علماء کے لئے دلیل ملتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ (عام امت کی طرح) آنحضرت ﷺ کے لئے بھی ایسی دو عورتوں سے نکاح جائز نہیں تھا جو آپس میں سگی بہنیں ہوں۔ دونوں میں بھی قول زیادہ

مضبوط اور قوی ہے۔ لیکن کچھ دوسرے علماء کا یہ قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس بارے میں (عام امت کے مقابلے میں خصوصیت حاصل تھی) یعنی عام امت کے مقابلے میں آپ ﷺ کو اس کی اجازت تھی کہ ایک عورت اور اس کی بہن سے نکاح فرما سکتے تھے۔

ماں بیٹی کو نکاح میں لینا حرام..... اسی طرح کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی (عام امت کی طرح) آپ ﷺ کے لئے جائز نہیں تھا لیکن علامہ رافعی اس قول کے خلاف گئے ہیں۔ حالانکہ وہ حدیث اس پہلو کو بھی غلط قرار دیتی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میں نے ام سلمہ سے نکاح نہ بھی کیا ہوتا تب بھی وہ یعنی ان کی بیٹی میرے لئے حلال نہیں تھی۔

اس بارے میں کتاب خصائص صغریٰ میں یہ لکھا ہے کہ دونوں باتوں میں (یعنی ایک یہ کہ ایسی عورتوں کو اپنے نکاح میں جمع کرنا جائز ہے اور دوسرا یہ کہ ناجائز ہے) ان میں سے ایک کے مطابق آپ کے لئے عورت اور اس کی بہن، عورت اور کی بھوپتی اور عورت اور اس کی خالہ کو اپنے نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ یہاں تک کہ علامہ رافعی کے قول کے مطابق آپ کے لئے عورت اور اس کی بیٹی کو بھی نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ روضہ کتاب کے مصنف نے بھی علامہ رافعی کے اس قول کو قبول کیا ہے حالانکہ عام علماء علامہ رافعی کی رائے کو غلط قرار دیتے ہیں۔

بنت حمزہ..... ایسے ہی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہ آنحضرت ﷺ کے دودھ شریک بھائی تھے چنانچہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا وجہ سے کہ آپ کو (نکاح کے لئے لڑکی پسند کرنے کے سلسلے میں) قریش کی طرف رغبت نہیں ہے؟ (ی) یعنی آپ قریش میں سے کسی کو پسند کر کے اس سے نکاح کیوں نہیں فرماتے۔ آپ نے پوچھا کیا تمہارے ذہن میں کوئی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں حمزہ کی بیٹی جن کا نام لہام ہے وہ قریش میں سب سے خوبصورت دوشیزہ ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی ہے (یعنی میرے لئے حلال نہیں ہے کیونکہ بیٹی ہے)۔

(ی) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک حضرت علیؓ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ دودھ شریک بھائی کی بیٹی آنحضرت ﷺ کے لئے (عام امت کی طرح) حرام ہے یا ممکن ہے کہ ان کو یہ معلوم نہ ہو کہ حضرت حمزہ آنحضرت ﷺ کے دودھ شریک بھائی ہیں۔

مگر ایک روایت ہے جس سے یہ ماننے میں اشکال ہوتا ہے (کہ حضرت علیؓ کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ حضرت حمزہ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی یعنی دودھ شریک بھائی ہیں اور دودھ شریک بھائی کی بیٹی حرام ہوتی ہے) چنانچہ ایک روایت میں آنحضرت ﷺ کا جواب اس طرح مذکور ہے کہ:-

”کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں ہو چکی ہے کہ وہ یعنی حمزہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دودھ کے رشتے میں بھی ان سب رشتوں کو حرام فرمایا ہے جو نسب کے رشتے میں حرام ہوتے ہیں“ (یعنی بیٹی بھائی وغیرہ وغیرہ)

آنحضرت ﷺ کے اس طرح پوچھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی (ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس جملے سے آنحضرت ﷺ کی مراد یہ ہو کہ یہ بات جان لو کہ حمزہ میرے دودھ

شریک بھائی ہیں)

حزہ سے دوہری رضاءت..... (مکمل روایت میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہ کو ایسا ہی جواب دیتے ہوئے ذرہ کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ تو میرے دودھ شریک بھائی ابو سلمہ کی بیٹی ہے، اس کو اور مجھے ثویہ نے دودھ پلایا ہے مگر اس روایت میں لامہ بنت حمزہ کے متعلق جواب دیتے ہوئے) غالباً آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ حمزہ کو اور مجھے ثویہ نے دودھ پلایا ہے۔ حالانکہ ثویہ نے حضرت حمزہ کو دودھ پلایا پھر رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا اور پھر حضرت ابو سلمہ کو پلایا اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت حمزہ ثویہ کے علاوہ بھی ایک عورت سے آنحضرت ﷺ کے دودھ شریک بھائی ہیں۔ یہ عورت قبیلہ بنی سعید کی تھی مگر حضرت حلیمہ سعدیہ کے علاوہ تھی (اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ) حضرت حمزہ بنی سعد کی اس عورت کے پاس دودھ پیتے تھے (اور آنحضرت ﷺ بھی اس زمانے میں بنی سعد کی خاتون حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس دودھ پیتے تھے ایک دن اس عورت نے جو حضرت حمزہ کو دودھ پلاتی آنحضرت ﷺ کو بھی اپنا دودھ پلادیا۔) (ی) اس طرح حضرت حمزہ دو عورتوں سے رسول اللہ ﷺ کے دودھ شریک بھائی تھے ایک تو ثویہ سے اور دوسرے بنی سعد کی اس عورت سے جس کا نام میں نہیں جانتا چنانچہ اگر آنحضرت ﷺ (حضرت علی کو حضرت حمزہ کے متعلق جواب دیتے ہوئے) صرف ثویہ کا ذکر فرماتے تو اس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ حضرت حمزہ کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ کسی دوسری عورت سے دودھ کا رشتہ حاصل نہیں ہے۔

کیا خولہ بھی آپ کی دودھ پیاری..... اصل یعنی کتب "عیون اللآثر" میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلانے والی عورتوں میں خولہ بنت منذر کا بھی ذکر کیا ہے۔
 اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے مگر جس محقق کا یہ قول ہے اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اسے وہم ہوا ہے کیونکہ خولہ بنت منذر جو ام بردہ کھلاتی ہیں انہوں نے آنحضرت ﷺ کو نہیں بلکہ آپ کے صاحبزادے ابراہیم کو دودھ پلایا۔ اس کا جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ ممکن ہے خولہ بنت منذر ام کی دو عورتیں ہوں اور ایک نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا ہو اور دوسری نے آپ کے صاحبزادے ابراہیم کو دودھ پلایا ہو۔ اور یہ کہ وہ خولہ جس نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا ہے وہ خولہ سعدیہ ہیں جنہوں نے حضرت حمزہ کو دودھ پلایا ہے اور جن کے بارے میں علامہ شمس شامی کا یہ قول مکرر ہے کہ میں ان کا نام نہیں جانتا کہ اللہ اعلم۔
 ثویہ کے مسلمان ہونے کے متعلق سوائے ابن مندہ کے کسی نے نہیں لکھا حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ کتب طبقات ابن سعد میں جو کچھ ان کے متعلق لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوئی تھیں مگر اس بات سے ابن مندہ کا قول کچھ نہیں ہوتا۔

کتب خصائص صفری میں یہ لکھا ہے کہ جس دودھ پلانے والی یعنی دایہ نے بھی آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا (اسکی برکت سے) وہ مسلمان ہو گئی مگر میں ثویہ کے بیٹے سرور کے اسلام قبول کرنے کے متعلق نہیں جانتا۔

کافر سرور بھی رضاعی بھائی..... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ایک کزور روایت ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرور مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

وہ یہ روایت ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) جب قیامت کا دن ہوگا تو میں اپنے ایک جاہلیت کے

بھائی کے لئے شفاعت اور سفارش کروں گا۔ اس کے متعلق علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ اس بھائی سے مراد آپ کا دودھ شریک بھائی ہے کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔

یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ علامہ سیوطی کی اس وضاحت کے باوجود یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ دودھ شریک بھائی سُرواح ہی ہے کیونکہ اس وضاحت میں بھی سُرواح کا نام نہیں ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس دودھ شریک بھائی سے مراد حضرت حلیمہ کے بیٹے عبداللہ ہوں جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہی اپنی والدہ حلیمہ کا دودھ پیا کرتے تھے انہوں نے اسلام کا زمانہ بھی نہیں پایا اور ان کا مسلمان ہونا معلوم بھی نہیں ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ آگے ابن حجر کی ایک روایت آئے گی کہ حلیمہ کے بیٹے عبداللہ مسلمان ہو گئے تھے واللہ اعلم

دودھ پیار کی خبر گیری..... (ی) ایک روایت اور بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثویبہ اور ان کے بیٹے سُرواح دونوں مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ثویبہ کے لئے (مدینہ منورہ سے) خرچہ وغیرہ بھیجا کرتے تھے ثویبہ کے میں تھیں۔ یہاں تک کہ نئے میں جب آنحضرت ﷺ خیر فتح فرمانے کے بعد واپس ہو رہے تھے تو آپ ﷺ کو ثویبہ کی وفات کی خبر ملی۔ آپ ﷺ نے پوچھا ان کا بیٹا سُرواح کیا کرتا ہے۔ جواب دیا گیا کہ وہ ثویبہ سے بھی ملے مرچکا ہے۔

(ی) یعنی اگر یہ دونوں مسلمان ہو گئے ہوتے تو (کے میں نہ ہوتے بلکہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ چکے ہوتے۔

آقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سُرواح نے اسلام کا زمانہ پایا ہے (یعنی آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے ان کا انتقال نہیں ہوا تھا۔ اس بارے میں علامہ سیوطی نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس روایت کے خلاف ہے کہ ثویبہ اور سُرواح کی موت کی خبر آنحضرت ﷺ کو قلعہ خیبر سے واپسی میں ملی (وہ روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے ثویبہ کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔ جب مکہ فتح ہوا تو وہاں آنحضرت ﷺ نے ثویبہ اور ان کے بیٹے سُرواح کے متعلق فرمایا۔ آپ کو بتایا گیا کہ ان دونوں کا انتقال ہو چکا ہے (گویا پچھلی روایت کے مطابق آپ ﷺ کو ان دونوں کے مرنے کی خبر ملی تھی اور اس روایت کے مطابق اس کی خبر ۸ھ میں ہوئی کیونکہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا ہے) اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے کہ میں ان دونوں کے گھر پہنچ کر آپ نے اس خبر کی تصدیق فرمانے کے لئے دوبارہ پوچھا ہو۔

پچھلی سطروں میں یہ بات گزری ہے کہ آنحضرت ﷺ ثویبہ کی خبر گیری فرماتے تھے جو کے میں تھیں اور اگر وہ مسلمان ہو گئی ہوتیں تو مدینہ کو ہجرت کرتیں اس لئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثویبہ اور سُرواح دونوں مسلمان نہیں ہوئے تھے اس بارے میں کہتے ہیں کہ یہ کہنا کہ اگر وہ دونوں مسلمان ہوتے تو ہجرت کر کے مدینہ جاتے اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے ان دونوں کو کوئی ایسی مجبوری پیش آگئی ہو کہ یہ ماں بیٹے ہجرت نہ کر سکے واللہ اعلم۔

آمنہ کا دودھ کتنے دن پیا..... (قال) ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ یعنی حضرت آمنہ نے آپ کو صرف نو دن اپنا دودھ پایا ہے

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- علامہ قضا کی کتاب عیون المعارف میں ہے کہ حضرت آمنہ نے آپ کو سات دن دودھ پلایا ہے مگر کتاب امتناع میں ہے کہ حضرت آمنہ نے ساتھ میں اپنا دودھ پلایا ہے اس کے بعد چند دن ثویبہ نے دودھ پلایا۔ یہاں تک امتناع کی روایت ہے۔

یہاں کی بعد پہلا دودھ ثویبہ کا..... اس روایت میں یہ کہنا کہ ثویبہ نے حضرت آمنہ کے بعد آپ کو دودھ پلایا یہ اس قول کے خلاف ہے جو پیچھے گزر چکا ہے کہ سب سے پہلے جس عورت نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا وہ ثویبہ ہیں۔ اس بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس روایت میں سب سے پہلے دودھ پلانے والی عورت سے مراد وہ ہے کہ جس نے آپ کی والدہ کے بعد سب سے پہلے آپ کو دودھ پلایا۔ اس کے بعد دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا مگر علامہ ابن محدث نے کتاب عیون الاثر کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ سب سے پہلا دودھ جو آنحضرت ﷺ کے پیٹ میں پانچواں ثویبہ کا دودھ ہے کتاب عیون الاثر میں یہ ہے کہ سب سے پہلے جس عورت نے آنحضرت ﷺ کو اپنا دودھ پلایا وہ ثویبہ ہیں۔ علامہ ابن محدث اس سے یہ کہتے ہیں کہ پہلا دودھ جو آنحضرت ﷺ کے پیٹ میں پانچواں ثویبہ کا ہے حالانکہ جیسا کہ بیان کیا گیا دودھ پلانے کے سلسلے میں ثویبہ کو جو اولیت حاصل ہے وہ اس طرح ہے کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کے بعد سب سے پہلے انہوں نے ہی آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا۔ مگر خود علامہ ابن محدث نے اس طرح نہیں لکھا کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ کے بعد سب سے پہلا دودھ جو آنحضرت ﷺ نے پلا وہ ثویبہ کا ہے۔ واللہ اعلم۔

بچپن میں معجزہ..... (قال) آنحضرت ﷺ کو قبیلہ بنی سلیم کی تین کنواری لڑکیوں نے بھی دودھ پلایا ہے۔ انہوں نے اپنی چھاتیوں کو مل کر آنحضرت ﷺ کے منہ میں دیں اور (خدا کی قدرت سے ایک دم) ان سے دودھ کی دھاریں نکل کر آنحضرت ﷺ کے منہ میں پئیں۔ ان تینوں عورتوں کا نام عاتکہ تھا ان ہی کے متعلق آنحضرت ﷺ نے یہ لڑشا فرمایا میں نبی سلیم کی عاتکہ یعنی عاتکات کا بیٹا ہوں۔ جیسا کہ یہ بات پیچھے صفحات میں گزر چکی ہے۔

کیا ام ایمن بھی دودھ پیدائی..... یہ روایت جو گزری ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ام ایمن نے بھی دودھ پلایا ہے اس کا کتاب خصائص مغربی میں انکار کیا گیا ہے۔ بلکہ کہا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی (پیدائش کے وقت) کوئی تھیں آپ کی دالیہ یعنی دودھ پلانے والی نہیں ہیں۔ اگر ان کے دودھ پلانے کو صحیح مان لیا جائے تو یہ دیکھنا پڑے گا کہ ان کے اس وقت کون سا بچہ تھا (جس کی وجہ سے ان کی چھاتیوں میں دودھ تھا) کیونکہ ان کے صرف دو ہی بیٹے مشہور ہیں ایک امین ثور دوسرے اسامہ ثور یہ دونوں آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے بہت عرصے بعد پیدا ہوئے ہیں یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ام ایمن کی چھاتیوں میں بچے کے بغیر ہی دودھ پیدا ہو گیا تھا جیسا کہ نبی سلیم کی تین کنواری لڑکیوں کے ساتھ ہو جو بیان ہو چکا ہے۔

دایہ حلیمہ سعدیہ..... اسی طرح آنحضرت ﷺ کو حضرت حلیمہ بنت ابی الدؤب نے بھی دودھ پلایا۔ ان کا لقب ام کعبہ یعنی کعبہ کی ماں تھا جو ان کی بیٹی کعبہ کے نام پر تھا۔ حضرت حلیمہ کے شوہر یعنی کعبہ کے والد کا لقب بھی اسی بیٹی کے نام پر یعنی ابو کعبہ تھا (ی) حضرت حلیمہ سعدیہ قبیلہ بنی ہوازن سے تھیں یعنی بنی سعد امین بکر امین ہوا زن کی اولاد میں تھیں۔ ان کے مسلمان ہونے کے متعلق تفصیل آگے آئے گی۔

حلیمہ کے شوہر مسلمان ہوئے..... حضرت حلیمہ سے ہی روایت ہے کہ وہ اپنی بستی سے روناہ ہوئیں ان

کے ساتھ ان کا دودھ پیتا پیچہ بھی تھا جس کا نام عبد اللہ تھا اور ان کے شوہر بھی تھے۔ (کال) شوہر کا نام حارث ابن عبد العزیٰ تھی اور لقب ابو ذؤبب تھا (ی) جیسے کو ابو کبشہ بھی ان کا لقب تھا۔ انہوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور مسلمان ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں امام ابو داؤد نے عمرو ابن سائب سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے رضاعی باپ یعنی دودھ کے رشتے کے باپ مجلس میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ فوراً ان کے اعزاز میں کمرے ہو گئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھالیا۔

ابن اسحاق سے روایت ہے کہ حارث یعنی آپ کے رضاعی باپ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مسلمان ہوئے ہیں۔ اس سے بعض علماء کے اس قول کی بھی تائید ہوتی ہے کہ اکثر علماء جنہوں نے صحابہ کرام کے نام جمع کئے ہیں انہوں نے ان میں حارث کا نام شامل نہیں کیا (کیونکہ صحابی وہ کہلاتا ہے جس نے مسلمان ہونے کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہو)۔

رضاعی باپ کا واقعہ اسلام..... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- پہلی روایت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حارث صحابہ میں داخل ہیں اس کی تائید بظاہر اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ:-
”یہ حارث کے میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لئے اس زمانے میں گئے آئے جبکہ قرآن پاک نازل ہونا شروع ہو چکا تھا، مکے میں ان سے قریش کے لوگوں نے کہا۔
”اے حارث! کیا تمہیں معلوم ہے تمہارا بیٹا کیا کرتا ہے۔“

حارث نے پوچھا کیا کرتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔

اس کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے قبروں میں سے اٹھائے گا۔ اور یہ کہ اللہ کے یہاں دو گھر ہیں جن میں سے ایک میں ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ سزا دیتا ہے جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور دوسرے میں ان لوگوں کو نیک بدلہ دیتا ہے جو اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ (ی) یعنی بڑوں کو دوزخ میں طرد دیتا ہے اور نیکوں کو انعام میں جنت دیتا ہے۔ ان باتوں سے اس نے ہم لوگوں میں پھوٹ اور تفرقہ پیدا کر دیا ہے۔
حارث یہ سن کر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔

”اے بیٹے! کیا بات ہے تمہاری قوم کے لوگ تمہاری شکایت کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ تم ایسا ایسا کہتے ہو؟ (ی) یعنی لوگ مرنے کے بعد پھر زندہ ہوں گے اور اس کے بعد جنت اور جہنم میں جائیں گے۔“
”آپ نے فرمایا۔ ”ہاں میں ایسا کہتا ہوں۔“ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ”ہاں میرا دعویٰ یہی ہے اور آبا جہاں اگر آج وہاں ہو تا تو میں آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اس بات کا ثبوت دیتا۔“
یہ سن کر حارث مسلمان ہو گئے اور شریعت کے بہت پابند ہوئے (ی) جب وہ مسلمان ہو گئے تو یہ کہا

کرتے تھے۔

”اگر میرا بیٹا اپنی بات کا ثبوت دینے کے لئے میرا ہاتھ پکڑ لیتا تو مجھے جنت میں داخل کئے بغیر نہ چھوڑتا۔“

(مؤلف نے اس روایت کے شروع میں کہا ہے کہ بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حارث صحابہ میں داخل تھے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ) ہم نے بظاہر کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ اس روایت میں (جہاں حارث کے مسلمان ہونے کا ذکر ہے وہاں) یہ لفظ ہے کہ اس کے بعد حارث مسلمان ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ بھی

ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مسلمان ہوئے، کیونکہ اس روایت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ وہ آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں (یا اسی وقت) مسلمان ہو گئے تھے۔

حلیہ سعدیہ مومنہ تھیں..... ابن حجرؒ کی کتاب شرح ہزیرہ میں اس سلسلے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ حلیہ کی سعادت اور خوش قسمتی تھی کہ وہ بھی مسلمان ہوئیں، ان کے شوہر بھی لودان کے بچے بھی مسلمان ہوئے یعنی عبداللہ، شیمالور ایسہ۔ یہاں تک ابن حجر کا کلام ہے۔

رضاعی ماں باپ کی تکرم..... کتاب اصابع میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک کپڑا بچھائے ہوئے بیٹھے تھے کہ آپ کے رضاعی باپ حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے لئے کپڑے کا کچھ حصہ چھوڑ دیا اور وہ اس پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد آپ کی رضاعی ماں یعنی حلیہ حاضر ہوئیں تو آپ نے ان کے لئے چادر کا دوسرا کنارہ چھوڑ دیا اور وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد آپ کے رضاعی بھائی پینچے تو آپ کھڑے ہو گئے اور آپ ان کے سامنے بیٹھ گئے۔

دودھ شریک بھائی کا اعزاز..... اس روایت کے بیان کرنے والے معتبر ہیں۔ یہاں آپ کے سامنے بیٹھنے سے مراد عاقلانہ یہ ہے کہ آپ کے مقابل بیٹھ گئے اس طرح گویا آنحضرت ﷺ اپنے بھائی کے مقابل یعنی سامنے بیٹھ گئے۔ مطلب یہ ہوا کہ بھائی کو آمادیکہ کر آنحضرت ﷺ کھڑے ہو گئے اور چادر پر اپنی جگہ بھائی کو بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے آپ نے ایسا اس لئے کیا تاکہ آپ کے رضاعی ماں باپ اور بھائی سب آپ کی چادر پر ہی بیٹھیں۔ واللہ اعلم۔

دایہ حلیہ اور برکات کا ظہور..... (اس تفصیل کے بعد حضرت حلیہ کی وہ روایت پھر شروع کرتے ہیں جس میں انہوں نے اپنے کے آنے اور دودھ پلانے کے لئے آنحضرت ﷺ کو حاصل کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے) وہ کہتی ہیں کہ میں سعد ابن بکر ابن ہوازن کی دس عورتوں یعنی دلیاؤں کے ساتھ روانہ ہوئی۔ ہم سب دودھ پلانے کے لئے بچے حاصل کرنے نکلے تھے۔ یہ سال بہت خشک سالی اور قحط کا تھا اور ہمارا سواری کا فخر کمزور ہو گیا تھا۔ ہمارے پاس یعنی دایہ حلیہ کے پاس ایک بوڑھی لونثی تھی جس کے ہتھوں میں ایک قطرہ دودھ بھی نہیں رہا تھا۔ دایہ حلیہ کہتی ہیں کہ ہم کبھی پوری رات آرام سے سو تھیں کہتے تھے کیونکہ ہمارا بچہ بھوک سے روتا اور بلکا رہتا تھا۔ میری چھاتیوں میں اتنا دودھ نہیں تھا جو اس کو کافی ہو سکتا اور نہ ہمارے لونثی کے ہتھوں میں ہی دودھ تھا جس سے بچے کا پیٹ بھر سکتا۔ یعنی اتنا دودھ نہیں تھا جسے پی کر بچہ سراتھا سکتا اور سیراب ہو کر آرام سے پڑ سکتا۔ دایہ حلیہ کہتی ہیں کہ اس کے باوجود ہمیں امید تھی کہ اطمینان اور فراغت حاصل ہوگی۔ چنانچہ میں اپنے اسی کمزور خچر پر سوار ہو کر روانہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں اس کمزور اور ڈلی ہٹلی لونثی کی وجہ سے قافلے سے بہت پیچھے رہ جاتی تھی جس سے سب لوگ پریشان ہوتے تھے آخر ہم لوگ کے پیچھے گئے اور دودھ پینے والے بچے تلاش کرنے لگے۔“

عرب میں دودھ پیار یوں کا دستور..... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- عربوں کا یہ دستور اور طریقہ تھا کہ جب ان کے یہاں بچہ ہو تا تھا تو وہ اس کے لئے دوسرے قبیلے کی دایہ تلاش کیا کرتے تھے تاکہ (ان میں رہ کر) بچہ فصیح زبان سیکھ جائے اور شائستہ بن سکے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عرب اپنے بچے کو کسی دایہ کے حوالے اس لئے کرتے تھے کہ ان کے نزدیک عورت کا اپنے بچے کو خود دودھ پلانا عار اور شرم کی بات تھی۔ (اتنی) یعنی ماں کا اپنے بچے کو

مستقل دودھ پلانا شرم کی بات سمجھی جاتی تھی (دایہ کے آنے سے پہلے چھ دن تک ماں اپنے بچے کو دودھ پلا دیتی تھی)

دایہ تربیت کی بھی ذمہ دار..... مگر اس بارے میں پہلا قول جو ہے کہ بچے کو فصیح اور شائستہ بنانے کے لئے دوسرے قبیلے کی دایہ کے حوالہ کیا جاتا تھا (اس کا ثبوت ایک حدیث سے بھی ملتا ہے جس میں آنحضرت ﷺ صحابہ سے فرمایا کرتے تھے کہ میں عربی بولنے کے لحاظ سے تم لوگوں میں زیادہ فصیح و بلیغ ہوں کیونکہ میں قرشی ہوں اور بنی سعد میں میں نے دودھ پیایا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کے متعلق ایک روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے آپ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا آپ نے فرمایا:۔۔۔۔۔
”کیسے نہیں ہوں گا۔ میں قبیلے کے لحاظ سے قریشی ہوں اور بنی سعد میں نے دودھ پیایا ہے۔“

زبان کی فصاحت دیہات میں..... چنانچہ اسی وجہ سے قریش اپنے بچوں کو دودھ کے زمانے میں دیہاتی عورتوں کے حوالے کیا کرتے تھے (کیونکہ عرب کی دیہاتی آبادی بہت زیادہ فصیح و بلیغ عربی بولتی تھی اور ان کا کلام نہایت شائستہ ہوتا تھا) اسی وجہ سے عبد الملک ابن مروان کے متعلق روایت ہے کہ وہ کہا کرتا تھا ہمارے لئے ولید (یعنی اس کے بیٹے) کی محبت رکاوٹ بن گئی کیونکہ اس نے بیٹے سے بہت زیادہ محبت کی وجہ سے اس کو دیہات میں دودھ پینے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اس کی ماں کے پاس شری میں یعنی اپنے پاس ہی رکھا اس لئے صحیح عربی نہیں بولتا تھا جبکہ اس کا بھائی سلیمان نہایت فصیح و بلیغ عربی بولتا تھا کیونکہ اس نے دیہات میں دایہ کے پاس دودھ پیا تھا۔

دایہ یتیم بچہ نہ لیتی..... (اس کے بعد دایہ حلبیہ کی روایت کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں کہ جب ہمارا یعنی ولیاؤں کا قافلہ مکہ پہنچا اور بچوں کو تلاش کرنے لگا تو ہم میں سے ہر ایک دایہ کو رسول اللہ ﷺ پیش کئے گئے (یعنی عبد المطلب نے ہر ہر دایہ سے آنحضرت ﷺ کو لینے کے لئے کہا) مگر جب ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ یہ بچہ یتیم ہے تو ہم آپ ﷺ کو لینے سے انکار کر دیتے تھے۔ کیونکہ بچہ لینے سے ہمارا مقصد یہ ہوتا تھا کہ بچے کا باپ ہمیں کافی انعام وغیرہ دے (جبکہ آنحضرت ﷺ کے والد کا انتقال ہو چکا تھا) اس لئے ہم کہا کرتے تھے کہ اس بچے کی ماں لو رد لو کیا انعام دیں گے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ہم آپ کو لینا نہیں چاہتے تھے۔

ولیاؤں میں حلبیہ بچے سے محروم..... میری ساتھی عورتوں میں سے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا صرف میں بغیر بچے کے باقی رہ گئی۔ آخر (ما یوس ہو کر) جب ہم نے واپس چلنے کا فیصلہ کیا تو میں نے اپنے شوہر سے کہا۔

”خدا کی قسم! مجھے یہ بات بہت بُری معلوم ہو رہی ہے کہ میں اپنی ساتھی عورتوں کے ساتھ بغیر بچے کے واپس جاؤں اب میں خدا کی قسم اسی بچے کے پاس جاؤں گی (یعنی عبد المطلب کے پوتے کے پاس) اور اسے ہی لے لوں گی۔“

یتیم عبد اللہ اور حلبیہ کی سعادت..... میرے شوہر نے کہا کوئی حرج نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ خدا ہمارے لئے اسی بچے کے ذریعہ خیر و برکت ظاہر فرمائے چنانچہ میں جا کر اسی بچے کو لے آئی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ اس تفصیل سے بعض علماء کے اس قول کی مخالفت ہوتی ہے جس میں کہا گیا

ہے کہ عبدالمطلب خود آنحضرت ﷺ کے لئے دودھ پلانے والی تلاش کرنے کے لئے نکلے اور انہیں دلیہ حلبیہ مل گئیں۔ روایتوں کے اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے عبدالمطلب نے دلیہ حلبیہ کے سوا دوسری دلیاؤں میں سے کسی کو حاصل کرنے کے لئے خود تلاش کی ہو اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کو لینے سے انکار کر دیا ہو۔ اس کے بعد جب دلیہ حلبیہ کو بھی کوئی بچہ نہیں ملا اس وقت عبدالمطلب نے ان سے آنحضرت ﷺ کو لینے کے لئے کہا ہو۔ اس بارے میں کتب شفاء الصدور میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی اسی بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کتاب میں ہے کہ دلیہ حلبیہ نے کہا۔ مجھ سے عبدالمطلب ملے اور کہنے لگے تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت ہوں۔ انہوں نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ حضور کے لئے حلبیہ کا مشورہ..... میں نے کہا حلبیہ ایہ سن کر عبدالمطلب مسکرائے اور بولے۔

”واہ۔ وہ سعادت اور حلم (یعنی خوش بخئی اور بردباری و شرافت) دونوں ایسی خوبیاں ہیں جن میں زمانے کی بھلائی اور ہمیشہ ہمیشہ..... کی عزت ہوتی ہے، اے حلبیہ۔ میرے پاس ایک یتیم لڑکا ہے جسے میں نے دودھ پلانے کے لئے قبیلہ بنی سعد کی عورتوں سے بات کی مگر انہوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ یتیم بچے کو لے کر ہمیں کیا مل جائے گا۔ ہم بچوں کے باپ سے انعام و اکرام حاصل کرنے کے لئے بچے لیتے ہیں..... اس لئے تم بتاؤ کیا تم اس بچے کو دودھ پلانے کے لئے لے سکتی ہو۔ ممکن ہے وہ بچہ تمہارے لئے خیر و برکت کا سبب بن جائے۔“

میں نے کہا ”مجھے اتنی مہلت دو کہ میں اپنے شوہر سے بھی مشورہ کر لوں۔“

حلبیہ کی رضامندی اور خوش بخئی..... یہ کہہ کر میں نے اپنے شوہر کے پاس واپس آئی اور اس کو یہ بات بتلائی۔ اس بات کو سن کر ایسا لگا جیسے اللہ تعالیٰ نے اس کا دل خوشی اور مسرت سے بھر دیا۔ چنانچہ اس نے فوراً کہا کہ حلبیہ اس بچے کو لے لو۔ میں اسی وقت عبدالمطلب کے پاس واپس پہنچی تو دیکھا کہ وہ میرے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے کہا لائیے بچے کو دے دیجئے۔ یہ سن کر عبدالمطلب کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آمنہ کے مکان میں لے گئے۔ آمنہ نے مجھے دیکھ کر خوش آمدید کہا اور مجھے اس گھر یعنی حجرے میں لے گئیں جن میں حضرت محمد ﷺ تھے۔ یہاں میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ ایک لونی کپڑے میں لپیٹے ہوئے تھے جو دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ آپ ﷺ کے نیچے سبز رنگ کا ایک ریشتی کپڑا تھا۔ آپ سیدھے لیٹے ہوئے سو رہے تھے اور آپ کے سانس کی آواز کے ساتھ ٹھٹھ کی سی خوشبو نکل کر پھیل رہی تھی۔ آپ کے حسن و جمال کی وجہ سے میں نے آپ ﷺ کو جگانا پسند نہیں کیا اور پید سے اپنا ہاتھ آپ کے سینے پر رکھ دیا آپ فوراً مسکرائے اور آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے ایک نور نکلا جو آسمان تک پہنچ گیا جبکہ میں اس کو دیکھ رہی تھی (یعنی حجرہ کے اندر ہونے کے باوجود انہوں نے یہ دیکھا)

جبین اقدس پر حلبیہ کا بوسہ..... میں نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں پید کیا اور آپ کو گود میں لے لیا۔ آپ کو لینے کا سبب میرے لئے یہی تھا کہ مجھے آپ کے سوا کوئی دوسرا بچہ نہیں ملا تھا ورنہ آپ کے جو لوصاف میں نے ذکر کئے ہیں وہ خود اس کا قاضہ کرتے ہیں کہ آپ کو حاصل کیا جائے۔“

عجاہات کا آغاز..... (ی) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دلیہ حلبیہ نے اس سے پہلے آپ کو نہیں دیکھا تھا

بلکہ آپ کو دیکھے بغیر ہی انہوں نے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد حضرت حلیمہ کہتی ہیں۔
 ”آپ کو لے لینے کے بعد میں آپ کو اپنے قافلے میں لائی جب میں نے آپ کو دودھ پلانے کے لئے
 گود میں لٹایا۔ آپ میری چھاتیوں سے (ی) یعنی دائیں چھاتی سے دودھ پینے لگے اور خدا کے حکم سے سیر
 ہو گئے۔“

آپ ایک چھاتی سے دودھ پیتے..... (ی) کیونکہ انہوں نے دوسری چھاتی آپ کے منہ میں دینی چاہی تو
 آپ نے اس کو نہیں پکڑا پھر دایہ حلیمہ کہتی ہیں۔

”اس کے بعد آپ کی یہی حالت رہی۔ (ی) کہ آپ صرف ایک دائیں چھاتی پکڑتے تھے۔ ہمدانی کی
 کتاب سوہبات میں ہے کہ حلیمہ سعدیہ کی ایک چھاتی میں دودھ نہیں ہوتا تھا مگر جب انہوں نے اس کو
 آنحضرت ﷺ کے منہ کو لگایا تو اس میں سے دودھ کی دھاریں بننے لگیں ”پھر آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے
 بھائی (یعنی دایہ حلیمہ کے بیٹے عبداللہ) نے بھی دودھ پیا اور سیر ہو کر سو گئے۔ حالانکہ اس سے پہلے اس (کے
 بھو کا رہنے) کی وجہ سے خود ہم بھی نہیں سو سکتے تھے۔ یعنی اس کا نہ سونا بھوکے رہنے کی وجہ سے ہوتا تھا اس کے
 بعد میرے شوہر اٹھ کر ہماری اسی کمر دراونٹی کے پاس گئے تو دیکھا کہ اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں
 انہوں نے اس کا دودھ نکالا اور ہم دونوں نے سیر ہو کر پیا اور بڑے آرام کیا تھا رات گزری۔ صبح کو میرے
 شوہر مجھ سے کہنے لگے۔“

”حلیمہ! کیا تمہیں معلوم ہے خدا کی قسم تم بڑا مبدک بچہ لائی ہو۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم میری
 آرزو یہی ہے۔“

برکت اور سواری کی تیز رفتاری..... اس کے بعد ہم واپس روانہ ہوئے۔ میں اپنے خچر پر سوار ہوئی اور اسی
 پر اپنے ساتھ میں نے آنحضرت ﷺ کو بھی بٹھالیا۔ اب یہ خچر اتنا تیز چلا کہ سارے قافلے کو پیچھے چھوڑ گیا۔
 یہاں تک کہ ساتھیوں میں سے کسی کا گدھا بھی چلنے میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکا آخر میری ساتھی دلیا میں مجھ
 سے کہنے لگیں:-

”اے بنت ابوذؤب! تمہیں کیا ہو گیا۔ اتنا تیز مت چلو ذرا ہمارا بھی خیال رکھو۔ کیا یہ وہی خچر نہیں ہے
 جس پر تم آئی تھیں اور جسے ایک ایک قدم چلنا مشکل ہوتا تھا۔“

میں نے ان سے کہا ہاں ہاں خدا کی قسم یہ وہی ہے۔ وہ کہنے لگیں۔ خدا کی قسم اس کا معاملہ تو عجیب ہے۔
 خچر کی گویائی..... دایہ حلیمہ کہتی ہیں کہ اس وقت میں نے سنا کہ میرا خچر بولا اور اس نے یہ کہا۔

”خدا کی قسم میرا معاملہ تو عجیب سے عجیب اور خاص سے بھی زیادہ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے
 موت کے بعد (یعنی انتہائی کمزوری کے بعد) دوبارہ زندہ کیا اور کمزوری کے بعد مجھے طاقت و قوت عطا فرمائی۔ اے
 بنی سعد کی عورتوں! تمہارا بڑا ہوتم بڑی غفلت اور بے خبری میں ہو۔ کیا تم جانتی ہو کہ میری کمر پر کون ہے؟
 میری کمر پر وہ ہیں جو بہترین نبی ہیں، پیغمبروں کے سردار ہیں، انگوں اور پچھلوں سب میں بہترین انسان ہیں اور
 پروردگار عالم کے محبوب ہیں۔“ یہ قول کتاب نطق مفہوم میں نقل کیا گیا ہے

جانور کا سجدہ شکر..... اسی خچر کے معلق حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ جب انہوں نے مکے سے روانگی کا ارادہ کیا تو
 انہوں نے دیکھا کہ اس خچر نے تین مرتبہ کعبہ کی طرف سجدہ کیا یعنی اپنا سر جھکایا پھر اس نے اپنا سر آسمان کی

طرف اٹھایا اور چل پڑا اس کے بعد دایہ حلبیہ کہتی ہیں۔

”ہجر خرابہ میں ہریالی.....“ آخر ہم بنی سعد کی بستی میں پہنچ گئے، اس وقت میرے خیال میں روئے زمین پر سب سے زیادہ خشک اور قحط زدہ علاقہ بنی قحط (آنحضرت ﷺ کی برکت سے) جس وقت سے ہم وہاں پہنچے تو میری بکریاں اس حال میں شام کو واپس گھر آتی تھیں کہ ان کے پیٹ بھرے ہوتے تھے اور تھن دودھ سے لٹکے ہوتے تھے۔ چنانچہ ہم ان کا دودھ دوہتے اور جتنا دل چاہتا پیتے۔ حالانکہ خدا کی قسم دوسروں کو (قحط کی وجہ سے اپنے جانوروں میں) ایک قطرہ دودھ بھی نہیں ملتا تھا اور ان کے تھن سوکھے ہوتے تھے یہاں تک کہ گھروں میں رہنے والے لوگ ہمارے قوم کے گھریلو سے کہتے کہ ہنر تمہیں کیا ہو گیا۔ تم لوگ اپنی بکریوں کو وہاں کیوں نہیں چراتے جہاں بنت ابو ذؤب یعنی حلبیہ کی بکریاں چرتی ہیں۔ مگر ان کی بکریاں اس حال میں چرتیں کہ وہ بھوکی رہتی تھیں اور دودھ سے خالی ہوتیں جب کہ میری بکریاں پیٹ بھر کر چرتیں اور خوب دودھ دیتیں..... ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہی خیر و برکت رہی کہ آنحضرت ﷺ کی عمر کے دو سال گزر گئے۔ آپ اتنی تیزی کے ساتھ بڑھ رہے تھے کہ عام بچے اس طرح نہیں بڑھتے۔ چنانچہ دو ہی سال کی عمر میں آپ ایک تندرست اور مضبوط لڑکے معلوم ہوتے تھے۔“

نوماء کی عمر میں صاف گفتگو..... حضرت حلبیہ سے ہی روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ دو مہینے کے ہوئے تو آپ ہر طرف پھرتے تھے۔ اس روایت سے کتب متاع کی وہ روایت کمزور ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سات ماہ کی عمر تک اپنی والدہ حضرت آمنہ کا دودھ پیا پھر حضرت حلبیہ کہتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ آٹھ مہینے کے ہوئے تو آپ اس طرح بولنے لگے تھے کہ آپ کی بات سنی اور سمجھی جانے لگی تھی۔ اور جب آپ نو مہینے کے ہوئے تو آپ بنت صاف گفتگو فرمانے لگے تھے۔ پھر جب آپ دس مہینے کے ہوئے تو آپ بچوں کے ساتھ تیر چلا لیتے تھے..... دایہ حلبیہ سے ہی روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ میری گود میں تھے کہ سامنے سے میری بکریاں گزریں۔ ان میں سے ایک قریب آئی اور اس نے آپ کو سجدہ کیا آپ کے سر مبارک کو چومنا اور دوسری بکریوں میں جا ملی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ آنحضرت ﷺ کو بکریوں نے بھی سجدہ کیا ہے اور اسی طرح آپ کی نبوت اور ہجرت کے بعد لونٹوں نے بھی سجدہ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت انس ابن مالک سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ انصاریوں میں سے کسی کے باغ میں تشریف لے گئے آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر حضرت عمرؓ اور کچھ انصاری صحابہ بھی تھے۔ اس باغ میں اس وقت ایک بکری پھر رہی تھی اس نے آپ کو سجدہ کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو بکر نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ! ہم اس بکری کے مقابلے اس کے زیادہ خدا تر تھے کہ آپ کو سجدہ کرتے۔“

”آپ ﷺ نے فرمایا ”میری امت کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ کوئی آدمی دوسرے کو سجدہ کرے۔ لیکن اگر انسان کو انسان کا سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔“ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ۔ ”مگر مرد اپنی بیوی کو یہ حکم دے کہ وہ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر جاتی رہے تو عورت کا یہ فرض اور حق ہے کہ وہ ایسا ہی کرے۔“

جانور کی تسخیر..... (آنحضرت ﷺ کو لونٹ کے سجدہ کرنے کا واقعہ اس طرح ہے کہ) ایک مرتبہ ایک لونٹ

غضبناک یعنی پاگل ہو گیا کسی شخص میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کے پاس جا سکے (اور اسے قابو میں کر سکے) صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا، آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس کو کھول دو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اسے کھول دینے کی صورت میں ہمیں اس سے آپ کے متعلق خطرہ ہے مگر آپ نے پھر یہی فرمایا کہ تم لوگ اس کو کھول دو چنانچہ آپ ﷺ کے حکم پر لوگوں نے اسے کھول دیا۔ لونٹ نے جیسے ہی آنحضرت ﷺ کو سامنے دیکھا وہ ایک دم سجدہ میں گر گیا۔ (ی) آپ نے اس کو پیشانی پر سے پکڑا اور اس کے بالک کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے کام لو مگر اس کو چارہ وغیرہ اچھی طرح دو۔ یہ واقعہ دیکھ کر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس وحشی جانور کے مقابلے میں ہم اس بات کے زیادہ حقدار تھے کہ آپ کو سجدہ کرتے۔ آپ نے جواب میں وہی فرمایا جو منجمل حدیث میں گزر چکا ہے۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیوی پر شوہر کے کتنے زیر دست حقوق ہیں۔ اسی سلسلے میں ایک حدیث اور بھی ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید انصاریہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔

”یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے۔ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی پیروی کی مگر ہم عورتیں پابند اور پردہ نشین ہیں، مگروں کے اندر رہتی ہیں، مردوں کی شہوت کی تسکین کا ذریعہ ہیں اور ان کی لولہ کا بوجھ اٹھاتی ہیں، جبکہ مردوں کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں، جنازے کی نماز ادا کرتے ہیں، جہاد میں شریک ہوتے ہیں، جب وہ لوگ جہاد میں جاتے ہیں تو ہم عورتیں ان کے مال کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کے بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال کرتی ہیں۔ تو اب یا رسول اللہ! کیا اس اجر اور ثواب میں ہم عورتوں کو بھی حصہ ملے گا جو مردوں کو حاصل ہوتا ہے؟“

حضرت اسماء کا یہ سوال سننے کے بعد آنحضرت ﷺ صحابہ کی طرف مڑے اور ان سے پوچھا۔ ”کیا تم نے اس عورت کی بات سنی جس کے ذریعہ اس نے اپنے دین کے متعلق ایک بہت اچھا سوال کیا ہے؟“

صحابہ نے عرض کیا۔ ”ہاں یا رسول اللہ! ہم نے اس کی بات سنی ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا! جاؤ اسماء اور اس بات کو جان لو کہ تم میں سے (یعنی عورتوں میں سے) جس نے اپنے شوہر کی ناز برداری کی، اس کی رضامندی کا خیال کیا اور اس کی خوشنودی کے لئے اس کی فرمانبرداری کی تو اس عورت کا ایسا کرنا مردوں کی ان تمام فضیلتوں کے برابر ہو گا جن کا تم نے ذکر کیا۔ (ی) یعنی مردوں کو جماعت میں شریک ہونے، جنازہ کی نماز پڑھنے اور جہاد کی جو فضیلت حاصل ہے اس کے برابر ہی اس کو بھی ثواب حاصل ہو گا (اگر وہ اپنے شوہر کی فرمانبرداری اور اس کی خوشنودی کے لئے کوشش کرے)۔

آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان سن کر حضرت اسماء خوشی کی وجہ سے کلمہ پڑھتی ہوئی اور بحیرہ کئی ہوئی وہاں سے واپس گئیں۔ واللہ اعلم

روزانہ نور کا نزول..... اس تفصیل کے بعد پھر حضرت علیہ السلام کی روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ پر روزانہ ایک ایسی روشنی اور نور اترتا تھا جیسا کہ سورج کی روشنی ہوتی ہے اور پھر وہ لو جھل جھل جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے دودھ پینے کے واقعہ کے متعلق قصیدہ ہمزہ کے شاعر نے ان شعروں میں اشارہ

کیا ہے۔

و بدت فی رضاء معجزات
لیس فیہا عن العیون خفاء

اذا تشہ لیتمہ مرضعات
قلن مافی الیم عنا غناء

فانتہ من ال سعد فناء
قدابہا ففقرہا للمرضعاء

اوجعہ لبیا لبیا
وبینہا البیا لبیا

اصبحت شولا شولا
ماہبا شائل ولا

اخضب العیش عتلعا بعد محل
اذغد اللبی متھا خلء

یالہا منہ تعد صو عف الاجر
علیہا من جسہا ر الجزاء

واذا سخر لا لا
لسعد فانتہم لہ سعلاء

(مطلب) یعنی آنحضرت ﷺ کے دودھ پینے کے زمانہ میں اور خود دودھ پینے میں بڑے بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آئے جو سب نے کھلی آنکھوں دیکھے۔ ان ہی میں سے ایک یہ تھا کہ دودھ پلانے والی عورتوں نے رسول اللہ کے یتیم ہونے کی وجہ سے آپ کو لینے سے انکار کر دیا مگر بنی سعد کی ایک نوجوان عورت جسے اس کی غربت کی وجہ سے بچوں کے مال باپ نے اپنا بچہ دینے سے انکار کر دیا تھا اور خود جس نے اس سے پہلے آنحضرت ﷺ کو لینے سے انکار کر دیا تھا وہ دوبارہ آپ کو لینے آئی۔ اس نے آپ ﷺ کو اپنا دودھ پلایا۔ آنحضرت ﷺ کو دودھ پلانے کی برکت فوراً ہی یہ ظاہر ہوئی کہ اس دودھ پلانے والی کی بکریاں جو بہت کمزور اور بے دودھ کی تھیں اچانک دودھ دینے لگیں اور انہوں نے دایہ حلیمہ اور ان کے بیٹے کو دودھ سے سیراب کیا۔ اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ زبردست خشک سالوں اور قحط کے بعد ان کو زندگی کا آسہ و عیش حاصل ہوا۔ یہ صرف اس کی برکت تھی کہ دایہ حلیمہ کو آنحضرت ﷺ کے لئے غذا اور خوراک حاصل کرنی تھی۔ چنانچہ حضرت حلیمہ کی یہ سعادت کتنی زبردست تھی کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو اپنا دودھ پلایا کہ انکو اس نعمت کے بدلے میں دوسری نعمت سعادت ہوئی اور جو نعمت انہوں نے آنحضرت ﷺ پر پیش کی تھی اسی قسم کی نعمت ان کو حاصل ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ آدمی جس قسم کی نیکی کرتا ہے اسی قسم کی اس کو جزا دی جاتی ہے (یعنی ملکا آدمی اپنے مال

میں بے زیادہ سے زیادہ صدقہ اور خیرات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت عطا فرماتے ہیں اور جو اس نے خرچ کیا وہی چیز اس کو دو گنی اور تین گنی ہو کر مل جاتی ہے (چنانچہ جب حضرت علیہؑ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے دودھ سے سیراب کیا تو خود ان کو بھی دودھ اور خدا سے سیراب کیا گیا۔ اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی نیک اور شریف انسان کی محبت کے لئے کچھ لوگوں کو انتخاب فرماتا ہے تو خود وہ لوگ بھی اس شریف انسان کی وجہ سے شریف اور خوش قسمت ہو جاتے ہیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ یہ روایت جو قلم میں بیان کی گئی ہے کہ علیہؑ نے ان کے غریب ہونے کی وجہ سے اپنے بچے دینے سے انکار کر دیا تھا یہ روایت میری نظر سے نہیں گزری۔ شاعر نے جو یہ بات لکھی ہے وہ حضرت علیہؑ کے اس قول کی وجہ سے لکھی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ میرے ساتھ آنے والی دلیاؤں میں میرے سوا کوئی عورت ایسی نہیں رہی کہ اس کو کوئی نہ کوئی بچہ نہ مل گیا ہو اور میں آنحضرت ﷺ کو صرف اسی وجہ سے لینے پر تیار ہوئی کہ مجھے آپ کے سوا کوئی بچہ نہیں مل سکا (یعنی حضرت علیہؑ کے اس قول سے شاعر نے یہ سمجھا ہے کہ بچے والوں نے علیہؑ سے دینے کو ان کے غریب ہونے کی وجہ سے اپنے بچے دینے سے انکار کر دیا تھا) حالانکہ ان کے اس قول سے یہ مطلب نکالنا ضروری نہیں ہے (کیونکہ ممکن ہے دوسری دلیائیں علیہؑ سے پہلے بچے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوں اور وہ علیہؑ کو دے دیں ہو جائے کی وجہ سے بچہ نہ مل سکا ہو.....) اس سلسلے میں بعض واعظوں نے علامہ حافظ ابن حجرؒ سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے متعلق واقعات جب وعظ و نصیحت کے جلسوں میں بیان کئے جاتے ہیں تو وہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو سن کر دلوں میں آنحضرت ﷺ کی عظمت کا احساس ہونے کے بجائے سننے والوں کے دلوں میں رنج و غم پیدا ہوتا ہے اس کے نتیجے میں آنحضرت ﷺ کی ذلت مبدگ ایسی سمجھا کر سامنے آتی ہے جس پر رجم اور ترس آتا ہے۔ ایسی باتیں کر سامنے نہیں آتی جس سے عظمت اور بلندی کا احساس ہو۔ واعظوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ دودھ پالنے والیاں بچے لینے کے لئے کئے جانے والی تھیں تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو لینے سے انکار کر دیا کیونکہ آپ کے پاس مال و دولت نہیں تھا (اور آپ یتیم تھے) اس لئے ایسے واقعات بیان کرنے کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

علامہ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا جواب یہ دیا جس کو قبول کیا گیا ہے کہ:-

”بیان کرنے والے کو چاہئے کہ وہ خبر یعنی حدیث میں سے وہ حصہ بیان نہ کرے جس سے اس (ذلت) کی اہمیت و عظمت کم ہوتی ہو جس کے متعلق وہ خبر ہے۔ اس سے کوئی نقصان نہیں ہو تا بلکہ بعض اوقات ایسا کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ ہمارے امام حضرت شافعیؒ کے ساتھ واقعہ پیش آیا کہ انہوں نے ایک موقع پر فرمایا کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ایک ایسی عورت کا ہاتھ (چوری کی سزا میں) کٹوا دیا جو بڑے مرتبہ والی عورت تھی۔ اس پر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

”اگر فلاں معزز عورت بھی چوری کرتی تو میں یقیناً اس کے ہاتھ کٹوا دیتا۔“

یہاں فلاں عورت کا لفظ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؑ کے متعلق استعمال کیا گیا ہے (یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادی کا نام لے کر یہ بات فرمائی لیکن امام شافعیؒ نے جب یہ حدیث نقل کی تو اس میں حضرت فاطمہؑ کا نام نہیں لیا۔ امام شافعیؒ نے انتہائی لوب کی وجہ سے ایسا کیا تا کہ ایسے معاملے میں اور ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی کا نام نہ آئے۔ خود آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا تو آنحضرت ﷺ کی

زیر دست عظمت کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ کے نزدیک شریعت کے معاملے میں ساری مخلوق یعنی تمام انسان برابر ہیں۔ دوسری طرف اس بات سے لام شافعی کے اعتقادی لوب کا اظہار بھی ہوتا ہے یعنی اگر کوئی حدیث ایسی ہے کہ جس سے آنحضرت ﷺ کے گمراہوں میں سے کسی کے احترام و عظمت میں کمی آتی ہو تو حدیث کے ایسے حصہ کو بیان نہ کرنا جائز ہے۔ اس کے بعد یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ ایسی بات جو خود آنحضرت ﷺ کی شان کے مناسب نہ ہو اس کی بیان نہ کرنا تو یقیناً جائز ہوگا "علامہ حافظ ابن حجر کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ دودھ پلانے والی عورتوں نے آنحضرت ﷺ کو لینے سے انکار کیا ہے واللہ اعلم۔

دودھ چھڑانے کے وقت تکبیر..... (قال) حضرت عبد اللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ جس وقت دایہ علیہ نے آنحضرت ﷺ کا دودھ چھڑایا تو آپ ﷺ نے اس وقت پہلا کلام یہ فرمایا اللہ اکبر کبریاً وَالْحَمْدُ لِلَّهِ کَبِيرًا، وَسُبْحَانَ اللَّهِ بُكْرَةً وَأَوَّلًا یعنی اللہ تعالیٰ سب بڑوں سے بڑا ہے اللہ تعالیٰ کے لئے بے حد اور تعریف ہے اور اس کے لئے سب سے بڑا اور شام پایا کی ہے..... لیکن پیچھے ایک روایت گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ کلام پیدا ہوتے ہی فرمایا

ایک روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ دایہ علیہ کے یہاں تھے تو ایک رات میں سب سے پہلا کلام جو آپ ﷺ نے فرمایا وہ یہ تھا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَدْ وَفَّقْنَا وَمَا كُنَّا مِنَ الْعَبِيدِ وَالرَّحْمَنُ فَخْلُهُ مَبْنِيٌّ وَلَا نَوْمُ۔ ترجمہ: کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے جو پاک ہے پاک ہے۔ تمام آنکھوں سوچتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کو جو نہایت مہربان ہے نہ نوکمرہ دیا جاسکتی ہے اور نہ نیند۔

بنی سعد کے گھروں میں خوشبو..... آنحضرت ﷺ کسی چیز کو بھی بغیر بسم اللہ کے ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ دایہ علیہ سے روایت ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے مکان میں داخل ہوئی تو قبیلہ بنی سعد کے گھروں میں کوئی گھرایا نہیں رہا جس میں سے ہمیں مشک کی خوشبو نہ آنے لگی ہو۔ اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں آنحضرت ﷺ کی محبت اور آپ کی برکت کا اعتقاد جم گیا یہاں تک کہ اگر کسی شخص کے بدن پر کوئی (پھوڑا) پھنسی یا زخم یا دوسری کوئی تکلیف ہو جاتی تو وہ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر آپ ﷺ کا ہاتھ تکلیف کی جگہ رکھ دیتا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی تکلیف اسی وقت دور ہو جاتی۔ اسی طرح اگر کسی کا لونٹ یا بکری بیمار ہو جاتی (تو) لوگ اسے آنحضرت ﷺ کے پاس لاکر آپ کا دست مہلک اس پر چھو لویتے اور جانور فوراً تندرست ہو جاتا۔

شق صدر

یعنی فرشتوں کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کا سینہ چاک کیا جانا

دایہ حلیمہؑ کہتی ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ دو سال کے ہو گئے تو ہم آپ ﷺ کو لے کر آپ کی والدہ حضرت آمنہؑ کے پاس آئے (کیونکہ اس عمر تک بچے کو واپس ملنا باپ کے پاس پہنچا دیا جاتا تھا) مگر ہم رسول اللہ ﷺ کی برکتیں دیکھ چکے تھے اس لئے ہماری تمنا تھی کہ ابھی آنحضرت ﷺ کو کچھ عرصہ اور اپنے پاس رکھیں۔ چنانچہ ہم نے اس بارے میں آپ کی والدہ سے بات کی۔ میں نے ان سے کہا۔

”یو! اچھا ہو اگر آپ بچے کو ذرا بڑا ہونے تک اور میرے پاس چھوڑ دیں!“

علامہ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ دایہ حلیمہؑ نے حضرت آمنہؑ سے یوں کہا تھا۔

”ہمیں واجلہ صدیجیہ کہ ہم بچے کو ایک سال اور اپنے پاس رکھیں کیونکہ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں اس پر کے کی بیماریوں اور آب و ہوا کا اثر نہ پڑ جائے۔“

حضرت حلیمہؑ کہتی ہیں کہ ہم اسی طرح حضرت آمنہؑ پر اصرار کرتے رہے آخر وہ مان گئیں اور ہم آنحضرت ﷺ کو لے کر واپس ہوئے۔

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت آمنہؑ نے دایہ حلیمہؑ سے خود یہ کہا

”میرے بچے کو واپس اپنے ساتھ لے جاؤ، مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس پر کے کی بیماریوں کا اثر نہ پڑ جائے، کیونکہ خدا کی قسم یہ بچہ بڑا شان والا ہوگا۔“

ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے جب دایہ حلیمہؑ نے حضرت آمنہؑ سے کہا ہو کہ بچے کو ایک سال اور ہمارے پاس رہنے دیجئے تو حضرت آمنہؑ نے جواب میں ان سے کہا ہو کہ میرے بچے کو ابھی واپس لے جاؤ اس لئے کہ تمہاری طرح میں بھی ڈرتی ہوں کہ اس پر کے کی بیماریوں کا اثر نہ ہو جائے۔“

حضرت حلیمہؑ کہتی ہیں کہ اس کے بعد ہم آنحضرت ﷺ کو لے کر واپس اپنے گھر آئے۔ آپ کو دوبارہ لانے کے چند مہینے بعد (جزئی کہتے ہیں دو ماہ یا تین ماہ بعد) ایک دن آپ اپنے دودھ شریک بھائی کے ساتھ مویشیوں کے گٹے میں تھے جو ہمارے مکان کے پیچھے تھا کہ اچانک آپ کا دودھ شریک بھائی پریشان اور بھاگتا ہوا آیا اور مجھ سے اور اپنے باپ سے کہنے لگا۔

”میرا جو وہ قریشی بھائی ہے اس کا دودھ آدمیوں نے پکڑ لیا ہے جو سفید کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اس کو انہوں نے زمین پر لٹا کر اس کا پیٹ چاک کر دیا ہے اور اپنے ہاتھ اس کے پیٹ میں ڈالے ہوئے ہیں۔“

دایہ حلیمہؑ کہتی ہیں کہ یہ سن کر میں اور میرے شوہر فوراً اس طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر ہم نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ کھڑے ہوئے ہیں اور آپ کے چہرہ مبدک کا رنگ لڑا ہوا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کا چہرہ زرد ہو رہا ہے (ی) یعنی چہرہ مبدک کا رنگ چلا ہو رہا ہے جیسے کہ مردہ کا رنگ ہوا کرتا ہے۔

آپ کے چہرہ مبارک کارنگ فرشتوں کو دیکھنے کی وجہ سے بدلا ہوا اور لڑا ہوا تھا اس لئے نہیں کہ آپ کو اس سید چرنے کے عمل سے کوئی مشقت اور تھکن ہوئی تھی کیونکہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ مجھے شق صدر یعنی سید کھولے جانے کا کوئی احساس اور تکلیف نہیں ہوئی اس لئے امن جوڑی کتے ہیں کہ اس سے (یعنی ملائکہ کے دیدار سے) آپ پر گھبراہٹ طاری ہوئی اور یہ گھبراہٹ اور بعض حضرات کے الفاظ میں۔ آپ کے چہرے کے رنگ نکالیں طرح بدلتا صرف اسی پہلی مرتبہ میں ہوا جبکہ آپ بنی سعد میں (دولہ طائر کے ہال) تھے اور آپ کی عمر تھوڑی تھی۔

غرض اس کے بعد وہ اپنے حلیہ کتنی ہیں کہ پھر میں کو وہ میرا شوہر مستقل آنحضرت ﷺ کے پاس رہے اور ہم نے آپ ﷺ سے پوچھا: ”بیٹے! تمہیں کیا ہوا تھا؟“ آپ نے فرمایا:

میرے پاس دو کوئی آئے تھے جو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے (ی) یعنی وہ دونوں حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل تھے (ی) یہی دونوں اس دوسری روایت میں بھی مل رہے ہیں جس میں آپ نے فرمایا کہ میرے پاس دو سفید رنگ کے پرندے آئے جو عتاب کی طرح تھے (غرض ان دونوں کو میوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ وہاں میں دوسرے نے کہا ہاں۔ پھر وہ دونوں میرے قریب آئے اور انہوں نے مجھے پکڑ کے لٹایا اس کے بعد انہوں نے میری لپٹ کھولا، اس میں کوئی چیز تلاش کرنے لگے آخر انہیں وہ چیز مل گئی اور انہوں نے اسے باہر نکال کر پھینک دیا، مگر میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز تھی۔“

آگے روایت آئے گی کہ جس چیز کے بارے میں آپ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ میں نہیں جانتا وہ کیا چیز تھی۔ وہ ایک سیاہ دانہ تھا جسے انہوں نے آپ کے قلب میں سے نکال کر پھینک دیا تھا (اس سیاہ دانے کے متعلق پچھلے بیان گزر چکا ہے کہ یہ انسان کے جسم میں شیطان کا گھر ہوتا ہے اور شیطان انسان کے بدن میں نہیں سے اپنے اثرات ڈالتا ہے) بہر حال اس روایت میں یہ بیان تفصیل سے نہیں بتلایا گیا ہے۔ اس کا ذکر بعض دوسری روایتوں میں آئے گا۔

ایک غریب روایت میں ہے کہ: ”آپ ﷺ پر دو عاصی پرندے اترے جن میں سے ایک نے اپنی چونچ سے آنحضرت ﷺ کا پیٹ کھولا اور دوسرے نے اپنی چونچ سے اس میں برف اور ٹھنڈک ڈالی۔“

کہا جاتا ہے کہ یہ پرندے عتاب جیسے بھی ہوتے ہیں اور سراسر جیسے بھی۔ حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل کا عتاب کی صورت میں آنا ایک لطیفہ ہے کیونکہ عتاب پر بندوں کا سردار کھلتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ:-

”میرے پاس جبرائیل آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ! ہر چیز کا ایک سردار ہوتا ہے انسانوں کے سردار آدم ہیں، کپ لولاد آدم کے سردار ہیں، آدم کے سردار صہیب ہیں، فادس کے سردار سلطان قاری ہیں، جیشیوں کے سردار لیل ہیں، دو خوش کامر دل ”سعد“ یعنی حیری کا درخت ہے۔ (سردار اگستھی جو ساقیوں آسمان پر عرش اعظم کی دائیں جانب پر کاوخت ہے جو انسانوں کے اعمال کی آخری حد ہے اور ملائکہ کے علم کی انتہا ہیں حکم ہے اور پرندوں کا سردار عتاب ہے۔“

بحرا علوم میں ہے۔
 ملائکہ یعنی فرشتوں کے سردار حضرت اسرافیل ہیں (جو قیامت کے دن صور پھونکیں گے) شہیدوں کے سردار ہاتل ہیں (جو آدم کے بیٹے ہیں اور دنیا میں سب سے پہلے قتل کئے گئے ان کو ان کے بھائی قاتل نے قتل کیا تھا) پہاڑوں کا سردار جبل موسیٰ ہے (یعنی طور پہاڑی جہاں حضرت موسیٰ نے حق تعالیٰ کی تجلی دیکھی) مویشیوں کا سردار تیل ہے جو وحشی جانوروں کا سردار ہاتھی ہے اور درندوں کا سردار شیر ہے۔ بعض حضرات نے اس میں یہ اضافہ بھی کیا ہے۔ مینوں کا سردار رمضان ہے۔ دونوں کا سردار جمعہ ہے، کلاموں کی سردار عربی ہے، عربیت کا سردار قرآن پاک ہے اور قرآن کی سردار سورہ بقرہ ہے۔

ہاتل اور قاتل کا واقعہ

(ہاتل اور قاتل کا واقعہ قرآن پاک میں بھی ذکر ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آدم کے یہاں ہر مرتبہ دو دو بچے پیدا ہوتے تھے جن میں سے ایک لڑکا ہو یا لڑکی اور ایک لڑکی۔ ان کی شادیاں اس طرح ہوا کرتی تھیں کہ ایک دفعہ کا لڑکا اور دوسری دفعہ کی لڑکی کو بیاہ دیا جاتا کیونکہ اس وقت ضرورت کی بناء پر دو بیٹ کی ولادہ دو مختلف نسب کے برابر قرار دے دی گئی تھیں۔ غرض حضرت آدم کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام ہاتل اور قاتل رکھے گئے دونوں کے ساتھ ایک ایک لڑکی پیدا ہوئی چنانچہ قاعدہ کے مطابق ہاتل کی شادی قاتل کی بہن سے طے پائی اور قاتل کی ہاتل کی بہن سے ہاتل میں قاتل کی بہن زیادہ حسین تھی۔ اس لئے قاتل نے ضد کی کہ اپنی بہن سے وہ ہاتل کی شادی نہیں ہونے دے گا بلکہ خود اس سے شادی کرے گا۔ قاتل کو حضرت آدم نے بہت سمجھایا مگر وہ نہیں مانا۔ آخر حضرت آدم نے یہ فیصلہ دیا کہ تم دونوں یعنی ہاتل اور قاتل، اللہ تعالیٰ کے نام کی کچھ غرض نہ کرنا جس کی نیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے وہ لڑکی اسی سے بیاہ دی جائے گی حضرت آدم جانتے تھے کہ ہاتل حق پر ہے اللہ تعالیٰ اسی کی نیلہ قبول فرمائیں گے غرض ہاتل اور قاتل دونوں نے اپنی اپنی نیلہ حاضر کی۔ ہاتل تو ایک عمدہ قسم کا دنبہ لایا اور قاتل کسی قتلے کے چند خوشے لایا اور ان کو کہیں رکھ دیا چانک آسمان سے ایک آگ آئی اور ہاتل کی نیلہ کو کھا گئی۔ اس وقت یہی علامت قبولیت کی تھی۔ غرض قاتل کی نیلہ بڑی رہ گئی اور وہ اس کہانی فیصلے میں بھی ہار گیا۔ اس پر قاتل بجائے شرمندہ ہونے کے بہت غضبناک ہوا اور بھائی کی جان کا دشمن ہو گیا۔ اس نے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا تاکہ تو میری بہن سے شادی نہ کر سکے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر کی روایت ہے کہ اگرچہ ہاتل زیادہ طاقتور تھا مگر خدا کے خوف سے اس نے بھائی پر ہاتھ اٹھا پسند نہیں کیا۔

ابو جعفر باقر نے لکھا ہے کہ آدم ان دونوں کی نیلہ حاضر کرنے سے اور ہاتل کی نیلہ قبول ہونے سے خوش تھے۔ اس پر قاتل نے آدم سے کہا۔

”اس کی نیلہ اس لئے قبول ہو گئی ہے کہ آپ نے اس کے لئے دعا کی تھی جبکہ میرے لئے آپ نے دعا نہیں کی۔“

قاتل نے اپنے بھائی ہاتل کو زور لیا دھمکیاں چنانچہ ایک رات جبکہ ہاتل کو چراگاہ سے آنے میں دیر ہوئی تو کوہنہ نے قاتل کو حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ قاتل وہاں پہنچا تو اس نے ہاتل کو وہاں موجود پیدا۔ قاتل نے وہاں بھی ہاتل سے کہا کہ تیری نیلہ قبول ہو گئی اور میری نہیں۔ ہاتل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کی نیلہ قبول کرتا ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔ یہ سن کر قاتل غضبناک ہو گیا اور اس نے بھائی پر چھری سے حملہ کیا اور اس کو قتل کر دیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ قاتل نے ہاتل کے سر پر اس وقت پتھر مارا تھا جبکہ ہاتل سویا ہوا تھا اور اس سے ہاتل ہلاک ہو گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ قاتل نے اس کا بڑے زور سے گلا گھونٹا اور درندوں کی طرح اس کو دانتوں سے کاٹا جس سے ہاتل ہلاک ہو گیا۔

جب قاتل نے ہاتل کو قتل کرنے کی دھمکی دی تو ہاتل نے جواب میں جو کچھ کہا وہ قرآن پاک میں ذکر ہے۔

لَنْ يَسْطِقَ اِلَيْكَ لِيُظْلِمَنِي مَا لَا يَسْطِقُ يَدِي اِلَيْكَ لَا تَهْلِكُ اِنِّىْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔

لا ایتھ پ ۱ سورہ بکراہ ۷۷

ترجمہ: اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کے لئے دست درازی کرے گا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کرنے کے لئے ہرگز دست درازی کرنے والا نہیں ہوں۔ میں تو خدا کے پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتل ایک نیک اخلاق کا آدمی تھا اور اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر اس کے دل میں بسا ہوا تھا اسی لئے اس نے اسی بری نیت کے ساتھ بھائی کے مقابلے میں آنے کی کوشش نہیں کی جس نیت سے قاتل اس پر حملہ کرنے کی دھمکی دے رہا تھا۔ اسی سے یہ حدیث ثابت ہو جاتی ہے جس کو بخاری اور مسلم نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

”جبکہ دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے کے مقابلے میں آئیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا۔

”یا رسول اللہ ﷺ اقاتل کا جہنمی ہونا تو ٹھیک ہے مگر مقتول کیوں جہنم میں جائے گا۔“

آپ نے فرمایا۔

”اس لئے کہ وہ یعنی مقتول بھی مقاتل کو قتل کرنے کی فکر میں تھا۔“

یہ دوسری بات ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہو لور نہ اس کا بس چل جاتا تو وہ بھی قتل کر دیتا۔ مگر ہاتل کا معاملہ بالکل مختلف رہا کہ قاتل اس کو قتل کرنے کی دھمکی دے رہا ہے اور ہاتل کے پاس قاتل کو قتل کرنے کا سبب بھی ہے کہ وہ اس کو مار ڈالنا چاہتا ہے مگر وہ صرف اس لئے حملہ نہیں کرتا کہ اس کے پاس کوئی ایسی کھلی دلیل نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ ایسے میں ہم مذہب بھائی کو قتل کر دینا جائز ہے یا نہیں۔ اس لئے وہ ہاتھ روکے رکھتا ہے۔ خدا کے خوف کی وجہ سے جان دے دیتا ہے۔

غرض قاتل نے ہاتل کو مار تو دیا مگر اب حیران پریشان کھڑا تھا کہ اس لاش کو کیا کرے کہ یہ روتھکے نہ پائے۔ بعض محققین لکھتے ہیں کہ ہاتل کو قتل کرنے کے بعد قاتل اس کی لاش کو ایک سال تک اپنی کمر پر اٹھائے پھر بعض نے لکھا ہے کہ سو سال تک اسی طرح حیران پریشان اس لاش کو کمر پر لادے پھر تدریجاً آخر اللہ تعالیٰ نے وہاں دو کوئے بھیجے جو آپس میں لڑے اور ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ اس کے بعد وہ کوئلہ میں پر کیا اور چونچ

اور بچوں سے مٹی کھودنے لگا اور پھر اس مُردہ کو لے کر اس گڑھے میں ڈال کر اسے دفن کر دیا۔ قاتل یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا کہنے لگا۔

عَلَيْهِ أَهْجَزَتْ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْقَرَّابِ فَأُولَئِي مَوءَاةٍ أَعْنِي فَاصْبَحَ مِنَ النَّبِيِّينَ ۖ سوره مائدہ ص ۷۷ اللہ تعالیٰ ترجمہ: افسوس میری حالت پر، کیا میں اس سے بھی گمراہ ہوں کہ اس کو بے حق کے برابر ہو تا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھاپ دیتا سو بڑا اثر مندہ ہوا۔

غرض اس طرح کوٹے کے ذریعہ قاتل کو دفن کرنے کا طریقہ بتلایا گیا۔ قتل کے وقت ہاتل کی عمر بیس سال تھی آنحضرت ﷺ کا قاتل کے متعلق ارشاد ہے :-

جو مظلوم بھی قتل کیا جائے گا تو اس کے قتل کا گناہ قاتل کے ہی برابر آدم کے بیٹے (قاتل) پر بھی ہوگا کیونکہ وہ پہلا آدمی ہے جس نے قتل کی بنیاد ڈالی۔ (تفسیر بیان القرآن والہدیہ والہامیہ جلد اس ۱۹۳/۹۳- مرتب) (اس کے بعد پھر حادیہ حلیمہ کی روایت کا اگلا حصہ بیان کرتے ہیں)

اس کے بعد ہم آنحضرت ﷺ کو بے گناہ اپنے مکان پر واپس آگئے وہاں میرے شوہر نے مجھ سے کہا کہ حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس لڑکے کو کچھ نقصان نہ پہنچ جائے اس لئے اس سے پہلے کہ اس طرح کی کوئی بات پیش آئے اس کو اس کے گھر والوں کے پاس پہنچا دو۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ لوگوں نے کہا۔
”اس بچے کو اس کے دوا کے پاس پہنچا دو اور اس امانت کی ذمہ داری سے نکل جاؤ۔“

اس روایت میں یوں ہے کہ میرے شوہر نے مجھ سے کہا۔
”میرا خیال ہے کہ تم اس بچے کو اس کی والدہ کے پاس لوٹا دو تاکہ وہ اس کا علاج وغیرہ کرائیں۔ خدا کی قسم اگر اس بچے کو کچھ ہوا تو وہ صرف فلاں خاندان والوں کی طرف سے حسد اور جلن کی وجہ سے ہوگا کیونکہ وہ لوگ اس بچے کی زبردست برکت کی وجہ سے جلنے لگے ہیں۔“

چنانچہ دایہ حلیمہ کہتی ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کو لے کر روانہ ہوئے اور مکے میں آپ کی والدہ کے پاس پہنچے۔
واقدی کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب آپ اپنی والدہ کے پاس واپس تشریف لائے تو آپ پانچ سال کے تھے۔ کتاب استیعاب میں ہے کہ آپ پانچ سال دو دن کے تھے ابن عباسؓ کے علاوہ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ آپ چار سال کی عمر میں اپنی والدہ کے پاس واپس تشریف لائے۔ اسوی کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- مجھلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دایہ حلیمہ آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ سے پہلے حضرت آمنہ کے پاس لے کر آئی تھیں۔ نیز یہ کہ اس وقت آپ کی عمر دو سال چھ مہینے تھی۔ اس بارے میں جو اختلاف ہے وہ آگے ذکر ہوگا واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ دایہ حلیمہ کہا کرتی تھیں۔
جب آنحضرت ﷺ کچھ بڑے ہو گئے تو آپ باہر نکل کر بچوں کو دیکھتے جو کھیلتے ہوئے تھے، مگر آپ

ان سے دور رہتے تھے۔ ایک روز آپ نے مجھ سے کہا۔

”تو جان اکیلا بات ہے دن میں میرے بھائی بن نظر نہیں آتے؟“

آپ کی مراد اپنے دودھ شریک بھائی بنوں سے تھی جن کے نام عبداللہ، حمزہ اور شہناز تھے اور جو حشر کی نوا دیتے تھے (دایہ علیہ کشتی ہیں کہ) میں نے جواب دیا۔

”تم پر میری جان قربان ہو وہ ہماری بکریاں چراتے ہیں اور رات کو جا کر رات ہی کو آتے ہیں (یعنی منہ اندر میرے چلے جاتے ہیں اور دن چھپے تک بکریاں لے کر واپس آتے ہیں) آپ نے فرمایا کہ مجھے بھی ان کے ساتھ بھیج دیا جائے۔“

دایہ علیہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے بھائی بنوں کے ساتھ جانے لگے (اور خوش خوش جاتے اور خوش خوش واپس آتے۔)

(ی) اس بارے میں دایہ علیہ کی ایک روایت یہ گذری ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ اپنے بھائیوں کے ساتھ ہمارے موشیوں کے گلے میں تھے جو ہمارے مکان کے پیچھے تھا اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد ہے کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ تھا جہاں ہم موشی پرارہے تھے اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک روز میں اپنے گھروالوں سے علیحدہ دہلی میں تھے اور میرے بھائی بچے میرے ساتھ تھے ان تمام روایتوں میں آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دایہ علیہ کہتی ہیں کہ اسی طرح ایک دن سب بچے صحابی بکریوں کو لے کر چلے گئے۔ دوپہر کا وقت تھا کہ اچانک آنحضرت ﷺ کا بھائی یعنی میرا چچا حمزہ پریشان اور بھانگا ہوا آیا، اس کی پیشانی سے پسینے کے قطرے ٹپک رہے تھے اس نے روتے ہوئے پکار کر کہا۔
”ابا جان۔ تبا جان۔ جلدی سے میرے بھائی محمد کے پاس پہنچ۔ تم وہاں نہیں پہنچو گے تو وہ ختم ہو جائیں گے۔“

میں نے پوچھا کیا بات ہو گئی۔ اس نے جواب دیا۔

”ہم وہاں کھڑے ہوئے تھے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا وہ محمد کو ہمارے درمیان میں سے چھٹ کر لے گیا اور انہیں پہاڑ کی چوٹی پر لے کر چڑھ گیا۔ ہماری نظریں ان ہی پر لگی ہوئی تھیں کہ اس شخص نے عمر کا سینہ پھٹ تک چاک کر دیا اس کے بعد میں نہیں جانتا کہ اس کوئی نے کیا کیا۔“

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ میرا حمزہ سے شاید آپ کے دھن دودھ شریک بھائی مرلو ہیں جن کا نام حمزہ ہے جو کہ وہ مدت دہلے پہلے تھے اس لئے شاید ان کو حمزہ کہتے تھے (حمزہ کے معنی دہلے کے ہیں)۔

اس واقعہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا قول ہے کہ (جب وہ شخص مجھے آکر وہاں سے لے گیا اور اس نے میرا سینہ چاک کر لیا تو) میرے جو بھائی ساتھ میں تھے وہ بھانگے ہوئے ہستی میں پہنچے اور چچا کی کریمہ واقعہ بتلائے گئے۔ ہو سکتا ہے کہ ان بھاک کر جانے والوں میں سب سے پہلے حمزہ ہستی میں پہنچا ہو۔ واللہ اعلم۔

غرض دایہ علیہ کہتی ہیں کہ (بچے سے آنحضرت ﷺ کے مطلق یہ خبر سننے ہی) محمد ﷺ کے ہاتھ اور میں دوڑتے ہوئے وہاں گئے مگر وہاں پہنچ کر ہم نے یہ منظر دیکھا کہ آپ پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے ہیں، نکاہیں آسمان کی طرف ہیں اور لیوں پر مجسم ہے۔ میں جلدی سے چل کر آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا پھر میں نے آپ

”تم پر میری جان قربان ہو۔ تمہیں کیا پریشانی ہو گئی تھی؟“

آپ نے فرمایا

”میں جان اخیر ہی ہے ابھی جبکہ میں کھڑا ہوا تھا تو میرے پاس تین کوئی آئے جن میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک چاندی کا برتن تھا یہاں اصل عبارت میں لفظ ابرقی ہے جس کے معنی ہیں لوہا۔ عربی میں ابرقی اس برتن کو کہتے ہیں جس میں ٹوٹی لگی ہوئی ہو دوسرے کے ہاتھ میں سبز مرد کا ایک طباق تھا وہ تینوں مجھے پکڑ کر پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے۔ پھر انہوں نے آہستہ سے مجھے وہاں لٹایا۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ۔ پھر وہ مجھے دلوئی کے لوہری جھمے میں لے گئے وہاں پہنچ کر ان میں سے ایک نے بڑھ کر مجھے دھین پر لٹا دیا اور میرا سینہ پیٹ تک چاک کر دیا۔ (روایتوں کے اس اختلاف کے متعلق آگے تفصیل آئے گی۔ غرض آپ نے فرمایا کہ جب انہوں نے میرا سینہ چاک کیا تو) میں انہیں دیکھ رہا تھا مگر مجھے کوئی تکلیف اور احساس نہیں ہوا۔

اس روایت میں غلط طور اس کے چاک کئے جانے کی تفصیل ذکر نہیں ہے۔

پہلی روایت میں دلیہ علیہ السلام کہتی ہیں کہ جب ہم وہاں پہنچے تو ہم نے آپ کو کھڑے ہوئے دیکھا اس روایت میں ہے کہ ہم نے آپ کو پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے دیکھا ان دونوں باتوں میں اختلاف دور کرنے کی صورت یہ ہے کہ ممکن ہے کھڑے ہوئے سے دلیہ علیہ السلام کی مراد یہ ہو کہ ہم نے آپ کو زعفران ملامت پلایا اور بیٹھے ہوئے ہونے سے مراد یہ ہو کہ آپ اسی جگہ موجود تھے۔ ایسے ہی پہلی روایت میں ہے کہ جب ہم وہاں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ کارنگ ہوا ہے۔ جبکہ اس روایت میں ہے کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کو بٹھتے مسکراتے دیکھا کیونکہ مسکراتے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ آپ گھبرائے ہوئے نہ ہوں تھے یہ بھی ممکن ہے کہ جب آپ ﷺ نے اپنے رضاعی باپ اور ماں کو پریشان اور تعجب کی حالت میں دیکھا تو اس پر آپ مسکرا دیے ہوں۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کی گم شدگی اور بازیابی

ابن اسحاق کہتے ہیں:- شیخ صدر (یعنی سینہ چاک کئے جانے کے) اس واقعہ کے بعد جبکہ آنحضرت ﷺ چار یا پانچ سال کے ہو چکے تھے جب دلیہ علیہ السلام آنحضرت ﷺ کو کے لار ہی تھیں تاکہ آپ کو حضرت آمنہ کے سپرد کر دیں تو کے کے بالائی علاقے میں آپ ﷺ ایک جگہ دلیہ علیہ السلام سے کو گئے (دلیہ علیہ السلام پریشانی کی حالت میں کے آئیں اور) آپ کے دلو اعدیہ مطلب سے کہنے لگیں۔

”میں آج رات عمر کو لے کر آ رہی تھی جب میں کے کے بالائی علاقے میں پہنچی تو وہ کہیں گم ہو گئے۔

اب خدا کی قسم میں نہیں جانتی وہ کہاں ہیں؟“

عبدالمطلب یہ سن کر فوراً کعبے کے پاس کھڑے ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کے مل جانے کی دعا کرنے لگے۔

کتاب مرآۃ البیان میں ہے کہ عبدالمطلب نے اس وقت یہ شعر پڑھ کر دعا مانگی۔

يَا رَبِّ رَدِّ رَدِّي وَاصْطِنِعْ عَنِّي مَدَا
اَرَدْتَهُ رَدِّي وَاصْطِنِعْ عَنِّي مَدَا

ترجمہ: پروردگار۔ میرے بیٹے محمد کو واپس بھیج دے۔ اس کو میرے پاس بھیج دے اور اسے میرا دست دہانہ بنا دے۔

آگے ایک واقعہ آئے گا جس میں ہے کہ یہ شعر عبد المطلب نے اس وقت پڑھا تھا جب ان کا ایک لونٹ گم ہو گیا تھا اور اسے تلاش کرنے کے لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ کو بھیجا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے عبد المطلب نے یہ شعر دونوں موقعوں پر پڑھا ہو۔

(غرض جب عبد المطلب نے دایہ حلیہ سے یہ وحشت ناک خبر سن کر کبچے کے پاس دواما لگی اور یہ شعر پڑھا تو) نہیں آسمان سے آواز آئی کہ کوئی یہ کہہ رہا ہے۔

”تو گو اپریشان مت ہو، محمد کا پروردگار موجود ہے وہ نہ اس کو رسوا کرے گا اور نہ ضائع ہونے دے گا۔“

عبد المطلب نے کہا کہ ان کو ہمارے پاس کون پہنچائے گا۔ آواز آئی

”وہ تمہارے والدی میں شجر یمنی کے پاس ہیں۔“

عبد المطلب اسی وقت سولہ ہو کر اس طرف روانہ ہوئے۔ ان کے پیچھے پیچھے ورقہ ابن نوفل بھی گئے۔ ورقہ ابن نوفل کے متعلق تفصیل آ رہی ہے۔ غرض جب یہ دونوں اس جگہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ درخت بہت زیادہ گہلا اور شاخوں والا تھا۔ عبد المطلب نے آپ سے پوچھا۔

”لڑکے تم کون ہو۔“

آپ نے فرمایا کہ میں محمد ابن عبد اللہ ابن عبد المطلب ہوں۔ اس پر عبد المطلب نے کہا۔

”تم پر میری جان قربان ہو۔ میں ہی تمہارا والد عبد المطلب ہوں۔“

اس کے بعد عبد المطلب نے آپ کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور رونے لگے، پھر عبد المطلب نے آپ ﷺ کو اپنے گھوڑے پر آگے بٹھالیا اور آنحضرت ﷺ کو لے کر کے آئے، یہاں انہوں نے بکریاں اور گائیں ذبح کیں اور کئے والوں کی دعوت کی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ عبد المطلب کا آنحضرت ﷺ سے یہ پوچھنا کہ تم کون ہو، شاید اس لئے تھا کہ آپ اس عمر میں جتنے بڑے ہو گئے تھے اتنے عام طور پر اس عمر کے بچے نہیں ہوتے جیسا کہ اس بارے میں دایہ حلیہ کا قول بھی گزرا ہے کہ آپ اس طرح تیزی سے بڑھ رہے تھے کہ عام طور پر بچے نہیں بڑھتے (اسی لئے عبد المطلب کو جنہوں نے ایک عرصہ کے بعد آپ کو دیکھا تھا پوتے کو پچھاننے میں دشواری ہوئی کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ آپ سدر سنی کی وجہ سے اس عرصے میں اتنے بڑے ہو گئے ہوں گے)

اس واقعہ کے متعلق سیرت ابن ہشام میں یہ ہے کہ آپ کو پانے والے (عبد المطلب کے بچائے) ورقہ ابن نوفل اور ایک دوسرا قریبی تھا اور پھر یہی دونوں آپ کو لے کر عبد المطلب کے پاس آئے۔

کہا جاتا ہے کہ عمرو ابن قنیل (یہ غالباً وہی دوسرا شخص ہے جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) آپ کو پچھانتا نہیں تھا اس نے جب آپ کو دیکھا تو بولا کہ لڑکے تم کون ہو۔ آپ نے فرمایا۔ میں محمد ابن عبد اللہ ابن عبد المطلب ابن ہاشم ہوں عمرو نے فوراً آپ کو اٹھا کر اپنی سولہی پر آگے بٹھالیا اور عبد المطلب کے پاس لایا۔ قرآن کریم کی اس آیت۔

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۖ وَأَنقَذَكَ مِنَ الْغَمِّ ۚ ع ۱۷

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر یا سورتہ بتلایا۔
کی تفسیر میں بعض مفسرین نے آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہوئے آپ کا یہ قول نقل کیا ہے۔
”میں اپنے دلوا عبدالمطلب کے پاس سے گم ہو گیا تھا، اس وقت میں بچہ تھا اس وقت وہ یعنی
عبدالمطلب کعبہ کا پردہ پکڑ کر یہ شعر پڑھنے لگے۔

یا رب رد ولدی محمدًا

ترجمہ: پروردگار میرے بیٹے محمد کو واپس بھیج دے۔
اسی وقت سامنے سے ابو جہل ایک لوٹتی پر سوار آگیا اور میرے دلوا سے کہنے لگا۔
”تمہیں معلوم نہیں تمہارے بیٹے کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟“

انہوں نے پوچھا کہ کیا ہوا ابو جہل نے جواب دیا۔
میں نے اپنی لوٹتی کو بٹھایا اور محمد ﷺ کو پیچھے بٹھالیا۔ اب لوٹتی کو اٹھانا چاہا تو بالکل نہیں پاسی۔ پھر میں
نے محمد ﷺ کے آگے بٹھایا تو لوٹتی فوراً ٹھہر گئی۔

اگر ان سب روایتوں کو صحیح مانا جائے تو ان میں آپس میں مطابقت پیدا کرنی ضروری ہے۔ یہ بھی کہا جاتا
ہے کہ ممکن ہے یہ واقعہ ایک سے زیادہ مرتبہ پیش آیا ہو اس واقعہ کے کئی بار پیش آنے کا اشارہ بعض مفسرین کے
اس قول سے بھی ملتا ہے جو انہوں نے وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر یا سورتہ
بتلایا) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب آپ چھوٹے تھے تو ایک قول کے مطابق آپ اپنی ولیہ حضرت حلیمہؓ کے
پاس سے گم ہو گئے اور ایک قول کے مطابق اپنے دادا کے پاس سے کھو گئے تھے۔

(اس کے بعد دایہ حلیمہؓ کی وہی روایت بیان کرتے ہیں جس میں وہ کہتی ہیں کہ جب میں اس واقعہ کے
بعد آنحضرت ﷺ کو واپس حضرت آمنہؓ کے پاس لے کر پہنچی تو انہوں نے مجھ سے کہا۔
”دایہ! تم ان کو کس وجہ سے خود ہی ملے آئیں حالانکہ تمہاری تو خواہش تھی کہ یہ ابھی اور تمہارے
پاس رہیں؟“

میں نے جواب دیا۔

”اب یہ بڑے ہو گئے ہیں اور خدا کی قسم میں اپنی ذمہ داری پوری کر چکی ہوں، مجھے یہ ڈر رہا تھا کہ کہیں
ان کو کوئی حادثہ پیش نہ آجائے اسلئے اب میں آپ کی خواہش کے مطابق ان کو آپ کے سپرد کرتی ہوں۔“
حضرت آمنہؓ (کو اس پر حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا کہ یہ کیا معاملہ ہے مجھے کج صحابہ حضرت
حلیمہؓ کہتی ہیں کہ جب تک میں نے ان کو ساری بات نہیں بتلا دی اس وقت تک انہوں نے مجھ کو نہیں چھوڑا۔
(پوری تفصیل سن لینے کے بعد) حضرت آمنہؓ نے کہا کہ کیا تمہیں ان کے متعلق شیطان سے خوف ہوتا تھا۔
میں نے کہا ہاں اودہ کہنے لگیں۔

ہرگز نہیں! خدا کی قسم شیطان ان کے پاس بھی نہیں پہنچ سکتا۔ میرے بچے کی تو شان ہی زلی
ہے، کیا میں تمہیں ان کے متعلق بتاؤں۔ میں نے کہا ضرور بتلاؤں۔ حضرت آمنہؓ نے کہا۔
”ان کے حمل کے وقت مجھ میں سے ایک نور نکلا تھا جس سے ملک شام کے ملائے میں بھرتی کے

حالات تک روشن ہو گئے تھے۔ پھر جب میں ان سے حاملہ ہو گئی تو حمل اس قدر ہلکا اور آسان تھا کہ اس سے ہلکا حمل میں نے کبھی نہیں جانا۔ پھر جب یہ پیدا ہوئے تو اسی طرح باہر آئے کہ ہاتھ زمیں پر لگے ہوئے تھے اور سر آسمان کی جانب اٹھا ہوا تھا۔

نبی آخر الزماں کی طرف سے یہود کا خوف..... (قال کوایہ حلیمہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت کالن کے پاس سے گزر ہوا) (چونکہ یہودی آسمانی کتاب اور شریعت کے ماننے والے تھے اور ان میں بڑے بڑے عالم اور کاہن تھے اس لئے) کوایہ حلیمہؑ نے ان سے کہا:-

”کیا آپ لوگ میرے اس بیٹے کے حلقے کچھ بتائیں گے، میں ایسے ایسے اس سے حاملہ ہوئی، ایسے ایسے اس کو جنا اور ایسے ایسے میں نکور دیکھا۔“

دلیہ حلیمہؑ نے جو باتیں حضرت آمنہؑ سے سنی تھیں وہ سب اسی طرح بیان کیں جیسے خود ان پر گزری ہوں۔ کیونکہ حضرت آمنہؑ نے یہ سب باتیں ان سے دو مرتبہ بیان کی تھیں ایک دفعہ اس وقت جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دلیہ حلیمہؑ کے سپرد کیا تھا اور ایک دفعہ اس وقت جب دلیہ حلیمہؑ سے آپ کو واپس لیا۔ غرض جب حضرت حلیمہؑ نے یہودیوں کو وہ سب باتیں بتائیں جو انہوں نے حضرت آمنہؑ سے سنی تھیں تو وہ یہودی ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس بچے کو قتل کر دو۔ پھر انہوں نے دلیہ حلیمہؑ سے پوچھا کہ کیا یہ بچہ یتیم ہے۔ دلیہ حلیمہؑ نے کہا نہیں یہ اس کے باپ موجود ہیں اور میں اس کی ماں ہوں۔ یہ سن کر ان یہودیوں نے کہا کہ اگر یہ بچہ یتیم ہو تا تو ہم اس کو قتل کر دیتے (کیونکہ انہوں نے قرآن آسمانی کتابوں میں پڑھا ہوا تھا کہ ایک نبی آخر الزماں آنے والے ہیں جن کا دین سارے عالم میں پھیل جائے گا اور جن کا ہر طرف بول بالا ہو گا، ان کی پیدائش وغیرہ کی یہ یہ ملائیں ہوں گی اور یہ کہ وہ یتیم ہوں گے۔ دلیہ حلیمہؑ نے ان کو آپ کی پیدائش وغیرہ کی جو تفصیلات بتائیں ان کو سن کر تو یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ بچہ عیسیٰ عظیم ہستی ہے جس کی خبر ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ اسی لئے انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر جب انہوں نے مزید اطمینان کے لئے دلیہ حلیمہؑ سے یہ پوچھا کہ یہ بچہ یتیم ہے یا نہیں اور دلیہ حلیمہؑ نے کہا کہ نہیں تو ان کا شک ختم ہو گیا اور انہوں نے قتل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا)

(پچھلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آمنہؑ نے دلیہ حلیمہؑ کو رسول اللہ ﷺ کے حمل اور پیدائش کے حالات اس وقت بتائے ہیں جب وہ آنحضرت ﷺ کو واپس پہنچانے آئی تھیں کیونکہ یہ حالات بتانے سے پہلے حضرت آمنہؑ نے دلیہ حلیمہؑ سے پوچھا کہ کیا میں تمہیں ہاپنے بچے کے حالات بتاؤں؟ اس پر دلیہ حلیمہؑ نے کہا کہ ضرور بتائیے۔ ان جملوں سے پتہ چلتا ہے کہ دلیہ حلیمہؑ کو ان حالات کی اس زمانے میں خبر نہیں تھی جب آنحضرت ﷺ ان کے پاس رہتے تھے۔ اب احوال یہ ہے کہ پھر انہوں نے یہودیوں کو آنحضرت ﷺ کے حلقے کیسے بتلائے اس کا جواب دیتے ہیں)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- حضرت آمنہؑ کا یہ پوچھنا کہ کیا میں تمہیں ان کے حالات بتاؤں اور دلیہ حلیمہؑ کا یہ جواب کہ ضرور بتائیے اس دوسری روایت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے حضرت آمنہؑ کو یہ یاد نہ رہا ہو کہ وہ پہلی باتیں پہلے بتا چکی ہیں اور یا انہیں یہ خیال ہوا ہے کہ شاید حضرت آمنہؑ اس دفعہ کچھ اور زیادہ

تفصیلات بتلانے والی ہیں۔

اس دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آمنہؓ نے دایہ حلبہ کو جو ہاتھیں بتلائیں کہ حل کے وقت مجھ میں سے ایک نور نکلا تھا ان کے نور آپ کے یتیم ہونے کے متعلق قدیم کتابوں میں ذکر ہو کہ یہ سب چیزیں اس نبی کی علامات میں ہیں جس کا دنیا میں انتظار ہے واللہ اعلم۔

دایہ حلبہؓ سے ہی روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ آنحضرت ﷺ کو عکاظ کے میلے میں لائیں۔ جاہلیت کے زمانے میں یہ ایک مشہور میلہ تھا جہاں باڈو لڑکا کرتا تھا۔ یہ طائف اور قنہ کے مقام کے درمیان میں لگتا تھا۔ عرب کے لوگ جب حج کرنے آتے تو شوال کا مہینہ اس میلے میں گزرتے (کھیل کود کے علاوہ) یہاں ہر شخص بڑھ چڑھ کر اپنی بڑائیاں بیان کیا کرتا تھا۔ عکاظ کے معنی ہیں غرور اور بڑائی بیان کرنے میں دوسرے پر غلبہ حاصل کرنا۔ اس باڈو کو عکاظ اسی لئے کہا جاتا تھا کہ یہاں لوگ اپنی بڑائیاں بیان کرنے میں ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کیا کرتے تھے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یہ میلہ بنی ثقیف اور قیس غیلان کا تھا۔

غرض جب دایہ حلبہؓ آنحضرت ﷺ کو لے کر وہاں پہنچیں تو کسی کاہن کی آپ پر نظر پڑی (اور اس کو آپ ﷺ میں نبوت کی وہ تمام علامات نظر آئیں) اس نے فوراً پکار کر کہا۔
”میلے وٹلو اس لڑکے کو قتل کر دو اس لئے کہ یہ ایک سلطنت کا بادشاہ بننے والا ہے۔“

دایہ حلبہؓ اس کاہن کی یہ آواز سن کر (گھبرا گئیں) اور جلدی سے آنحضرت ﷺ کو لے کر اس راستے سے سرک گئیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی حفاظت فرمائی۔

کتاب وقایع میں ہے کہ جب عکاظ کا میلہ شروع ہوا تو دایہ حلبہؓ آنحضرت ﷺ کو لے کر قبیلہ ہذیل کے ایک کاہن کے پاس آئیں۔ لوگ اس کاہن کو اپنے بچے دکھلا کرتے تھے (اور یہ ان کا چہرہ مرہود کچھ کر ان کے متعلق آنسو کی باتیں بتلایا کرتا تھا جسے وہ اس کی نظر آنحضرت ﷺ پر پڑی وہ ایک دم چلا۔

”اے بنی ہذیل کے لوگو! اے گروہ عرب!.....“

اس کی آواز سن کر وہ سب لوگ اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے چونکہ وہ لوہہ سے آئے ہوئے

تھے۔ کاہن نے ان لوگوں سے کہا۔

”اس بچے کو قتل کر دو.....“

دایہ حلبہؓ یہ سنتے ہی نظر بچا کر وہاں سے نکل گئیں۔ اب لوگ چاروں طرف دیکھ کر اس سے پوچھنے لگے کہ کس بچے کو قتل کرنے کو کہہ رہے ہو تو وہ کاہن کہتا کہ اس بچے کو (مگر اب وہاں چونکہ کوئی بچہ نہیں تھا) اس لئے لوگ حیران ہوتے رہے آخر لوگوں نے اس سے پوچھا کہ بات کیا ہے تو کاہن نے جواب دیا۔

”میں نے ابھی ایک لڑکا دیکھا۔ مجبوروں کی قسم وہ تمہارے دین کے ماننے والوں کو قتل کرے گا، تمہارے بتوں کو توڑے گا اور وہ تم سب پر غالب آجائے گا۔“ سب لوگ پھر آپ کو تلاش کرنے لگے مگر ملا نہیں ہوئے۔

دایہ حلبہؓ سے ہی روایت ہے کہ وہ جب آنحضرت ﷺ کو لے کر واپس ہو رہی تھیں تو رملہ میں ان کا گزر رومی الجبل کے میلے سے ہوا۔ یہ بھی زمانہ جاہلیت کا ایک میلہ تھا جو عرفات سے ایک فرسخ کے (یعنی تھوڑے ہی فاصلے پر تھا) اس سے پہلے ایک اور میلہ تھا جس کا مہینہ تھا جب عرب عکاظ کے میلے سے فارغ ہوتے تو

یہاں جبہ کے بازو میں آتے اور یہاں ذیقعدہ کے مہینے کے میں تاریخیں گزرتے، پھر یہاں سے ذی الحجہ کے بازو میں پہنچتے اور یہاں حج کے دنوں تک ٹھہر کر رہتے تھے اس ذی الحجہ کے بازو میں ایک نجومی تھا جس کے پاس لوگ اپنے بچے لے کر آتے اور وہ ان کو دیکھ کر ان کی قسمت کی حامل بتلاتا تھا (جب دایہ حلبیہ کا آپ ﷺ کے ساتھ یہاں سے گزر ہوا تو اس نجومی کی آپ نظر پڑی (ی) یعنی مہربانیت اس کی نظر سے گزری اور ساتھ ہی آپ کی آنکھوں میں جو ایک (خاص قسم کی) سرخی تھی اس پر نظر پڑی۔ وہ یہ دیکھتے ہی ایک دم چلائے لگا اے کردہ عرب اس لڑکے کو قتل کر دو، یہ یقیناً تمہارے دین کے ماننے والوں کو قتل کرے گا، تمہارے بچوں کو توڑے گا اور یہ تم لوگوں پر غالب ہو گا، یہ آسمان کی طرف سے ظاہر ہونے والے معاملات کو دیکھ رہا ہے۔“

پھر وہ آنحضرت ﷺ کی طرف بھیڑا جس کے نتیجہ میں وہ اسی وقت پاگل ہو گیا اور اسی دیوانگی میں مر گیا۔

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ بعض کے عیسائیوں کی ایک جماعت کا آنحضرت ﷺ کے پاس سے گزر ہوا اس وقت آپ اپنی رضائی والدہ حلبیہ سعدیہ کے ساتھ تھے جو آپ ﷺ کو حضرت آمنہ کے پاس پہنچانے لا رہی تھیں اور آپ کا دودھ چھڑایا جا چکا تھا۔ ان لوگوں نے آپ کو دیکھا اور پھر آپ کے دونوں نمونہ صول کے درمیان مہربانیت اور آپ کی آنکھوں کی سرخی کو دیکھا اس کے بعد انہوں نے دایہ حلبیہ سے پوچھا۔
”کیا اس بچے کی آنکھوں میں کوئی تکلیف ہے؟“

حضرت حلبیہ نے کہا کہ نہیں (تکلیف تو کوئی نہیں ہے) مگر یہ سرخی کسی وقت بھی آنکھوں سے ہٹتی نہیں۔ تب ان عیسائیوں نے کہا۔

”ہم اس بچے کو لے رہے ہیں، ہم اس کو اپنے ساتھ اپنے ملک اور وطن میں لے جائیں گے یہ بچہ پیغمبر اور بڑی شان والا ہے ہم اس کے متعلق سب کچھ جانتے ہیں۔“

حضرت حلبیہ فوراً ان لوگوں سے بچ کر نکل گئیں اور آپ کو آپ کی والدہ کے پاس پہنچا دیا۔
آنحضرت ﷺ کے قلب اور باطن کی صفائی..... آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ میں قبیلہ بنی سعد میں (دایہ حلبیہ کے پاس) دودھ پیتا تھا ایک روز جبکہ میں اپنے بھائی کے ساتھ مکان کے پیچھے بکریاں چرا رہا تھا میرے پاس دو آدمی آئے جو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک سونے کا طبق تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا۔ پھر ان دونوں نے میرا پیٹ چاک کیا اور میرا دل باہر نکال لیا۔ پھر انہوں نے اس قلب کو بھی چاک کیا اور اس میں سے ایک سیاہ دانہ نکالا اور اس کو پھینک دیا۔ (ی) لہذا کہا کہ اے اللہ کے حبیب یہ شیطان کا حصہ تھا (اس سیاہ دانے کے متعلق جس کو عربی میں علقہ سوداء کہتے ہیں بحث گھنٹہ آج میں گزر چکی ہے۔ مزید کچھ تفصیل آگے کی سطروں میں آ رہی ہے)

ایک روایت کے لفظ اس طرح ہیں کہ (ان دونوں آدمیوں نے قلب کو چاک کر کے اس میں سے دو سیاہ دانے نکلانے روایتوں کے اس فرق سے کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ممکن ہے کہ یہ دانہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا ہو۔

ایک روایت کے لفظ اس طرح ہیں کہ ان دونوں نے قلب میں سے شیطان کی جگہ نکالی۔ اس سے وہی

شیطان کا حصہ مراد ہے جیسا کہ پچھلی روایت میں ذکر ہوا۔

پچھلی روایت میں (جہاں آنحضرت ﷺ نے دایہ علیہ کو یہ واقعہ بتلایا ہے اس میں ہے کہ ان دونوں آدمیوں نے میرا بیٹ پاک کیا اور اس میں سے کوئی چیز تلاش کر کے نکال اور اسے پھینک دیا یہ بتلا کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا وہ کیا چیز تھی۔ روایتوں کے اس اختلاف کا جواب یہ ہے کہ یہ ممکن ہے (اس وقت تک آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر نہ دی ہو اور پھر) جب آپ اس کا علم ہو گیا تو آپ نے دوسروں کو یہ بات بتلائی۔

گزشتہ روایت میں شیطان کی جگہ سے مراد شیطان کا مرکز ہے یعنی وہ جگہ جہاں شیطان کی طرف سے غلط باتیں ڈالی جاتی ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے قلب میں یہ عقدہ ہووانہ یعنی سیاہ دانہ پیدا کیا ہے جو شیطانی دوسووں کا گھر ہوتا ہے اس کو آنحضرت ﷺ کے قلب سے نکال دیا گیا اور اس طرح آپ کے جسم مبارک میں ایسی کوئی جگہ نہیں رہی جہاں شیطان کوئی دوسرا ڈال سکے (یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ اس سیاہ دانے کے ساتھ آپ کو پیدا کرنے کی حکمت یہ تھی کہ آپ کی تخلیق مکمل ہو اس میں کوئی کمی اور نقص نہ ہو)

بعض حضرات کی عبارتوں سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ پیدائش کے وقت (جبکہ یہ سیاہ دانہ آپ میں موجود تھا اس وقت) یہ شیطان کا مقام تھا، لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا مطلب ہے اس شیطان کی جگہ کے نکالے جانے سے پہلے آپ ﷺ کے جسم اطہر میں شیطان کی پہنچ تھی۔

لام سبکی نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ شیطانی دوسووں کو سونے والی جگہ کے موجود ہونے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اسی وقت اس میں شیطانی دوسوے بھی پائے جاتے ہوں۔

لام سبکی سے سوال کیا گیا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے جیسی شریف و عظیم ذات میں ایسی چیز کو پیدا ہی کیوں کیا (جو شیطانی دوسووں کا مرکز بن سکتی ہے۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اس شیطان کی جگہ کو پیدا ہی نہ فرماتے۔

لام سبکی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ عقدہ ہووانہ یعنی شیطان کا حصہ انسان کے بدن کا ایک لازمی جز ہے اس واسطے..... اس کو آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک میں پیدا تو اس لئے کیا گیا تاکہ آپ کی تخلیق اور جسمانی بیوٹ مکمل ہو اور اس کو بعد میں نکال اس لئے دیا گیا تاکہ آنحضرت ﷺ کی عظمت و کرامت ظاہر ہو۔ (ی) یعنی تاکہ اس طرح مخلوق کے سامنے آپ کی عظمت و معصومیت اور بلندی ظاہر ہو اور جس طرح آپ کے باطن کا کمال لوگوں کے سامنے تھا اسی طرح آپ کے ظاہر کا کمال بھی سامنے رہے۔ (ی) نیز یہ کہ اگر آنحضرت ﷺ کو اس سیاہ دانے کے بغیر پیدا کیا جاتا تو آپ کا یہ اعزاز اور کرامت سامنے نہ آتی جواب آئی (کہ اللہ تعالیٰ نے دو بزرگ فرشتوں کو آپ کے پاس بھیجا جنہوں نے آپ کا سینہ چاک کر کے اس سیاہ دانے کو جسم مبارک سے نکال دیا اور اس کے نتیجے میں اس معجزے کو دیکھنے اور سننے والوں کے دل آنحضرت ﷺ کی عظمت سے بھر گئے۔

(یہ بحث پیچھے بھی گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تخلیق کو مکمل رکھنے کے لئے اگر جسم مبارک میں یہ سیاہ دانہ رکھا گیا تو اعتراض ہوتا ہے کہ آپ عقدہ شدہ پیدا ہوئے جس کا مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ اس جگہ کے بغیر پیدا ہوئے جو عقدہ کے وقت کالی جاتی ہے اور جس کے ساتھ ہر انسان پیدا ہوتا ہے تو یہاں بھی

تحلیق اور جسمانی بیوٹ کے مکمل یا مکمل ہونے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان دونوں چیزوں میں فرق ہے کہ عضو تاسل کی اس جملی کو بعد میں ختم کے وقت کاٹا ہوتا ہے اور اس وقت اس کی وجہ سے مرد کے جسم کے پوشیدہ حصے دوسروں کے سامنے آتے ہیں جس سے اس کی بے پردگی ہوتی ہے۔ اب دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ کی جسمانی بیوٹ میں اگر یہ کوئی نقص اور کمی تھی تو یہی آپ ﷺ کی تحلیق میں زبردست کمال تھا کہ اس نقص اور کمی کی وجہ سے آپ اس بے پردگی سے محفوظ رہے جس کا تقریباً ہر شخص کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو اس جملی کے نہ ہونے کی وجہ سے آپ ایسے تھے جیسے ایک ختم شدہ آدمی ہوتا ہے اور اسی لئے آپ کی ختم کرانے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ اس بارے میں تفصیلی بحث مختصراً بولب میں گزر چکی ہے کہ آپ کی ختم کرائی گئی یا نہیں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دلوا عبد المطلب نے آپ کی ختم کرائی تھی۔ ان روایتوں کے حلق تفصیل جلد اول میں دیکھی جاسکتی ہے۔

علامہ سیوطی نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت آپ کے قلب میں سیاہ دانہ تھا۔ انہوں نے لکھا ہے :-

”چونکہ عیسیٰ انسان کی مٹی سے پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ حضرت جبرئیل کے پھونک بار دینے سے پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ شیطان کی اس جگہ سے محفوظ رہے (یعنی انسان کے قلب میں جو سیاہ دانہ ہوتا ہے وہ حضرت عیسیٰ میں نہیں تھا کیونکہ وہ انسانی مادہ سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور قدرت سے پیدا ہوئے اس لئے ان کے قلب میں شیطان کی یہ جگہ نہیں تھی) پھر مزید کہتے ہیں کہ اس سے آنحضرت ﷺ پر حضرت عیسیٰ کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ شیطان کی یہ جگہ آنحضرت ﷺ کے جسم اطہر میں سے نکال دی گئی تھی۔ یہاں تک علامہ سیوطی کا کلام ہے۔

یہ بتلایا جا چکا ہے کہ یہ سیاہ دانہ وہ جگہ ہوتی ہے جس میں شیطان ایسی باتیں ڈالتا ہے جو مناسب نہیں ہوتیں اور یہ سیاہ دانہ ہر انسان میں پیدا کیا جاتا ہے جن میں عیسیٰ کے بھی تھا اور ان کے علاوہ ہر ایک کے ہوتا ہے لیکن سوائے آنحضرت ﷺ کے کسی کے قلب میں سے اس کو نہیں نکالا گیا۔

(اس بارے میں جو مکمل پیدا ہوتا ہے کہ یہ سیاہ دانہ آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک میں جب پیدائش کے وقت موجود تھا تو اس کا مطلب ہے کہ اس وقت جسم مبارک میں شیطان کے لئے راستہ اور جگہ موجود تھی۔ اس کا جواب لام سبکی کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ کسی ایسی جگہ کے موجود ہونے سے جس میں شیطان دوسرے ڈالے جاسکتے ہوں یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں اسی وقت یہ دوسرے موجود بھی رہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آنحضرت ﷺ کی حفاظت مقصود تھی تو شیطان کو قلب مبارک میں دوسرے ڈالنے کی کیا مجال ہو سکتی تھی۔ اگر حق تعالیٰ..... اس سیاہ دانے کو قلب مبارک سے نہ نکالتے تب بھی اس حفاظت کے سامنے آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک میں شیطان کو دوسرے ڈالنے کی طاقت نہیں تھی لیکن جیسا کہ بیان ہوا اس واقعہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو رسول اللہ ﷺ کی عظمت ظاہر فرمائی مقصود تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سیاہ دانے کے بغیر بھی پیدا فرما سکتا تھا لیکن اگر آپ اس کے بغیر پیدا ہوئے ہوتے تو کرامت و عظمت کا یہ اظہار نہ ہوتا۔)

(اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہیں جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ

ان دونوں آدمیوں نے پھر میرے قلب سے وہ سیلا دل نہ نکال کر پھینک دیا پھر انہوں نے اس برف سے میرا قلب دھویا۔ (ی) جو کہ ایک سنری طباق میں اس کے ساتھ تھا غرض انہوں نے میرے قلب کو دھو کر بالکل پاکیزہ و صاف کر دیا۔ (ی) ایک روایت میں ہے کہ اور اس کو حکمت پور ایمان سے بھر دیا۔

(ی) ایک روایت میں ہے کہ پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ مجھے سکونت (یعنی وقار و اطمینان) کو دو۔ اور پھر اس نے وہ سکونت میرے قلب میں ڈال دی۔ جس سکونت یعنی وقار و اطمینان کا یہاں ذکر ہے ممکن ہے یہ وہی حکمت و ایمان ہو جس کے متعلق دوسری روایت میں گزرا ہے۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سکونت یعنی وقار و اطمینان دوسری ہی چیز رہی ہو۔

اس گزشتہ روایت میں اور آنے والی روایت میں کہا گیا ہے کہ وہ طشت یا طباق (جو ان دونوں آدمیوں میں سے ایک کے ہاتھ میں تھا) کوہ سونے کا تھا جبکہ اس سے کچھلی روایت میں ہے کہ وہ سبز و مرد کا تھا اس ہاتھ میں ضرورت ہے کہ روایتوں میں موافقت پیدا کی جائے اس کا آگے ذکر کیا جا رہا ہے۔

ایسے ہی آنے والے روایت میں ہے کہ برف ایک طشت یعنی طباق میں تھا اور اس سے کچھلی روایت میں گزرا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا ایک برتن تھا (یعنی یا برتن جو نئی و لمبر برتن کو کہا جاتا ہے) یہاں بھی دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرنی ضروری ہے کیونکہ دایہ حلیمہ کے پاس رہتے ہوئے پیش آنے والا واقعہ ایک ہی ہے۔

آپ کے قلب پہلے کورف سے دھونے میں حکمت یہ ہے کہ دل میں یقین اور ایمان کی ٹھٹھک پیدا کر دی گئی یہ علامہ سیکی نے لکھا ہے۔ اسی طرح انہوں نے سونے کا طشت ہونے میں جو حکمت ہے اس پر بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

(اس کے بعد اسی روایت کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں کہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر انہوں نے میرے دونوں موڑھوں کے درمیان مہرِ نبوت رکھ دی جیسے کہ وہ لب بھی موجود ہے (کچھلی روایتوں میں مہرِ نبوت کا ذکر نہیں کیا گیا ہے)

(سیرت طیبہ اردو کے گزشتہ صفحات میں ایک حدیث ذکر ہوئی ہے کہ قبیلہ بنی عامر کے ایک بڑے شیخ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ سوالات کئے اور پوچھا کہ آپ نے پیغمبری کا جو دعویٰ کیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو اس کے سوالات پسند آئے اور آپ نے تفصیل سے اس کو جواب دیا۔ ان صفحات کے آخر میں کہا گیا ہے کہ اس کا آخری اور مکمل حصہ رضاعت (یعنی دودھ پینے کے بیان میں آئے گا) یہ آنحضرت ﷺ کے اسی جواب کا بقیہ حصہ ہے جو آپ نے بنی عامر کے بھائی کو دیا ہے۔

جب میں قبیلہ بنی سعد میں (دایہ حلیمہ کے پاس) کو دودھ پیتا تھا تو ایک دن میں گھر والوں سے علیحدہ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ ولوی میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے پاس تین آدمی آئے ان کے ساتھ سونے کا ایک طشت تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا وہ لوگ مجھے میرے ساتھیوں کے بیچ میں سے پکڑ کر لے گئے۔ میرے ساتھی (یہ دیکھ کر) بھاگتے ہوئے ولوی کے کنارے پر آئے۔ اس کے بعد وہ ان تینوں کو میوں کے سامنے آنے اور بولنے آپ اس لڑکے سے کیا چاہتے ہیں یہ ہم میں سے نہیں ہے بلکہ یہ سردار قریش کا بیٹا ہے۔ یہ ہمارے

قبیلہ میں دودھ پیتا ہے یہ یتیم ہے اس کے باپ نہیں ہیں اس لئے اس کو قتل کرنے سے آپ لوگوں کو کوئی قاعدہ نہیں پہنچ سکا۔ لیکن اگر آپ کسی کو قتل کرنا ہی چاہتے ہیں تو ہم میں سے جسے چاہے انتخاب کر لیجئے وہ اس قریشی کے بدلے آپ کے سامنے آجائے گا آپ اسے قتل کر دیں مگر اس لڑکے کو چھوڑ دیجئے کیونکہ یہ یتیم ہے۔

مگر بچوں نے دیکھا کہ وہ لوگ کوئی جواب ہی نہیں دیتے تو وہ بھاگتے ہوئے بستی میں گئے اور پکار پکار کر انہیں واقعہ بتلانے لگے اور چیخنے لگے۔

لوہر ان تینوں آدمیوں میں سے ایک میری طرف بڑھا اور اس نے مجھے آہستہ سے زمین پر لٹا دیا۔ پھر اس نے میرا سینہ پیٹ تک چاک کیا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا مگر مجھے معمولی سا بھی احساس اور تکلیف نہیں ہوئی۔ پھر اس نے میرے پیٹ کے اندر کی چیزیں نکالیں (حدیث میں ۳۳ شہاء یعنی ۳۳ کاغذات ہے جس کے متنی ہیں پیٹ کے اندر کی چیزیں احشاء عربی میں پیلیوں کے یا پیٹ کے اندر کی چیزوں کو اور آٹوں وغیرہ کو کہا جاتا ہے جنہیں اس شخص نے نکالا) اور ان کو اس برف سے خوب اچھی طرح دھویا (تو وہ سونے کے ٹکٹے میں لے کر آئے تھے) پھر انہوں نے ان کو واپس ان کی جگہ پر رکھ دیا۔

پچھلی روایتوں میں پیٹ کے اندر کی چیزیں نکالتے اور ان کو دھوئے جانے کی تفصیل ذکر نہیں کی گئی ہے۔ یہ بات کلی ہوئی ہے کہ پیٹ اور سینے کے اندر کی چیزوں میں قلب بھی شامل ہے (یعنی داس حدیث میں قلب کا ذکر خاص طور سے نہیں کیا گیا پیٹ اور سینے کے اندر کی چیزوں کا ذکر ہے جس میں قلب بھی شامل ہے) (پھر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں) ان میں سے دوسرے نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان کے پاس سے ہٹ جاؤ۔ وہ ہٹ گیا تو اس نے اپنا ہاتھ میرے پیٹ میں ڈالا اور میرا دل باہر نکالا جبکہ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا پھر اس نے دل کو پھینکا یعنی کھولا اور اس میں سے ایک سیاہی تو تھڑا نکالا جس کو پچھلی سطروں میں سیاہی دہ لکھا گیا ہے اور اس کو پھینک دیا، پھر اس نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشدہ کیا جیسے کوئی چیز پڑ رہا ہے اچانک اس کے ہاتھ میں نور کی ایک مہر نظر آئی جو ایسی چمک رہی تھی کہ اس پر نظریں نہیں ٹھہرتی تھیں پھر اس نے اس سے میرے دل پر مہر لگائی۔ (ی) یعنی دل کو دوبارہ جوڑ دینے کے بعد (اس مہر کے لگنے سے دل نور سے بھر گیا یہ نور نبوت اور حکمت کا نور تھا۔ پھر اس نے دل کو اس کی جگہ پر واپس رکھ دید میں ہمیشہ اس مہر کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کرتا رہا ہوں۔

مہر نبوت

نیز قلب مبارک کا مہر زد کیا جانا

پچھلی روایت میں لفظ نور نبوت اور حکمت کے بجائے یہ ہے کہ پھر اس نے دل کو حکمت اور ایمان سے بھر دیا اور قادر و مطمئن اس میں ڈال دیا (اسی طرح دل میں مہر کی ٹھنڈک محسوس کرنے کے بجائے) ایک روایت میں ہے کہ میں اب تک رگوں اور جوڑوں میں اس مہر کی ٹھنڈک محسوس کرتا ہوں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: شیخ نجم الدین الغیسی نے مغازی ابن عائد سے اس حدیث کے تحت جوئی

عامر کے شیخ کے متعلق ہے یہ بھی لکھا ہے کہ :-

پھر وہ فرشتہ سامنے آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک مہر تھی جس سے شعاعیں پھوٹ رہی تھیں، پھر اس فرشتے نے وہ مہر آنحضرت ﷺ کے دونوں موڑھوں اور دونوں چھاتیوں کے بیچ میں لگا دی۔ "روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

مچھلی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس فرشتے نے پھر میرے دل کو چیرا (یعنی کھولا۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ کے قلب کو فرشتے نے ہاتھ سے چیرا کسی آلے یعنی لوہار کی مدد سے چاک نہیں کیا۔ تو اب گویا چاک کرنے سے مراد یہ ہوگی کہ آپ کا قلب بغیر کسی آلے کے چیرا گیا یعنی کھولا گیا۔ اس روایت میں دل کو حکمت اور ایمان سے بھر دینے پر اس میں اطمینان اور وقار ڈال دینے کی تفصیل ذکر نہیں کی گئی ہے۔

اس روایت میں ہے کہ مہر آپ کے قلب مبارک میں تھی۔ اس سے مچھلی روایت میں ہے کہ دونوں موڑھوں کے بیچ میں تھی۔ اور ابن عاذ کی روایت میں ہے کہ دونوں موڑھوں اور دونوں چھاتیوں کے بیچ میں تھی۔ ان میں مطابقت کی ضرورت ہے۔ نیز ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہر لگانے والے حضرت جبرئیل ہیں۔ قصیدہ ہمزہ کے شاعر نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

عَمَّتْهُ بِمَعْنَى الْإِيمَانِ

اس سلسلے میں ضروری تفصیل آگے آئے گی مگر اس واقعہ میں ہمیں بلکہ دوسرے واقعہ کے تحت میں آئے گی واللہ اعلم۔
(اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے اسی ارشاد کا بقیہ حصہ نقل کرتے ہیں کہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"پھر تیسرے نے اپنے سامنے سے کہا کہ تم ہٹ جاؤ وہ ہٹ گیا تو اس نے میرے سینے سے بیٹ نکال دیا ہاتھ پھیرا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ چاک اور پھن برابر ہو گئی اور پھر اس نے اس پر مہر لگائی۔"

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اب اسے سی دو۔ چنانچہ

اس نے سی دیا۔
اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- کہا جاتا ہے کہ سی دینے کا مطلب ہے کہ گوشت سے بھر دیا۔ چنانچہ دوسرے نے اسے سی دیا یعنی گوشت سے بھر دیا۔ یعنی اس چاک پر اپنا ہاتھ پھیرا جس سے وہ جگہ گوشت سے بھر کر برابر ہو گئی۔ اس لیے بات مچھلی روایت کے خلاف نہیں رہی۔ جس میں سی دینے کے بجائے چاک کو برابر کر دینے کا ذکر ہے۔ اسی طرح ایک حدیث صحیح میں اس کے متعلق جو لفظ ہیں وہ بھی اس روایت کے بعد صاف ہو جاتے ہیں (وہ لفظ یہ ہیں کہ)

"آنحضرت ﷺ کے سینہ مبارک پر سلامتی (یعنی ہاتھوں) کا نشان نظر آتا تھا۔"
کیونکہ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ ایسے نشان نظر کیا کرتے تھے جیسے سلامتی کے نشان ہوتے ہیں۔ یہ حضرت جبرئیل کے ہاتھ پھیرنے کا اثر تھا۔ آنحضرت ﷺ کے سینہ مبارک پر نظر آتا تھا۔ یہ تفصیل مچھلی

کر سکے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

(لوہر کی سطروں میں شق صدر کے وقت کی مہر کے بارے میں دو قول بیان کئے گئے ہیں کہ یہ مہر اصل میں دل پر لگائی گئی تھی اور اسی کا نشان کمر پر دونوں موڑھوں کے بیچ میں ظاہر ہو گیا تھا۔ اس پر یہ اعتراض تھا کہ دونوں موڑھوں کے بیچ میں جو مہر تھی وہ تو وہ مہر نبوت تھی جو آپ کے بدن مبارک پر پیدا ہوئی تھی) مگر اس پر بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ بعض علماء تو یہی مانتے ہیں کہ مہر نبوت پیدا ہوئی تھی بلکہ بعد میں لگائی گئی تھی۔ اس لئے ممکن ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اور قاضی عیاضؒ کے جو قول لوہر بیان ہوئے وہ اسی غلطی پر ہوں کہ مہر نبوت (پیدا ہوئی تھی بلکہ) بعد میں دل پر لگائی گئی اور اس کا نشان کمر پر ظاہر ہو گیا۔ اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مہر نبوت پیدا ہوئی تھی بلکہ آنحضرت ﷺ کی دلاوت کے بعد لگائی گئی (تو بھی یہ شق صدر کی مہر سے پہلے کی ہے کیونکہ) ابو نعیم سے ان کی کتاب دلائل المتواءمہ میں روایت ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو (ایک) فرشتے نے آپ کو تین باپانی میں نہلا یا اس کے بعد اس نے ایک سفید ریشمی تھیلی نکالی اس میں ایک مہر تھی جسے اس نے ایک صاف ستھرے لٹیرے کی طرح آپ کے موڑھے پر لگادیا۔

اس روایت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مہر نبوت اس شق صدر کی مہر کا نشان نہیں تھی (کیونکہ اول تو اس روایت میں صاف بیان ہے کہ مہر نبوت دونوں موڑھوں کے بیچ میں لگائی گئی اور دوسرے یہ کہ شق صدر کا

روایتوں میں بیان نہیں کی گئی ہے۔

(مکمل روایت میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس چاک کو برابر کر دینے کے بعد انہوں نے اس پر مہر لگائی۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ مہر آپ کے سینہ پر بھی۔ یہی بات لیکن عائشہ نے بھی کہی ہے کہ مہر آپ کی دونوں چھاتیوں کے درمیان میں تھی۔ مگر اس میں یہ بھی ہے کہ دونوں موڑوں اور دونوں چھاتیوں کے بیچ میں مہر تھی۔ دوسری یہ بھی ایک روایت گزری ہے کہ مہر آپ کے قلب مبارک میں تھی۔

ان سب روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کے لئے یہ بھی کنا جاتا ہے کہ ممکن ہے مہر ان سب جگہوں پر رہی ہو یعنی آپ کے قلب مبارک میں بھی ہو، سینہ پر بھی رہی ہو اور دونوں موڑوں کے درمیان میں بھی ہو۔ تو گویا دل میں اس لئے مہر لگائی گئی کہ اس میں جو کچھ حکمت و ایمان ہے اس کی حفاظت ہو۔ پھر سینے اور موڑوں پر بھی اسی کی اور زیادہ حفاظت کے لئے مہر لگائی گئی ہوں کیونکہ تمام جسم کے مقابلہ میں سینہ دل کا زیادہ قیمتی طرف اور جانہ ہے (یعنی جس میں دل رکھا ہوا ہے) پھر اس کے لئے دونوں موڑوں کے بیچ کی جگہ اس لئے بچی گئی کہ باقی جسم کے مقابلہ میں یہ حصہ دل سے زیادہ قریب ہے (جس کی حفاظت کرنی ہے)

اس روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کے لئے ایک بات کتب شفاء میں بھی لکھی ہے۔ وہ یہ کہ (اصل مہر آپ ﷺ کے سینہ پر تھی) اب رہی موڑوں کے درمیان کی مہر تو وہ اسی بیٹے کی مہر کا اثر اور نشان تھا۔ مگر پہلی بات جو لو پر ذکر ہوئی وہ اس سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ بات آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے خلاف ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

واقعہ اور اس وقت لگائی جانے والی مہر آپ کی ولادت کے بہت بعد کا واقعہ ہے جبکہ آپ دایہ حلیمہ کے پاس تھے اور پاؤں ملنے لگے تھے)

علامہ سیوطی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہر ہی مہر نبوت تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث جو آنحضرت ﷺ کے دودھ پینے کے زمانے کی ہے اور شتی صدر (سینہ چاک کئے جانے) کے واقعہ کے متعلق ہے اس سے واقعہ زیادہ کھل کر سامنے آتا ہے یعنی مہر نبوت کے متعلق یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ آپ کے جسم مبارک پر پیدائشی ہے یا آپ کی پیدائش کے فوراً بعد لگائی گئی یا آپ کو نبوت ملنے کے وقت لگائی گئی۔ چنانچہ اس حدیث سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ وہ کب لگائی گئی، کیسے لگائی گئی اور کس نے لگائی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علم میں برکت عطا فرمائے۔ یہاں تک علامہ سیوطی کا کلام ہے۔ (یعنی ابو نعیم کی اس روایت میں مہر نبوت کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے علامہ سیوطی کے نزدیک یہ آنحضرت کی پیدائش کے وقت کا واقعہ نہیں ہے بلکہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ آپ دایہ حلیمہ کے یہاں رہتے تھے اور وہاں شتی صدر یعنی سینہ چاک کئے جانے کا واقعہ پیش کیا۔ اس بارے میں علامہ حافظ ابن حجرؒ بھی یہی کہتے ہیں کہ :-

وہ تمام حدیثیں جن میں سینہ چاک کئے جانے اور مہر لگائے جانے کا ذکر ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر نبوت آپ کے جسم مبارک پر آپ کی ولادت کے وقت موجود نہیں تھی بلکہ یہ پہلی بار اسی وقت رکھی گئی جبکہ دایہ حلیمہ کے پاس رہنے کے زمانے میں آپ کا سینہ چاک کیا گیا اور اسی وقت مہر لگائی گئی (یہ بات ابن عساکر کے قول کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مہر نبوت آپ کے جسم میں پیدائشی تھی یا یہ کہ اس وقت رکھی گئی جب آپ پیدا ہوئے۔ یہاں تک حافظ ابن حجر کا کلام ہے۔

مگر اس سلسلے میں ہم نے جو یہ بات کہی ہے کہ مہر نبوت اور چیز ہے اور سینہ چاک کئے جانے کے وقت جو مہر لگائی گئی وہ دوسری چیز ہے (یعنی مہر نبوت نہیں تھی) یہ بات زیادہ بہتر ہے کیونکہ ایسا ماننے میں دونوں قول مان لئے جاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے خلاف نہیں رہتے (کیونکہ اس طرح یہ قول کہ مہر پیدائشی تھی یوں صحیح ہو جاتا ہے کہ اس سے مہر نبوت ہے اور یہ قول کہ مہر پیدائشی نہیں تھی بلکہ شتی صدر کے وقت لگائی گئی یوں درست ہو جاتا ہے کہ یہ مہر نبوت نہیں تھی بلکہ یہ مہر اس حکمت اور ایمان کی حفاظت کے لئے لگائی گئی تھی جو آپ کے قلب مبارک میں ڈالا گیا تھا اس طرح دونوں قول صحیح ہو جاتے ہیں یعنی درست قرار پا جاتے ہیں اور دونوں قول صحیح کر دیتے ہیں۔ بہ نسبت اس کے کہ مہر نبوت کے پیدائشی ہونے کے قول کو کثرت در کما جائے۔ پھر اگر یہ مانا جائے کہ شتی صدر کے وقت لگائی جانے والی مہر ہی مہر نبوت ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مہر نبوت کئی جگہ تھی یعنی دونوں موڑوں کے بیچ میں بھی تھی، سینہ پر بھی تھی اور قلب مبارک پر بھی تھی۔

اس کے جواب میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس اعتراض کو پہلے ہی صاف کیا جا چکا ہے کہ آپ کے موڑوں کے درمیان جو مہر تھی وہ آپ کے دل اور سینے کی مہر کا ہی نشان تھا۔ کیونکہ ابو نعیم کی جو حدیث پیچھے بیان کی گئی ہے اس سے یہ بات غلط ثابت ہو جاتی ہے (اس لئے کہ اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ کے دونوں موڑوں کے بیچ میں مہر رکھی گئی) (یعنی وہ کسی دوسری چیز کا نشان نہیں تھی بلکہ خاص اسی جگہ مہر رکھی گئی تھی) اس کے علاوہ بعض ایسی روایتیں بھی گزر چکی ہیں جن میں صاف ذکر ہے کہ (شتی صدر کے وقت) فرشتہ کیا اس کے ہاتھ میں مہر تھی جسے اس نے آپ کے دونوں موڑوں اور دونوں چھاتیوں کے بیچ میں دکھ دیا۔

عالم کے شیخ کے متعلق ہے یہ بھی لکھا ہے کہ :-

پھر وہ فرشتے سامنے کیا تو اس کے ہاتھ میں ایک مہر تھی جس سے شعاعیں پھوٹ رہی تھیں، پھر اس فرشتے نے وہ مہر آنحضرت ﷺ کے دونوں موڑ حوں اور دونوں چھاتیوں کے بیچ میں لگا دی۔ روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

مکمل حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس فرشتے نے پھر میرے دل کو چیرا (یعنی کھولا۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ کے قلب کو فرشتے نے ہاتھ سے چیرا کسی آلے یعنی لوڑ کی مدد سے چاک نہیں کیا۔ تو لب گویا چاک کرنے سے مراد یہ ہوگی کہ آپ کا قلب بغیر کسی آلے کے چیرا گیا یعنی کھولا گیا۔ اس روایت میں دل کو حکمت اور ایمان سے بھر دینے پر اس میں اطمینان اور وقار ڈال دینے کی تفصیل ذکر نہیں کی گئی ہے۔

اس روایت میں ہے کہ مہر آپ کے قلب مبارک میں تھی۔ اس سے مکمل روایت میں ہے کہ دونوں موڑ حوں کے بیچ میں تھی۔ اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ دونوں موڑ حوں اور دونوں چھاتیوں کے بیچ میں تھی۔ ان میں مطابقت کی ضرورت ہے۔ نیز بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہر لگانے والے حضرت جبرئیل ہیں۔ قصیدہ ہمزہ کے شاعر نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

نَحْمَهُ بِمَعْنَى الْأَمِينِ

اس سلسلے میں ضروری تفصیل آگے آئے گی مگر اس واقعہ میں نہیں بلکہ دوسرے واقعہ کے تحت میں آئے گی واللہ اعلم۔

(اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے اسی ارشاد کا بقیہ حصہ نقل کرتے ہیں کہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

”پھر تیسرے نے اپنے سامنے سے کہا کہ تم ہٹ جاؤ وہ ہٹ گیا تو اس نے میرے سینے سے پیٹ تک اپنا ہاتھ پھیرا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ چاک اور پھٹن برابر ہو گئی اور پھر اس نے اس پر مہر لگائی۔“

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اب اسے سی دو۔ چنانچہ اس نے سی دیا

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- کہا جاتا ہے کہ سی دینے کا مطلب ہے کہ گوشت سے بھر دیا۔ چنانچہ دوسرے نے اسے سی دیا یعنی گوشت سے بھر دیا۔ یعنی اس چاک پر اپنا ہاتھ پھیرا جس سے وہ جگہ گوشت سے بھر کر برابر ہو گئی۔ اب یہ بات مکمل روایت کے خلاف نہیں رہی۔ جس میں سی دینے کے بجائے چاک کو برابر کر دینے کا ذکر ہے۔ اسی طرح ایک حدیث صحیح میں اس کے متعلق جو لفظ ہیں وہ بھی اس روایت کے بعد صاف ہو جاتے ہیں (وہ لفظ یہ ہیں کہ)

”آنحضرت ﷺ کے سینہ مبارک پر سلامتی (یعنی نیکوں کا نشان) نظر آتا تھا۔“

کیونکہ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ اپنے نشان نظر آیا کرتے تھے جیسے سلامتی کے نشان ہوتے ہیں۔ یہ حضرت جبرئیل کے ہاتھ پھیرنے کا اثر تھا۔ آنحضرت ﷺ کے سینہ مبارک پر نظر آتا تھا۔ یہ تفصیل مکمل

روایتوں میں بیان نہیں کی گئی ہے۔

(مجموعی روایت میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس چاک کو برابر کر دینے کے بعد انہوں نے اس پر مہر لگائی۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ مہر آپ کے سینہ پر تھی۔ یہی بات امین عائد نے بھی لکھی ہے کہ مہر آپ کی دونوں چھاتیوں کے درمیان میں تھی۔ مگر اس میں یہ بھی ہے کہ دونوں موٹھروں اور دونوں چھاتیوں کے بیچ میں مہر تھی۔ اور یہ بھی ایک روایت گزری ہے کہ مہر آپ کے قلب مبارک میں تھی۔

ان سب روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کے لئے یہ بھی کنا جاتا ہے کہ ممکن ہے مہر ان سب جگہوں پر رہی ہو یعنی آپ کے قلب مبارک میں بھی ہو، سینہ پر بھی رہی ہو اور دونوں موٹھروں کے درمیان میں بھی ہو۔ تو کیا دل میں اس لئے مہر لگائی گئی کہ اس میں جو کچھ حکمت و ایمان ہے اس کی حفاظت ہو۔ پھر سینہ اور موٹھروں پر بھی اسی کی اور زیادہ حفاظت کے لئے مہر لگائی گئی ہوں کیونکہ تمام جسم کے مقابلہ میں سینہ دل کا زیادہ قریبی طرف اور جانا ہے (یعنی جس میں دل رکھا ہوا ہے) پھر اس کے لئے دونوں موٹھروں کے بیچ کی جگہ اس لئے چھائی گئی کہ باقی جسم کے مقابلہ میں یہ حصہ دل سے زیادہ قریب ہے (جس کی حفاظت کرنی ہے)

اس روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کے لئے ایک بات کتاب شفاء میں بھی لکھی ہے۔ وہ یہ کہ (اصل مہر آپ ﷺ کے سینہ پر تھی) اب رہی موٹھروں کے درمیان کی مہر تو وہ اسی سینے کی مہر کا اثر اور نشان تھا۔ مگر پہلی بات جو لوہر ذکر ہوئی وہ اس سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ یہ بات آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے خلاف ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ ”پھر اس نے میرے دونوں موٹھروں کے بیچ میں مہر لگائی۔“

اس روایت میں دل میں مہر رکھے جانے کا ذکر نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی ٹھیک نہیں ہے کہ سینے سے دل مر لویا جائے (یعنی یہ کہا جائے کہ سینہ کہنے سے آپ کا قصود دل ہے) کیونکہ اس صورت میں اس روایت میں سینے کی مہر کا معاملہ ختم ہو جائے گا (جبکہ صاف لفظوں میں اسی کا ذکر ہے)

اسی بات کا ایک جواب علامہ حافظ امین حجرؒ نے بھی دیا ہے کہ ممکن ہے مہر قلب پر ہی ہو مگر اس کا نشان اور اثر آپ ﷺ کی کمر پر بائیں موٹھے کے پاس ظاہر ہو گیا ہے اس لئے کہ دل بائیں طرف ہی ہوتا ہے مگر اس جواب سے بھی وہی پہلی بات زیادہ اچھی اور دل لگتی ہے کیونکہ ان دونوں جوابوں میں یہ اشکال ہے کہ آپ کے بائیں موٹھے کے قریب جو مہر تھی وہ تو وہ مہر نبوت تھی جو پیدائشی تھی اور جو آپ ﷺ کی نبوت کی ایک علامت اور نشان تھی (یعنی مہر نبوت کے ساتھ تو آپ پیدا ہوئے تھے جو آپ کے بائیں موٹھے کے قریب تھی اور جو آپ کی نبوت کی ایک پیدائشی علامت تھی۔ اور جو مہر آپ کا سینہ چاک کئے جانے کے وقت لگائی گئی وہ مہر نبوت نہیں تھی بلکہ وہ اس حکمت اور ایمان کی حفاظت کے لئے بعد میں لگائی تھی اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ بعد والی مہر دل پر لگائی گئی اور اس کا نشان آپ کے بائیں موٹھے پر ظاہر ہو گیا تو یہ بات غلط ہو جائے گی کیونکہ جو مہر بائیں موٹھے پر تھی وہ کسی اندرونی مہر کا نشان نہیں تھی بلکہ وہ تو پیدائشی تھی اور مہر نبوت تھی) یہی بات صحیح روایتوں سے ثابت ہے۔

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کی کمر پر مہر نبوت ٹھیک دل کے مقابلے میں لگائی گئی جہاں سے شیطان آنحضرت ﷺ کے سوا دوسروں کے بدن میں گھسنا ہے (یعنی بائیں طرف تھی) جبکہ دوسرے تمام پیغمبروں کی مہر نبوت ان کی کمر پر دائیں طرف تھی۔ چنانچہ کتاب

معد رک میں وہب ابن منہجہ کی روایت ہے۔

”اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی بھی پیدا فرمائے ان سب کی نبوت کی علامت ان کے دائیں ہاتھ میں تھی (یعنی دائیں ہاتھ کے مونڈھے کے قریب تھی) لیکن رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانی آپ کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں تھی۔ یہاں تک وہب ابن منہجہ کا قول ہے۔

لیکن میں نہیں جانتا کہ دوسرے مخبروں کی نبوت کی یہ نشانیاں کیا تھیں۔

علامہ شہاب قسطلانی نے کتاب خصائص کے حاشیہ میں لکھا ہے۔

”یہ قول کہ مہر نبوت آپ کی کمر پر (ٹھیک دل کے مقابلے میں لگائی گئی جہاں سے شیطان آپ ﷺ کے سوا دوسروں کے بدن میں گھسنا ہے) لگانا شکل ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سوا دوسرے نبیوں کے جسموں میں شیطان کے داخل ہونے کا راستہ مہر بند نہیں کیا گیا تھا۔ اس قول کو ماننے سے جو غلط مطلب نکلتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اس سے زیادہ غلط اور بے سرو پا بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہاں تک قسطلانی کا کلام ہے۔

(مؤلف اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں) یہ جو قول ہے کہ ”جہاں سے شیطان آنحضرت ﷺ کے سوا دوسروں کے بدن میں گھسنا ہے۔“ اس سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ جہاں سے شیطان آنحضرت ﷺ کے سوا دوسرے نبیوں کو چھوڑ کر آدمی کے بدن میں گھسنا ہے۔ کیونکہ سب لوگ اہل بات کو جانتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں کہ تمام مخبر شیطان سے پوری طرح محفوظ ہیں اور معصوم ہیں اور ان تمام انبیاء علیہم السلام میں آنحضرت ﷺ کو یہ خصوصیت بخشی گئی ہے کہ شیطان کے داخل ہونے کے اس راستے کو مہر بند بھی کر دیا گیا تاکہ شیطان سے اور زیادہ حفاظت ہو اور آپ کے جسم مبارک کی طرف وہ لالچ بھی نہ کر سکے۔ ہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

(لوہر کی سطور میں شق صدر کے وقت کی مہر کے بارے میں دو قول بیان کئے گئے ہیں کہ یہ مہر اصل میں دل پر لگائی گئی تھی اور اسی کا نشان کمر پر دونوں مونڈھوں کے بیچ میں ظاہر ہو گیا تھا۔ اس پر یہ اعتراض تھا کہ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں جو مہر تھی وہ تو وہ مہر نبوت تھی جو آپ کے بدن مبارک پر پیدا انہی تھی) مگر اس پر بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ بعض علماء تو یہی مانتے ہیں کہ مہر نبوت پیدا انہی نہیں تھی بلکہ بعد میں لگائی گئی تھی۔ اس لئے ممکن ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اور قاضی عیاضؒ کے جو قول لوہر بیان ہوئے وہ اسی بنیاد پر ہوں کہ مہر نبوت (پیدا انہی نہیں تھی بلکہ) بعد میں دل پر لگائی گئی اور اس کا نشان کمر پر ظاہر ہو گیا۔ اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مہر نبوت پیدا انہی نہیں تھی بلکہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد لگائی گئی (تو بھی یہ شق صدر کی مہر سے پہلے کی ہے کیونکہ ابو نعیم سے ان کی کتاب دلائل الامتہ میں روایت ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو (ایک) مہر خستے نے آپ کو تین بازپائی میں سمایا اس کے بعد اس نے ایک سفید ریشمی تھیلی نکالی اس میں ایک مہر تھی جسے اس نے ایک صاف ستھرے مٹھے کی طرح آپ کے مونڈھے پر لگادیا۔

اس روایت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مہر نبوت اس شق صدر کی مہر کا نشان نہیں تھی (کیونکہ لوہر تو اس روایت میں صاف بیان ہے کہ مہر نبوت دونوں مونڈھوں کے بیچ میں لگائی گئی اور دوسرے یہ کہ شق صدر کا

واقعہ اور اس وقت لگائی جانے والی مر آپ کی ولادت کے بہت بعد کا واقعہ ہے جبکہ آپ دایہ طیبہ کے پاس تھے اور پاؤں چلنے لگے تھے)

علامہ سیوطی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مری مر نبوت تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث جو آنحضرت ﷺ کے دودھ پینے کے زمانے کی ہے اور شق صدر (سینہ چاک کئے جانے) کے واقعہ کے متعلق ہے اس سے واقعہ زیادہ کھل کر سامنے آتا ہے یعنی مر نبوت کے متعلق یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ آپ کے جسم مبارک پر پیدا انٹی ہے یا آپ کی پیدائش کے فوراً بعد لگائی گئی یا آپ کو نبوت ملنے کے وقت لگائی گئی۔ چنانچہ اس حدیث سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ وہ کب لگائی گئی، کیسے لگائی گئی اور کس نے لگائی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے علم میں برکت عطا فرمائے۔ یہاں تک علامہ سیوطی کا کلام ہے۔ (یعنی ابو نعیم کی اس روایت میں مر نبوت کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے علامہ سیوطی کے نزدیک یہ آنحضرت کی پیدائش کے وقت کا واقعہ نہیں ہے بلکہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ آپ دایہ طیبہ کے یہاں رہتے تھے اور وہاں شق صدر یعنی سینہ چاک کئے جانے کا واقعہ پیش آیا)۔

اس بارے میں علامہ حافظ ابن حجرؒ بھی یہی کہتے ہیں کہ :-

وہ تمام حدیثیں جن میں سینہ چاک کئے جانے اور مر لگائے جانے کا ذکر ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مر نبوت آپ کے جسم مبارک پر آپ کی ولادت کے وقت موجود نہیں تھی بلکہ یہ پہلی بار اسی وقت رکھی گئی جبکہ دایہ طیبہ کے پاس رہنے کے زمانے میں آپ کا سینہ چاک کیا گیا اور اسی وقت مر لگائی گئی کہ یہ بات ان علماء کے قول کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مر نبوت آپ کے جسم میں پیدا انٹی تھی یا یہ کہ اس وقت رکھی گئی جب آپ پیدا ہوئے۔ یہاں تک حافظ ابن حجر کا کلام ہے۔

مگر اس سلسلے میں ہم نے جو یہ بات کہی ہے کہ مر نبوت اور چیز ہے اور سینہ چاک کئے جانے کے وقت جو مر لگائی گئی وہ دوسری چیز ہے (یعنی مر نبوت نہیں تھی) یہ بات زیادہ بہتر ہے کیونکہ ایسا ماننے میں دونوں قول مان لئے جاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے خلاف نہیں رہتے (کیونکہ اس طرح یہ قول کہ مر پیدا انٹی تھی یوں صحیح ہو جاتا ہے کہ اس سے مر لو مر نبوت ہے اور یہ قول کہ مر پیدا انٹی نہیں تھی بلکہ شق صدر کے وقت لگائی گئی یوں درست ہو جاتا ہے کہ یہ مر نبوت نہیں تھی بلکہ یہ مر اس حکمت اور ایمان کی حفاظت کے لئے لگائی گئی تھی جو آپ کے قلب مبارک میں ڈالا گیا تھا اس طرح دونوں قول صحیح ہو جاتے ہیں یعنی درست قرار پاجاتے ہیں اور دونوں قول صحیح کر دیئے زیادہ بہتر ہے یہ نسبت اس کے کہ مر نبوت کے پیدا انٹی ہونے کے قول کو گزر دیا جائے۔ پھر اگر یہ مانا جائے کہ شق صدر کے وقت لگائی جانے والی مری مر نبوت ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مر نبوت کئی جگہ لگئی یعنی دونوں موٹروں کے بیچ میں بھی تھی، سینہ پر بھی تھی اور قلب مبارک پر بھی تھی۔

اس کے جواب میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس اعتراض کو پہلے ہی صاف کیا جا چکا ہے کہ آپ کے موٹروں کے درمیان جو مری مر تھی وہ آپ کے دل اور سینے کی ہر کاہی نشان تھا۔ کیونکہ ابو نعیم کی جو حدیث پیچھے بیان کی گئی ہے اس سے یہ بات غلط ثابت ہو جاتی ہے (اس لئے کہ اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ کے دونوں موٹروں کے بیچ میں مری مر رکھی گئی) (یعنی وہ کسی دوسری چیز کا نشان نہیں تھی بلکہ خاص اسی جگہ مری مر رکھی گئی تھی) اس کے علاوہ بعض ایسی روایتیں بھی گزر چکی ہیں جن میں صاف ذکر ہے کہ (شق صدر کے وقت) فرشتہ آیا اس کے ہاتھ میں مری مر تھی جسے اس نے آپ کے دونوں موٹروں اور دونوں چھاتیوں کے بیچ میں دکھ دیا۔

پھر یہ کہ (اگر شق صدر کی ہر کوئی ہر نبوت ملنا جائے تو) یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ ہر آپ کی نبوت کے وقت بھی لائی گئی اور پھر معراج کے وقت بھی لائی گئی۔ کیونکہ نبوت کے واقعہ میں بھی ذکر ہے کہ (فرشتے نے آکر مجھے اس طرح الٹا کر دیا جیسے برتن کو الٹا کر دیا جاتا ہے اور پھر میری کمر میں سر رکھ دی۔ ان دونوں روایتوں سے بھی یہ قول غلط ہو جاتے ہیں کہ آپ کی کمر اور دونوں موڑھوں کے بیچ میں جو ہر تھی وہ اس ہر کا نشان تھی جو آپ کے سینے اور قلب میں موجود تھی زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبوت اور معراج کے واقعہ میں جس ہر کا ذکر ہے وہ ہر نبوت نہیں ہے بلکہ ہر نبوت تو اسی ہر کا نشان اور اثر ہے جو آپ کے دودھ پینے کے زمانے میں آپ کے سینے اور قلب میں لگائی گئی تھی۔ پھر نبوت اور معراج دونوں کے موقعوں پر اسی نشان پر دوبارہ ہر لگائی گئی۔

مگر اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ ایک ہی جگہ پر بار بار ہر لگانے جانے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا مقصد حفاظت میں زیادتی ہے کیونکہ یہ زیادتی تو اس طرح ہوتی کہ کئی جگہ ہر لگائی جاتی جہاں ایک بار ہر کے ذریعہ حفاظت کی جاسکتی ہے وہاں دوبارہ اور سہ بارہ لگانے کا کیا مطلب!

پھر یہ بات (کہ ہر نبوت صرف اس ہر کا عکس اور نشان تھی جو دلیہ علیہ کے یہاں آپ کے دودھ پینے کے زمانے میں لگائی تھی) خود ان ہی لوگوں کے اس قول کے خلاف ہو جاتی ہے کہ تینوں جگہوں پر ہر نبوت لگائی گئی تھی (جس کا مطلب ہے کہ فرشتے کے پاس جو ہر تھی اس سے انہوں نے تینوں جگہوں پر ٹھپہ لگایا) حالانکہ معراج کے واقعہ میں جو قول ذکر ہے..... کہ پھر اس فرشتے نے ہر نبوت کی ہر آپ کے دونوں موڑھوں کے درمیان میں لگادی اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر نبوت کو آپ کے دونوں موڑھوں کے درمیان میں رکھ دیا گیا تھا اور نہ ہر نبوت سے محض ٹھپہ لگانے کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔

یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اگر ہر نبوت اور دوسری ہروں کو علیحدہ علیحدہ چیزیں ملنا جائے تو حدیث کے اس لفظ کا کیا مطلب ہو گا کہ پھر ہر نبوت سے ہر لگائی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ الفاظ خود آنحضرت ﷺ کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ روایت بیان کرنے والے کے الفاظ ہیں پھر یہ کہ ممکن ہے کہ اس لفظ سے رولوی کی رولوی ہو کہ ”پھر ہر نبوت کے ساتھ ہر لگائی گئی۔“ (کیونکہ عربی میں دونوں باتیں ایک ہی طرح کی جاتی ہیں صرف کہنے والے کی مراد کا فرق ہو سکتا ہے)۔

اس بحث کے بعد پھر اسی حدیث کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ اپنے شق صدر یعنی سینہ چاک کئے جانے کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں کہ ان تینوں فرشتوں میں سے تیسرے نے میرے قلب میں سے سیاہ دانہ نکالے جانے کے بعد سینے کے چاک پر ہاتھ پھیرا جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ چاک برابر ہو گیا اور پھر اس نے اس پر ہر لگائی) پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے سمت آہنگی کے ساتھ اس جگہ سے اٹھا کر کھڑا کر دیا پھر اس تیسرے نے اسی پہلے فرشتے سے کہا جس نے میرا سینہ چاک کیا تھا کہ اب ان کو ان کے بیس ایتھوں کے مقابلے میں تولو، چنانچہ اس نے مجھے وزن کیا تو میں ان میں پر بھاری رہا پھر اس نے کہا کہ اب سو ایتھوں کے مقابلے میں وزن کرو۔ اس نے پھر وزن کیا تو میں ان سو پر بھی بھاری رہا پھر اس نے کہا کہ اب ایک ہزار ایتھوں کے مقابلے میں تولو۔ اس نے اب ایک ہزار کے مقابلے میں میرا وزن کیا تو میں ان ایک ہزار پر بھی بھاری رہا اس نے کہا کہ بس اب چھوڑ دو اس لئے کہ اگر تم ان کو ان کی پوری اہمیت کے مقابلے میں بھی وزن کرو

کے توبہ مان سب پر بھاری رہیں گے۔ اس کے بعد ان تینوں فرشتوں نے مجھے اپنے اپنے سینوں سے لگایا اور میری آنکھوں کے بیچ میں میری پیشانی کو بوسہ دیا۔ پھر انہوں نے کہا۔
 ”اے خدا کے حبیب! گھبرائیے نہیں۔ اگر آپ یہ جان لیں کہ آپ سے کتنی بڑی خیر ظاہر ہونے والی ہے تو آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔“

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: بعض روایتوں میں یوں ہے کہ (سب سے پہلے اس فرشتے نے میں امتیوں کے بجائے کوس امتیوں کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ کا وزن کئے جانے کے لئے کہا تھا اور اس کے بعد سو کے مقابلے میں) گویا اس روایت میں میں میں کا ذکر چھوڑ دیا گیا اور اس روایت میں دس کا ذکر چھوڑ دیا گیا۔ واللہ اعلم۔
 (قال) پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم (یعنی آپ ﷺ اور وہ تینوں فرشتوں) کسی حالت میں تھے کہ اچانک بستی کے لوگوں کا مجمع وہاں پہنچ گیا ان میں آگے آگے میری دایہ یعنی حضرت حمزہؓ تھیں جو بہت زور زور سے چیخ رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں

”ہائے بے چارہ.....“

یہ سن کر وہ تینوں فرشتے مجھ پر جھکے اور انہوں نے مجھے اپنے سینوں سے لگایا اور انہوں نے میرا سر اور میری پیشانی چومی اور بوسے۔

”اے خوشام کہ آپ بے چاروں میں سے ہیں۔“

پھر میری دایہ نے کہا۔

”ہائے (میرا بچہ) کیسا کیلا رہ گیا۔“

ان فرشتوں نے پھر مجھے اپنے سینوں سے لگایا اور میرا سر اور پیشانی چوم کر کہا۔
 اے خوشام آپ اکیلوں میں سے ہیں آپ اکیلے نہیں ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہیں اور اس کے فرشتے اور زمین والوں میں مومنین آپ کے ساتھ ہیں۔“

پھر میری دایہ نے کہا۔

”ہائے یہ جہنم لاد بے کس بچہ..... اپنے ساتھیوں میں تو ہی سب سے کمزور تھا اور اپنی کمزوری کے سبب ہی قتل کر دیا گیا۔“

یہ سن کر ان فرشتوں نے پھر مجھے اپنے سینوں سے لگایا اور میرا سر اور پیشانی چوم کر کہنے لگے۔
 ”اے خوشام کہ آپ تینوں میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کا کتنا اکرام اور اعزاز ہے۔ اگر آپ جان لیں کہ آپ کے ذریعہ کتنی بڑی خیر ظاہر ہونے والی ہے تو آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔“

کاہن کا خوف..... اب بستی کے لوگ دلوں کے کنارے تک پہنچ چکے تھے جب میری ماں یعنی میری دایہ نے مجھے (قریب پہنچ کر) لایا تو (خوش ہو کر) بولیں کہ میں تو تجھیں زندہ ہی دیکھ رہی ہوں۔ پھر وہ میرے پاس آکر مجھ پر جھک پڑیں اور مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ پس قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں ان کی (یعنی دایہ طیبہ کی) گود میں تھا جنہوں نے مجھے لپٹا کھا تھا مگر میرے ہاتھ ان فرشتوں کے ہاتھوں میں تھے لیکن دوسروں کو اس کی خبر نہیں تھی یعنی ان کو نظر نہیں آتا تھا کہ میرے ہاتھ فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں) پھر ان لوگوں میں سے ایک شخص آگے آیا اور کہنے لگا۔

اس لڑکے پر اثر ہو گیا ہے یعنی جنون کا اثر ہو گیا ہے یا کسی جن کا سایہ ہو گیا ہے۔ اسے کسی کاہن کے پاس لے چلو تاکہ وہ اسے دیکھ لے اور اس کا علاج کر لے۔“

میں نے (یہ سن کر) کہا۔

”تم جو کہہ رہے ہو ان میں سے مجھ پر کوئی اثر نہیں ہے۔ میرے (بدن کے) تمام اعضاء بالکل صحیح سالم ہیں اور میرا دل بھی بالکل ٹھیک ہے مجھے کوئی بیلدی نہیں ہے کہ کسی کو دکھانے کی ضرورت ہو۔“

میرے والد یعنی میری دلیہ کے شوہر نے (یہ سن کر) کہا۔

”کیا تم لوگ نہیں دیکھ رہے ہو کہ اس کی بات چیت بالکل ٹھیک ہے مجھے یقین ہے کہ میرے بچے کو کوئی بیلدی نہیں ہے۔“

مگر سب لوگوں کا فیصلہ یہی ہوا کہ مجھے کاہن کے پاس لے چلیں چنانچہ جب وہ لوگ مجھے لے کر وہاں پہنچے اور میرا واقعہ اس کو بتلایا تو اس نے کہا۔

”تم لوگ چپ رہو تاکہ میں خود اس لڑکے سے سنوں اس لئے کہ وہ اپنا معاملہ تم سے زیادہ خود جانتا ہے۔“

پھر اس نے مجھ سے پوچھا تو میں نے اس کو شروع سے آخر تک ہماری بات بتلائی (واقعہ سن کر وہ ایک دم کھڑا ہوا اور جلدی سے مجھے اپنے سینے سے بچ لیا اس کے بعد وہ بلند آواز کے ساتھ پکارنے لگا۔

”اے عرب والو..... اے عرب والو اس آفت سے بچو سر پر آگئی ہے، اس لڑکے کو قتل کرو اور اس کے ساتھ ہی مجھے بھی قتل کر ڈالو، کیونکہ لات اور عزیٰ کی قسم اگر تم نے اس کو چھوڑ دیا اور یہ سمجھ اور دلائلی کی عمر کو پہنچ گیا تو یہ لڑکا تمہارے دین کو بدل ڈالے گا، تمہیں اور تمہارے باپ دلو کو بے عقل بتلاے گا، تمہاری باتوں کی مخالفت کرے گا اور تمہارے پاس ایک ایسا دین لے کر آئے گا کہ اس جیسے دین کے متعلق تم نے کبھی سنا بھی نہ ہو گا۔“

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔

”یہ تمہاری عقلوں کو خراب بتلائے گا، تمہارے بتوں کو جھٹلائے گا اور تمہیں ایک ایسے پروردگار کی طرف بلائے گا جسے تم جانتے بھی نہیں اور ایسے دین کی طرف بلائے گا جس کا تم انکار کرتے ہو۔“

(یہ سن کر) میری دلیہ آگے بڑھیں اور مجھے اس کی گود میں سے کھینچ کر اس سے پولیس

”تو خود ہی مجھ کو لور پائل ہو گیا ہے۔ اگر مجھے خبر ہوتی کہ تو یہ کہے گا تو میں اس بچے کو لے کر تیرے پاس نہ آتی۔ جسے بلانا ہو خود اپنے آپ کو قتل کرانے کے لئے بلاؤ۔ میں اس لڑکے کو قتل کرنے والی نہیں ہوں۔“

پھر وہ (یعنی بہستی کے لوگ) مجھے اپنے یہاں لے آئے۔ میرے ساتھ ان فرشتوں نے جو معاملہ کیا تھا میں اس سے گھبرا ہوا تھا۔ (ی) یعنی مجھے میرے بھولیوں کے بیچ میں سے اٹھا کر لے گئے اور زمین پر لٹایا۔ یعنی خاص طور پر اس بات سے گھبرائے ہوئے نہیں تھے کہ آپ کا سینہ چاک کیا گیا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

اس چاک کا نشان میرے سینے سے لے کر پیٹ کے آخر تک تھا۔ یعنی اس چاک کے بھرے جانے کا نشان جو فرشتے کے اس عمل کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ یہ نشان ایک تسمہ کی طرح کا تھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: قسم سے مروا جوتے کے بندوں میں سے ایک بند ہے۔ شاید اس نشان کے باقی رکھے جانے کی حکمت اور سبب یہ تھا کہ یہ شق صدر یعنی سینہ چاک کئے جانے کی علامت کے طور پر ہے۔ واضح رہے کہ چونکہ دایہ علیہ کے پاس رہنے یعنی دودھ پینے کے زمانے میں شق صدر کا واقعہ ایک ہی ہے اس لئے ان سب روایتوں سے مروا ایک ہی ہوگی۔ بس فرق یہ ہے کہ بعض روایتوں میں واقعہ کو مختصر انداز میں بیان کیا گیا ہے اور بعض میں وہ سب تفصیلات ذکر کی گئی ہیں جو پیش آئیں۔

اسی طرح بعض روایتوں میں آنحضرت ﷺ نے دو فرشتوں کے آنے کی خبر دی ہے اور بعض میں تینوں کے آنے کی اس سے بھی کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا نیز (ان تین کاموں یعنی) آپ کو پکڑ کر لے جانے، پھر مٹانے اور اس کے بعد پیٹ یا سینہ چاک کرنے کا کام دو فرشتوں کی موجودگی میں ہوا ہوا تینوں کی، اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ان فرشتوں میں یہ عمل کرنے والا ایک ہی تھا جیسا کہ اس بارے میں آپ کے بھائی نے بھی خبر دی ہے اور بعض روایتوں میں اس کی صراحت بھی ہوتی ہے۔

اسی طرح بعض روایتوں میں پیٹ چاک کئے جانے کا ذکر ہے مگر جیسا کہ بعض دوسری روایتوں میں کہا گیا ہے اس سے مروا یہی ہے کہ پیٹ کے آخر تک سینہ چاک کیا گیا تھا، نیز یہ کہ پیٹ چاک کئے جانے یا سینہ چاک کئے جانے سے دل کا چاک کیا جانا مر لو نہیں ہے جیسا کہ اس روایت میں گزر رہا ہے۔

”پھر اس نے میرے پیٹ کے اندر کی چیزیں نکالیں، پھر انہیں دھویا اور پھر ان کو دایہ علیہ کی جگہ پر رکھ دید۔ پھر اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان کے پاس سے ہٹ جاؤ اس کو ہٹانے کے بعد اس فرشتے نے اپنا ہاتھ میرے پیٹ میں ڈالا اور میرا دل باہر نکالا اور پھر اس کو پھاڑا۔“ (حدیث)

(واضح رہے کہ دل کو پھاڑنے سے مروا اس میں شک و شبہ دینا ہے چاک کرنا اور علیحدہ علیحدہ کر دینا مروا نہیں ہے)

(جو طشت یا طباق وہ فرشتے لے کر آئے تھے اس کے متعلق پہلا ردایوں میں سے ایک میں یہ ہے کہ وہ سبز زرد یعنی چتر کا تھا اور ایک میں ہے کہ وہ سونے کا تھا۔ اس اختلاف کے متعلق کہتے ہیں) ممکن ہے کہ طشت ایک سے زیادہ ہوں۔ ایک سبز زرد کا ہو اور دوسرا سونے کا ہو اور ان میں سے پہلا خالی رہا ہو کہ اس میں چاندی کے لوٹے کا وہ پانی جمع کیا جاتا ہے جس سے آپ ﷺ کے جسم مبارک کا اندرونی حصہ یعنی اندرونی اعضاء جن میں دل کا خول بھی شامل ہے دھویا ہو گا اور دوسرا طشت برف سے بھرا ہوا رہا ہو تاکہ اس سے آپ کا دل یعنی اس کا اندرونی حصہ دھویا جائے لب مطلب یہ ہوا کہ بعض روایتوں میں صرف قلب کا ذکر کیا گیا اور بعض میں قلب اور جسم کے دوسرے اندرونی اعضاء دونوں کا اس سلسلے میں ذکر کیا گیا۔

پھر شق صدر کے واقعہ میں ایک روایت تو یہ ہے کہ واقعہ پہاڑ کی چوٹی پر ہوا۔ (یعنی فرشتے آپ کو پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے تھے) اور ایک روایت یہ ہے کہ یہ واقعہ ولوی کے کنارے پر ہوا (یعنی آپ کو ولوی کے ایک کنارے پر لے جایا گیا اور وہاں سینہ چاک کیا گیا) اس فرق کو یوں دور کیا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ پہاڑ کی چوٹی ولوی کے کنارے کی طرف ہو (اور اس لئے ایک روایت میں ولوی کا کنارہ کہا گیا اور دوسری میں پہاڑ کی چوٹی کہا گیا جبکہ مروا دونوں سے ایک ہی بات ہے)

پھر وہ چیز جو آپ کے قلب میں سے نکال کر پھینکی گئی اس کو ایک روایت میں علیحدہ سودا کہا گیا (جس کو

ہم نے سیاہ دانہ لکھا ہے) اور ایک روایت میں اس کو مغفہ کہا گیا (جس کو ہم نے گوشت کالو تھڑا لکھا ہے) اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ جندہ (یعنی گوشت کالو تھڑا اپنی بناوٹ میں حلقہ (یعنی سیاہ دانے کے) قریب قریب ہو۔ انسان کے قلب میں ایک دانہ اور بھی ہو تا ہے جس کو حبہ القلب کہتے ہیں اسی سے لفظ محبت بنا ہے ممکن ہے یہاں سیاہ دانے سے یہ حبہ القلب مر لو نہ ہو مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہی مراد ہو۔ واللہ اعلم۔

اس واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزہ کے شاعر نے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے (شعروں کا مطلب بعد

میں دیا گیا ہے۔

وَأَتَتْ وَيَهَامِنْ جَدَّةٌ وَقَدْ فَصَّلَتْهُ
الْمَاءُ حَاظَتْ خَصَا لَهْ مَلَايِكَةُ الْبَرِّ حَاءُ
فَقَطَّنَتْ يَالَهُمْ مَرْنَاءُ

وَرَأَى وَجَدَهَا يَهْ وَمِنْ الْوَجْدِ
لَهَبٌ تَصَلَّى يَهْ الْأَحْشَاءُ

فَلَرَقَهُ كَرَحًا وَكَانَ لَدَيْهَا
تَارِيًا لَا يَمْلُ مِنْهُ السَّوَاءُ

شَقَّ عَنْ قَلْبِهِ وَخَرَجَ مِنْهُ
هَمَّةٌ عِنْدَ غَسَلِهِ سَوَاءُ

خُصَمَةٌ يُمْنَى يَدْعُ الْأَمِينُ وَقَلْبُهُ
دَعَّ مَالَمُ يَدْعُ لَهُ الْإِنْبَاءُ

صَانَ أَسْرَاةَ الْخَتَامِ لَبَلَا الْغَضِّ
مَلَمُ وَلَا الْإِلْقَاءُ

مطلب..... جب آنحضرت ﷺ کا دودھ چھڑ لیا جا چکا تو دایہ حلیمہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے دلو ا عبدالمطلب کے پاس لے کر آئیں۔ جبکہ ان کا حال یہ تھا کہ آپ کا دودھ چھڑا دینے اور آپ کی واپسی کی وجہ سے وہ بے حد غمگین اور لو اس تھیں (کیونکہ آپ کی برکتیں دیکھ کر وہ آپ ﷺ سے نگلیں مل سے زیادہ پیدا کرنے لگی تھیں اور نہیں چاہتی تھیں کہ آپ کبھی بھی ان سے جدا ہوں) مگر انہیں آنحضرت ﷺ کو اس لئے واپس حضرت آمنہ کے سپرد کرنا پڑا کہ (آپ کے ساتھ شق صدر یعنی سینہ چاک کئے جانے کا واقعہ پیش آیا اور اس موقع پر) آپ کو اللہ کے فرشتوں نے گہرے میں لے لیا تھا جنہیں دایہ حلیمہ شیاطین سمجھیں (اور انہیں آپ کی جان کا خوف ہو گیا چنانچہ جب وہ آپ کو آپ کے دلو ا عبدالمطلب کے پاس لائیں تو) انہوں نے بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کی بے انتہا محبت اور دلفریبی کا اندازہ کیا۔ آنحضرت ﷺ کی جدائی سے ان کو ایسا غم تھا جس کے شعلوں سے ان کا دل جگر منگ رہا تھا مگر آپ کو واپس عبدالمطلب کے سپرد کر کے وہ حسرت کے ساتھ آپ سے جدا

ہو گئیں۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ اپنے عرصہ ان کے ساتھ رہے مگر آپ سے کبھی ان کا دل نہیں بھرا اور
(وہیں یہ واقعہ پیش کیا کہ) آپ کے دل کو چاک کیا گیا اور اس کو صاف کرنے کے وقت اس میں سے ایک سیاہ لو
تھرا نکال کر پھینکا گیا پھر جر نکل اٹھیں نے اس دل پر اپنے دائیں ہاتھ سے مڑ لگائی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پاک
دل میں اپنے ایسے راز ہائے سربستہ عنایت فرمائے تھے جو کبھی کسی پر نہیں کھلے اور ان رازوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا
کوئی نہیں جانتا۔ اس مہر کے ذریعہ ان ہی پوشیدہ رازوں کی حفاظت کی گئی تھی۔ چنانچہ نہ تو اس مہر کا ٹوٹا کبھی ممکن
تھا اور نہ ان رازوں کا عام ہو سکتا تھا۔

شق صدر کے مزید واقعات..... اقول۔ مؤلف کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کا سینہ اس کے علاوہ دوسرے اور
بھی چاک کیا گیا تھا ایک مرتبہ اس وقت جب آپ پر وحی نازل ہوئی اور تیسری بار اس وقت جب آپ کو معراج
ہوئی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ (جو تھی مرتبہ) اس وقت بھی آپ کا سینہ چاک کیا گیا تھا جب آپ کی عمر دس برس
کی ہوئی تھی جیسا کہ مسلم میں ہے۔ اسی طرح پانچویں بار ان ہی علماء کے نزدیک اس وقت شق صدر ہوا جب
آپ کی عمر بیس سال کو پہنچی۔ کتب مواہب نے پانچویں بار شق صدر ہونے کے متعلق جو لکھا ہے شاید وہ اسی
قول کی بناء پر ہے۔ مگر یہ پانچویں بار سینہ چاک کئے جانے کا قول ثابت نہیں ہے۔ یہ پانچویں بار شق صدر کا قول
کتب دُر مشور کے حوالے سے آگے بیان ہو گا اور اس میں جو اشکال ہے وہ بھی بیان کیا جائے گا واللہ اعلم۔

(قال) جب آنحضرت ﷺ کی عمر دس سال اور کچھ مہینے کی ہوئی (اس وقت جو سینہ چاک کئے جانے کا
واقعہ پیش آیا) اس کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

”میرے پاس دو آدمی آئے پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ان کو لٹا دو۔ چنانچہ اس نے
مجھے چٹ لٹا دیا۔ پھر انہوں نے میرا پیٹ چاک کیا۔ ان میں سے ایک شخص ایک سونے کے ٹپٹ میں پانی لئے
پیچھے کھڑا تھا اور دوسرا میرے پیٹ کو دھو رہا تھا۔ پھر اس نے میرا دل چاک کیا۔ پھر اس نے دوسرے سے کہا کہ
اس میں سے یعنی دل میں سے حسد اور برائی نکال ڈالو۔ چنانچہ اس نے دل میں سے وہ دانہ (یا تو تھرا) نکالا اس سے
مر لو وہی سیاہ دانہ ہے جس کے بارے میں پیچھے ذکر ہو چکا ہے کہ یہ دل میں شیطان کا حصہ اور اس کے کچھ کے
مارنے کی جگہ ہوتا ہے (گویا انسان کے بدن میں شیطان کا مرکز ہوتا ہے) اس لئے یہی حسد اور برائی کا گھر بھی ہوتا
ہے۔“

اب اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ سیاہ دانہ تو اس سے پہلے نکال کر پھینکا جا چکا تھا اور اب اس کا دوبارہ
پیدا ہو جانا ممکن نہیں ہے یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ یہاں سیاہ دانے سے مراد اس کا کوئی بچا ہوا ٹکڑا یا ریزہ ہو جو اس سیاہ
دانے کے کے پھٹ جانے یا ٹوٹ جانے کی وجہ سے باقی رہ گیا ہو کیونکہ ایک روایت میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ دو
سیاہ دانے نکالے گئے تھے۔

اس کے جواب میں صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ دانہ یا تو تھرا نکالنے کے لئے کہنے سے فرشتے کی مراد یہ
تھی کہ وہ چیز نکال ڈالو جو تو تھرے یا دانے جیسی ہے (یعنی یہاں وہ تو تھرا یا سیاہ دانہ مراد نہیں ہے کیونکہ وہ تو
حقیقت میں اسی وقت نکالا جا چکا تھا جب پہلے ہی آنحضرت ﷺ کا سینہ چاک کیا گیا یہاں دوسری چیز مراد ہے جو
اسی سیاہ دانے جیسی تھی)

اس کے بعد پھر اسی حدیث کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ اس وقت کے شق

صدر کا واقعہ بیان فرمادے ہیں جب آپ کی عمر دس سال کی تھی۔ چنانچہ جب فرشتے نے آپ کے دل میں سے وہ دنہ نکالا جو برائی اور حسد کا گھر ہوتا ہے تو اس کے بعد اس نے دل میں چاندی کے جیسی کوئی چیز ڈالی۔ پھر اس نے ایک سفوف نکالا جو اس کے ساتھ تھا اور اسے اس چاک پر یعنی دل کے چاک پر چھڑکا تاکہ یہ چاک برابر ہو کر پھر گوشت سے بھر جائے اس کے بعد اس نے میرا گٹھ لایا اور کہا۔ ”جائیے آپ کی ہر صبح سلامتی دلائی ہو۔“

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس روایت میں مہر لگائے جانے کا ذکر نہیں ہے۔ نیز اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سید کے چاک پر صرف اس سفوف کے چھڑکنے سے گوشت پیدا ہو گیا اور وہ جڑ گیا جبکہ رضاعت کے واقعہ میں گزر چکا ہے کہ چاک جو برابر ہوا تھا وہ فرشتے کے اس ہاتھ بھرنے کی وجہ سے ہوا تھا اور اس چاک کے برابر ہونے کا نشان ایک تسمے کی طرح باقی رہا تھا۔

کنکب و منشور میں مسند امام احمد کی روایت ہے جسے ابی بن کعبؓ حضرت ابو ہریرہؓ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آپ سے عرض کیا۔

”یا رسول اللہ! نبوت کے سلسلے میں سب سے پہلے آپ نے جو چیز دیکھی وہ کیا تھی؟“

آنحضرت ﷺ اس سوال پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔

”تم نے خوب سوال کیا ابو ہریرہ! جب میری عمر بیس سال اور کچھ مہینے کی تھی تو میں ایک روز محراء میں تھا کہ مجھے لپٹا کہ اپنے سر کے لو پر کسی کے بولنے کی آواز آئی اور پھر میں نے سنا کہ ایک آدمی دوسرے سے کہہ رہا ہے۔

”کیا وہ یہی ہیں؟“

اس کے بعد وہ دونوں میرے سامنے آگئے، ان کے چہرے ایسے تھے کہ میں نے آج تک کسی مخلوق کے ایسے چہرے نہیں دیکھے، ان کے کپڑے بھی ایسے تھے کہ میں نے ان جیسے کپڑے پہنے کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔ پھر وہ بڑھ کر میرے قریب آگئے اور دونوں نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لئے مگر مجھے ان کے پکڑنے کا کوئی حساس نہیں ہوا۔ پھر ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان کو لہو چنانچہ انہوں نے مجھے جڑی آہنگی سے لٹا دیا۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا، ان کا سینہ چاک کرو۔ چنانچہ میرے دیکھتے دیکھتے میرا سینہ چاک کر دیا مگر نہ خون نکلا اور نہ مجھے کوئی تکلیف ہوئی، پھر اسی نے کہا کہ کینہ اور حسد نکال ڈالو۔ چنانچہ اس نے کوئی چیز نکالی جو ایک لوتھڑے (یعنی دانے) جیسی تھی اس نے اسے لے کر پھینک دیا۔ پھر اسی نے دوسرے سے کہا کہ اس میں نرمی اور رحمت ڈال دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسی ہی ایک چیز (ی) اس میں ڈالنے کے لئے نکالی جو چاندی جیسی تھی۔ پھر اس نے میرے دائیں پیر کا گٹھ لایا اور کہا کہ جائیے آپ کی ہر صبح سلامتی دلائی ہو۔ چنانچہ میں ہاں سے لوٹ آیا اور پھر میری ہر صبح اس طرح ہوتی ہے کہ میرے دل میں چھوٹوں کے لئے محبت اور بڑوں کے لئے نرمی ہے۔“

اس مرتبہ کے واقعہ میں بدن کے اعضا کے دھوئے جانے کا ہی ذکر نہیں ہے چہ جائے کہ اس کا ذکر ہو کہ کس چیز سے دھوئے گئے۔ اسی طرح مہر کا بھی ذکر نہیں ہے مگر اس میں ان دونوں آدمیوں کا آپ کے متعلق یہ پوچھنا کہ کیا یہی وہ شخص ہیں اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ یہ دونوں فرشتے حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل نہیں تھے کیونکہ وہ دونوں فرشتے تو آپ کو پچانتے تھے اس لئے کہ شیر خوارگی کے زمانے میں انہوں نے

ہی آنحضرت ﷺ کا سینہ چاک کیا تھا۔

یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ روایت لورہ روایت جہاں سے پہلے بیان کی گئی (جو اس وقت کی ہے جب کہ تب کی عمر دس سال کی تھی) کو دونوں ایک ہی ہیں۔ اس میں (دس کے بجائے) تیر سال کا لفظ ولوی کی غلطی کی وجہ سے آیا ہے ورنہ یہاں دس سال کا لفظ ہی ہے۔ اس سلسلے میں میں نے مزید تحقیق کی تو اس دعویٰ کی تصدیق بھی ہوئی کیونکہ ایک جگہ ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر دس حج (یعنی دس سال تھی) اسی مرتبہ کے واقعہ کو یعنی جو بیس سال کی عمر کا ہے خوب کا واقعہ بھی کہا جاتا ہے اگرچہ یہ بات حدیث کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے۔

نبوت کے وقت شق صدر کا واقعہ..... (وحی کے نازل ہونے کی ابتداء میں بھی آنحضرت ﷺ کا سینہ چاک کیا گیا تھا اس کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دفعہ کے شق صدر کے بارے میں فرمایا جو وحی کی ابتداء یعنی نبوت ملنے کے وقت ہوا کہ :-

”میرے پاس جبرئیل اور میکائیل آئے پھر جبرئیل نے مجھے پکار کر چٹ لٹایا، پھر انہوں نے میرا دل چاک کیا اور اسے باہر نکال لیا۔ پھر اس میں سے انہوں نے وہ چیز نکال لی جس کو خدا نکالنا چاہتا تھا یہاں آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ وہ کیا چیز تھی۔ غرض پھر انہوں نے اس دل کو ایک طشت میں زحرم کے پانی سے دھویا۔ اس کے بعد انہوں نے اس کو اس کی جگہ واپس رکھ دیا۔ پھر انہوں نے اس چاک کو برابر کر دیا۔ (ی) یعنی اس سفوف کے ذریعہ سے یا ہاتھ پھیر کر یا دونوں طریقوں سے اس چاک کو برابر کر دیا پھر انہوں نے مجھے اس طرح الناک کیا جیسے برتن کو لوندا حاکر دیتے ہیں اور اس کے بعد میری کمر پر مہر لگائی۔“

یہاں ممکن ہے مہر لگانے کی وہ جگہ مراد نہ ہو جہاں شیر خوارگی کے زمانے میں مہر لگائی گئی تھی یعنی دونوں موڑھوں کے درمیان میں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہی جگہ مراد ہو جہاں شیر خوارگی کے واقعہ میں بھی مہر لگ چکی تھی۔ مگر اس میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایک ہی جگہ پر دوبارہ مہر لگانے کے کوئی مفسر نہیں ہوتا۔ ممکن ہے شق صدر کے سلسلے میں حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل کے بھیجے جانے میں یہ حکمت رہی ہو کہ حضرت میکائیل رزق کے فرشتے ہیں جس سے بدن اور جسم کی زندگی باقی رہتی ہے اور حضرت جبرئیل وحی کے فرشتے ہیں جس سے دل اور روح کو زندگی ملتی ہے (اور اس طرح گویا حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی جسمانی اور روحانی تکمیل فرمادی۔

(معراج کے موقع پر بھی آپ کا سینہ چاک کیا گیا اس بارے میں آگے تفصیل آنے کی جگہ میں کہا گیا ہے کہ ہر دونوں موڑھوں کے درمیان میں لگی حالانکہ ایسا ماننے میں وہی اعتراض پیدا ہوتا ہے جو پہلے گزر چکا ہے) کہ آپ کے دونوں موڑھوں کے درمیان جو مہر تھی وہ مہر نبوت تھی اور آپ کے جسم مبارک پر پیدا کی گئی تھی) یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ جہاں آپ کا سینہ لورہ پیٹ چاک کئے جانے کا ذکر ہے وہاں اس سے دل کا چاک کیا جانا مراد نہیں ہے (یعنی دل جو کھولا گیا وہ بغیر کسی آلے کے فرشتے نے ہاتھ سے کھولا اور اس کو دو ٹکڑے نہیں کیا گیا بلکہ اس کو چیر کر اس میں سے سیلا و نہ نکالا گیا جو آدمی کے بدن میں شیطان کا گھر ہوتا ہے۔ یہ دل چاک کیا جاتا ہے اور سیلا و نہ نکالا جاتا دوسرے نبیوں کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ کی ہی خصوصیت ہے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

تا بوقت سیکندر اور شاہ طالوت کا واقعہ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا إِنَّهُ لَشَبَابٌ مُضَاعَفٌ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مَلَكَهُ مِنْ يَشَاءَ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْتَابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ١٦ سورة بقرہ ۲۴

(بنی اسرائیل میں یہ واقعہ حضرت موسیٰ کے بعد ہوا۔ اس سے پہلے علاقہ کی قوم نے جو کافر تھے بنی اسرائیل پر تاخت کی اور انہیں تباہ و برباد کر دیا تھا۔ علاقہ نے بنی اسرائیل میں بے شک قتل و غارت کیا اور ان گنت آدمیوں کو گرفتار کیا تمام مال و دولت لوٹ لیا یہاں تک کہ کفار علاقہ ان کے پاس سے تابوت سیکڑے بھی چھین کر لے گئے۔ اس تابوت یعنی صندوق میں بنی اسرائیل کے پچھلے نبیوں کے تبرکات اور نشانیاں محفوظ تھیں جس کو بنی اسرائیل بڑے احترام سے رکھتے تھے اور اس سے ان کو تسکین اور برکت حاصل ہوتی تھی اور اسی کی برکت

سے یہ اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کیا کرتے تھے۔ اسی تابوت میں سونے کا وہ طشت بھی محفوظ تھا جس میں پچھلے پیغمبروں کے سینے دھوئے اور صاف کئے جاتے تھے۔ غرض کفار و منافقین کی اس طوفانی یلغار کے بعد بنی اسرائیل میں ایک حاملہ عورت باقی رہ گئی۔ یہ عورت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتی کہ اس کے یہاں لڑکا پیدا ہو۔ چنانچہ اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے شموئیل رکھا عبرانی زبان میں اس کے معنی اسماعیل ہوئے یعنی میری دعا قبول ہوئی۔ جب یہ بڑے ہوئے تو ان کو ایک بزرگ کے سپرد کر دیا جو مسجد میں رہے تھے ان نے ان کو وہاں بھیج دیا تاکہ یہ اس بزرگ کی تربیت میں رہ کر ان میں بھی وہی خوبیاں پیدا ہو جائیں۔ جب شموئیل جو ان ہو گئے تو ایک رات وہ سو رہے تھے کہ انہیں مسجد سے ایک آواز آئی اس کو سن کر یہ گھبرا گئے انہوں نے سمجھا کہ شاید ان کے شیخ انہیں بلارہے ہیں۔ انہوں نے ان کے پاس جا کر پوچھا کہ آپ نے مجھے یاوکیلہ ان بزرگ کو خیال ہوا کہ رات گئے یہ نوجوان نہ جانے کیا سن کر پوچھنے آئے ہیں اگر میں نے انکار کر دیا تو یہ اور خوف زدہ ہو جائیں گے اس لئے انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے ہی بلایا تھا بس اب جاؤ اور سو رہو۔ یہ آکر پھر سو گئے مگر دوسری بار پھر ویسی ہی آواز آئی اور اسی طرح تیسری مرتبہ کسی کے پکارنے کی صدا آئی۔ پھر اچانک دیکھا کہ جبرائیل ان کو پکار رہے ہیں۔ حضرت شموئیل ان کے پاس آئے تو حضرت جبرائیل نے فرمایا۔

”تمہارے پروردگار نے تمہیں تمہاری قوم کی طرف نبی بنایا ہے۔“

اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت شموئیل کو بنی اسرائیل کی اصلاح اور بہتری کے لئے مقرر فرمایا جنہیں کچھ عرصہ پہلے کفار و منافقین کے ہاتھوں رسولی اور بربادی نصیب ہو چکی تھی۔ ایک روز قوم کے لوگ حضرت شموئیل کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ ہم میں سے کسی کو آپ ہمارا بادشاہ مقرر فرما دیجئے تاکہ ہم سب اس کے چھڑے تلے جمع ہو جائیں اور پھر اللہ کی راہ میں اپنے دشمنوں سے جہاد کریں۔ اس پر حضرت شموئیل نے یہ فرمایا جو قرآن پاک میں ذکر ہے۔

”ایمان ہو کہ تمہیں جہاد کا حکم دیا جائے اور تم جہاد نہ کرو۔“

انہوں نے کہا

”کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کریں گے حالانکہ ہمیں ہماری بستیوں سے اجازت دیا گیا اور ہمارے بچوں کو ہم سے جدا کر دیا گیا۔“

چنانچہ ان کی درخواست منظور ہو گئی اور ان کے پیغمبر یعنی حضرت شموئیل نے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ نے تم پر طاوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔“

یہ طاوت حضرت یعقوبؑ کی اولاد میں سے تھے یعنی حضرت یوسفؑ کے بھائی بن یامین کی ساتویں پشت میں پوتے ہوتے تھے۔ مگر طاوت ایک غریب گھر کے لڑکے تھے بنی اسرائیل نے حالانکہ خود بادشاہ مقرر کرنے کے لئے حضرت شموئیلؑ سے درخواست کی تھی مگر اب انہیں یہ گولہ انہیں تھا کہ ایک غریب آدمی ان پر حکومت کرے چنانچہ انہوں نے کہا۔

”ان کو ہم پر حکمرانی کا کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے ان کی بہ نسبت حکمرانی کی ہم زیادہ مستحق ہیں ان کی تو مالی حیثیت بھی کچھ نہیں ہے۔“

شموئیل نے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ نے تہمدے مقابلے میں ان کو منتخب فرمایا ہے اور علم (یعنی جنگی معاملات یا عام علم) اور جسم (یا جمال و جہالت) میں ان کو زیادتی دی ہے اللہ تعالیٰ اپنے ملک جسے چاہیں میں اور اللہ تعالیٰ دوست دینے والے ہیں (جسے چاہیں ملک و دولت دے دیں) جاننے والے ہیں (کہ کس میں لیاقت اور صلاحیت ہے)

پھر جب ان لوگوں نے کہا کہ طاہرات کے بادشاہ بننے کی کوئی ظاہری دلیل اور ان کی صلاحیت بھی معلوم ہو جائے تو ہمیں ان کو بادشاہان لینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں رہے گی۔ چنانچہ ان کو بتلایا گیا کہ

”ان کے بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تہمدے رب کی طرف سے تہمدے پاس وہ تابوت یعنی صندوق آجائے گا جس میں (تہمدے لئے) تسکین کی چیز ہے اور اس میں کچھ نیکی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ اور حضرت ہرون چھوڑ گئے ہیں (یعنی ان کی نشانیاں اور تمکات اس میں محفوظ ہیں۔ اس صندوق کو فرشتے نے آئیں گے (یعنی اس تابوت کو فرشتے تہمدے پاس لے کر آئیں گے اور تم کلی آنکھوں اس کو دیکھو گے اور یہ واقعہ میری اس بات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نشانی اور دلیل بھی ہوگی اور اس نیک اور صالح انسانی کی بزرگی کی تہمدے لئے علامت ہوگی) اس میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو۔“

اور جب جہالت نے بنی اسرائیل پر فتح حاصل کی تھی تو وہ اپنے ساتھ یہ تابوت سیکڑ بھی لے گیا تھا جس میں پچھلے نبیوں کے تمکات اور نشانیاں تھیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں توریت کا نسخہ بھی تھا۔ کفار عاتقہ اس تابوت کو اپنے ملک میں لے گئے اور وہاں انہوں نے اس کو اپنے بت کے نیچے زمین پر رکھ دیا۔ مگر صبح کو جب وہ لوگ وہاں آئے تو انہوں نے یہ منظر دیکھا کہ یہ تابوت اس کے سر پر رکھا ہوا ہے انہوں نے پھر اس کو بت کے نیچے رکھ دیا مگر اگلے دن پھر انہوں نے دیکھا کہ تابوت ان کے بت کے اوپر رکھا ہوا ہے جب بدباد ایسا ہی ہوا تو انہیں یقین کرنا پڑا کہ یہ معاملہ تو خدا کی طرف سے ہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس تابوت کو اپنے شہر سے ہٹا کر اپنے ہی علاقہ کے ایک گاؤں میں رکھ دیا مگر اللہ تعالیٰ کو اس تابوت کا ایسا بنی اسرائیل میں پہچانا منظور تھا۔

چنانچہ..... ان میں پھاری اور دبائلی جو طول پکڑ گئی انہوں نے غمرا کر تابوت کو ایک گاڑی میں لاد اور اس میں دو گائیں جوت کر انہیں ہلک دیا۔ چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ ان گاؤں کو دو فرشتے ہانکتے گئے۔ یہاں تک کہ وہ اس کو لے کر بنی اسرائیل کے مجمع میں پہنچ گئے اور جیسا کہ ان کے نبی نے ان کو خبر دی تھی وہ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

(تفسیر بیان القرآن پ ۲ سورہ بقرہ ص ۱۵ المبدأ والنهاية جلد دوم ص ۷۵)

(اصل بیان شق صدر یعنی آنحضرت ﷺ کا سینہ چاک کئے جانے اور مرنے کے متعلق مل رہا ہے۔ اس بارے میں اوپر کہا گیا ہے کہ سینہ اور پیٹ چاک کئے جانے سے دل کا چاک کیا جاتا مرنے نہیں ہے بلکہ دونوں علیحدہ علیحدہ اور مستقل چیزیں ہیں۔ لیکن اس سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ بت سے اقول اور روایتوں میں آنحضرت ﷺ کا صرف سینہ چاک کئے جانے کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا قلب چاک نہیں کیا گیا تھا۔ اس بارے میں کہتے ہیں) مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مکان بول کر مین یعنی مکان میں رہنے والا مرنا لیا جاتا ہے (دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ برتن بول کر مرنا ہے جو برتن میں رکھی ہوئی یا بھری ہوئی ہو۔ جیسے اکثر کہتے ہیں کہ فلاں آوی نے ایک گلاس پی لیا۔ یہاں گلاس بول کر مرنا لیا گیا ہے۔ پانی۔ چنانچہ معراج

جلد اول صفحہ اول

۳۲۲

سیرت طیبہ جلد اول

کے واقعہ میں روایت کے الفاظ اسی طرح ہیں کہ میں... حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا ایک طاقتور لایا گیا اور اسے آنحضرت ﷺ کے سینے میں ڈال دیا گیا (تو یہاں سینہ بول کر دل مراد لیا گیا ہے یعنی سینہ مکان ہے اور اس کے اندر پایا جانے والا دل مکین ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کا دل چاک نہیں کیا گیا تھا بلکہ صرف سینہ چاک کیا گیا تھا)۔

اسی طرح ملائکہ سینہ طے کیا یہ قول ہے کہ آنحضرت ﷺ کا سینہ چاک کیا جانا آپ کی خصوصیات میں سے ہے (یہاں بھی سینہ سے مراد دل ہے کیونکہ اگر دل مراد نہ ہو بلکہ سینے کے لفظ سے سینہ ہی مراد ہو تو پھر یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت نہیں رہتی کیونکہ لوہے کی پلکان ہو چکا ہے کہ دوسرے نبیوں کے بھی سینے چاک کئے گئے اور وہ گئے ہیں۔ مقصد یہی ثابت کرنا ہے کہ سینے کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا دل بھی چاک کر کے دھویا گیا اس میں سے سیاہی نہ رہی شیطان کا گھر نکالا گیا اور پھر اس میں حکمت اور ایمان اور تسکین بھری گئی اور شیخ صدر کے واقعہ کا یہ حصہ سارے نبیوں میں صرف رسول اللہ ﷺ کی ہی خصوصیت ہے) اس سلسلے میں تفصیلی بحث مراجع کے واقع میں آئے گی۔

آنحضرت ﷺ پر بادل کا سایہ فلن رہتا..... ولایہ حلیمہ بیان کرتی ہیں کہ وہ کے سے آنحضرت ﷺ کو (حضرت آمنہ سے اجازت لے کر) حبیبہ و ہادہ اپنی بہنوں میں آئیں تو کبھی آنحضرت ﷺ کو تنہا کبھی دوسرے نہیں جاسے دیتی تھیں۔ مگر ایک روز دوسرے کے وقت وہ آپ کی طرف سے قائل ہو گئیں (اور آپ کے ساتھ نہیں جاسکیں جب بخیلی آیا اور آپ نہیں ملے تو وہ آپ کی تلاش میں نکلیں۔ آخر ایک چکمانیوں نے آپ ﷺ کو شیلہ کے ساتھ دیکھا جو آنحضرت ﷺ کی دوسری شریک بہن تھیں اور جو اپنی والدہ ولایہ حلیمہ کے ساتھ ساتھ خود بھی آنحضرت ﷺ کی پرورش میں حصہ لیتی تھیں اسی وجہ سے ان کو بھی ام بی بی یعنی آپ کی بی بی کہا جاتا تھا وہ اکثر آپ ﷺ کو کلاتے ہوئے اچھل اچھل کر یہ شعر پڑھا کرتی تھیں۔

هَلَا اَخِي رَلِي لَمْ تَلْنَا نَحْنِي
وَلَيْسَ مِنْ نَسْلِي اَبِي وَهَبِي

ترجمہ: نہ یہ میرے ایسے بھائی ہیں جن کو میری بی بی نے نہیں جانا۔ اور نہ ہی یہ میرے باپ یا چچا کی اولاد

میں سے ہیں۔

(یعنی خون کا کوئی رشتہ نہیں ہے)

لَا يَنْبَغِي لِلَّهِمَّ فِيمَا تَعَسَى

پس اے اللہ! تو ان کو تشو نہ دے

(غرض ولایہ حلیمہ نے آنحضرت ﷺ کو جب وہاں شیلہ کے ساتھ دھوپ میں کھڑے دیکھا

تو کانہوں نے کہا۔

”اچھی مگر یہ اور دھوپ میں (تم کو انہیں یہاں نہیں رکھنا چاہئے تھا)۔“

شیلہ نے کہا

”مگر میرے بھائی کو گری نہیں، غافل میں نے دیکھا ہے کہ ایک بدلی ہوا پر سایہ چھو رہی ہے۔ جب

یہ نہیں ٹھہرے تو وہ بھی ٹھہر گئی اور جب یہ چلنے لگے تو وہ بھی لان کے اوپر لوہے چلنے لگی یہاں تک کہ یہ اس جگہ تک آگئے۔

والیہ علیہ نے (یہ سن کر تعجب سے) پوچھا

”یہ کیا تو چاہ رہی ہے؟“

شیعہ نے جواب دیا کہ ہاں خدا کی قسم (ایسا ہی ہے) حضرت علیہ یہ سن کر کہنے لگیں۔

”اے اللہ! میں ہر اس برائی اور شر سے تیری پناہا کرتی ہوں جو میرے بیٹے پر آئے۔“

(۱) ایک روایت میں خود والیہ علیہ کے متعلق ہے کہ انہوں نے ایک بدلی دیکھی جو آنحضرت ﷺ

پر سایہ کئے ہوئے تھی جب آپ کے تودہ بھی دک گئی اور جب آپ چلے تو وہ بھی ساتھ ساتھ چلی۔

روایتوں کے اس اختلاف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ والیہ علیہ کا بدلی کو دیکھنا اس معنی میں ہے کہ انہوں

نے اس معجزے کے متعلق سنا تھا (گویا یہاں دیکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے یہ معجزہ

دیکھا تھا بلکہ اس معنی میں ہے کہ انہوں نے اس کے متعلق سنا) اور شیعہ کا دیکھنا جو ہے وہ حقیقی ہے کہ اپنی

آنکھوں سے انہوں نے یہ واقعہ دیکھا۔ اس طرح روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔

یا ممکن ہے والیہ علیہ نے اس معجزے کے متعلق سننے کے بعد خود اسے دیکھا ہو جیسا کہ اس بات کی

طرف اس قول سے اشارہ ملا تھا ہے کہ ”آنحضرت ﷺ کے متعلق اس خبر نے لان کو گھبرا دیا (ی) یعنی شیعہ

سکے ہلانے کے بعد وہ اس سے گھبرا گئیں اور آنحضرت ﷺ کو آپ کی والدہ کے پاس لے کر گئیں (یعنی خود دیکھ

کر نہیں بلکہ اس معجزہ کے متعلق خبر نے لان کو گھبرا دیا۔ پھر ہو سکتا ہے کہ انہوں نے خود بھی دیکھا ہو)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت علیہ آنحضرت ﷺ کو لے کر

(درمیان میں) گئے آئیں تاکہ آنحضرت ﷺ کو واپس آپ کی والدہ کے سپرد کر دیں تو انہوں نے راستے میں

دیکھا کہ ایک بدلی ہے جو آنحضرت ﷺ پر سایہ کئے ہوئے ہے جب آپ چلے تو وہ بھی چلنے لگی اور جب آپ

رکتے تو وہ بھی رک جاتی۔

اس روایت کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانا اس وقت ہوا جبکہ ایک دفعہ وہ آپ کو لے

جا کر واپس لا چکی تھیں ورنہ یہ واقعہ شق صدر سے پہلے ہوا۔ اس طرح یہ آنحضرت ﷺ کو دوسری مرتبہ لے کر

جانے میں ہو گیا پہلی مرتبہ جب وہ آپ کو لے کر گئیں تو آپ کی عمر دو سال کی تھی۔ اور اس دفعہ آپ کی عمر دو

سال اور چھ مہینے کی تھی۔ اب گویا اس دوسری مرتبہ کے بعد ہی شق صدر کا واقعہ پیش آیا جیسا کہ شق صدر کے

بیان کے شروع میں پہنچے والیہ علیہ کا یہ قول ذکر ہوا ہے کہ پھر خدا کی قسم ہمارے گھر سے (آنحضرت ﷺ کو

واپس لے کر) آنے کے بعد..... (یہ اسی روایت کا شروع کا حصہ ہے جس میں شق صدر کا بیان ہوا ہے اور جو پچھلے

صفحوں میں گزر چکی ہے۔

اس کے بعد تیسری مرتبہ جب والیہ علیہ آنحضرت ﷺ کو لے کر گئے گئیں اور آپ کو حضرت آمنہ

کے سپرد کر کے آئیں اس وقت آپ کی عمر چار سال کی رہی ہوگی۔ اسی سال میں حضرت آمنہ کا انتقال ہو گیا جیسا

کہ آگے بیان آئے گا۔ اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس وقت (یعنی جب آپ کو حضرت آمنہ کے سپرد

کیا گیا) آپ کی عمر پانچ سال کی تھی اور ایک قول ہے کہ چھ سال کی تھی۔ یہاں ہو سکتا ہے کہ دلوہی کو غلط فہمی

ہو گئی ہو اور وہ دوسری مرتبہ کے لئے جانے کو جو کہ اصل میں شق صدر سے پہلے کی بات ہے اس کو ہی تیسری مرتبہ کا لایا جانا سمجھنا ہو۔ ہر حال اس سے شبہ پیدا ہو ہی گیا جس پر غور کرنا ضروری ہے۔

(دایہ علیہ السلام جب آنحضرت ﷺ کو حضرت آمنہ کے سپرد کر کے گئیں اس کے بعد کہ آپ ﷺ کے پاس اس وقت آئیں جبکہ حضرت خدیجہؓ سے آپ کی شادی ہو چکی تھی۔ انہوں نے اگر آنحضرت ﷺ سے اپنی مالی پریشانی اور غربت کا ذکر کیا آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق حضرت خدیجہؓ سے بات کی۔ انہوں نے امداد کے طور پر دایہ علیہ السلام کو بیس کھریاں طور جو ان لونڈیئے ایک روایت میں ہے کہ چالیس کھریاں اور لونڈیئے۔

اس کے بعد دایہ علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس غزوہ حنین کے وقت آئیں جبکہ آپ ﷺ نے ان کے احرام میں اپنی چادر بچائی تھی اور ان کو اس پر بٹھایا تھا۔ (ی) بعض حضرات کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو حضرت آمنہ کے سپرد کر دینے کے بعد دایہ علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو اپنی زندگی میں دوسرے دیکھا۔ ایک دفعہ حضرت خدیجہؓ سے آپ کی شادی کے بعد۔ (ی) یہی وہ موقع ہو سکتا ہے جس میں وہ اپنے شوہر اور بیٹے کے ساتھ آئی تھیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی اسی چادر پر بٹھایا تھا جس پر آپ خود بیٹھے ہوئے تھے جیسا

کہ بیان ہو چکا ہے۔ اور دوسری مرتبہ وہ غزوہ حنین کے وقت آئیں۔

قاضی عیاض کہتے ہیں۔ اس کے بعد دایہ علیہ السلام (آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد) حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانے میں آئیں اور انہوں نے بھی اس کے ساتھ وہیں احرام کا معاملہ کیا کہ ان کے لئے اپنی چادر بچائی۔ پھر اس کے بعد وہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں آئیں اور انہوں نے بھی ان کا ویسا ہی احرام کیا۔

علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ غزوہ حنین کے وقت دایہ علیہ السلام کے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہونے کی روایت بہت غریب ہے کیونکہ اس طرح دایہ علیہ السلام کی عمر بہت زیادہ ماضی پڑے گی اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کو دودھ پلانے کے وقت سے لے کر غزوہ حنین سے واپسی کے وقت تک ساٹھ سال سے زیادہ کی مدت ہوتی ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو دودھ پلانے کے وقت دایہ علیہ السلام کی کم سے کم عمر تیس سال بتلائی جاتی ہے (اس طرح نوے ۹۰ سال تو یہی ہو گئے) اور پھر حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کا آنا اس مدت کو سو سال سے بھی زیادہ ظاہر کرتا ہے۔

ابو طفیلؓ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ غزوہ حنین سے واپسی میں حیرانہ کے مقام پر گوشت تقسیم فرما رہے تھے۔ میں اس وقت موجود تھا اس وقت ایک عورت آنحضرت ﷺ کے پاس آئی جب آنحضرت ﷺ نے اس کو دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچائی۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کون ہے تو بتلایا گیا کہ آنحضرت ﷺ کی رضاعی والدہ ہیں جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک عورت نے جس نے آنحضرت ﷺ کو دودھ پلایا تھا آپ کے پاس آنے کی اجازت مانگی جب وہ اندر آئی تو آپ فوراً اتی..... اتی (یعنی میری می..... میری می) پکار اٹھے اور فوراً اپنی چادر لے کر ان کے لئے بچائی اور انہیں اس پر بٹھایا۔

شرح ہمزہ کے حوالے سے علامہ ابن حجرؒ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ یہ بات حضرت علیہ السلام کی سعادت اور

خوش بختی کی دلیل ہے کہ انہیں، ان کے شوہر کو اور ان کی لولہ کو مسلمان ہونے کی توفیق ہوئی۔
مگر کتب بیون الاثر میں ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دایہ حلبیہ کے اسلام قبول کرنے کا انکار کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے شیخ حافظ دمیاطی کا نام لیا ہے کیونکہ وہ بھی ان لوگوں میں ہیں جو دایہ حلبیہ کے اسلام سے انکار کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے۔

”حلبیہ کو نہ آنحضرت ﷺ کی محبت میسر آئی اور نہ وہ مسلمان ہوئیں۔ ان کے متعلق بہت سے لوگوں کو وہم ہو گیا اور انہوں نے حلبیہ کو صحابیات میں سے شہر کیا ہے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔“

مگر یہاں حافظ دمیاطی کو کتنا یہ چاہئے تھا کہ..... ”کچھ لوگوں نے ان کے مسلمان ہونے کے متعلق ذکر کیا ہے مگر ایسی بات نہیں ہے۔“ اپنے قول کے آخر میں حافظ دمیاطی نے صرف دایہ حلبیہ کے صحابیات میں ہونے سے انکار کیا ہے جس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان تو ہو گئی ہوں مگر اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ کی زیارت نہ کر سکیں اس لئے صحابہ میں ان کا شمار نہیں کیا گیا۔

ابن کثیرؒ کی تحقیق بھی اسی کے مطابق ہے کہ دایہ حلبیہ نے نبوت کا زمانہ نہیں پایا (یعنی آنحضرت ﷺ کو نبوت ملنے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی)

مگر بعض علماء نے اس قول کو غلط بتلایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ علماء کی اکثریت کے نزدیک حلبیہ کے اسلام میں کوئی شک نہیں ہے اس لئے بعد کے علماء کی اس بات کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی کہ ان کا مسلمان ہونا ثابت نہیں ہے کیونکہ ابن حبان نے ایک صحیح حدیث روایت کی ہے جو دایہ حلبیہ کے مسلمان ہونے کو ظاہر کرتی ہے۔

(بجلی سلروں میں بیان ہوا ہے کہ دایہ حلبیہ غزوہ خنین کے وقت آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئی تھیں) مگر حافظ دمیاطی نے اس سے انکار کیا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں غزوہ خنین میں آنحضرت ﷺ کے پاس آنے والی عورت آپ کی دودھ شریک بن شیماء تھیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اگرچہ اس وقت آنے والی عورت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ ایک دم اتنی اتنی (یعنی میری ماں پری ماں) پکار اٹھے تھے مگر اس سے حافظ دمیاطی کی بات غلط نہیں ہوتی (کہ آنے والی عورت آپ کی دودھ شریک بن تھیں) کیونکہ شیماء کو بھی ”ہم الہی“ یعنی آنحضرت ﷺ کی ماں کہا جاتا تھا اس لئے کہ اپنی والدہ کے ساتھ ساتھ وہ بھی آنحضرت ﷺ کی پرورش میں شریک تھیں۔

(اسی بجلی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب اس عورت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے اپنی چادر بچھادی تو کسی نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو کسی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ ہیں جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا ہے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ آنے والی عورت کو آپ کی دودھ شریک بن ماننے میں) صحابہ کے اس قول سے بھی کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی رضاعی ماں ہیں کیونکہ جب اس عورت کو آنحضرت ﷺ کی ماں کہا گیا تو ممکن ہے سننے والے نے رضاعی ماں سمجھ لیا ہو اس لئے کہ آپ کی حقیقی والدہ کا تو انتقال ہو ہی چکا تھا۔

مگر غزوہ خنین کے وقت اس آنے والی عورت کو (دایہ حلبیہ کے بجائے) شیماء کہنے والے صرف حافظ دمیاطی ہی ہیں۔

(قال) حافظ ابن حجرؒ نے جب مختلف روایتیں لکھی دیکھ لیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آنے

والی عورت آپ کی رضاعی والدہ تھیں اور مختلف دلوپوں کی اس بات سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ بات یہی ٹھیک رہے۔ تب انہوں نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آنے والی آپ کی دودھ شریک بہن تھیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: بن مختلف روایتوں سے آنے والی عورت کے آپ کی بہن ہونے کا اٹھ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے شیاء کہ بھی آنحضرت ﷺ کی ماں کہا جاتا تھا اس لئے کچھ صحابہ نے ان کو جب آنحضرت ﷺ کی ماں کہا تو سننے والے نے اپنی سمجھ کے مطابق ان کو حلیمہ سمجھ لیا اس کا ثبوت اس آنے والی روایت سے بھی ملتا ہے جس میں ہے کہ :-

غزوہ حنین میں بنی ہوازن کے جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں شیاء بھی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے گرفتار کئے ہوئے لوگوں سے کہا کہ میں تمہارے نبی کی بہن ہوں۔ چنانچہ صحابہ ان کو آنحضرت ﷺ کے پاس لائے تو شیاء نے آپ سے عرض کیا۔

”یا رسول اللہ! میں آپ کی بہن ہوں۔“

(چونکہ ایک مدت بعد دیکھنے کے وجہ سے آپ ﷺ ان کو پہچان نہیں سکے تھے اس لئے) آپ نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ انہوں نے کہا۔

”میری مگر آپ کے دوستوں کا وہ نشان ہے جبکہ آپ نے میرے پلٹ لیا تھا اور میں نے آپ کو پرے ہٹا دیا تھا۔“

”آنحضرت ﷺ اس سے ان کو پہچان گئے اور پھر ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ ان کیلئے اپنی چادر بچھا کر انہیں اس پر بٹھالیا اور (بہن کے اس حال پر) آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔“ یہ پورا واقعہ آگے آئے گا۔ اس بارے میں کتاب مواہب میں جو ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہیں۔ ایک میں تو آپ کی دودھ شریک بہن آئی ہیں اور دوسرے میں آپ کی دودھ شریک والدہ آئی ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ روایت کیا جاتا ہے کہ :-

”آنحضرت ﷺ کے ایک گھوڑے سوار دستے نے بنی ہوازن پر یغادر کیا۔ اس میں انہوں نے آپ کی دودھ شریک بہن کو بھی گرفتار کر لیا جس پر انہوں نے کہا کہ میں تمہارے نبی کے بہن ہوں یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی چادر بچھا کر اس پر بٹھالیا اور قیساء مسلمان ہو گئیں۔“

(پھر دوسرے واقعہ کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ) آپ کی دودھ شریک والدہ غزوہ حنین کے وقت آئی تھیں جن کے احترام میں آپ کھڑے ہوئے اور ان کو اپنی چادر پر بٹھالیا۔

(مگر مؤلف کہتے ہیں کہ) یہ واقعہ ایک ہی ہے اگرچہ اوپر کے اس قول سے یہ دہم ہوتا ہے کہ جس دستے نے بنی ہوازن پر یغادر کیا تھی اور جس میں آپ کی بہن گرفتار ہو گئی تھیں وہ غزوہ حنین کے وقت کا واقعہ نہیں ہے اور یہ کہ آپ کی رضاعی والدہ بنی ہوازن کے قیدیوں میں شامل تھیں۔ حالانکہ یہ ایک ہی واقعہ ہے اور بنی ہوازن غزوہ حنین کے دوران ہی گرفتار ہوئے تھے۔ اس لئے ضروری ہے کہ غزوہ حنین کے وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آپ کی رضاعی والدہ اور بہن دونوں آئی ہوں مگر بہن تو قیدی کی حیثیت سے آئیں اور والدہ خود سے آئیں۔ نیز یہ کہ آنحضرت ﷺ نے دونوں کے احترام میں اپنی چادر بچھائی (یہ کتاب مواہب میں ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہیں)۔

علامہ ابن عبد البر نے بھی پکی رائے ظاہر کی ہے کہ یہ دونوں ملک الگ واقعے ہیں کہ غزوہ حنین میں آنحضرت ﷺ کے پاس دایہ حلیمہ آئیں جن کے لئے آپ نے اپنی چادر بچائی۔ اس واقعہ کو دایہ حلیمہ نے آنحضرت ﷺ سے اور دایہ حلیمہ سے عبداللہ ابن جعفر نے روایت کیا ہے اس کے بعد علامہ ابن عبد البر نے (ایک علیحدہ واقعہ کے طور پر) شیماء کا قصہ بیان کیا ہے کہ وہ نبی ہولڈن کے قیدیوں میں آنحضرت ﷺ کے پاس لائی گئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب مبارک میں علامہ ابن عبد البر کی بات قبول کر کے خود بھی یہی بات کہی ہے۔

مگر ابن حجر کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن جعفر کا دایہ حلیمہ سے یہ واقعہ سننا سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ یہ عبداللہ اپنے والد حضرت جعفر ابن ابوطالب کے ساتھ ہجرت کے چند سال بعد غزوہ خیبر کے وقت ملک حبش سے آئے ہیں اور اس وقت تک دایہ حلیمہ کا زندہ ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ غزوہ حنین غزوہ خیبر کے بعد ہوا اور پھر (جیسا کہ پیچھے گزرا ہے) دایہ حلیمہ کا حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کے پاس جانا تو اور بھی زیادہ ناقابل یقین ہو جاتا ہے جیسا کہ اس بارے میں ابن کثیر کی رائے بیان ہوئی ہے۔ اس لئے یہی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ غزوہ حنین میں آنحضرت ﷺ کے پاس آپ کی دودھ شریک بن ہی آئیں جیسا کہ حافظ دمیاطی نے کہا ہے واللہ اعلم۔

(قال ابن جوزی کہتے ہیں کہ پھر حلیمہ آنحضرت ﷺ کے پاس آپ کی نبوت کے بعد حاضر ہوئیں اور مسلمان ہوئیں اور آنحضرت ﷺ سے بیعت کی اس لئے اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دایہ حلیمہ کا آنحضرت ﷺ کے پاس آنا تو ہم مانتے ہیں مگر مسلمان ہونا کیسے معلوم ہوا) گویا انہوں نے ابن جوزی کے اس دعویٰ کو دایہ حلیمہ کے مسلمان ہونے کی دلیل بنالیا ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں کہ (یہ تو ابن جوزی کا اپنا قول اور دعویٰ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس آکر دایہ حلیمہ مسلمان بھی ہوئیں اس لئے اس کو تو ان کے مسلمان ہونے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا) اس کو اسی طرح بیان کرنا چاہئے کہ ابن جوزی نے جہاں دایہ حلیمہ کے آنحضرت ﷺ کے پاس نبوت کے بعد آنے کو لکھا ہے وہاں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئی تھیں کیونکہ ان کے آنے سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ مسلمان بھی ہو گئی تھیں (جبکہ روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے ابن جوزی کا یہ کہہ دینا کہ وہ مسلمان ہو گئی تھیں کوئی دلیل نہیں کھلا سکتا بلکہ یہ تو خود ایک دعویٰ ہے جس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے سوائے اس کے کہ کہنے والا یہ کہے کہ ابن جوزی کا قول ہی ہمارے لئے دلیل کی حیثیت رکھتا ہے واللہ اعلم۔

علامہ ذہبی یہ کہتے ہیں کہ غزوہ حنین سے واپسی میں جرنا کے مقام پر جو عورت آپ کے پاس آئی وہ ثویہ تھیں (جو آنحضرت ﷺ کی ایک دوسری رضاعی ماں تھیں) مگر اس قول میں بھی شبہ ہے کیونکہ ثویہ تو ۷ھ میں ہی اس وقت وفات پا چکی تھیں جب آنحضرت ﷺ غزوہ خیبر سے واپس تشریف لائے تھے (جبکہ غزوہ حنین غزوہ خیبر کے بعد ہوا ہے)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ کتاب نور میں ہے کہ حافظ مغلطائی نے دایہ حلیمہ کو مسلمان ثابت کرنے کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ”المنہج الجسمی فی اسلام الحلیمہ“ ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ (یہ آنحضرت ﷺ کی برکت ہے کہ) جس دایہ نے بھی آنحضرت

ﷺ کو دودھ پالایا وہ بعد میں مسلمان ہو گئی۔ یہی حضرات کہتے ہیں کہ آپ کو دودھ پالانے والی چار عورتیں ہیں ایک تو آپ کی والدہ حضرت آمنہ دوسری حلیمہ سعدیہ، تیسری ثویبہ اور چوتھی امّ ایمن۔ اس سے علامہ ابن مندہ کی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ ثویبہ مسلمان ہو گئی تھیں۔ البتہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ کے حلقہ ہم آگے بحث کریں گے۔ امّ ایمن کو آنحضرت ﷺ کی ولایت ماننے میں جو اشکال ہو وہ گزر چکا ہے۔

www.ziaraat.com
jagir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

باب ہشتم (۸)

آنحضرت ﷺ کی والدہ کی وفات، امّ ایمن کی نگرانی اور عبدالمطلب کی کفالت

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کا انتقال ہوا تو اس وقت آپ کی عمر چھ سال کی تھی، ایک روایت ہے چار سال کی عمر تھی جیسا کہ کتاب مواہب میں ہے۔ اس چار سال کی روایت کو ماننے سے وہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ جب دایہ حلیمہ نے آنحضرت ﷺ کو دایہیں آپ کی والدہ کے سپرد کیا تو اس وقت آپ کی عمر پانچ سال تھی۔

(اس بارے میں بہت سے قول ہیں) کسی میں ہے کہ اس وقت آپ کی عمر سات سال تھی۔ یہ بھی ہے کہ آٹھ سال تھی۔ ایک قول ہے کہ نو سال تھی اور یہ بھی کہا گیا کہ بارہ سال ایک مدینہ یا بارہ سال دس دن کی عمر تھی۔ حضرت آمنہ کی وفات ابواء کے مقام پر ہوئی جو مکہ کے اور مدینے کے بیچ میں ہے مگر مدینے سے زیادہ قریب ہے اس جگہ کو ابواء اسلئے کہتے ہیں کہ بوئے کے متنی ٹھکانہ بکڑنے کے ہیں چونکہ یہاں نشیب ہونے کی وجہ سے سیلاب کا پانی جمع ہو جاتا تھا یعنی ٹھکانہ بنا لیتا تھا اس لئے اس جگہ کو ابواء کہا جانے لگا۔ حضرت آمنہ کو یہیں دفن کیا گیا۔

حدیث میں ہے کہ عمرہ حدیبیہ کے وقت جب آنحضرت ﷺ ابواء کے مقام سے گزرے تو آپ نے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ نے عمرہ کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنی ماں کی قبر دیکھنے جاسکتا ہے۔“

چنانچہ آپ ﷺ حضرت آمنہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر آپ (اپنی والدہ کو یاد کر کے) روئے۔ آنحضرت ﷺ کو رو بہو کیج کر سب مسلمان رونے لگے۔

جب آنحضرت ﷺ سے آپ کے رونے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا

”مجھے ماں کی محبت اور شفقت یاد آگئی جس سے میں رو دیا۔“

اس بارے میں علامہ ابن کثیرؒ نے واقدہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ :-
 آنحضرت ﷺ کی والدہ آپ ﷺ کو لے کر مدینے گئیں۔ ان کے ساتھ ام ایمن بھی تھیں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر چھ سال تھی۔ حضرت آمنہؓ آنحضرت ﷺ کی نانمال (یعنی عبدالمطلب کی نانمال) کو والوں کے ساتھ رہیں۔ ام ایمن کہتی ہیں کہ ایک دن مدینے کے یہودیوں میں سے دو آدمی میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔
 ”محمد کو ذرا ہمارے سامنے لاؤ ہم ان کو دیکھنا چاہتے ہیں۔“

(جب وہ آنحضرت ﷺ کو لائیں تو انہوں نے آپ کو اچھی طرح دیکھا اس کے بعد ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا ”یہ اس امت کا نبی ہے اور یہ شہر ان کی ہجرت گاہ ہے۔ یہاں زبردست جنگ ہو گی اور قیدی پکڑے جائیں گے۔“

جب آنحضرت ﷺ کی والدہ کو یہودیوں کی اس بات کی خبر ہوئی تو وہ ڈر گئیں اور آنحضرت ﷺ کو لے کر مدینے سے واپس روانہ ہو گئیں مگر راستے ہی میں ابواء کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا۔ (البدایۃ والنہایۃ ص ۷۹ ج دوم۔ مرتب)

حضرت آمنہؓ کا انتقال اس وقت ہوا تھا جبکہ وہ مدینے میں آنحضرت ﷺ کی نانمال یعنی آپ کے دوا کے نانمال والوں سے مل کر واپس کے آ رہی تھیں۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ عبدالمطلب کی نانمال مدینے میں بنی نجار کا خاندان تھا، حضرت آمنہؓ وہاں ایک مہینے ٹھہری تھیں (اس کے بعد واپسی میں راستے میں وہ پیدا ہو گئی تھیں۔ اس سفر میں ان کے ساتھ ام ایمن برکہ حبشہ بھی تھیں (جو حضرت عبد اللہ کی باندی تھیں) اور آنحضرت ﷺ کو اپنے والد کے دہانے میں ملی تھیں اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کو گھلایا بھی تھا۔
 غرض حضرت آمنہؓ کے انتقال کے پانچ دن بعد یہ ام ایمن آنحضرت ﷺ کو لے کر کے پہنچیں اور آپ کو عبدالمطلب کے سپرد کیا (آنحضرت ﷺ کے سر سے بچپن ہی میں باپ کے بعد ماں کا سایہ بھی اٹھ جانے سے) آپ کے لئے عبدالمطلب کا انتقال دکھا اور انہیں انعام صمدہ ہوا کہ اپنے بیٹے عبد اللہ کا بھی انعام صمدہ نصیب ہوا تھا۔

بعض مؤرخین یہ کہتے ہیں کہ ابواء کے مقام پر اپنی والدہ کے انتقال کے بعد آپ بالکل غمزدہ گئے تھے یہاں تک کہ کئے خبر پہنچی اور وہاں سے حضرت عبد اللہ کی باندی ام ایمن آکر آنحضرت ﷺ کو لے گئے۔ انہیں جبکہ حضرت آمنہؓ کے انتقال کو پانچ دن گزر چکے تھے روایتوں کا یہ اختلاف قائل غور ہے۔
 جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت آمنہؓ کا انتقال عبدالمطلب کی زندگی میں ہوا تھا یہی مشہو قول ہے اس کے خلاف کوئی قول نہیں ہے (گویا ان بعض مؤرخین کی اس تحقیق سے) اس قول کی تردید ہو جاؤ ہے کہ عبدالمطلب کا انتقال حضرت آمنہؓ کی وفات سے دو سال پہلے ہو گیا تھا۔

(حضرت آمنہؓ کے انتقال کے بعد) آنحضرت ﷺ ام ایمن سے فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ۔۔۔ بعد تم ہی میرے ماں ہو (دوسروں سے بھی) آپ یہی فرماتے کہ میری والدہ کے بعد ام ایمن ہی میری ماں ہیں کتب قاموس میں یہ ہے کہ مکے میں ایک مکان ہے جس کو درالینہ کہا جاتا ہے اس میں آنحضرت ﷺ کی والدہ کی قبر ہے۔ مگر میں مکے میں اس نام کے کسی مکان سے واقف نہیں ہوں۔

حضرت آمنہ کے اسلام کی روایت..... (قال) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت آمنہ جون کے مقام پر شعب الیودیب میں دفن ہوئی ہیں مگر یہ قول غلط ہے۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمارے ساتھ جتہ الوداع (یعنی آخری حج) کو تشریف لے گئے عقدہ جون کے پاس سے جب آپ گزرے تو آپ بہت مشکین اور لواس ہو گئے اور رونے لگے، آپ کو روئے دیکھ کر مجھے بھی رونے آگیا۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا اے حمیر اور اٹھو (پھر آپ کہیں تشریف لے گئے) میں اونٹ سے بیٹھ لگا کر بیٹھ گئی یہاں تک کہ آپ کو گئے ہوئے کافی دیر ہو گئی اس کے بعد جب آپ واپس آئے تو آپ بہت خوش خوش تھے اور مسکرا رہے تھے میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

”یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ جب آپ میرے پاس سے تشریف لے گئے تھے تو آپ بہت لواس تھے اور رو رہے تھے یہاں تک کہ آپ کے رونے کی وجہ سے میں بھی رونے لگی تھی مگر اب آپ واپس آئے تو مسخ خوش خوش ہیں اور مسکرا رہے ہیں۔ ایسی کیا بات خوش کنی ہے؟“ آپ نے فرمایا۔

”میں اپنی والدہ کی قبر پر گیا تھا وہاں میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو زندہ کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ فرمادیا۔ پھر وہ ایمان لائیں اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ موت دے دی۔“ (تو کیا آنحضرت ﷺ کی یہ خوشی اس بنا پر تھی کہ آپ کی والدہ کو بھی اسلام کی سعادت اور عزت میسر آگئی) مگر بہت سے محدثین نے اس حدیث کو کمزور ٹھہرایا ہے (یعنی زیادہ قابل اعتبار نہیں ہے) ان محدثین میں حافظ ابوالفضل ابن ناصر الدین ابوجز قانی ابن جوزی اور علامہ ذہبی شامل ہیں۔ مگر ابن شاذان اور ان کے ساتھ کچھ دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ اس حدیث سے وہ حدیثیں منسوخ ہو جاتی ہیں جن میں حضرت آمنہ کی مغفرت کے لئے مغفرت کی دعا کرنے سے روکا گیا ہے۔

(ایسی حدیثیں جن سے ان کے لئے مغفرت مانگنے کی ممانعت آئی ہے) ان میں سے ایک یہ ہے کہ :- جب رسول اللہ ﷺ کے تشریف لائے غالباً عمرہ قضا کی دفعہ میں کیونکہ اس کے سوا آنحضرت ﷺ صحابہ کے ساتھ جتہ الوداع سے پہلے دن کے وقت کے تشریف نہیں لائے تھے۔

غرض اس وقت جب آنحضرت ﷺ اپنی والدہ کی قبر پر پہنچے تو آپ وہاں بیٹھ گئے اور آپ نے بہت دیر تک دعا اور مناجات کی۔ اس کے بعد آپ رونے لگے۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو روئے دیکھ کر ہم بھی رونے لگے پھر آنحضرت ﷺ وہاں سے اٹھ گئے اور ہمیں آپ نے بلایا اور پوچھا کہ تم لوگ کس لئے رو رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم آپ کو روئے دیکھ کر رونے لگے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

”یہ قبر جس کے پاس جا کر میں بیٹھا تھا وہ آمنہ کی قبر ہے۔ (عبداللہ ابن عباس کی اسی حدیث کو کتاب سیرت النبویہ ولائد الحمد نے حاکم کے حوالے سے اس طرح نقل کیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی طرف جانے کا اشارہ فرمایا۔ چنانچہ ہم آپ کے پیچھے پیچھے چلے۔ یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ کر ان میں سے ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے اور آپ نے بہت دیر تک مناجات اور دعا فرمائی۔ اس کے بعد آپ رونے لگے تو ہم بھی آپ کو روئے دیکھ کر رونے لگے۔ پھر آپ کھڑے ہو گئے تو حضرت عمر فاروق بھی اٹھ کر آپ کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور ہمیں بھی بلایا اور فرمایا کہ تم کس لئے رو رہے ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم آپ

کو روئے دیکھ کر روئے گئے ہیں آپ نے فرمایا۔

”یہ قبر جس کے پاس جاکر میں بیٹھا تھا آمنہ کی قبر ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے اس قبر پر جانے کی اجازت مانگی تھی اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت دے دی۔ پھر میں نے ان کے لئے دعا کرنے اور ایک روایت میں ہے کہ مغفرت مانگنے کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی۔ اور مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی۔
مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَئِي قُرْبَىٰ يَلَايَيبُ السُّورَةُ توبہ ع ۱۳
ترجمہ: پیغمبر کو اور دوسرے مسلمان کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں اسی بات سے مجھے صدمہ ہوا جو قدرتی طور پر ایک بیٹے کو اپنے باپ (یا ماں) سے تعلق کی بناء پر ہوتا

(چاہئے)

ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لائے اور اس کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر آپ اس سے خطاب کرنے لگے۔ اس کے بعد وہاں سے بہت فاصلے پر لو اس ہو کر اٹھ گئے۔ کسی صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کی حالت دیکھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

”میں نے اپنی والدہ کی قبر پر جانے کے لئے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی تو مجھے اجازت مل گئی پھر میں نے ان کی مغفرت مانگنے کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت نہیں دی گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا۔

”کیسے شخص کے لئے مغفرت مت مانگئے جو مشرک کی حیثیت سے مرا ہو۔“

(روای کہتے ہیں کہ) آنحضرت ﷺ بتلا اس وقت روئے اترتے ہوئے آپ کبھی نہیں دیکھے گئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے ان کی مغفرت کی دعا کرنے کے لئے جب اجازت مانگی تو اجازت نہیں دی گئی اور یہ آیت نازل ہوئی (جو پیچھے ذکر ہو چکی ہے)۔

اس بارے میں قاضی عیاض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ردنا اس افسوس کی وجہ سے تھا کہ حضرت آمنہ کو آپ کی نبوت کا زمانہ حاصل نہیں ہوسکا کہ وہ آپ پر ایمان لاتیں جس سے انہیں آخرت میں فائدہ پہنچتا۔ اسی بات پر سب علماء کا اتفاق ہے۔ مگر یہ کہنا کہ اس حدیث سے وہ دوسری حدیثیں منسوخ ہو جاتی ہیں جن میں ان کے لئے مغفرت مانگنے کی ممانعت آئی ہے یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ ان حدیثوں کی بعض سندیں بالکل صحیح ہیں جن کو امام مسلم اور ابن حبان نے اپنی حدیث کی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ امام مسلم نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

”میں نے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی کہ اپنی والدہ کے لئے مغفرت کی دعا مانگوں مگر مجھے اجازت نہیں دی گئی پھر میں نے اس کی اجازت مانگی کہ ان کی قبر پر جاؤں تو مجھے اجازت دے دی گئی۔ اس لئے قبروں پر جایا کہ کیونکہ اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔“

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ:-

”قبریں تہمس موت کی یاد دلاتی ہیں۔“

اب یہ کہا جائے گا کہ حضرت عائشہ کی وہ حدیث (جس میں ہے کہ حضرت آمنہ دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لائیں وہ حدیث) من گھڑت تو نہیں مگر کمزور ہے اور اسی لئے اس سے وہ صحیح حدیثیں منسوخ نہیں ہو سکتیں

(جن میں ان کے لئے مغفرت چاہنے کی ممانعت آئی ہے)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: علامہ واحدی نے اپنی کتاب اسباب الغرول میں (جس میں انہوں نے قرآن پاک کی آیتوں کے نازل ہونے کے سبب بیان کئے ہیں کہ وہ کس موقعہ پر اور کس سلسلے میں نازل ہوئیں) لکھا ہے کہ یہ دو آیتیں

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَدُورِ آيَتِ

وَمَا كَانَ لِأَسْفَافٍ أَوْ رَاهِبِينَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ السورہ توبہ ع ۱۳

ترجمہ: اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت مانگنا صرف وعدے کے سبب سے تھا جو انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا، پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے (یعنی کافر ہو کر مرا) تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے۔

اس وقت نازل ہوئی ہیں جب آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کے انتقال کے بعد ان کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا مانگی۔ جب آپ ﷺ نے اپنے چچا کے لئے دعا مانگی تو مسلمانوں نے کہا۔ ”تب ہمارے لئے کیا رکاوٹ ہے کہ ہم اپنے باپ دلو اور رشتہ دلوں کے لئے مغفرت کی دعا نہ مانگیں کیونکہ لوہر تو رسول اللہ ﷺ اپنے چچا کے لئے (جو کافر تھے) مغفرت مانگ رہے ہیں اور لوہر حضرت ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے بخشش کی دعا کی تھی (چنانچہ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور مسلمانوں کو اس سے روکا گیا کہ وہ ان باپ دلو کے لئے مغفرت کی دعا نہ مانگیں جو کفر کی حالت میں مرے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیتیں ابوطالب کے انتقال کے بعد نازل ہوئی ہیں (واضح رہے کہ ان آیتوں میں سے پہلی آیت وَمَا كَانَ لِلنَّبِيِّ نَازِل ہوئے کا سبب ابن مسعود کی حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی والدہ کی مغفرت مانگنے کی اجازت چاہی جس پر آپ کو روکا گیا)۔

یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ ”مرتبہ نازل ہوئی ہو ایک دفعہ اس وقت جب آپ نے اپنے چچا کے لئے مغفرت چاہی اور دوسرے اس وقت جب والدہ کے لئے چاہی۔ مگر یہ کتنا صحیح نہیں ہوگا کیونکہ اس کا مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے روکا آپ نے نعوذ باللہ اس کو پھر کیا جو ایک نبی اور خاص طور پر آپ کی شان کے بالکل خلاف ہے۔

یاد رکھیں حضرت عائشہ کی حدیث کے نسخہ ہونے یعنی دوسری حدیثوں کو منسوخ کرنے والی ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ حدیث ان حدیثوں کے مخالف ہے جن میں مغفرت مانگنے کی ممانعت ہے۔ کیونکہ یہاں حضرت عائشہ کی اس حدیث سے مغفرت کی ممانعت والی حدیثوں کے منسوخ ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں کیونکہ مغفرت مانگنے کی ممانعت تو اسی وقت تک تھی جب تک کہ وہ مسلمان نہیں تھے لیکن اگر اس حدیث کی روشنی میں یہ مان لیا جائے کہ حضرت آمنہ دوبارہ زندہ ہو کر مسلمان ہو گئی تھیں تو پھر مغفرت مانگنے کی ممانعت ہی نہیں رہتی۔

حضرت آمنہ کے دفن ہونے کی جگہ..... (اس کے بعد حضرت آمنہ کی قبر کے حلقہ بیان کرتے ہیں جس کا تعلق حضرت عائشہ کی اسی حدیث سے ہے کہ) حضرت عائشہ کی اس حدیث کو مان لینے کی صورت میں یہ ان لوگوں کے لئے دلیل بن جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی والدہ کی قبر کے میں ہے۔ جہاں تک یہ

قول ہے کہ ان کی قبر ابواء کے مقام پر ہے (جو کے لورہ سینے کے بیچ میں ہے لورہ سینے سے زیادہ قریب ہے) یہ صرف حافظ و میاطی لورہ امین ہشام کی تحقیق ہے اس بارے میں وقایہ میں یہ ہے کہ حضرت آمنہ کی قبر کو کے میں بتلانا غلط ہے بلکہ حقیقت میں ان کی قبر ابواء کے مقام پر ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دونوں حدیثوں کو صحیح مان لینے کی صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلے لہن کو ابواء کے مقام پر دفن کیا گیا ہو لورہ اس کے بعد (عزیزوں کی خواہش پر کہیں سے ان کی لاش کو کے لے جا کر دفن کر دیا گیا ہو۔

بہر حال یہ بات ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ردنا اس سے پہلے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آمنہ کو آپ کے مائے دہرہ زندہ کیا لورہ آپ پر ایمان لائیں۔ (چونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ کی قبر کے میں تھی۔ اس لئے حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ من گھڑت ہے (جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت آمنہ کا ایمان لانا صحیح نہیں ہے) مگر صحیح بات یہ ہے کہ اس کو موضوع یعنی من گھڑت تو نہیں کہا جاسکتا ہاں سند کے لحاظ سے کمزور ہے۔ یہاں تک سیوطی کا کلام ہے۔

پھر ایک حدیث ہے جس کے متعلق حاکم نے اپنی کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ وہ صحیح ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو آدمیوں سے ان کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میری ماں لورہ تم دونوں کی ماں جہنم میں ہیں (اس کو ماننے کی صورت میں حضرت عائشہؓ والی حدیث پھر غلط ہو جاتی ہے مگر اس اشکال کو دور کرنے کے سلسلے میں کہتے ہیں کہ) اگر حاکم کے قول کے مطابق اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی حضرت عائشہؓ والی حدیث غلط نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات اس وقت فرمائی ہو جبکہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے حضرت آمنہ کو آپ کے مائے دہرہ زندہ نہیں کیا تھا جیسا کہ اسی قسم کی نظیر آپ کے والد حضرت عبد اللہ کے متعلق بھی گزر چکی ہے۔ (یہاں مؤلف نے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر حاکم کے دعوے کے مطابق اس حدیث کو درست مان لیا جائے اس شرط کی ضرورت اس لئے ہے کہ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حاکم کسی حدیث کو صحیح ماننے سے پہلے پوری تحقیق نہیں کرتے بلکہ اس میں سستی کرتے ہیں اس لئے اگر کسی حدیث کو حاکم ہی صحیح قرار دیں تو یہ قول نہیں کی جاسکتی۔

اس سلسلے میں یہ بات لورہ اس کو جواب بھی گزر چکا ہے کہ (اگر حضرت آمنہ کا دوبارہ زندہ ہو کر مسلمان ہو جائے گا تو) اس میں یہ اشکال ہے کہ مرنے کے بعد ایمان لانا کیسے فائدہ مند ہو گا۔

(جو حدیث لو پر گزری ہے کہ میری ماں لورہ تم دونوں کی ماں جہنم میں ہیں۔ اس کے بارے میں احقر مترجم نے کتب سیرت ابنیہ میں دیکھا کہ اس حدیث کی سند کمزور ہونے کے باوجود اگر اس کو مانا جائے تو بھی اس سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ حضرت آمنہ جہنم میں ہیں کیونکہ ممکن ہے یہاں ان دونوں آدمیوں کی ماں کے ساتھ ان کے ہونے سے مراد یہ ہو کہ وہ عالم برزخ میں ہوں جو جنت لورہ دوزخ کے درمیان کا مقام ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے ان دونوں آدمیوں کی خاطر یہ لفظ استعمال فرمائے۔ پھر کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ بہتر جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے بعد آپ پر وحی آئی ہو کہ وہ جنتی ہیں جیسا کہ خج ہانی شخص کے متعلق ہوا کہ آپ نے اس کے بارے میں فرمایا تھا کہ..... میں نہیں جانتا کہ وہ ملعون ہے یا نہیں۔ پھر اس کے بعد جب ان کے متعلق آپ پر وحی نازل ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ صحیح کو برا مت کہو اس لئے کہ وہ مسلمان ہو

کیا تھا اس لئے ممکن ہے پہلے آپ کے پاس حضرت آمنہ کے بارے میں کوئی وحی نہ آئی ہو چنانچہ آپ نے ان دونوں آدمیوں سے یہ فرمایا کہ میری ماں اور تمہاری ماں دونوں جہنم میں ہیں۔ لیکن اس کے بعد حضرت آمنہ کے بارے میں آپ کو وحی کے ذریعہ خبر دی گئی ہو۔

پھر حضرت عائشہ کی حدیث کو ملتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ توحید پرست یعنی خدا کو ایک مانتی تھیں لیکن حشر و نشر سے واقف نہیں تھیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندہ کیا یہاں تک کہ وہ حشر و نشر اور آنحضرت ﷺ کی پوری شریعت پر ایمان لائیں کیونکہ خدا کی وحدانیت کو تو وہ پہلے ہی مانتی تھیں جو سب سے اہم بنیاد ہے۔ اب ان کو آنحضرت ﷺ کی پوری شریعت پر ایمان لانے کی وجہ سے ہی اسلام کے شروع کے زمانے میں دوبارہ زندہ نہیں کیا گیا بلکہ حجۃ الوداع کے وقت زندہ کر کے انہیں اسلام کی توفیق دی گئی جب کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کا زمانہ قریب آچکا تھا اور دین اسلام مکمل ہو چکا تھا جس کی آپ نے حجۃ الوداع میں خبر بھی دی تھی۔ اب تو کیا حضرت آمنہ کو اتنی دیر اور تاخیر سے اسی لئے زندہ کیا گیا تاکہ شریعت اسلامی مکمل ہو جائے اور وہ پوری شریعت پر ایمان لائیں۔

اللہ فطرت کا انجام..... علامہ ذہبی نے اس حدیث کو کمرور بتلایا ہے اور اس کے صحیح نہ ہونے پر قسم کھائی ہے کہ جہاں تک حضرت آمنہ کے لئے مغفرت مانگنے کی ممانعت کا تعلق ہے اس کی بنیاد یہ قول بن سکتا ہے کہ:-
”زمانہ جاہلیت کے لوگوں میں سے جس نے (پچھلے نبی کی شریعت میں) تبدیلی یا تغیر کیا تو اس کی پوجا کی وہ مذہب میں لالچا جائے گا۔“

اور یہ ایک کمرور قول ہے جو اس بنیاد پر ہے کہ ایمان اور توحید یعنی خدا کو ایک جاننا انسان کے لئے عقل کے لحاظ سے واجب ہے (یعنی اس قول کے مطابق خدا کو ایک جاننے کے لئے انسانی فطرت اور عقل اس کی پہچانی کرتی ہے جس کے لئے آدمی کو کسی تغیر اور مٹانے والے کی ضرورت نہیں ہے) مگر اللہ سنت و الجماعت میں اکثر حضرات کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ یعنی توحید کا مکمل ہونا تغیروں کے آئے بغیر واجب نہیں ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ عربوں میں حضرت اسماعیلؑ کے بعد (آنحضرت ﷺ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا اور اسماعیلؑ کی شریعت دوسرے تغیروں کی طرح اس کے وفات کے ساتھ ختم ہو گئی تھی۔ کیونکہ تغیر کی موت کے بعد بھی اس کی شریعت کا قائم رہنا صرف آنحضرت ﷺ کی ہی خصوصیت ہے۔ اب اس بنیاد پر وہ لوگ جو آنحضرت ﷺ را اسماعیلؑ کے درمیانی زمانے میں ہوئے ان پر کوئی مذہب نہیں چاہے انہوں نے دین میں تبدیلی یا تغیر کیا ہوا یا نہ کی ہو چکی ہو۔ اب وہ گئیں وہ حد شیں جن میں ایسے لوگوں کو مذہب دینے جانے کی خبر ہے جنہوں نے اپنے دین میں تبدیلی یا تغیر کیا یا بتوں کی پوجا کی وہ مذہب میں ڈالے جائیں گے تو ان حدیثوں کی جھول کی گئی ہے۔

پھر میں نے دیکھا کہ بعض علماء نے اس مسلک کو اپنایا ہے کہ ایک شخص کے لئے بت پرستی کے بغیر تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کو ایک جاننا تو کسی نبی کے صرف وجود سے ہی ضروری ہو جاتا ہے۔ جس نے لوگوں کو حیلہ اور اللہ پر ایمان لانے کی راہ عورت دی ہو چاہے وہ رسول اس شخص کے لئے یعنی اس کے دور یا اس کی قوم کے لئے نہ بھیجا گیا ہو اور اس نے اس نبی کا ظن نہ بھی بنایا ہو لیکن اس کو یہ خبر پہنچی ہو کہ اس نبی نے توحید اور ایمان کی خبر لوگوں کو بتلایا تھا (یا اگر یہ خبر نہ بھی پہنچی ہو تو اس کے لئے یہ معلومات حاصل کر لینا ممکن رہا ہو) تو اس

صورت میں بھی اس کے لئے توحید کا قائل ہونا اور اللہ پر ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے) لیکن اس (توحید اور ایمان) کے سوا اس شریعت کی تفصیلات (یعنی احکام و عبادت) کا جاننا اس کے لئے بھی ضروری ہو گا جبکہ وہ نبی اس شخص یعنی اس کی قوم کے لئے بھیجا گیا ہو اور اس شخص تک اس نبی کی دعوت پہنچی ہو۔

اس کی بنیاد پر ایسا شخص جس نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا زندہ نہ پایا ہو (یعنی آپ کی نبوت سے پہلے گزر ا ہو) اور نہ ہی اس کو پچھلے نبیوں میں سے کسی کا زندہ ملا ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے اور بت پرستی کرنے پر عذاب دیا جائے گا کیونکہ اگرچہ اس کو توحید اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے حلقہ پچھلے نبیوں میں سے کسی کی دعوت نہیں پہنچی لیکن وہ اس پر قادر تھا کہ اس کا علم حاصل کرے اس لئے اس کو عذاب دیا جائے گا مگر اس عذاب کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ نبی کے پیچھے بغیر دیا گیا بلکہ یہ عذاب نبی کے آنے کے بعد بھی شرک اور بت پرستی کرنے کا نتیجہ ہو گا (کیونکہ اس کائنات کے خالق اور پیدا کرنے والے کی جستجو کرنا اور اس کو ایک سمجھنا انسان کی فطرت کا تقاضہ ہے چنانچہ جو شخص اس تقاضہ کو پورا نہیں کرتا تو یہ اس کی کو تاہی اور قصور ہے جس پر وہ سزا کا مستحق ہے)۔

لب یہ حدیث بالکل درست ہو جاتی ہے جو طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہے کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں :-

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ جب بھی کوئی نبی بھیجتا ہے تو اس کے انتقال کے بعد جو فترت کا دور ہوتا ہے (یعنی وہ زمانہ جس میں کوئی نبی نہ ہو) اس زمانے (کے لوگوں) سے اللہ تعالیٰ جہنم کو بھرتا ہے۔“

(یعنی اس دور کے لوگ اپنی کوتاہی کی وجہ سے اس گزشتہ نبی کی اس تبلیغ کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے جس میں اس نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس پر ایمان لانے کی تعلیم دی تھی یا اگر ان کو اس تبلیغ کے متعلق علم ہو چکا ہے تو اس پر عمل نہیں کرتے بلکہ شرک اور بت پرستی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ فترت کے زمانے کے لوگ جہنم کا ایسا حصہ بنتے ہیں مگر شاید یہاں جہنم کو ان لوگوں کے ذریعہ بھرنے سے مراد اس میں مبالغہ کرنا مقصود ہے (کیونکہ فترت کے دور میں سب ہی لوگ وہ نہیں ہوتے تھے جو پچھلے نبی کی تعلیمات کو بھلا کر شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھا بلکہ ان میں وہ لوگ بھی ہوتے تھے جو توحید کو ماننے والے ہوتے تھے اور بت پرستی نہیں کرتے تھے جیسے کہ حضرت اسماعیلؑ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان زمانے میں عبدالمطلبؑ اور کچھ دوسرے لوگ تھے۔ لیکن چونکہ ایسے زمانوں میں اکثر لوگ توحید کو بھلا کر بت پرستی اور شرک کرتے تھے اس لئے اس حدیث میں مبالغہ کے طور پر کہا گیا ہے کہ ایسے فترت کے زمانوں کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ جہنم کو بھرتا ہے حالانکہ اس دور کے سارے لوگ مراد نہیں ہیں) کیونکہ امام بخاری اور حضرت امام مسلم نے حضرت انسؓ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

”جہنم کو ہمیشہ (گناہ گروں سے) بھرا جاتا رہتا ہے لیکن (اس کا پیٹ نہیں بھر تا اور وہ کبھی رکتی رہتی ہے کہ لوہوں تو لپٹے یہاں تک کہ آخر میں رب العزت اس پر اپنا قدم رکھ دے گا جس سے وہ (اتانگک ہوگی کہ) پلاؤ اٹھے گی بس بس..... یعنی تیرے عزت اور تیرے کرم کے صدقے میں مجھے کافی ہو گیا۔ (غرض میں طہارہ کا یہ مسلک تو اہل فترت یعنی اس زمانے کے لوگوں کے لئے ہے جس میں کوئی نبی نہ ہو یہ حکم توحید اور حق تعالیٰ پر

ایمان لانے کے متعلق ہے جو بنیادی چیز ہے اب جہاں تک اس کے علاوہ شریعت کی جزئیات اور تفصیلات کا تعلق ہے ان پر (اگر ان لوگوں نے عمل نہیں کیا تو وہ عذاب کے مستحق نہیں ہوں گے کیونکہ ان تفصیلات کو بتانے کے لئے ان کے پاس کوئی نئی نہیں تھی۔

مختصر یہ کہ اگر اہل فترت حق تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن یہ کہ کزبت پرستی اور شرک میں جٹا ہوں کہ ان بیٹوں کو ہم صرف وسیلہ اور ذریعہ بنا کر خدا تک پہنچانا چاہتے ہیں تو وہ عذاب کے مستحق ہوں گے جیسا کہ حق تعالیٰ نے ان لوگوں کا یہ جواب قرآن پاک میں نقل فرمایا ہے (کہ وہ لوگ اپنی بت پرستی کے لئے یہ دلیل دیتے ہیں کہ)۔

مَا تَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرَّبُوا إِلَيْنَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ذَلَّيْهِ ۚ ۲۳ سورہ زمر ع ۱

ترجمہ: ہم تو ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں۔

جب کہ اس شرک اور بتوں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے ذریعہ بنانے کی پچھلے تمام نبیوں نے ممانعت کی ہے (اور اہل فترت یعنی ان نبیوں کے بعد کے لوگ بھی اس کو جانتے تھے اور اگر نہ بھی جانتے ہوں تو ان کے لئے اس کا جان لینا ممکن تھا)۔

اب جہاں تک ایمان اور توحید اور اس کے مقابلے میں شریعت کی جزئیات اور دوسرے احکام کے درمیان فرق کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان اور توحید کے لحاظ سے تمام شریعتیں ایک ہی شریعت کی طرح ہیں کیونکہ یہ اصولی بات تمام شریعتوں میں مشترک ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس آیت پاک سے بھی یہی مراد ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا كَلَّيْهِ ۚ ۲۵ سورہ شوریٰ ع ۲۳

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے۔

یعنی حق تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنے اور اس پر ایمان لانے کی حد تک سارے پیغمبروں کی شریعتیں ایک ہی ہیں کہ یہ بنیادی حکم جس پر سارے دین کی عملدست کھڑی ہوتی ہے سب شریعتوں میں مشترک ہے (چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت سے (جو بچے قتل ہوئی) بھی مراد ہے کہ توحید یعنی اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا اقرار کرنا سب شریعتوں کی جڑ ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے آیت کے اس بقیہ میں فرمایا ہے کہ :-

وَلَا تَقْفُوا فَوَاقِدَ لَّيْلِِي ۚ ۲۵ سورہ شوریٰ ع ۳

ترجمہ: اور اس میں تفریق نہ ڈالنا۔

اسی طرح ایک جگہ ارشاد باری ہے۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ: يَا قَوْمِ اصْبِرُوا لِلَّهِ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ غَيْرَ كَلَّيْهِ ۚ ۸ سورہ اعراف ع ۱۳

ترجمہ: ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے لائق نہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِي نَعُوذُ بِهِمْ صَلَاحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۚ وَلَا يَبْ ۖ ۱۲ سورہ ہود ع ۶
ترجمہ :- اور ہم نے قوم ثمود پر ان کے بھائی صالحؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم
تم صرف اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں۔

(تو ان سب کلمات پاک سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جہاں تک تمام نبیوں کی لائی ہوئی شریعتوں کی
اصل اور بنیاد کا تعلق ہے وہ خدا کی وحدانیت کا اقرار کرنا اور اس پر ایمان لانا ہے) اسی وجہ سے بعض انبیاء نے اپنی
قوم کے علاوہ دوسروں سے بھی اس بنا پر جنگ کی کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے اور بتوں کے
آگے سر جھکاتے تھے۔ اب اگر ایمان باللہ اور توحید کا اقرار (ہر شریعت میں) ضروری نہ ہوتا تو نبی مشرکین سے
جنگ نہ کرتے۔

اب جہاں تک فرد ع اور تفصیلات کا تعلق ہے ان میں سب شریعتوں میں فرق ہے۔ بعض علماء نے
شریعتوں کے اس فرق کا سبب یہ لکھا ہے کہ مختلف امتوں اور قوموں کی قابلیت اور صلاحیت مختلف تھی (اور پچھلی
شریعتیں قومی مزاج کے مطابق احکام لے کر آتی تھیں اس لئے وہ احکام ہر قوم کے موافق نہیں ہو سکتے تھے لیکن
اسلامی شریعت چونکہ ساری دنیا کے لئے بھیجی گئی اس لئے اس کے تمام احکام کو مخصوص قومی مزاج کے بجائے
انسانی مزاج کے مطابق بنایا گیا تاکہ ہر قوم اور ہر انسان اس پر عمل کر سکے اسی لئے اس کو دین فطرت کہا گیا اور
فطرت ہر انسان کی ایک ہوتی ہے جبکہ مزاجوں میں فرق ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے۔)

جہاں تک اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ ایمان اور توحید کے معاملے میں سارے نبی اور ساری شریعتیں
ایک ہیں تو اس کی دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ قول ہے کہ :-

الْأَنْبِيَاءُ أَوْلَادُ عَلَاتٍ (حدیث)۔

ترجمہ :- تمام نبی علاقائی یعنی باپ شریک بھائی ہیں۔

(ی) یعنی ان کے دینوں کی اصل اور بنیاد ایک ہے اور وہ ہے توحید۔ ہاں شریعتوں اور احکام میں اختلاف
ہو سکتا ہے اس لئے کہ علالت کے معنی ہیں سو کنیں جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام پیغمبر ایک ہی باپ کی اولاد ہیں
البتہ ان کی مائیں مختلف ہیں (اور سو کنوں میں اختلاف فطری ہے)۔

اس حدیث کی یہ تفسیر خود بعض حدیثوں سے ہی ثابت ہے مثلاً

الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ مِنْ عَلَاتٍ ۖ أَمَّا تَهُمُ شَتَّىٰ وَ دِينُهُمْ وَاحِدٌ (الحدیث)۔

ترجمہ :- تمام پیغمبر آپس میں باپ شریک بھائی ہیں جن کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔
(اس سے معلوم ہوا ہے کہ توحید اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی حد تک سب نبیوں کا دین ایک ہے
ہاں مسائل اور احکام مختلف پیغمبروں کی شریعتوں میں مختلف ہیں)۔

(خلاصہ یہ نکلا کہ اہل فترت یعنی وہ لوگ جن کے پاس کوئی نبی نہیں آیا اگر اس پر قادر تھے کہ پچھلے
نبیوں کی بنیادی تبلیح کو معلوم کر سکیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور پھر وہ بت
پرستی نہ کرتے ہوئے صرف اس بنیادی حقیقت کا اقرار کرتے ہوں تو ان پر عذاب نہیں ہوگا لیکن علامہ ابن حجر
مذہبی کہتے ہیں کہ بالکل صاف حقیقت جس میں کوئی لا حصر لا ہٹ نہیں ہے کہ ان تمام اہل فترت کی نجات ہوگی
جن کے پاس کوئی نبی نہیں آیا جو ان کو اللہ عزوجل پر ایمان لانے کی تبلیح کرتا۔ اس لئے عرب کے لوگ یہاں

تک کہ بنی اسرائیل کے نبیوں کے زمانے کے عرب بھی اہل فترت میں سے ہیں اس لئے کہ بنی اسرائیل کے پیغمبروں نے بھی (صرف اپنی قوم بنی اسرائیل کو توحید اور ایمان کی تبلیغ کی) عربوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں بلایا اور ان کو اس پر ایمان لانے کا حکم نہیں دیا۔ پھر کہتے ہیں کہ اہل فترت یعنی بغیر نبی کے زمانے والے لوگوں میں سے جن کے متعلق کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ وہ جہنمی اور دوزخی ہیں تو اگر ان کے متعلق کوئی تاویل کی جاسکتی ہے (مثلاً حدیث کزور ہو یا دوسری حدیث سے منسوخ ہو چکی ہو جیسا کہ تنج کے معاملے میں ہوا جس کا بیان مکرر چکا ہے) تو ٹھیک ہے ورنہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس مخصوص فرد کے متعلق یہی عقیدہ رکھیں کہ وہ جہنمی ہے۔

اب یہاں ایک اشکال ہے کہ علامہ فخر رازی کا قول ہے کہ تمام پیغمبروں کی یہ تعلیم ہمیشہ سب کو معلوم رہی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی تھی (اس لئے عربوں کو بھی یہ تعلیم معلوم رہی ہوگی باوجود یہ کہ اس دور ان میں ان کے لئے کوئی نبی نہیں آیا۔ لہذا یہ بات جاننے کے باوجود جب انہوں نے توحید کا اقرار نہیں کیا تو ان کو نجات یافتہ کیسے کہا جاسکتا ہے)۔

ابن حجر شہی اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ گذشتہ زمانوں میں ہر نبی ایک مخصوص قوم کی طرف بھیجا گیا تھا (ساری دنیا کے لئے ان میں کوئی نبی نہیں تھا) اس لئے وہ قوم جس کے پاس کوئی نبی نہیں بھیجا گیا (جیسے کہ حضرت اسماعیلؑ اور آنحضرت ﷺ کے دور میں اہل فترت کے عرب ہیں) ان پر کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ پھر دوسرا اشکال یہاں یہ بھی ہوتا ہے کہ اہل فترت یعنی بغیر نبی کے زمانے والے لوگوں کو عذاب دیئے جانے کے متعلق احادیث موجود ہیں۔ اس لئے کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ان پر کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ علامہ ٹی کہتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اہل فترت کو عذاب دیئے جانے کے متعلق جو حدیثیں ہیں وہ خبر واحد کے درجہ کی ہیں (خبر واحد حدیث کی سب سے کمزور قسم کو کہتے ہیں) اس لئے قطعی اور مضبوط درجے کی حدیثوں کے نابلے میں خبر واحد کے درجے کی حدیثوں کو نہیں ملا جائے گا۔ یا پھر اگر اس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی تو پھر اب دیئے جانے کو صرف اسی حدیث کی حد تک منحصر اور محدود کرنا پڑے گا۔ یہاں تک علامہ شہی کا کلام ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اہل فترت یعنی بغیر نبی کے زمانے والے لوگوں کا قیامت کے دن امتحان لیا جائے گا چنانچہ اس کے متعلق بڑے بڑے ثوبان سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

”جب قیامت کا دن ہوگا تو زمانہ جاہلیہ کے لوگ اپنے بتوں کو اپنی پشتوں پر اٹھائے ہوئے آئیں گے اکا پر در و گار ان سے بت پرستی کے متعلق سوال فرمائے گا، تو وہ عرض کریں گے۔

”اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس اپنا کوئی رسول اور پیغمبر نہیں بھیجا تھا جو ہمیں تیرے احکام پاتا۔ اگر تو ہمارے پاس کوئی پیغمبر بھیجتا تو ہم تیرے سب سے زیادہ فرماں بردار بندے ہوتے۔“

اس پر ان کا پروردگار ان سے ارشاد فرمائے گا۔

”میں ارحمہم حکم دوں تو کیا تم اس کو مانو گے؟“

(وہ لوگ جب اقرار کریں گے تو) حق تعالیٰ ان سے اس پر عہد و پیمان لیں گے۔ اس کے بعد ان کو حکم نہیں دے گا کہ تم جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ اور ان کو (جہنم کی طرف) بھیج دیں گے۔ وہ اس طرف چلیں گے۔ تاکہ جب جہنم کو دیکھیں گے تو ایک دم گھبرا جائیں گے اور وہاں سے واپس لوٹ آئیں گے اور عرض

کریں گے۔

”اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس سے دور رکھ کہ ہم اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔“

(ان کی اس نافرمانی پر) حق تعالیٰ حکم دیں گے۔

”جب ہمیشہ ہمیش کے لئے اس میں داخل ہو جاؤ۔“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

”مگر وہ لوگ پہلی مرتبہ میں اس میں داخل ہو جاتے تو وہ آگ ان کے لئے گل و گلزار ہو جاتی۔“

(اس حدیث کی روشنی میں) سماعت ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ خیال یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اہل و

عیال (ی) جو آپ کی نبوت سے پہلے فوت ہو گئے وہ اس امتحان میں حق تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کریں گے

جو آنحضرت ﷺ کے احقر و اکرام کے طور پر ہو گا تاکہ اس سے آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

عبدالمطلب اور آنحضرت ﷺ کے والدین کی نجات ہو گی یا نہیں۔ اس بارے میں علامہ ابن کثیر لکھتے

ہیں کہ۔

”مقصود یہ ہے کہ عبدالمطلب جاہلیت کے دین پر ہی مرے ہیں۔ اس بارے میں صرف شیعوں کا فرق

عبدالمطلب اور ان کے بیٹے ابوطالب کے حلق اختلاف کرتا ہے۔ بتاتی ہے اپنی کتاب دلائل النبوة میں از

حدیثوں کا ذکر کرنے کے بعد جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین کی نجات نہیں ہو گی) کہ

ہے۔

”آپ کے والدین اور دلو کا آخرت میں یہ انجام کیوں نہیں ہو گا جبکہ وہ بچوں کو پوجتے تھے اور مرے

نیک انہوں نے عیسیٰ کا دین قبول نہیں کیا (جو اس وقت سچا آسمانی مذہب تھا) مگر ان کے کافر ہونے سے

آنحضرت ﷺ کے نسب میں کوئی برائی پیدا نہیں ہوتی اس لئے کہ کفار کے نکاح صحیح ہوتے ہیں کیا آپ

نہیں دیکھا کہ وہ لوگ اپنی بیویوں سمیت مسلمان ہوتے تھے تو ان پر نکاح کی تجدید کرنا ان عورتوں کو چھوڑ دیا۔

ضروری نہیں ہوتا تھا اس لئے کہ یہ اسلام میں جائز ہے۔“ یہاں تک ان کا کلام ہے۔

پھر علامہ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ

”آنحضرت ﷺ کا اپنے والدین اور دلو کے حلق یہ خبر دے دینا کہ وہ جہنم والوں میں سے ہیں۔“

حدیث کے خلاف نہیں جو مختلف سندوں سے ملتی ہے کہ اللہ عزت یعنی جاہلیت کے زمانے کے لوگ اور بچے

یا گل اور گوتے کو میوں کا قیامت کے دن حق تعالیٰ امتحان لیں گے۔ اب ان میں سے کچھ لوگ کا مطالب ہو جائے

گے (تو وہ جنت میں جائیں گے) اور کچھ لوگ ناکام ہو جائیں گے۔ چنانچہ یہ لوگ (یعنی آپ کے والدین)

عبدالمطلب) ان لوگوں میں سے ہوں گے جو ناکام ہو جائیں گے اس لئے دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں

رجل البدایہ والنہایہ ص ۲۸۱ ج ۲

مگر اس سلسلے میں میں مناسب اور بہتر روش یہ ہے کہ سکوت اور خاموشی اختیار کی جائے کیونکہ ان

مقابلے میں ایسا حدیثیں بھی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین کو حق تعالیٰ

آپ کے احقر میں دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور انہیں اسلام کی دولت سے بالامال فرمایا۔ حق تعالیٰ کی قدرت

یہ بات کچھ بعید بھی نہیں کہ اس نے اپنے محبوب کی تسلی کی خاطر آپ کے واسطے یہ خصوصیت رکھی ہو۔

کہ اس طرف علامہ حافظ ابن حجر اور علامہ حافظ سیوطی نے بھی اشارہ کیا ہے۔ تاہم مختصر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین اور عبدالمطلب کے متعلق سکوت اور خاموشی اختیار کرنا ہی مناسب ہے۔

لور یہ اسی لئے نہیں کہ یہ حضرات آنحضرت ﷺ کے ماں باپ اور دواحقے کیونکہ آخرت کی نجات کے لئے اسلام میں نسبت کی فضیلت کوئی چیز نہیں ہے بلکہ عبدالمطلب کے متعلق تور و انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بت پرستی اور زمانہ جاہلیت کی دوسری برائیوں میں جتنا نہیں تھے جیسا کہ گنہگاروں میں نسب نامے کے تحت اس کی تفصیل گزری ہے۔ لور آنحضرت ﷺ کے والدین کے بارے میں بت پرستی ثابت نہیں ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کی برکت سے یہ بات بعید نہیں کہ وہ جن کے مطلب سے آپ تھے لور وہ جن کے رحم میں آپ نے نولہ گزرے ان کی حق تعالیٰ نے ان برائیوں سے حفاظت فرمائی ہو لور آپ کی برکت سے وہ آخرت کے امتحان میں کامیاب ہونے والوں میں سے ہوں۔ البتہ ابوطالب کے متعلق مختلف صحیح حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ ان کو اسلام کا زمانہ ملا، اسلام پیش کیا گیا مگر انہوں نے توحید کا اقرار نہیں کیا بلکہ کفر و شرک پر ہی سرے جس کے نتیجے میں وہ آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا ہونے لور آپ سے بے اندازہ محبت کرنے کے باوجود آخرت کی ہلاکت پر اس لور حق تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ نہیں رہیں گے۔ مرتبہ۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ امید یہ ہے کہ عبدالمطلب بھی اس جماعت کے ساتھ جنت میں داخل ہونے والوں میں ہوں گے جو فرمانبرداروں کی جماعت ہوگی۔ لیکن ابوطالب ان میں سے نہیں ہوں گے اس لئے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ پہلا مگر آنحضرت ﷺ کی خواہش کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے۔

(ابوطالب جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی پرورش کی وہ چوکر رسول اللہ ﷺ سے بہت قریب تھے لور آپ سے انہیں بے حد محبت تھی اس لئے ان کے متعلق حدیث میں ہے کہ ان کو مشرکوں میں سب سے کم عذاب دیا جائے گا) اس سے حافظ سیوطی نے دلیل پیدا کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ماں باپ جنم میں نہیں ہوں گے اس لئے کہ اگر وہ جنم میں ہوتے تو سب سے کم عذاب ان کو ہونا چاہئے کیونکہ ابوطالب کے مقابلے میں وہ آنحضرت ﷺ سے زیادہ قریب تھے لور ان کا عذر بھی مضبوط ہے کہ انہیں تو نبوت کا زمانہ ملا لور نہ عیسیٰ ہو کہ ان کو اسلام پیش کیا گیا ہو لور انہوں نے انکار کر دیا ہو لیکن آنحضرت ﷺ کا فرمان ابوطالب کے متعلق ہے کہ ان کو سب سے کم عذاب دیا جائے گا (حالانکہ ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ بھی ملا لور اسلام بھی پیش کیا گیا مگر انہوں نے قبول نہیں کیا) اس لئے آپ کے والدین جنم میں نہیں ہیں۔ حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ لیل اصول کے نزدیک اس طرح کی دلیل کو دلالت اشارہ کہتے ہیں (یعنی ایک روایت کے مفہوم اور مطلب سے کوئی دوسرا نتیجہ خود بخود نکل آتا۔)

آنحضرت ﷺ پر عبدالمطلب کی شفقت و محبت..... بیان اس کا مل رہا ہے کہ حضرت آمنہ کے انتقال کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے والد عبدالمطلب کی گھر لائی لور پرورش میں آگئے تھے۔ عبدالمطلب کو آپ سے جو بے انتہا محبت تھی اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ (کہجے کے سامنے میں عبدالمطلب کے لئے ایک فرش بچھایا جاتا تھا جس پر وہ بیٹھا کرتے تھے لور ان کے احترام میں ان کے گھر والوں یا قریش میں سے کوئی شخص اس پر نہیں بیٹھا کرتا تھا چنانچہ ان کے بیٹے لور سردار ان (قریش اس فرش کے چاروں طرف بیٹھا کرتے تھے مگر رسول

اللہ ﷻ جو اس وقت ایک نو عمر مگر تند و ست لڑکے تھے وہاں تشریف لاتے تو سیدھے اس فرش پر جا کر بیٹھ جاتے (آپ کے چچا یہ دیکھتے تو عبد المطلب کے لوب کی وجہ سے) آپ کو پکڑ کر وہاں سے ہٹانا چاہتے تاکہ اس فرش سے علیحدہ آپ کو بٹھائیں مگر عبد المطلب جب یہ دیکھتے تو فوراً کہتے۔
 ”میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔ خدا کی قسم میری بڑی شان والا ہے۔“

اس کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کو اپنے پاس اس فرش پر بٹھاتے اور آپ کی کمر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے رہتے اور آپ کی باتیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہتے۔
 (قال۔ اسی روایت میں عبد المطلب کا جو جملہ نقل ہوا) اس کو حضرت ابن عباسؓ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ عبد المطلب کہتے۔

”میرے بیٹے کو یہیں بیٹھنے دو اس لئے کہ اس کو خود بھی اس بات کا احساس ہے کہ اس کی شان بڑی ہے۔ میری آمد وہ ہے کہ یہ ایسا بلند مرتبہ پائے جو کسی عرب کو نہ اس سے پہلے حاصل ہوا ہو اور نہ بعد میں ہو۔“ ایک روایت میں ہے کہ۔ ”میرے بیٹے کو چھوڑ دو کیونکہ اس کے مزاج میں طبعی طور پر بلندی ہے۔“ ایک روایت میں ہے کہ ”میرے بیٹے کو میرے اس فرش پر ہی بٹھائیں کیونکہ اس کے اس کی طبیعت اسے خود یہ احساس دلاتی ہے کہ وہ ایک عظیم بادشاہی کو ملے گا۔ اس کی شان بڑی زریلی ہوگی۔“

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میرے والد (یعنی حضرت عباسؓ) فرمایا کرتے تھے۔
 ”حجر اسود کے پاس کعبے میں عبد المطلب کے لئے ایک فرش بچھا ہوا تھا جس پر ان کے سوا کوئی نہیں بیٹھتا تھا حرب ابن امیہ اور دوسرے بڑے بڑے قریشی سردار تک اس سے ہٹ کر اس کے چاروں طرف بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اس وقت تک آپ جوان نہیں ہوئے تھے اور نو عمر لڑکے تھے آپ اگر سیدھے اس فرش پر بیٹھ گئے۔ ایک شخص نے (عبد المطلب کے لوب کی وجہ سے) آپ کو پکڑ کر کھینچا اور وہاں سے ہٹا دیا۔ آپ ایک دم رو پڑے۔ اس وقت عبد المطلب کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ انہوں نے (آپ ﷺ کے رونے کی گواہی سن کر) پوچھا۔
 ”میرا بیٹا کیوں رو رہا ہے؟“

لوگوں نے بتلایا کہ یہ فرش پر بیٹھنا چاہتے تھے اس سے انہیں روک دیا گیا۔ عبد المطلب نے کہا۔
 ”میرے بیٹے کو اس فرش پر ہی بیٹھنے دو کیونکہ وہ خود اپنا مرتبہ پہچانتا ہے۔“ یعنی انہیں خود یقین ہے کہ وہ بڑی شان والے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اس کو وہ مرتبہ حاصل ہو جو نہ اس سے پہلے کسی عرب کا ملا ہو اور نہ اس کے بعد ملے۔“

(ی) چنانچہ اس کے بعد لوگ آپ کو اس فرش پر بیٹھنے سے بالکل منع نہیں کرتے تھے چاہے عبد المطلب وہاں موجود ہوں یا نہ ہوں۔

(ان روایتوں میں عبد المطلب کا کہا ہوا جملہ کئی انداز کا ہے جس کا مطلب ہے کہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ آپ نے اس فرش پر بیٹھنا چاہا اور ہر دفعہ لوگوں نے آپ کو وہاں سے ہٹا دیا جس پر عبد المطلب ان کو روکنے سے منع کر دیا کرتے مگر اس آخری روایت میں یہ ہے کہ اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد پھر آپ کو کبھی کسی نے اس فرش پر بیٹھنے سے نہیں روکا۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ شاید یہ آخری موقع تھا جب قریش نے آپ

کوروا (اس کے بعد انہوں نے روکنا چھوڑ دیا یا بحریہ ممکن ہے کہ واقعہ تو ایک ہی دفعہ کا ہو مگر مختلف دویوں نے عبدالمطلب کا جملہ مختلف انداز میں بیان کیا ہو۔

نبوت کی نشانیاں اور گواہیاں..... نئی مدح کے کچھ لوگوں نے جو قیافہ شناس تھے اور چہرہ مردیکہ کر کوئی کے مستقبل کے متعلق بتلادیا کرتے تھے ایک دفعہ عبدالمطلب سے کہا۔

”اس بچے کی حفاظت کرو اس لئے کہ مقام ابراہیم پر (حضرت ابراہیمؑ کے) قدم کا جو نشان ہے اس سے شہادت رکھنے والا قدم ہم نے اس بچے کے سوا کسی کا نہیں دیکھا۔“ (یعنی یہ بچہ قوم کی اس شہادت کی وجہ سے کچھ خاص ہی شان والا ہے اس لئے اس کی پوری حفاظت کرو۔ مبارک دالے کوئی گزند اور نقصان پہنچ جائے۔)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ (ی) مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ کعبے کی تعریف کے وقت کھڑے ہوا کرتے تھے۔ اس پتھر پر بطور معجزہ ان کے پیروں کے نشان بڑھ گئے تھے یہی پتھر ہے جس کی لوگ زیارت کرتے ہیں اور جو مقام ابراہیمؑ کہلاتا ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اسی کی طرف آنحضرت ﷺ کے چچا نے اپنے قصیدے میں اشارہ کیا ہے۔

وَبِالْحَجَرِ الْمَسْوُودِ اِذَا بِالْحَمَوِ
اِذَا كَتِفُوهُ لِي الْقَضَى وَالْاَصْفَلِ

ترجمہ: قسم ہے اس حجر اسود کی جس کو لوگ چومتے ہیں اور جبکہ اس کو صبح اور شام اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں۔

وَمَوْطِنِي اِبْرَاهِيمَ لِي الصَّخْرَ رَطْبَةً
عَلَى قَعْمَةٍ حَفِيَا هَبْ نَاعِلِ

ترجمہ: اور قسم ہے حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کی اس جگہ کی جو پتھر میں کج بھی تازہ ہے جو ان کے قدموں کے برابر بغیر جوتے کے ٹکے ہیر کا نشان ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے قدم مبارک اس پتھر میں دھنس کر اپنا نشان چھوڑ گئے اور یہ بغیر جوتے کے ٹکے پاؤں کا نشان ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے مقام ابراہیمؑ یعنی اس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ (کے پاؤں) کی انگلیوں اور ایڑیوں کے نشان دیکھے نیز کسی قدر تلوے کا نشان بھی ہے مگر لوگوں کے اس کو (برکت کے لئے) چھونے نے اس نشان کو ختم کر دیا۔

آنحضرت ﷺ کے قدم مبارک کے حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشان سے مشابہ ہونے سے ظاہر ہے کہ یہ ایک ہی نسل اور خاندان کے آدمیوں کے ہیں (یعنی اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابراہیمؑ ہی کی اولاد میں سے ہیں اور یہ روایت آپ کے شجرہ نسب کا ثبوت بنتی ہے کیونکہ گزشتہ باب میں ایک واقعہ ذکر ہوا ہے کہ حضرت اسماء ابن زیدؓ جن سے رسول اللہ ﷺ کو بہت تعلق تھا وہ کالے رنگ کے تھے کیونکہ ان کی ماں اُمّ یمنؓ برکہ حبشیہ سیاہ قام تھیں مگر اسماءؓ کے والد حضرت زیدؓ گورے چٹے تھے اس لئے منافقین حضرت اسماءؓ کے نسب میں شبہ اور طعن کیا کرتے تھے کہ وہ حضرت زیدؓ کے بیٹے نہیں ہیں۔ اس سے آنحضرت ﷺ کو رنج اور تشویش تھی کہ اچانک قبیلہ مدح کے ایک مشہور قیافہ شناس جرز مدحی نے دیکھا کہ دو کوئی ایک چادر لوڑھے پڑے سو رہے ہیں جن کے ہر نظر آ رہے تھے اگرچہ ان میں سے دو ہیر سیاہ تھے اور دو سفید مگر جرز نے علم

قیاذہ سے دیکھتے ہی حیرت سے کہا کہ یہ عجز و جورنگ کے لحاظ سے بہت مختلف لگتے ہیں مگر ہیں ایک ہی نسل کے۔ اس خبر سے آنحضرت ﷺ کو بہت اطمینان ہوا اور منافقوں کی زبانیں بھی بند ہو گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے چونکہ مدلی کی اس خبر پر اطمینان فرمایا اس لئے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ علم قیاذہ کے ذریعہ نسب کا معاملہ طے ہو سکتا ہے۔

چنانچہ ابو ہریرہؓ کی اس روایت سے جس میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کے قدموں کو حضرت ابراہیمؑ کے نشان کے قدام کے مشابہ بتلائے ہوئے کہا کہ یہ ایک ہی نسل کے آدمیوں کے عجز معلوم ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کا حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہونا علم قیاذہ سے بھی ثابت ہوتا ہے جو شرعی دلیل بھی ہوتی ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قدموں کے نشان بھی پتھر میں نقش ہو جاتے تھے۔ چنانچہ معراج کی رات میں جب آپ بیت المقدس پہنچے تو وہاں کے پتھر پر آپ کا نشان قدم نقش ہو گیا جو آج تک موجود ہے۔

مگر علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ میں ایسی کسی روایت سے واقف نہیں ہوں آنحضرت ﷺ کے قدموں کے نشان بھی پتھر پر جم جاتے تھے۔ پھر کہتے ہیں کہ میں کسی دوسرے ایسے محدث سے بھی واقف نہیں جس نے ایسی کوئی حدیث پیش کی ہو۔ اسی طرح جیسا کہ ایک روایت لوگوں میں مشہور ہے کہ جب ایک دفعہ آپ کی کنی دیولہ سے رگڑی گئی تو اس کا نشان اس پتھر پر نقش ہو گیا اور اسی وجہ سے کہ میں یہ جگہ آنحضرت ﷺ کی کنی کے نشان سے مشہور ہو گئی۔ مگر علامہ سیوطی نے اس کے حلق بھی اپنی لا علی اور بے خبری کا اظہار کیا ہے۔ مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ اس قول کے باوجود علامہ سیوطی نے اپنی کتاب ”خصائص صغریٰ“ میں لکھا ہے کہ:-
”کوئی پتھر ایسا نہیں جس پر آنحضرت ﷺ کا قدم مبارک پڑا ہو اور اس پر اس قدم کا نشان نقش نہ ہو گیا ہو۔“

یہاں تک علامہ سیوطی کا کلام ہے۔ اس بارے میں یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک کی اس تاثیر کے حلق انکار کرنے کے بعد علامہ سیوطی کو کوئی معتبر روایت ملی ہو۔ جہاں تک اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ جس پتھر پر بھی آنحضرت ﷺ نے قدم رکھا اس پر نشان قدم جم گیا۔ یہ قابل غور ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ امام بخاری نے آپ ﷺ کے قدم مبارک کی اس تاثیر کے حلق اپنے قصیدے میں یہ لکھا ہے:-

وَأَنَّ رَحِمَهُ الْأَحْمَلُ مَشِيكَ نَمَّ لَمْ
يُولَدُ بِرَمْلٍ أَوْ مَطْعَاءٍ رَطْبَةٍ

ترجمہ: آپ کے قدموں کے نشان پتھروں میں پڑ گئے مگر ریت اور نرم مٹی میں نہیں پڑے۔ اس قصیدے کی شرح کرنے والے نے اس سلسلے میں لکھا کہ شاید ریت میں آپ کے قدموں کے نشان نہ پڑنے سے مراد یہ ہے کہ جب آپ نے رات کے وقت کے سے ہجرت فرمائی اور پہلے عار ثور میں جا کر چھپے اس وقت (راستے میں) ریت پر آپ کے قدموں کے نشان نہیں پڑے (تاکہ قریشی دشمن ہی نشانوں کو

دیکھتے ہوئے آپ تک نہ پہنچ جائیں (کی) تو گویا ہمیشہ آپ کی یہ شان نہیں تھی کہ ریت میں پیروں کے نشان نہ پڑتے ہوں۔ چنانچہ (اس رات کے سے عار ثور کو جاتے ہوئے آپ جب قدم اٹھاتے تو حضرت ابو بکرؓ سے فرماتے تھے کہ اپنے پیروں کے نشانوں پر رکھتے چلو تاکہ ریت میں نشان نہ رہیں۔

اس سے آپ اپنے قدموں کے نشانوں کو چھپانا چاہتے تھے تھا تاکہ قریش جو آپ کی تلاش میں نکلیں گے بھٹک جائیں،

مگر اس روایت سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ آپ کے قدموں کے نشان پڑتے تھے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ نشان نہیں پڑتے تھے۔ پھر اسی بات کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو آگے آ رہا ہے کہ قریش دشمن پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی تلاش میں چلے یہاں تک کہ ایک عار کے پاس جا کر وہ نشانات ختم ہو گئے۔ اس وقت پاؤں کے نشانوں کو پرکھنے والے ماہر نے ان لوگوں سے کہا۔

یہ نشانات ابن ابوقحافہ یعنی ابو بکر کے پیروں کے ہیں۔ جہاں تک دوسرے پیروں کے نشانات کا معاملہ ہے تو ان کو میں نہیں پہچانتا بلکہ وہ نشانات اس قدم کے نشان جیسے ہیں جو مقام یعنی مقام ابراہیم پر ہیں۔ اس پر قریش نے کہا کہ اس کے آگے تو کوئی نشان نہیں ہے۔ اس کی تفصیل آگے ہجرت کے بیان میں آئے گی۔

اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر حضرت ابو بکرؓ کے پیروں کے نشان کے ساتھ دوسرے قدم کا نشان بھی پہچانا جا رہا تھا تو پھر آنحضرت ﷺ کے ابو بکرؓ سے یہ فرمانے کا کیا مطلب ہو گا کہ اپنے پیروں کے قدموں کے نشانوں پر رکھتے چلو تاکہ ریت میں نشان نہ رہیں۔

اس کے جواب میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے حضرت ابو بکرؓ کا پیر آنحضرت ﷺ کے قدم کے پر اندر نہ ہو (یعنی چھوٹا ہو) اب آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا ٹھیک ہو جاتا ہے تاکہ ریت میں نشان نہ رہے۔ کیونکہ ممکن ہے مرنویہ ہو کہ ریت میں (میرے پیروں کا) صاف اور واضح نشان نہ رہے۔ چنانچہ اب نشان قدم کے ماہر کا یہ کہنا بھی ٹھیک ہو گیا کہ یہ تو ابو بکرؓ کے پیروں کے نشان ہیں اور دوسرے قدم کے نشان کو میں نہیں پہچان سکا (اس لئے کہ وہ صاف اور واضح نہیں تھا)۔

(امام سبکی کے قصیدے کی) اس شرح کرنے والے نے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا کہ آپ ﷺ کے قدم کے نشان پتھروں میں نقش ہو جاتے تھے، بلکہ اس کو جن بنیادوں پر قبول کیا ہے وہ بھی کمزور نہیں ہیں۔ (اس قصیدے میں آپ کے نشان قدم پڑنے کے متعلق پتھر کے بجائے) ”پتھروں کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ آپ کے قدم کے نشان (کسی خاص موقع پر ہی نہیں بلکہ) بار بار پتھروں پر پڑے ہیں۔ مگر ملامہ سیوطی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آپ کی یہ شان نہیں تھی کہ جس پتھر پر بھی آپ چلے اس پر نشان قدم ہو گئے ہوں واللہ اعلم۔

(قال) ایک دن عبدالمطلب بیت اللہ میں حجر اسود کے قریب بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس اس وقت بحر ان کے عیسائیوں کا استفادہ یعنی بیلا پوری بھی بیٹھا ہوا تھا۔ استفادہ عیسائیوں کے نہ ہی پیشوا کو کہتے ہیں جس کے معنی ہیں بہت زیادہ عبادت کرنے اور خدا سے ڈرنے والا۔ غرض یہ پادری عبدالمطلب سے باتیں کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ :-

”ہماری کتابوں میں ایک ایسے نبی کی علامتیں ہیں جو اسماعیلؑ کی ولادت میں ہونا باقی ہے۔ یہ شہر اس کی جائے پیدائش ہو گا اور اس کی یہ یہ نشانیاں ہوں گی۔ اسی وقت کوئی رسول اللہ ﷺ کو لے کر وہاں آگیا۔ پادری کی نظر آپ پر پڑی تو اس نے فوراً آپ کی آنکھوں اور پیٹھ (جہاں مہربوت تھی) اور پیروں کو دیکھ (یعنی جن جگہوں پر علامتیں پائی جانے کی متعلق وہ جانتا تھا) اور پھر ایک دم بول اٹھا۔
”وہ نبی کی ہے۔ یہ تمہارے کیا ہوتے ہیں؟“

عبدالطلب نے کہا کہ میرا بیٹا ہے۔

اسقف اعظم نے کہا۔

”مگر ہم اپنی کتابوں میں تو یہ لکھلاتے ہیں کہ اس نبی کا باپ زندہ نہیں ہو گا!“

تب عبدالطلب نے کہا۔

”یہ میرا پوتا ہے۔ اس کے والد کا اس وقت ہی انتقال ہو گیا تھا جب یہ بچہ ماں کے پیٹ میں تھا۔“

اسقف نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو۔

پھر عبدالطلب نے اپنے بیٹوں سے کہا۔

”اپنے بچپن کی پوری طرح حفاظت کرو کیونکہ تم نے سن ہی لیا ہے کہ اس کے متعلق کیا کہا جا رہا ہے۔“

ام ایمن سے روایت ہے کہ :-

”جس زمانے میں نبی کریم ﷺ کی میں پرورش اور دیکھ بھال کرتی تھی تو ایک دن آپ کی طرف سے غافل ہو گئی۔ مجھے اس وقت پتہ نہیں تھا کہ آپ کہاں ہیں کہ اچانک عبدالطلب وہاں پہنچ گئے اور کہنے لگے۔

اے برکہ امیں نے کہا حاضر ہوں۔ پھر وہ بولے

”جہیں معلوم ہے مجھے میرا بیٹا کہاں ملا۔“

میں نے کہا مجھے نہیں معلوم کہنے لگے۔

میں نے اس کو بچوں کے ساتھ اس درخت کے پاس پلایا۔ تم میرے بیٹے کی طرف سے اس طرح غافل مت ہو کرو۔ اس لئے کہ ہل کتاب کہتے ہیں یعنی یہودی اور عیسائی جن میں سے ایک سیف ابن ذی یزن بھی تھا جیسا آگے اس کا واقعہ آئے گا کہ یہ اس امت کا نبی ہو گا۔ اب مجھے ان کی طرف سے اس کے متعلق اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔“

(اسی طرح عبدالطلب کی آنحضرت ﷺ سے محبت کا یہ حال تھا کہ وہ جب بھی کھانا کھانے بیٹھتے تو کہتے کہ میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ۔ جب بھی کھانا آتا تو عبدالطلب آنحضرت ﷺ کو ہمیشہ اپنے برابر میں یا اکثر اپنی گود میں بٹھالیا کرتے اور سب سے اچھا کھانا آنحضرت ﷺ کو دیتے تھے۔

اسی طرح ایک شخص سے روایت ہے یہ شخص حیدہ ابن معلویہ عامری ہے۔ یہ بہت زیادہ عمر والے لوگوں میں سے ہوئے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ (یہ اسی عمر والے تھے کہ) جب ان کی وفات ہوئی تو یہ ایک ہزار نو سو دو سو عورتوں کے چچا تھے۔ غرض ان سے روایت ہے کہ :-

”ایک مرتبہ جاہلیت کے زمانے میں میں حج کے لئے مکہ گیا وہاں میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ میں نے ایک ایسے شخص کو..... ایک روایت میں ہے کہ ایسے بوڑھے کو دیکھا جو بت لے قد کا تھا وہ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا:-

يَا رَبِّ رَدِّا كِسِي مُحَمَّدًا
ارِدوہ دہی واصطنع عطی یدنا

ترجمہ: اے میرے پروردگار میری سواری کو محمد ﷺ طرف پھیر دے اور اسے میرا دست دہاڑ دے۔

تھوڑے فرق سے یہی شعر اس واقعہ میں بھی گزرا ہے جس میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ولایہ حلبہ کے پاس سے اس وقت راہ میں گم ہو گئے تھے جبکہ وہ آپ کو لے کر کے آ رہی تھیں پھر جب انہوں نے مکہ آکر عبدالمطلب کو آپ کی گمشدگی کے متعلق بتلایا تو انہوں نے در قد این فوکل کو آپ کی تلاش میں بھیجا اور خود بیت اللہ میں آکر یہ شعر پڑھنے لگے۔ اس جگہ شعر میں تھوڑا سا فرق ہے جو موقعہ کے مطابق ہے یہ واقعہ گزر چکا ہے۔

(غرض حیدہ ابن محادیہ کہتے ہیں کہ جب میں نے اس بوڑھے شخص کو یہ شعر پڑھتے دیکھا تو) میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے لوگوں نے کہا۔ ”یہ عبدالمطلب ابن ہاشم ہیں۔ انہوں نے اپنے پوتے کو اپنے ایک لونٹ کی تلاش میں بھیجا ہے جو گم ہو گیا ہے (اور ان کا وہ پوتا ایسا ہے کہ) جب بھی اسے کسی چیز کے لئے بھیجا جاتا ہے تو وہ اسے لے کر ہی آتا ہے۔“

(قال) ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ”یہ قریشی سردار عبدالمطلب ہیں۔ ان کے پاس بت سے لونٹ ہیں اگر ان میں سے کوئی گم ہو جاتا ہے تو اس کی تلاش میں یہ اپنے بیٹوں کو بھیجتے ہیں۔ اگر ان کو نہ ملے تو پھر یہ اپنے پوتے کو بھیجتے ہیں اپنے اس پوتے کو یہ جس کام اور مقصد کے لئے بھی بھیجتے ہیں وہ اس میں ضرور کامیاب ہوتا ہے۔ اب انہوں نے اس کو ایک ایسے کام کے لئے بھیجا ہے جس میں ان کے بیٹے نام کام ہو گئے ہیں۔ اب اس کو گئے ہوئے دیر ہو گئی ہے۔“ (اس لئے عبدالمطلب پریشان ہو کر یہ دعا مانگ رہے ہیں)۔

روای کہتے ہیں کہ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ میں نے دیکھا آنحضرت ﷺ لونٹ کو لے کر تشریف لا رہے ہیں۔ عبدالمطلب نے آپ کو دیکھ کر کہا۔

”میرے بیٹے! میں تمہارے طرف سے اتنا فکر مند اور غمگین ہو گیا تھا کہ شاید اس کا اثر میرے دل سے بھی نہ جائے۔“

اس سلسلے میں بعض مفسرین کی جو رائے گزر چکی ہے اس کو یہاں دوبارہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں

ہے۔

(یعنی پچھلے صفحات میں گزرا ہے کہ بعض مفسرین نے آیت وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ مراد ہے آنحضرت ﷺ کا ولایہ حلبہ کے پاس سے گم ہو جانا اور یہ شعر بھی تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس واقعہ میں گزرا ہے)۔

قطب سالی کے وقت آنحضرت ﷺ کی برکات..... رقیقہ بنت ابوسفنی عبدالمطلب کی بیوی تھیں۔

ابو سجد نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مسلمان تھیں اور ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں۔
اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: مگر ابو نعیم کہتے ہیں کہ میری رائے میں ان کو اسلام کا زمانہ نہیں ملا اور ابن
حبان یہ کہتے ہیں کہ وہ صحابیہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

ان رقیقہ سے روایت ہے کہ:-
قریش پر مسلسل کئی سال بڑے سخت قحط اور خشک سالی کے گزرے یہاں تک کہ مال و متاع بھی ختم
ہو گیا اور جانوں پر بن گئی۔ کئی ہیں کہ میں نے اسی زمانے میں خواب میں ایک شخص کو کتے سنا
”اے گروہ قریش! تم میں سے جو نبی ظاہر ہونے والا ہے اس کے ظہور کا وقت آگیا ہے، اس کے ذریعہ
تمہیں زندگی یعنی خوب بادش اور سرسبزی و شادابی برسر ہوگی۔ تم اپنے معزز کوگوں میں سے ایک ایسا آدمی تلاش
کرو جو بڑے ذیل و ذول کا ہو، گورے رنگ کا ہو اور جس کی بھنویں یعنی ابرو بڑے ہوئے ہوں، جس کی پلکیں لانی
ہوں، پتے رخسار ہوں ستواں ناک ہو یہ بھی لفظ ہیں کہ ناک کا بانہ پتلا ہو وہ اپنی تمام لولاد کے ساتھ نکلے اور تم
میں سے ہر خاندان کا ایک آدمی نکلے، سب پاک صاف ہوں اور خوشبو لگائیں اور رکن کو پوسہ دیں۔ پھر سب
جبل ابو قیس نامی پہاڑ پر چڑھیں پھر وہ شخص (جس کی علامتیں اور صفات بیان کی گئی ہیں) آگے بڑھے اور پانی کی
دعائیں لگے اور تم سب آئیں کہو تو تمہیں سیراب کر دیا جائے گا۔“

صبح ہوئی تو رقیقہ نے اپنا یہ خواب قریش سے بیان کیا۔ (جب انہوں نے ان نشانوں کو تلاش کیا تو کبھی
سب نشانیں اور صفات انہیں عبدالمطلب میں مل گئیں، چنانچہ سب ان کے پاس جمع ہو گئے اور ہر خاندان سے
ایک ایک آدمی کیا۔ پھر انہوں نے وہ سب شرطیں پوری کیں جو رقیقہ نے ان کو بتلائی تھیں اور اس کے بعد یہ
سب ابو قیس پہاڑ پر چڑھ گئے ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ بھی تھے جو اس وقت نو عمر تھے۔ پھر عبدالمطلب آگے
بڑھے اور انہوں نے دعا۔

”اے اللہ! یہ سب تیرے قلام اور تیرے قلاموں کی لولاد ہیں، اور تیری باندیاں اور تیری باندیوں کی
لولاد ہیں ہم پر جو وقت پڑا ہے وہ تو دیکھ رہا ہے۔ ہم سلسل قحط سالی کا شکار ہیں اب لوٹ، گائیں، ٹھوڑے، ٹھیر اور
گدھے سب کچھ ختم ہو چکے ہیں اور جانوں پر بن آئی ہے۔ اس لئے ہماری یہ خشک سالی ختم فرمادے اور ہمیں
زندگی اور سرسبزی و شادابی عطا فرمادے۔“

”ابھی وہ یہ دعائیں کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ (بادش ہو گئی اور کوئیاں پانی سے بھر گئیں۔“

(قال) ایک دوسری روایت میں رقیقہ سے یہ روایت ہے کہ:-

”قریش پر مسلسل کئی سال ایسی خشک سالی اور سختی کے گزرے کہ بڑی سے چڑا لگ گیا۔ اسی زمانے
میں ایک رات جبکہ میں نیم خودگی اور نیم بیداری کی حالت میں تھی میں نے ایک ایسے پکارنے والے کی آواز سنی
جو نظر نہیں آتا تھا وہ بڑی کرخت اور گرجدار آواز میں کہہ رہا تھا۔

”اے گروہ قریش! یہ جو نبی تمہاری ظاہر ہونے والا ہے اس کے ظہور کے دن قریب آگئے اور
اب وہ ظاہر ہی ہوا چاہتا ہے اور تمہارے لئے زندگی اور شادابی کا مشورہ لے کر آئے گا۔ پس سنو اپنے معزز لوگوں
میں سے ایک ایسا آدمی تلاش کرو جو بڑے ذیل و ذول کا اور گورے رنگ کا اور پتلا ہو، لانی پلکیں والا ہو اور ہلکے رخساروں والا
ہو، لوہی ناک والا ہو، ایسے مرتبہ والا ہو کہ اس کے سامنے کوئی دم نہ مارتا ہو اور ایسے طریقوں والا ہو کہ ان پر

عمل کیا جاتا ہو، وہ اپنے بیٹوں اور پوتوں سب کے ساتھ نکلے اور ہر خاندان کا ایک ایک آدمی اس کے ساتھ آئے وہ سب غسل کریں اور خوشبو لگائیں پھر سب رکن کو بوسہ دیں اور بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کریں۔ اس کے بعد ابونیس نامی پہاڑ پر چڑھیں۔ وہاں وہ شخص پانی کے لئے دعائے اور سب لوگ آمین کہیں جو پاک صاف ہوں۔ پس تمہاری جیسا کہ تم چاہتے ہو مدد کی جائے گی۔“

رہنمہ کہتی ہیں کہ صبح کو میں اٹھی تو بہت گھبراہٹ ہوئی تھی میرا بدن کانپ رہا تھا اور میرے حواس بجانہ تھے، میں نے یہ خواب بیان کیا تو ایک دم سارے کے کی گھاٹیوں میں اس کا چرچا ہو گیا اور ہر شخص کی زبان پر تھا کہ وہ شخص شیعہ احمد یعنی عبدالمطلب ہیں۔ قریش کے لوگ ان کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور ہر خاندان کا ایک ایک آدمی ان کے پاس پہنچ گیا، پھر ان لوگوں نے غسل کیا، خوشبو لگائی اور رکن کو بوسہ دے کر طواف کیا، پھر سب لوگ ابونیس پہاڑ پر چڑھے جہاں قوم کے لوگ ایک دوسرے کو پیچھے ہٹاتے ہوئے عبدالمطلب کے قریب چاروں طرف سے جمع ہو گئے اس وقت رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ تھے۔ جب عبدالمطلب نے کہا شروع کیا۔ ”اے اللہ! تو میری قوم کو دور کرنے والا اور پریشانوں کو ہٹانے والا ہے، تو سب کچھ جاننے والا ہے اور تجھے کسی بتلانے والے کی ضرورت نہیں ہے، تو بغیر بگل کے بخشش کرنے والا ہے۔ یہ میرے حرم کے قلام اور باندیاں ہیں جو تجھ سے اس خطا سالی کی فریاد کرتے ہیں جس نے ان کے لونٹوں اور گایوں کو خشک کر دیا۔ پس اے اللہ! ان کو جلد باران رحمت عطا فرما۔“

لوگ یہ دعا مانگ کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ اچانک آسمان سے پانی پھٹ پڑا اور دلیاں بھر گئیں۔ پھر میں نے قریشی بزرگوں کو عبدالمطلب سے یہ کہتے سنا۔

”اے ابواسطخا! یعنی ولوی بطناء کے سردار! مبارک ہو تمہارے ذریعہ بطناء کے لوگوں نے زندگی پائی۔“

(ی) بظاہر یہ واقعہ ایک ہی ہے (لیکن روایتوں میں تھوڑا سا فرق ہے) اس لئے ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کے لئے غور کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ روایتوں کا یہ اختلاف روایوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے کہ ان میں سے کسی روایت کے اصل الفاظ نقل کرنے کے بجائے اس کے مفہوم اور مقصد کو اپنے لفظوں میں بیان کر دیا (جبکہ دوسرے روایتی نے اصل الفاظ کے ساتھ روایت کی جس کی وجہ سے دونوں میں فرق پیدا ہو گیا۔ البتہ یہ کتنا مشکل ہے کہ کون سی روایت اصل الفاظ کے ساتھ ہے۔)

عبدالمطلب کے ذریعہ لوگوں کی سیرابی جو درحقیقت آنحضرت ﷺ کی برکت سے حاصل ہوئی اس کا رہنمہ نے ان شعروں میں ذکر کیا ہے۔

بَشِيرَةٌ بِالْحَمْدِ اسْتَفَى اللَّهُ بَلَدَنَا
وَقَدْ عَلِمْنَا الْحَيَا وَاجْلَوْ قَلَمَطُر

ترجمہ: ہمد یعنی عبدالمطلب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے شہر کو سیرابی عطا فرمائی جبکہ ہم

مدتوں سے بارش اور سرسبزی کو ترس رہے تھے۔

لَبِجَا دِبَالَمَاءِ جَوْنِي لَهُ سَبَلٌ دَانَ
فَعَلَحَتْ بِهِ الْإِنْعَامُ وَالشَّجَرُ

ترجمہ: پس اس نے اپنے خزانوں سے ایسی زیروست بادش عطا فرمائی کہ اس سے جانوروں اور درختوں کو بھی زندگی مل گئی۔

مِنَّا مِنَ اللَّهِ بِالْعَمَلِ طَوَّارَةً
وَحَيَاتٍ مِنْ بَشَرٍ يَوْمًا بِهِ مَضْرُوبَةٌ

ترجمہ: اس کی خوش بختی خدا کی طرف سے اس پر ایک احسان ہے اور اسی بہترین انسان کے ساتھ قبیلہ بنی معصر کو خوشخبری دی گئی (جس کا واقعہ آگے آرہا ہے)

مَبَارَكُ الْإِسْمِ يَسْتَسْقَى الْغَنَمُ بِهِ
مَالِي الْإِنْتَامِ لَهُ عَدْلٌ وَلَا خَطَرٌ

اس کے مبارک نام کے ساتھ بادلوں سے پانی مانگا گیا..... اور پودوں کا نباتات جس کا کوئی مثل اور مشابہ نہیں ہے۔

(ی) قریش کو یہ سیرابی حاصل ہو گئی مگر یہ بادش قبیلہ قیس اور قبیلہ معصر کی قریبی بستیوں میں نہیں ہوئی (چنانچہ جب ان کو مکہ کے اس واقعے اور عجوبے کا پتہ چلا تو ان قبیلوں کے سب سردار جمع ہوئے اور کہنے لگے۔

”ہم اس زیروست قطہ اور خشک سالی کا شکار ہیں مگر اللہ نے قریش کو عبدالمطلب کے ذریعہ سیرابی عطا فرمادی ہے اس لئے سب ان کے پاس چلو شاید وہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں بھی دعا کریں۔“

چنانچہ وہ لوگ مکہ آکر عبدالمطلب کے پاس پہنچے اور سلام کیا۔ عبدالمطلب نے ان کو دعا دی کہ یہ چہرے ہمیشہ خوش رہیں۔ اس پر ان کا مقرر کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

”ہم کئی سال سے قطہ اور خشک سالی کا شکار ہیں آپ کی برکت کے متعلق ہمیں معلوم ہوا ہے اور بالکل صحیح معلوم ہوا اس لئے آپ ہمارے لئے بھی اسی سے مہربانی مانگئے جس نے آپ کی دعا قبول کی تھی اور بادلوں کو آپ کے لئے برسا دیا تھا۔“

عبدالمطلب نے کہا۔

”میں کل عرفات کے میدان میں آپ کے لئے دعا کروں گا۔“

صبح کو عبدالمطلب مقررہ جگہ کے لئے روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ دوسرے لوگوں کے علاوہ ان کے بیٹے اور رسول اللہ بھی تھے (عرفات میں) عبدالمطلب کے لئے ایک کرسی بچائی گئی جس پر وہ بیٹھ گئے اور آنحضرت ﷺ کو انہوں نے اپنی گود میں بٹھالیا۔ پھر عبدالمطلب کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کرنے لگے۔

”اے اللہ! چمکنے والی بجلی کے پروردگار اور کڑکنے والی گرج کے مالک پہلنے والوں کے پالنے والے اور مشکلات کو آسان کرنے والے ایہ قبیلہ قیس اور قبیلہ معصر کے آدمی ہیں جو بہترین لوگ ہیں، ان کے دماغ پر آئندہ ہو گئے اور کریں جھک گئیں یہ تجھ سے اپنی لاپرواہی اور بے کسی کی فریاد کرتے ہیں اور جان و مال کی بربادی کی شکایت کرتے ہیں۔ پس اے اللہ! ان کے لئے خوب برسنے والے بادل بھیج دے اور آسمان سے ان کے لئے رحمت عطا فرماتا کہ ان کی زمینیں سرسبز ہو جائیں اور ان کی تکلیفیں دور ہو جائیں۔“

عبدالمطلب نے ابھی اپنی دعا پوری نہیں کی تھی کہ ایک سیاہ اور پانی سے بھری ہوئی بدلی اٹھی اور

عبدالطلب کی طرف آئی اور اس کے بعد قبیلہ قیس اور قبیلہ بنی معصر کی بستیوں کی طرف اس کا رخ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر عبدالطلب نے کہا۔
”اے گروہ قیس و معصر! جاؤ تمہیں سیرابی حاصل ہو گئی۔“

چنانچہ وہ لوگ اسی وقت واپس ہو گئے اور اس طرح سیراب ہوئے۔
زمانہ جاہلیت میں بارش مانگنے کا طریقہ..... بعض موثر نصیحتیں نے لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں پانی کی دعا مانگنے کا عربوں میں عام طریقہ یہ تھا کہ اگر قحط سالی ہوتی تو وہ تین مخصوص وہ ختوں کی لکڑیاں لیتے ان میں سے ایک درخت کا نام سلح ہے (جو ایک کڑو اور سخت ہوتا ہے) دوسرے کا عشر اور تیسرے کا شبرق ہے وہ ان کی لکڑیوں کا ایک گٹھر بناتے اور اس کو ایک مضبوط تیل کی کمر پر باندھ دیتے پھر اس گٹھر میں آگ لگا کر تیل کو چھوڑ دیتے جب تیل کو گرمی پہنچتی تو وہ بھاگتا یہاں تک کہ وہ لکڑیاں جل کر ختم ہو جاتیں اور ساتھ ہی تیل بھی ہلاک ہو جاتا۔ اس طرح وہ سیرابی مانگتے تھے۔
کتب حیات النبی ان میں ہے کہ:-

جب عرب اپنے لئے پانی کی دعا مانگتے تو لکڑیوں کی دموں میں آگ لگا کر چھوڑ دیتے اور اس سے بارش ہو جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے ان پر رحم فرما دیتا تھا (مگر یہ بات صحیح نہیں کہ ان کے اس ظالمانہ طریقے کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا تھا بلکہ زمانہ جاہلیت کے لوگوں میں جو مختلف یہودہ طریقے تھے یہ بھی ان ہی میں سے ایک تھا جن کی کوئی تاثیر نہیں تھی بلکہ بارش تو اپنے وقت پر ہی ہوتی تھی لیکن اگر اس رسم کے بعد اتفاقاً بارش ہو گئی تو وہ یہ سمجھتے کہ یہ اسی عمل کی برکت ہے۔
آشوب چشم کا واقعہ..... (قال) ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ:-

آنحضرت ﷺ جب سات سال کے ہوئے تو آپ کو بہت سخت قسم کا آشوب چشم ہوا یعنی آنکھیں دکھنے آگئیں۔ مکہ میں آپ کا علاج کیا گیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ عبدالطلب سے کسی نے کہا کہ عکاظ کے علاقے میں ایک راہب ہے جو آنکھوں کی تکلیف کا علاج کرتا ہے۔ عبدالطلب آنحضرت ﷺ کو لے کر وہاں گئے۔ اس کی عبادت گاہ کا دروازہ بند تھا اس لئے عبدالطلب نے اس راہب کو آواز دی مگر راہب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اچانک عبادت گاہ میں شدید زلزلہ آیا اور راہب کو یہ ڈر ہوا کہ کہیں عمارت اس پر ہی نہ گر جائے۔ اس لئے ایک دم باہر نکل آیا اور اس نے عبدالطلب سے کہا (جنہیں عالمبہ پہچانتا تھا)

”اے عبدالطلب! یہ لڑکا اس امت کا نبی ہے۔ اگر میں باہر نہ نکل آتا تو یہ عبادت گاہ یقیناً میرے لو پر گر پڑتی اس لڑکے کو لے کر فوراً لوٹ جاؤ اور اس کی حفاظت کرو کہ کہیں اہل کتاب (یعنی یہودیوں اور عیسائیوں) میں سے کوئی اسے قتل نہ کر دے۔“

اس کے بعد اس نے آپ کی آنکھوں کا علاج کیا اور کچھ دوا ساتھ کر دی۔
مگر ایک کتاب ہے جس کا نام حُورِیْمُ الشَّعْمَاءِ وَ نَدَبِیْمُ الْکُومَاءِ ہے میں نے اس میں یہ واقعہ اس طرح دیکھا

ہے کہ

”جب رسول اللہ ﷺ چھوٹے ہی تھے کہ آپ کو آشوب چشم کی تکلیف ہو گئی اور کئی دن تک آپ کو تکلیف رہی۔ کسی نے عبدالطلب سے کہا کہ مکے اور مدینے کے بیچ میں ایک راہب ہے جو آشوب چشم کا علاج کرتا

ہے اس کے ہاتھوں ایک مخلوق شفاء حاصل کر چکی ہے۔“

عبدالطلب یہ سن کر آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر اس راہب کے پاس گئے جیسے عبدالراہب نے آپ کو دیکھا وہ فوراً عبادت خانے میں گیا اور نناد و حو کر کپڑے بدلے اور پھر ایک صحیفہ یعنی کتب نکال کر لایا۔ پھر کبھی وہ اس کتاب میں کچھ دیکھتا اور پھر آنحضرت ﷺ کی طرف دیکھتا۔ آخر اس نے کہا:-

”یہ خدا کی قسم خاتم النبیین ہیں۔“

پھر اس نے عبدالطلب سے کہا

”مے عبدالطلب اکیا نہیں آشوب چشم ہو گیا ہے؟“

”عبدالطلب نے کہا۔ ”ہاں۔“

اس نے کہا

”اس کی دوا تو خود ان کے پاس ہی موجود ہے۔ اے عبدالطلب ان کا علاج دہن لولہ اور انکی آنکھوں پر لگا

دو۔“

عبدالطلب نے ایسا ہی کیا کہ آپ کا علاج دہن لے کر آپ کی آنکھوں پر لگا دیا۔ آپ کی آنکھیں اسی

وقت ٹھیک ہو گئیں۔ پھر راہب نے کہا

”اے عبدالطلب خدا کی قسم میں وہ انسان ہے کہ جس کے نام پر میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں تو

بہاروں کو شفاء ہو جاتی ہے اور آشوب چشم ٹھیک ہو جاتا ہے۔

روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے کیوں کہ واقعہ کا علقہ ہونا سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے واللہ

اعلم۔

باب نہم (۹)

عبد المطلب کی وفات اور ابو طالب کی کفالت

جب آخضرؑ کی عمر ہدک آٹھ سال کی ہوئی تو عبد المطلب کا انتقال ہو گیا (دو ماہ باپ کے بعد چاہنے والے دلو کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا) دوا کے انتقال کے وقت آپ کی عمر کے پدے میں بت سے قول ہیں مگر مشہور قول یہی ہے کہ آپ اس وقت آٹھ سال کے تھے۔ آگے آنے والی ایک روایت سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔

انتقال کے وقت عبد المطلب کی عمر پانچوے (۹۵) سال کی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر تھی اور یہ بھی روایت ہے کہ ایک سو چالیس سال کی تھی مگر ایک سو چالیس سال کی عمر کا قول کمزور ہے اور شاید اسی وجہ سے علامہ ابنی جو زی نے عبد المطلب کو ان لوگوں میں شمار نہیں کیا جن کی عمریں بت زیادہ ہوئی ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ عبد المطلب کی عمر پانچوے (۹۲) سال ہوئی۔ مگر یہ صرف حافظہ و سماعی کا قول ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک سو چوبیس سال ہوئی۔

ایک دفعہ کسی نے آخضرؑ سے دریافت کیا۔

”یہ رسول اللہ کیا آپ کو عبد المطلب کی وفات یاد ہے؟“

آپؐ نے فرمایا

”ہاں اس وقت میں آٹھ سال کا تھا۔“

ہم ایمین بیان کرتے ہیں کہ جب عبد المطلب کا انتقال ہوا تو آخضرؑ کے چچ کے چچے کے گھر سے دوڑے دوڑے تھے اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ عبد المطلب کو حنان کے مقام پیران کے دلو قصی کے پاس دفن کیا گیا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔

”میرے دلو! عبدالمطلب کو بلا شاہوں اور معزز لوگوں کی پوشاک میں اٹھایا جائے گا۔“

جب عبدالمطلب کا وقت آخر ہو گیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو آپ کے بچے کو ابوطالب کے سپرد کیا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ابوطالب بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنے باپ عبدالمطلب کی طرح جاہلیت کے زمانے میں بھی شراب کو اپنے نو پر حرام کر رکھا تھا۔ (ابوطالب ان کا لقب تھا۔ جہاں تک ان کے نام کا تعلق ہے اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ اس ان کا نام عبد مناف تھا۔ شیعہ حضرات کا ایک غلط دعویٰ..... شیعوں کا دعویٰ یہ ہے کہ ”ابوطالب کا نام عمران تھا اور قرآن پاک کی اس آیت میں :-

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَابْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۚ لَئِيْلَآءِ

ترجمہ :- بے شک اللہ تعالیٰ نے (نبوت کے لئے) منتخب فرمایا ہے حضرت آدم کو اور حضرت نوح کو اور حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے بعضوں کو اور عمران کی اولاد میں سے بعضوں کو تمام جہاں پر۔

عمران سے مولو ابوطالب ہی ہیں (کیونکہ وہ حضرت علیؑ کے والد ہیں)۔ حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ یہاں شیعوں نے ایک بہت بڑی اور زبردست غلطی کی ہے۔ انہوں نے اس قسم کا بہتان اٹھانے سے پہلے اس آیت پاک پر غور ہی نہیں کیا۔ کیونکہ اس آیت کے بعد ہی اللہ تعالیٰ فرمایا ہے۔

وَاللَّهُ اصْطَفَىٰ إِبْرَاهِيمَ إِسْمَاعِيلَ وَنُوحًا وَإِسْمَاعِيلَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۚ لَئِيْلَآءِ

ترجمہ :- جبکہ عمران (پدر مریم) کی بی بی نے (حالت حمل میں) پھر بھی کیا کہ اسے پروردگار میں نے برگزینی ہے۔ آپ کے لئے اس بچے کی جو جہر سے پاکیت میں ہے کہ وہ اکوڑ کھا جائے گا۔

(نو پر کی آیت میں عمران سے مراد موسیٰ کے والد ہیں ان کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے جن کو نبوت کے لئے منتخب فرمایا ان میں اوطا اور خود حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون ہیں اور پھر اگلی آیتوں میں جاکر حضرت مریم کی نبیت نے حضرت عیسیٰؑ میں اس لئے اس آیت میں پاتو حضرت موسیٰؑ اور یونسؑ اور یحییٰؑ عیسیٰؑ مریمؑ ابوطالب اور ان کی اولاد کے مراد ہونے کا دعویٰ بالکل غلط ہے جیسا کہ اگلی آیت سے صاف ظاہر ہے جس میں عمران کی بیوی یعنی حضرت مریم کی والدہ کے ذمہ مانے کا ذکر ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل بیان القرآن میں ان ہی آیتوں کے تحت دیکھی جاسکتی ہے)۔

جب عبدالمطلب نے اپنے آخر وقت میں آنحضرت ﷺ کو ابوطالب کے سپرد کر دیا تو وہ آپ ﷺ سے اتنی محبت کرنے لگے کہ اپنے بیٹوں میں سے بھی کسی سے نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ سوتے تھے تب بھی آنحضرت ﷺ کو اپنے برابر لٹایا کرتے تھے جو بحرین کھاتا ہوا تھا وہ آنحضرت ﷺ کو کھلایا کرتے تھے۔

(ی) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کو ابوطالب کے سپرد نہیں کیا تھا بلکہ ان کے انتقال کے بعد ابوطالب نے خود انہیں آپ ﷺ کے چچا تھے آپس میں قرعہ ڈالا کہ آنحضرت ﷺ کی کفالت کا ذمہ کون لے گا۔ کون ذمہ دہ ہو گا۔ چنانچہ قرعہ ابوطالب کے نام پر نکلا (اور وہ آنحضرت ﷺ کے کفیل ہوئے)۔

اسی طرح یہ بھی کہا جاتا تھا کہ جب کہ آنحضرت ﷺ اپنے لئے ابوطالب کی غیر معمولی شفقت اور محبت

دیکھتے تھے اس لئے عبدالمطلب کی وفات سے پہلے خود آپ ﷺ نے ہی ابوالمطلب کے پاس رہنا پسند فرمایا تھا۔ مگر آگے بیان آئے گا کہ ابوالمطلب کے ساتھ زبیر بھی آپ کی نگرانی اور کفالت میں شریک تھے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد زبیر ہی آپ ﷺ کے کفیل ہوئے تھے۔ پھر ان کے انتقال کے بعد آپ کو ابوالمطلب نے اپنی تربیت و نگرانی میں لے لیا۔

کتاب اسد الغابہ میں ہے کہ اس قرعہ اندازی کے سلسلے میں جسی کالو پو ذکر ہوا یہ کہنا کہ زبیر طف فضول کے وقت زندہ تھے جبکہ آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک میں سال سے کچھ زائد ہو چکی تھی۔ یہ فطرتی قول ہے۔

خود یہ قول بھی کمال غور ہے کہ طف فضول کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک میں سال سے زائد تھی کیونکہ آگے بیان ہو گا کہ اس وقت آپ کی عمر چودہ سال تھی۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ :-

”جب عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت ﷺ اپنے دونوں گئے چچوں زبیر اور ابوالمطلب کی سرپرستی میں آگئے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ کی عمر چودہ سال کی ہوئی تو زبیر کا انتقال ہو گیا اور ابوالمطلب آپ کے تمام کفیل ہو گئے۔“

”جہاں تک آنحضرت ﷺ کے والد اور والدہ کے انتقال کے بعد عبدالمطلب اور ان کے بعد ابوالمطلب کے آنحضرت ﷺ کی کفالت کرنے کا تعلق ہے اس کے حلقہ قدیم کتابوں میں ذکر ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہو گی کہ بچپن میں آپ کے والد اور والدہ کا انتقال ہو جائے گا اور پہلے آپ کے دوا آپ کے کفیل ہوں گے اور پھر ان کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کے چچا کفیل ہوں گے جیسا کہ پچھلے صفحات میں بعض ایسی روایتیں بھی گزری ہیں۔“

چنانچہ سیف ابن ذی یزن جس کا واقعہ آگے آ رہا ہے اس کی پیشین گوئی میں ہے (جو قدیم کتابی کتابوں کی بنیاد پر ہے کہ اس نبی آخر الزماں کے والد اور والدہ کا اس کے بچپن میں ہی انتقال ہو چکا ہو گا اور پہلے اس نبی کی کفالت اس کے دوا کریں گے اور پھر ان کے انتقال کے بعد اس کے چچا کفیل بنیں گے۔

عبدالمطلب کی اپنے مرثیے سننے کی فرمائش..... (ی) سیرت امین و امام امین و صحابی کی روایت ہے کہ :-

”جب عبدالمطلب کا وقت آخر ہو اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب موت سر پر آ چکی ہے تو انہوں نے اپنی تمام بیٹیوں کو جمع کیا یہ سب ملا کر کل چھ عورتیں تھیں جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) صفیہ جو حضرت زہرا ام البنی السوام کی والدہ تھیں۔ (۲) زہرا۔ (۳) عاتکہ۔ (۴) ام حکیم بیضاء جو حضرت عثمان غنی کی دلدی تھیں۔ (۵) امیرہ اور (۶) لردی۔“

جب یہ سب ہمیں جمع ہو گئیں تو عبدالمطلب نے ان سے کہا
”تم سب مجھ پر روتا کہ میں مرنے سے پہلے بن سکوں کہ تم کس طرح میرا مسم کرو گی۔“

اسطے فضول فریض کا وہ معاہدہ ہے جو حرب بن ابی سفیان کے بعد ہوا۔ یہ معاہدہ عبداللہ ابن جدعان بھی کے مکان میں ہوا تھا۔ حرب بن ابی سفیان کے فضول کی تفصیلات اگلے صفحات میں آ رہی ہیں۔ حرب

چنانچہ ان میں سے ہر ایک نے عبد المطلب کی تعریف میں شعر پڑھے یہ شعر سیرت ابن رشاد میں ذکر ہیں۔

جب عبد المطلب یہ شعر سن چکے تو انہوں نے (اپنی پسندیدگی کے اظہار کے لئے شعر کے اشارہ سے کہا کہ ہاں اسی طرح میرا نام کرنا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے جب اس شعر کے شعر سنے جب یہ اشارہ کیا تھا اس شعر میں سے کچھ یہ ہیں۔

اعلیٰ جوداً بدیعاً جوداً
علیٰ ماجد العظیم والمحب

ترجمہ :- میری آنکھیں موتیوں کے جیسے آنسو برسا رہی ہیں اس شخص پر جو بہترین صفات اور بھلائیوں سے مالا مال۔

علیٰ العظیم العظیم العظیم
جلیل المحسن العظیم العظیم

ترجمہ :- اور ہمیشہ کامیاب و کامیاب اور بڑا اور بڑا انسان تھا۔

علیٰ شہید الحمد ذی المکرمات
وفی المعجز والفرد المعجز

ترجمہ :- اس شہید الحمد جو بڑی خوبیوں، بڑی عظمت اور بڑی آن میں والا تھا۔

وفی العظیم والفرد العظیم
کثیراً المعجز والفرد المعجز

جو بڑا باروت اور بہت لوہی عظمت کا مالک تھا اور بے شمار قابل فخر خصوصیتوں کا نشانہ تھا۔

لہ فضل المعجز المعجز
مبین یلوح المعجز المعجز

جو اپنی قوم میں بڑے زبردست مرتبے اور عزت والا تھا اور جس کی عظمت کا ستارہ چاندنی کی طرح روشن تھا۔

ابن رشاد کہتے ہیں کہ میں نے شعر جاننے والوں میں سے کسی کو بھی ایسا نہیں پایا جو ان شعروں کو جانتا ہو ہاں ابن اسحاق نے جب ابن مسیب کی روایت میں یہ شعر دیکھے تو ان کو لکھ لیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جیسا عبد المطلب کی وفات کے بعد ان کا نام کیا گیا ایسی کسی شخص کا نام نہیں کیا گیا۔ عبد المطلب کے انتقال پر کے میں کئی دن تک ہاڑ بندا رہا (اور اس طرح قریش اپنے سردار کی موت پر ماتم کرتے رہے)۔

سیف ابن ذی یزن کی پیشین گوئی..... ابو نعیم اور بھی روایت کرتے ہیں کہ :-

جب سیف ابن ذی یزن حمیری عجمیوں پر غالب ہوا یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے دو سال بعد کا ہے۔ تو اس کے پاس عرب کے بہت سے وفد مہاجرین کے لئے پہنچے جن میں عرب کے معزز لوگ اور شاعر بھی شامل تھے (یہ لوگ حبشہ کے بادشاہوں کی شکست اور سیف کی حکمرانی قائم ہوتے پر مہاجرین کے لئے پہنچے تھے۔ حمیرین کا قبیلہ تھا اور سیف ابن ذی یزن کے باپ دوا اس ملک پر حکومت کرتے تھے اس پر حمیرین نے حملہ کر کے قبضہ کر لیا تھا اور عجمیوں نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ یمن ستر سال تک عجمیوں کے

قبضے میں رہا۔ اس کے بعد سیف ابن یزن (کازمانہ آیاتویہ) چابک اٹھاور اس نے (علاقہ کے ذریعہ) اپنے وطن کو حبشیوں کے قبضے سے نکال لیا اور اپنے باپ دوا کی طرح دوبارہ اس کی حکومت حاصل کر لی۔ (چونکہ یمن عرب کا علاقہ تھا اس لئے اس پر حبشیوں کے قبضے سے قدرتی طور پر عربوں کو انوس تھا اور جب سیف نے اپنے ملک کو قدامی سے نکال لیا تو فطری طور پر عربوں کو خوشی ہوئی) چنانچہ چاروں طرف سے عربوں کی وفد سیف کو مبارک باد دینے کے لئے یمن پہنچنے لگے۔

ان وفدوں میں سے ایک کے کے قبیلہ قریش کا وفد بھی تھا اس وفد میں عبدالطلب، امیہ ابن عبد شمس اور دوسرے بہت سے معزز سردار تھے۔ (ی) جیسے عبداللہ ابن جدعان جو حضرت عائشہ کا چچا زاد بھائی تھا، ایسے ہی اسد ابن عبدالمعزی، وہب ابن عبد معاف اور عقی ابن عبداللہ بھی اس وفد میں شامل تھے۔ (سیف ابن ذی یزن کے آباء و اجداد میں یمن کا آخری حکمران ذودبدن حیر بنی تھا اس کے زمانے میں حبشیوں نے یمن پر حملہ کر لیا اور حیر کی حکومت ختم کر کے یمن پر قبضہ کر لیا اور اپنی حکومت قائم کر دی۔ حبشیوں میں سے یمن پر پہلا حکمران ابابا تھا اس کے بعد تین حکمران ہوئے جو حبشیوں میں سے تھے اور حبش کی حکومت کی طرف سے گورنری حیثیت سے یمن پر حکومت کرتے تھے۔

ابابا حبشی گورنروں میں دوسرا گورنر ابوبکر تھا جس نے عبدالطلب کے زمانے میں مکے پر چڑھائی کر کے بیت اللہ کو ڈھلے کلا لودہ کیا تھا اس لئے قدرتی طور پر عربوں کو یمن کے حبشی حکمرانوں سے نفرت اور دشمنی تھی۔

آخر سیف ابن ذی یزن کا زمانہ آیا۔ اس نے فارس کے بادشاہ کسری نو شیر وں سے مدد مانگی کہ وہ حبشیوں کو یمن سے نکال کر حیر کو ان کا ملک واپس دلانے میں ان کی مدد کرے۔ نو شیر وں نے سیف کی درخواست منظور کر لی اور اپنے ایک سالار کو عجیبوں کی فوج کے ساتھ سیف کی مدد کے لئے ان کے ساتھ بھیجا۔ اس لشکر نے یمن پر چڑھائی کی اور حبشیوں کو شکست دے کر یمن کی حکومت حیر کو واپس دلائی اور سیف ابن ذی یزن کو کسری فارس کے گورنری حیثیت سے یمن کا حکمران بنادیا۔ (حدیث بولہ نمبر ۱۸۱۸ ج ۱)

عرب اپنے پرہیزی عرب ملک کے اس انقلاب سے بہت خوش تھے چنانچہ ان کے وفد سیف ابن ذی یزن کو مبارکباد دینے کے لئے اس کے پاس پہنچنے لگے جن میں قبیلہ قریش کی طرف سے عبدالطلب وغیرہ بھی ایک وفد لے کر مبارکباد کے لئے یمن گئے۔

جب قریشی وفد وہاں پہنچا تو سیف شہر صنعاء میں اپنے محل میں تھا وہ خوشبوؤں سے مہلر تھا وہ چلوں میں لوڑھے ہوئے تھا اور سر پر تاج پہنے ہوئے تھا، نکولر سامنے سر کھی ہوئی تھی اور حیر بنی سردار اس کے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے تھے (سیف کو قریشی وفد کی اطلاع دی گئی اور وفد کے آدمیوں کے مرتبے کے متعلق بتلایا گیا۔ سیف نے قریشی سرداروں کو آنے کی اجازت دی۔ پھر یہ وفد دربار میں پہنچا اور عبدالطلب آگے بڑھ کر سیف کے قریب پہنچ گئے۔ کتاب وقایہ میں اس طرح ہے کہ :-

(قریشی وفد جب دربار میں داخل ہوا تو اس نے سیف کو ایک سونے کی کرسی پر بیٹھے ہوئے پایا اور اس کے ارد گرد یمن کے معزز لوگ بھی سونے کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جب قریشی سردار وہاں پہنچے تو ان کے لئے بھی کرسیاں بچھوائی گئیں۔ پھر عبدالطلب کے سوا سب لوگ بیٹھ گئے۔ عبدالطلب سیف کے سامنے

چاکر کھڑے ہوئے اور بولنے کی اجازت چاہی۔ سیف نے کہا:
”مگر تم بادشاہوں کے سامنے بولنے کے آداب سے واقف ہو تو ہماری طرف سے تمہیں اجازت
ہے۔“

اب عبدالمطلب نے کہا:
”اے بادشاہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بلند، عظیم الشان اور باعزت مرتبہ عطا فرمایا ہے اور آپ کے
لئے عزت و عظمت کا ایک ایسا درخت اگایا ہے جس کی جڑیں امت گری اور مضبوط ہیں اور جس کی شاخیں بہترین
جگہوں اور مہلک مخالفت تک پھیل ہوئی ہیں۔ آپ ایسے کاموں سے بالکل محفوظ ہیں جن پر عرب کے معزوز
معتد اور سر پر آوردہ لوگ آپ کو طاقت اور لعن طعن کر سکیں، آپ کے پچھلے پروردگار کے مشورہ کے بہترین
لوگوں میں سے تھے اور آپ ہمارے لئے ان کے بہترین جانشین ہیں۔ اس لئے ان کے ذکر کے بھی کبھی فائز نہیں
ہوں گے جن کا جانشین آپ جیسا انسان ہے اور ان کے ذکر کے بھی کبھی نہیں میں گے جو آپ جیسے شخص کے
جانشین ہوں گے (یعنی آپ کے کارناموں سے آپ کے برکات کو بھی عزت و عظمت کی اور آپ کی آنے والی
نسلوں کو بھی سربلندی حاصل ہوگی)۔

”ہم اللہ تعالیٰ کے حرم کے خلوام اور اس کے گہر کے محافظ ہیں۔ ہم آپ کے پاس اپنی مسرت کی
سوغات لے کر حاضر ہوئے ہیں کہ اس برائی کا زہد ختم ہو گیا جو ہم سب پر بوجھ بنی ہوئی تھی (یعنی یمن پر حبشی
سلطنت اور عرب کی فحاشی) اس لئے ہم لوگ مبارکباد اور تہنیت کا پیغام لے کر آئے ہیں (آپ کے برکات کی)
تقریر کرنے نہیں آئے۔“

سیف ابن ذی یزن عبدالمطلب کی یہ نصیحت اور وہاں تقریریں سن کر حیران ہو رہا تھا وہ ایک دم کھڑا
ہو گیا اور ان سے پوچھنے لگا:

”بولنے والے! تم کون ہو؟“

انہوں نے کہا کہ میں عبدالمطلب ابن ہاشم ہوں۔

عبدالمطلب کی والدہ چچہ تکیہ بیچنے کے قبیلہ خزرج کی تھیں اور خزرجی قبیلہ اصل میں یمن کا تھا اس لئے
سیف نے ہاشم کا نام سن کر کہا:

”تب تو آپ ہماری یمن کے لڑکے ہوئے!“

عبدالمطلب نے کہا ”ہاں!“

سیف نے کہا کہ ان کو میرے قریب لے آؤ اس کے بعد عبدالمطلب اور وفد کے دوسرے لوگوں
کی طرف متوجہ ہو کر بولا:

”آپ سب کو ہم خوش آمدید اور آپ کی سولہویں اور قافلے کو ہم مرحبا کہتے ہیں جو اکرامہہ ٹھکانے
میں آئے ہیں۔ آپ فیاض اور کھلے دل کے لوگوں کے پاس آئے ہیں جو بڑی دلواری اور دیندار ہیں۔ بادشاہ نے
آپ کی گفتگو سن لی اور آپ سے عزیز دارانہ تعلق کو جان لیا اور آپ کے جذبات کو قبول کر لیا۔ کیونکہ آپ
ہمارے دن اور رات کے ہمد ہیں۔ آپ جب تک بھی یہاں ٹھہریں آپ کے اعزاز و اکرام میں کمی نہیں کی
جائے گی اور جب آپ ہم سے رخصت ہوں گے تو آپ کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔“

اسکے بعد اس قریشی وفد کو مزکاری مہمان خانے میں لے جایا گیا اور ان پر ولادہ بخش کی بارش ہونے لگی ان لوگوں کو یہاں ٹھہرے ہوئے ایک عینہ گند گیا کرتہ تو ان کے گھڑوں کے سلسے پیش کیا گیا اور وہ ایسے ہی جاتے کی اجازت ملی۔ آخر ایک مہینے بعد سیف ابن ذی یمن کو ان کا اچانک خیال لیکر پٹانچہ اس نے فوراً عبد المطلب کو بلا بھیجا جب وہ آگئے تو سیف نے ان کو بالکل ناپہچان میں لے کر ان کے مکان پر لے گیا۔

”اے عبد المطلب! میں اپنے علم کے پوشیدہ رازوں میں سے ایک ایسا راز تمہیں بتا رہا ہوں کہ تمہارے علاوہ کوئی اور ہو تا تو میں ہرگز اس کو نہ بتا سکتا مگر تمہیں میں اس راز کیلئے بھیج رہا ہوں سمجھنا اور اس کی اطلاع دے رہا ہوں۔ تم بھی اس وقت تک اس راز کو رازی رکھنا جب تک کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کو نہ قبول فرمے۔ میں نے پوشیدہ کتب اور علم کے ان سرشت خیز خطوں میں جس کو ہم صرف ایمان والا سمجھتے ہیں اور دوسروں سے اس کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ اس میں میں نے ایک بہت عظیم الشان خبر اور ایک بڑے خطرے کے متعلق پڑھا ہے جس میں تمام لوگوں کے لئے عام طور پر خود آپ کے خاندان کے لئے خاص طور پر مذکور کیا گیا عز و شرف ہے اور موت کی بھی فضیلت ہے۔“

یہ سن کر عبد المطلب نے کہا: ”خدا کرے جہاں پہنچے بھی ایسی ہی بھلائی اور خوش قسمتی نصیب ہو اور آپ پر یہ سب اعلیٰ دولت قربان ہو کر رہے ہیں؟“

سیف نے کہا: ”جب تمامہ کی ولوی یعنی کے میں ایسا بچہ پیدا ہو جس کے دونوں موڑھوں کے درمیان میں باؤں کا پتلا یعنی مہر نبوت ہو تو اس کو امامت اور سرور حاصل ہوگی اور اس کی وجہ سے تم لوگوں کو قیامت تک کے لئے اعزاز اور عظمت حاصل ہوگی۔“

عبد المطلب نے کہا: ”اے بادشاہ! اندازے آپ کو بھی ایسی خوش بختی میرے آگے لگ رہا ہے کہ اس کا جواب میری زبان نہ روکتی تو میں دریافت کرتا کہ اس بچے کا زمانہ کب ہو گا تاکہ اس کے بعد میری سیرت اور خوشی اور فائدہ بڑھ جائے۔“

بادشاہ نے جواب دیا:

”یہی اس کا زمانہ ہے جس میں وہ پیدا ہو گا یہاں پہنچا ہے اس کا نام ”محمد“ (خلفہ) ہو گا اس کے والد اور والدہ کا انتقال ہو جائے گا اور اس کے والدہ بھی اس کی پرورش کریں گے۔ ہم بھی اس کے گزندہ نہ رہے کہ وہ بچہ جلد سے یہاں پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کو کلمے عام ظاہر فرمائے گا اور اس کے لئے ہم اس سے (یعنی دینے کے قبیلہ خورج میں سے جو اصل میں یمن کے لوگ تھے ان میں سے اس نبی کے مددگار و اہل بیت کے ذریعہ اس نبی کے خاندان اور قبیلہ والوں کو عزت و سربلندی حاصل ہوگی اور جن کے ذریعہ اس کے دشمنوں کو ذلت و غلامی ملے گی اور جن کے ذریعہ وہ تمام لوگوں سے مقابلے کرے گا اور جن کے ذریعہ روئے زمین کے اہم علاقے فتح ہو جائیں گے۔ وہ نبی اس کی عبادت کرے گا اور شیطان کو دھمکائے گا۔ آسمانوں کو نظر آکر دے گا اور جن کو توڑ ڈالے گا۔ اس کی ہر بات آخری فرمان ہوگی اور اس کے احکام انصاف والے ہوں گے۔ وہ نیک کاموں کا حکم

وہ اپنے مکان خود بھی اس پر عمل کرے گا اور بڑا آدمی ہے رو کے گا اور ان کو مٹا دے گا۔

عبدالطلب نے (سیف ابن ذی یزنہ سے دعا کی کہ اس کا بھائی کاٹا جائے۔)

”آپ کا مہربان اور صاحب نصیب ہوں، آپ کی سلطنت میں رہتا ہوں اور آپ کے عزت و اقبال میں ترقی ہوں۔ لیکن کیا جہاں پہلو کچھ اور تحصیل مقام کیلئے جیسا کہ کچھ وضاحت کر چکے ہیں؟“

یہاں شاہ نے کہا:

”ہاں ابھی اذنی بھی ہے اور علامتیں پردوں میں پوشیدہ ہیں مگر اب عبدالطلب اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تم اس شخص کے لواحق ہو۔“

(قال) خوش خبری سن کر عبدالطلب فوراً مسجد میں گیا۔ مگر سیف نے اس سے کہا:

”گناہگار اٹھا اور اس خوش خبری سے لاپرواہ نہ ہو اور اپنی بیعتی لوٹی کو مجھے ملادو کہ جو کچھ

میں نے تم سے کہا ہے کیلئے اس سے کوئی علامت تم نے اپنے یہاں دیکھی ہے؟“

عبدالطلب نے کہا:

”ہاں جہاں پہلو ایک پٹا تھا جسے میں بہت چاہتا تھا اور اس سے بہت محبت کرتا تھا میں نے ایک

شریف اور معزز لڑکی آمنہ بنت حباب بن عبد مناف ابن فہر سے اس کی شادی کی جو میری قوم کے اہمائی معزز

اور شریف خاندان سے تھی۔ اس سے میرے بیٹے کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام میں نے ”محمد“ رکھا۔

رکھا۔ اس بچے کے باپ اور ماں کا انتقال ہو چکا ہے اور اس میں اور اس کا چچا ابوطالب اس بچے کی پرورش اور

نگہداشت کرتے ہیں۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالطلب یہ وقت لے کر سیف ابن ذی یزنہ کے پاس اس وقت گئے تھے

جبکہ حضرت آمنہ کا انتقال ہو چکا تھا۔

مگر اس روایت کے شروع میں کہا گیا ہے کہ سیف ذی یزنہ جب حبشیوں کو شکست دے کر یمن پر

حکمران ہوا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کی ولادت مہار کہ کو دو سال ہوئے تھے (یعنی آنحضرت ﷺ کی عمر مہار کہ

دو سال تھی حالانکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ جب حضرت آمنہ کا انتقال ہوا تو اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مہار کہ

چار سال تھی) مگر یہ اذکار درست نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کی عمر دو سال اس وقت تھی جب سیف نے یمن

کو حبشیوں کی غلامی سے نکالا لیکن عبدالطلب دو سال بعد مہار کہ کا وفد لے کر گئے جبکہ آنحضرت ﷺ کی

والدہ کی وفات ہو چکی تھی۔ اس طرح یہ روایت صحیح ہو جاتی ہے۔

اب اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والد اور والدہ کی وفات کے بعد

عبدالطلب کی زندگی میں بھی ابوطالب ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی پرورش میں شریک تھے اور پھر جب

عبدالطلب کی وفات ہو گئی تو ابوطالب تمام اس آنحضرت ﷺ کی کفالت اور پرورش کے ذمہ دار ہو گئے۔

(خود سیف نے اپنی پیشین گوئی میں آنحضرت ﷺ کے متعلق جو علامتیں بتائی تھیں ان میں اس

نے کہا تھا کہ اس بچے کے باپ اور ماں کا انتقال ہو جائے گا اور اس کے دوا اور چچا اس کے کفیل اور ذمہ دار ہوں

گے۔ سیف ابن ذی یزنہ قلی دو نوں مسود توں میں در مسود پتا ہے (کہ عبدالطلب کی وفات کی تک تو ابوطالب

چچا و قلی آپ ذمہ دار رہے اور ان کے انتقال کے بعد ابوطالب تمام کفیل ہوئے۔)

(غرض اس درمیانی تفصیل کے بعد سیف ذی یزن کے واقعہ کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں کہ جب سیف نے آنحضرت ﷺ کے ظہور کی علامتیں نکالا کر عبدالمطلب سے اس کی تصدیق کر لی کہ آپ پیدا ہو چکے ہیں اور عبدالمطلب ہی آپ کے دوا ہیں تو) سیف نے عبدالمطلب سے کہا۔

”میں نے جو کچھ تم سے بتلایا ہے وہ واقعہ اسی طرح ہے۔ اب تم اپنے منہ (یعنی پوتے) کی پوری حفاظت کرو اور اسے یہودیوں سے بچائے رکھو اس لئے کہ وہ اس کے دشمن ہیں مگر اللہ تعالیٰ انہیں ایسا پرہیزگار بنا دے گا۔“

یعنی یہودیوں سے آپ کی حفاظت اور بچاؤ صرف احتیاط کے طور پر اور آنحضرت ﷺ کے بلند مقام کی وجہ سے کرنی چاہئے۔

اس کے بعد سیف نے کہا:-

میں نے جو کچھ تم سے بتلایا ہے اس بات کو اپنے ان قافلے والوں سے ذکر مت کرو۔ تمہارے ساتھ ہیں اس لئے کہ مجھے یار ہے کہ اس خبر سے ان لوگوں میں حسد اور جلی کا جذبہ پیدا ہو جائے گا کہ یہ سر بلندی اور عظمت اس کو کیوں ملنے والی ہے اس لئے یہ لوگ اس کے لئے دغاوشیں اور بدشکلیاں کھڑی کریں گے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس قسم کی حرکتیں یہ لوگ ہوا خود کریں گے (اگر یہ اس وقت تک نہ ہوتے رہے تو ان کی لولائی کریں گی مگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ اس نبی کے ظہور سے پہلے ہی موت مجھ پر جھپٹنے والی ہے تو میں اپنے لونڈوں اور کارواں کے ساتھ روانہ ہو کر اس کی سلطنت کے مرکز یرب میں پہنچا۔ کیونکہ میں اس عظیم کتبہ میں جو پچھلے علوم سے بھری ہوئی ہے یہ خبر پاتا ہوں کہ شریب اللہ کی سلطنت کا مرکز ہوگا، ان کی طاقت کا مرکز چھہ ہوگا، ان کی مدد اور نصرت کا ٹھکانہ ہوگا اور ان کا دفین اور جائے وفات ہوگا۔ اگر مجھے اپنے اور خود ان کے مصیبتوں میں گرفتار ہو جانے کی خبر نہ ہوتی تو میں ان کی اس کم عمری کے باوجود ان کی عظمت و غنیات کا اعلان کر دیتا اور عربوں کے سامنے ان کی سر بلندی اور بے پناہی سے سرتے کی داستانیں بتا دیتا لیکن میں تمہارے ساتھیوں کو چھوڑ کر صرف تمہیں یہ راز سپرد کر رہا ہوں۔“

اس کے بعد سیف نے عبدالمطلب کے ساتھیوں کو بلوایا اور ہر ایک کو دس دس حبشی غلام، دس دس حبشی باندیاں اور دو دو دھاریں، یعنی چادریں، دس دس رطل (یعنی پانچ پانچ سیر) سونا، دس دس رطل چاندی، سو سو اونٹ اور غنم سے بھرے ہوئے ڈبے دیئے۔ پھر عبدالمطلب کو اس انعام سے دس گنا زیادہ دیا اور کہنے لگا۔

”سال گذرنے پر میرے پاس ان کی خبر لے کر آنکاران کے حالات بتانا۔“

مگر اس کے بعد ایک سال پورا ہونے سے پہلے ہی اس بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ عبدالمطلب اکثر اپنے اس وفد کے ساتھیوں سے گنا کرتے تھے۔

”بادشاہ نے مجھے جو زبردست انعام و اکرام دیاس پر تم میں سے کسی کو رشک نہیں کرنا چاہئے بلکہ میرے متعلق وہ اس بات پر رشک کر سکتا ہے جو میرے لئے ہمیشہ باقی رہے گی اور جس کے بغیر کہ میرے لئے ہر ایک بندہ ہیں کے لئے جو حقیقت میں غریبی چیز ہے۔“

جب لوگ ان سے پوچھتے کہ وہ کیا چیز ہے تو عبدالمطلب جواب میں کہتے۔

”میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سب کے سامنے آجائے گا اگرچہ اس میں کچھ وقت لگے گا۔“

یہ محل جس میں شاہ سیف ابن ذی یمن رہتا تھا اس کو "بیت عمران" کہا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ زہرہ سترہ کی عبادت گاہ تھی جس میں زہرہ سترہ سے کوڑا جاتا تھا۔

اس کے متعلق حضرت عمر فاروق فرمایا کرتے تھے۔ "عرب اس وقت تک فلاح نہیں پاسکتے جب تک کہ ان کی سر زمین میں "بیت عمران" یعنی زہرہ سترہ کی عبادت گاہ موجود ہے۔"

چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ کے بعد جب حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس عبادت گاہ کو مسمار کر دیا۔

ابو طالب کے گھر آنحضرت ﷺ کی برکات..... اس دور میانی تفصیل کے بعد اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں کہ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد آنحضرت ﷺ کی کفالت و پرورش ابو طالب کرتے تھے انہیں یوں بھی آنحضرت ﷺ سے بے حد محبت تھی اور پھر جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی برکتیں اور معجزے دیکھے تو آپ ﷺ سے انکی محبت و فریفتگی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا، ابو طالب غریب آدمی تھے (دونوں وقت کھانا نام کم ہوتا تھا کہ) کہ ان کی بولالا کو چاہے وہ اسکے بیٹہ کرکھا لیں اور چاہے علیحدہ علیحدہ کھائیں، بیٹہ بھر کھانا نہیں ملتا تھا اور غصہ بھی اٹھا کرتے تھے، مگر جب ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ بھی کھاتے تو (آپ کی برکت سے) سب سیر ہو کر اٹھتے تھے اسی لئے جب وہ ہر رات کے کھانے کا وقت ہوتا اور سب دسترخوان پر بیٹھ جاتے تو ابو طالب ان سے کہتے۔

"یوں ہی بیٹھے رہو تاکہ میرا بیٹا آجائے۔"

یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے اور ان کے ساتھ بیٹہ کرکھانا کھاتے۔ آپ ﷺ کی برکت اس طرح ظاہر ہوتی کہ سب کے سیر ہو جانے کے بعد بھی کھانا بک رہتا۔

اگر دودھ ہوتا تو پھلے اس میں سے رسول اللہ ﷺ پی لیتے اور پھر وہ لکڑی کا پیالہ ابو طالب کے پیئے اٹھاتے اور دودھ پیتے یہاں تک کہ اس ایک ہی پیالہ سے وہ سارے کے سارے سیراب ہو جاتے اگر کبھی ان میں سے کوئی ایک ہی اس سارے پیالے کا دودھ پی جاتا (جس میں سے آنحضرت ﷺ نے پیا تھا) تو ابو طالب اس سے کہتے کہ تو بہت مبارک ہے (کہ یہ سعادت میری کئی)۔

اقوال۔ مؤلف کہتے ہیں کہ کتب استماعت میں یہ ہے کہ۔

"ابو طالب صبح ہوتے ہی اپنے بچوں کے پاس جاتے اور انہیں بہت سویرے اٹھاتے اور دودھ سب اٹھ کر کھانے کے لئے بیٹھے اور آپس میں چچین چھوٹ کرتے یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ اپنا تھوڑا روک لیتے اور ان کی چچین چھوٹ میں بالکل شریک نہیں ہوتے تھے۔ جب ابو طالب نے یہ دیکھا (اور آنحضرت ﷺ کی فطری سائنسی اور سنجیدگی کا اندازہ کیا) تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کا کھانا علیحدہ دینے جانے کی ہدایت کر دی۔" یہاں تک کہ کتب استماعت کا کلام ہے۔

(مجمعی روایت میں کہا گیا ہے کہ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کی برکت دیکھ کر آپ کو خاص طور پر اپنے بیٹوں کے ساتھ کھانا شروع کیا تھا کہ اس دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کھانے کا علیحدہ انتظام کیا گیا تھا۔ روایتوں کے اس فرق کے متعلق کہتے ہیں کہ مجمعی روایت میں اس میں کوئی

اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے یہ علیحدہ انتظام خاص طور پر صبح کے کھانے کے لئے کیا گیا ہو جس کو ناشتہ کہا جاتا ہے جبکہ دوسرا اور رات کا کھانا آنحضرت ﷺ اپنے چچا کو بھائیوں کے ساتھ ہی اس طرح کھاتے ہوں کہ سب سے پہلے آپ سے شروع کر لیا جاتا ہو واللہ اعلم۔

(ابوطالب کے) سب بچے جب صبح کو اٹھتے تو اس حائل میں ہونے کو بال الجھے ہوئے ہوتے اور آنکھوں میں میل بھرا ہوتا تھا مگر (آنحضرت ﷺ) کی یہ بھی خصوصیت اور بھروسہ تھا کہ آپ جب صبح کو اٹھتے تو آپ کے بال سنورے ہوئے ہوتے تھے اور آنکھوں میں سرے کی ڈوریں ہوتی تھیں۔

اتم ایمن جو آنحضرت ﷺ کی باندی تھیں۔ اور آپ کو اپنے والد کے ترکے میں ملی تھیں وہ کہتی ہیں کہ میں نے کبھی آنحضرت ﷺ کو بھوک کی شکایت کرتے ہوئے نہیں دیکھا نہ بچپن میں اور نہ بڑے ہونے کے بعد۔

اسی طریقے سے آنحضرت ﷺ کا صبح کا ناشتہ اس طرح ہوتا کہ آپ زحرم کا پانی نوش فرماتے تھے پھر جب ہم آپ کو ناشتہ پیش کرتے تو آپ یہ فرمادیتے کہ میں سیر ہوں۔

(اس میں اور عجیب روایت میں اختلاف ہوتا ہے اس لئے مؤلف کہتے ہیں کہ (اس کا مقصد یہ ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا) بیش ایسا نہیں ہوتا تھا) چنانچہ عجیب روایت میں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ ابوطالب کے لئے ایک حکم رکھا جاتا تھا جس پر وہ بیٹھا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو آ کر سیدھے اس حکم پر بیٹھ جاتے۔ ابوطالب یہ دیکھ کر کہتے۔

”میرے بیٹے کو اپنے بلند مرتبے کا احساس ہے۔“

بارش کے لئے دعا..... (قال) ابوطالب نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے ذریعہ بارش کی دعا بھی مانگی تھی۔ علامہ ابن عرقلہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اس زمانے میں کے آیا جب قریش خشک سالی اور قحط کا شکار تھے (اس پریشانی اور مصیبت میں) کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ لات اور عزریٰ پر بھروسہ کرو (یعنی ان بتوں سے ہی بارش کی دعا مانگی) کچھ لوگ کہتے کہ نہیں تیسرے بڑے بت منات پر بھروسہ کرو۔ اسی سچ میں ایک خوبصورت باد قائد بوڑھے نے کہا۔

”تم حق اور سچائی سے کس طرح بھاگ رہے ہو حالانکہ تم میں ابراہیم کی نشانی اور اسماعیل کی ولادت موجود ہے۔ (ی) یعنی تم اسے چھوڑ کر ایک غلط راستے پر کیوں جا رہے ہو۔

لوگوں نے کہا کہ شاید (اسماعیل کی نشانی سے) تمہاری مر لو ابوطالب ہیں!

اس نے کہا۔ ”ہاں!“

اب یہ سب لوگ ابوطالب کے گھر کی طرف چلے میں بھی ان کے ساتھ گیا وہاں پہنچ کر ہم نے دروازے پر دستک دی تو ایک خوبصورت شخص باہر آیا جس نے ایک تہ بند لپیٹ رکھا تھا سب لوگ اس کی طرف بڑھے اور کہنے لگے۔

”اے ابوطالب! دوزی میں قحط پڑ رہا ہے اور بچے بھوکوں مر رہے ہیں۔ اس لئے آؤ اور ہمارے لئے بارش کی دعا کرو۔“

چنانچہ ابوطالب باہر آئے اور ان کے ساتھ ایک بچہ تھا جو ایسا لگتا تھا کہ اچانک اندھیرے میں سورج

کل ایکہ اور ابن سکے چاروں طرف سے دوسرے بچے تھے ابو طالب نے اسی بچے کا ہاتھ قہم رکھا تھا کہ اگر وہ کھدے لگ کر کھڑے ہوئے اس کے بعد اس بچے کی دانگی بکڑ کر طواف کرنے لگے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ دوسرے بچے نظر میں اٹھا تھا کہ آسمان میں دیکھ رہے تھے جہاں بادل کا ایک کھڑا بھی نہیں تھا کہ لپٹاک ہر طرف سے بادل مگر گھر کو آنے لگے قدرتی زبردست بادش ہوئی کہ دلوں پہلے سے بھر گئی اور شیر اور جنگل میرتب ہو گئے۔

ابو طالب اسی واقعہ کی طرف اشارہ اپنے اس قصیدے میں کرتے ہیں جس میں انہوں نے اسی سے ڈانکہ شعر دان میں رسول اللہ ﷺ کی تعریف کی ہے۔

وابيض يستسفي الفياض
لنعال الينامي عصمة للازامل
بوجه

ترجمہ :- بادل ان ہی کے چہرے سے پانی حاصل کرتے ہیں جو تیزیوں کا ٹھکانہ اور غریبوں اور مسکینوں کا سدا آئین۔

اس شعر میں فقرہ لڑا ایل جو ہے اس کے معنی ہیں غریب و مسکین مرد اور عورتیں مگر زیورہ زلزل ایل غریب و بے کس غریبوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس قصیدے کی بنیاد پر تحقیق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ابو طالب مسلمان ہو گئے تھے کیونکہ انہوں نے یہ قصیدہ آنحضرت ﷺ کی نبوت اور ظہور کے بعد لکھا تھا۔ مگر ان کے اسلام قبول کرنے نہ کرنے کے متعلق تفصیل بحث آگے آئے گی۔

علامہ دمیری نے طبرانی اور ابن سعد کے حوالہ سے اپنی کتاب شرح منہاج میں نقل کیا ہے کہ :-
”یہ قصیدہ جس کا ایک شعر تو یہ بیان کیا گیا ہے، ابو طالب کا لکھا ہوا نہیں بلکہ عبد المطلب کا لکھا ہوا ہے۔“

مگر یہ بات غلط تھی اور وہم ہے کیونکہ عام طور پر سیرت نگاروں نے یہی لکھا ہے کہ یہ قصیدہ ابو طالب کا ہی ہے اور یہ کتنا کہ ممکن ہے دونوں علیحدہ علیحدہ لکھا ہو مگر اتفاق سے دونوں کے قصیدے بالکل یکساں ہو گئے (جسے شاعروں کی اصطلاح میں توہرہ ذہنی کہتے ہیں) یہ ظاہر ہے ایک خوبات اور تاویل ہو گی۔

اس قصیدے کے سلسلے میں ابو طالب کی نسبت آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث بھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قصیدے کو عبد المطلب کا لکھا ہوا کہنا صرف وہم ہے۔ یہ حدیث بھی آگے ذکر ہو گی۔ واللہ اعلم۔

چند حیرت خیز واقعات..... (قال) ابو طالب سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں ذی الجہاز کے میلے میں قنایہ عرقات سے ایک فرخ (یعنی بدہ ہزار گز جو تقریباً آٹھ کلومیٹر کا فاصلہ ہوتا ہے) کے قاصد پر ایک جگہ کا نام تھا جمال زائدہ جایت میں ایک بازر یا میلہ لگا کر قحلا غرض ابو طالب کہتے ہیں کہ میں وہاں گیا ہوا تھا اور۔

میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا یعنی نبی کریم ﷺ۔ اچانک مجھے پیاس لگی۔ میں نے پیچھے سے پیاس کا ذکر کیا اور کہا۔

”پیچھے مجھے پیاس لگی ہے۔“

میں نے ان سے یہ بات اس لئے نہیں کی تھی کہ ان کے پاس پانی وغیرہ تھا بلکہ صرف اپنی بیگانگی کا اظہار کرنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ (ی) یعنی صرف بے مہولی اور پیاس کی شدت میں یہ بات کہہ دی تھی۔
 البتہ مطلب کہتے ہیں کہ وہ یہ سن کر فوراً اپنی سواری سے اترے اور مجھ سے کہنے لگے۔
 ”چچا جان اکیا پیاس لگی ہے؟“

انہوں نے زمین پر اپنی ایڑی ماری ایک روایت میں ہے کہ ایک چمرہ پرانی پیر مارہ اور وہاں سے کچھ کھانا اچانک میں نے دیکھا کہ وہاں سے ایسا عمدہ پانی پھوٹ نکلا کہ میں نے اس جیسا پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا پھر انہوں نے مجھ سے پانی پینے کے لئے کہا۔ میں نے خوب سیر ہو کر پانی پی لیا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا۔
 ”کیا آپ سیر ہو گئے؟“
 میں نے کہا ”ہاں!“

انہوں نے پھر اس جگہ اپنی ایڑی ماری اور وہ جگہ دوبارہ ایسی ہی خشک ہو گئی جیسی پہلے تھی۔ (ی)
 آنحضرت ﷺ چند سال اپنے دوسرے گئے چچا بیر ابن عبدالمطلب کے ساتھ بھی رہے ہیں۔ اسی زمانے میں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ اپنے ان چچا کے ساتھ ایک قافلے میں یمن تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک ایسی دہلیز سے گزرے جہاں ایک سرکش زلوٹ رہتا تھا اور ہر مسافر کو وہاں سے گزرنے سے روکتا تھا۔ مگر جب اس زلوٹ نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو فوراً بیٹھ گیا اور زمین سے اپنی چھاتی رگڑنے لگا۔ آنحضرت ﷺ اپنے زلوٹ سے اترے اور اس زلوٹ پر سوار ہو گئے۔ یہ زلوٹ آپ کو لے کر چلا اور دہلیز پار کرادی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس زلوٹ کو چھوڑ دیا۔

جب یہ قافلہ سفر سے واپس ہوا تو ایک ایسی دہلیز سے اس کا گزر ہوا جو طوقانی پانی سے بھر ہوئی تھی اور پانی میں وہاں رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے قافلے والوں سے فرمایا:-
 ”میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔“

پھر آپ اطمینان کے ساتھ دہلیز میں داخل ہو گئے اور باقی لوگ آپ کے پیچھے پیچھے ہو گئے۔ اللہ عزوجل نے اپنی قدرت سے پانی کو خشک کر دیا (اور آنحضرت ﷺ پورے قافلے کو لے کر پانی سے پار ہو گئے)۔
 جب یہ قافلہ کے پہنچا تو قافلے والوں نے یہ حیرت ناک واقعات بیان کئے۔ لوگ یہ سن کر کہنے لگے۔
 ”اس لڑکے کی شان ہی کچھ نرالی ہے۔“

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ:-
 بنی لب کا ایک شخص بڑا قیادہ شاس تھا (اور لوگوں کی صورت دیکھ کر ان کے مستقبل کے حلقہ پوشہ کوئی کیا کرتا تھا) جب وہ کے آقا تو قریش کے لوگ اپنے لڑکوں کو اس کے پاس لے کر آیا کرتے تھے اور وہ ان کو دیکھ کر ان کے مستقبل کے بارے میں خبریں دیا کرتا تھا۔
 (ایک دفعہ جب یہ کے آیا تو) ابوطالب آنحضرت ﷺ کو بھی اس کے پاس لے کر پہنچے۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نو عمر لڑکے ہی تھے۔
 اس قیادہ شاس نے آنحضرت ﷺ کی طرف ایک نظر دیکھا اور اس کے بعد وہ کسی دوسرے کو دیکھنے

جلد اول فضائل

۳۶۶

مکتبہ اہل حق

میں لگے کیلئے مجھ کو یہ دعا بھی دے کہ میں اس شخص کے کو میرے سامنے پیش کرو۔

(جب اس نے آپ کو نہیں پایا تو وہ چلائے گا)

”تمہارا براہ میرے سامنے اس شخص کے کو لاؤ جس کو میں نے ابھی دیکھا تھا خدا کی قسم وہ بڑی شان والا

ہے۔“

ابو طالب نے جب آنحضرت ﷺ کے لئے اس کا غیر معمولی اشتیاق دیکھا تو وہ آپ ﷺ کے لئے کر

دعا کی کہ آپ ﷺ کے لئے آئے واللہ اعلم

باب دہم (۱۰)

ابوطالب کے ساتھ ملک شام کا سفر

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب ابوطالب نے (تجداتی سلسلے میں ملک شام کے) سفر کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے بھی ساتھ جانے کے لئے اپنے اثنائی شوق کا اظہار فرمایا۔ بعض رولوی کہتے ہیں کہ آپ نے ابوطالب سے ضد کی کہ آپ بھی سفر میں ساتھ جانا چاہتے ہیں۔ ان بعض رولیوں سے صرف حافظہ میاطی نقل کرتے ہیں۔ ان کے الفاظ یہی ہیں کہ جب ابوطالب نے سفر کا ارادہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے بھی ساتھ جانے کے لئے ضد کی۔ ابوطالب کو آپ ﷺ کے اس شوق کا بہت خیال ہو اور لورہ کہنے لگے۔

”خدا کی قسم! میں اس کو ضرور ساتھ لے کر جاؤں گا نہ یہ کبھی مجھ سے جدا ہو سکتا ہے لورہ میں اس کو کبھی اپنے سے جدا کر سکتا ہوں۔“

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابوطالب کی لونگی کی لگام پکڑ لی اور فرمایا۔

”چچا جان! آپ مجھے کس پر چھوڑ کر جا رہے ہیں میرے تہ ماں ہیں لورہ پاپ ہیں۔“

معبر قول کے مطابق اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر سبک فوسال تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بارہ سال دو مہینے دس دن کی عمر تھی۔ (ی بحیرہ کجور قول اشباح میں ہے جسے انہوں نے کہا ہے کہ زیادہ ثابت شدہ قول یہی ہے۔)

(ی)، اسی لئے محب طبری نے صرف یہی قول لیا ہے۔

دور اہوں کی پیشین گوئیاں..... محب طبری نے آگے ذکر کیا ہے کہ (ابوطالب آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر چلے اور آپ کو لونگی پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔ راستے میں وہ ایک عیسائی خانقاہ کے پاس ٹھہرے۔ خانقاہ کے

۱۔ بعض رولیوں نے اس روایت میں لفظ حبیب استعمال کیا ہے جو ضرب کے وزن پر ہے لورہ جس کے معنی ہیں کہ آپ اپنے چچا سے لپٹ گئے لورہ ان کو پکڑ کر بیٹھ رہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے حَبِيبٌ عَلَیْہِ یعنی میں نے اس کو پکڑ لیا۔

عابد نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر ابو طالب سے پوچھا۔

”یہ لڑکا تمہارا کون ہے؟“

ابو طالب نے کہا۔ ”میرا بیٹا ہے۔“ عابد نے کہا۔

”یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس لڑکے کا باپ زندہ ہو۔ یہ نبی ہے۔“

(ی) یعنی جس میں یہ نشانیوں میں موجود ہیں تو وہ نبی ہو گا جس کا انتقال ہے۔

لور پرانی کتابوں میں ان پیغمبر کی علامت یہ لکھی ہوئی ہے کہ ان کے باپ کا انتقال اسی زمانے میں

ہو جائے گا جب کہ وہ نبی اپنی ماں کے پیٹ میں ہی ہوں گے اور یا ان کی پیدائش کے تھوڑے ہی دنوں بعد ہو جائے

گا (لہذا اس لڑکے کا باپ زندہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس میں اس آنے والے نبی کی ساری علامتیں موجود ہیں) اس

بارے میں کچھ بیان گزر چکا ہے اور کچھ آگے آئے گا۔

(ی) اسی طرح ان قدیم کتابوں میں اس نبی کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ان کے بچپن ہی میں ان کی

والدہ کا بھی انتقال ہو جائے گا جیسا کہ یہ بات صحیفہ ابن ابی حاتم کی پیشین گوئی میں گزر بھی چکی ہے۔ اور کچھ اہل

کتب (یعنی عیسائیوں اور یہودیوں کا صرف یہ خبر دینا کہ آپ کے والد کا انتقال اس وقت ہی ہو جائے گا جبکہ آپ

ماں کے پیٹ میں ہوں گے۔ اس دوسری پیشین گوئی کے خلاف نہیں ہو سکتا کہ یا آپ کے والد کا انتقال آپ کی

پیدائش کے تھوڑے ہی عرصے بعد ہو جائے گا)

(غرض جب اس خاتون کے عابد نے ابو طالب سے یہ کہا کہ یہ بچہ نبی ہے تو ابو طالب نے اس سے

پوچھا کہ نبی کسے کہتے ہیں۔ عابد نے کہا۔

”نبی وہ ہوتا ہے جس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں اور پھر وہ زمین والوں کو ان کی اطلاع دیتا

ہے۔“

ابو طالب نے کہا۔

”جو کچھ تم کہہ رہے ہو بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔“

اس کے بعد اس عابد نے ابو طالب کو ہدایت کی۔

”یہودیوں سے اس لڑکے کی حفاظت کرنا۔“

اس کے بعد ابو طالب وہاں سے آگے روانہ ہوئے تو راہ میں ایک لور راہب کے پاس ٹھہرے یہ بھی

ایک خاتون کا عابد تھا (اس نے بھی آنحضرت ﷺ کو دیکھا تو ابو طالب سے پوچھا کہ یہ لڑکا تمہارا کون ہے؟ ابو

طالب نے اس سے بھی یہی کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ راہب نے کہا۔

”یہ تمہارا بیٹا نہیں ہے۔ اس کا باپ زندہ ہی نہیں ہو سکتا۔“

ابو طالب نے پوچھا۔ ”کیوں؟“ تو راہب نے جواب دیا۔

”اس لئے کہ اس کا چہرہ ایک نبی کا سا چہرہ ہے اور اس کی آنکھیں ایک نبی کی سی آنکھیں ہیں۔“

(ی) یعنی اس نبی کے چہرے جو اس آخری امت کے لئے بھیجے جانے والے ہیں اور جن کی علامتیں قدیم آسمانی

لکھنوں میں ذکر ہیں۔

ابو طالب نے کہا۔

بیجان اللہ! جو کچھ تم کہہ رہے ہو بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔
اس کے بعد ابو طالب نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔
”کیجئے! کیا تم نے اس راہب کی بات سنی؟“
آپ نے فرمایا۔

”ہاں چچا جان اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہ سمجھے۔“ واللہ اعلم۔
بکیراء راہب کا واقعہ..... اس کے بعد یہ قافلہ رولہ ہو کر بصری شہر میں پہنچا جہاں بحیراء نام کا راہب اپنی خانقاہ میں رہتا تھا اس کا نام جرہیس تھا، بعض لوگوں نے سر جیس لکھا ہے جس کا مطلب ہے کہ بحیراء اس کا لقب تھا، غرض یہ راہب (اتنا زبردست عالم تھا کہ نصرانی مذہب کا علم اس پر آکر ختم ہو گیا تھا) یعنی اس مذہب کا اس سے بڑا عالم اس وقت کوئی دوسرا نہیں تھا۔ ی۔ کیونکہ اس بڑی خانقاہ کا عابد وہی شخص ہو سکتا تھا جس پر نصرانی مذہب کا علم ختم ہو جاتا ہو۔ عیسائی کے جانشینوں کے وقت سے پشت در پشت اس خانقاہ کا عابد ایسا ہی زبردست عالم بناتا آ رہا تھا۔ چنانچہ اس زمانے میں نصرانی مذہب کا سب سے بڑا عالم بحیراء ہی تھا۔ بحیراء کے بارے میں بعض مورخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شہر تاء کے یہودیوں میں سے تھا اور یہودی عابد ہی تھا۔
اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے بحیراء پہلے یہودی ہی رہا ہو اور اس کے بعد اس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا ہو جیسا کہ ورقہ ابن نوفل کے ساتھ ہوا جن کا واقعہ آگے آ رہا ہے۔

(جہاں تک بحیراء راہب کی قیام گاہ کا تعلق ہے اس کے متعلق) ابن عساکر کہتے ہیں کہ بحیراء ایک گاؤں میں رہتا تھا جس کو کفو کہا جاتا تھا۔ اس بستی اور شہر بصری کے درمیان چھ میل کا فاصلہ تھا۔
یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بحیراء شام کے علاقے میں بقاء کے پاس ایک گاؤں میں رہتا تھا جس کا نام میفہ تھا۔ ابن خلفہ روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔
اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے وہ ان دونوں دیہات میں اس طرح رہتا ہو کہ کچھ عرصے ایک میں اور کچھ عرصہ دوسرے میں اور کبھی کبھی اس خانقاہ میں بھی آکر ٹھہر کر رہتا ہو۔ ہر حال یہ جواب بھی قابل غور ہے۔

آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے پہلے ایک دفعہ اسے کسی پکالنے والے کی آواز سنائی دی تھی جو یہ کہہ رہا تھا۔

”سنو! اس زمین کے بستیوں میں تین آدمی سے سب سے بہترین ہیں۔ راہب ابن براء، بحیراء راہب اور تیسرا وہ جس کے بعد کوئی اور نہیں آئے گا۔ ایک روایت کے یہ لفظ ہیں کہ۔ تیسرا وہ جس کا انتظار کیا جا رہا ہے“ یعنی آنحضرت ﷺ۔

اس روایت کو ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ راہب اور ان کے بعد ان کے بیٹے دونوں کی قبروں پر ہمیشہ ہلکی ہلکی بارش دیکھنے میں آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(اس کے بعد پھر اصل واقعہ کی طرف لوٹتے ہیں کہ قریش کے لوگ اکثر (اپنے تجارتی سفروں کے دوران) بحیراء راہب کے پاس سے گزر کرتے تھے مگر وہ کبھی ان سے کوئی بات نہیں کرتا تھا مگر اس سال اس

نے ان کے لئے بہت سا کھانا تیار کر لیا۔ جب یہ قافلہ وہاں پہنچا تو بحیراء نے قافلے میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا تھا کہ لوگوں کے درمیان آپ پر ایک بدلی سایہ کئے ہوئے تھی۔ پھر جب یہ قافلہ ایک درخت کے نیچے آکر ٹھہرا تو اس نے بدلی کی طرف دیکھا جو اب اس درخت پر سایہ ڈال رہی تھی اور اس درخت کی شاخیں اس طرف کو جھک گئی تھیں جہرہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اس درخت کی سائے میں آکر بیٹھے تو بہت سی شاخوں کا آپ پر جھکٹ ہو گیا۔ (ی) کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ درخت کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا تھا کہ لوگ پہلے ہی سائے والے حصے پر قبضہ کر چکے تھے چنانچہ اب جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو (سائے میں آپ کو جگہ نہیں ملی مگر درخت کی شاخوں نے آپ کی طرف جھک کر آپ کو اپنے ٹھنڈے سائے میں لے لیا۔

غرض (جب قافلہ خانقاہ کے سائے آکر ٹھہر گیا اور بحیراء اب نے آنحضرت ﷺ کی یہ شان دیکھی تو اس نے قریبیوں کے پاس کہلایا۔

”اے گروہ قریش! میں نے آپ لوگوں کے لئے کھانا تیار کر لیا ہے اور میری خواہش ہے کہ آپ میں سے تمام لوگوں کو کھانا کھانے کے لئے یہاں آئیں جن میں بچے بھی ہوں، بڑے بھی ہوں، غلام بھی ہوں اور آزاد بھی ہوں۔“

(یہ پیغام سن کر ان میں سے ایک شخص نے جس کا نام مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔ کہا۔ ”اے بحیراء! آج تو تم نرمالی بات کر رہے ہو! ہم اکثر تمہارے پاس سے گزرتے ہیں مگر تم نے ہمارے ساتھ یہ برتاؤ تو کبھی بھی نہیں کیا، آج کیا خاص بات ہوئی ہے؟“

بحیراء نے کہا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو اور بات بھی ایسی ہی تھی۔ مگر آپ لوگ مہمان ہیں اور میری خواہش ہے کہ میں آپ لوگوں کا اعزاز و اکرام کروں اور آپ سب کے لئے کھانا تیار کروں اور آپ سب لوگ یہیں کھائیں۔“ غرض تمام لوگ بحیراء کے پاس پہنچ گئے صرف رسول اللہ ﷺ پڑاؤ ہی میں رہ گئے کیونکہ آپ کم عمر تھے۔ آپ وہیں درخت کے نیچے ہی بیٹھے ہوئے تھے اب بحیراء نے جب لوگوں کو دیکھا اور ان میں سے کسی میں اسے وہ مفت اور نشانی نظر نہیں آئی جو ظاہر ہونے والے نبی آخر الزماں کی تھی اور جو اس نے آپ میں دیکھی تھی

(ی) مگر اسے ان لوگوں میں سے کسی کے لوہرہ بدلی بھی نظر نہیں آئی بلکہ اس نے دیکھا کہ وہ بدلی وہیں پڑاؤ میں رسول اللہ ﷺ کے لوہرہ سایہ کئے ہوئے ہے، تو اس نے کہا۔

”اے گروہ قریش! آپ میں سے کوئی بھی میری اس دعوت سے رہنا نہیں چاہئے“

قریش نے کہا۔

”اے بحیراء! جن کو آپ کی اس دعوت میں آنا ضروری تھا ان میں کوئی نہیں رہا، ہاں ایک لڑکا رہ گیا ہے جو سب میں کم عمر ہے۔“

بحیراء نے کہا۔

”نہیں ایسا مت کہجئے اس کو بھی بلائیے اس کو بھی آپ کے ساتھ ہونا چاہئے۔“

(ی) پھر اس نے کہا

”یہ کس قدر بری بات ہے کہ آپ سب آئیں اور آپ میں سے ایک آدمی رہ جائے احوال تک میں نے اس کو آپ ہی کے ساتھ دیکھا تھا۔“

قریش نے کہا۔

”خدا کی قسم ویسے وہ ہم میں نسب کے لحاظ سے سب سے بہتر ہے۔ وہ اس شخص کا بیٹا ہے۔“ انہوں نے ابوطالب کی طرف اشارہ کیا۔ ”اور عبدالمطلب کی ولادت میں سے ہے۔“

پھر قریش میں سے ہر ایک شخص نے کہا۔

”لات اور عزریٰ کی قسم! ہمارے لئے بڑے شرم کی بات ہے کہ ہمارے ساتھ ہوتے ہوئے عبد اللہ ابن عبدالمطلب کا بیٹا کھانے میں شریک نہ ہو۔“

اس کے بعد وہ شخص اٹھ کر گیا اور آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر آیا اور اس نے آپ کو سب کے ساتھ بٹھایا (ی) یہ شخص آنحضرت ﷺ کا چچا حارث ابن عبدالمطلب تھا۔ یہ اگرچہ عمر میں (اپنے بھائی) ابوطالب سے بھی بڑا تھا مگر اس نے آپ ﷺ کو اپنا بیٹا شایدا اس لئے نہیں کہا کہ یہ آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ کا چچا بھائی نہیں تھا، جبکہ ابوطالب عبد اللہ کے بھائی یعنی آنحضرت ﷺ کے بچے چچا تھے، اگرچہ قافلے میں ابوطالب ہی امیر تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کو پڑاؤ میں سے لے کر آنے والے حضرت ابو بکرؓ تھے، علامہ ابن محدث نے گزشتہ قول کے مقابلے میں اسی کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے (کہ آپ کو پڑاؤ میں سے لائے والے حضرت ابو بکرؓ تھے) ہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قائل غور ہے۔

بہت حال جو بھی آپ ﷺ کو لایا جب وہ آپ کو پڑاؤ سے لے کر چلا تو وہ بدلی بھی آنحضرت ﷺ کے سر پر ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ جب بحیراء نے یہ منظر دیکھا تو وہ آپ ﷺ کو اور زیادہ غور سے دیکھنے لگا اور آپ ﷺ کے جسم مبارک میں وہ علامتیں تلاش کرنے لگا جو ان کے نزدیک آپ میں ہونی چاہئے تھیں۔ غرض جب سب لوگ کھانا کھا کر فارغ ہو چکے اور لوہر لوہر ہو گئے تو بحیراء آنحضرت ﷺ کے پاس آکر کھڑا ہوا اور آپ ﷺ سے بولا۔

”میں آپ سے لات اور عزریٰ کے نام پر چہ باتیں پوچھتا ہوں اور جو کچھ میں پوچھوں آپ اس کے متعلق مجھے بتلائیں۔“

بحیراء نے لات اور عزریٰ کے نام پر اس لئے پوچھا کہ وہ جانتا تھا کہ آپ کی قوم کے لوگ ان ہی دونوں بتوں کے نام پر قسم اور حلف لیتے ہیں۔ (ی) کتاب شفاء میں یہ ہے کہ بحیراء کو یہی بتایا گیا تھا (کہ ان بتوں کے نام پر سوال کیا جائے) غرض رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر بحیراء سے فرمایا۔

”لات اور عزریٰ کے نام پر مجھ سے کوئی بات مت پوچھو، کیونکہ خدا کی قسم مجھے سب سے زیادہ ان ہی سے نفرت ہے۔“

بحیراء نے کہا:-

”تب پھر خدا کے نام پر کہتا ہوں کہ جو کچھ میں پوچھوں تم مجھے اس کے متعلق بتانا۔“

ابوطالب کچھ دوسرے قریشی بزرگوں کے ساتھ تجارتی سلسلے میں شام کے سفر پر روانہ ہوئے، آنحضرت ﷺ بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ قافلہ بحیراء راہب کی خانقاہ کے پاس جا کر ٹھہرا اس سے پہلے جب بھی قریش قافلے یہاں سے گزرا کرتے تھے تو بحیراء نہ تو باہر نکل کر آتا تھا اور نہ ان کی طرف توجہ دیتا تھا مگر (اس مرتبہ جبکہ ابھی یہ پڑاؤ ڈال رہے تھے یہ راہب اگر ان کے درمیان گھومنے لگا یہاں تک کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا تو اس نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر کہنے لگا۔

”یہ تمام عالموں کا سرور ہے۔ یہ پروردگار عالم کا پیغمبر ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر ظاہر فرمائیں گے۔“

قریشی بزرگوں نے (یہ سنا تو حیران ہو کر پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا راہب نے کہا؟

”جب تم اس گھاٹی پر پہنچے تو کوئی پتھر اور درخت ایسا نہیں رہا جو مجھ سے میں نہ گر گیا ہو۔ اور (درخت اور پتھر) نبی کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کیا کرتے۔ (ی) اور یہ کہ ایک بدلی دوسروں کو چھوڑ کر صرف آپ پر سایہ کئے ہوئے تھی۔ اور میں ان کو اس مہربانیت کی وجہ سے پہچانتا ہوں جو ان کے موٹے کی ہڈی سے نیچے چھوئے سبب کی شکل کی موجود ہے۔“

اس کے بعد بحیراء راہب واپس خانقاہ میں آیا اور اس نے قریشیوں کے لئے کھانا تیار کر لیا۔ پھر جب

آپ نے فرمایا۔

”پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو۔“

اب بحیراء نے آپ ﷺ سے آپ کی مختلف باتوں کے حلق پوچھنا شروع کیا، آپ کی سونے کے حلق، آپ کی عادتوں اور آپ کے طور طریقوں کے حلق پوچھا اور آنحضرت ﷺ اس کو جواب دیتے رہے، آنحضرت ﷺ کے تمام جوابات ان ساری علامتوں کے مطابق تھے جو نبی آخر الزماں کے حلق بحیراء جانتا تھا۔ (ی) اس کے بعد بحیراء نے آپ کی کمر کھولی اور مرنیت کو بھی بالکل دیباہی پلا جیسا اس نے پڑھا تھا۔ اس نے فوراً مرنیت کی جگہ کو بوسہ دید قریش (جو بحیراء کی یہ ساری باتیں اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس کی محبت دیکھ رہے تھے) کہنے لگے۔

”اس راہب کے نزدیک محمد (ﷺ) کی بہت قدر اور مرتبہ ہے!“

آنحضرت ﷺ سے بات کرنے کے بعد بحیراء راہب آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا کہ یہ لڑکا تمہارا کون ہے؟

ابوطالب نے کہ ”میرا بیٹا ہے!“

بحیراء کہنے لگا کہ یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے

ت۔ ابوطالب

جلد اول نصف اول

۳۷۳

سیرت طیبہ اردو

بحیراء ان کے پاس کھانا لے کر آیا تو آنحضرت ﷺ لوٹوں کی نگرانی فرما رہے تھے۔ قافلے والوں نے آپ کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو وہ بدلی آپ ﷺ پر سایہ کئے ہوئے تھے جب آنحضرت ﷺ پڑاؤ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ پہلے اس جے میں بیٹھ چکے ہیں جہاں درخت کا سایہ تھا۔ چنانچہ آپ (دھوپ ہی میں بیٹھ گئے مگر درخت کا سایہ فوراً ہی آپ کی طرف آگیا۔ راہب نے یہ منظر دیکھا تو فوراً بولا

اس درخت کے سائے کو دیکھو کہ اس لڑکے کی طرف آگیا ہے۔“

رومیوں کی آمد..... اس کے بعد جبکہ راہب قریشوں کے پاس کھڑا ہوا ان سے یہ وعدہ لے رہا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو رومی سرزمین یعنی شام کے اندرونی علاقے میں نہیں لے جائیں گے کیونکہ رومیوں (یعنی عیسائیوں) نے اگر آپ ﷺ کو پہچان لیا تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے اچانک بحیراء نے دیکھا کہ سات رومی باشندے وہاں پہنچ گئے۔ راہب ان کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ تم کس لئے آئے ہو۔ انہوں نے کہا ”ہم اس نبی کے لئے آئے ہیں جو اس مہینے میں سفر میں نکلا ہوا ہے، اس لئے تمام راستوں پر (اس کی تلاش میں لوگوں کو بھیج دیا گیا ہے۔ اور ہمیں یہ خبر ملی تھی کہ وہ نما آپ کے اس راستے میں موجود ہے۔“

بحیراء نے کہا

”کیا تم سمجھتے ہو کوئی ایسا معاملہ بھی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے پورا کرنے کا وعدہ کیا ہو اور کوئی انسان اس کو روک سکے؟“

رومیوں نے کہا نہیں۔ اور اس کے بعد انہوں نے بحیراء راہب کے سامنے عہد کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو کوئی نقصان اور تکلیف نہیں پہنچائیں گے نہ آپ کو پکڑنے کی کوشش کریں گے اور جس مقصد سے ان کو بھیجا گیا ہے اس کو پورا نہیں کریں گے۔ اس کے بعد وہ سب رومی وہیں بحیراء کے پاس ٹھہر گئے کیونکہ اگر وہ آنحضرت ﷺ کو گرفتار کئے بغیر واپس جاتے تو انہیں ان لوگوں کی طرف سے اپنی جانوں کا خطرہ تھا جنہوں نے ان کو آنحضرت ﷺ کی تلاش میں بھیجا تھا۔

بحیراء نے قریش سے کہا:-

”میں تم سے خدا کے نام پر پوچھتا ہوں کہ ان کا یعنی آنحضرت ﷺ کا ولی اور سرپرست کون ہے؟“

انہوں نے کہا کہ ابوطالب ہیں۔ اب بحیراء ابوطالب پر اصرار کر رہا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو واپس کے بھیج دیں۔ آخر کار ابوطالب راضی ہو گئے اور انہوں نے حضرت بلال کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو واپس بھیج دیا۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ بلال کو بھیج دیا۔ بحیراء نے ایک روز جنوں کا قتل ہونے کے طور پر آپ کے ساتھ کیا۔

”یہاں دور روایتیں بیان ہوئی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کے شام کے سفر کے واقعات ہیں مگر چونکہ دونوں روایتوں میں فرق ہے اس لئے کہتے ہیں۔ (ی) اگر یہ واقعہ ایک ہی ہے تو پھر یہ بات ظاہر ہے کہ اس کو بیان کرنے میں روایوں کی طرف سے فرق ہو گیا ہے جیسا کہ اس کی ایک نظیر پچھلے صفحات میں بھی گزر چکی ہے (یعنی

(ی) پھر اس نے کہا

”یہ کس قدر بری بات ہے کہ آپ سب آئیں اور آپ میں سے ایک آدمی رہ جائے احوال تک میں نے اس کو آپ ہی کے ساتھ دیکھا تھا۔“

قریش نے کہا

”خدا کی قسم ویسے وہ ہم میں نسب کے لحاظ سے سب سے بہتر ہے۔ وہ اس شخص کا بیٹا ہے۔“ انہوں نے ابوطالب کی طرف اشارہ کیا۔ ”نور عبد المطلب کی اولاد میں سے ہے۔“

پھر قریش میں سے ہی ایک شخص نے کہا

”لات اور عزىٰ کی قسم! ہمارے لئے بڑے شرم کی بات ہے کہ ہمارے ساتھ ہوتے ہوئے عبد اللہ

ابن عبد المطلب کا بیٹا کھانے میں شریک نہ ہو۔“

اس کے بعد وہ شخص اٹھ کر گیا اور آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر آیا اور اس نے آپ کو سب کے ساتھ بٹھایا (ی) یہ شخص آنحضرت ﷺ کا چچا حضرت ابن عبد المطلب تھا۔ یہ اگرچہ عمر میں (اپنے بھائی) ابوطالب سے بھی بڑا تھا مگر اس نے آپ ﷺ کو اپنا بیٹا شاید اس لئے نہیں کہا کہ یہ آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبد اللہ کا سا بھائی نہیں تھا، جبکہ ابوطالب عبد اللہ کے بھائی یعنی آنحضرت ﷺ کے گئے چچا تھے، اگرچہ قافلے میں ابوطالب ہی امیر تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کو پڑاؤ میں سے لے کر آنے والے حضرت ابو بکرؓ تھے، علامہ ابن محدث نے گزشتہ قول کے مقابلے میں اسی کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے (کہ آپ کو پڑاؤ میں سے لانے والے حضرت ابو بکرؓ تھے) بہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

بہت حال جو بھی آپ ﷺ کو لایا جب وہ آپ کو پڑاؤ سے لے کر چلا تو وہ بدلی بھی آنحضرت ﷺ کے سر پر ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ جب بحیراء نے یہ منظر دیکھا تو وہ آپ ﷺ کو اور زیادہ غور سے دیکھنے لگا اور آپ ﷺ کے جسم مبارک میں وہ علامتیں تلاش کرنے لگا جو ان کے نزدیک آپ میں ہونی چاہئے تھیں۔ غرض جب سب لوگ کھانا کھا کر فارغ ہو چکے اور لوہر لوہر ہو گئے تو بحیراء آنحضرت ﷺ کے پاس آکر کھڑا ہوا اور آپ ﷺ سے بولا۔

”میں آپ سے لات اور عزىٰ کے نام پر چند باتیں پوچھتا ہوں اور جو کچھ میں پوچھوں آپ اس کے متعلق مجھے بتلائیں۔“

بحیراء نے لات اور عزىٰ کے نام پر اس لئے پوچھا کہ وہ جانتا تھا کہ آپ کی قوم کے لوگ ان ہی دونوں بتوں کے نام پر قسم اور حلف لیتے ہیں۔ (ی) کتاب شفاء میں یہ ہے کہ بحیراء کو یہی بتایا گیا تھا (کہ ان بتوں کے نام پر سوال کیا جائے) غرض رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر بحیراء سے فرمایا۔

”لات اور عزىٰ کے نام پر مجھ سے کوئی بات مت پوچھو، کیونکہ خدا کی قسم مجھے سب سے زیادہ ان ہی سے نفرت ہے۔“

بحیراء نے کہا:-

”تب پھر خدا کے نام پر کہتا ہوں کہ جو کچھ میں پوچھوں تم مجھے اس کے متعلق بتلائیں۔“

آپ نے فرمایا۔

”پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو۔“

اب بحیراء نے آپ ﷺ سے آپ کی مختلف باتوں کے متعلق پوچھنا شروع کیا، آپ کی سونے کے متعلق، آپ کی عادتوں اور آپ کے طور طریقوں کے متعلق پوچھا اور آنحضرت ﷺ اس کو جواب دیتے رہے، آنحضرت ﷺ کے تمام جوابات ان ساری علامتوں کے مطابق تھے جو نبی آخر الزماں کے متعلق بحیراء جانتا تھا۔ (ی) اس کے بعد بحیراء نے آپ کی کمر کھولی اور مہربانیت کو بھی بالکل ویسا ہی پایا جیسا اس نے پڑھا تھا۔ اس نے فوراً مہربانیت کی جگہ کو بوسہ دید۔ قریش (جو بحیراء کی یہ ساری باتیں اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس کی محبت دیکھ رہے تھے) کہنے لگے۔

”اس راہب کے نزدیک محمد (ﷺ) کی ہمت قدر اور مرتبہ ہے!“

آنحضرت ﷺ سے بات کرنے کے بعد بحیراء راہب آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس کیا اور ان سے کہنے لگا کہ یہ لڑکا تمہارا کون ہے؟

ابو طالب نے کہا کہ ”میرا بیٹا ہے!“

بحیراء کہنے لگا کہ یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ یہ ہمیں ہو سکتا کہ اس کے باپ زندہ ہوں۔

تب ابو طالب نے کہا کہ اصل میں یہ میرے بھائی کا لڑکا ہے۔

بحیراء نے کہا کہ پھر ان کے باپ کا کیا ہوا؟ ابو طالب نے کہا

”ان کا اس وقت ہی انتقال ہو چکا تھا جبکہ یہ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے۔“

بحیراء نے کہا ”تم سچ کہتے ہو۔“ اس کے بعد اس نے کہا۔

”ان کی ماں کا کیا ہوا؟“

ابو طالب نے کہا۔ ”ان کا ابھی تھوڑا عرصہ پہلے انتقال ہو گیا۔“

بحیراء نے کہا۔

ٹھیک کہتے ہو۔ اب اپنے بھتیجے کو لے کر واپس وطن چلے جاؤ اور یہودیوں سے ان کی پوری طرح حفاظت کرو کیونکہ خدا کی قسم اگر انہوں نے اس کو دیکھ لیا اور ان میں وہ نشانیاں دیکھ لیں جو میں نے دیکھی ہیں تو وہ ان کے ساتھ ہمت برامعالم کریں گے اس لئے کہ تمہارا یہ بھتیجا نبی ہے اور اس کی ہمت بڑی شان ہے۔ (ی) جو ہم اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں اور اپنے باپ دلواسے بھی سنتے آئے ہیں۔ یہ بات سمجھ لو کہ میں نے تمہیں یہ نصیحت کر کے اپنا فرض پورا کر دیا اس لئے اسے جلد سے جلد وطن واپس لے جاؤ۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جب ابو طالب نے بحیراء کو بتلایا کہ یہ میرے بھائی کا لڑکا ہے تو بحیراء

نے ابو طالب سے پوچھا

”کیا تم اس کے سر پر ست اور ننگراں ہو؟“

ابو طالب نے کہا۔ ”ہاں“ تو بحیراء نے کہا۔

”تب خدا کی قسم اگر تم اسے ملک شام لے گئے۔ (ی) یعنی اس جگہ سے آگے بڑھ کر ملک شام کے

اندرونی علاقے میں داخل ہو گئے جو یہودیوں کا گڑھ ہے۔ تو یہودی اس کو قتل کر دیں گے۔“

چنانچہ ابوطالب (بھیراء کی باتیں سن کر آپ کی طرف سے خوفزدہ ہو گئے اور) آپ کو لے کر کے واپس آ گئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ (بھیراء کی بات سن کر) ابوطالب نے اس سے کہا:-

”اگر یہ بات ٹھیک ہے جو تم بتا رہے ہو تو پھر یہ اللہ عزوجل کی ہی حفاظت میں ہے“

(روایتوں کے اس فرق کے متعلق) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ بھیراء نے جو کچھ کہا تھا وہ اسی عام طریقے اور عادت کے مطابق کہا تھا جو کسی کی حفاظت کے سلسلے میں کہہ دیا جاتا ہے (ورنہ وہ خود بھی جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو دشمنوں کے حوالے نہیں کرے گا بلکہ آپ کی خود حفاظت فرمائے گا یہاں تک کہ آپ اپنے اس عظیم مقصد کو پورا فرمائیں گے جس کے لئے آپ کو اس دنیا میں ظاہر فرمایا گیا ہے)

غرض اس کے بعد جب ابوطالب شام میں تجارت سے فارغ ہو گئے تو وہ آپ کو لے کر واپس کے پہنچے مگر کتاب ہڈی میں یہ ہے کہ۔ (بھیراء سے یہ باتیں سننے کے بعد) آپ ﷺ کے چچانے آپ کو اپنے کئی لڑکے کے ساتھ مدینے بھیج دیا۔ یہ بات قابل غور ہے۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ لعل کتاب (یعنی ردیوں) کی ایک جماعت وہاں پہنچ گئی اور انہوں نے آنحضرت ﷺ میں وہ نشانیاں دیکھ لیں جو بھیراء نے دیکھی تھیں۔ اس پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کو قصاص پہنچانا چاہا تو بھیراء نے ان کو روکا اور انہیں خدا کی طرف توجہ دلائی اور وہ باتیں یاد دلائیں جن میں انکی آسمانی کتاب میں آنحضرت ﷺ کا اور آپ کی نشانوں کا ذکر ہے، اور منع کیا کہ اگر وہ سب مل کر آنحضرت ﷺ کو قصاص پہنچانا بھی چاہیں تو آپ ﷺ ان کی دسترس اور پہنچ سے دور رہیں گے چنانچہ وہ اپنے ارادہ سے باز آئے اور وہاں سے لوٹ گئے۔

اس دوسری روایت میں (آنحضرت ﷺ کے شام کے سفر کا یہ پورا واقعہ اس طرح ہے کہ:-

ابوطالب کچھ دوسرے قریبی بزرگوں کے ساتھ تجارتی سلسلے میں شام کے سفر پر روانہ ہوئے، آنحضرت ﷺ بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ قافلہ بھیراء راہب کی خانقاہ کے پاس جا کر ٹھہرا۔ اس سے پہلے جب بھی قریش قافلے یہاں سے گزرا کرتے تھے تو بھیراء نہ تو باہر نکل کر آتا تھا اور نہ ان کی طرف توجہ دیتا تھا مگر (اس مرتبہ جبکہ ابھی یہ پڑاؤ ڈال رہے تھے یہ راہب اگر ان کے درمیان گھونسنے لگا یہاں تک کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا تو اس نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر کہنے لگا۔

”یہ تمام عالموں کا سردار ہے۔ یہ پروردگار عالم کا پیغمبر ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر ظاہر فرمائیں گے۔“

قریشی بزرگوں نے (یہ سنا تو حیران ہو کر) پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا راہب نے کہا؟

”جب تم اس گھاٹی پر پہنچے تو کوئی پتھر اور درخت ایسا نہیں رہا جو سجدے میں نہ گر گیا ہو۔ اور (درخت اور پتھر) نبی کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کیا کرتے۔ (ی) اور یہ کہ ایک بدلی دوسروں کو چھوڑ کر صرف آپ پر سایہ کئے ہوئے تھی۔ اور میں ان کو اس مرنیت کی وجہ سے پہچانتا ہوں جو ان کے موٹے کی ہڈی سے نیچے چھوٹنے سبب کی شکل کی موجود ہے۔“

اس کے بعد بھیراء راہب واپس خانقاہ میں آیا اور اس نے قریشیوں کے لئے کہانا تیار کر لیا۔ پھر جب

بجیراء ان کے پاس کھانا لے کر گیا تو آنحضرت ﷺ کو سنوں کی مگرانی فرما رہے تھے۔ قافلے والوں نے آپ کو بلانے کے لئے آوی بھجوا دی آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو وہ بدلی آپ ﷺ پر سایہ کئے ہوئے تھے جب آنحضرت ﷺ پڑاؤ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ پہلے اس جھے میں بیٹھ چکے ہیں جہاں درخت کا سایہ تھا۔ چنانچہ آپ (دعوتِ حق میں بیٹھ گئے مگر درخت کا سایہ فوراً ہی آپ کی طرف آگیا۔ راہب نے یہ منظر دیکھا تو فوراً بولا

اس درخت کے سائے کو دیکھو کہ اس لڑکے کی طرف آگیا ہے۔“

رومیوں کی آمد..... اس کے بعد جبکہ راہب قریشیوں کے پاس کھڑا ہوا ان سے یہ وعدہ لے رہا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو رومی سرزمین یعنی شام کے اندرونی علاقے میں نہیں لے جائیں گے کیونکہ رومیوں (یعنی عیسائیوں) نے اگر آپ ﷺ کو پہچان لیا تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے اچانک بجیراء نے دیکھا کہ سات رومی باشندے وہاں پہنچ گئے۔ راہب ان کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ تم کس لئے آئے ہو۔ انہوں نے کہا۔ ”ہم اس نبی کے لئے آئے ہیں جو اس مہینے میں سفر میں نکلا ہوا ہے، اس لئے تمام راستوں پر (اس کی تلاش میں لوگوں کو بھیج دیا گیا ہے۔ اور ہمیں یہ خبر ملی تھی کہ وہ نبی آپ کے اس راستے میں موجود ہے۔“

بجیراء نے کہا

”کیا تم سمجھتے ہو کوئی ایسا معاملہ بھی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے پورا کرنے کا ارادہ کیا ہو اور کوئی انسان اس کو رد کر سکے؟“

رومیوں نے کہا نہیں۔ اور اس کے بعد انہوں نے بجیراء راہب کے سامنے عہد کیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو کوئی نقصان اور تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔ منہ آپ کو پکڑنے کی کوشش کریں گے اور جس مقصد سے ان کو بھیجا گیا ہے اس کو پورا نہیں کریں گے۔

اس کے بعد وہ سب رومی واپس بجیراء کے پاس ٹھہر گئے کیونکہ اگر وہ آنحضرت ﷺ کو گرفتار کئے بغیر واپس جاتے تو انہیں ان لوگوں کی طرف سے اپنی جانوں کا خطرہ تھا جنہوں نے ان کو آنحضرت ﷺ کی تلاش میں بھیجا تھا۔

پھر بجیراء نے قریش سے کہا:-

”میں تم سے خدا کے نام پر پوچھتا ہوں کہ ان کا یعنی آنحضرت ﷺ کا دل اور سر پرست کون ہے؟“ انہوں نے کہا کہ ابو طالب ہیں۔ اب بجیراء ابو طالب پر امر کر رہا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو واپس کے بھیج دیں۔ آخر کار ابو طالب راضی ہو گئے اور انہوں نے حضرت بلال کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو واپس بھیج دیا۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ بلال کو بھیج دیا۔ بجیراء نے یک روز جن کا محلِ نشاۃ کے طور پر آپ کے ساتھ کیا۔

”یہاں دو روایتیں بیان ہوئی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کے شام کے سفر کے واقعات ہیں مگر چونکہ دونوں روایتوں میں فرق ہے اس لئے کہتے ہیں۔ (ی) اگر یہ واقعہ ایک ہی ہے تو پھر یہ بات ظاہر ہے کہ اس کو بیان کرنے میں صحراویوں کی طرف سے فرق ہو گیا ہے جیسا کہ اس کی ایک نظیر وچھلے صفحات میں بھی گزر چکی ہے (یعنی

”خدا کی قسم اتمو دیکھتے ہو تمہاری قوم کیسی نادان ہے! انہوں نے اپنے باپ ابراہیمؑ کے دین کو خراب کر دیا ہے۔ یہ پتھر کیا ہے جس کے گرد یہ طواف کر رہے ہیں جو نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے.....!“

(اس واقعہ کے بعد یہ چاروں مکہ چھوڑ کر اودھر اودھر دوسرے شہروں کو اس تلاش میں نکل گئے کہ کہیں ان کو حضرت ابراہیمؑ کا سچا اور صحیح دین مل سکے۔“

اس روایت کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں بھی پہلے تو خود بھی بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے مگر بعد میں انہوں نے بت پرستی چھوڑ دی تھی۔ لیکن آگے علامہ ابن جوزی کا ایک قول آ رہا ہے جس میں ہے کہ انہوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی تھی۔

علامہ ابن جوزی نے ان چاروں کے علاوہ جن کے نام لوہرہ ذکر کئے گئے قریشیوں کی ایک اور جماعت کا بھی ذکر کیا ہے (جنہوں نے ان چاروں کی طرح اپنی قوم کو چھوڑ دیا تھا) اس جماعت کے متعلق آگے اس جگہ بحث آئے گی جہاں یہ بیان ہے کہ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ پر کون ایمان لایا۔

یہ زید ابن عمرو، حضرت عمر فاروقؓ کے والد خطاب کے سوکیلے بھتیجے یعنی حضرت عمرؓ کے چچا لو بھائی تھے (ان چاروں میں کے دوسرے شخص لوہرہ ابن نوفل کو نبوت کا زندہ نہیں ملا جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو عیسائی ہو گئے تھے (ی) اس سے پہلے انہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ جیسا کہ آگے تفصیل سے بیان ہو گا۔

ان میں کا تیرا شخص عبید اللہ ابن جش ہے اس کو نبوت کا زندہ ملا اس نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اسلام قبول کیا اور پھر پہلی ہجرت میں جب مسلمان (آنحضرت ﷺ کی اجازت سے) حبشہ کو ہجرت کر کے گئے تو عبید اللہ بھی ہجرت کر کے وہاں چلا گیا تھا۔ مگر وہاں پہنچ کر یہ عیسائی ہو گیا۔ اس کا واقعہ بھی آگے آئے گا۔ یہ عیسائی ہو جانے کے بعد جب مسلمانوں کے پاس سے گزرتا تو ان سے کہتا

”تمہاری تو آنکھیں کل گئیں مگر تم لوگ ابھی بھٹکتے ہی پھر رہے ہو۔“

(ی) یعنی ہمیں تو روشنی نظر آگئی مگر تم ابھی تک روشنی کی تلاش میں ہی ہو جو تمہیں نظر نہیں آئی۔ پھر یہ عیسائی مذہب پر ہی مر گیا۔

ان چاروں میں کے چوتھے شخص عثمان ابن حویرث ہیں، ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زندہ نہیں ملا۔ یہ مکہ سے نکل کر روم کے بلاشاہ قیصر کے پاس پہنچ گئے تھے اور اس کے پاس جا کر عیسائی مذہب میں داخل ہو گئے تھے۔

یہ زید ابن عمرو ابن قلیل اکثر قریش کو برا بھلا کہاتے تھے اور ان سے کہتے۔

حق کی تلاش..... ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں زید ابن عمرو کی جان ہے کہ میرے سوا تم میں سے کوئی بھی ابراہیمؑ کے دین پر قائم نہیں ہے۔“

یہاں تک کہ ان کی اس قسم کی باتوں کی وجہ سے ان کے چچا خطاب نے (یعنی حضرت عمر فاروقؓ کے والد نے) ان کو مکہ سے نکال دیا تھا اور انہیں حرام میں ٹھہر لیا تھا۔ اس نے باقاعدہ ایسے آدمیوں کو متعین کر دیا جو زید کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں کیونکہ وہ ڈرتا تھا کہ یہ ہمارے دین میں فساد پھیلاتا ہے۔ آخر زید کے

حالانکہ جاہلیت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے رسول اس فضیلت کے زیادہ مستحق تھے کیونکہ آپ کے متعلق یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت تھی (چنانچہ علامہ شامی کہتے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ ایسا گوشت خود اپنی پاک فطرت اور طبیعت کے تقاضے سے چھوڑ دیتے تھے ایسا نہیں تھا کہ چونکہ زید ابن عمرو نہیں کھاتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے بھی نہیں کھایا۔ اسی لئے اس کا جو جواب علامہ سیبلی نے دیا ہے وہ مناسب نہیں ہے۔

علامہ سیبلی نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کھانے میں سے خود تناول فرمایا تھا (جو آپ نے زید کو پیش کیا تھا)۔ (ی)۔ یہ ہمارے لیے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس سے پہلے ایسے جانور کا گوشت کھایا ہو جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا مگر (اس سے کوئی شبہ اس لئے نہیں پیدا ہونا چاہئے کہ) حضرت ابراہیم کی شریعت میں (یعنی آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے) ایسے گوشت کے کھانے کی ممانعت نہیں تھی بلکہ اس کی ممانعت اسلام نے کی ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کے متعلق شریعت ممانعت نہ کرے اس وقت تک ہر چیز اپنی اصل کے لحاظ سے جائز ہوتی ہے (لہذا ایسے گوشت کی چونکہ شریعت ابراہیمی میں ممانعت نہیں تھی اس لئے اس وقت تک اس کا کھانا جائز تھا یہاں تک کہ اسلام نے اگر اس کو ناجائز قرار دیا تو وہ حرام ہو گیا)

مگر علامہ شامی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا گوشت کبھی نہیں کھایا نہ تو اس میں سے کھلیا جو آپ نے زید ابن عمرو کو پیش فرمایا تھا اور نہ اس سے پہلے یا بعد میں کبھی آپ نے کھلیا۔ اسی لئے علامہ شامی کے اس قول کی روشنی میں علامہ سیبلی کا جواب مناسب نہیں رہتا کیونکہ اس جواب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا گوشت کھلیا ہے (جبکہ علامہ شامی ایسے گوشت کے کھانے کو زائد جاہلیت کی برائیوں میں سے ایک برائی قرار دیتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے میں بھی آپ کی حفاظت فرمائی۔

اسی طرح کسی نے زید ابن عمرو کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے یہ بات اس کے بھی خلاف جاتی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ زید ابن عمرو قریش کے ان چار آدمیوں میں سے ایک تھے جنہوں نے اپنے قوم کو چھوڑ دیا تھا، انہوں نے بت پرستی، مردار جانور کا گوشت اور ایسے جانور کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

(اب گویا اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا گوشت کھانا زائد جاہلیت کی برائیوں میں سے ایک برائی تھی جبکہ علامہ سیبلی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کی شریعت میں ایسا گوشت حرام نہیں تھا اس لئے اس کو زائد جاہلیت کی برائی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ زید ابن عمرو اور دوسرے تین قریشیوں کے متعلق جو بات لوہر بیان کی گئی اس کا واقعہ یہ ہے)

جاہلیت کے چار نیک خصلت قریشی..... ایک مروجہ قریش کے بتوں میں سے کسی بت کا میلہ تھا، اس دن قریش کے لوگ اس بت کے سامنے جانور ذبح کر رہے تھے، اس کے پاس بیٹھ کر اعتکاف کر رہے تھے اور اس بت کا طواف کر رہے تھے (یہ چاروں بھی اپنی قوم کی یہ حرکتیں دیکھ رہے تھے) ان چاروں کے نام یہ ہیں۔

زید ابن عمرو۔ ورفہ ابن نوفل۔ عید اللہ ابن جعش جو آنحضرت ﷺ کا چھوٹی زلو بھائی تھا اور عثمان ابن حویرث اس پہلے میں قریش کی یہ حرکتیں دیکھ کر ان میں سے کسی نے اپنے بتوں ساتھیوں سے کہا

دین پر قائم تھے (یعنی حق تعالیٰ کو ایک جانتے تھے، اور شرک و کفر نہیں کرتے تھے) یہ نہ تو یہودی ہوئے اور نہ عیسائی ہوئے بلکہ یہ بت پرستی سے دور رہتے تھے اور ان قربانیوں کا گوشت کھانے سے بچتے تھے جو بتوں کے نام پر ذبح کی جاتی تھیں، اسی طرح یہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے سے لوگوں کو روکتے تھے۔ ان کے متعلق یہ تفصیل (قطب اول میں) بیان ہو چکی ہے کہ جب کوئی شخص اپنی لڑکی کو زندہ دفن کرنا چاہتا تھا تو اس کو اس کے باپ سے لے کر بچا لیا کرتے تھے اور اس کی پرورش اور کفالت کیا کرتے تھے (اور لڑکی کے بڑے ہونے کے بعد اس کا باپ چاہتا تو اس کو واپس بھی دے دیا کرتے تھے)

جب یہ زید کہے میں داخل ہوتے تو یہ کہا کرتے تھے :-

”میں تیرے حضور میں حاضر ہوں سچائی کے ساتھ، ہمدگی کے ساتھ اور صدق ولی کے ساتھ اور میں بھی اسی کی پناہ مانگا ہوں جس کی پناہ ابراہیمؑ نے مانگی تھی۔“

اس کے بعد زید کہے کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ :-

”قیامت میں یہ زید ایک پوری امت کے برابر درجے میں زندہ کئے جائیں گے۔“

یعنی (اپنے کارناموں اور خدمت کی وجہ سے) یہ تمام ایک پوری جماعت کے قائم مقام ہوں گے۔

(ی) چنانچہ ایک دفعہ ان زید ابن عمرو کے بیٹے سعید نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

”یا رسول اللہ ﷺ ازید جیسے تھے ان کو آپ نے دیکھا ہے اور ان کے متعلق آپ نے سنا بھی ہے، اس لئے ان کے واسطے مغفرت کی دعا فرمائیے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا

”ہاں! میں ان کے لئے مغفرت مانگا ہوں۔ اس لئے کہ وہ قیامت کے دن ایک پوری امت کے برابر ہو کر اٹھیں گے۔“

بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ

”آنحضرت ﷺ کی وحی نازل ہونے سے پہلے (یعنی نبوت ملنے سے پہلے ایک دفعہ زید ابن عمرو ابن

لقیل سے ملاقات ہوئی اس وقت آنحضرت ﷺ کے سامنے کسی نے کھانا پیش کیا تھا جس میں ایسی بکری کا گوشت بھی تھا جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کی گئی تھی۔ پھر یہ صورت تھی کہ) آنحضرت ﷺ نے وہ گوشت (جو آپ کو پیش کیا گیا تھا) زید ابن عمرو کے سامنے پیش کیا مگر زید نے اس کو کھانے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے۔

”میں ایسی چیز ہرگز نہیں کھاؤں گا جو تم لوگ (یعنی عام قریش کے لوگ) اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہو، میں صرف اس جانور کا گوشت کھاتا ہوں جس کو ذبح کرنے کے وقت خدا کا نام لیا گیا ہو۔“

(اس سلسلے میں زید ابن عمرو کے متعلق آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد لو پر ذکر ہوا ہے) یہ واقعہ غالباً اس

سے پہلے کا ہے اور شاید آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا سبب یہی واقعہ تھا (جس کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے زید ابن عمرو کو ہر اس چیز کی برائی کرتے ہوئے سنا جو حق تعالیٰ کے سوا کسی کے نام پر ذبح کی گئی ہو۔

امام سیوطیؒ اس روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ اس میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زید کو کیسے

اس بات کی توفیق دی کہ وہ ان چیزوں کو نہ کھائیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے نام پر ذبح کی گئی ہوں۔

معنی یہی لئے گئے کہ کوئی لوہا اثر ہو گیا ہے۔ ہر حال لفظ لقم کے اصل معنی دیرانگی کے ہیں مگر اس روایت میں علامہ شاہی نے اس کے معنی شیطان کے معنی لوہے اثر کے بتلائے ہیں جس کو عربی میں لقمہ کہا جاتا ہے۔ اس کے حقائق کہتے ہیں)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- اس روایت کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ لقمہ شیطان کا یعنی لوہا اثر ہوتا ہے اب گویا یہ لفظ لقمہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی شیطانی اثر یعنی لوہے اثر کے ہیں اور گویا لقمہ کو لقمہ کے معنی میں لیا گیا اور نہ لقمہ جنون کی ایک قسم کو کہا جاتا ہے جیسا کہ رضاعت میں بھی گزرا ہے (مگر وہاں بھی مترجم نے اس کے معنی لوہے اثر کے لئے ہیں اور اسی رضاعت کے واقعہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لقمہ لوہے اثر کے بجائے پیلہ کی وغیرہ کو کہتے ہیں) جبکہ یہاں اس کے معنی لوہے اثر کے ہی لئے گئے ہیں۔ صحاح کی روایت میں بھی یہی ہے کہ لقمہ جنون کی ایک قسم ہوتی ہے جبکہ لقمہ لوہے اثر کو کہتے ہیں (ی) اس طرح انہوں نے ان دونوں لفظوں میں فرق کیا ہے۔ واللہ اعلم

تشریح..... اسی سلسلہ میں ایک واقعہ البدایہ والنہایہ نے حضرت زید ابن عروہ سے نقل کیا ہے کہ:-

(بیت اللہ میں) تاجنہ کے بنے ہوئے دو بیت تھے جن کے نام اساف اور ناکہ تھے جب مشرکین طواف کرتے تو ان کو برکت حاصل کرنے کے لئے چھو کر رہتے تھے ایک دفعہ (نبوت سے پہلے) رسول اللہ ﷺ اور میں بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے جب میں طواف کے دوران میں ان دونوں کے پاس سے گزرا تو میں نے بھی ان کو چھوا رسول اللہ ﷺ نے فوراً مجھے روکا کہ ان کو ہاتھ مت لگاؤ۔ زید کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم پھر طواف میں مشغول ہو گئے میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اب کے پھر اس کو ضرور چھوؤں گا تاکہ معلوم تو ہو کہ کیا ہوتا ہے (اور آنحضرت ﷺ نے کس لئے اس سے روکا ہے) چنانچہ میں نے اس کو پھر چھوا تو رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا۔ ”کیا تمہیں اس کو ہاتھ لگانے سے روکا نہیں گیا تھا؟“

اس کے بعد زید کہتے ہیں کہ:-

”پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت ﷺ کو یہ عزت عطا فرمائی اور آپ ﷺ پر اپنی کتاب نازل فرمائی کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی بھی کسی بیت کو نہیں چھوایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس مرتبہ پر سرفراز فرمایا اور آپ ﷺ پر وہی نازل فرمائی۔“ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۸۸)

حرام گوشت کے کھانے سے حفاظت..... ایسے ہی (حق تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی جو حفاظت فرمائی گئی اس کا ایک واقعہ یہ ہے جسے حضرت عائشہؓ نے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ:-

”میں نے زید ابن عمرو ابن قہیل کو ہر اس قربانی کی برائی کرتے ہوئے سنا جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے نام پر ذبح کی جاتی تھی (ی) چنانچہ وہ قریش سے کہا کرتا تھا کہ۔ بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اسی نے اس کے لئے آسمان سے پانی امیر اللہ زمین سے گھاس اگائی مگر تم ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے نام پر ذبح کرتے ہو۔ (اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ) میں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھکی جو جنوں کے نام پر ذبح کی گئی ہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا۔“

زید ابن عمرو..... یہ زید ابن عمرو آپ کی نبوت سے پہلے تھے اور اہل فترت میں سے تھے جو حضرت ابراہیم کے

بتوں سے فطری نفرت اور پرہیز..... ایسے ہی (حق تعالیٰ نے نہانہ جاہلیت کی برائیوں سے آنحضرت ﷺ کی جو حفاظت فرمائی اس کا ایک واقعہ ہے جس کو ام ایمنؓ نے روایت کیا ہے کہ :-

قریش کا ایک بت تھا جس کا نام بولہ تھا۔ قریش ہر سال اس کے پاس حاضری دیا کرتے تھے اور اس کی بے حد عزت و عظمت کرتے تھے۔ اس کے پاس یہ لوگ قربانی کا جانور ذبح کرتے، سر منڈاتے اور پورا دن اس کے پاس احتکاف کیا کرتے تھے۔ ابوطالب بھی اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ اس بت کے پاس حاضری دیا کرتے تھے (قریش اس سالانہ موقعہ کو ایک عید کی طرف مناتے تھے چنانچہ ابوطالب آنحضرت ﷺ سے بھی کہا کرتے تھے کہ آپ ان کے ساتھ اس عید میں شریک ہو آئیں مگر آنحضرت ﷺ ہمیشہ وہاں جانے سے انکار فرمادیا تھا کرتے تھے آخر ایک مرتبہ ابوطالب کو غصہ آگیا۔ ام ایمن کتنی ہیں کہ اس دن میں بنے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھیاں بھی بے حد غضب ناک ہو رہی تھیں۔ وہ آپ ﷺ سے کہنے لگیں۔

”تم جو ہمارے معبودوں سے اس طرح بچتے اور پرہیز کرتے ہو تو ہمیں تمہاری طرف سے ہی ڈر ہو گیا۔“

پھر وہ کہتیں :-

”محمد ﷺ! تم یہ نہیں چاہتے کہ اپنی قوم کی عید میں شریک ہو اور مجمع میں اضافہ کرو۔“

وہ سب اسی طرح آنحضرت ﷺ پر اصرار (اور بدانتہی کا اظہار کرتی رہیں یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ ان کے پاس سے چلے گئے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہاں سے غائب رہے۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو اس طرح کہ آپ ڈرے ہوئے اور گھبرائے ہوئے تھے آپ کی پھوپھوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ آپ اتنے دہشت زدہ کیوں ہیں آپ ﷺ نے فرمایا۔

”مجھے ڈر ہے کہ مجھ پر بھوت پریت کا اثر نہ ہو گیا ہو.....!“

انہوں نے کہا۔

”اللہ عزوجل تمہیں شیطان کے اثر سے ہمیشہ محفوظ رکھے گا کیونکہ تم میں بہت نیک اور اچھی خصلتیں ہیں۔ مگر تم نے کیا دیکھا (جو یہ خیال پیدا ہوا)؟“

آپ ﷺ نے فرمایا۔

”میں جب بھی ان میں سے کسی بت کے قریب ہوا۔ یعنی جن کے درمیان میں وہ بڑا بت نصب تھا جس کا نام بولہ تھا۔ تو میرے سامنے ایک سفید رنگ کا لور بہت قد آور آدمی ظاہر ہوتا (ی) جو فرشتوں میں سے ایک تھا۔ لور وہ پکار کر مجھ سے کہتا۔

”محمد! پیچھے ہٹو، اس کو چھونا نہیں.....!“

(”یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد ام ایمن کتنی ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ کبھی قریش کی کسی عید میں تشریف نہیں لے گئے، یہاں تک کہ آپ کو نبوت عطا ہوئی۔“

(اس روایت میں لم کا لفظ آیا ہے جو جنوں اور دیوانگی کی ایک قسم کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ ضاعت کے قصے میں بھی ایک روایت میں آیا ہے جس میں گزرا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت فرشتوں نے آکر آپ کا سینہ چاک کیا تو آپ کے رضائی باپ نے کہا تھا کہ شاید ان پر دیوانگی کا اثر ہو گیا ہے مگر وہاں بھی اس کے

قریب پہنچا تو مجھے گانے کی لور باجے گا جے کی آواز آئی میں لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا ”قلاں آدمی کی قریش کے قلاں شخص کی لڑکی سے شادی ہو رہی ہے۔“

”میں اس آواز کی طرف متوجہ ہو گیا یہاں تک کہ میری آنکھیں نیند سے جھٹکے لگیں اور میں سو گیا۔ اس کے بعد اس وقت میری آنکھ کھلی جبکہ مجھ پر دھوپ پڑنے لگی تھی۔ ایک جگہ یہ لفظ ہیں کہ۔ میں وہاں سننے کے لئے بیٹھ گیا مگر اللہ تعالیٰ نے میرے کانوں کو بند کر دیا۔ پھر خدا کی قسم دھوپ کی گرمی سے ہی میری آنکھ کھلی۔ غرض پھر میں وہاں سے واپس اپنے ساتھی کے پاس آیا (جو بکریوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا) اس نے مجھ سے پوچھا کہ۔ تم نے جا کر کیا کیا تو میں نے اس کو واقعہ بتلایا۔ پھر اگلی رات میں گیا تو پھر یہی صورت پیش آئی۔“

(یعنی قریش کی یہ مجلسیں کھیل کود اور لغویات کی ہوتی تھیں۔ اس لئے اللہ نے آنحضرت ﷺ کو ان میں شریک ہونے سے بچایا۔ اسی طرح باہر رہتے ہوئے بھی آپ کے کانوں میں جب گانے بجانے کی آواز پڑی اور آپ ﷺ کم عمری کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان آوازوں کو آپ کے کانوں تک نہ پہنچنے دیا اور آپ ﷺ پر نیند طاری فرمادی)

حدیث کے شروع میں یہ لفظ ہیں کہ جاہلیت کی برائیوں میں پڑنے سے ”دونوں مرتبہ اللہ عزوجل نے میری حفاظت فرمائی۔“ لیکن آگے چل کر اس حدیث کی ایک روایت میں تو یہ لفظ ہیں کہ میں اس (گانے بجانے کی) آواز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”میں وہاں (اس گانے بجانے کی آواز کو) سننے کے لئے بیٹھ گیا۔“ اس کے متعلق کہتے ہیں

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- حدیث کے شروع کے یہ الفاظ جو ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے دونوں مرتبہ میری حفاظت فرمائی۔“ ان کے لحاظ سے دوسری روایت کے یہ لفظ مناسب ہیں کہ ”میں وہاں سننے کے لئے بیٹھ گیا۔“ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ آوازیں آپ کے کانوں میں نہیں پڑنے دیں اور اس طرح حق تعالیٰ کی حفاظت کے نتیجہ میں آپ اس کا صرف ارادہ ہی کرنے کے بعد محفوظ ہو گئے اور وہ ارادہ پورا نہیں ہو سکا) لیکن پہلی روایت کے یہ لفظ اس کے مناسب نہیں کہ ”میں اس (گانے بجانے کی آواز کی طرف) متوجہ ہو گیا۔“ (کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے وہ آوازیں سنیں اور اس طرح آپ ﷺ کا ارادہ پورا ہو گیا۔ جبکہ حدیث کے شروع میں یہ فرمایا گیا ہے کہ میں نے دو مرتبہ ارادہ کیا مگر دونوں مرتبہ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت فرمائی۔ حالانکہ ارادہ پورا ہو جانے سے حفاظت ثابت نہیں ہوتی) کہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ میں نے اس آواز کی طرف متوجہ ہونا چاہا“ (مگر متوجہ ہونے سے پہلے ہی آپ ﷺ پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا) واللہ اعلم

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

”پس خدا کی قسم جاہلیت کی ان برائیوں میں سے جن میں لوگ جلتا تھے ان دو موقعوں کے سوا میں نے کبھی کسی برائی کا ارادہ نہیں کیا۔“

ایک جگہ یہ لفظ ہیں کہ:-

”ان دو موقعوں کے سوا میں ان چیزوں کی طرف لوٹا اور نہ ان کا ارادہ کیا۔ (یعنی ان چیزوں کا جن میں جاہلیت کے لوگ جلتا تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا۔“

اپنا تہبند باندھ لیا اور پھر اپنے ساتھی لڑکوں کے ساتھ تہبند باندھے باندھے میں گردن پر پتھر رکھ کر لے جانے لگا۔

آنحضرت ﷺ کو اسی طرح کا یعنی بچپن میں برہنگی کی حالت میں پتھر اٹھا کر لے جانے کا واقعہ اس وقت بھی پیش آیا تھا جبکہ ابوطالب زحرم کے کنویں کی مرمت کر رہے تھے۔ چنانچہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کو ابو نعیم نے بھی صحیح قرار دیا ہے کہ :-

”ابوطالب زحرم کے کنویں کی مرمت کر رہے تھے۔ اس زمانے میں آنحضرت ﷺ کم عمر تھے اور آپ اس مرمت کے کام میں (چمکا کر مدد کے طور پر) پتھر ڈھونڈتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا تہبند اتار کر اس میں پتھر باندھ لئے، مگر اسی وقت آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب آپ ﷺ کو ہوش آیا تو ابوطالب نے پوچھا (کہ کیا بات ہو گئی تھی) آپ ﷺ نے فرمایا

”میرے پاس ایک آنے والا آیا جو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اس نے مجھ سے کہا کہ اپنا ستر (یعنی بدن کے چھپائے جانے والے حصے) لاٹھک لیجئے۔“

”اس کے بعد سے آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کے پوشیدہ حصے کبھی نہیں دیکھے گئے۔“

کتاب خصائص صغریٰ میں ہے کہ :-

”آنحضرت ﷺ کو برہنگی اور پوشیدہ حصے کھولنے سے نبوت سے پانچ سال پہلے ہی روک دیا گیا تھا (یعنی اگرچہ بچپن کے ان دو ایک واقعات کے بعد آنحضرت ﷺ نے خود اپنی فطری شرم و حیاء اور لب کی بنا پر بھی اپنے بدن کے پوشیدہ حصوں کو کھلنے نہیں دیا، لیکن پھر نبوت سے پانچ سال پہلے حق تعالیٰ کی طرف سے بھی آپ کو ستر کھولنے کی ممانعت آگئی) پھر اسی طرح کا واقعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کعبہ کی بنیاد کے وقت بھی پیش آیا جس میں آپ کو ستر کھولنے سے روک گیا۔ یہ واقعہ آگے آ رہا ہے اس میں جو اشکال ہے وہ بھی آگے بیان ہوگا۔

لہو و لعب میں شرکت سے حفاظت..... ایسے ہی (حق تعالیٰ کی طرف سے زندہ جاویدت کی برائیوں کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی جو خاص حفاظت فرمائی گئی اس کا ایک واقعہ یہ ہے جو حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ :-

”جاویدت کے زمانے میں عرب جن برائیوں میں پڑے ہوئے تھے ان کا میں نے ساری عمر میں (بچپن کے دوران) صرف دو مرتبہ اولوہ کیا مگر دونوں مرتبہ اللہ جل شانہ نے میری حفاظت فرمائی یعنی ان پر عمل کرنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان برائیوں سے بچالیا۔ (ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک قریشی لڑکا کے کے بالائی حصے میں اپنی بکریاں لئے ہوئے میرے ساتھ تھا۔ ایک جگہ یہ لفظ ہیں کہ۔ میں نے کے کے ایک لڑکے سے کہا جبکہ ہم اپنے اپنے گھر والوں کی بکریاں چراہے تھے (مؤلف کہتے ہیں کہ) میں اس لڑکے کے نام سے واقف نہیں ہوں (غرض آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اس لڑکے سے کہا)۔

”تم ذرا میری بکریوں کی دیکھ بھال رکھو تاکہ آج میں بھی قصہ گوئی کی اس مجلس میں شریک ہوں جہاں سب لڑکے جاتے ہیں۔“ اس لڑکے نے کہا۔ ”اچھا“ (حدیث میں لفظ سر استعمال کیا گیا ہے) جس کے معنی ہیں رات میں قصہ گوئی کرنا۔ اس کے بعد میں روانہ ہوا۔ جب میں کے کے مکانوں میں سے ایک مکان کے

باب یازدہم (۱۱)

جاہلیت کی برائیوں سے حفاظت

اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کی ان تمام برائیوں اور عیوں سے رسول اللہ ﷺ کے بچپن میں بھی آپ کی حفاظت فرمائی جو آخر کار آپ کی لائی ہوئی شریعت میں بھی حرام قرار دی گئیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کا اعزاز مقصود تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم کے نتیجہ میں آپ اپنی قوم میں اخلاق و عادات کے لحاظ سے سب سے بہتر تھے اسی طرح سب سے زیادہ سچے، سب سے زیادہ ملات دار اور ان تمام برائیوں سے سب سے زیادہ دور تھے جو انسان کو بے وقت بناتی ہیں۔ (ی) یعنی اللہ تعالیٰ کی اس خاص حفاظت کے نتیجہ میں آنحضرت ﷺ اپنی قوم میں سب سے زیادہ باسرت اور بااخلاق تسلیم کئے گئے، آپ ہمیشہ ایک بہترین دوست اور ایک بہترین پڑوسی ثابت ہوئے، بے اعتبار مہم دل، انتہائی ملات دار اور اپنی بات کے بے حد سچے تھے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں نرم مزاجی صبر و شکر، انصاف پسندی، زہد و تقویٰ، تواضع و اکساری پاک دامن، سخاوت و فیاضی، شجاعت و بہادری، شرم و حیا اور سرت و در و دلوری جیسی بلند و بالا صفات اور شریفانہ عادتیں پیدا فرمائی تھیں اس لئے قریش نے آپ کا لقب ”امین“ یعنی ملات دار رکھ دیا تھا۔

برہنگی پر ممانعت و تمہید..... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آنحضرت ﷺ کی حفاظت کی اس کی مثال میں ایک واقعہ یہ ہے جس کو اسحاقؑ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

”ایک مرتبہ (بچپن میں) میں کچھ قریشی لڑکوں کے ساتھ تھا جو ایک کھیل کے سلسلے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پتھر لے جا رہے تھے، ہم میں سے ہر ایک اپنا اپنا تہبند اند کر رہا تھا اور پتھر رکھ کر لے جانے کے لئے اسے گردن پر رکھ لیا۔ میں بھی ان بچوں کے ساتھ اسی طرح آ جا رہا تھا کہ اچانک (ی) ایک فرشتے نے میرے اتناخت ہاتھ مداخلہ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک جگہ یہ لفظ ہیں کہ۔ کہ بہت زور سے میرے ہاتھ مارا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ہاتھ سخت ہونے کے باوجود وہ آنحضرت ﷺ کے لئے تکلیف دہ نہیں تھا۔ غرض اس کے بعد اس فرشتے نے مجھ سے کہا کہ اپنا تہبند باندھ لیجئے۔ چنانچہ میں نے فوراً

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

حجر یہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ بحیراء راہب کو نبوت کا زمانہ ملایا نہیں۔

بحیراء نام کے ایک صحابی بھی ہیں مگر یہ بحیراء وہ نہیں ہے جو صحابی تھے۔ اور جو حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبش سے آنے والے آٹھ آدمیوں میں سے تھے۔ بحیراء نام کے ان صحابی سے شراب کے حرام ہونے کے سلسلے میں ایک حدیث بھی روایت ہے۔ ہانچہ بعض حضرات اس حدیث کو منکر یعنی کزور قرار دیتے ہیں مگر وہ لوگ وہ ہیں جو بحیراء کے نام کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہی بحیراء راہب ہیں جس سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات شام کے سفر کے دوران ہوئی تھی۔ (حالانکہ یہ بحیراء نامی صحابی دوسرے ہیں) واللہ اعلم

www.ziaraat.com
jagir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

اقول۔ مولف کہتے ہیں:- وہ یہ آپ کا سفر ہے جس میں آپ حضرت خدیجہ (کی طرف سے تجارت کے سلسلے میں ان) کے غلام میسرہ کے ساتھ گئے تھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ملک شام کو سفر کرنا دوسرے سے زیادہ ثابت نہیں ہے (جن میں سے ایک مرتبہ آپ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ یمن میں تشریف لے گئے اور دوسری مرتبہ حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کے ساتھ تجارت کے لئے تشریف لے گئے) چنانچہ اس روایت میں ہے کہ وہ یعنی آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی تجارتی سلسلے میں ملک شام کے سفر پر جا رہے تھے۔ اور آنحضرت ﷺ تجارت کے لئے ایک دفعہ کے سوا شام نہیں گئے۔ جیسا کہ آگے بیان آ رہا ہے کہ یہ بات (جو پورانی روایت میں بحیراء راہب نے کہی) وہ اصل میں سطوراء راہب نے کہی تھی بحیراء نے نہیں اور اس نے یہ بات میسرہ سے کہی تھی حضرت ابو بکرؓ سے نہیں کہی تھی۔

ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس راہب نے یہ بات میسرہ اور حضرت ابو بکرؓ دونوں سے کہی ہو۔ مگر اس میں پھر اشکال رہتا ہے کہ اس وقت جبکہ آنحضرت ﷺ میسرہ کے ساتھ ملک شام تشریف لے گئے تو اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال تھی بیس سال نہیں تھی۔ یہ ماننے کے بعد ضروری ہے کہ یہ درخت سطوراء راہب کے خانقاہ کے سامنے ہو گا بحیراء کی خانقاہ کے سامنے نہیں۔ لیکن روایت میں بحیراء راہب کی جگہ سطوراء راہب کا ذکر ہے اس کے متعلق علامہ غیشا پوری نے اپنی کتاب ”شرف المصطفیٰ“ میں لکھا ہے کہ یہ راوی کی طرف سے وہم اور مغالطہ ہے جو اس وجہ سے ہو گیا کہ دونوں (راہبوں کی خانقاہوں) کی جگہ ایک ہی تھی یعنی بصری کا بازار کہ دونوں کی خانقاہیں یہیں تھیں۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مثلاً ممکن ہے بحیراء راہب کے مرنے کے بعد سطوراء راہب اس خانقاہ میں اس کا جانشین بنا ہو۔ یہ جواب اس جواب سے زیادہ اچھا ہے کہ یوں کہا جائے کہ دونوں کی خانقاہیں بھی الگ الگ تھیں اور ان کے سامنے درخت بھی الگ الگ تھے۔ یعنی ایک بحیراء راہب کی خانقاہ کے سامنے اور دوسرا سطوراء راہب کی خانقاہ کے سامنے اور دونوں کے متعلق حضرت عیسیٰؑ نے وہی بات فرمائی تھی جو پیچھے ذکر ہوئی۔

اسی طرح یہ جانشینی کا جواب اس جواب سے بھی بہتر ہو گا کہ یوں کہا جائے کہ درخت تو ایک ہی تھا لیکن (دونوں راہبوں کی خانقاہیں الگ الگ تھیں اور) یہ درخت بحیراء راہب کی خانقاہ اور سطوراء راہب کی خانقاہ دونوں کے درمیان میں تھا اور یہ کہ وہ قافلہ جس میں ابوطالب تھے ایسی جگہ ٹھہرا تھا جہاں سے بحیراء راہب کی خانقاہ زیادہ قریب تھی اور وہ قافلہ جس میں حضرت ابو بکرؓ اور میسرہ غلام تھے درخت کی اس جانب میں ٹھہرا تھا جدھر سے سطوراء راہب کی خانقاہ زیادہ قریب تھی۔

جہاں تک خود بحیراء اور سطوراء راہب کا معاملہ ہے اس کے بارے میں آگے بحث آئے گی کہ یہ دونوں اور ان جیسے دوسرے وہ لوگ جنہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ آنحضرت ﷺ اس امت کے نبی ہیں۔ یہ سب لوگ اہل فترت میں سے ہیں اہل اسلام میں سے نہیں ہیں (اہل فترت کے متعلق سیرت حلبیہ مکتوبات میں تفصیل گزر چکی ہے کہ اہل فترت وہ لوگ ہوتے ہیں جو دو نبیوں کے درمیان پائے جانے والے اس دور کے لوگ ہوتے ہیں جس میں پچھلے نبی کی شریعت وقت گزر کے ساتھ بھلائی جا چکی ہو اور اگلا نبی اس وقت تک ظاہر نہ ہوا ہو۔ ان کے انجام کے متعلق بھی مکتوبات میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔ بہر حال بحیراء اور سطوراء وغیرہ راہبوں کو اہل فترت میں شمار کیا گیا ہے اس لئے کہ ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ نہیں ملا، اگرچہ حافظ ابن

وقت ہی کچھ کہا جاسکتا ہے جب پہلے یہ مان لیا جائے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت بلال اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے (جب حافظ دمیاطی یہی نہیں مانتے کہ یہ دونوں آپ کے ساتھ تھے تو پھر حضرت بلال کے مسلمان ہونے اور حضرت ابو بکر کی ملک میں ہونے کے حلق ان کا کچھ کھٹا تو زائد بات ہی ہے)۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس سفر میں ماننے کی صورت میں یہ مان لیتا کہ حضرت ابو بکر نے حضرت بلال کو آپ کے ساتھ بھیج دیا ہوگا، اس پر موقوف نہیں ہے کہ حضرت بلال مسلمان ہوں اور حضرت ابو بکر کی ملک میں آچکے ہوں۔ ممکن ہے اس وقت حضرت بلال کا جو مالک تھا یعنی امیہ ابن خلف اس نے اپنی کسی ضرورت سے حضرت بلال کو اس قافلے کے ساتھ بھیجا ہو، مگر پھر حضرت ابو بکر نے ان کو حکم دیا ہو کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ واپس ہو جائیں تاکہ راستے میں وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت بھی کریں اور آپ کا دل بھی ہلارے اور اطمینان بھی رہے۔ یہ حکم حضرت ابو بکر نے اس بھروسہ پر دیا ہو کہ حضرت بلال کا مالک اس پر بدراض نہیں ہوگا۔ کیونکہ حضرت بلال کو بھیجے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر ان کے مالک ہی رہے ہوں۔ اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت ابو بکر اس وقت اس قافلہ میں نہیں تھے کہ کسی کو کہیں بھیج سکیں اس سلسلے میں جو شبہ ہے وہ گزر چکا ہے (یعنی وہ حدیث جس میں آنحضرت ﷺ کے پوچھنے پر حضرت ابو بکر نے بتلایا کہ وہ عمر میں بڑے ہیں کہ اللہ اعلم۔

(قال) ابن مندہ کزور سند کے ساتھ حضرت ابو بکر کی روایت بیان کرتے ہیں کہ :-

”ایک مرتبہ وہ یعنی حضرت ابو بکر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تجارتی سلسلے میں شام کے سفر پر گئے۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اور آنحضرت ﷺ بیس سال کے تھے۔ (ی) یعنی رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر سے دو سال (ی) اور ایک مہینہ بڑے تھے۔ دو سال پر یہ تھوڑی سی زیادتی یعنی ایک مہینے کی زیادتی اس روایت میں صاف نہیں ہے اس کو ابن مندہ نے ذکر کیا۔

”(غرض حضرت ابو بکر آنحضرت ﷺ کے ساتھ شام کے سفر پر گئے) یہاں تک کہ جب وہ ایک منزل پر ٹھہرے جو شام کے علاقے میں بصری کا بازار تھا یہاں ایک درخت تھا، آنحضرت ﷺ اس کے سائے میں بیٹھ گئے اور حضرت ابو بکر (وہاں رہنے والے) ایک راہب کے پاس گئے جس کا نام بخیراء تھا۔ حضرت ابو بکر اس راہب کے پاس کسی چیز کے بدلے میں پوچھنے گئے تھے اس راہب نے حضرت ابو بکر سے پوچھا۔

”یہ شخص کون ہے جو اس درخت کے سائے میں بیٹھا ہے؟“

حضرت ابو بکر نے کہا کہ یہ محمد ﷺ ابن عبد اللہ ابن عبد المطلب ہیں۔ راہب نے کہا۔

”خدا کی قسم یہ اس امت کا نبی ہے۔ اس درخت کے سائے میں حضرت عیسیٰ ابن مریم کے بعد محمد ﷺ کے سوا کوئی نہیں بیٹھا۔“

(ی) اور حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا کہ :-

”اس درخت کے سائے میں میرے بعد نبی اُتی وہ اُمّی کے سوا کوئی نہیں بیٹھے گا۔“ یہ روایت آگے تفصیل سے آئے گی۔

اس سلسلے میں علامہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت ابو بکر کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہ سفر اس سفر کے علاوہ ہو جس میں ابو طالب گئے تھے۔

وہ واقعہ جس میں عبدالمطلب کی بیوی رقیقہ کے خوب لور بارش کے لئے عبدالمطلب کی دعا کا ذکر ہوا ہے (چنانچہ اس روایت میں بھی کچھ راہیوں نے واقعات کو آگے پیچھے کر دیا جس کی دلیل میں کتاب ہڈی کی یہ بات ہے کہ کتاب ترمذی وغیرہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا (ی) لور حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کو بھیجا تھا۔ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ حضرت بلالؓ تو شاید اس وقت تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور اگر پیدا ہو چکے تھے تو بھی نہ وہ آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب کے ساتھ تھے اور نہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ تھے۔

اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں ہے کہ اس روایت میں کئی باتیں سن کر یعنی ناقابل اعتبار ہیں چنانچہ اصل کی مصنف لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس روایت کی سند میں وہی رلوی ہیں جن کی روایتیں صحیح احادیث میں ہیں مگر سند کے صحیح ہونے کے باوجود اس روایت کے متن یعنی عبارت میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو منکر ہیں (حدیث منکر کی تعریف سیرت حلبیہ اردو کے لکھنؤ باب میں گزر چکی ہے) مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ کا حضرت بلالؓ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھیجنا اس لئے کہ حضرت بلالؓ کو (جو غلام تھے) حضرت ابو بکرؓ نے اس واقعہ کے تیس سال سے بھی زیادہ عرصے کے بعد خرید لیا تھا (اور ظاہر ہے ان کا مالک ہونے سے پہلے حضرت بلالؓ کو اس طرح بھیج دیا جانا سمجھ میں نہیں آتا) پھر یہ کہ اس وقت (جبکہ آنحضرت ﷺ نے شام کا یہ سفر فرمایا تھا) خود حضرت ابو بکرؓ کی عمر دس سال کی بھی نہیں ہوئی تھی کیونکہ آنحضرت ﷺ حضرت ابو بکرؓ سے عمر میں دو سال سے بھی کچھ زیادہ بڑے تھے یعنی دو سال لور ایک مہینہ بڑے تھے۔

لہذا یہ بیان ہو چکا ہے کہ اس سفر کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک نو سال تھی جو زیادہ صحیح قول کی بنیاد پر ہے۔ (ی) اس کا مطلب ہے کہ اس وقت حضرت ابو بکرؓ کی عمر سات سال کے قریب رہی ہوگی۔ پھر یہ کہ حضرت بلالؓ حضرت ابو بکرؓ سے بھی چھوٹے تھے اس لئے یہ قول کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ (ی) کیونکہ اس وقت (جبکہ ابو بکرؓ سات سال کے تھے) قاعدے کے مطابق وہ اس قابل ہی نہیں تھے کہ کسی کو کہیں بھیجیں۔ اسی طرح حضرت بلالؓ بھی اس وقت اس قابل نہیں تھے کہ ان کے ساتھ کسی کو بھیجا جائے (کیونکہ اتنی تھوڑی عمر کے بچے کو نہ تو کسی کے ساتھ بھیجا کرتے ہیں اور نہ ان کو ہی دُسر اہت یا حفاظت کے لئے کسی کے ساتھ بھیجا جاسکتا ہے)۔

جمال تک اس بات کا تعلق ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابو بکرؓ سے عمر میں بڑے تھے تو حدیثوں، سیرت کی کتابوں اور آثار (یعنی صحابہ کی روایتوں) کی بنیاد پر جمہور علماء (یعنی اکثر علماء) کا یہی قول ہے۔ لیکن اس بارے میں ایک حدیث یہ بھی آئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ سے

پوچھا۔

”ہم میں سے بڑا کون ہے۔ میں یا تم؟“

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا۔

”آپ ہی زیادہ معزز اور شریف ہیں اور آپ ہی بڑے ہیں مگر عمر میں میں زیادہ ہوں۔“

اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس میں وہم لور مغالطہ ہے اور یہ حدیث آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ سے نقل کی جاتی ہے۔

اسی طرح جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت بلالؓ حضرت ابو بکرؓ سے عمر میں چھوٹے تھے اس بارے میں ابن حبان کا قول اس دعویٰ کے خلاف ہے (اس میں کہا گیا ہے کہ حضرت بلالؓ حضرت ابو بکرؓ کے ہم عمر تھے یعنی تقریباً برابر عمر تھی۔ اس بات کو مانا جائے تو پھر علامہ ذہبی کا یہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے شام کے سفر سے واپسی کے وقت) حضرت بلالؓ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

(قال) علامہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ یہ کہنا کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیجا تھا۔ رولوی کا وہ ہم ہے کیونکہ اسی رولوی کی ایک اور حدیث ہے جس سے یہ بات غلط ہو جاتی ہے۔

اقول مؤلف کہتے ہیں :- اسی وہ ہم کی وجہ سے علامہ ذہبیؒ نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ میں سمجھتا ہوں یہ حدیث موضوع یعنی سن گھڑت ہے کیونکہ اس کا کچھ حصہ بالکل باطل اور بے بنیاد ہے یعنی واقعہ کے مطابق نہیں ہے (ی) اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ حدیث میں گھڑت ہے مگر اس کا کچھ حصہ واقعہ کے مطابق بھی ہے جبکہ کچھ حصہ واقعہ کے خلاف ہے۔

اب اصل یعنی کتاب عیون الاثر کے مؤلف کا یہ کہنا کہ یہ حدیث منکر ہے یعنی اس حدیث کے متن یعنی عبارت میں ناقابل اعتبار چیزیں ہیں (جیسا کہ لوہ کی سطروں میں بیان ہوا ہے) تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس کی عبارت میں باطل اور غلط چیزیں ہیں جیسا کہ میں نے وہاں اس طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ اگرچہ حدیث منکر محدثین کی اصطلاح میں موضوع یا باطل حدیث کو نہیں کہتے بلکہ یہ کزور حدیثوں میں سے ایک حدیث ہوتی ہے مگر اب یہاں منکر کا وہ مطلب نہیں۔ یہاں اس کا وہ اصطلاحی مطلب نہیں ہو گا کہ یہ حدیث منکر ہے یعنی جو ضعیف حدیث کی ایک قسم ہوتی ہے۔ اس میں ضعف اور کزور سے مراد حدیث کی سند یعنی راویوں کے سلسلے میں کوئی کمی اور نقص ہوتا ہے اور سند کی کزوری سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث کا جو متن اور عبارت ہے وہ کزور اور غیر صحیح اور غیر یقینی ہے چ جائے کہ اس کو باطل قرار دیا جائے۔

حافظ و میاٹی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں دو وہم ہیں۔ پہلا وہم تو یہ ہے کہ (ان سات روئیوں نے بحیراء کی بات سن کر آنحضرت ﷺ کی سلامتی کا) عہد کیا اور اپنی جانوں کے خوف سے بحیراء کے پاس ہی ٹھہر گئے۔ دوسرا وہم یہ قول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ بیجا۔ حالانکہ اس سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت بلالؓ دونوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر یہ کہ اس وقت نہ تو حضرت بلالؓ مسلمان ہی تھے اور نہ حضرت ابو بکرؓ کی ملکیت میں تھے۔

(یہاں خود حافظ و میاٹی کے اس قول پر بھی اعتراض ہے کہ حدیث میں جہاں یہ ذکر ہے کہ بحیراء روئیوں نے۔ بحیراء سے۔ وعدہ اور عہد کیا۔ قہا ہوا۔ اس سے حافظ و میاٹی نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان روئیوں نے آنحضرت ﷺ سے وعدہ اور عہد کیا (اسی لئے انہیں حدیث کے اس حصہ میں بھی وہم نظر آیا) حالانکہ ظاہر ہے انہوں نے یہ عہد بحیراء سے کیا تھا۔ لہذا حدیث کے اس حصے میں تو کوئی وہم نہیں رہتا۔

ان کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت بلالؓ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں تھے اس کا جواب ظاہر ہے یہی ہو گا۔ کہ اگر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ دونوں ساتھ نہیں تھے تو اعتراض ٹھیک ہے ورنہ کسی بات کے صرف انکار کرنے سے تو وہ بات غلط نہیں سمجھی جاسکتی۔ اب جہاں تک ان کا یہ کہنا ہے کہ بلالؓ اس وقت مسلمان بھی نہیں تھے اور حضرت ابو بکرؓ کی ملک میں بھی نہیں تھے تو ان کے متعلق تو اس

وقت ہی کچھ کہا جاسکتا ہے جب پہلے یہ مان لیا جائے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت بلال اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے (جب حافظ دمیاطی یہی نہیں مانتے کہ یہ دونوں آپ کے ساتھ تھے تو پھر حضرت بلال کے مسلمان ہونے اور حضرت ابو بکر کی ملک میں ہونے کے متعلق ان کا کچھ کتنا تو زائد بات ہی ہے)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس سفر میں ماننے کی صورت میں یہ مان لینا کہ حضرت ابو بکر نے حضرت بلال کو آپ کے ساتھ بھیج دیا ہو گا، اس پر موقوف نہیں ہے کہ حضرت بلال مسلمان ہوں اور حضرت ابو بکر کی ملک میں آپ کے ہوں۔ ممکن ہے اس وقت حضرت بلال کا جو مالک تھا یعنی امیہ ابن خلف اس نے اپنی کسی ضرورت سے حضرت بلال کو اس قافلے کے ساتھ بھیجا ہو، مگر پھر حضرت ابو بکر نے ان کو حکم دیا ہو کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ واپس ہو جائیں تاکہ راستے میں وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت بھی کریں اور آپ کا دل بھی ہلارے اور اطمینان بھی رہے۔ یہ حکم حضرت ابو بکر نے اس بھروسہ پر دیا ہو کہ حضرت بلال کا مالک اس پر ناراض نہیں ہو گا۔ کیونکہ حضرت بلال کو بھیجنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر ان کے مالک ہی رہے ہوں۔ اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت ابو بکر اس وقت اس قافلہ میں تھے کہ کسی کو کہیں بھیج سکیں اس سلسلے میں جو شبہ ہے وہ گزر چکا ہے (یعنی وہ حدیث جس میں آنحضرت ﷺ کے پوچھنے پر حضرت ابو بکر نے بتلایا کہ وہ عمر میں بڑے ہیں کو اللہ اعلم۔

(قال) ابن مندہ کمرور سند کے ساتھ حضرت ابو بکر کی روایت بیان کرتے ہیں کہ :-

”ایک مرتبہ وہ یعنی حضرت ابو بکر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھوڑی سلسلے میں شام کے سفر پر گئے۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اور آنحضرت ﷺ بیس سال کے تھے۔ (ی) یعنی رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر سے دو سال (ی) اور ایک مہینہ بڑے تھے۔ دو سال پر یہ تھوڑی سی زیادتی یعنی ایک مہینے کی زیادتی اس روایت میں صاف نہیں ہے اس کو ابن مندہ نے ذکر کیا۔

”غرض حضرت ابو بکر آنحضرت ﷺ کے ساتھ شام کے سفر پر گئے“ یہاں تک کہ جب وہ ایک منزل پر ٹھہرے جو شام کے علاقے میں بصری کا بازار تھا۔ یہاں ایک درخت تھا، آنحضرت ﷺ اس کے سائے میں بیٹھ گئے اور حضرت ابو بکر (وہاں رہنے والے) ایک راہب کے پاس گئے جس کا نام بحیراء تھا۔ حضرت ابو بکر اس راہب کے پاس کسی چیز کے بدلے میں پوچھنے گئے تھے۔ اس راہب نے حضرت ابو بکر سے پوچھا۔

”یہ شخص کون ہے جو اس درخت کے سائے میں بیٹھا ہے؟“

حضرت ابو بکر نے کہا کہ یہ محمد ﷺ ابن عبد اللہ ابن عبد المطلب ہیں۔ راہب نے کہا۔

”خدا کی قسم یہ اس امت کا نبی ہے۔ اس درخت کے سائے میں حضرت عیسیٰ ابن مریم کے بعد محمد ﷺ کے سوا کوئی نہیں بیٹھا۔“

(ی) اور حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا کہ :-

”اس درخت کے سائے میں میرے بعد نبی اُتی وہاں ہی کے سوا کوئی نہیں بیٹھے گا۔“ یہ روایت آگے تفصیل سے آئے گی۔

اس سلسلے میں علامہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ممکن ہے حضرت ابو بکر کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہ سفر اس سفر کے علاوہ ہو جس میں ابو طالب گئے تھے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- وہ یہ آپ کا سر ہے جس میں آپ حضرت خدیجہ (کی طرف سے تجارت کے سلسلے میں ان) کے غلام میسرہ کے ساتھ گئے تھے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ملک شام کو سفر کرنا دوسرے سے زیادہ ثابت نہیں ہے (جن میں سے ایک مرتبہ آپ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ یمن میں تشریف لے گئے اور دوسری مرتبہ حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کے ساتھ تجارت کے لئے تشریف لے گئے) چنانچہ اس روایت میں ہے کہ وہ یعنی آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی تجارتی سلسلے میں ملک شام کے سفر پر جا رہے تھے۔ اور آنحضرت ﷺ تجارت کے لئے ایک دفعہ کے سوا شام نہیں گئے۔ جیسا کہ آگے بیان آ رہا ہے کہ یہ بات (جو لوہر والی روایت میں بحیراء راہب نے کہی) کو اصل میں مسطور راہب نے کہی تھی بحیراء نے نہیں اور اس نے یہ بات میسرہ سے کہی تھی حضرت ابو بکر سے نہیں کہی تھی۔

ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس راہب نے یہ بات میسرہ اور حضرت ابو بکر دونوں سے کہی ہو۔ مگر اس میں پھر اشکال رہتا ہے کہ اس وقت جبکہ آنحضرت ﷺ میسرہ کے ساتھ ملک شام تشریف لے گئے تو اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال تھی میں سال نہیں تھی۔ یہ ماننے کے بعد ضروری ہے کہ یہ درخت مسطوراء راہب کے خانقاہ کے سامنے ہو گا بحیراء کی خانقاہ کے سامنے نہیں۔ لیکن روایت میں بحیراء راہب کی جگہ مسطوراء راہب کا ذکر ہے اس کے متعلق علامہ نیشاپوری نے اپنی کتاب "شرف المصطفیٰ" میں لکھا ہے کہ یہ روضی کی طرف سے وہم اور مغالطہ ہے جو اس وجہ سے ہو گیا کہ دونوں (راہبوں کی خانقاہوں) کی جگہ ایک ہی تھی یعنی بصری کا بازار کہ دونوں کی خانقاہیں یہیں تھیں۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مثلاً ممکن ہے بحیراء راہب کے مرنے کے بعد مسطوراء راہب اس خانقاہ میں اس کا جانشین بنا ہو۔ یہ جواب اس جواب سے زیادہ اچھا ہے کہ یوں کہا جائے کہ دونوں کی خانقاہیں بھی الگ الگ تھیں اور ان کے سامنے درخت بھی الگ الگ تھے۔ یعنی ایک بحیراء راہب کی خانقاہ کے سامنے اور دوسرا مسطوراء راہب کی خانقاہ کے سامنے اور دونوں کے متعلق حضرت عیسیٰ نے وہی بات فرمائی تھی جو پیچھے ذکر ہوئی۔

اسی طرح یہ جانشینی کا جواب اس جواب سے بھی بہتر ہو گا کہ یوں کہا جائے کہ درخت تو ایک ہی تھا لیکن (دونوں راہبوں کی خانقاہیں الگ الگ تھیں اور یہ درخت بحیراء راہب کی خانقاہ اور مسطوراء راہب کی خانقاہ دونوں کے درمیان میں تھا اور یہ کہ وہ قافلہ جس میں ابوطالب تھے ایسی جگہ ٹھہرا تھا جہاں سے بحیراء راہب کی خانقاہ زیادہ قریب تھی اور وہ قافلہ جس میں حضرت ابو بکر اور میسرہ غلام تھے درخت کی اس جانب میں ٹھہرا تھا جدھر سے مسطوراء راہب کی خانقاہ زیادہ قریب تھی۔

جہاں تک خود بحیراء اور مسطوراء راہب کا معاملہ ہے اس کے بارے میں آگے بحث آئے گی کہ یہ دونوں اور ان جیسے دوسرے وہ لوگ جنہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ آنحضرت ﷺ اس امت کے نبی ہیں۔ یہ سب لوگ اہل فترت میں سے ہیں اہل اسلام میں سے نہیں ہیں (اہل فترت کے متعلق سیرت حلبیہ لکھنؤ شہزادہ باب میں تفصیل گزر چکی ہے کہ اہل فترت وہ لوگ ہوتے ہیں جو دو نبیوں کے درمیان پائے جانے والے اس دور کے لوگ ہوتے ہیں جس میں پچھلے نبی کی شریعت وقت گزر کے ساتھ بھلائی جا چکی ہو اور اگلا نبی اس وقت تک ظاہر نہ ہوا ہو۔ ان کے انجام کے متعلق بھی لکھنؤ شہزادہ باب میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔ ہر حال بحیراء اور مسطوراء وغیرہ راہبوں کو اہل فترت میں شمار کیا گیا ہے اس لئے کہ ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ نہیں ملا، اگرچہ حافظ ابن

تجربہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ بخیراء راہب کو نبوت کا زمانہ ملایا نہیں۔

بخیراء نام کے ایک صحابی بھی ہیں مگر یہ بخیراء وہ نہیں ہے جو صحابی تھے۔ اور جو حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبش سے آنے والے آٹھ آدمیوں میں سے تھے۔ بخیراء نام کے ان صحابی سے شراب کے حرام ہونے کے سلسلے میں ایک حدیث بھی روایت ہے۔ بانچہ بعض حضرات اس حدیث کو منکر یعنی کزور قرار دیتے ہیں مگر وہ لوگ وہ ہیں جو بخیراء کے نام کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہی بخیراء راہب ہیں جس سے آنحضرت ﷺ کی ملاقات شام کے سفر کے دوران ہوئی تھی۔ (حالانکہ یہ بخیراء نامی صحابی دوسرے ہیں) واللہ اعلم

www.ziaraat.com
jagir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

باب یازدھم (۱۱)

جاہلیت کی برائیوں سے حفاظت

اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت کی ان تمام برائیوں اور عیبوں سے رسول اللہ ﷺ کے بچپن میں بھی آپ کی حفاظت فرمائی جو آخر کار آپ کی لائی ہوئی شریعت میں بھی حرام قرار دی گئیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کا اعزاز مقصود تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم کے نتیجہ میں آپ اپنی قوم میں اخلاق و عبادات کے لحاظ سے سب سے بہتر تھے اسی طرح سب سے زیادہ سچے، سب سے زیادہ لائق دلوں اور ان تمام برائیوں سے سب سے زیادہ دور تھے جو انسان کو بے وقت بناتی ہیں۔ (ی) یعنی اللہ تعالیٰ کی اس خاص حفاظت کے نتیجہ میں آنحضرت ﷺ اپنی قوم میں سب سے زیادہ با مروت اور با اخلاق تسلیم کئے گئے، آپ ہمیشہ ایک بہترین دوست اور ایک بہترین پڑوسی ثابت ہوئے، بے انتہاز مہربان، انتہائی لائق دلوں اور اپنی بات کے بے حد سچے تھے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں نرم مزاجی، صبر و شکر، انصاف پسندی، زہد و تقویٰ، تواضع و انکساری، پاک دامنی، سخاوت و فیاضی، شجاعت و بہادری، شرم و حیا اور مروت و دروہاری جیسی بلند و بالا صفات اور شریفانہ عادتیں پیدا فرمائی تھیں اس لئے قریش نے آپ کا لقب ”امین“ یعنی لائق دلوں کا رکھ دیا تھا۔

برہنہ کی پر ممانعت و تنبیہ..... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آنحضرت ﷺ کی حفاظت کی اس کی مثال میں ایک واقعہ یہ ہے جس کو اسحاقؑ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

”ایک مرتبہ (بچپن میں) میں کچھ قریشی لڑکوں کے ساتھ تھا جو ایک کھیل کے سلسلے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرے جارہے تھے، ہم میں سے ہر ایک اپنا اپنا تہبند اٹار کر برہنہ ہو گیا اور پھر رکھ کر لے جانے کے لئے اسے گردن پر رکھ لیا۔ میں بھی ان بچوں کے ساتھ اسی طرح آ جا رہا تھا کہ اچانک (ی) ایک فرشتے نے میرے اتناخت ہاتھ مارا جو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک جگہ یہ لفظ ہیں کہ۔ کہ بہت زور سے میرے ہاتھ مارا۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ہاتھ سخت ہونے کے باوجود وہ آنحضرت ﷺ کے لئے تکلیف دہ نہیں تھا۔ غرض اس کے بعد اس فرشتے نے مجھ سے کہا کہ اپنا تہبند باندھ لیجئے۔ چنانچہ میں نے فوراً

اپنا تہبند باندھ لیا اور پھر اپنے ساتھی لڑکوں کے ساتھ تہبند باندھے باندھے میں گردن پر پتھر رکھ کر لے جانے لگا۔

آنحضرت ﷺ کو اسی طرح کا یعنی بچپن میں برہنگی کی حالت میں پتھر اٹھا کر لے جانے کا واقعہ اس وقت بھی پیش آیا تھا جبکہ ابوطالب زہرم کے کنوئیں کی مرمت کر رہے تھے۔ چنانچہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کو ابو نعیم نے بھی صحیح قرار دیا ہے کہ :-

”ابوطالب زہرم کے کنوئیں کی مرمت کر رہے تھے۔ اس زمانے میں آنحضرت ﷺ کم عمر تھے اور آپ اس مرمت کے کام میں (چچا کی مدد کے طور پر) پتھر ڈھونڈتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا تہبند اتار کر اس میں پتھر باندھ لئے، مگر اسی وقت آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب آپ ﷺ کو ہوش آیا تو ابوطالب نے پوچھا کہ کیا بات ہو گئی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا

”میرے پاس ایک آنے والا آیا جو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اس نے مجھ سے کہا کہ اپنا ستر (یعنی بدن کے چھپائے جانے والے حصے) ڈھک لیجئے۔“

”اس کے بعد سے آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کے پوشیدہ حصے کبھی نہیں دیکھے گئے۔“

کلب خصائص صغریٰ میں ہے کہ :-

”آنحضرت ﷺ کو برہنگی اور پوشیدہ حصے کھولنے سے نبوت سے پانچ سال پہلے ہی روک دیا گیا تھا (یعنی اگرچہ بچپن کے ان دو ایک واقعات کے بعد آنحضرت ﷺ نے خود اپنی فطری شرم و حیا اور لوب کی بنا پر بھی اپنے بدن کے پوشیدہ حصوں کو کھلنے نہیں دیا، لیکن پھر نبوت سے پانچ سال پہلے حق تعالیٰ کی طرف سے بھی آپ کو ستر کھولنے کی ممانعت آئی) پھر اسی طرح کا واقعہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کعبہ کی بنیاد کے وقت بھی پیش آیا جس میں آپ کو ستر کھولنے سے روکا گیا۔ یہ واقعہ آگے آ رہا ہے اس میں جو اشکال ہے وہ بھی آگے بیان ہو گا۔

لہو و لعب میں شرکت سے حفاظت..... ایسے ہی (حق تعالیٰ کی طرف سے زمانہ جاہلیت کی برائیوں کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی جو خاص حفاظت فرمائی گئی اس کا) ایک واقعہ یہ ہے جو حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ :-

”جاہلیت کے زمانے میں عرب جن برائیوں میں پڑے ہوئے تھے ان کا میں نے ساری عمر میں (بچپن کے دوران) صرف دو مرتبہ لرلوہ کیا مگر دونوں مرتبہ اللہ جل شانہ، نے میری حفاظت فرمائی یعنی ان پر عمل کرنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان برائیوں سے بچالیا۔ (ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ) ایک قریشی لڑکا کے کے بالائی حصے میں اپنی بکریاں لئے ہوئے میرے ساتھ تھا ایک جگہ یہ لفظ ہیں کہ۔ میں نے کے کے ایک لڑکے سے کہا جبکہ ہم اپنے اپنے گھر والوں کی بکریاں چرا رہے تھے (مؤلف کہتے ہیں کہ) میں اس لڑکے کے نام سے واقف نہیں ہوں (غرض آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اس لڑکے سے کہا)۔

”تم ذرا میری بکریوں کی دیکھ بھال رکھو تاکہ آج میں بھی قصہ گوئی کی اس مجلس میں شریک ہوں جہاں سب لڑکے جاتے ہیں۔“ اس لڑکے نے کہا۔ ”اچھا“ (حدیث میں لفظ سر استعمال کیا گیا ہے) جس کے معنی ہیں رات میں قصہ گوئی کرنا۔ اس کے بعد میں رولہ ہوا۔ جب میں کے کے مکانات میں سے ایک مکان کے

قریب پہنچا تو مجھے گانے کی اور باجے گاجے کی آواز آئی میں لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا ”فلاں آدمی کی قریش کے فلاں شخص کی لڑکی سے شادی ہو رہی ہے۔“

”میں اس آواز کی طرف متوجہ ہو گیا یہاں تک کہ میری آنکھیں نیند سے جھٹکے گئیں اور میں سو گیا۔ اس کے بعد اس وقت میری آنکھ کھلی جبکہ مجھ پر دھوپ پڑنے لگتی تھی۔ ایک جگہ یہ لفظ ہیں کہ۔ میں وہاں سننے کے لئے بیٹھ گیا مگر اللہ تعالیٰ نے میرے کانوں کو بند کر دیا پھر خدا کی قسم دھوپ کی گرمی سے ہی میری آنکھ کھلی۔ غرض پھر میں وہاں سے واپس اپنے ساتھی کے پاس آیا (جو بکریوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا) اس نے مجھ سے پوچھا کہ۔ تم نے جا کر کیا کیا تو میں نے اس کو واقعہ بتلایا۔ پھر اگلی رات میں گیا تو پھر یہی صورت پیش آئی۔“

(یعنی قریش کی یہ مجلس کھیل کود اور لغویات کی ہوتی تھیں۔ اس لئے اللہ نے آنحضرت ﷺ کو ان میں شریک ہونے سے بچلایا۔ اسی طرح باہر رہتے ہوئے بھی آپ کے کانوں میں جب گانے بجانے کی آواز پڑی اور آپ ﷺ کم عمری کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان آوازوں کو آپ کے کانوں تک نہ پہنچنے دیا اور آپ ﷺ پر نیند طاری فرمادی)

حدیث کے شروع میں یہ لفظ ہیں کہ جاہلیت کی برائیوں میں پڑنے سے ”دونوں مرتبہ اللہ عزوجل نے میری حفاظت فرمائی۔“ لیکن آگے چل کر اس حدیث کی ایک روایت میں تو یہ لفظ ہیں کہ میں اس (گانے بجانے کی) آواز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”میں وہاں (اس گانے بجانے کی آواز کی) سننے کے لئے بیٹھ گیا۔“ اس کے متعلق کہتے ہیں)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- حدیث کے شروع کے یہ الفاظ جو ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نے دونوں مرتبہ میری حفاظت فرمائی۔“ ان کے لحاظ سے دوسری روایت کے یہ لفظ مناسب ہیں کہ ”میں وہاں سننے کے لئے بیٹھ گیا۔“ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ آوازیں آپ کے کانوں میں نہیں پڑنے دیں اور اس طرح حق تعالیٰ کی حفاظت کے نتیجہ میں آپ اس کا صرف ارادہ ہی کرنے کے بعد محفوظ ہو گئے اور وہ ارادہ پورا نہیں ہو سکا (لیکن پہلی روایت کے یہ لفظ اس کے مناسب نہیں کہ ”میں اس (گانے بجانے کی آواز کی طرف) متوجہ ہو گیا۔“ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے وہ آوازیں سنیں اور اس طرح آپ ﷺ کا ارادہ پورا ہو گیا۔ جبکہ حدیث کے شروع میں یہ فرمایا گیا ہے کہ میں نے دو مرتبہ ارادہ کیا مگر دونوں مرتبہ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت فرمائی۔ حالانکہ ارادہ پورا ہو جانے سے حفاظت ثابت نہیں ہوتی (ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ میں نے اس آواز کی طرف متوجہ ہونا چاہا) (مگر متوجہ ہونے سے پہلے ہی آپ ﷺ پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا واللہ اعلم

غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا :-

”پس خدا کی قسم جاہلیت کی ان برائیوں میں سے جن میں لوگ جلتا تھے ان دو موقعوں کے سوا میں نے کبھی کسی برائی کا ارادہ نہیں کیا۔“

ایک جگہ یہ لفظ ہیں کہ :-

”ان دو موقعوں کے سوا میں ان چیزوں کی طرف لوٹا اور نہ ان کا ارادہ کیا۔ (ی) یعنی ان چیزوں کا جن میں جاہلیت کے لوگ جلتا تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا۔“

بتوں سے فطری نفرت اور پرہیز..... ایسے ہی (حق تعالیٰ نے نہانہ جاہلیت کی برائیوں سے آنحضرت ﷺ کی جو حفاظت فرمائی اس کا ایک واقعہ ہے جس کو ام ایمنؓ نے روایت کیا ہے کہ :-

قریش کا ایک بت تھا جس کا نام بولہ تھا۔ قریش ہر سال اس کے پاس حاضری دیا کرتے تھے اور اس کی بے حد عزت و عظمت کرتے تھے۔ اس کے پاس یہ لوگ قربانی کا جانور ذبح کرتے، سر منڈاتے اور پورا دن اس کے پاس اعتکاف کیا کرتے تھے۔ ابوطالب بھی اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ اس بت کے پاس حاضری دیا کرتے تھے (قریش اس سالانہ موقعہ کو ایک عید کی طرف مناتے تھے چنانچہ ابوطالب آنحضرت ﷺ سے بھی کہا کرتے تھے کہ آپ ان کے ساتھ اس عید میں شریک ہو اگر میں مگر آنحضرت ﷺ ہمیشہ وہاں جانے سے انکار فرمادیا تھا کرتے تھے آخر ایک مرتبہ ابوطالب کو غصہ آگیا۔ ام ایمن کہتی ہیں کہ اس دن میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھیاں بھی بے حد غضب ناک ہو رہی تھیں۔ وہ آپ ﷺ سے کہنے لگیں۔

”تم جو ہمارے معبودوں سے اس طرح بچے اور پرہیز کرتے ہو تو ہمیں تمہاری طرف سے ہی ڈر ہو گیا۔“

پھر وہ کہتیں :-

”محمد ﷺ! تم یہ نہیں چاہتے کہ اپنی قوم کی عید میں شریک ہو اور مجمع میں اضافہ کرو۔“

وہ سب اسی طرح آنحضرت ﷺ پر اصرار (اور بدراستی) کا اظہار کرتی رہیں یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ ان کے پاس سے چلے گئے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہاں سے غائب رہے۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو اس طرح کہ آپ ڈرے ہوئے اور گھبرائے ہوئے تھے آپ کی پھوپھیاں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ آپ اتنے دہشت زدہ کیوں ہیں آپ ﷺ نے فرمایا۔

”مجھے ڈر ہے کہ مجھ پر بھوت پریت کا اثر نہ ہو گیا ہو.....!“

انہوں نے کہا۔

”اللہ عزوجل تمہیں شیطان کے اثر سے ہمیشہ محفوظ رکھے گا کیونکہ تم میں بہت نیک اور اچھی خصلتیں ہیں۔ مگر تم نے کیا دیکھا (جو یہ خیال پیدا ہوا)؟“

آپ ﷺ نے فرمایا۔

”میں جب بھی ان میں سے کسی بت کے قریب ہوں۔ یعنی جن کے درمیان میں وہ بڑا بت نصب تھا جس کا نام بولہ تھا۔ تو میرے سامنے ایک سفید رنگ کا اور بہت قد آور آدمی ظاہر ہوتا (ی) جو فرشتوں میں سے ایک تھا۔ اور وہ پکار کر مجھ سے کہتا۔“

”محمد! پیچھے ہٹو، اس کو چھونا نہیں.....!“

(”یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد ام ایمن کہتی ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ کبھی قریش کی کسی عید میں تشریف نہیں لے گئے، یہاں تک کہ آپ کو نبوت عطا ہوئی۔“

(اس روایت میں لہجہ کا لفظ آیا ہے جو جنوں اور دیوانگی کی ایک قسم کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ ضاعت کے قصبے میں بھی ایک روایت میں آیا ہے جس میں گزرا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے پاس اس وقت فرشتوں نے آکر آپ کا سینہ چاک کیا تو آپ کے رضائی باپ نے کہا تھا کہ شاید ان پر دیوانگی کا اثر ہو گیا ہے مگر وہاں بھی اس کے

معنی یہی لئے گئے کہ کوئی لوہا اثر ہو گیا ہے۔ ہر حال لفظ لہم کے اصل معنی دیوانگی کے ہیں مگر اس روایت میں علامہ شبلی نے اس کے معنی شیطان کے یعنی لوہے اثر کے مٹانے ہیں جس کو عربی میں لہم کہا جاتا ہے۔ اس کے حلقہ کہتے ہیں)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ اس روایت کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ لہم شیطان کا یعنی لوہا اثر ہوتا ہے لب گویا یہ لفظ لہم کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی شیطانی اثر یعنی لوہے اثر کے ہیں اور گویا لہم کو لہم کے معنی میں لیا گیا اور نہ لہم جنون کی ایک قسم کو کہا جاتا ہے جیسا کہ رضاعت میں بھی گزرا ہے (مگر وہاں بھی ترجمہ نے اس کے معنی لوہے اثر کے لئے ہیں اور اسی رضاعت کے واقعہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لہم لوہے اثر کے بجائے بیماری وغیرہ کو کہتے ہیں) جبکہ یہاں اس کے معنی لوہے اثر کے ہی لئے گئے ہیں۔ صحاح کی روایت میں بھی یہی ہے کہ لہم جنون کی ایک قسم ہوتی ہے جبکہ لہم لوہے اثر کو کہتے ہیں (ی) اس طرح انہوں نے ان دونوں لفظوں میں فرق کیا ہے۔ واللہ اعلم

تشریح..... اسی سلسلہ میں ایک واقعہ البدایہ والنہایہ نے حضرت زید ابن حارثہ سے نقل کیا ہے کہ:-

(بیت اللہ میں) تاجنے کے بنے ہوئے دو بیت تھے جن کے نام اساف اور ناکہ تھے۔ جب مشرکین طواف کرتے تو ان کو برکت حاصل کرنے کے لئے چھو کرتے تھے۔ ایک دفعہ (نبوت سے پہلے) رسول اللہ ﷺ اور میں بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ جب میں طواف کے دوران ان بتوں کے پاس سے گزرا تو میں نے بھی ان کو چھوا رسول اللہ ﷺ نے فوراً مجھے روکا کہ ان کو ہاتھ مت لگاؤ۔ زید کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم پھر طواف میں مشغول ہو گئے۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اب کے پھر اس کو ضرور چھوؤں گا تاکہ معلوم تو ہو کہ کیا ہوتا ہے (اور آنحضرت ﷺ نے کس لئے اس سے روکا ہے) چنانچہ میں نے اس کو پھر چھوا اور رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا۔ ”ہاں تمہیں اس کو ہاتھ لگانے سے روکا نہیں گیا تھا؟“

اس کے بعد زید کہتے ہیں کہ:-

”میں قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت ﷺ کو یہ عزت عطا فرمائی اور آپ ﷺ پر اپنی کتاب نازل فرمائی کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی بھی کسی بت کو نہیں چھوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس مرتبہ پر سرفراز فرمایا اور آپ ﷺ پر وہی نازل فرمائی۔“ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۸۸)

حرام گوشت کے کھانے سے حفاظت..... ایسے ہی (حق تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی جو حفاظت فرمائی تھی اس کا ایک واقعہ یہ ہے جسے حضرت عائشہؓ نے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ:-

”میں نے زید ابن عمرو ابن قلیل کو ہر اس قربانی کی برائی کرتے ہوئے سنا جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے نام پر ذبح کی جاتی تھی (ی) چنانچہ وہ قریش سے کہا کرتا تھا کہ۔ بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اسی نے اس کے لئے آسمان سے پانی اتار اللہ زمین سے گھاس لگائی مگر تم ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے نام پر ذبح کرتے ہو۔ (اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ) میں نے کوئی ایسی چیز کبھی نہیں چکھی جو بتوں کے نام پر ذبح کی گئی ہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا۔“

زید ابن عمرو..... یہ زید ابن عمرو آپ کی نبوت سے پہلے تھے اور اہل خثرت میں سے تھے جو حضرت ابراہیم کے

دین پر قائم تھے (یعنی حق تعالیٰ کو ایک جانتے تھے، اور شرک و کفر نہیں کرتے تھے) (یہ نہ تو یہودی ہوئے اور نہ عیسائی ہوئے بلکہ یہ بت پرستی سے دور رہتے تھے اور ان قربانیوں کا گوشت کھانے سے بچتے تھے جو بتوں کے نام پر ذبح کی جاتی تھیں، اسی طرح یہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے سے لوگوں کو روکتے تھے ان کے متعلق یہ تفصیل (قطر لؤل میں) بیان ہو چکی ہے کہ جب کوئی شخص اپنی لڑکی کو زندہ دفن کرنا چاہتا تھا تو اس کو اس کے باپ سے لے کر بچایا کرتے تھے اور اس کی پرورش اور کفالت کیا کرتے تھے (اور لڑکی بڑے ہونے کے بعد اس کا باپ چاہتا تھا تو اس کو وہ ایس بھی دے دیا کرتے تھے)

جب یہ زید کعبہ میں داخل ہوتے تو یہ کہا کرتے تھے:-
”میں تیرے حضور میں حاضر ہوں سچائی کے ساتھ، ہمدی کے ساتھ اور صدقہ دہی کے ساتھ اور میں بھی اسی کی پناہ مانگتا ہوں جس کی پناہ ابراہیمؑ نے مانگی تھی۔“

اس کے بعد زید کعبہ کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ:-
”قیامت میں یہ زید ایک پوری امت کے برابر درجے میں زندہ رکھے جائیں گے۔“
یعنی (اپنے کارناموں اور خدمات کی وجہ سے) یہ تمام ایک پوری جماعت کے قائم مقام ہوں گے۔
(ی) چنانچہ ایک دفعہ ابن عمرؓ کے بیٹے سعیدؓ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔
”یا رسول اللہ ﷺ ازید جیسے تھے ان کو آپ نے دیکھا ہی ہے اور ان کے متعلق آپ نے سنا بھی ہے، اس لئے ان کے واسطے مغفرت کی دعا فرمائیے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا
”ہاں میں ان کے لئے مغفرت مانگتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ قیامت کے دن ایک پوری امت کے برابر ہو کر اٹھیں گے۔“

بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ
”آنحضرت ﷺ کی وحی نازل ہونے سے پہلے (یعنی نبوت ملنے سے پہلے ایک دفعہ زید ابن عمرو ابن قحیل سے ملاقات ہوئی اس وقت آنحضرت ﷺ کے سامنے کسی نے کھانا پیش کیا تھا جس میں ایسی بکری کا گوشت بھی تھا جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کی گئی تھی یا پھر یہ صورت تھی کہ) آنحضرت ﷺ نے وہ گوشت (جو آپ کو پیش کیا گیا تھا) زید ابن عمروؓ کے سامنے پیش کیا مگر زید نے اس کو کھانے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے۔“
”میں ایسی چیز ہرگز نہیں کھاؤں گا جو تم لوگ (یعنی عام قریش کے لوگ) اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہو، میں صرف اس جانور کا گوشت کھاتا ہوں جس کو ذبح کرنے کے وقت خدا کا نام لیا گیا ہو۔“

(اس سلسلے میں زید ابن عمروؓ کے متعلق آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد لو پر ذکر ہوا ہے) یہ واقعہ غالباً اس سے پہلے کا ہے اور شاید آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا سبب یہی واقعہ تھا (جس کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے زید ابن عمروؓ کو ہر اس چیز کی برائی کرتے ہوئے سنا جو حق تعالیٰ کے سوا کسی کے نام پر ذبح کی گئی ہو۔

لام سبکی اس روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ اس میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زید کو کیسے اس بات کی توفیق دی کہ وہ ان چیزوں کو نہ کھائیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے نام پر ذبح کی گئی ہوں۔

حالانکہ جاہلیت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے رسول اس فضیلت کے زیادہ مستحق تھے کیونکہ آپ کے متعلق یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت تھی (چنانچہ علامہ شامی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایسا گوشت خود اپنی پاک فطرت اور طبیعت کے تقاضے سے چھوڑ دیتے تھے ایسا نہیں تھا کہ چونکہ زید ابن عمرو نہیں کھاتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے بھی نہیں کھایا۔ اسی لئے اس کا جواب علامہ سیوطی نے دیا ہے وہ مناسب نہیں ہے۔

علامہ سیوطی نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کھانے میں سے خود تناول فرمایا تھا (جو آپ نے زید کو پیش کیا تھا)۔ (ی)۔ یہ ہم مانے لیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس سے پہلے ایسے جانور کا گوشت کھلایا جو جوہوں کے نام پر ذبح کیا گیا مگر (اس سے کوئی شبہ اس لئے نہیں پیدا ہوا چاہئے کہ) حضرت ابراہیمؑ کی شریعت میں (یعنی آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے) ایسے گوشت کے کھانے کی ممانعت نہیں تھی بلکہ اس کی ممانعت اسلام نے کی ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کے متعلق شریعت ممانعت نہ کرے اس وقت تک ہر چیز اپنی اصل کے لحاظ سے جائز ہوتی ہے (لہذا ایسے گوشت کی چونکہ شریعت ابراہیمی میں ممانعت نہیں تھی اس لئے اس وقت تک اس کا کھانا جائز تھا یہاں تک کہ اسلام نے اگر اس کو ناجائز قرار دیا تو وہ حرام ہو گیا)۔

مگر علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا گوشت کبھی نہیں کھلایا نہ تو اس میں سے کھلایا جو آپ نے زید ابن عمرو کو پیش فرمایا تھا اور نہ اس سے پہلے یا بعد میں کبھی آپ نے کھلایا۔ اسی لئے علامہ شامی کے اس قول کی روشنی میں علامہ سیوطی کا جواب مناسب نہیں رہتا کیونکہ اس جواب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا گوشت کھلایا ہے (جبکہ علامہ شامی ایسے گوشت کے کھانے کو زمانہ جاہلیت کی برائیوں میں سے ایک برائی قرار دیتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے بچپن میں بھی آپ کی حفاظت فرمائی۔ اسی طرح کسی نے زید ابن عمرو کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے یہ بات اس کے بھی خلاف جاتی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ زید ابن عمرو قریش کے ان چار آدمیوں میں سے ایک تھے جنہوں نے اپنے قوم کو چھوڑ دیا تھا، انہوں نے بت پرستی، مرد اور جانور کا گوشت اور ایسے جانور کا گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

(اب گویا اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا گوشت کھانا زمانہ جاہلیت کی برائیوں میں سے ایک برائی تھی جبکہ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت میں ایسا گوشت حرام نہیں تھا اس لئے اس کو زمانہ جاہلیت کی برائی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ زید ابن عمرو اور دوسرے تین قریشیوں کے متعلق جو بات لوہر بیان کی گئی اس کا واقعہ یہ ہے)

جاہلیت کے چار نیک خصلت قریشی..... ایک مرجہ قریش کے جوہوں میں سے کسی بت کا میلہ تھا، اس دن قریش کے لوگ اس بت کے سامنے جانور ذبح کر رہے تھے، اس کے پاس بیٹھ کر احکاف کر رہے تھے اور اس بت کا طواف کر رہے تھے (یہ چاروں بھی اپنی قوم کی یہ حرکتیں دیکھ کر رہے تھے) ان چاروں کے نام یہ ہیں۔

زید ابن عمرو۔ ورفہ ابن نوفل، عبد اللہ ابن جحش جو آنحضرت ﷺ کا چھوٹی زلوہ بھائی تھا اور عثمان ابن حریث اس میلے میں قریش کی یہ حرکتیں دیکھ کر ان میں سے کسی نے اپنے تئوں ساتھیوں سے کہا۔

”خدا کی قسم! تم دیکھتے ہو تمہاری قوم کیسی بد امن ہے! انہوں نے اپنے باپ ابراہیمؑ کے دین کو خراب کر دیا۔ یہ پتھر کیا ہے جس کے گرد یہ طواف کر رہے ہیں جو نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔!“

(اس واقعہ کے بعد یہ چاروں مکہ چھوڑ کر اصرہ اور ہمدان دوسرے شہروں کو اس تلاش میں نکل گئے کہ کہیں ان کو حضرت ابراہیمؑ کا سچا اور صحیح دین مل سکے۔“

اس روایت کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں بھی پہلے تو خود بھی بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے مگر بعد میں انہوں نے بت پرستی چھوڑ دی تھی۔ لیکن آگے علامہ ابن جوزی کا ایک قول آ رہا ہے جس میں ہے کہ انہوں نے بھی بت پرستی نہیں کی تھی۔

علامہ ابن جوزی نے ان چاروں کے علاوہ جن کے نام لوہڑ ذکر کئے گئے قریشیوں کی ایک اور جماعت کا بھی ذکر کیا ہے (جنہوں نے ان چاروں کی طرح اپنی قوم کو چھوڑ دیا تھا) اس جماعت کے حلق آگے اس جگہ بحث آئے گی جہاں یہ بیان ہے کہ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ پر کون ایمان لایا۔

یہ زید ابن عمرو، حضرت عمر فاروقؓ کے والد خطاب کے سوکیلے بھتیجے یعنی حضرت عمرؓ کے چچا زید بن ابی اسلمہ (ان چاروں میں کے دوسرے شخص) اور زید ابن نوفل کو نبوت کا زمانہ نہیں ملا جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو عیسائی ہو گئے تھے (ی) اس سے پہلے انہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ جیسا کہ آگے تفصیل سے بیان ہو گا۔

ان میں کا تیرا شخص عبید اللہ ابن جحش ہے۔ اس کو نبوت کا زمانہ ملا اس نے آنحضرت ﷺ کے سامنے اسلام قبول کیا اور پھر پہلی ہجرت میں جب مسلمان (آنحضرت ﷺ کی اجازت سے) حبشہ کو ہجرت کر کے گئے تو عبید اللہ بھی ہجرت کر کے وہاں چلا گیا تھا۔ مگر وہاں پہنچ کر یہ عیسائی ہو گیا۔ اس کا واقعہ بھی آگے آئے گا۔ یہ عیسائی ہو جانے کے بعد جب مسلمانوں کے پاس سے گزرا تو ان سے کہتا۔

”ہماری تو آنکھیں کھل گئیں مگر تم لوگ ابھی بھی بھیکتے ہی پھر رہے ہو۔“

(ی) یعنی ہمیں تو روشنی نظر آگئی مگر تم ابھی تک روشنی کی تلاش میں ہی ہو جو ہمیں نظر نہیں آئی۔ پھر یہ عیسائی مذہب پر ہی مر گیا۔

ان چاروں میں کے چوتھے شخص جہان ابن حویرث ہیں، ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ نہیں ملا۔ سب کے سے نکل کر روم کے بادشاہ قیصر کے پاس پہنچ گئے تھے اور اس کے پاس جا کر عیسائی مذہب میں داخل ہو گئے تھے۔

یہ زید ابن عمرو ابن قحیل اکثر قریش کو برا بھلا کرتے تھے اور ان سے کہتے۔

حق کی تلاش..... ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں زید ابن عمرو کی جان ہے کہ میرے سوا تم میں سے کوئی مجھ ابراہیمؑ کے دین پر قائم نہیں ہے۔“

یہاں تک کہ ان کی اس قسم کی باتوں کی وجہ سے ان کے چچا خطاب نے (یعنی حضرت عمر فاروقؓ کے والد نے) ان کو مکہ سے نکال دیا تھا اور انہیں حراء میں ٹھہر لیا تھا۔ اس نے باقاعدہ ایسے آدمیوں کو متعین کر دیا جو زید کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں کیونکہ وہ ڈرتا تھا کہ یہ ہمارے دین میں فساد پھیلاتا ہے۔ آخر زید کے

علاقے سے نکل کر دین ابراہیم کی تلاش میں پھرنے لگا۔ یہ راہبوں اور پادریوں کے پاس پہنچ کر ابراہیم کے دین کی تحقیق کرتے۔ اسی طرح پھرتے پھرتے یہ موصل شہر میں پہنچ گئے پھر وہاں سے یہ شام چلے گئے۔ یہاں ایک راہب سے ملے (یہ راہب بہت بڑا عالم تھا اور عیسائیت کا علم اس پر آکر ختم ہو گیا تھا) یعنی اس مذہب کا اپنے وقت میں سب سے بڑا عالم تھا (زید نے اس راہب سے بھی دین ابراہیمی کے متعلق دریافت کیا۔ اس راہب نے کہا۔ ”تم اس دین کی تلاش کرو رہے ہو جس کو بھلانے والا آج ہمیں ملے گا۔ مگر اس نئی کا زمانہ تم سے قریب آگیا ہے جو خود تمہارے ہی وطن سے ظاہر ہونے والا ہے، اس وطن سے جس کو چھوڑ کر تم آ رہے ہو وہ نبی، ابراہیم کے دین حنیف کے ساتھ ظاہر ہوں گے، اس لئے تم اس دین کو قبول کرو اس لئے کہ وہ نبی اب ظاہر ہو چکے ہیں۔ یہ ان ہی کا زمانہ ہے۔“

یہ سن کر زید بڑی تیزی کے ساتھ نکلے کو روٹہ ہوئے مگر جب وہ راستے میں بنی لحیم کی بستیوں کے قریب پہنچے تو ان لوگوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کو قتل کر ڈالا۔ یہ جس جگہ دفن ہوئے اس کو میفہ کہا جاتا ہے۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حراء پہلے کے دامن میں دفن کئے گئے۔

زید کی تمنا اور محرومی..... علامہ واقدی نے زید ابن عمرو کی روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے عامر بن ربیعہ سے کہا تھا۔

”میں اسماعیل کی لولہ میں ظاہر ہونے والے ایک نبی کا انتظار کر رہا ہوں۔ مگر مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں ان کا زمانہ نہیں پاسکوں گا تاکہ ان کا دین قبول کر سکوں، ان کی تصدیق کر سکوں اور گواہی دے سکوں کہ وہ پیغمبر ہیں اس لئے اگر تم اس وقت تک زندہ رہو اور ان کو دیکھو تو ان سے میرا سلام کہنا.....!“

چنانچہ عامر ابن ربیعہ کہتے ہیں کہ جب میں (آنحضرت ﷺ) کے دست مبارک پر مسلمان ہو گیا تو میں نے آپ ﷺ کو زید کا سلام پہنچا۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور ان کو رحمت کی دعا دی۔“

اس سلسلے میں یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ زید کے بیٹے حضرت سعید نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ انکے باپ کیلئے مغفرت کی دعا فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہاں میں ان کیلئے مغفرت مانگتا ہوں۔

زید کے متعلق بشارات..... (قال) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

”میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے وہاں زید ابن عمرو کے نام کے دو بہت بڑے بڑے درخت دیکھے۔“

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند بہت اچھی ہے۔ (ی) مگر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ البتہ یہ روایت احادیث کی کتابوں میں نہیں ملتی۔ ایک روایت میں اس حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ:-

”میں نے زید ابن عمرو کو جنت میں دامن لٹکا کر (یعنی بڑے آدمیوں کی طرح تازے) چلنے دیکھا۔“

اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت کھانے کے سلسلے میں بیان کرتے ہیں کہ بڑی ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے جانور کا گوشت کھانے کی ممانعت فرمائی ہے جو جنت کے لئے اور ان کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک قول یہ ہے کہ اگر جانور کے ذبح کرنے کے لئے یہ کہا جائے کہ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِسْمِ مُحَمَّدٍ (یعنی ذبح کرتا ہوں) اللہ کے نام پر اور محمد ﷺ کے نام پر۔ تو

ایسے گوشت کا کھانا جائز ہے اگرچہ ایسا قول حرام ہے کیونکہ اس میں شرک کا گمان ہوتا ہے (مگر اس گوشت کے استعمال کی اجازت ہونے کا مطلب یہ ہی ہے کہ ایہ ایک استثنائی چیز ہے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ ”جب بھی میرا ذکر کیا جاتا ہے تو (اے محمد ﷺ) تمہارا ذکر بھی میرے ساتھ کیا جاتا ہے۔“

آنحضرت ﷺ کا اعتراف..... (یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خصوصیت اور اعزاز حاصل ہوا کہ اس کے نام کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا نام بھی لیا جاتا ہے) (جیسا کہ کلمے میں بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت کا اقرار کیا جاتا ہے اور اسی طرح نماز کے دوران التحیات میں بھی آنحضرت ﷺ پر صلوات سلام بھیجا جاتا ہے) چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ:-

میرے پاس جبرئیل آئے اور کہنے لگے۔

”میرا اور آپ کا پروردگار آپ سے فرماتا ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں میں نے کس طرح آپ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے۔ (ی) یعنی کس طریقے سے میں نے آپ کے ذکر کو بلند کیا اور عزت دی ہے۔ جیسا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بھی ذکر ہے۔

الْم تَشْرِخْ لَكَ صَلَاتُكَ وَوَضَعَا عَنْكَ وَذَكَ الَّذِي انْقَضَ ظَهْرُكَ وَوَضَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ط لا یٰٰہ ۳۰ ترجمہ :- کیا ہم نے آپ ﷺ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔ اور ہم نے آپ ﷺ پر سے آپ ﷺ کا بوجھ اتار دیا جس نے آپ ﷺ کی کمر توڑ رکھی تھی اور ہم نے آپ ﷺ کی خاطر آپ ﷺ کا آواز بلند کیا۔ (غرض جب حضرت جبرئیل نے آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ یہ فرمان پہنچایا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے کس طرح آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے تو) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ہی زیادہ جانتے والا ہے (میں نہیں جانتا) تو..... انہوں نے کہا:-

”جہاں بھی میرا نام لیا جاتا ہے وہاں آپ کا بھی نام لیا جاتا ہے۔“

یعنی اکثر موقعوں پر (کیونکہ یہ مراد نہیں ہے کہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ بلکہ اکثر موقعوں پر آپ ﷺ کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہوتا ہے) کہیں یہ ذکر واجب ہے اور کہیں مستحب اور باعث برکت ہے۔

(چنانچہ سورہ الم نشرح کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں بیان القرآن میں حضرت تھانوی نے جو کچھ لکھ ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کہ ہم نے آپ ﷺ کی خاطر آپ ﷺ کا آواز بلند کیا۔ یہ مطلب ہے کہ شریعت میں اکثر جگہوں پر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ذکر منہدک بھی ملا دیا گیا ہے۔ کتب در و معر میں حدیث قدسی مرفوعہ سند کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتُ مَعِيَ

یعنی جب میرا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

مثلاً خطبہ میں تشہد یعنی التحیات میں، نماز میں (یعنی التحیات کے علاوہ نماز ہی میں دوسرے موقع پر مثلاً

۱۔ حدیث مرفوعہ جس کی تریف سیرت طیبہ گذشتہ جہوں میں بھی گزر چکی ہے اس حدیث کو کہتے ہیں حم کے راویوں کا سلسلہ براہ راست آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہو۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ وہ حدیث جس کا سند کا سلسلہ آنحضرت ﷺ پر ہی جا کر ختم ہوتا ہو۔

درد شریف پڑھا جاتا ہے) اسی طرح لڑان میں آنحضرت ﷺ کی رسالت و نبوت کی گواہی دی جاتی ہے اور اسی طرح اقامت یعنی تکبیر میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کے نام کی بلندی اور عظمت ظاہر ہے کہ اس کی کوئی برابری ہی نہیں ہے۔ لہذا جو نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اور اس کے قریب رہے گا اس کی بلندی کا کیا ٹھکانہ ہے۔ حق تعالیٰ نے اس انداز سے آنحضرت ﷺ کو نوازا جو آپ ﷺ کی عظیم ترین خصوصیات میں سے ایک ہے۔ (علامہ از تفسیر بیان القرآن ص ۱۷۷ مرتب)

بت پرستی اور شراب سے حفاظت..... اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذمہ جاہلیت کی برائیوں سے آنحضرت ﷺ کی جو خاص حفاظت فرمائی گئی اس کی ایک مثال یہ ہے جو حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا۔

”کیا آپ نے بچپن میں (کبھی بت پرستی کی ہے؟“

آپ نے فرمایا۔ ”نہیں“

پھر پوچھا گیا کہ کیا آپ ﷺ نے کبھی شراب پی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔

”نہیں! بلکہ میں ہمیشہ اس بات کو جانتا تھا کہ جس شخص نے شراب پینے کا بارودہ کیا اس نے کفر کیا حالانکہ اس وقت تک مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کتب اللہ کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟“

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ذمہ جاہلیت میں شراب کو اپنے اوپر حرام کر لینا آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے نہیں ہے بلکہ ذمہ جاہلیت میں ایسے بت سے لوگ ہیں جنہوں نے شراب کو اپنے لئے حرام کر رکھا تھا ان میں سے کچھ کا ذکر گزر چکا ہے اور کچھ کا ذکر آگے آئے گا۔

(اس حدیث میں شراب پینے کو کفر بتلایا گیا ہے حالانکہ شراب پینے والا مسلمان اس کے پینے سے کافر نہیں ہوتا اس بارے میں کہتے ہیں کہ شراب پینے کو کفر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پینے سے اسی طرح بچنا چاہئے جیسے کفر سے بچا جاتا ہے۔ نیز غالباً آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد اس وقت کا ہے جبکہ شراب کو اسلام نے حرام قرار دے دیا تھا۔ اس لئے شراب خوری کو کفر بتلانے میں اس سے بچتے رہنے اور دور رہنے کے حکم میں مبالغہ اور شدت کرنا مقصود ہے اس لئے کہ یہ ام النہایت یعنی تمام برائیوں کی جڑ ہے (کہ شراب پینے والا کوئی پھر دوسری طرح طرح کی برائیوں اور کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے) اور یہ کہ اس زمانے میں اکثر لوگ شراب کے بت زیادہ عادی اور شوقین تھے (اس لئے اس کی برائی اور گناہ کو خوب کھول کر اور صاف صاف بتلایا گیا تاکہ لوگوں کے دلوں سے شراب کی محبت نکل جائے اور وہ شراب نوشی کے وبال اور لوہار سے بچیں)

(مؤلف نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ شراب سے اس طرح بچنا چاہئے جیسے کفر سے بچا جاتا ہے۔ گویا شراب نوشی اور کفر قریب قریب ہی ایسے ہی ایک حدیث اور ہے جس سے یہ مطلب صاف ہو جاتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے (کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا)

میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور بولے

”اے نبی! امت کو یہ خوش خبری دے دیجئے کہ جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس نے حق تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کیا (ی) ان سب باتوں کی تصدیق کرتے ہوئے مرا جو میں نے کر لیا ہوں تو وہ جنت میں داخل ہو گیا (ی) یعنی یقیناً جنت میں داخل ہو گا چاہے (دوسرے گناہوں کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لئے کو دوزخ

میں نے کہا۔ ”اے جبرئیل اچا ہے اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو؟“
جبرئیل نے فرمایا۔ ”ہاں!“

میں نے پھر کہا کہ چاہے اس نے چوری کی ہو اور زنا کیا ہو؟ انہوں نے کہا۔ ”ہاں!“

میں نے پھر کہا کہ چاہے اس نے چوری کی ہو اور زنا کیا ہو؟ انہوں نے کہا۔

”ہاں! اور چاہے اس نے شراب پی کیوں نہ ہو۔“

(گویا اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شراب نوشی اللہ تعالیٰ کے یہاں کتنا بڑا جرم اور گناہ ہے) شراب کے حرام کئے جانے سے مراد یہ ہے کہ عام لوگوں کے لئے اسلام کے آنے کے بعد حرام ہوئی ہے ورنہ کتب خاصہ صفی میں علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ :-

آنحضرت ﷺ کے لئے شراب کی حرمت کا حکم آپ کی نبوت اور لوگوں پر شراب کے حرام ہونے سے بھی بیس سال پہلے ہو چکا تھا (اگرچہ آپ نے کبھی نہیں پی اور اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت کی وجہ سے آپ ہمیشہ شراب سے نفرت کرتے رہے) واللہ اعلم۔

(قال) جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جسے جابر ابن عبد اللہ نے روایت کیا ہے کہ :-

”آنحضرت ﷺ (نوعمری میں) شرکوں کے ساتھ ان کی زیدت گاہوں پر جلیا کرتے تھے ایک دفعہ آپ ﷺ نے اپنے پیچھے دو فرشتوں کی تواضع کی جن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ہمارے ساتھ آؤ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوں گے دوسرے نے کہا۔

”ہم ان کے پیچھے کیسے کھڑے ہو سکتے ہیں جبکہ اس سے پہلے ان کا زمانہ بتوں کو چھوٹنے کا ہے۔“

اس کے بعد پھر کبھی آنحضرت ﷺ مشرکوں کے ساتھ لڑائی کی زینت گاہوں میں نہیں گئے۔

اس روایت کے متعلق علامہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس کو منکر لہٰذا اور ناپسندیدہ روایت

کما ہے (ی) چنانچہ امام احمدؒ نے کہا ہے جیسا کہ کتاب شفا میں ہے کہ یہ روایت موضوع یعنی من گھڑت ہے یا موضوع روایت کی طرح ہے۔ دار قطنی نے کہا ہے کہ ابن ابوشیبہ کو اس روایت کی سند میں دھوکہ ہوا ہے۔ مجموعی طور پر یہ روایت منکر اور ناپسندیدہ ہے اس لئے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جائے گی۔ اس میں جو بات منکر ہے وہ فرشتے کا یہ قول ہے کہ اس سے پہلے ان کا زمانہ بتوں کو چونے کا ہے..... کیونکہ ان ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ (نعموز باللہ) آنحضرت ﷺ نے بتوں کو چمکا تھا لیکن حقیقت میں یہ مطلب ہرگز نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان زبانت گاہوں میں شرکوں کو اس وقت دیکھا جب کہ وہ بتوں کو چوم رہے تھے۔ (ی) یعنی اس وقت جبکہ آپ ﷺ ان کی کسی زبانت گاہ پر ان کے ساتھ تشریف لے گئے جہاں ان کے بت بھی ہوتے تھے۔

۱۰۰ قلعہ کے علاوہ دوسرے علماء میں سے کسی نے کہا ہے کہ ان زیارت گاہوں سے جن پر آپ ﷺ

۱۔ حدیث مگر جیسا کہ سیرت حلبیہ کے محقق ابوالحسن بیان ہو اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا راوی ضعیف ہو اور اس
۲۔ قوی کی مخالفت کی۔

تشریف لے گئے مرنوہ جگہیں ہیں جہاں حلف وغیرہ اور اسی قسم کے دوسرے معاملے ہو ا کرتے تھے جیسے دعوتیں وغیرہ جن کا بیان آگے آئے گا وہ زیادہ گاہیں مرنوہ میں ہیں جہاں بتوں کو چما جلیا کرتا تھا اس لئے کہ ام ایمن کی وہ روایت جو پیچھے بیان ہوئی اس کو غلط ثابت کر دیتی ہے کہ یہ بتوں کو چومنے کی جگہیں تھیں۔

(ی) اسی طرح یہ بات آنحضرت ﷺ کے اس قول سے بھی غلط ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ جب بحیراء راہب نے آپ ﷺ کو لات اور عزی بتوں کے نام کی قسم دی تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تھا کہ مجھ سے ان بتوں کے نام پر کوئی بات مت پوچھو، اس لئے کہ خدا کی قسم ان دونوں سے زیادہ میں کسی چیز سے نفرت نہیں کرتا۔ (تو جیسے آپ نے اس قول میں ان بتوں سے اپنے نفرت کا اظہار فرمایا تو) ان دونوں کے علاوہ جو بت تھے وہ بھی آپ کے نزدیک ایسے ہی قابل نفرت تھے اسی طرح آگے آنحضرت ﷺ کا ایک قول آئے گا جو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ بتنا میں ان بتوں سے نفرت کرتا ہوں ان کا کسی چیز سے نہیں کرتا۔ اسی طرح جیسے کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ :-

”جب میں کچھ بڑا ہو گیا تو مجھے بتوں سے بھی نفرت ہو گئی اور شعر و شاعری سے بھی۔“ واللہ اعلم۔

(اب ان تمام روایتوں کی روشنی میں یہ بات بالکل سمجھ میں نہیں آسکتی کہ آنحضرت ﷺ مشرکوں کے ساتھ ان زیارت گاہوں پر تشریف لے گئے ہوں گے جہاں ان کے بتوں کو چما جاتا تھا بلکہ وہ مقامات مرنوہ ہو سکتے ہیں جہاں قریش کے عہد معاہدے اور بڑی دعوتیں وغیرہ ہوتی ہوں)

باب دوازدہم (۱۲)

آنحضرت ﷺ کا بکریاں چرانا

(قال) بکریاں چرانے سے مروی بکریاں چرانے کی روایت ہے۔
اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- اس باب میں آنحضرت ﷺ کا یہ فعل بیان کیا گیا ہے اس کی روایت نہیں۔
واللہ اعلم۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

”جس نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا اس نے بکریاں چرانے کا کام کیا ہے۔“

صحابہ نے عرض کیا اور آپ نے یہ رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے فرمایا

”میں نے مکے والوں کے لئے قراریہ (سکد) کے بدلے میں بکریاں چرائی ہیں۔“

(ی) قراریہ (قیراط کی جمع ہے جو) درہم اور دینار کا چھوٹا جز ہوتا ہے جس سے چھوٹی موٹی چیزیں

خریدی جاتی تھیں (قیراط) ایک دینار کا ۴۱۶ وال حصہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے دینار کا دسواں حصہ بتلایا

ہے۔ دینار سونے کا ایک پرانا سکد تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے قراریہ پر

مکے والوں کے لئے بکریاں چرائی ہیں۔ قراریہ کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ اس سے مروی سکد ہے یا کسی جگہ

کا نام۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مروی ہے یعنی بکریاں چرانے کی اجرت میں مکے والوں سے قراریہ

لیا کرتے تھے۔ مگر کچھ علماء کا قول یہ ہے کہ قراریہ سے مروی مکے کے قریب کی کوئی جگہ ہے۔ یعنی

آنحضرت ﷺ قراریہ کے مقام پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ علامہ شامی کا اس بارے میں یہ قول ہے

لے بکریاں چرانے کو عربی میں رعیۃ منم کہتے ہیں۔ اگر اس میں زبرد پر زبرد چرایا جائے تو مروی ہوگی اس عمل کی روایت

جیسا کہ علامہ شامی نے کہا ہے کہ اگر قی پر زبرد چرایا جائے تو اس کے معنی ہوں گے خودیہ فعل جیسا کہ مؤلف نے کہا ہے

(مرتب)

کہ قراریط سے سکے مراد ہے کہ اس سکے کے عوض کے والوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ واضح رہے کہ حدیث میں جو الفاظ ہیں ان سے دونوں معنی پیدا کئے جاسکتے ہیں)

سوید ابن سعید کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ہر بکری ایک قیراط کے بدلے میں چراتے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ قیراط (سے سکے مرو نہیں ہیں بلکہ یہ) سکے کے قریب کسی جگہ کا نام ہے۔ ابراہیم عربی بھی یہی کہتے ہیں کہ قراریط کسی جگہ کا نام ہے۔ اس سے چاندی اور سونے کے قراریط یعنی سکے مرو نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ بات یوں بھی ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ عرب کے لوگ ان قراریط کو جانتے ہی نہیں تھے جو سونے چاندی کے سکے ہوتے تھے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ جس میں (مسلمانوں سے کہا گیا ہے)۔

”عنقریب تمہو علاقے فتح کرو گے جہاں قیراط (سکے) چلتے ہیں۔“

پھر یہ بات کہ (قراریط سے مرو سکے نہیں بلکہ جگہ ہے) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ میں نے اپنے گھر والوں کی بکریاں چرائی ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے گھر والوں کی بکریاں اجرت پر نہیں چرائی ہوں گی (ی) جیسا کہ عادت اور دستور یہی ہے (کہ آدمی اپنے گھر کا کام پیسوں پر نہیں کیا کرتا) پھر یہ کہ بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں آپ ﷺ نے قراریط کے بجائے اجیاد کا لفظ فرمایا ہے (جو سکے کے قریب ایک جگہ کا نام ہے) اس سے معلوم ہوا کہ قراریط بھی جگہ کا ہی نام ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے کبھی قراریط فرمایا اور کبھی اجیاد فرمایا (کیونکہ ممکن ہے دونوں جگہیں قریب قریب ہوں)

مگر بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ سکے والے وہاں ایسی کسی جگہ کو نہیں جانتے تھے جس کا نام قراریط ہو۔ اس لئے وہ روایت جس میں آپ نے سکے والوں کے بجائے اپنے گھر والوں کی بکریاں چرانے کو فرمایا ہے اس میں گھر والوں سے مرو سکے والے ہوں گے کیونکہ گھر والوں کے لئے تو ظاہر ہے اجرت پر بکریاں چرائی نہیں ہوں گی (اور قراریط کو جبکہ کا نام نہ ملتا جائے تو مرو سکے ہی ہوں گے جو آپ ﷺ نے بکریاں چرانے کی اجرت کے طور پر لئے۔ اب جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ گھر والے کہہ کر سکے والے کیسے مرو ہوں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خاص طور پر عرب میں ایسا ہوتا ہے کہ اگر دو چیزوں میں تھوڑا سا بھی تعلق ہے تو ایک کو بول کر دوسری چیز مراد لے لی جاتی ہے (چنانچہ وطن والوں اور برادری کے لوگوں کو آدمی لڑواہ تعلق اکثر اپنے گھر کے لوگ کہہ دیتا ہے۔ چنانچہ اس روایت میں آنحضرت ﷺ نے بھی سکے والوں کو ہم وطن ہونے کی وجہ سے اپنے گھر کے لوگ فرمایا) چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے (کہ قراریط سے مرو سکے ہی ہیں۔ وہ روایت یہ ہے)

”میں سکے والوں کی بکریاں قراریط پر یعنی قراریط کے بدلے میں چراتا تھا۔“

بخاری نے اس کو باب الا جادہ میں بھی اس معنی میں ذکر کیا ہے (یعنی جس باب میں اجرت وغیرہ کے مسائل ہیں) اس سے یہ بات غلط ہو جاتی ہے کہ قراریط کسی جگہ کا نام ہے۔ اسی طرح اس سے یہ بات بھی غلط ہو جاتی ہے کہ عرب کے لوگ ان قراریط کو جانتے ہی نہ تھے جو چاندی سونے کے سکے ہوتے تھے۔ (ی) اسی طرح آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد جو لو پر بیان ہوا ہے کہ۔ عنقریب تمہو علاقے فتح کرو گے جہاں قیراط سکے چلتے ہیں۔ اس سے جو مطلب لیا گیا ہے وہ بھی غلط ہو جاتا ہے کہ قراریط سے مراد جگہ ہے۔

اب آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ لیا جاسکتا ہے کہ تم وہ ملاقاتے فتح کرو گے جہاں قراریہ کے بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں اور ان کا چلن بہت ہے۔ یا پھر اس حدیث میں قراریہ سے مراد مکے میں ہی نہیں بلکہ پیدائش اور مسافت مراد ہے (کیونکہ قراریہ اس معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور ایک قیر لٹا ایک انگلی کی چوڑائی کے برابر پیدائش کو بھی کہتے ہیں)

حافظ ابن حجرؒ نے اس اختلاف کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ آپ نے اپنے گھر والوں یعنی رشتہ داروں کی بکریاں تو بغیر اجرت کے چرائیں اور دوسروں کی بکریاں اجرت پر چرائی ہیں اور آپ نے گھر والے جو فرمایا ہے اس سے مراد مکے والے ہی ہیں مگر ان سے مراد اپنے رشتہ دار اور عام کے والے سب ہیں۔ اس کے بعد ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس طرح وہ دونوں روایتیں ٹھیک ہو جاتی ہیں (جن میں سے ایک میں قراریہ کا لفظ ہے اور دوسری میں اجیاد کا لفظ ہے) اور مطلب یہ ہو گا کہ جس حدیث میں آپ نے قراریہ فرمایا ہے اس میں آپ نے اجرت فرمائی ہے اور جس میں اجیاد فرمایا ہے اس میں آپ ﷺ نے وہ جگہ بتلائی ہے جہاں آپ ﷺ بکریاں چراتے تھے۔ اس طرح دونوں حدیثوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ یہاں تک ابن حجرؒ کے کلام کا خلاصہ ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے دونوں باتیں مراد ہوتی ہیں۔ یہ بات ایسی ہے کہ اس کو ماننا کسی ایسا روایت کے لو پر ہی موقوف ہے جس سے یہ بات کھل کر سامنے آ رہی ہو۔ بکریاں چرانا انبیاء کی سنت ہے..... (جہاں تک آنحضرت ﷺ کے خود بکریاں چرانے کا تعلق ہے اس بارے میں علامہ ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ دونوں نے بکریاں چرائی ہیں۔ مگر بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صرف قبیلہ بنی سعد میں (جہاں آپ دایہ حلیمہؓ کی پرورش میں تھے) اپنے دودھ شریک بھائی کے ساتھ بکریاں چرائی ہیں (اس کے بعد کے واپس آ کر نہیں چرائیں) اس کی دلیل میں وہ یہ کہتے ہیں کہ ابن اسحاقؒ نے آنحضرت ﷺ کے بکریاں چرانے کے متعلق صرف یہی روایت بیان کی ہے (مگر ابن جوزیؒ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعد میں بھی بکریاں چرائی ہیں اور اسی لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ اور حضرت موسیٰؑ دونوں کو بکریاں چرانے والا کہا ہے) چنانچہ اس قول کی روشنی میں ان بعض علماء کی بات غلط ہو جاتی ہے (جو ابن اسحاقؒ کے حوالے سے یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے صرف قبیلہ بنی سعد میں اپنے دودھ شریک بھائی کے ساتھ بکریاں چرائی ہیں جبکہ آپ بہت بچے تھے۔ اس کے بعد نہیں۔ مگر علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ۔ (۱)۔ صرف علامہ ابن جوزیؒ کے اس ایک قول سے ان بعض علماء کا قول غلط نہیں ہو سکتا ان دوسری روایتوں سے ضرور ہو جاتا ہے جن میں سے کچھ گزر چکی ہیں اور کچھ آگے بیان ہوں گی (کہ آنحضرت ﷺ نے دایہ حلیمہ کے یہاں سے آنے کے بعد بھی بکریاں چرائیں ہیں) پھر کتاب ہدیٰ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نبوت سے پہلے اجرت پر بکریاں چرانے کا کام کیا ہے۔

بکریاں چرانے کی حکمت و فضیلت..... (تفسیروں کے بکریاں چرانے کی حکمت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ)۔

اس میں حق تعالیٰ کی زبردست حکمت ہے (کہ اس نے پیغمبروں سے بکریاں چرانے کا کام لیا) کیونکہ بکری کمزور اور ضعیف ترین جانور ہے۔ جو شخص بکریاں چرانے کا کام کرتا ہے اس میں قدرتی طور پر نرمی، محبت اور

انکساری کا جذبہ پیدا ہو جاتا (کیونکہ ہر کام اور پیشہ کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں اور وہ خصوصیات اس شخص میں پیدا ہو جاتی ہے جو وہ کام کرتا ہے مثلاً قصاب کے دل میں قدرتی طور پر اپنے کام کی وجہ سے خشونت اور سختی پیدا ہو جاتی ہے وغیرہ وغیرہ اسی طرح بکریوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے سے دل میں نرمی اور لطف و کرم پیدا ہوتا ہے جو خود اس جانور کی فطرت ہوتی ہے) چنانچہ وہی شخص جب مخلوق کی تربیت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو پہلے ہی اس کی طبیعت کی گرمی اور حرارتی خصلتیں ختم ہو چکی ہوتی ہے اور مخلوق کی تربیت کے وقت وہ بہترین مزاج اور طبیعت کا مالک ہوتا ہے (جو ایسے بڑے اور اہم کام کے لئے سب سے ضروری چیز ہے کیونکہ نرم مزاجی، نرم گفتاری اور خوش اخلاقی ہی آدمی کا ایسا جوہر ہیں جو سب کا دل موہ لیتی ہیں اور آدمی کو ہر خاص و عام میں ہر دلعزیز بنا دیتی ہیں)

چنانچہ ایک دفعہ لونٹ چرانے والوں اور بکریاں چرانے والوں کے درمیان آنحضرت ﷺ کے سامنے اس پر بات چل پڑی کہ کونسا زیادہ اچھا کام ہے دونوں طرف کے آدمی اپنے کام کی بڑائی بیان کرنے لگے۔ جب بحث لمبی چل گئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

”موسیٰ کو نبی بتایا گیا تو وہ بھی بکریاں چراتے تھے، پھر دلوڈ کو نبوت دی گئی تو وہ بھی بکریاں چرانے والے تھے اور مجھے پیغمبری ملی تو میں بھی اُجیاد کے مقام پر اپنے گھر والوں کی بکریاں چرانے والا ہوں۔“
یہ آجیاد کے کے جنوب میں جو گھانٹاں ہیں وہاں ایک جگہ کا نام ہے اس کو بغیر الف کے صرف ”جہاد“ بھی کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے (حضرت موسیٰ اور حضرت دلوڈ کے متعلق) فرمایا ہے کہ وہ ”بکریاں چرانے والے“ اور اسی طرح اپنی متعلق فرمایا ہے کہ ”میں بکریاں چرانے والا ہوں۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ اور داؤد نے ایک زمانہ میں (بکریاں چرائی ہیں) (اور اسی طرح خود اپنے متعلق ارشاد فرمائے کا مطلب یہ ہے کہ ایک زمانے میں) میں نے بھی بکریاں چرائی ہیں کیونکہ جس وقت یہ بات فرمائی گئی اس وقت آپ بکریاں نہیں چراتے تھے۔ اور نہ ہی حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد نے ہمیشہ بکریاں چرائی ہیں (بلکہ یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی خاص حکمت کے سبب اس کام میں لگایا۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے بکریاں چرانے والوں میں اپنے علاوہ جن نبیوں کا ذکر فرمایا وہ صرف حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد ہیں جبکہ اس سے پہلے آپ کا ایک یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی ظاہر فرمایا اس نے بکریاں چرائی ہیں۔

اسی طرح آپ کا ایک ارشاد آگے آ رہا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ اب اس حدیث میں خصوصیت سے صرف ان ہی دو نبیوں کا ذکر کرنے میں یقیناً کوئی حکمت ہے جس پر غور کرنا چاہئے۔

(بکریوں کے متعلق) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

”بکری اپنے مالک کے لئے برکت کی چیز ہے اور لونٹ عزت ہے۔“

اس طرح آپ ﷺ نے بھیڑ کے متعلق فرمایا۔

”اس کا مٹی ہماری غذا ہے، اس کا لون ہمارا لباس ہے اور اس کے گرم کپڑے ہمارے لوز حنا بچھوٹا ہیں۔“

ایک روایت میں اس طرح کہا گیا ہے کہ بھیڑ کا گھی غذا ہوتی ہے اور اس کا لون لباس ہوتی ہے (ی) ایک حدیث میں ہے۔

”لوٹ والوں میں فخر اور بڑائی کا جذبہ ہوتا ہے اور بھیڑ والوں میں سیکھت اور وقار ہوتا ہے۔“

اس کے مقابلے میں عربی میں ایک کہوت اس طرح مشہور ہے کہ بھیڑ چرانے والا سب سے زیادہ جاہل یا سب سے زیادہ احمق ہوتا ہے۔ مگر اس کہوت اور اس حدیث میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ (حدیث میں تو وہ خصوصیت بیان کی گئی ہے جو بھیڑ چرانے والوں کے مزاج میں پیدا ہوتی ہے یعنی انکساری اور وقار۔ اور اس کہوت میں بھیڑ چرانے والوں کو احمق کہنے کا مطلب ہے کہ) بھیڑیں ہر چیز سے ہڈک کر بھاگتی رہتی ہیں اور چرانے والا جو ہے وہ مستقل ان کو اکٹھا کرنے کے لئے ان کے پیچھے بھاگتا پھرتا رہتا ہے۔ اس کہوت میں اسی کو حماقت کہا گیا ہے۔ ہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ گھوڑے اور لوٹ والوں میں فخر و غرور اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ۔ ریا کاری ہوتی ہے۔

(قال) اس سے پہلے باب میں جو روایت گزری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ کے کی محفلوں میں سے ایک محفل میں جانے کا ارادہ فرمایا قلمدہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بکریاں چرائی ہیں۔

اسی طرح (آنحضرت ﷺ) کا بکریاں چرانا اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے جس کو حضرت جابرؓ نے بیان کیا ہے،

”ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ پیلو کھکت کے پکے ہوئے پھل قلمدہ ہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ”پیلو کے پھل میں سیاہ پھل ہی توڑا کرو کیونکہ وہ زیادہ عمدہ ہوتا ہے۔ میں جب بکریاں چرایا کرتا تھا تو میں وہی توڑا کرتا تھا۔“

ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ نے بکریاں بھی چرائی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”ہاں! کوئی نئی ایسا نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔“

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- لیکن اگر کسی شخص کو بکریاں چرانے پر عار اور شرم دلائی جائے تو اس کے لئے یہ جواب دینا مناسب نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی تو بکریاں چرائی ہیں۔ اگر وہ شخص جواب میں ایسا کہتا ہے تو اس کو سرزنش کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا یہ (بکریاں چرانا صرف نبیوں کے حق میں ہی کمال اور عظمت کا ذریعہ ہے دوسروں کے حق میں نہیں۔ اسی لئے اس کو دلیل بنا کر دوسرے لوگوں کے لئے اس عمل کی نقل کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہی صورت دوسری بہت سی ایسی باتوں میں بھی ہے جو آنحضرت ﷺ کے حق میں کمال نہیں جیسے اُنہی لئے پڑھ ہوتا ہے دوسروں کے لئے کمال کی بات نہیں ہے (اور نہ اس کی نقل کرنا مناسب ہے) چنانچہ اگر کسی (ان پڑھ آدمی کی) کامی کہ دیا جائے اور وہ جواب میں یہ کہ دے کہ رسول اللہ ﷺ بھی تو اُنہی تھے۔ تو اس شخص کو سرزنش کرنا ضروری ہے (کیونکہ یہ بات صرف آنحضرت ﷺ کے حق میں کمال تھی دوسروں کے لئے ہرگز نہیں اسی لئے احادیث میں مسلمانوں کو علم حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ اعلم۔

باب سیزدہم (۱۳)

آنحضرت ﷺ کی حربِ فجار میں شرکت

یہ لفظ فجار، ف کے زیر کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں خوں ریزی (حربِ فجار چار ہیں۔ ان میں سے جس میں آنحضرت ﷺ نے شرکت فرمائی ہے وہ جنگ ”فجارِ براہض“ کے نام سے مشہور ہے۔ ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”میں اپنے چچاؤں کے ساتھ اس میں یعنی حربِ فجار (براہض) میں گیا اور میں نے بھی اس میں تیر چلائے اور مجھے کبھی یہ حسرت نہیں ہوئی کہ میں نے ایمانہ کیا ہوتا (یعنی مجھے اس جنگ میں اپنی شرکت پر کبھی کوئی افسوس نہیں ہوا کہ میں کیوں اس میں شریک ہوا اور وہاں میں نے کیوں تیر چلائے) اس جنگ کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک چودہ سال کی تھی۔ یہ جو تھی فجار کی لڑائی تھی (فجار کے معنی پھٹن اور دو پہاڑوں کے درمیانی راستے کے ہیں۔ اور ف کے زیر کے ساتھ فجار کے معنی گناہگار اور بڑائی کرنے والے کے ہیں۔ ان لڑائیوں کو فجار اس لئے کہا گیا کہ عربوں نے ان مہینوں میں قتل و قتل کیا جن میں وہ جنگ کو حرام کہتے تھے۔ مگر آگے کچھ ایسی روایتیں آئیں گی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فجار کی لڑائیاں حرام مہینوں میں نہیں ہوتیں۔ ہر حال فجار کی اس جو تھی لڑائی ہی میں رسول اللہ ﷺ شریک ہوئے ہیں)۔ فجار کی پہلی لڑائی کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک دس سال تھی۔

فجار کی اس پہلی لڑائی جس کو ”فجارِ اول“ کہا جاتا ہے، کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک شخص تھا جس کا نام بدر ابن معشر غفاری تھا۔ عکاظ کے میلے میں ایک لڑا یعنی مجلس تھی جہاں بیٹھ کر یہ لوگوں کے سامنے اپنی بہادری کے تذکرے کیا کرتا تھا اور اپنی بڑائیاں بیان کرتا تھا۔ ایک دن اس مجلس میں یہ اپنے پیڑ پھیلا کر کہنے لگا: ”پہلی جنگِ فجار.....“ میں عربوں میں سب سے زیادہ باعزت آدمی ہوں۔ جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ وہ مجھ سے زیادہ عزت والا ہے تو تلوار کے زور سے اس کو ثابت کر کے دکھائے۔ (بدر کی یہ ڈانگیں اور لن ترانیاں سن کر ایک

فحص کو غصہ آگیا اور کوہ ایک دم بدر پر چھٹا اور اس کے کھٹنے پر تگولہ ماری جس سے اس کا گھٹنا ٹک گیا۔ کچھ سوڑھین کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ کھٹنے میں ہلکا سا زخم آگیا تھا۔ غرض اس بات پر ان دونوں کے قبیلوں میں جنگ پھوٹ پڑی۔

دوسری جنگ فجار..... فجار دوم کا سبب یہ ہوا تھا کہ قبیلہ بنی عامر کی ایک عورت عکاظ کے ایک بازار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ قبیلہ قریش میں بنی کنانہ کا ایک نوجوان اس عورت کے گرد منڈلانے لگا اور اس سے بولا کہ اپنا چہرہ کھول کر دکھا (جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا) غرض اس عورت نے اپنا چہرہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ (اس نوجوان نے اس طرح بات نہ بتے دیکھ کر یہ کیا کہ) چپکے سے اس عورت کے پیچھے جا کر بیٹھ گیا اور اس کی بے خبری میں اس کا نچلا دامن ایک کانٹے میں باندھ دیا۔ جب وہ عورت کھڑی ہوئی تو اس کا پیچھلا حصہ کھل گیا۔ اس پر لوگوں نے خوب قہقہے لگائے۔ اس عورت نے ”اے عامر کی لولاد“ کہہ کر اپنی قوم کو مدد کے لئے پکارنا شروع کر دیا۔ اس فریاد کو سن کر بنی عامر کے لوگ ہتھیار اٹھا اٹھا کر وہاں پہنچ گئے۔ یہ صورت دیکھ کر اس نوجوان نے ”اے کنانہ کی لولاد“ کہہ کر اپنی قوم کو مدد کے لئے پکار لیا۔ بس اسی بات پر دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ ہو گئی (جس کو فجار دوم کہا جاتا ہے)۔

اس روایت میں گزرا ہے کہ جب اس نوجوان نے اس عورت سے چہرہ کھولنے کے لئے کہا تو اس نے انکار کر دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی عورتیں اپنا چہرہ کھولنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ (اگرچہ اس روایت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوسری سیرت کی روایتیں وہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں عورتیں کھلے منہ پھرتی تھیں۔ اس لئے بظاہر اس ایک روایت سے یہ نتیجہ نکالنا..... درست نہیں معلوم ہوتا)۔

تیسری جنگ فجار..... فجار سوم یعنی تیسری جنگ فجار کا سبب یہ تھا کہ بنی عامر کے ایک شخص کا بنی کنانہ کے ایک آدمی پر کچھ قرضہ تھا۔ بنی کنانہ کا یہ قرضہ دلہن آدمی قرضے کی لوائیگی میں مل مٹول کر رہا تھا۔ اس پر دونوں کے درمیان دشمنی ہو گئی جو آخر کار دونوں کے قبیلوں کے درمیان جنگ اور خون ریزی کا سبب بن گئی۔ کہا جاتا ہے کہ آخر عبداللہ ابن جدعان نے اپنے مال میں سے یہ قرض ادا کر دیا اور اس پر لڑائی ختم ہوئی۔

چوتھی جنگ فجار میں آنحضرت ﷺ کی شرکت..... اس کے بعد فجار چہارم یعنی چوتھی جنگ فجار ہے جس کے ”فجار براہ“ کہا جاتا ہے اس میں آنحضرت ﷺ کی شرکت کے متعلق کہتے ہیں کہ ایک کمزور قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فجار براہ میں لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔ مگر یہ دعویٰ صرف کتاب وقائع میں ہے یعنی یہ کہ آپ ﷺ نے اس جنگ میں تیر نہیں چلائے بلکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:-

”جب دشمن تیر چلاتے تھے تو میں ان تیروں کو اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دے دیتا تھا۔“

اس اختلاف کو دور کرنے کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ ان دونوں دعویٰ میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اس عبارت میں یعنی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ آپ ﷺ نے تیر نہیں چلائے بلکہ یہ ہے کہ آپ ﷺ تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دے دیتے تھے اس لئے ممکن ہے اکثر تو آپ ﷺ نے یہی کیا ہو کہ تیر اٹھا اٹھا کر دیتے رہے اور کبھی کبھی آپ ﷺ نے خود بھی تیر اندازی فرمائی ہو کیونکہ اب یہ مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔

آنحضرت ﷺ کی برکت..... بعض حضرات نے لکھا ہے کہ فجارِ ارض کی جنگ جو چار دن تک چلتی رہی اس میں ابو طالب آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر جایا کرتے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ کو عمر تھے (آپ ﷺ کی آمد کی برکت یہ ہوتی تھی کہ جب آپ ﷺ آجاتے تو قیس یعنی بنی ہوؤن کے لوگو کو (جو قریش کے مقابلے میں تھے) شکست ہونے لگتی تھی اور جب آپ نہ آتے یعنی ان چار دنوں میں جس دن آپ ﷺ نہ آتے اس دن بنی کنانہ یعنی قریش کو شکست ہونے لگتی تھی) آنحضرت ﷺ کی اس برکت کو بنی کنانہ نے بھی محسوس کر لیا تھا، اس لئے وہ آپ سے کہتے۔

”تم ہمارے پاس سے غائب مت ہو اگر وہ“ (یعنی جنگ میں ہمارے ساتھ موجود رہا کرو) چنانچہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ وہاں موجود رہتے تھے یہ بات کتاب ”امتناع“ میں بیان کی گئی ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس جنگ کے دوران کیوں ابوہریرہ کے نیزہ مارا تھا۔ یہ ابوہریرہ اس جنگ میں بنی قیس کا سردار اور ان کا علمبردار یعنی جھوٹا شاہنشاہ ہونے لگا۔ اس روایت میں نیزہ مارنے کے لئے فتن کا لفظ استعمال کیا ہے جس کو تیر مارنا بھی کہا جاسکتا ہے (یعنی جیسا کہ پیچھے بیان ہوا آنحضرت ﷺ اس جنگ میں اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے اور اس میں کبھی آپ ﷺ بے خود بھی تیر اندازی فرمائی۔ تو گویا یہاں نیزہ مارنے کے بجائے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے جب تیر اندازی فرمائی تو وہ تیر ابوہریرہ کے لگا کیونکہ نیزہ مارنے کو مارنے میں یہ مکمل ہے کہ ان علماء کے قول کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اس جنگ میں سوائے تیر اندازی فرمانے کے اور کسی قسم کا حصہ نہیں لیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے تیر اندازی تو فرمائی مگر آپ کے تیروں سے کسی کو نقصان نہ پہنچا ہے کیونکہ اگر کسی کو آپ کے تیر سے زخم کیا ہوتا تو اس کا کسی نہ کسی روایت میں ذکر ہوتا (اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کی چھوٹی اور بڑی ہر قسم کی باتیں روایتوں میں مل جاتی ہیں لہذا اس واقعہ کا ذکر ہونا بھی ضروری تھا) یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کے تیر سے کسی کو اتنا معمولی نقصان پہنچا کہ اس کو کسی روایت میں بیان نہیں کیا گیا۔ ہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

فجار نام رکھنے کا سبب..... (قال) اس جنگ (اور بقیہ تینوں جنگوں) کا نام ”جنگ فجار“ اس لئے رکھا گیا کہ ان میں عربوں نے یہ گناہ کیا تھا کہ ان میںوں میں جنگ کی جن میں ان کے یہاں خوں ریزی حرام تھی۔ یہ چار مینے تھے جن کو عربی میں اشر حرام کہا جاتا ہے۔ وہ مینے یہ ہیں ذی قعدہ، ذی الحجہ، عرم اور رجب۔
اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: اس جنگ کا نام فجار رکھنے سے یہاں فجار کی چاروں ہی جنگیں مراد ہیں۔ یعنی فجارِ ارض اور اس سے پہلے کی تینوں فجار کی جنگیں۔ علماء کے جو قول اس بارے میں آتے ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جو تھی فجار کی جنگ یعنی فجارِ ارض کے سوا کسی میں شریک نہیں ہوئے۔ اس بارے میں کتب دفاء میں بھی یہی ہے جس کا آگے ذکر ہو گا۔ (یہاں لکھا گیا ہے کہ فجار کی جنگ کا نام فجار اس لئے رکھا گیا کہ یہ لڑائی حرام مینے میں ہوتی تھی مگر اس سے اگلے باب میں ایک روایت آئے گی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑائی حرام مینے میں نہیں ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ خود اس باب میں بھی ایسی روایت آئے گی کہ یہ لڑائی حرام مینے میں نہیں ہوتی تھی بلکہ جو واقعہ اس لڑائی کا سبب علاوہ حرام مینے میں پیش کیا تھا (اب کہا اس جنگ کا نام فجار یعنی گناہگاروں کی لڑائی اس لئے رکھا گیا کہ اس کا سبب اس مینے میں پیش کیا جس میں خوں ریزی حرام تھی)۔

خبر برائے کا سبب..... اس کا سبب یہ تھا کہ برائے نامی شخص نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا جس کا نام عروہؓ تھا۔ (اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ) عروہؓ راہِ حال بنی ہوازن کا ایک شخص تھا اس نے نعمان ابن منذر کے ایک تجہدی قافلے کو کے میں قہر دے کر قتل کر دیا۔ یہ نعمان ابن منذر حیرہ کا بادشاہ یعنی وہاں کسریٰ قاسم کا گورنر تھا جس تجہدی قافلے میں خوشبو، لہو، کپڑے وغیرہ تھے نعمان ابن منذر اس تجہدی قافلے کو عکاظ کے پہلے میں فروختی کے لئے بھیجا کرتا تھا اور اس کے بدلے میں مالک کا چڑا سنگیا کرتا تھا۔ حیرہ کا بادشاہ اس تجہدی سامان کو عربوں میں کے کسی معزز اور بڑے آدمی کی پناہ میں دے کر بھیجا کرتا تھا (تاکہ کے میں اس کا مال لٹ نہ جائے) کیونکہ اس وقت عرب میں جنگل کا قانون تھا اور لوٹ بدعالم تھے۔ ایک آدمی بڑے سے بڑا جرم کر لیتا تھا اور اگر کوئی اس پر زبان کھولتا تھا تو اس جرم کا پورا اقیلہ اس کی طرف سے لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتا تھا۔ اسی لئے باہر کے تاجر کے کے میں آنے سے پہلے کسی بڑے سردار کی حمایت اور پناہ حاصل کر لیتے تھے اور پناہ دینے والا اس کا اعلان کر دیتا تھا کہ یہ شخص میری پناہ حفاظت میں ہے۔ اس طرح آنے والے کو اس سردار کے پورے قبیلے کی حمایت اور پناہ حاصل ہو جاتی تھی اور اس قبیلے کے ڈر کی وجہ سے کوئی شخص اس آنے والے سے نہیں لڑتا تھا۔ چنانچہ نعمان ابن منذر کے تجہدی قافلے کو بنی ہوازن کے کوئی شخص نے اپنی پناہ دے دی۔ جب نعمان ابن منذر کا تجہدی قافلہ تیار ہوا تو اس وقت اس کے پاس عرب کے لوگوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ ان میں برائے بھی تھا جو بنی کنانہ کے خاندان کا تھا اور عروہؓ راہِ حال بھی تھا جو بنی ہوازن کے خاندان سے تھا (جب تجہدی قافلہ چلے ہو گیا اور نعمان ابن منذر نے اس کے لئے پناہ اور حفاظت مانگی تو برائے نے کہا "میں اس تجہدی قافلے کو بنی کنانہ (یعنی اپنے قبیلے) کی پناہ دیتا ہوں۔" (یعنی میری قوم کی طرف سے یہ قافلہ محفوظ رہے گا)۔

اس پر نعمان نے کہا

"میرا مقصد (کسی ایک قبیلے کی طرف سے حفاظت نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ کوئی آدمی مجھے سارے نجد اور تمام (یعنی کے) لوگوں کی طرف سے حفاظت دے۔"

اس پر عروہؓ راہِ حال نے کہا

"میں آپ کے لئے اس تجہدی سامان کو اس قسم کی پناہ دیتا ہوں۔"

(یہ بات برائے کو بری لگی کہ عروہؓ راہِ حال سب قبیلوں کی طرف سے پناہ دے رہا ہے جن میں برائے کا خاندان بنی کنانہ بھی شامل ہے اس لئے) برائے نے کہا

"کیا تو بنی کنانہ (یعنی میرے قبیلے) کے مقابلے میں بھی اس تجہدی قافلے کو پناہ دے رہا ہے؟"

عروہؓ نے کہا

"ہاں شیخ اور قبیلوں کے مقابلے میں بھی۔ (سیرت ابن حشام میں یہ لفظ ہیں کہ۔ ہاں اہلک ساری قلوب کے مقابلے میں!)

یہ بات برائے کے دل میں چھ مچی (اور وہ عروہؓ کا دشمن ہو گیا) اس کے بعد جب عروہؓ وہاں سے روانہ ہو تو برائے بھی چپکے سے اس کے پیچھے لگ گیا کہ عروہؓ کی وقت غافل ہو تو اس کا کام تمام کر دے۔ آخر ایک جگہ برائے کو موقع مل گیا اور اس نے جمعیت کر عروہؓ پر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ (یہ اور اصل یہاں پہنچ کر (جو

عروہ کا اس راستے میں خاص لاؤ تھا) عروہ نے شراب پی تھی اور لڑکیوں کا گانا سن کر ہر مست ہو رہا تھا اسی حالت میں اس کی آنکھ لگ گئی۔ اسی وقت برائے اس کے سر پر پہنچ گیا اور اس نے قتل کرنے سے پہلے عروہ کو جنگیلاب موت سر پر کھڑی دیکھ کر عروہ گڑ گڑانے لگا اور اس نے برائے سے کہا۔

”میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں مجھے قتل مت کر اس لئے کہ وہ بات لغزش میں میرے منہ سے پونی نکل گئی تھی کہ میں نے سب کے مقابلے میں نعمان کے چھوٹی قافلے کو اپنی پٹا بندھ دی

مگر برائے نے عروہ کی خوشامد پر کوئی دھیان نہیں دیا اور اس کو قتل کر ڈال دیا یہ واقعہ حرام مینے میں پیش کیا تھا جن میں قتل اور خون ریزی حرام تھی۔

(برائے) جو قاتل تھا اس کے خاندان والے یعنی) بنی کنظہ کے لوگ اس وقت عکاظ کے میلے میں تھے اور وہاں مقبول عروہ کے خاندان والے یعنی بنی ہوازن کے لوگ بھی موجود تھے بنی کنظہ کو کسی نے وہیں عکاظ کے مقام پر آکر خبر دی اور کہا)۔

”(تمہارے خاندان کے کوئی) برائے نے (بنی ہوازن کے) شخص) عروہ پر حال کو حرام مینے میں قتل کر دیا ہے۔“

(بنی کنظہ کے لوگ اس خبر پریشان ہو گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ لیل تو پیسے بھی بنی ہوازن عروہ کے قتل کا بدلہ ہم سے یعنی قاتل کے خاندان والوں سے لیں گے اور اب جبکہ یہ قتل حرام مینے میں ہوا ہے تو بات بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔ اور حریہ کہ بنی ہوازن کے لوگ وہیں عکاظ میں موجود تھے اس لئے بنی کنظہ نے اسی میں عافیت دیکھی کہ) فوراً وہاں سے گئے کی طرف بھاگ کر ہوئے اس وقت تک بنی ہوازن کو اس واقعہ کی خبر نہیں ہوئی تھی (اس لئے بنی کنظہ کو بھاگ جانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی مگر اس کے بعد جب بنی ہوازن کو اس حملے کی خبر ملی تو انہوں نے بنی کنظہ کا پیچھا کیا مگر بنی کنظہ کو اس وقت پانچ بجے جبکہ وہ حرم میں داخل ہوئے والے تھے (اور حرم میں خون بہانا عربوں میں حرام تھا) اس لئے بنی ہوازن نے اپنے ہاتھ روک لئے اور اس دن کوئی لڑائی نہیں ہو سکی) مگر اگلے دن بنی کنظہ کے لوگ خود بھی مقابلے پر نکل آئے اور ان کی مدد پر قبیلہ قریش بھی سامنے آ گیا (اور اس طرح فوج کی یہ چو تھی جنگ ہوئی)

اب اس روایت سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ یہ لڑائی حرام مینوں میں نہیں ہوئی۔ کیونکہ اگر حرام مینے ہو تا تھا تو عرب بالکل جنگ نہیں کرتے تھے چاہے مقابل حرم میں داخل ہو یا نہ ہو (جبکہ اس روایت میں ہے کہ اس دن لڑائی اس لئے نہ ہوئی کہ بنی کنظہ کے لوگ حرم کے قریب پہنچ گئے تھے بلکہ گویا بنی ہوازن کا اس وقت جنگ سے اس لئے روک جانا کہ بنی کنظہ حرم کے قریب پہنچ گئے تھے اور پھر اگلے دن دونوں قبیلوں کا جنگ کے لئے میدان میں نکل آنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حرام مینے نہیں تھے (کیونکہ حرام مینے ہوتے تو اگلے دن بھی جنگ نہ ہوتی) غرض اس کے بعد ان میں یہ جنگ چار دن تک چلتی رہی جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

(یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ عروہ کا قتل اگرچہ حرام مینے میں ہوا تھا مگر بنی کنظہ کو اس قتل کی اطلاع کتنے دنوں کے بعد ملی اس کے متعلق روایت میں کوئی وضاحت نہیں ہے اس لئے یہ گمان ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ یعنی فوج برائے حرام مینے میں نہیں ہوئی بلکہ بنی کنظہ کو عروہ کے قتل کی خبر حرام مینے میں گزر جانے کے بعد ملی)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں کہ یہ عطاہ سہلی کے نزدیک صحیح ہے کہ یہ لڑائی چند دن تک چل رہی تھی اور اللہ اعلم (تعل) فہرہ برائش کی جنگ کے دنوں میں سے بعض دن آنحضرت ﷺ بھی اس میں شریک ہوئے آپ کو آپ کے چچا اس جنگ میں لے کر گئے تھے (یہاں بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس جنگ کے تمام دنوں میں شریک نہیں ہوئے بلکہ بعض دنوں میں شریک ہوئے اس سے وہ قول صحیح ہو جاتا ہے جو چچے بیان ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ میدان جنگ میں پہنچے جاتے تو نبی کریم کو فتح ہونے لگی اور جب آنحضرت ﷺ وہاں پہنچے تو ان کو شکست ہونے لگی تھی (یاد رہے کہ نبی کریم برائش یعنی قاتل کا خاندان تھا اور قریش کا قبیلہ ان ہی کی مدد پر تھا)

اس جنگ کے دنوں میں سے ایک دن جبکہ لڑائی سب سے زیادہ سخت ہو رہی تھی اور جو کہ لڑائی کا تیسرا دن تھا اس میں امیہ ابن امیہ اور حرب ابن امیہ بن عبد شمس اور ابو سفیان ابن حرب سے اپنے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں تاکہ اگر دشمن کا زور بڑھنے لگے تب بھی وہ ذکر میدان جنگ سے نہ بھاگ سکیں۔ ان لوگوں کا نام عنائیں یعنی سیاہ بڑ گیا تھا (ی) ان قوتوں میں حرب یعنی ابو سفیان کا باپ اور اس کا بھائی امیہ کفر کی حالت میں مرے اور ابو سفیان مسلمان ہوئے جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔

التولع جنگ اور صلح..... (غرض اصل واقعہ جنگ فہرہ کا چل رہا ہے کہ جب نبی کریم کا چچا گئے ہوئے نبی کریم کے لوگ ان کے پاس پہنچے تو وہ حرم کے قریب پہنچ چکے تھے اس لئے اس دن تو جنگ نہیں ہوئی مگر اگلے دن نبی کریم کے لوگ قبیلہ قریش کی حمایت کے ساتھ میدان میں آئے اور پھر چار دن یا پھر دن تک جنگ ہوئی مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اس لئے کہ دونوں دشمن قبیلوں نے اگلے سال عکاظ کے مقام پر پھر پھرتے آکر ان کا اعلان کیا (اور میدان جنگ سے چلے گئے) جب اگلا سال ہوا تو دونوں قبیلے وعدہ کے مطابق عکاظ کے مقام پر پہنچ گئے اس وقت قبیلہ قریش اور کننہ کا سالار عبد اللہ ابن جدعان تھا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سالار ابو سفیان کا باپ حرب ابن امیہ تھا کیونکہ اس وقت قریشیوں نے کننہ کا سر دار وہی تھا اس زمانے میں حرب کے بھائی ربیعہ کا بیٹا عقبہ جو عظیم ہو گیا تھا حرب کی پرورش اور نگرانی میں تھا (کیونکہ اس کے باپ ربیعہ کا انتقال ہو چکا تھا) حرب کو اپنے اس بیٹے سے بہت پیار تھا اس لئے وہ محبت کی وجہ سے اس کو اپنے ساتھ میدان جنگ میں لے کر نہیں گیا کہ کہیں اس کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے عقبہ جو بڑا ہو چکا تھا چچا کی اجازت اور مرضی کے بغیر چپکے سے نکل کر میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ حرب کو بیٹے کے میدان جنگ میں آنے کی اس وقت خبر ہوئی جبکہ وہ دشمنوں کی صفوں کے درمیان پہنچ کر یہ پکار رہا تھا۔

”اے معشر کی جماعت! (یعنی لڑاؤ!) تم آخر کس بات پر مرکب رہے ہو؟“

نبی کریم نے یہ سن کر پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟

عقبہ نے کہا۔

”صلح..... صلح..... اس رعایت کے ساتھ کہ ہم تمہارے مرنے والوں کی جان کی قیمت دے دیں گے اور تم ہمارے خون معاف کر دو۔“

(ی) کیونکہ اس جنگ میں قریش اور نبی کریم کا پلہ بھاری تھا اور نبی کریم کی ہوازن شکست کھا رہے تھے قریش اور نبی کریم نے ان میں زبردست خول ریزی کی تھی اور ان کو قتل کیا تھا۔ (ی) مگر اس سے وہ بات غلط نہیں ہوتی

کہ بعض دنوں میں (جب آنحضرت ﷺ میدان جنگ میں نہیں پہنچتے تھے تو) قریش اور بنی کنانہ کو شکست دینے لگتی تھی۔ (بہر حال جب عتبہ نے اچانک میدان میں آکر صلح کی پیشکش کی تو) بنی ہاشم نے کہا کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ کیسے ہو گا؟ عتبہ نے کہا

”ہم اپنے اس وعدے کی ضمانت میں تمہارے پاس اپنے میں سے (کچھ معزز لوگوں کو) مہن رکھ دیں گے یہاں تک کہ ہم اپنا وعدہ پورا کر دیں۔“

(یعنی تمہارے مرنے والوں کی جان کی قیمت ادا کرنے تک ہمارے کچھ معزز آدمی تمہارے پاس رہیں یعنی گروہی رہیں گے اور وعدے کے مطابق ہم تمہارے مرنے والوں کو خونِ ہمارے کر ان لوگوں کو چھڑائیں گے)

”بنی ہاشم نے کہا کہ اس وعدہ کا ضامن اور ذمہ دار کون ہو گا۔“

عتبہ نے کہا..... ”میں“!۔۔۔ (انہوں نے پوچھا تم کون ہو۔)

اس نے کہا کہ میں عتبہ ابن ربیعہ ابن عبد شمس ہوں۔ اس پر بنی ہاشم اور بنی کنانہ کے لوگ صلح کرنے پر راضی ہو گئے۔

لیکن قریش نے بنی ہاشم کو اپنے چالیس معزز آدمی رہن کے طور پر دیئے۔ سالوں گوں میں حکیم ابن جزام بھی تھے یہاں تک کہ بنی ہاشم نے حضرت خدیجہ بنت خویلد کے نتیجے تھے جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے (ان کے متعلق مزید تفصیل وحی کے بیان میں بھی آئے گی) غرض جب یہ رہن کے لوگ بنی ہاشم کے قبضہ میں آ گئے تو انہوں نے اپنے مرنے والوں کا خون قریش اور بنی کنانہ کو معاوضہ کر دیا اور ان لوگوں کو چھوڑ دیا اور اس طریقہ سے یہ جنگ ختم ہو گئی۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ قریش نے بنی ہاشم کے مقتولوں کی لاشیں لان کو لوہا دیں اور جنگ کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس روایت کو صحیح مان لینے کی صورت میں بھی نتیجہ ایک ہی رہتا ہے کہ جنگ ختم ہو گئی اور ولوی میں امن ہو گیا۔ غرض اس جنگ کو ختم کرانے کا سرِ اعقبہ ابن ربیعہ کے سر رہا۔ یہ عتبہ غزوہ بدر میں کفر کی حالت میں قتل ہوا حضرت ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا باپ تھا اور حضرت امیر معاویہ کا نانا تھا (یہ عتبہ اگرچہ غریب آدمی تھا مگر اپنے قبیلہ کا سردار تھا) اسی لئے کہا جاتا ہے کہ غریب اور فقیر ہوتے ہوئے صرف دو ہی آدمی اپنی قوم میں سردار ہوتے ایک یہ عتبہ ابن ربیعہ اور دوسرے ابوطالب۔ اس لئے کہ یہ دونوں مال و دولت نہ ہونے کے باوجود اپنی قوم کے سردار تھے۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عتبہ ابن ربیعہ اور ابوطالب اپنی قوم کے سردار ہونے حالانکہ یہ دونوں ابو حزیق سے بھی زیادہ غریب اور نادار تھے یہ ابو حزیق بنی عبد شمس کا ایک شخص تھا۔ یہ شخص نان شینہ کا محتاج تھا اسی طرح اس کا باپ، دلو، پردا اور اس کے دلو، پڑو اور تک ایسے ہی مفلس اور فقیر مشہور رہے ہیں۔

(پچھلی سطروں میں جنگِ خُدار کے متعلق بتلایا گیا ہے کہ اس نام سے چار جنگیں ہوئی ہیں اور ان چاروں جنگوں کے سبب بھی بیان کئے گئے ہیں مگر کتابِ دفاع میں اس طرح ہے کہ خُدار کی صرف دو جنگیں ہوئی ہیں۔ پہلی خُدار کی جنگ میں تین مرتبہ لڑائی ہوئی۔ ایک مرتبہ بدر ابنِ مشرِ غفاری کے معاملے پر لڑائی ہوئی (جو پیچھے بیان ہوا کہ وہ عکاظ کے میلے میں بیٹھ کر اپنی بڑائیاں بیان کر رہا تھا اور لوگوں کو لٹکار رہا تھا تو کسی نے طیش میں آکر تلوار سے اس کا گلہزار خُچی کر دیا) پھر اسی جنگِ خُدار میں دوسری مرتبہ ایک عورت کی وجہ سے لڑائی ہوئی (جیسا کہ

بیچے بیان ہوا کہ بنی عامر کی اس عورت کو عکاظہ کے سلعے میں ایک قریشی لڑکا نے بھینز اور اس سے خدہ کھولنے کے لئے کہا اور اس کے لٹکا کرنے پر چپکے سے اس کا بچھلا دامن ایک کائنات میں پھنسا دیا یہاں تک کہ جب وہ کمزری ہوئی تو اس کی پیٹھ کھل گئی اور پھر اس عورت نے چیخ کر اپنے قبیلہ والوں کو مدد کے لئے پکارا۔

پھر اسی پہلی جنگ فہر میں تیسری لڑائی قرض کے معاملے میں ہوئی لڑکہ بنی عامر کے ایک شخص کا بی کنانہ کے ایک کوئی پر قرض تھا جسے لڑا کرنے میں وہ مل مٹول کر رہا تھا جس پر آخر کار دونوں قبیلوں میں جنگ ہو گئی پہلی جنگ فہر کے ان تینوں واقعات میں رسول اللہ ﷺ شریک نہیں ہوئے (یہ تو کیا فہر کی پہلی جنگ ہوئی اس کے بعد فہر کی دوسری جنگ ہوئی جو نبی ہوازن اور بنی کنانہ کے درمیان تھی) جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے اس دوسری جنگ فہر میں آنحضرت ﷺ شریک ہوئے ہیں۔

کتاب وقاء کے اس قول کے سلعے میں کہا جاتا ہے کہ مطلب کے لحاظ سے اس میں اور جو کچھ بیچے بیان ہوا اس میں کوئی فرق نہیں ہے (صرف لفظوں کا اور بیان کا فرق ہے کیونکہ جو کچھ بیچے بیان ہوا ہے اس میں چار واقعات کو چار مستقل جنگوں کا سبب بتایا گیا ہے اور اس روایت میں ان میں سے تین واقعات کو ایک جنگ کا سبب بیان کیا گیا ہے اور چھ واقعات کو ایک مستقل جنگ کا سبب بتایا گیا ہے۔

شاید اس کا سبب یہ ہو کہ پہلی تین جنگوں میں ہر واقعہ گھرو گھرانہ بنی عامر اور خانہ بنی کنانہ میں ہوا اس لئے تینوں واقعات کو ایک جنگ کے تحت بیان کر دیا گیا کیونکہ تینوں مرحلہ کے گھرو کا نام بھی ایک ہی رہا یعنی جنگ فہر اور چھ واقعے کو ایک مستقل جنگ کا نام اس لئے دیا کہ یہ خانہ بنی ہوازن اور خانہ بنی کنانہ میں ہوا اگرچہ نام تو اس گھرو کا بھی جنگ فہر ہی رہا مگر لانے والے فریقوں میں سے ایک فریق بدل گیا مختصر یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں مطلب ایک ہی رہتا ہے واللہ اعلم

باب چارم (۱۴)

آنحضرت ﷺ کی حلف فضول میں شرکت

(حلف فضول سے مراد عربوں کا ایک عہد نامہ ہے جو انہوں نے حلف اٹھا کر اس بات پر کیا تھا کہ آئندہ سے ہم میں سے ہر ایک شخص مظلوم کی مدد کرے گا، اس کو اس کا حق دلوائے گا اور ظالم کا مقابلہ کرے گا اس کے متعلق تفصیلات آگے آ رہی ہیں) یہ عربوں کا سب سے زیادہ معزز اور شریفانہ عہد نامہ تھا۔

حلف کے اصل معنی عہد اور قسم کے ہیں۔ یہاں عہد کے بجائے اس کا نام حلف اس لئے رکھا گیا کہ عربوں نے یہ عہد نامہ کرتے وقت حلف اٹھائے تھے (اس میں فضول کا جو لفظ ہے اس کی تفسیر آگے آ رہی ہے) کہ عہد نامہ اس وقت کیا گیا جبکہ قریش جنگ فہد سے واپس ہوئے تھے (یعنی اس جنگ کے ختم ہونے کے بعد یہ عہد نامہ کیا گیا) جنگ فہد ثول کے مہینے میں ہوئی تھی (یہ ایک قول یہ بھی ہے کہ حرام مہینے میں نہیں ہوئی تھی بلکہ شعبان کے مہینے میں ہوئی تھی جیسا کہ پہلے باب میں بیان ہوا) اس جنگ کا سبب عروہ بن زحل کا قتل تھا جسے براہِ ارض نے قتل کیا اور یہ واقعہ حرام مہینے میں ہوا تھا۔

یہاں کہا گیا ہے کہ یہ عہد نامہ قریش کی جنگ فجار سے واپسی کے وقت ہوا اس کا مطلب صاف ہے کہ یہ عہد نامہ جنگ ختم ہونے کے بعد ہوا اور اگلے سال اعلان کے مطابق دوبارہ میدان جنگ میں آنے کے بعد ہوا (یہ مطلب اس لئے ہو گا کہ اگلے سال وہاں دونوں فریقوں کے آنے کے باوجود جنگ نہیں ہو سکی تھی (کیونکہ عتبہ امین ربیعہ نے صلح کر لوی تھی) یہاں اگر یہی مطلب لیا جائے (کہ یہ حلف نامہ اگلے سال کی صلح کے بعد ہوا) تو جنگ فجار سے واپسی کا مطلب یہ ہو گا کہ اگرچہ اگلے سال جنگ نہیں ہوئی مگر ہر حال دونوں فریق آئے تو اس غرض سے تھے کہ جنگ کریں گے (اس لئے اس صلح کے بعد واپسی کو بھی جنگ سے واپسی کہا گیا)

حلف فضول یعنی یہ عہد نامہ ذی قعدہ کے عہد میں ہول اس عہد کے لئے سب سے پہلے زہر ابن عبدالمطلب نے کوثر اٹھائی جو آنحضرت ﷺ کے سگے چچا تھے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ انہوں نے نبی ہاشم، نبی زہرہ اور نبی اس ابن عبد العزیٰ تینوں خاندانوں کے لوگوں کو بلا پایا۔ یہ سب عبداللہ ابن جدعان تھی کے مگر جمع

ہوئے۔

عبداللہ ابن جدعان کی سخاوت..... (یہ گھر ”دارالین جدعان جی“ کے نام سے ہی مشہور تھا اس زمانہ ان کے لوگ جو بنو تیم کھاتے تھے تیم کی ولاد میں سے تھے) یہ سب لوگ تیم کی زندگی میں ایسے حمہ اور ایک تھے جیسے ایک ہی گھر کے لوگ ہوتے ہیں۔ تیم ہی ان سب کو کھانا پکاتا تھا۔ یہ عبداللہ ابن جدعان ہر روز اپنے گھر میں کئی لونٹ ذبح کیا کرتا تھا اور شہر میں اس کے آدمی پکڑ پکڑ کر اعلان کیا کرتے تھے کہ جو شخص بھی گوشت اور چربی کا شوقین ہو (یعنی کھانا چاہتا ہو) وہ ابن جدعان کے گھر پہنچ جائے۔ وہ اپنے یہاں فالودہ پکوا کر تا تھا (جو ایک بیٹھا کھانا ہوتا تھا) اور اس سے قریش کی تواضع کیا کرتا تھا (ی) فالودہ تیار کرانے کا سبب یہ ہوا تھا کہ۔ اس سے پہلے ابن جدعان مجبور اور ستو سے آنے والوں کی تواضع کیا کرتا تھا اور پھر دودھ پلایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص امیہ ابن ابی صلت (سفر میں تھا کہ اس کا گزربنی مدان کے لوگوں کے یہاں ہوا اس نے ان کا کھانا دیکھا جو گیہوں اور شمد سے بنایا جاتا تھا) یہ بھی بیٹھا کھانا ہوتا تھا) یہاں سے آکر امیہ ابن ابی صلت نے ان کی تعریف میں یہ شعر کہے۔

وَقَدْ رَأَيْتُ الْفَاعِلِينَ وَرَأَيْتُ الْفَاعِلِينَ
فَرَأَيْتُ الْفَاعِلِينَ وَرَأَيْتُ الْفَاعِلِينَ

ترجمہ :- میں نے بہت سے میزبان بھی دیکھے اور ان کی میزبانی بھی دیکھی مگر ان سب میں میں نے بنی مدان کو سب سے زیادہ بہتر اور افضل پایا۔

لَا يَأْكُلُ الْفَاعِلِينَ وَرَأَيْتُ الْفَاعِلِينَ
بِإِسْنَادٍ وَرَأَيْتُ الْفَاعِلِينَ

ترجمہ :- حسب تمہاں کی دعوت و ضیافت میں پہنچے تو حسن سلوک اور خوش اخلاقی تمہارا استقبال کرے گی بمقابلہ بنی جدعان کے جن کی یہ خصوصیت بیان کی جاتی ہے۔

اس کے یہ شعر عبداللہ ابن جدعان کے کانوں تک بھی پہنچے (حسن پر اس کو شرم آئی کہ اس کا کھانا کم درجہ کا ہو جائے) اس لئے اس نے ملک شام میں بصری شہر میں اپنے آدمی بھیجے اور وہاں سے اس نے گیہوں، شمد اور مٹی منگوا کر اس کے بعد اپنے آدمیوں کے ذریعہ اعلان کر لیا کہ لوگ عبداللہ ابن جدعان کے دسترخوان پر پہنچ جائیں (اس طرح اس نے اس عار کو ختم کیا) چنانچہ اب امیہ ابن ابی صلت نے عبداللہ ابن جدعان کی تعریف میں ایک قصیدہ کہا جس کے چہر شعر یہ ہیں :-

إِنَّمَا أَتَى الْفَاعِلِينَ وَرَأَيْتُ الْفَاعِلِينَ
حَاجِبِي إِنْ حَاجِبِي إِنْ حَاجِبِي

ترجمہ :- کیا میں نے تیرے سامنے اپنی حاجت و ضرورت بیان کروں یا تیری جیلا و موت میری طرف سے اس کو بھی گوارا نہیں کرے گی جیسا کہ میں نے تیری حیاء کی وجہ سے تیرا نام ہی مجسم جیلا و شرم رکھ دیا ہے۔

إِنَّمَا أَتَى الْفَاعِلِينَ وَرَأَيْتُ الْفَاعِلِينَ
حَاجِبِي إِنْ حَاجِبِي إِنْ حَاجِبِي

ترجمہ :- اگر کوئی شخص ایک دفعہ ہی تیری تعریف اور مدح سرائی کر دے تو اس کو ہر روز تیری قصیدہ خوانی کے بجائے یہ ایک ہی وفد کی تعریف مقصد پر آدمی کے لئے کافی ہو جاتی ہے۔

إِنَّمَا أَتَى الْفَاعِلِينَ وَرَأَيْتُ الْفَاعِلِينَ
حَاجِبِي إِنْ حَاجِبِي إِنْ حَاجِبِي

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَدْعَانَ قَالَ لَا مَسَاءَ
ترجمہ :- تم ایک ایسے شریف و کریم ہو کہ جس کی شرافت اور خوش اخلاقی صبح و شام یکساں ہی رہتی

بَابُ الْبَرِّ
الرَّبِّيعُ الْمَكْرَمَةُ وَجُودًا
أَقَا الْعَقَبَةُ أَخْبَرَاهُ الْفَتَاءُ

ترجمہ :- جب گوہ جانور (جو کہ سرودیوں کا موسم پرواشت نہیں کر سکتا) اپنے بل میں چھپ کر بیٹھ رہتا ہے اس وقت حیرے کرم اور فحاشی کی ہوا میں اس تک بھی پہنچ کر اس کو زندہ گی کا پتہ نام دیتی رہتی ہیں۔
عبد اللہ ابن جدعان کی شراب سے قوبہ عبد اللہ ابن جدعان (جس کے مکان میں حلف فضول یعنی وہ عہد نامہ کیا گیا) ایک عمر رسیدہ اور بہت معزز غلامی تھا، یہ بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں اپنے پر شراب حرام کر لی تھی (یعنی کبھی نہیں پیتا تھا) اگرچہ پہلے یہ بہت شراب پیتا تھا اور نشے میں ڈوبا رہتا تھا۔ اس کے شراب چھوڑنے کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک دفعہ رات کے وقت یہ نشہ میں دھت تھا (رات کا وقت تھا اور چاند چمک رہا تھا) اسی نشہ کی جنونک میں اس نے چاند کی روشنی کو پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور اچھلتا شروع کر دیا اس کے پاس جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ اس کی اس احمقانہ حرکت پر ہنسنے اور قہقہے لگانے لگے جب اس کا نشہ اترا تو لوگوں نے اس کو اس حماقت کے متعلق بتلایا (یہ چونکہ سنجیدہ اور باعزت آدمی تھی اس لئے یہ واقعہ سن کر اس کو سخت شرمندگی ہوئی اور اس نے اسی وقت حلف اٹھایا کہ آج کے بعد کبھی شراب نہیں پیوں گا)
اسی طرح جن دوسرے لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں اپنے لوہ پر شراب حرام کر لی تھی ان میں عثمان ابن مظعون بھی تھے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے بھی اسی قسم کی ایک حرکت پر شراب چھوڑنے کا عہد کیا تھا اور کہا تھا۔

”میں ایسی چیز کبھی نہیں پیوں گا جس سے میری عقل جاتی رہے اور میرے سے کمتر درجہ کے لوگ مجھ پر قہقہے لگائیں اور جو چیز مجھے خود اپنی ہی پیش کے ساتھ نکاح کرنے پر اکسائے جس بات کو میں سوچ بھی نہیں سکتا۔“

(اس درمیانی تفصیل کے بعد اصل واقعہ یعنی حلف فضول کے متعلق بتلاتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے چچا بیر ابن عبد المطلب نے اس شریعت عہد کی تحریک کی تھی اور اس تحریک پر قبیلہ قریش میں سے بنی ہاشم، بنی زہرہ اور بنی اسد ابن عبد العزیٰ کے لوگ ان کے پاس عبد اللہ ابن جدعان کے مکان میں آکر جمع ہوئے) عبد اللہ ابن جدعان نے ان لوگوں کو کھانا کھلایا اس کے بعد ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد و پیمان کیا کہ جب تک دریائے صوف میں تری باقی ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ ہم مظلوم کا ساتھ دیتے رہیں گے یہاں تک کہ اس کو اس کا حق دلو لیں۔

ابن جدعان کا انجام (یہ عبد اللہ ابن جدعان اگرچہ مسلمان نہیں ہوا تھا مگر سلامتی طور پر ایک شریف مزاج آدمی تھا اور غریبوں کی خبر گیری کیا کرتا تھا چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔

”عبد اللہ ابن جدعان غریبوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا، مسلمانوں کی عزت اور تواضع کیا کرتا تھا اور بہت سے

ابھی کام کیا کرتا تھا تو کیا یہ اچھے کام قیامت کے دن اس کو کوئی فائدہ پہنچائیں گے؟
آپ نے فرمایا۔

”نہیں اس لئے کہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کمال اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اس نے دن اور رات کے کسی بھی حصے میں یہ نہیں کیا کہ میرے پروردگار روز جزاء میں میری خطائیں معاف فرما دیجئے۔“
اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ (ی) اس سے مراد یہ ہے کہ عبد اللہ ابن جدعان مسلمان نہیں ہوا اس لئے کہ یہ قولی (یعنی اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگنا مسلمان ہی کا ہو سکتا ہے اس لئے اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ حدیث کا منشاء ہے کہ اگر وہ یہ بات کہ دینا (یعنی حق تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی مغفرت مانگ لیتا تو کفار ہونے کے باوجود اس کی مغفرت ہو جاتی۔ آنحضرت ﷺ کے اس فرمان سے یہ مراد اس لئے لی گئی ہے کہ ابن جدعان ان کو کون میں سے (نہیں ہے جنہوں نے اسلام کا زبانی نہیں پٹا بلکہ لعل فترت یعنی جاہلیت کے دور میں حق تعالیٰ پر ایمان نہ رکھنے والے تھے بلکہ یہ ان لوگوں میں سے) ہے جن کو اسلام کا زبانی ملا لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں ملائے یہاں اس جگہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس میں کیا حکمت تھی کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ۔ جو عمر عبد اللہ ابن جدعان مجھ پر ایمان نہیں لایا۔ چونکہ وہ مسلمان نہیں ہوا (اس لئے اس کی مغفرت نہیں ہو گی بلکہ یہ فرمایا کہ اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کیا کہ میرے پروردگار میری خطاؤں کو روز جزاء میں معاف فرما دیجئے)

عبد اللہ ابن جدعان کا لقب ابو ذر تھا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے (ابن جدعان کو اسی لقب سے یاد کرتے ہوئے) غزوہ بدر میں کفار کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا۔
”اگر ابو ذر یا مطعم ابن عدی زندہ ہوئے اور ان میں سے کوئی مجھ سے ان قیدوں کو مانگا تو میں یہ قیدی اس کو چھہ کر دیتا۔“

عبد اللہ ابن جدعان کی شہرت اور فیاضی مشہور تھی (کما جاتا ہے کہ اس کے یہاں کھانے کا برتن اٹکایا تھا کہ اونٹ سوار اونٹ پر بیٹھے بیٹھے اس میں سے کھانا کھا لیتا تھا) چنانچہ البدایہ میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک بچہ اس برتن یا دیک میں گر گیا تھا جو اس میں ڈوب کر مر گیا)

(ی) آگے غزوہ بدر کے بیان میں ذکر آئے گا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک دفعہ آپ ﷺ اور ابو جہل، ابن جدعان کے دسترخوان پر جمع ہوئے، اس وقت آپ ﷺ اور ابو جہل دونوں کم عمر تھے ابو جہل آنحضرت ﷺ کو دھکیل کر آگے آنے کی کوشش کرنے لگا، آپ ﷺ نے اس کو دھکیلا تو وہ کھٹکوں کے بل گرا جس سے اس کے چوٹ اُٹی اور نشان پڑ گیا۔

عبد اللہ ابن جدعان کے کھانے کے برتن کے حلق (ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

”میں سخت دوپہر کے وقت ابن جدعان کے برتن کے سائے میں بیٹھ بیلا کرتا تھا۔“

(اس حدیث میں دوپہر کے لئے ظہیر یا ہجرہ کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے صَکْعُ عُمَی کا لفظ استعمال کیا گیا جو محاورہ میں دوپہر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس محاورہ کے حلق قرآن کرتے ہوئے کتے ہیں کہ) ہاجرہ یعنی دوپہر کو یہ نام اس لئے دیا گیا کہ اس میں لفظ عُمی جو ہے وہ لفظ اعلیٰ کی تفسیر ہے جیسے ابن مسنی پٹا

کی تصویر بنی ہے۔ بھئی چھوٹا سا بیٹا۔ بہر حال یہ اُمّی قیوم عمالیت میں کا ایک شخص تھا جس کو ایسے ہی وقت میں یعنی جلتی دوپہر میں ایک دشمن نے قتل کر دیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُمّی نامی شخص قوم عدوان میں سے تھا اور جاہلیت کے زمانے میں عربوں کا بہت بڑا مذہبی عالم اور مفتی تھا۔ ایک دفعہ یہ شخص اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ عمرہ کے ارلوے سے مکہ کے لئے روانہ ہوا۔ جب یہ مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر پہنچا تو بھری دوپہر میں اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا۔

”جو شخص کل ایسے ہی وقت کے پہنچ جائے تو اس کو دو مردوں کا ثواب ملے گا۔“

(حالانکہ اس وقت تک یہ لوگ مکہ کے دو مرحلوں کے فاصلے پر تھے اور عامہ قند سے جو بیس گھنٹوں میں مکہ نہیں پہنچ سکتے تھے۔ مگر اس شخص سے یہ سن کر کہ کل اس وقت تک کے پہنچنے سے ثواب دو گنا ہو جائے گا) انہوں نے پوری رقت سے اپنے لونٹوں کو دوڑا دیا یہاں تک کہ اگلے دن صبح اسی دوپہر غلطی میں یہ لوگ مکہ پہنچ گئے (عربی میں جانور کو تیز چلانے کے لئے حکم کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کہ ان لوگوں نے اُمّی کے کہنے پر اپنی سواریوں کو جلتی دوپہر میں دوڑا دیا تھا اس لئے علوہ میں دوپہر کو ہی صُبحہ اُصعی کہا جانے لگا۔ چنانچہ ایک قول میں حضرت امین عباسؑ نے بھی اسی لفظ کو استعمال کیا ہے جو تقریباً اسی معنی میں ہے اور شاید ان کا یہ قول اس تفسیر کے خلاف نہیں جو ہم نے پیش کی ہے۔ (حضرت امین عباسؑ نے ایک دفعہ فرمایا)

”ہم نے مسجد نبویؐ میں پہنچنے کے لئے صُبحہ اُمّی میں صبح جلدی کی۔“

ان سے پوچھا گیا کہ یہ صُبحہ اُمّی کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا۔ مریوہ ہے کہ جو اس بات کا کوئی خیال نہ کرے کہ کس وقت روانہ ہوتا ہے (یعنی چاہے جلتی دوپہر ہی کیوں نہ ہو وہ وقت عتوقت کا خیال کئے بغیر چل پڑے) ابن جعد خان کی دولت کا عجیب راز..... یہ عبد اللہ ابن جعد خان اپنے بڑے بھائی اور نوجوانی میں پیدا ہوئے اور فقیر آدمی تھا مگر اس کے باوجود بہت شریعہ پرور اور جرات پرست شخص تھا اکثر کوئی نہ کوئی جرم کر گزرتا تھا اور اس کے باپ اور قوم کے لوگوں کو اس کی غلطیوں اور جرموں کا بھگت کرنا پڑتا تھا۔ آخر اس کے خاندان والے اس کی غلطیوں اور جرموں سے تنگ آگئے اور اس کے باپ نے اس کو گھر سے نکال کر عہد کیا کہ اب کبھی اس کو واپس نہیں لائے گا۔ ابن جعد خان باپ کے گھر سے نکل کر مکہ کی گھاٹیوں میں بھٹکنے لگا اور پریشان حالی اور بے بسی کی وجہ سے موت کی آرزو کرنے لگا۔ ایک دن اس کو ایک پہاڑ میں ایک درخت کی نظر آئی۔ یہ اس میں گھس گیا اچانک اس نے دیکھا کہ اس میں ایک بڑا بڑا دست سانپ بیٹھا ہوا ہے جس کی دونوں آنکھیں انگوروں کی طرح دھبہ دھبی ہیں اور جیسے ہی یہ اس کے قریب ہوا اس نے اس پر حملہ کیا مگر جب یہ پیچھے ہٹا تو سانپ بھی اپنی جگہ دوبارہ بیٹھ گیا۔ اس نے کئی دفعہ ایسا ہی کیا اور ہر دفعہ یہی تجربہ ہوا کہ سانپ اس کے قریب آنے پر اچھلتا تھا اور اس کے پیچھے ہٹنے ہی پھر اپنی جگہ سکون سے بیٹھ جاتا تھا) آخر اس کو یقین ہو گیا کہ یہ اصلی سانپ نہیں ہے بلکہ مصنوعی ہے۔ چنانچہ لب پہ بے جھجک اس کے قریب پہنچ گیا اور اس پر ہاتھ پھیر کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ سانپ سونے کا بنا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں کی جگہ دو یا قوت رکھے ہوئے تھے۔ اس نے فوراً اس سانپ کو توڑ دیا۔ اس کے بعد ابن جعد خان اس عہد کے اندر داخل ہوا جس کے دروازے پر یہ سانپ بٹھایا گیا تھا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ پرانے بادشاہوں کی لاشیں رکھی ہوئی ہیں۔ پھر اس نے دیکھا کہ اس عہد میں بے حد مال و دولت رکھا ہوا ہے جس میں سونا چاندی، جواہرات، یا قوت، موتی اور دوسرے قیمتی پتھر تھے۔ ابن جعد خان نے جلدی جلدی جتنا مال لٹکانا

”میں فقید لکھنؤ تھم این تحطان ابن ہو دنی اللہ ہوں۔ میں پانچ سو سال زندہ رہا۔ میں دولت و عزت اور سلطنت حاصل کرنے کے لئے زمین کے چپے چپے پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھوما مگر یہ تمام مل و دولت اور حکومت مجھے موت سے نہ بچا سکی۔“

حلف فضول..... (اس تفصیل کے بعد پھر اصل واقعے یعنی حلف فضول کے متعلق بیان کرتے ہیں جس کے بارے میں پچھلی سطروں میں بتلایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا زید ابن عبدالمطلب کی تحریک پر بنی ہاشم، بنی زہرہ اور بنی اسد کے لوگ عبداللہ ابن جدعان کے گھر پر جمع ہوئے جہاں ان سب کو اس نے کھانا کھلایا اور اس کے بعد ان سب نے خدا کے نام پر عہد اور حلف کیا کہ جب تک دریائے صوفہ میں تری باقی ہے ہم مظلوم کا ساتھ دیتے رہیں گے اور اس کا حق اس کو دلاتے رہیں گے) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ یہ

”انہوں نے اس بات پر حلف کیا کہ ہم ہمیشہ مظلوم کا حق اس کو واپس دلائیں گے اور مظلوم کے مقابلے میں کبھی ظالم کا ساتھ نہیں دیں گے۔“

(اس دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ہم ہمیشہ مظلوم کا حق یعنی فضول اس کو واپس دلائیں گے (ان لفظوں کے متعلق کہتے ہیں کہ) بعض علماء کی رائے میں یہ الفاظ راوی کی طرف سے اضافہ کئے گئے ہیں (اصل روایت میں نہیں ہیں) بعض علماء نے ان لفظوں کے ساتھ اس روایت میں یہ اضافہ بھی بتلایا ہے کہ :-
”جب تک درہائے صوفہ میں تری باقی ہے اور جب تک حراء اور غیر پہاڑ اپنی جگہوں پر موجود ہیں (ہم مظلوم کا حق دلائے رہیں گے)۔“

(ی) جیسا کہ بیان ہوا ان سب باتوں سے مراد یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ تک ہم اس حلقہ کی پابندی کرتے رہیں گے۔

حلف فضول کی عظمت..... اس عہد اور حلف کے موقع پر رسول اللہ ﷺ بھی قریش کے ساتھ موجود اور شریک تھے (چونکہ یہ حلف نامہ ایک شریفانہ عہد تھا جس میں مظلوم کی حمایت کا عہد کیا گیا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس عہد کو ہمیشہ پسند فرمایا اور اس کو پوری تائید اور حمایت فرمائی) پچنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:-

”میں بنی جدعان کے مکان پر جس عہد نامے میں شریک ہوا اگر اس سے غداری کرنے کے بدلے میں مجھے کوئی سرخ لوٹ پیش کرے تو میں اس سے غداری پسند نہیں کر سکتا۔“

(قال) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ نہ۔

”میں عبد اللہ ابن جدعان کے مکان میں ہونے والے عہد نامے میں شریک تھا۔ اگر اس کے بدلے میں مجھے کوئی سرخ لوٹ پیش کرے تو میں نہیں لوں گا اور اگر اس عہد کے نام پر اسلام میں بھی کوئی کوٹہ دے تو میں ایک کون گا۔“

(ی) یعنی اگر کوئی مظلوم آج بھی۔ اے حلف فضول والو! کہہ کر دہائی دے تو میں اس کی فریاد کو بچوں گا، کیونکہ اسلام تو کیا ہی اس لئے ہے کہ سچائی کا نام بلند کرے اور مظلوم کی مدد اور حمایت کرے۔

”زمانہ جاہلیت میں عربوں کا یہ قاعدہ تھا کہ جنگ یا مصیبت کے وقت آدمی اپنے مددگاروں کے پکارتا تھا اور لفظوں میں فریاد کیا کرتا تھا کہ۔ اے آل نمر۔ اے آل غالب۔ اے آل فلان۔ اس پکار کا مقصد یہی ہوتا تھا کہ میری مدد کو پہنچو۔ چنانچہ جس کا نام لے کر پکارنے والا پکارتا تھا اس کی اولاد کے لوگ ہتھیار لے کر دوڑ پڑتے تھے اور پوچھ گچھ بغیر اس پکارنے والے کی جوان کے خاندان یا قبیلہ کا آدمی ہوتا تھا اس کی حمایت کرنا شروع کر دیتے تھے اسلام نے اس قسم کی فریاد اور باپ دلو کے نام پر اس کی اولاد کو پکارنے کا طریقہ ختم کر دیا۔ مگر اس حدیث کی جو تشریح کی گئی ہے اس میں اسی قسم کے لفظوں سے فریاد کو ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر پکارنے والا مظلوم یہ کہے کہ اے آل حلف فضول۔ اے حلف فضول والو! اس کے متعلق کہتے ہیں کہ (یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے زمانہ جاہلیت کے اس طریقے کو ختم کر دیا ہے کہ یہاں لود یا آل فلان کہہ کر جنگ یا مصیبت کے وقت فریاد کیا جائے) اس لئے اس حدیث کا یہ مطلب لینے میں اشکال ہو تا ہے مگر علامہ شامی کہتے ہیں کہ یہ پکار مسکھائی ہے اس لئے اس کے ساتھ اس طرح فریاد کرنا جائز ہے (کیونکہ یہ پکار ایک مظلوم کی ہو گی جو اپنے جائز حق کے لئے ان لوگوں کو پکارے گا جو اس کا حق دلائے میں اس کی بچی مدد کریں گے محض قوی، خاندان یا قبائلی جذبے سے اندھی حمایت نہیں کریں گے کہ حق اور ناحق دیکھے بغیر اپنے خاندان کے آدمی کی مدد شروع کریں)۔

ایک اور روایت میں آنحضرت ﷺ نے اسی حلف فضول میں اپنی شرکت کے متعلق فرمایا۔

”میں نے قریش کے کسی بھی حلف اور عہد نامے میں شرکت نہیں کی سوائے حلف مطہین کے کہ اس میں میں اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک ہوں اب اگر اس عہد کو توڑنے کے بدلے میں مجھے سرخ لوٹ بھی دیئے جائیں تو میں اس عہد کو نہیں توڑوں گا۔ (ی) یعنی اگر کوئی اس عہد کو توڑنے کے لئے سرخ لوٹ (جیسی قیمتی چیز) دے گا بھی مجھے لا لچ دے تو میں اس کو توڑنا گوارا نہیں کروں گا۔ اور مطہین جن کو کہا جاتا ہے وہ ہاشم، ذرہ امیہ اور مخزوم ہیں۔“

حلف مطہین اور حلف فضول کا فرق..... اس روایت میں حلف فضول کو حلف مطہین کہا گیا ہے حالانکہ حلف مطہین کے متعلق سیرت طیبہ اردو کے گزشتہ صفحہ ۴۱۲ پر تفصیل گزر چکی ہے کہ یہ عہد بنی عبد مناف نے اپنی حمایت میں لیا تھا بنی عبد مناف کہے کے مناصب اپنے چچا عبد الدار کی اولاد سے چھیننا چاہتے تھے اس پر انہوں نے اپنے حمایتوں سے عہد لیا تھا جس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ بنی عبد مناف کی ایک عورت ام حکیم بیضاء بنت عبد المطلب نے جو آنحضرت ﷺ کی چھوٹی تھیں خوشبو سے بھر اہو ایک پیالہ نکالا اور اسے اپنے

جامیوں کے لئے حرم میں رکھ دیا۔ پھر سب نے اپنے ہاتھ اس پیالہ ڈبوئے۔ ان ہاتھ ڈبوئے والوں میں بنی عبد مناف کے حامی قبیلے بھی تھے جو یہ ہیں بنی ذرہ بنی اسد بنی عبد العزیٰ، بنی حمین بنی مرہ اور بنی حراث بنی فہر۔ اس طرح قریش کے ان پانچ خاندانوں نے یہ خوشبو لگا کر عہد کیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ چونکہ خوشبو کو عربی میں طیب کہتے ہیں اس لئے ان خوشبو لگانے والوں کو مطہون کہا گیا۔ ان کے مقابلے میں بنی عبد الدار نے اپنے ساتھی خاندانوں سے اپنی مدد کا عہد اور حلف لیا اور ان کا نام احلاف پڑ گیا تھا۔

غرض یہ معاہدہ مطہین کا معاہدہ کہلایا لیکن اس وقت آنحضرت ﷺ اس عالم میں تشریف نہیں لائے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں حلف فضول کو ہی حلف مطہون کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔ کیونکہ حلف مطہون سے اصل حلف مطہون تو مر لیا نہیں جاسکتا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے بھی پہلے کا واقعہ ہے اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ)

اس حدیث میں مطہون کی جو تشریح کی گئی ہے اس کے متعلق علامہ بیہقی کہتے ہیں کہ مطہین کی یہ تشریح اسی طرح روایت کی گئی ہے جو بعد میں اس میں شامل کی گئی ہے (کیونکہ مطہون کی اصل تشریح جو لوہر گزری ہے یہ اس سے مختلف ہے) اور میں نہیں جانتا کہ یہ تشریح کس نے کی ہے۔ علامہ بیہقی "کی کتاب سنن کبریٰ میں اس بارے میں ان کی حدیث یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ تشریح جو لوہر ریہ کے قول میں ہے یا کسی اور کے قول میں۔ یہاں تک علامہ بیہقی کا کلام ہے۔

اصل یہ ہے کہ حلف مطہین کے زمانے میں آنحضرت ﷺ موجود ہی نہیں تھے۔ (ی) اس لئے کہ جیسا کہ گزرو چکا ہے یہ معاہدہ بنی عبد مناف کی ولادہ یعنی ہاشم اور ان کے بھائیوں عبد شمس، مطلب اور نوفل نے بنی ذرہ، بنی اسد بنی عبد العزیٰ، بنی حمین اور بنی حراث بنی فہر کے ساتھ کیا تھا۔ یہی لوگ مطہون کہلاتے ہیں۔ یہ معاہدہ انہوں نے اپنے چچا کی ولادہ عبد الدار بنی قصی اور ان کے بھائیوں یعنی بنی مخزوم وغیرہ کے مقابلے میں کیا تھا۔ ان لوگوں کو احلاف کہا جاتا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہوا تھا۔ اب چونکہ آنحضرت ﷺ حلف مطہون کے زمانے میں موجود ہی نہیں تھے اس لئے اس حدیث میں مطہون کا لفظ بھی رلوی کا داخل کیا ہوا ماننا چاہئے صرف مطہون کی تشریح ہی داخل کردہ نہیں کہلاتے گی جیسا کہ علامہ بیہقی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ اب گویا حدیث کی اصل عبارت یہ ہو گئی کہ۔

"میں نے قریش کے کسی بھی حلف اور عہد نامہ میں شرکت نہیں کی سوائے ایک عہد کے جس میں میں اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک ہوا۔" یہاں رلوی کو خیال ہوا کہ حلف فضول ہی حلف مطہین ہے لہذا اس نے حلف کے لفظ کے ساتھ مطہین کا لفظ بدھا کر ان کا اور ان کی ولادہ کا ذکر کر دیا۔

(حلف فضول کو یہاں حلف مطہین کہنے کی ایک وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس بات کا جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ علامہ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ جب (حلف فضول کے لئے) عبد اللہ ابن جدعان اور زبیر ابن عبد المطلب نے قریش کے اس مجمع میں دعوت دی (جو عبد اللہ ابن جدعان کے مکان میں بلایا گیا تھا) تو سب سے پہلے جن لوگوں نے ان کی اس دعوت پر لبیک کہی اور اس کو قبول کیا وہ بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی اسد، بنی ذرہ اور بنی حمین تھے۔ یہاں تک ابن اسحاق کا کلام ہے۔

اب یہ بات تو واضح ہے ہی کہ حلف مطہین کے اصل لوگ یہ ہی خاندان تھے۔ لہذا اس حلف فضول

میں بھی چونکہ ان ہی خاندانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سب سے پہلے اس کے حق میں گواہی اٹھائی اس لئے اس عہد کو بھی حلف مطہین کہہ دیا گیا (اس لئے کہ مطہین ان ہی لوگوں کو کہا جاتا تھا اور ان ہی مطہین کے خاندانوں نے اس میں بھی حصہ لیا جو خود بھی مطہین کہلاتے تھے) یہ بات بھی قابل غور ہے۔

لفظ فضول کا مطلب..... اب جہاں تک اس عہد کو فضول کہا گیا اس کی ایک وجہ تو وہی بتائی جاتی ہے جو پچھلی سطروں میں بیان کی گئی کہ ان لوگوں نے اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ حق پامال حقدار کو پہنچائیں گے جو اس سے زبردستی چھینا گیا ہو (کیونکہ پچھلی سطروں میں لفظ فضول کی یہی تشریح کی گئی ہے کہ وہ چیز جو ظلم اور زبردستی سے چھینی جائے) لیکن اس عہد کو فضول کہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ یہ عہد قدیم زمانے کے اس عہد کے جیسا ہی تھا جو قبیلہ بنی جرہم کے تین آدمیوں نے آپس میں کیا تھا ان تینوں آدمیوں کا نام فضل تھا۔ بعض مؤرخوں نے یہ لکھا ہے کہ اس عہد کی تحریک کرنے والے ان میں کے تین معزز آدمی تھے جن میں سے ہر ایک کا نام فضل تھا وہ تینوں یہ ہیں:- فضل ابن فضالہ، فضل ابن وداعہ اور فضل ابن حرب۔ یہاں جو یہ کہا گیا ہے کہ۔ ان میں کے تین معزز آدمی۔ ان سے مراد بظاہر قریش ہیں۔ غرض ان تینوں نے اس بات کا حلف کیا تھا کہ ہم خاتم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کیا کریں گے۔ اب کیا فضول کو فضلی کی جمع کہنا چاہئے (جس سے ان تینوں آدمیوں کی طرف اشارہ ہے)

ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ (اس عہد کو فضول اس لئے کہا گیا کچھ) ان عہد کرنے والے لوگوں نے اپنا قانون اور فاضل مال مسالوں کی مسانداری کے لئے نکالا تھا۔

ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ (اس عہد کو فضول اس لئے کہا گیا کہ) ان عہد کرنے والے لوگوں نے اپنا قانون اور فاضل مال مسالوں کی مسانداری کے لئے نکالا تھا۔

ایک سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے یہ عہد کیا تھا ان کے متعلق قریش کے عام لوگوں نے کہا تھا کہ یہ ایک فضول معاملے میں پڑے ہیں۔

حلف فضول کا سبب..... اس حلف فضول اور مظلوم کی حمایت کا عہد کرنے کا سبب یہ واقعہ ہوا تھا کہ قبیلہ زبید کا ایک شخص اپنا کچھ مال لے کر کے آیا یہ مال اس سے عاص ابن داکل نے خرید لیا۔ یہ عاص کے بڑے اور معزز لوگوں میں سے تھا اس نے مال تولے لیا مگر اس کی قیمت روک لی۔ اس ظلم کے خلاف یہ زبیدی شخص بنی عبد الدار، بنی مخزوم، بنی جمح، بنی سہم اور بنی عدی ابن کعب کے پاس فریاد لے کر گیا اور عاص کے خلاف ان خاندانوں سے مدد مانگی (مگر چونکہ عاص کے بڑے لوگوں میں سے تھا اس لئے ان سب لوگوں نے عاص کے خلاف اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اور اس زبیدی شخص کا ڈانٹ ڈھٹ کر واپس کر دیا۔ جب زبیدی نے ان لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو مایوس ہو کر وہ صبح کو سورج طلوع ہونے کے وقت ابو قیس بنی ہاشم پر چڑھا جبکہ قریش اپنے مکانوں کے اندر ہی تھے وہاں چڑھ کر اس شخص نے بہت بلند آواز سے شعر پڑھے۔

يَا آلَ قَهْرٍ لِمَ ظَلَمْتُمْ بَضَاعَتَهُ
بِطَنَنْدٍ مَكَّةَ لَانِي الْكَارِ وَالْهَقَرِ

ترجمہ:- اے قہر کی لوار ایک مظلوم کی مدد کرو جو اپنے گھر اور وطن سے دور ہے اور جس کی تمام پونجی اور سرمایہ اس وقت تک کے اندر ہی ہے۔

وَمَعْرُومٍ اَتَمَّتْ لَمْ يَقْتَضِ عَمْرَةَ
يَا لَوَحَلِّي وَ يَحْيَى الْحَجَرَ وَالْحَجَرَ

ترجمہ :- ایک ایسا عزم یعنی احرام و ملا لور پریشان و پر آگندہ حال جس نے ابھی اپنا عمرہ بھی پورا نہیں کیا۔ اور اے لوگو! جو دو پتھروں (یعنی حجر اسود اور مقام ابراہیم) کے درمیان میں ہے۔

اِنَّ الْحَرَامَ لَمَنْ لَمَّتْ مَكَارِمُهُ
وَلَا حَرَامَ يَلُوبُ الْقَابِضُ الْقَدْرَ

ترجمہ :- عزت و احرام صرف اس کا ہی کیا جائے گا جو شرافت و اخلاق کے معیار پر پورا اترتا ہو۔ (محض حرم میں ہونے کی وجہ سے) اس شخص کا احرام ہرگز نہیں کیا جائے گا جس نے گناہوں اور بے حیائی کا جامہ پہن رکھا ہو۔

(اس زبیدی شخص کی یہ فریاد سن کر زبیر بن عبد المطلب پرست لور ہو لور وہ عبد اللہ ابن جدعان اس معاملے میں اٹھ کھڑے ہوئے لور انہوں نے حلف فضول کی داغ بیل ڈالی جیسا کہ بیان ہوا اور پھر ان کے پاس قریش کے دوسرے سردار جمع ہوئے جن کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس زبیدی کے معاملے میں اس کی فریاد سن کر عباس بن عبد المطلب اٹھے تھے لور انہوں نے عہد لور حلف کیا تھا کہ وہ دونوں ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کے لئے ایک جاں ہو کر کوشش کریں گے یہاں تک کہ مظلوم کو اس کا حق رسائی سے یا زور بازو سے دلا دیں۔ اس کے بعد یہ دونوں عاص ابن وائل کے پاس پہنچے لور اس سے زبیدی شخص کا مال نکلا کر واپس اس کو دیا۔

اقول - مؤلف کہتے ہیں: علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ قبیلہ عظم کا ایک شخص ایک دفعہ کے آیا۔ (یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ حلف فضول کا عہد نامہ طے ہو چکا تھا) یہ شخص عمرہ کرنے یا حج کرنے کے لئے آیا تھا لور اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جو اپنے وقت کی حسین ترین لڑکی تھی۔ اس کے ساتھ ایک شخص نبیہ ابن جراح نے اس لڑکی کو دیکھ تو اس کے باپ سے چھین کر اپنے ساتھ لے گیا۔ (اس شخص نے ہر طرف فریاد کی تو اس سے کہا گیا کہ تم حلف فضول والوں سے جا کر فریاد کرو۔ یہ شخص فوراً عجب کے پاس جا کھڑا ہوا لور وہاں اس نے وہائی دی۔

”مے حلف فضول والو!“

اس فریاد کو سنتے ہی ہر طرف سے لوگ دوڑ دوڑ کر اس کے پاس پہنچ گئے لور انہوں نے یہ کہتے ہوئے اپنی ٹکڑیاں کھینچ لیں۔

”تمہارے لئے مدد آگئی۔ تمہیں کیا عہد پیش کیا.....؟“

اس نے کہا کہ نبیہ نے میری بیٹی کے معاملے میں مجھ پر ظلم کیا ہے لور اسے مجھ سے زبردستی چھین کر لے گیا ہے۔ یہ سنتے ہی سب لوگ فوراً نبیہ کے مکان پر پہنچے لور اس کے مکان کے دروازے پر جا کر اسے بلایا۔ نبیہ جب باہر آیا تو ان لوگوں نے اس سے کہا۔

”لڑکی کو باہر نکالو۔ تمہارا براہو تم نہیں جانتے ہم کون ہیں لور ہم نے کیا عہد کیا ہے؟“

نبیہ نے کہا۔

”میں لڑکی کو واپس کروں گا مگر آج کی رات مجھے اس کے ساتھ گزارنے دو۔“

حلف فضول والوں نے کہا ہر گز ہمیں ایک گھڑی کے لئے بھی لڑکی کو تہمدے پاس نہیں رہنے دیں گے۔“

آخر نبیؐ نے لڑکی کو نکالا اور اس کے باپ کو واپس کر دیا۔
حلف فضول کی لایمیت..... اسی عہد کے متعلق سیرت دمیاطی میں یہ واقعہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ اور ولید ابن عقبہ ابن ابوسفیان کے درمیان ایک مال کے سلسلے میں جھگڑا تھا یہ حضرت حسینؑ کا مال تھا حضرت حسینؑ نے ولید سے کہا۔

”میں اللہ کے نام پر حلف لے کر کہتا ہوں کہ یا تو تم خیرے حق کے سلسلے میں میرے ساتھ انصاف کرو ورنہ میں اپنی تلوار لے کر مسجد رسول ﷺ میں کھڑا ہوں گا اور حلف فضول کے لئے لوگوں کو دعوت دوں گا۔“
 ”(ی) یعنی ایسے عہد کے لئے لوگوں کو دعوت دوں گا جیسا کہ حلف فضول تھا۔“ موروہ عالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کا عہد ہے۔“

حضرت حسینؑ کی اس بات پر بہت سے لوگوں نے رضامندی کا اظہار کیا جن میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ بھی تھے کیونکہ وہ اس وقت تک مدینے ہی میں تھے۔ جب ولید ابن عقبہ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت حسینؑ کی بات پر بہت سے لوگوں نے رضامندی ظاہر کر دی ہے جن میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ بھی ہیں تو اس نے حضرت حسینؑ کے حق کے سلسلے میں ان کے ساتھ انصاف کر دیا جس سے حضرت حسینؓ بھی راضی ہو گئے۔
 واللہ اعلم۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

باب پانزدہم (۱۵)

ملک شام کا دوسرا سفر!

آپ کا یہ دوسرا سفر حضرت خدیجہ کے قلام میسرہ کے ساتھ ہوا تھا اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال کی ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ کی عمر مبارک کے بارے میں چھ قول ہیں جن میں سے سب سے زیادہ صحیح قول یہی چھیس سال کا ہے جس پر عام علماء کا اتفاق ہے۔ دوسرے قول کمزور ہیں جن کی پشت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس وقت کے میں آنحضرت ﷺ کو لوگ ”امین“ کے سوا کسی نام سے نہیں پکارتے تھے (جس کے معنی ہیں لائقِ دِل) آپ ﷺ کا یہ لقب آپ ﷺ کی ان پاک خصلتوں کی بنا پر پڑ گیا تھا جن کا پچھلے صفحات میں بیان گزر چکا ہے۔

سفر کا سبب..... آنحضرت ﷺ کے اس سفر کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک دفعہ آپ ﷺ کے چچا ابوطالب نے آپ سے کہا:-

”اے خدیجہ! میں ایک بہت غریب آدمی ہوں اور قند سال کی وجہ سے وقت اور زیادہ سخت آ رہا ہے اور کافی عرصہ سے یہ خشک سالی اور قحط کا دور چل رہا ہے۔ ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے جس سے اس وقت میں ہم کام چلا سکیں اور نہ کوئی ہماری تجارت ہی ہے۔“

(اس وقت حضرت خدیجہ کالوٹوں پر ایک تجارتی قافلہ ملک شام جانے والا تھا۔ حضرت خدیجہ ایک معزز و شریف اور بہت دولت مند خاتون تھیں۔ ابوطالب نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ سے کہا:-

”یہ تمہاری قوم کا ایک تجارتی قافلہ ہے جو اب ملک شام کو جانے والا ہے۔ خدیجہ بہت خلیلہ اپنے تجارتی قافلوں میں تمہاری قوم کے آدمیوں کو بھیجا کرتی ہیں، جو ان کے مال میں اجرت پر معاملہ کر لیتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں اگر تم ان کے پاس جاؤ اور اپنی خدمات پیش کرو تو وہ یقیناً تمہاری پیشکش کو قبول کر لیں گے اور دوسروں پر تمہیں فوقیت دیں گی کیونکہ ان تک تمہاری پاکبازی کے واقعات پہنچے ہیں۔ اگرچہ میں اسے پسند نہیں

کر تاکہ تم ملک شام جاؤ کیونکہ میں یہودیوں کی طرف سے تمہاری متعلق ڈر تا ہوں، لیکن ساتھ ہی تمہارے لئے میرے نزدیک اس کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے۔“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ممکن ہے وہ یعنی خدیجہؓ خود ہی اس سلسلے میں میرے پاس کسی کو بھیجیں (کیونکہ حضرت خدیجہؓ کو اس وقت اپنی تجارت کے لئے کسی مستند اور معتبر آدمی کی ضرورت تھی اور یہ بات سب جانتے تھے کہ اس وقت کے میں آنحضرت ﷺ سے زیادہ شریف، پاکباز، لمانت دار، قابل اعتبار اور سمجھدار انسان دوسرا کوئی نہیں تھا۔ مگر ابوطالب اس وقت بہت پریشان حال تھے اس لئے انہوں نے کہا۔ ”مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں تمہارے سوا کسی دوسرے سے معاملہ نہ کر لیں اور پھر تمہارے لئے دوڑ دھوپ کرنی پڑے۔“

(مگر آنحضرت ﷺ کو اطمینان تھا کہ حضرت خدیجہؓ خود ہی آپ ﷺ کو بلائیں گی چنانچہ آپ ﷺ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا)۔ اس کے بعد ابوطالب آپ کے پاس سے اٹھ گئے۔ اب حضرت خدیجہؓ کو کسی ذریعہ سے یہ گفتگو معلوم ہو گئی جو آنحضرت ﷺ سے ابوطالب نے کی تھی۔ انہوں نے یہ خبر سن کر کہا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ ان کا ایسا ارادہ ہے۔ اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا بھیجا اور آپ ﷺ سے کہا۔ ”میں نے آپ ﷺ کی سچائی، لمانت داری اور نیک اخلاق کے متعلق سنا ہے اور اسی وجہ سے میں نے آپ ﷺ کو بلا دیا ہے۔ میں آپ ﷺ کو اس اجرت کا دو گنا دوں گی جو میں آپ کی قوم کے دوسرے کو میوں کو دیتی ہوں۔“

آنحضرت ﷺ نے اس کو منظور فرمایا۔ پھر آپ اپنے چچا ابوطالب سے ملے اور ان کو یہ بات بتلائی ابوطالب نے یہ سن کر کہا۔ ”یہ روزی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا فرمائی ہے۔“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام کے لئے روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت حضرت خدیجہؓ نے اپنے غلام میسرہ سے کہا۔ ”ان کی کسی معاملہ میں تا فرمائی مت کر تاہم ان کی رائے سے کبھی اختلاف نہ کرنا۔“

اوسر قافلے کی روانگی کے وقت آنحضرت ﷺ کے سب چچا قافلے والوں کو آنحضرت ﷺ کی خبر گیری کے متعلق ہدایت کرنے لگے (کیونکہ وہ دوسری کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا یہ پہلا سفر تھا)۔
نسطور ار اہب کا واقعہ..... آنحضرت ﷺ کی روانگی کے ساتھ ہی آپ کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ ایک بدلی نے آپ ﷺ کے لوہر سایہ کر لیا (اور آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ جب آنحضرت ﷺ شام پہنچے تو آپ بصری قبر کے بازو میں ایک درخت کے سائے میں اترے۔ یہ درخت ایک عیسائی ار اہب کی خانقاہ کے پاس تھا۔ اس ار اہب کا نام نسطور تھا۔ یہ ار اہب نسطور کو جانتا تھا (جب اس نے میسرہ کو دیکھا تو کہہ خانقاہ سے نکل کر آیا (اور اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا جو درخت کے نیچے آکر ٹھہرے تھے) اس نے میسرہ سے آنحضرت ﷺ کے متعلق پوچھا۔

”میسرہ! یہ شخص کون ہے جو اس درخت کے نیچے آکر اتر رہا ہے؟“

میسرہ نے بتایا کہ یہ ایک فرشتی شخص ہیں اور حرموالوں سے ہیں۔ یہ سن کر ار اہب بولا

”اس درخت کے نیچے نبی ﷺ کے سوا کبھی کوئی آدمی نہیں بیٹھتا۔“
 ”(ی) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس درخت کو ہمیشہ اس سے بچلا ہے کہ اس کے نیچے نبی کے سوا کوئی دوسرا
 شخص بیٹھنے کے اہل کے بعد اس نے میسرہ سے پوچھا۔
 ”کیا ان کی آنکھوں میں سرخی ہے؟“

میسرہ نے کہا

”ہاں اویسہ سرخی بھی نہیں جاتی۔“ اب مسطور ابراہیم نے کہا۔
 ”یاد دہی ہیں۔ یہ آخری پیغمبر ہیں۔ کاش میں وہ زمانہ پاسکاجیب اللہ کو ظہور کا حکم ملے گا۔ یعنی جب
 انہیں نبوت ملے گی۔“

اب میسرہ نے بھی اس پر غور کیا۔ (ی) آنحضرت ﷺ کی آنکھوں میں جو سرخی تھی وہ سفید ڈھیلے
 میں تھی جس کو مسئلہ کہا جاتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ کے طبعہ مبارک کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ اشکل
 العینین تھے۔ یعنی ایسی آنکھوں والے تھے جن میں سفیدی مائل سرخی تھی یہ سرخی یعنی مسئلہ قدیم کتابوں میں
 آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کے طور پر ذکر ہے۔ جیسا کہ چچہ برہان پوچھا ہے۔

نورست کی تصدیق..... (قال) مسطور ابراہیم کا یہ واقعہ علامہ نیشاپوری کی کتاب شرف میں اس طرح ہے کہ
 ”جب ابراہیم نے دیکھا کہ ایک بدلی آنحضرت ﷺ پر سایہ کئے ہوئے ہے تو ہنوز گہرا اور اس نے (حافظہ دالوں
 سے) کہا کہ تم ان کے کیا ہو۔ حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کہتے ہیں کہ پھر وہ چپکے سے آنحضرت ﷺ کے پاس
 پہنچا اور آپ کے سر پر آپ کے قدموں کو بوسہ دے کر کہنے لگا۔

میں آپ ﷺ پر ایمان لایا اور میں کو ای دیتا ہوں کہ آپ دہی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے قورات میں ذکر
 فرمایا ہے اس کے بعد اس نے کہا

”اے عمر ﷺ! میں نے تم میں تمام نشانیاں دیکھ لی ہیں۔ (ی) یعنی وہ تمام نشانیاں جو قدیم کتابوں میں
 آپ ﷺ کی نبوت کی علامتوں کے طور پر ذکر ہیں صرف ایک نشانی دیکھنی باقی رہ گئی۔ اس لئے آپ مجھے لپٹا
 موڑا کھول کر دکھا دیجئے۔“

آنحضرت ﷺ نے اس کے سامنے اپنا شانہ مبارک کھولا تو ابراہیم نے دیکھا کہ وہی مہر نبوت جھلکا
 رہی تھی۔ ابراہیم فوراً کہتے ہوئے اس مہر نبوت کو چومنے کے لئے جھکا۔

”میں کو ای دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور کو ای دیتا ہوں کہ آپ اللہ
 تعالیٰ کے پیغمبر لائق ہیں جن کے متعلق حضرت عیسیٰ ابن مریم نے خوش خبری دی تھی اور انہوں نے کہا تھا کہ۔
 میرے بعد اس درخت کے نیچے کوئی نہیں بیٹھے گا سوائے اس پیغمبر کے جو آئی (یعنی ابن مریم) مائشی، عربی اور کی
 (یعنی کے کار بنے والا) ہو گا (تمامت میں) خوش کو ردالاء شفاعت والا اور لواء حمد (یعنی علمبردار) ہو گا۔“

(علامہ نیشاپوری کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسطور ابراہیم مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کے
 متعلق کہتے ہیں)

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ کتاب فور میں ہے کہ۔ مجھے ایسا کوئی شخص نہیں ملا جو اس مسطور ابراہیم کو
 صحابہ میں شمار کرتا ہو جس طرح کہ بعض علماء نے بحیرہ ابراہیم کو صحابہ میں سے شمار کیا ہے جبکہ مناسب یہ

معلوم ہوتا ہے کہ مسطور ار اہب بھی اسی جیسا ہو۔ یہاں تک کتب نور کا حوالہ ہے۔

بکیر اور مسطور اور اہب لکل فترت میں سے ہیں۔ اس سے بچے کما گیا تھا کہ آگے بیان کر رہا ہے جس سے معلوم ہو گا کہ بکیر اور مسطور اور ان جیسے دوسرے وہ لوگ جنہوں نے (آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے) اس بات کی تصدیق کی ہے کہ آپ اس امت کے نبی ہیں وہ اہل فترت میں سے ہیں اہل اسلام میں سے نہیں ہیں چہ جائے کہ ان کو صحابی کہا جائے اس لئے کہ مسلمان اس کو کہا جائے گا جس نے آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اقرار اس رسالت کے مل جائے کے بعد کیا ہو۔ اس کی مزید تفصیل آگے بیان ہوگی۔

غرض اسی بنا پر علامہ حافظ ابن حجر نے کتاب اصحاب میں لکھا ہے کہ جن کتابوں میں بکیر اور کو صحابہ میں شمار کیا گیا ہے وہ غلط ہے کیونکہ صحابی کا جو مطلب ہے وہ بکیر اور پر پورا نہیں اترتا۔ صحابی اس مسلمان کو کہتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہو اور ایمان پر ہی مرا ہو۔ پھر علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ میں نے مسلمان کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اس کی وجہ سے وہ لوگ صحابی کی تعریف سے نکل گئے جو آنحضرت ﷺ کی نبوت پر آپ ﷺ کے ظہور سے پہلے ایمان لائے ہوں جیسا کہ یہ شخص یعنی بکیر اور اہب ہے (کہ اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھنے کے بعد آپ میں نبوت کی علامتیں پہچانیں اور آپ پر ایمان لایا مگر اس وقت جبکہ آنحضرت ﷺ کا ظہور نہیں ہوا تھا اور آپ کے ظہور سے پہلے کسی بھی نبوی کو مسلمان نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ مسلم کے معنی ہیں اسلام والا۔ جبکہ آپ کی نبوت کے ظہور سے پہلے اسلام قاضی نہیں۔ اس لئے بکیر اور نے اگرچہ آپ کی رسالت کی تصدیق کی مگر اس کو مسلمان بھی نہیں کہا جاسکتا چہ جائے کہ صحابی کہا جائے۔ یہاں تک حافظ ابن حجر کا کلام ہے۔ اس سے علامہ ابن حجر کی مراد بھی وہی ہے جس کو ہم نے پہلی سطروں میں بیان کیا کہ بکیر اور اور مسطور اور اہب وغیرہ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا دلائل نہیں پایا بلکہ نبوت سے پہلے آپ کی زیارت کی اور آپ کی نبوت رسالت کی تصدیق کی وہ اہل اسلام میں سے نہیں ہیں بلکہ اہل فترت میں سے ہیں۔ اہل فترت کی تعریف اور ان کے انجام سے متعلق تفصیل سیرت طیبہ اردو کے مختصرہ صفحہ ۱۸۱ میں گزر چکی ہے)

یہ مسطور اور اہب شاید وہی ہے جس کی طرف عیسائیوں کے ایک فرقہ مسطور یہ نسب ہے۔ کیونکہ عیسائیوں میں تین فرقے ہیں۔ ان میں سے ایک تو عیسائی مسطور یہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ (نور اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ دوسرا فرقہ یعقوبیہ کہلاتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ (نور اللہ تعالیٰ عیسیٰ نور اللہ تعالیٰ ہی ہیں جو زمین پر اتارے اور اس کے بعد واپس آسمان پر چلے گئے۔ تیسرا فرقہ ملائکہ کا ہے جو یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے نبی ہیں۔ بعض علماء نے ان میں چوتھے فرقے کا بھی اضافہ کیا ہے جس کا نام اسرائیلیہ ہے۔ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ بھی (نور اللہ تعالیٰ) معبود ہیں ان کی والدہ بھی معبود ہیں اور اللہ تعالیٰ معبود ہیں۔

لیکن کتب کا موس میں کہا گیا ہے کہ یہ مسطور یہ (ان پرورش کے ساتھ بھی نور زبر کے ساتھ بھی) عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے جو اپنے عقیدوں میں بقیہ عیسائیوں سے مختلف ہیں۔ یہ فرقہ مسطور احکیم کے پیروؤں کا ہے جو خلیفہ ماموں رشید کے زمانے میں ظاہر ہوا تھا اور جس نے اپنی مرضی کے مطابق انجیل میں تہذیبیاتی تبدیلیاں کی تھیں۔ یہ کہتا تھا کہ (نور اللہ تعالیٰ کی عین اسلمیں) یعنی روپ ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ خود دوسرے روح القدس اور تیسرے عیسیٰ۔ جن کو اس طرح بھی کہا جاتا ہے کہ باپ، بیٹے اور روح القدس) مسطور اور دومی زبان

میں تسلیم کیا جاتا ہے۔

(یہاں یوں کے یہ تین فرقے اسی طرح ہیں) جیسے یہودی تین فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ان کے تین فرقوں کے نام یہ ہیں قرانیہ، ربانیہ اور سامریہ (یہودیوں کے فرقوں کے بارے میں ترمذی ابو القاسم میں اس طرح ہے کہ یہودی بحث سے فرقوں میں بٹ گئے۔ ان کے ایک فرقہ کا نام ربانیہ ہے جو ایسا ہے جیسے کہ مسلمانوں میں معتزلہ کا فرقہ ہے۔ دوسرا فرقہ قرآنی کا ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ حدیث میں مجرہ کا فرقہ ہے۔ تیسرا فرقہ عامیہ کہلاتا ہے یہ فرقہ ایک شخص سلمان کی طرف منسوب ہے وغیرہ پھر ایک فرقہ سرہ ہے۔ ایک فرقہ دستاہیہ ہے جس کو قاضی بھی کہا جاتا ہے اور ایک فرقہ۔۔۔ ثانیہ کہلاتا ہے ترمذی ابو القاسم ج ۱ ص ۸۵)

گذشتہ روایتوں میں اس درخت کے متعلق کہا گیا ہے جو تسلیم کرنا بہت کی مخالفت کے پاس تھا کہ اس کے نیچے نبی کے سوا کبھی کوئی بیٹہ اس کے متعلق کتاب قاموس میں ہے کہ یہ باوجود ان کے بعد درخت کا اتنے لمبے زمانے تک باقی رہا کہ حضرت یحییٰ کے زمانے سے بھی پہلے سے موجود تھا۔ ان کے بعد آنحضرت ﷺ کے زمانے تک باقی رہے اگرچہ عام عادت کے خلاف ہے، پھر اسی طرح پیغمبروں کے علاوہ دوسرے لوگوں کا اس کے نیچے بیٹھنا جو گذشتہ روایتوں کی بنیاد پر حضرت یحییٰ اور آنحضرت ﷺ کے زمانوں کے درمیان ظاہر ہوتے ہیں (جیسا کہ سیرت طیبہ اردو ملاحظہ فرمائیے) جیسا کہ پہلی اور دوسری روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بات ممکن ہے اگرچہ عام عادت کے مطابق ایک درخت اتنے طویل زمانے تک باقی نہیں رہتا ایسا عجیب بات بھی قیاس سے بعید ہے کہ اتنے زمانے تک درخت خلی رہے اور اس کے نیچے، نبیوں کے سوا دوسرے لوگ نہ بیٹھیں تو کیا یہ بات ممکن ہونے کے باوجود خرق عادت یعنی عام عادت کے خلاف ایک عجیب چیز ہے لیکن پیغمبروں کے لئے خرق عادت ظاہر ہوتے ہی ہیں (جن کو مجرہ کہا جاتا ہے) خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے لئے خرق عادت یعنی عام عادت کے خلاف بہت سی چیزیں ظاہر ہوئی ہیں۔ (جمال تکبیر سوال ہے کہ درخت کی اتنی طویل عمر نہیں ہوتی یہ غلط ہے۔ آج کل کے سائنسی تحقیقات کے نتیجہ سے ایسے درخت دریافت کر لئے ہیں جن کی عمر ہزاروں سال ہوتی ہے۔ امریکہ میں ایک درخت موجود ہے جس کی عمر ڈھائی ہزار سال تک بتائی جاتی ہے۔ جبکہ حضرت یحییٰ اور آنحضرت ﷺ کے درمیان تو تقریباً پانچ سو سال کا ہی فرق ہے اور جیسا کہ آگے ایک قول سے اس کی تردید بھی ہو رہی ہے۔ ہر حال قاموس کے اس بیان میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس روایت کو درست مان لینا ممکن ہے اگرچہ یہ بات عادت کے خلاف ہے)

لیکن اس بحث سے علامہ سیکی کا وہ قول غلط ہو جاتا ہے جس میں انہوں نے اس روایت کا مطلب یہ لیا ہے کہ اس گڑی اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی نہیں ٹھہرا۔ کہتے ہیں روایت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کبھی کوئی دوسرا نہیں بیٹھا کیونکہ اگر اس کو مان لیا جائے تو اس میں یہ اشکال ہے کہ حضرت یحییٰ سے پہلے نبیوں کے درمیان بڑی لمبی لمبی مدتیں ہوتی ہیں۔ اور اگر روایت میں ”بھی“ کا لفظ درست بھی ہو تو مطلب یہی ہو گا کہ اس کے ذریعہ انکاوش تاکید پیدا کرنا مقصود ہے (یعنی اس وقت اس درخت کے نیچے جو بیٹھے ہوئے ہیں وہ نبی کے سوا ہرگز کوئی نہیں ہیں) کیونکہ اول تو کوئی درخت بھی عام عادت کے لحاظ سے اتنی لمبی عمر والا نہیں ہوتا (اور پھر یہاں تک کہ اس کی اتنی لمبی عمر ہونے کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم

ہو جائے کہ اس کے بچے سوائے حضرت عیسیٰ یا نبیوں میں ان کے علاوہ کوئی نہیں بیٹھا۔ (دوسرے اگر وہ خست کی اتنی تک عمر بیان بھی کی جائے تو یہ بات بھی عام علما کے خلاف ہے کہ ایک درخت مسلسل خالی رہے اور اس کے بچے کوئی نہ بیٹھے یہاں تک کہ کوئی نبی ہی آئے (جو اس کے بچے بیٹھے۔ غرض علامہ سکس اس بات کو قبول نہیں کرتے جو مسطور راہب نے کہی بلکہ وہ اس قول کے دوسرے معنی کو لیتے ہیں جو بیان کئے گئے۔ اور یہی بات زیادہ بصر معلوم ہوتی ہے۔ اسی کو سیرت ابن ہشام کے حاشیہ میں بھی نقل کیا گیا ہے)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے یہ درخت زخون کار باہوں کیونکہ کہا جاتا ہے کہ زخون کے درخت کی عمر تین ہزار سال تک ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک خشک درخت کے بچے اترے جس کی لکڑیاں سوکھ کر بوسیدہ ہو چکی تھیں۔ جب آپ ﷺ اس کے بچے کرام سے بیٹھ گئے تو اچانک وہ سر بزر ہو کر لہلہانے لگا، اس میں کوئی پھوٹ آئی، کلیاں ظاہر ہونے لگیں اور اس کی شاخیں لٹک کر آنحضرت ﷺ پر لہرائے لگیں۔

معجزہ اور کرامت کا فرق..... بعض علماء کا قول ہے کہ سب محققین اس بات پر متفق ہیں کہ تمام وہ عجیب چیزیں جو نبیوں سے معجزوں کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں، تو لولیاہ کرام سے دیکھی ہی جزیں اس شرط کے ساتھ کرامت بن کر ظاہر ہوتی ہیں کہ ان کے لئے انہوں نے دعویٰ اور چیلنج نہ کیا ہو (یعنی لولیاہ کرام سے ایسی عجیب اور عام حادثات کے خلاف کرامتیں صادر ہو سکتی ہیں لیکن وہ ان کی طرف سے بغیر کسی دعویٰ اور چیلنج کے ہی ظاہر ہو سکتی ہیں) جبکہ معجزات میں انبیاء کو دعویٰ اور چیلنج کا بھی اختیار ہوتا ہے جبکہ وہ نبوت مل جانے کے بعد کیا گیا ہو۔ (تو کیا نبوت مل جانے کے بعد ایک نبی کے ہاتھ پر جو عجائبات ظاہر ہوں وہ تو معجزات کہلاتے ہیں) لیکن وہ غیر معمولی باتیں جو نبی کے زمانے کے قریب ظاہر ہوتی ہیں ان کو کہاں سے لیتی عجوبہ کہا جاتا ہے (کیونکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کھانی کا زمانہ جب قریب ہو تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے کچھ غیر معمولی واقعات اس ہونے والے نبی کے ہاتھ پر یا دوسروں کے ذریعہ اچانک ظاہر ہوتے ہیں ان ہی عجوبوں کو لولیاہ کہا جاتا ہے) چنانچہ یہ واقعہ بھی غیر ممکن نہیں ہے جس کو شیخ رسلان نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ (نبوت سے پہلے) جب بھی کسی ایسے درخت سے ٹھک لگا کر بیٹھے جو خشک اور مردہ ہو چکا ہو تو وہ اسی وقت سر بزر اور ہر اعضاء ہو جاتا تھا اور اس پر پھل آتے تھے۔ غزوہ خندق کے بیان میں (معجزات اور کرامات کے متعلق) آئے گا کہ لولیاہ کرام کی جو کرامتیں ہوتی ہیں وہ بھی ہوتی ہیں جو ان کے نبیوں کے ہاتھوں پر معجزات کی صورت میں ظاہر ہو چکے ہیں۔

(اس درمیان تفصیل کے بعد اس پہلی روایت کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہیں جس میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسطور راہب کی خانقاہ کے پاس ولے درخت کے بچے قیام فرمایا اسی وقت مسطور راہب جو میسرہ کو جانا تھا اپنی خانقاہ سے باہر آکھڑا اور میسرہ سے آنحضرت ﷺ کے متعلق پوچھنے لگا کہ یہ درخت کے بچے اترنے والا کون شخص ہے۔ اور جب میسرہ نے کہا کہ یہ ایک قریشی ہیں تو اس نے کہا کہ اس درخت کے بچے نبی کے سوا کوئی نہیں اترے۔ باتیں راہب نے اپنی خانقاہ کے باہر کھڑے کھڑے کی تھیں۔ یہ خانقاہ کسی قدر اونچائی پر تھا۔ غرض راہب نے جب یہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ پر ایک بدلی سایہ کئے ہوئے ہے تو کہو بے اختیار اپنی خانقاہ سے بچے اتر آیا اور آنحضرت ﷺ سے پوچھنے لگا۔

”لات اور عزیٰ کی قسم اٹھاؤ تمہارا نام کیا ہے؟“

آپ ﷺ نے راہب کو اپنے قریب بڑھتے دیکھا تو اسے روکتے ہوئے فرمایا کہ ہٹو میرے قریب دست آؤ مگر راہب نے ایک تحریر نکالی اور اسے دیکھنے لگا پھر خود ہی کہنے لگا کہ یہ وہی ہیں تو رت دلے کی قسم.....!“
(لوہر آنحضرت ﷺ کے قافلے کے دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا کہ راہب تیزی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی طرف آ رہا ہے) انہیں خیال ہوا کہ یہ کسی بڑی نیت سے آ رہا ہے اس لئے ان میں سے کسی نے ایک دم تلوہ سونت لی اور چلانے لگایا آل غالب..... یا آل غالب..... اس پکار کو سنتے ہی چاروں طرف سے قافلے کے لوگ دوڑے اور پوچھنے لگے کہ کیا بات پیش آئی۔ لوہر راہب کے جو یہ صورت حال اور ان لوگوں کے تہہ زدن دیکھے تو وہ تیزی کے ساتھ اپنی خانقاہ کی طرف دوڑا اور اس میں داخل ہوا کہ دروازہ بند کر لیا۔ پھر وہ ایک کھڑکی میں سے سامنے کیا اور بولا۔

”اے قوم! تم لوگ میری طرف سے کس بات سے ڈر گئے؟ قسم ہے اس ذات کی جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے اٹھادیا کہ میں اس تحریر میں یہ لکھا ہوا پاتا ہوں کہ اس درخت کے نیچے اترنے والا شخص رب العالمین کا پیغمبر یعنی رسول اللہ ﷺ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ننگی تلوار اور زبردست اہلو کے ساتھ ظاہر فرمائیں گے۔

یہ خاتم النبیین ہیں (کہ ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے) لب جو شخص ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرے گا وہ نجات پائے گا اور جو ان کی نافرمانی کرے گا وہ ذلیل و خوار ہوگا۔“

(غرض اس واقعہ کے بعد) آنحضرت ﷺ بھری کے بازار میں تشریف لے گئے اور وہاں وہ مال فروخت کیا جو آپ ﷺ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے اور کچھ (ضرورت کی) چیزیں خریدیں۔

بازار بھری میں نبوت کی تصدیق..... (قال) علامہ شافعی کہتے ہیں کہ میں اس سے واقف نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں کیا سامان فروخت کیا اور کیا خریدا۔

(اسی خرید و فروخت کے دوران) ایک شخص کا آنحضرت ﷺ سے کسی چیز پر اختلاف ہو گیا اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ لات اور عزیٰ کے نام پر حلف اٹھاؤ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان باتوں کے نام پر کبھی حلف نہیں کیا۔ (یہ شخص شاید کوئی عالم رہا ہو گا) آنحضرت ﷺ کو پہچان گیا اور بولا کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس کے بعد وہ میسرہ سے طلحہ کی میں ملا اور کہنے لگا۔

”میسرہ ایہ شخص نبی ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ وہی ہیں جن کا ذکر ہمارے راہب اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔“

میسرہ نے اس کی اس بات کو قبول کیا۔

آنحضرت ﷺ کی برکات..... (ی) بھری پہنچنے سے پہلے راستے میں (ایک واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ) حضرت خدیجہؓ کے اونٹوں میں سے دو لونٹ بہت زیادہ تھک گئے (اور چلنے کے قابل نہ رہے) جس کی وجہ سے میسرہ بھی ان دونوں لونٹوں کے ساتھ قافلے سے پیچھے رہ گیا جبکہ آنحضرت ﷺ قافلے کے اگلے حصے میں تھے۔ میسرہ کو اپنے اور ان دونوں لونٹوں کے متعلق فکر ہوا اس لئے وہ بھاگتا ہوا قافلے کے اگلے حصے میں پہنچا اور آنحضرت ﷺ کو اس پریشانی کی خبر دی۔ آنحضرت ﷺ اس کے ساتھ ان لونٹوں کے پاس تشریف لائے اور

ان کی کمر کے پچھلے حصے پر اپنا ہاتھ پھیر اور ان پر کچھ چڑھ کر دم کیا۔ (اس کا اثر یہ ہوا کہ لونٹ اسی گھڑی بالکل ٹھیک ہو گئے اور انا تیز چلے کہ پھر قافلے کے اگلے حصہ میں پہنچ گئے اور (چلنے میں اپنی چھٹی لودہ جوش کا اظہار کرنے کے لئے) لودہ سے گولا نکالتے جاتے تھے۔

(قال) کتب شرف میں ہے کہ: آنحضرت ﷺ کے اس قافلے نے اپنا بل فروخت کیا اور انا نفع کمایا کہ اس سے پہلے انا نفع کبھی نہیں کما سکتے تھے۔ چنانچہ میرے نے آپ ﷺ سے کہا: ”مگر عمر (ﷺ) ہم چالیس سال سے خدیجہ کے لئے تجارت کر رہے ہیں مگر امتداد بدست نفع ہمیں کبھی حاصل نہیں ہوتا تھا آپ ﷺ کے ذریعہ ہوا ہے۔“

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: میرے کا جو یہ قول ہے کہ ہم چالیس سال سے خدیجہ کے لئے تجارت کر رہے ہیں۔ اس میں جو اشکال ہے وہ ظاہر ہے (یعنی چالیس سال یا اس سے بھی کم تو حضرت خدیجہ کی اس وقت عمر ہی بتلائی گئی ہے اس لئے میرے کا) یہ قول غالباً کثرت کی غلطی ہے۔ ورنہ پھر اس سے مبالغہ کرنا مقصود ہے (کہ) رہے ہم رسول سے خدیجہ کے لئے تجارت کر رہے ہیں لہذا خدا اعلم۔

غرض اس تجارت سے فارغ ہو کر یہ قافلے کے کی طرف واپس روانہ ہوئے۔ اس دوران میں میرے دو بچے تھا کہ جب دو پہر کا وقت ہوتا تھا اور گری اپنے شہاب پر ہوتی اور آنحضرت ﷺ اپنے لونٹ پر ہوتے تو دو فرشتے دھوپ سے بچاؤ کے لئے آنحضرت ﷺ پر سایہ کھدے رہتے تھے۔

کتب خصائص صغریٰ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت تھی کہ سفر کے دوران آپ ﷺ پر فرشتے سایہ کھدے رہتے تھے (یعنی خصائص صغریٰ کے اس قول میں اس سفر کا لمبی واقعہ مروا ہے) مگر یہ بھی ممکن ہے مرویہ ہو کہ آنحضرت ﷺ کے ہر سفر میں آپ کی یہ خصوصیت تھی۔ مگر میں کسی ایسی روایت سے واقف نہیں کہ اس سفر کے علاوہ آپ ﷺ کے کسی دوسرے سفر میں بھی فرشتوں نے آپ ﷺ پر سایہ کیا ہو۔ (ایک قول یہ بھی گزر چکا ہے کہ ممکن ہے فرشتے سے مروی ہو بدلی ہو جو آپ پر سایہ کھن رہتی تھی)۔

اللہ تعالیٰ نے میرے کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی بہت زیادہ محبت ڈال دی تھی (کیونکہ اسی سفر میں اس نے آپ کی شرافت، نیکی، سچائی، ایمان دہی اور خوش اخلاقی دیکھی تھی جس نے اس کا دل موہ لیا تھا) چنانچہ لب ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میرے خود آنحضرت ﷺ کا ہی غلام ہو۔

(غرض واپسی کے اس سفر میں جب یہ قافلہ مرطہ ان کے مقام پر پہنچا جو کے لودہ عسقلان کے درمیان ایک ولوی ہے اور جس کو عام طور پر بطن مرد کہا جاتا تھا اور لب ولوی قافلہ کے نام سے مشہور ہے تو میرے نے آنحضرت ﷺ سے کہا۔

”کیا آپ سے پسند فرمائیں گے کہ آپ خدیجہ کے پاس ہم سے پہلے پہنچ جائیں اور ان کو سب حالات بتلائیں (کہ اس دفعہ تجارت میں کتنا غیر معمولی نفع ہوا ہے) ممکن ہے یہ سن کر وہ آپ کی اجرت میں اضافہ کریں اور دو جوان لونٹیوں کے بجائے آپ کو تین لونٹیاں دیں۔“

(ی) ایک روایت میں اس طرح ہے کہ: (آپ مجھ سے پہلے خدیجہ کے پاس پہنچ کر ان کو بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں کتنا بدست فائدہ عطا فرمایا ہے۔“

شان رسالت کا مشاہدہ۔۔۔ (آنحضرت ﷺ نے میسرہ کے اس مشورہ کو قبول فرمایا اور) آپ اپنی لائٹ پر بیولہ ہو کر (مرطبان سے) آگے روندہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ آپ دوپہر کے وقت کے میں داخل ہوئے۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کچھ دوسری عورتوں کے ساتھ اپنے مکان کے بالائی حصے میں ایک کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب آنحضرت ﷺ کے میں داخل ہوئے تو انہوں نے (دور سے آپ کو دیکھا۔ آپ ﷺ لونٹ پر سوار تھے اور دو فرشتے آپ پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے یہ منظر اپنے ساتھ کی دوسری عورتوں کو بھی دیکھا۔ سب بھی یہ منظر دیکھ کر بہت حیران ہوئیں۔

آخر رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے اور انہیں تجارت میں منافع وغیرہ کا مال بتلایا جو اس نفع سے دو گنا تھا جو حضرت خدیجہؓ کو ہمیشہ حاصل ہو کر تھا۔ حضرت خدیجہؓ اس فائدہ سے بہت خوش اور سرور ہوئیں۔ پھر انہوں نے آپ سے پوچھا کہ میسرہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے انہیں جنگل میں پیچھے چھوڑا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا:-

”اس کے پاس فوراً جائیے تاکہ وہ جلد از جلد یہاں پہنچے۔“

آنحضرت ﷺ کو فوراً ہی پھر واپس بھیجے سے حضرت خدیجہؓ کا مقصد یہ دیکھنا تھا کہ کیا آپ ہی وہ شخص ہیں جنہیں (تھوڑی دیر پہلے) انہوں نے (اس زلی شان کے ساتھ) کو کھلا وہ کوئی اور تھا۔ (مقصد اپنے اس شوق اور خوشی کو پورا کرنا تھا جو آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھ کر انہیں ہوئی تھی) غرض آنحضرت ﷺ پھر سوار ہو کر روندہ ہو گئے اور حضرت خدیجہؓ جلدی سے پھر لوہر جا کر دیکھنے لگیں۔ آنحضرت ﷺ انہیں پھر اسی شان کے ساتھ نظر آئے جیسے پہلے نظر آئے تھے۔ اب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ آپ ہی تھے (جنہیں انہوں نے پہلے دیکھا تھا)۔

کچھ عرصہ بعد جب رسول اللہ ﷺ میسرہ کو لے کر تشریف لے آئے اور وہ حضرت خدیجہؓ کے پاس گیا تو انہوں نے میسرہ کو اس عجب منظر کے متعلق بتلایا جو انہوں نے دیکھا تھا۔ میسرہ نے یہ سن کر کہا:-

”میں یہ منظر اس وقت سے دیکھتا رہا ہوں جب سے ہم ملک شام سے واپس ہوئے ہیں۔“

”آپ کی اسی خصوصیت کی طرف علامہ سیوطیؒ نے اپنے قصیدہ میں اس شعر سے اشارہ کیا ہے-

وَمِيسِرَةَ قَدْ عَلَيْنَ الْمَلِكُيْنَ رَاةً
اَهْلًا لَهَا مِيزَتٌ لَانِيَهَا مَسْفُورَةٌ

ترجمہ:- جب آپ ﷺ دوسری مرتبہ ملک شام کے سفر پر تشریف لے گئے تو میسرہ نے دیکھا تھا کہ دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کئے ہوئے تھے۔

پھر میسرہ نے حضرت خدیجہؓ کو سطور اراہب کی بات بتلائی اور اسی طرح اس دوسرے شخص کا قول بھی بتلایا جس نے ایک فرد خلی کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ سے کہا تھا کہ لات اور عزی کے نام پر حلف اٹھاؤ۔ اس کے بعد میسرہ نے لونٹوں کا واقعہ بتلایا (کہ کس طرح وہ ٹھک کر چلنے کے قابل نہیں رہ گئے تھے اور پھر کس طرح آنحضرت ﷺ کے ان پر ہاتھ پھیر دینے کے بعد وہ چاق و چوبند اور چلنے میں چست ہو گئے تھے۔

(یہ سب واقعات سننے کے بعد) حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ کو اجرت سے دو گنی اجرت دی جو انہوں نے آپ کے لئے طے کی تھی۔ (ی اور جو کچھ اجرت انہوں نے آپ کے لئے پہلے طے کی تھی وہ بھی اس

اجرت سے دو گنی تھی جو وہ آپ کی قوم کے دوسرے آدمیوں کو دیا کرتی تھیں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ پہلی سطروں میں میسرہ کا یہ قول گزرا ہے کہ (آپ خدیجہ کو جا کر اس زبردست منافع کا حال بتائیے جو انہیں آپ کے ذریعہ ہوا ہے) ممکن ہے وہ آپ کو دو جوان لوہنیوں کے بجائے تین لوہنیوں دیں۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ کے لئے جو اجرت ملے کی تھی وہ دو جوان لوہنیوں تھیں جبکہ آپ کے علاوہ دوسروں کو وہ ایک لوہنی اجرت میں دیا کرتی تھیں۔

تجاری معاوضہ بعض مورخوں نے لکھا ہے :- کتابِ روضِ باہم میں ذکر ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ کے لئے چار جوان لوہنیوں اجرت میں ملے کی تھیں۔ کتاب جامع صغیر میں یہ ہے جسے انہوں نے قبول کیا ہے کہ۔ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”میں نے دو سرفروں میں خدیجہؓ کو دو جوان لوہنیوں کے معاوضے پر اپنی خدمات پیش کیں (جامع صغیر کی اس روایت میں جوان لوہنی کے لئے قلوں کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جبکہ گذشتہ تمام راہوں میں جوان لوہنی کے لئے بکرة کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس فرق کی وجہ سے مؤلف نے قلوں کے لفظ والی روایت کے دو سرفروں کو علیحدہ دو سرفروں قرار دیا ہے اور بکرة کے لفظ والی روایت کو مستقل سرفرو قرار دیا ہے)۔ کتاب امتناع میں بھی یہی قول نقل کیا گیا ہے اور اس کو قبول کیا گیا ہے (چنانچہ اس میں ہے کہ) ”رسول اللہ ﷺ نے دو سرفروں میں حضرت خدیجہؓ کو دو جوان لوہنیوں کے معاوضے میں اپنی خدمات پیش فرمائیں“۔

(یہاں دو سرفروں کا کیا ہے جن میں سے ملک شام کا یہ سرفرو تھا) اس سے پہلے سفر میں حضرت خدیجہؓ نے آپ کو اپنے غلام میسرہ کے ساتھ حباشہ کی منڈی میں بھیجا تھا۔ یہ حباشہ ملک یمن میں ایک مقام کا نام ہے اور مکے سے اس جگہ تک چھ رات کا سفر ہے (یہاں خرید و فروخت کا سالانہ بازار لگا کر تاتھا لوں) جس میں ہر سال رجب کے مہینے کے شروع میں تین ہون تک خریداری ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ کہ آنحضرت ﷺ اور میسرہ یہاں سے کپڑا خرید کر مکے واپس آئے جس میں کافی فائدہ حاصل ہوا۔ پھر دوسری مرتبہ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو اپنے غلام میسرہ کے ساتھ شام کو بھیجا۔

مگر اس میں ایک اشکال ہے کہ کتاب مستدرک میں ملک شام سے پہلے حباشہ کے علاوہ آنحضرت ﷺ کے ایک اور سفر کا ذکر بھی ہے اور اس طرح ملک شام کو آپ ﷺ کا یہ سفر تیسرا سفر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم کی روایت ہے جس کو علامہ ذہبی نے بھی حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے جرش کی طرف دو سرفروں میں آنحضرت ﷺ کی خدمات حاصل کیں اور دونوں مرتبہ دو جوان لوہنیوں کا معاوضہ ملے کیا۔ یہ جرش یمن میں ایک جگہ کا نام ہے۔

اب اس روایت کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے لئے تین مرتبہ سفر فرمایا جیسا کہ بیان ہوا۔ غالباً یہ جرش کا بازار وہی حباشہ کا بازار ہوگا۔ ورنہ یہ کہنا پڑے گا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے لئے پانچ سفر کئے۔ چار سفر تو یمن کے (جن میں سے دو بکرة تھیں یعنی دو جوان لوہنیوں کے معاوضے میں حباشہ کے اور دو سرفرو صہین یعنی دو جوان لوہنیوں کے عوض جرش کے) اور ایک سفر ملک شام کا۔ (لہذا جرش سے مراد حباشہ ہی ہوگی کہ اس طرح آپ ﷺ کے تین سفر ہوتے ہیں) جہاں تک کتاب روضِ باہم کی اس روایت کا تعلق ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے ملک شام کے سفر کے لئے چار جوان لوہنیوں کے معاوضے میں آپ کی خدمات حاصل کی تھیں۔ تو یہ روایت میسرہ کے قول کی روشنی میں غلط ہو جاتی

ہے۔ (جس میں میسرہ نے آپ سے کہا ہے کہ۔ ”ممکن ہے محمدؐ آپ کو دو جوان لونٹیوں کے بجائے تین لونٹیاں دے دیں۔“)

مگر بعض روایوں میں یہ ہے کہ ابوطالب خود حضرت خدیجہ کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے ”کیا آپ اپنی تجارت کے سلسلے میں محمدؐ کی خدمات حاصل کرنا پسند کریں گی؟ ہم نے سنا ہے کہ آپ نے فلاں شخص سے دو جوان لونٹیوں (بکرتین) کے معاوضے میں معاملہ کیا ہے۔ مگر ہم محمدؐ کے لئے چار لونٹیوں سے کم کے معاوضے پر راضی نہیں ہوں گے۔“

حضرت خدیجہؓ نے جواب دیا:

”اگر آپ کسی بیگانے اور برے آدمی کے لئے کہتے ہیں تو آپ کو کیسے انکار ہو سکتا ہے!“

(پچھلی سطروں میں بیان ہوا ہے کہ حضرت خدیجہ کے لئے آنحضرتؐ کا پہلا سفر میسرہ غلام کے ساتھ حباشہ کی طرف ہوا تھا اور اس کے بعد آپ ان کی طرف سے ملک شام کو گئے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس طرح یہاں کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے ملک شام کے سفر سے پہلے میسرہ کے ساتھ حباشہ کا سفر فرمایا تھا۔ بظاہر یہ بات ابوطالب کے ان جملوں کے انداز کے خلاف ہے جو شروع کی روایت میں بیان ہوئے کہ۔ ”یہ تمہاری قوم کا تجارتی قافلہ ہے جو عنقریب ملک شام کو جانے والا ہے اس لئے اگر تم خدیجہ کے پاس جا کر ان کو اپنی خدمات پیش کرو تو..... اور پھر حضرت خدیجہؓ کا یہ کہنا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ یعنی آنحضرتؐ یہ چاہتے ہیں..... (کیونکہ اگر حضرت خدیجہؓ آنحضرتؐ کو اس سے پہلے ایک دفعہ حباشہ بھیج چکی تھیں تو ابوطالب اور خود حضرت خدیجہؓ اس موقع پر اس انداز میں بات نہ کرتے۔ اس لئے کہ ان جملوں کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا یہ پہلا معاملہ ہوا ہے اس کے باوجود اس اشکال کے ساتھ ہم نے ”بظاہر“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ (ایک امکان پھر بھی یہ رہتا ہے کہ آپ پہلے حباشہ جا چکے ہوں کیونکہ) ممکن ہے ابوطالب اور حضرت خدیجہ کے جو قول بیان کئے گئے ان کے بعد حضرت خدیجہؓ نے پہلے آپ کو حباشہ بھیجا ہوا اس لئے کہ وہ ملک شام کے مقابلے میں قریب بھی تھا اور وقت بھی کم لگتا تھا۔ اور پھر وہاں سے آپ کی واپسی کے بعد آپ کو میسرہ ہی کے ساتھ ملک شام بھیجا ہو۔ یا ممکن ہے حضرت خدیجہؓ نے یہ خیال کیا ہو کہ شاید ابوطالب اور آنحضرتؐ شام کے سفر پر تیار نہ ہوں۔ (کیونکہ پہلی روایت کے مطابق حضرت خدیجہؓ کی خود ابوطالب سے گفتگو نہیں ہوئی تھی بلکہ انہوں نے سنا تھا کہ وہ آنحضرتؐ کو ان کی تجارت کے سلسلے میں بھیجتا چاہتے ہیں) ہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

یہ بات پچھلی سطروں میں گزری ہے کہ کے سے آنحضرتؐ کی روانگی کے وقت ایک بدلی نے آنحضرتؐ پر سایہ کر لیا تھا۔ اب گویا جب فرشتوں نے سایہ نہیں رکھا تھا تو جاتے ہوئے تمام راستے وہ بدلی آپ پر سایہ کئے رہی اور واپسی میں فرشتوں نے سایہ کئے رکھا۔ اب میسرہ کا حضرت خدیجہ سے بدلی کے سایہ کئے رکھنے کے متعلق کچھ ذکر نہ کرنا شاید اس لئے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس پر غور نہ کیا ہو (جبکہ فرشتوں کو سایہ کئے دیکھنا ظاہر ہے ایسی بات نہیں کہ انسان اس کو اہمیت نہ دے) لیکن آگے فقیدہ ہمزہ کا یہ قول آئے گا کہ وہ فرشتے ہی بدلی کی صورت میں تھے۔ (اس میں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ پھر بدلی کو فرشتے کیسے کہا گیا ہے۔ اس کا

جواب یہ ممکن ہے کہ اس وقت تو دیکھنے والے اپنے بدلی کو بدلی ہی سمجھا ہو اور بعد میں آنحضرت ﷺ کے اظہار دینے پر بدلی کے بجائے فرشتے کا لفظ استعمال کیا گیا ہو۔ یہ فرشتے ظاہر ہے کہ جبرئیل کے علاوہ دوسرے ہوں گے لہذا اس میں یہ اشکال ہے کہ جبرئیل کو تو آنحضرت ﷺ کے علاوہ عام لوگوں کا دیکھنا ثابت ہے (کہ حضرت جبرئیل ایک سے زائد مرتبہ آنحضرت ﷺ کے پاس انسان کی شکل میں حاضر ہوئے اور صحابہ نے بھی ان کو دیکھا اگرچہ اس وقت وہ انہیں نہیں پہچان سکے لیکن بعد میں آنحضرت ﷺ نے انہیں خبر دی کہ یہ جبرئیل تھے) مگر جبرئیل کے علاوہ دوسرے فرشتوں کو عام آدمیوں کا دیکھنا اشکال کا سبب ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ صلال غزالیؒ کی کتاب شفق میں ہے کہ صوفیاء اور لولیاہ کرام بیداری کی حالت میں فرشتوں کو دیکھتے ہیں جس سے ان کے نفس میں پائیزی کی اور دلوں میں صفائی حاصل ہوتی ہے دنیا کے تعلقات، عزیز و اقرباء اور دولت و عزت وغیرہ کی طرف سے اگی توجہ ہٹ جاتی ہے اور وہ پوری طرح علمی اور عملی طور پر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(قال علامہ شامی کہتے ہیں کہ جس شخص نے آنحضرت ﷺ سے پھرئی کے بازار میں کسی فروختی کے معاملہ پر جھگڑا کیا تھا اور آپ سے لات و عزی کے نام پر حلف لیا تھا اٹھاس کا نام معلوم نہیں ہو سکتا۔ (اس کے بعد میرہ غلام کے مسلمان ہونے نہ ہونے کے حقائق) علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ مجھے کوئی ایسی صحیح اور واضح روایت نہیں مل سکی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ میرہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے زمانے تک زندہ رہا۔

ورق ابن نوفل کی تصدیق نبوت..... (اس کے بعد پھر اصل واقعے کے متعلق مزید تفصیلات بیان کرتے ہیں یعنی آنحضرت ﷺ کا معاملہ آپ کی برکت اور آپ کی خصوصیات دیکھ کر حضرت خدیجہ آپ سے بہت متاثر ہو چکی تھی) چنانچہ انہوں نے آپ کی وہ نشانیاں جو خود انہوں نے دیکھی تھیں اور جو ان کے غلام میرہ نے بتلائی تھیں وہ اپنے چچا زو بھائی ورق ابن نوفل کو بتلائی جو اس وقت عیسائی تھا جبکہ اس سے پہلے وہ یہودی بھی رہ چکا تھا اور کتلی شریعت پر عمل کرتا تھا اس کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔ غرض حضرت خدیجہ سے آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ باتیں سن کر اس نے کہا۔

”خدیجہ! اگر یہ باتیں سچ ہیں تو سمجھ لو کہ محمد (ﷺ) اس امت کے نبی ہیں۔ میں یہ بات سمجھ چکا ہوں کہ وہ اس امت کے ہونے والے نبی ہیں جن کا دنیا کو انتظار ہے۔ یہی ان کا زمانہ ہے۔“

ایک شریک تجارت..... (ی) نبوت سے پہلے آنحضرت ﷺ اس قسم کے تجارتی معاملے فرماتے رہے تھے۔ چنانچہ حضرت خدیجہ کے ساتھ یہ معاملہ کرنے سے پہلے آپ ایک شخص مساب ابن ابوساب صہلی کی تجارت میں شریک تھے۔ جب فتح مکہ کے وقت یہ مساب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کہا

”میرے بھائی اور میرے شریک کو مر جا، خوش آمدید! جس نے نہ کبھی بد معاہدگی کی اور نہ کبھی جھگڑا کیا۔“

(اس روایت میں صحیح طور پر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ بات آنحضرت ﷺ نے مساب سے فرمائی تھی یا مساب نے آنحضرت ﷺ سے کہی تھی۔ اس کے متعلق کہتے ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ جو لوہر بیان ہوا آنحضرت ﷺ کا ہے جو آپ نے مساب سے فرمایا مگر ہمارے فقہاء یعنی شافعی فقہاء کہتے ہیں کہ مساب

امین یزید (سائب ابن ابوسائب نہیں کہا گیا) کی یہ خبر یعنی روایت تجارت میں شرکت کے جائز ہونے کے سلسلے میں اصل ہے (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کا شرکت میں تجارت کرنا شریعت میں جائز ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے آپ کا تجارتی شریک تھا اور پھر آنحضرت ﷺ کے ظہور کے بعد آپ کا شریک رہنے پر فخر کیا کرتا تھا کہ اہل تہجد کا شریک تھا۔

”آنحضرت ﷺ بہت بہترین شریک تھے جو نہ بد معاملتی کرتے تھے اور نہ جھگڑا کرتے تھے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ آنحضرت ﷺ کا نہیں بلکہ سائب کا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ اور سائب دونوں نے ایک دوسرے کے بارے میں یہی جملہ کہا ہو۔ دونوں صورتوں میں اس طرح موافقت پیدا کر لینے کے بعد اب کچھ علماء کا یہ قول ہے معنی ہو جاتا ہے کہ اس جملے کے کہنے والے کے متعلق روایتوں میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ آنحضرت ﷺ نے سائب کے حلق فرمایا تھا اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ سائب کا ہے جو اس نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں کہا تھا۔ (گذشتہ سطروں میں ایک جگہ سائب ابن ابوسائب کے بجائے سائب ابن یزید کہا گیا ہے اور اس کا یہی جملہ نقل کیا گیا ہے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ) ممکن ہے سائب ابن ابوسائب صلی اللہ علیہ وسلم اور سائب ابن یزید دو الگ کوئی نہ ہوں بلکہ ایک ہی شخص ہو کیونکہ ہو سکتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کا نام ہو لقب ہو اور اس کا نام یزید ہو (کیونکہ ابوسائب جو اس کا لقب ہے وہ تو خود اسی بنی کی نسبت سے تھا جس کے معنی ہیں سائب کا باپ۔ لب کیا پورا نام اس طرح ہو گا سائب ابن ”ابوسائب یزید الصنعنی“)

مگر اس بارے میں کتاب استیعاب میں یہ لکھا ہے کہ:۔ اس سلسلے میں شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا شریک ابوسائب یعنی سائب کا باپ تھا یا خود سائب ابن ابوسائب تھا یا سائب کا بیٹا تھا جس کا نام قیس ابن سائب ابن ابوسائب تھا۔ یہاں سائب کا بھائی مراد نہیں ہے کیونکہ اس کا نام عبد اللہ ابن ابوسائب تھا۔ پھر اس کے بعد کتاب استیعاب میں لکھا ہے کہ اس شبہ کے متعلق کوئی بات ثابت نہیں ہوتی اور نہ کوئی دلیل ہی نظر آتی ہے۔

یہ سائب ان لوگوں میں سے ہے جن کی آنحضرت ﷺ نے خاطر داری فرمائی ہے چنانچہ جبرائیل کے مقام پر آپ ﷺ نے اس کو غزوہ حنین کے مال غنیمت میں سے کچھ عطیہ دیا تھا۔ (چونکہ غزوہ حنین غزوہ بدر سے کئی سال بعد پیش آیا تھا اس لئے) اس روایت سے ان لوگوں کی بات غلط ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سائب غزوہ بدر میں کافر کی حیثیت سے لدا گیا تھا۔

(جھجھکی سطروں میں کتاب استیعاب کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے شریک کی حیثیت سے سائب ابن ابوسائب کے بیٹے قیس کا نام بھی آتا ہے۔ کہہ روایت جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے وہ خود قیس کا یہ قول ہے کہ

”زمانہ جاہلیت میں آنحضرت ﷺ میرے شریک تھے۔ آپ ایک بہترین شریک تھے جو نہ مجھ سے

بد معاملتی کرتے تھے اور نہ جھگڑا کرتے تھے۔“

یہ روایت قابل غور اس لئے ہو گئی کہ اس قول کو آنحضرت ﷺ نے بھی سنا مگر اس کی تردید نہیں

فرمائی۔

(اس کے بعد پھر حضرت خدیجہ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو حباشہ بھیجے جانے کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ کتب اختلاف میں ہے :-
 ”حباشہ کے بارہ میں حکیم ابن حزام نے آنحضرت ﷺ سے تمامہ کا پڑا خرید لیا اور پھر اس کو لے کر آئے۔“

اب گویا حضرت خدیجہ کا آنحضرت ﷺ کو اپنے غلام عیسرہ کے ساتھ حباشہ کی منڈی میں بھیجے کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ وہاں سے ان کے لئے کپڑا خریدیں۔ (یعنی کپڑے کے بدلے میں کپڑا لیں)۔
 کتب سفر اہل بیت میں ہے کہ :-

آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں چیزوں کی فروخت کی بھی کی ہے اور خریداری بھی۔ طبیعت واقعی ہونے یعنی نبوت ملنے کے بعد اور ہجرت سے پہلے آپ نے خرید و فروخت فرمائی ہے۔ فروخت کی کم (کیونکہ اس کے تجارتی سلسلہ میں خرید و فروخت نہیں فرمائی اور ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے صرف تین مرتبہ ہی کچھ فروخت فرمائی ہے ہاں خرید لیا ہے۔ اسی طرح آپ نے اپنی زندگی میں دوسروں سے بھی اجرت پر کام لیا ہے اور خود بھی دوسروں کے لئے اجرت پر کام کیا ہے۔ لیکن دوسروں سے اجرت پر زیادہ کام لیا ہے۔ اسی طرح (مختلف معاملات میں) آپ نے دوسروں کو بھی ہاتھ بٹایا ہے اور دوسروں کے معاملوں میں خود بھی ہاتھ بٹایا ہے۔
 ہیں مگر زیادہ تر آپ خود ہی دوسروں کے دیکھ لیتے ہیں۔

باب شانزدہم (۱۶)

حضرت خدیجہ بنت خویلد سے آنحضرت ﷺ کی شادی

حضرت خدیجہ کا شجرہ نسب یہ ہے۔ خدیجہ بنت خویلد ابن اسد ابن عبد المطلب ابن قصی۔ اس طرح ان کا سلسلہ نسب قصی پر پہنچ کر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ نسب کے لحاظ سے حضرت خدیجہ آنحضرت ﷺ کے لئے قریشی عورتوں میں سب سے قریبی خاتون ہیں اور یہ کہ آنحضرت ﷺ نے قصی کی ولادت میں حضرت خدیجہ نور حضرت ام حبیبہ کے سوا کسی سے شادی نہیں کی۔ یہاں تک ابن حجر کا کلام ہے۔

حضرت نفیسہ بنت ہشیم سے روایت ہے۔ یہ حضرت قصی، علی ابن ہشیم کی بہن ہیں مگر کتب امتداد میں خود ہشیم کے متعلق یہ ہے کہ وہ عورت ہیں اور علی ابن ہشیم کی بہن ہیں۔ فرض ان سے روایت ہے کہ ذات اقدس سے لگاؤ اور پیغام نکاح..... حضرت خدیجہ ایک تندرست، بخیر و شرف و پاکیزہ خاتون تھیں اور اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ عظیم مرتبہ و اعزاز بھی مقدر تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی پہلی شریک حیات اور ان کا گھر اسلام کی اولین پناہ گاہ بننے والی تھی۔ اپنے زمانے میں حضرت خدیجہ نسب کے لحاظ سے قریش میں سب سے زیادہ اعلیٰ و سوا، مرتبہ کے لحاظ سے سب سے اونچی دولت کے لحاظ سے سب سے زیادہ امیر اور حسن و جمال کے لحاظ سے سب سے بلند تھیں (اپنی پاکدامنی اور پاکیزگی کی وجہ سے) قریش میں ان کو ”طاہرہ“ یعنی پاکیزہ کہا جاتا تھا۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ ان کو سیدہ قریش یعنی قریش کی مردانہ کہا جاتا تھا کیونکہ نسب کے معاملے میں ”وسط“ ہونا بہت زیادہ تریف اور فضیلت کی بات سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اپنے قبیلے کا وسط یعنی سردار ہے۔ فرض حضرت خدیجہ نسب کے لحاظ سے بھی سب سے برتر تھیں۔ چنانچہ ان کی قوم کا ہر شخص ان سے نکاح کا طلب گار تھا کہ اگر اس کی حیثیت ہوتی تھی تو وہ ان کی خواست بھاری کرتا تھا اور ان کو اپنے مال و دولت پیش کرنے کی کوشش کرتا تھا مگر حضرت خدیجہ نے کسی کو قبول نہیں کیا۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ ان کی تجارت سے فارغ ہو کر ملک شام سے واپس شریف لے آئے اور آپ کی عظمت اور

خصوصیات حضرت خدیجہ نے دیکھیں تو انہیں آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے بہت زیادہ لگاؤ پیدا ہو گیا) چنانچہ انہوں نے مجھے خفیہ طور پر (یعنی اپنے بڑوں کو اطلاع دیے بغیر) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا (میں آپ ﷺ کے پاس پہنچی اور) میں نے آپ سے عرض کیا۔
 ”اے عمر (ﷺ) آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟“
 آپ ﷺ نے فرمایا۔

”میرے پاس کید کھا ہے کہ جس کے بھروسے پر میں شادی کر سکوں!“
 میں نے کہا

”لیکن اگر آپ کو اس کی ضرورت ہی نہ پڑے بلکہ آپ کو مال و دولت حسن و جمال، عزت اور قدرِ الہی کی طرف جھلایا جائے تو کیا آپ اسے مان لیں گے؟“
 (یعنی اگر ایسی کوئی خاتون جس میں مخالفت و پاکیزگی وغیرہ وغیرہ کی یہ خصوصیات موجود ہیں اور وہ خود ہی اپنے آپ کو آپ کے نکاح میں پیش کرے تو کیا آپ اس کو قبول مان لیں گے)
 آپ نے پوچھا ”وہ کون ہیں؟“
 میں نے کہا ”خدیجہ ہیں؟“
 آپ ﷺ نے فرمایا۔

”مگر تک میری رسائی کیونکر ہوگی۔ (یعنی وہ بہت دولت مند خاتون ہیں جبکہ میں مفلس و ناتواں اور یتیم ہوں) میں نے کہا۔
 اس کاغذہ میں لیتی ہوں۔

نکاح..... اس کے بعد میں خدیجہ کے پاس گئی اور ان سے سارا حال کہہ سنایا (آنحضرت ﷺ کی رضامندی کا اندازہ کر کے) اب حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کے پاس کہلا بھیجا کہ (نکاح کے لئے) فلاں وقت تشریف لے آئیے اس کے بعد انہوں نے اپنے چچا عمرو ابن اسد کے پاس اطلاع کر لی کہ فلاں وقت اگر نکاح کر دیجئے۔ (یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ حضرت خدیجہ کی تیسری شادی تھی جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ اور اس وقت ان کی عمر تقریباً چالیس سال تھی) چنانچہ مقررہ وقت پر عمرو ابن اسد حضرت خدیجہ کے یہاں پہنچ گیا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے چچاؤں کے ساتھ وہاں پہنچے اور آپ کے چچاؤں میں سے کسی نے (ی) یعنی ابو طالب نے آپ کا نکاح پڑھایا۔ انہوں نے اپنے خطبے میں کہا۔

”میرے پیچھے کو خدیجہ بنت خویلد کے ساتھ رہنمائی ہے اور اسی طرح خدیجہ کو بھی ان سے لگاؤ ہے۔“

اس پر عمرو ابن اسد یعنی حضرت خدیجہ کے چچا نے (آنحضرت ﷺ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) کہا۔
 ”یہ شریف شوہر اس کے یعنی خدیجہ جیسی شریف خاتون کے لائق ہے۔“

(یہ سنی عمارہ کے لحاظ سے ہیں۔ عربی میں یہ عمارہ ہے کہ ایک اسمیل لوٹنی شہ سولہ کوئی اپنے لیے سولہ ہونے دیتی ہے۔ اگر اچھا سولہ نہ ہو تو اسمیل لوٹنی اس کو گر لوٹتی ہے اور وہ اپنا ناک نہ توڑ دیتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ یہ شریف انسان اپنی ناک نہ نہیں توڑے گا یعنی یہ بہترین سولہ ہے جو اسمیل لوٹنی پر بیٹھا جاتا ہے)

اگر شوہر اور بیوی دونوں عائلی نسب ہوں تو یہی عمارہ ان کے لئے بھی بولا جاتا ہے کہ یہ شخص اس شریف خاتون کا شوہر بننے کے لائق ہے)

نکاح خواہ..... (جہاں تک ابوطالب کے نکاح پر جانے کا تعلق ہے اس سلسلے میں) بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نکاح حضرت خدیجہ کے چچا عمرو ابن اسد نے پڑھایا تھا اور اسی پر سب کا اتفاق ہے۔ اسی طرح ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہ کا نکاح ان کے بھائی عمرو ابن خویلد نے پڑھایا تھا۔

مختلف تفصیلات..... مگر علامہ ذہری کہتے ہیں کہ نکاح پڑھانے والا حضرت خدیجہ کا باپ خویلد ابن اسد تھا۔ یہ اس وقت نشے میں تھا۔ حضرت خدیجہ نے (ایسے موقع پر عرب کے دستور کے مطابق) اس پر ایک حلقہ یعنی دوہر ڈال دی جو عمر ان وغیرہ کی خوشبو سے بسائی گئی تھی۔ (یہ عرب کا دستور تھا کہ اس موقع پر لڑکی کے باپ کے اوپر خوشبو سے بھیا ہوا حلقہ ڈال دیا جاتا تھا جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس نے اپنی بیٹی کی شادی کر دی) چنانچہ اس وقت جبکہ وہ نشے میں تھا حضرت خدیجہ نے اس پر خوشبو میں بھیا ہوا حلقہ ڈال دیا۔ جب اس کا نشہ ٹوٹا اور وہ ہوش میں آیا تو اس نے پوچھا کہ مجھ پر یہ حلقہ اور خوشبو کیسی ہے اس کو بتلایا گیا کہ تم نے اپنی بیٹی خدیجہ کو محمد (ﷺ) کے ساتھ بیاہ دیا ہے اور انہوں نے خدیجہ کے ساتھ خلوت بھی کر لی ہے اس نے پہلے تو اس نکاح کو ماننے سے انکار کر دیا مگر پھر راضی ہو گیا اور درگزر کر دیا۔ (کیونکہ وہ اپنی دولت مند بیٹی کو کسی غریب آدمی سے بیاہنے پر راضی نہیں تھا۔) حضرت خدیجہ نے پہلے ہی اس کا اندازہ کر لیا تھا کہ وہ آنحضرت (ﷺ) کے ساتھ ان کی شادی نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت خدیجہ نے شراب اور کھانے کا سامان تیار کر لیا اور اپنے باپ اور قریش کے دوسرے لوگوں کو دعوت دی۔ ان لوگوں نے آکر کھانا کھلایا اور شراب پی لی جب حضرت خدیجہ کے باپ کو نشہ ہو گیا تو انہوں نے اس سے کہا:

”محمد ابن عبد اللہ نے مجھ سے اپنا منہ دیا ہے۔ اس لئے ان سے میری شادی کر دیجئے۔“

چنانچہ خویلد نے بیٹی کی شادی کر دی جس کے بعد حضرت خدیجہ نے اس پر حلقہ ڈال دیا اور اس کے خوشبو لگادی۔ کیونکہ یہ عربوں کا دستور تھا کہ جب باپ اپنی بیٹی کی شادی کرتا تھا تو اس کو حلقہ پڑھایا جاتا تھا (جو اس کا اعلان ہوتا تھا کہ اس نے اپنی بیٹی کی شادی کر دی ہے) چنانچہ اب، جبکہ اس کو ہوش آیا تو اس نے پوچھا کہ سب کیا ہے حضرت خدیجہ نے کہا یہ اس لئے ہے کہ آپ نے محمد ابن عبد اللہ سے میری شادی کر دی!

خویلد نے (بگڑ کر) کہا

”میں تمہیں ابوطالب کے خیم سے بیاہوں گا خدا کی قسم ہرگز نہیں.....!“

حضرت خدیجہ نے کہا

”کیا آپ کو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ کیا آپ قریش کے سامنے اپنا مذاق بولا چاہتے ہیں اکیلا

پاں کو یہ جھٹکا چاہتے ہیں کہ آپ نے نشہ میں ایسا کیا ہے۔!“

آخر کچھ دیر تو قدح کے بعد خویلد راضی ہو گیا۔

اس روایت میں حضرت خدیجہ کے حلقے سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب پینا قریش میں بھی کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ (اگرچہ تقریباً سب ہی لوگ پیتے تھے) چنانچہ یہی بات اس روایت سے بھی ظاہر ہوتی ہے جس میں کہ ان میں لوگوں کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جنہوں نے جہالت کے دور میں بھی اپنے اوپر شراب

حرام کر لی تھی ان میں سے کچھ کے حعلق بیان گزر چکا اور کچھ لوگوں کے حعلق آگے بیان آئے گا۔

(آنحضرت ﷺ سے حضرت خدیجہ کے رشتے کے سلسلے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہ نے خود اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ پر پیش کرتے ہوئے کہا۔

اے ابن عم! (یعنی چچا کے بیٹے!) میرے دل میں تم سے عزیز داری کے حعلق، تمہاری لذت داری، تمہاری خوش اخلاقی اور سچائی کی وجہ سے تمہارے لئے رغبت اور دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ (یعنی میں تم سے نکاح کی خواہشمند ہوں)

آنحضرت ﷺ نے اپنے چچاؤں سے اس بات کا ذکر کیا (چنانچہ یہ رشتہ پسند آجائے کی وجہ سے) آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ ابن عبد المطلب حضرت خدیجہ کے باپ خویلد ابن اسد کے پاس گئے اور خویلد کے ساتھ حضرت خدیجہ کے لئے آنحضرت ﷺ کا رشتہ پیش کیا، اس نے (اس رشتے کو پسند کر کے) حضرت خدیجہ کو آنحضرت ﷺ سے بیادید۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- کتاب نور میں لکھا ہے کہ (حضرت خدیجہ کے نکاح کے وقت جیسا کہ مختلف روایتوں میں ان کے باپ یا چچا بھائی کا نام آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس رشتے اور نکاح کے وقت یہ تینوں موجود تھے چنانچہ روایتوں میں ان میں سے ہر ایک کے حعلق یہ کہہ دیا گیا کہ نکاح ان تینوں میں سے اظلال نے پڑھ لیا تھا۔ یہاں تک کتاب نور کا حوالہ ہے۔

لیکن یہاں تک اس روایت کا حعلق ہے کہ نکاح پڑھانے والا حضرت خدیجہ کا باپ خویلد تھا یہ کہ وہ ان کی شادی میں موجود تھا اس بارے میں کافی اشکال ہے کیونکہ علماء عام طور پر یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کا باپ خویلد ابن اسد جنگ فہ سے پہلے مر چکا تھا۔ جنگ فہ کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(حضرت خدیجہ کے باپ کے سلسلے میں) بعض علماء لکھتے ہیں کہ جب ملک یمن کے دلی تاج نے ایک دفعہ یہ چاہا کہ حجر اسود کو حرم سے اٹھا کر یمن لے جائے تو یہ خویلد ہی اس کے آڑے کیا تھا۔ اس کے ساتھ قریش کے اور بھی بہت سے آدمی مقابلے میں آگئے تھے پھر خود تاج نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ گھبرا گیا اور اس نے حجر اسود کو اس کی جگہ پر رہنے دیا۔

(حضرت خدیجہ کے نکاح کے سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت حمزہ نے پڑھ لیا تھا مگر یہ قول تھا علامہ ابن ہشام کا ہے جسے انہوں نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیس جوان لونٹ حضرت خدیجہ کو گھر میں دیئے۔

(حضرت خدیجہ کے آنحضرت ﷺ سے نکاح کے سلسلے میں تفصیل نقل کرتے ہوئے) علامہ محبت طبری نے لکھا ہے کہ:-

”جب آنحضرت ﷺ نے (حضرت خدیجہ کی منگوا اپنے چچاؤ سے ذکر کی تو وہ سب آپ کو لے کر حضرت خدیجہ کے باپ خویلد کے پاس گئے ان میں حضرت حمزہ ابن عبد المطلب بھی تھے یہاں ان لوگوں نے اس کے ساتھ حضرت خدیجہ سے آنحضرت ﷺ کا رشتہ پیش کیا جسے اس نے منظور کر لیا۔ اس نکاح میں ابو طالب اور خاندانِ محترم کے مرد و شریک تھے۔ ابو طالب نے خلیفہ پڑھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ واللہ اعلم۔“

قال۔ (ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے شادی کے سلسلے میں

حضرت خدیجہ نے خود ہی بات کی تھی (چنانچہ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ :-

حضرت خدیجہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا :-

”اے محمد! کیا آپ شادی نہیں کرنا چاہتے؟“

آپ ﷺ نے پوچھا ”وہ کون عورت ہے؟“

انہوں نے کہا ”میں تیرا ہوں!“ آپ نے فرمایا

”میرا تمہارا کیا جوڑ ہو گا۔ تم قریش کی ایک بائدہ عورت ہو جبکہ میں قریش کا ایک جیم یعنی باور فاض

ہوں!“

حضرت خدیجہ نے کہا کہ آپ بدشتہ دیجئے اللہ ریث

(اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اپنے آپ کو جیم فرمایا ہے۔ لیکن یہاں اس کا مطلب باور اور

غریب ہے کیونکہ عربی کا قاعدہ یہ ہے کہ ایسے آدمی کو جس کا باپ فوت ہو چکا ہو اس وقت تک جیم یعنی بے سدا

کہا جاتا ہے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔ بالغ ہونے کے بعد اس کو جیم نہیں کہا جاتا (کیونکہ وہ بھر بے سدا

نہیں رہتا بلکہ خود اپنا نامہ دار ہو جاتا ہے) لہذا یہاں آنحضرت ﷺ کا اپنے کو جیم فرمانا اس معنی کے لحاظ سے ہے

کہ آپ باور تھے۔

ایک روایت ہے کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ راستے میں حضرت خدیجہ کی بہن کے پاس سے

گزرے اس نے مجھے آواز دی۔ میں اس کی طرف گیا اور رسول اللہ ﷺ میرے انتظار میں وہیں ٹھہر گئے۔ میں

اس کے پاس پہنچا تو وہ بولی :-

”کیا تمہارے یہ ساتھی خدیجہ سے شادی کی خواہش نہیں رکھتے؟“

میں نے آنحضرت ﷺ سے جا کر یہ بات بتلائی تو آپ نے فرمایا ”ہاں ضرور“

پھر میں نے آپ کا یہ جواب اس کو آکر بتلایا تو اس نے کہا

”تو پھر کل صبح سویرے ہمارے یہاں آجانا۔“

”چنانچہ اگلے دن ہم صبح ہی ان کے یہاں گئے تو ہم نے دیکھا کہ انہوں نے گائے ذبح کر رکھی تھی اور

حضرت خدیجہ کو حلقہ پسند کھا تھا۔“

یہ روایت البدایہ والنہایہ میں علامہ بیہقی نے عبد اللہ ابن اسحاق کی نقل کی ہے اور یہ واقعہ حضرت عمر

ابن یاسرؓ کا ہے۔ پوروا واقعہ اس طرح ہے :

لوگ حضرت خدیجہ سے آنحضرت ﷺ کی شادی کے معاملے میں بحثیں اور چہ میگوئیاں کر رہے

تھے۔ جب عمر ابن یاسر یہ باتیں سنتے تو لوگوں سے کہتے :

”خدیجہ کے ساتھ محمد (ﷺ) کی شادی کے متعلق مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے۔ میں ان کا بچپن کا

ساتھی اور دوست ہوں۔ (اصل واقعہ یہ ہے کہ) میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جاہلی تھا جب ہم جزورہ پر

ہمیں تو ہم نے حضرت خدیجہ کی بہن کو دیکھا جو ایک جڑے پر بیٹھی ہوئی تھی جسے وہ بچہ ہی تھیں انہوں نے مجھے

دیکھ کر آواز دی۔ میں ان کی طرف چلا گیا اور رسول اللہ ﷺ میرے انتظار میں وہیں ٹھہر گئے۔ میں ان کے پاس

پہنچا تو وہ مجھ سے کہنے لگیں :-

”کیا تمہارے یہ ساتھی خدیجہ کے ساتھ شادی کرنا پسند کریں گے؟“
 عمار کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور آپ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا۔
 ”آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ہاں ضرور!“
 میں نے حضرت خدیجہ کی بمن کے پاس آکر ان کو یہ بات بتلائی تو وہ بولیں
 ”کل صبح کو ہمارے یہاں آجانا۔“

چنانچہ ہم اگلے دن ان کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ انہوں نے گائے ذبح کی ہوئی تھی اور حضرت خدیجہ
 کے باپ کو طہ پھار کھا تھا اور ان کی دڑھی کو رنگ رکھا تھا (جیسا کہ عرب میں یہ دستور تھا) میں نے حضرت
 خدیجہ کے بھائی سے بات کی اور پھر انہوں نے اپنے باپ یعنی حضرت خدیجہ کے باپ سے گفتگو کی۔ اس وقت
 حضرت خدیجہ کے باپ نے شراب پی رکھی تھی (کورنشے میں تھا) حضرت خدیجہ کے بھائی نے اس کو آنحضرت
 ﷺ اور آپ کے خاندانی مرتبے کے متعلق بتلایا۔ پھر میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ حضرت خدیجہ کو
 آنحضرت ﷺ سے پیادہ لے چنانچہ اس نے یہ شادی کر دی۔ پھر ان لوگوں نے گائے کے گوشت سے کھانا تیار
 کیا اور ہم سب نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ کا باپ سو گیا، پھر جب وہ جاگا تو چلائے لگا۔
 یہ طہ کیا ہے..... اور یہ رنگ اور کھانا کس لئے ہے.....؟

اس پر اس کی اسی بیٹی نے جس نے عمار سے بات کی تھی، اپنے باپ کو بتلایا۔
 ”یہ طہ آپ کو محمد ابن عبد اللہ (ﷺ) نے پہنایا ہے جو آپ کے دلو ہو گئے ہیں۔ انہوں نے آپ کو
 ایک گائے ہدیہ کی تھی جسے ہم نے اس وقت ذبح کر لیا جب آپ نے ان کی خدیجہ کے ساتھ شادی کر دی۔“
 اس نے اس بات سے انکار کیا کہ میں نے خدیجہ کی شادی کی ہے۔ اور چلاتا ہوں وہاں سے نکلا ہوں تک
 کہ حجر اسود کے مقام پر (یعنی حرم میں پہنچ گیا۔ اسی وقت نبی باقم یعنی آنحضرت ﷺ کے خاندان والے رسول
 اللہ ﷺ کو لئے ہوئے نکل آئے اور انہوں نے خدیجہ کو خدیجہ کے باپ سے آکر بات پوچھی وہ بکنے لگا۔
 ”تمہارا وہ ساتھی کہاں ہے جس کے متعلق تمہارا خیال ہے کہ میں نے اس سے خدیجہ کی شادی کر

دی؟“

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے آگئے۔ جوں ہی خدیجہ نے آپ کو دیکھا فوراً اس نے کہا
 ”اگر میں نے ان سے بیٹی کی شادی کی ہے تو یہ ان کے لئے بہترین آدمی ہیں۔ اور اگر میں نے اب
 تک جنس کی تو میں اب ان سے اس کی شادی کرتا ہوں۔“ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۹۵ و ۲۹۶)
 کتاب امتناع میں ہے اس شادی کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ اور حضرت خدیجہ کے درمیان قاصد کا
 کام غصہ بنت جحشہ کو رہی تھیں مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہ کا غلام قاصد تھا اور ایک قول یہ ہے کہ
 ان کی باندی تھی۔ مگر اس اختلاف کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے ان میں سے سب ہی نے یہ فرض انجام
 دیا ہو۔

کلیں شرافت میں یہ ہے کہ حضرت خدیجہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا تھا
 ”آپ اپنے بچا کے پاس جانیے اور ان سے کہئے کہ کل ہمارے پاس سویرے آجائیں۔“
 اگلے دن جب ابوطالب آنحضرت ﷺ کو لے کر ان کے یہاں پہنچے تو حضرت خدیجہ نے کہا

”اے ابوطالب! میرے چچا کے پاس اندر چلے جائیے اور ان سے بات کیجئے کہ آپ کے بھتیجے محمد ابن عبد اللہ سے میرا نکاح کر دیں۔“

(ابوطالب اپنی غربت اور حضرت خدیجہ کی مالدار کی کو جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ بڑے بڑے سردار اور دولت مند ان سے شادی کے خواہشمند ہیں لیکن وہ تیار نہیں ہوتی اس لئے ان کو حضرت خدیجہ کے اس بات پر یقین نہیں آیا اور انہوں نے ان سے کہہ کر خدیجہ! میرے ساتھ مذاق مت کرو!“

حضرت خدیجہ نے کہا ”یہی اللہ تعالیٰ کو منظور ہے۔“

تب ابوطالب وہاں سے اٹھے اور اپنی قوم کے دس معزز آدمیوں کے ساتھ حضرت خدیجہ کے چچا کے پاس گئے۔

(ی) ایک روایت کے الفاظ کے مطابق۔ ابوطالب وہاں بنی ہاشم اور بنی معمر کے سرداروں کے ساتھ پہنچے۔ اس سے کوئی اختلاف بھی پیدا نہیں ہوا کیونکہ ممکن ہے بنی ہاشم سے مراد بھی دس آدمی ہوں اور بنی معمر کے سرداروں سے بھی یہی لوگ مراد ہوں۔

خطبہ نکاح اور مہر..... علامہ ابوالحسن بن فارس وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس روز ابوطالب نے نکاح کا کلمہ خطبہ پر پڑھا تھا۔

سبیل سکینہ حیدرہ باطنی آباد

”تمام تر بغیر اس خدائے بزرگ و برتر کے لئے ہی سزاوار ہیں جس نے ہمیں ایمان عظیم کی لولہ، اسماعیل کی کھیتی و معد کا خزانہ اور معمر کی لولہ کا عنصر یعنی اصل بنیاد اور جس نے ہمیں اپنے مقدس گھر کا خادم اور پاس بان بنایا، اور جس نے اپنے اس گھر کو ہمارے لئے جگہ کا مرکز بنایا، اہل بیت کا حرم بنایا اور اس میں لوگوں کا عالم بنایا، یعنی حرم کے حکماء کی حیثیت سے قریش کو دوسرے تمام قبیلوں پر بلندی اور فضیلت دی۔ مگر یہ کہ میرے یہ بھتیجے محمد ابن عبد اللہ (ﷺ) ایسے ہیں کہ شرف و عزت، فضیلت و مرتبہ اور عقل و ولایت کے لحاظ سے دوسرے ہر شخص ان سے کمتر ہے، اگرچہ مال و دولت ان کے پاس نہیں ہے لیکن حقیقت میں مال و دولت ایک چلتی پھرتی جھاڑ ہے، ایک ایسی چیز ہے جو انسان کی خوبوں میں رکاوٹ بنتی ہے اور آگنی جلتی چیز ہے۔ ان کا مقام یہ ہے کہ بہت جلد آنے والے زمانے میں ایک عظیم خوش خبری اور زبردست خوش بختی ان کی راہ کو یکور رہی ہے۔ انہوں نے رضاع و رغبت اور خوشی کے ساتھ آپ کی پاکیزہ خاتون خدیجہ سے اپنا دشتہ دیا ہے اور ان کے محل اور مؤجل (یعنی اس وقت اور آئندہ ہمہر میں بارہ لوقہ اور ایک نش خرچ کر رہے ہیں۔“

ایک نش میں درہم کا ہوتا ہے اور ایک لوقہ چالیس درہم کا (یعنی ایک نش آٹھ لوقہ کو کہتے ہیں اور کل مہر ساڑھے چار لوقہ ہوا لوقہ اور نش دونوں سونے کے ہوا کرتے تھے جیسا کہ علامہ محبت طبری نے بیان کیا ہے۔ (ی) اس طرح کل مہر پانچ درہم شرعی کا ہوا۔

ایک روایت جیسا کہ بیان ہوئی یہ ہے کہ آپ نے بیس جوان لونشیاں مہر میں دیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ سن دونوں روایتوں میں کوئی فرق نہیں ہوا کیونکہ ممکن ہے یہ بیس جوان

لونشیاں آپ نے ان پانچ سو درہم کے بدلے میں مہر میں لیا کر دی ہوں۔

بعض علماء مہر کے حقائق ان روایتوں کا فرق اس طرح دور کرتے ہیں کہ ممکن ہے مہر کی دور رقم تو

آپ کی طرف سے خود ابو طالب نے ادا کر دی جو جس کا انہوں نے لپٹے خطبے میں ذکر کیا تھا اور پھر اس پر آنحضرت ﷺ نے یہ اضافہ فرمایا ہو کہ میں جو ان لوٹیاں دیں۔ اس طرح کو یاد دہانوں ہی چیزیں مہر میں دی گئیں واللہ اعلم۔

(حلی) جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ حضرت علیؑ نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس مہر کی ضمانت لی تھی تو یہ سراسر غلط ہے اس لئے کہ حضرت علیؑ کی جو عمر ہوئی ہے اس کے مطابق تمام روایتوں کے لحاظ سے اس وقت تک وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

بعض علماء نے اس سلسلے میں یہ بھی کہا ہے کہ حضرت علیؑ کا اس مہر کی ضمانت لینا اس لئے غلط ہے کہ اس وقت وہ مت چھوٹے تھے اور ان کی عمر سات سال کی بھی نہیں ہوئی تھی۔ مگر علامہ شامی کے قول کے بعد یہ بات بھی غلط ہو جاتی ہے (کیونکہ حقیقت میں اس وقت تک وہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے) کیونکہ جب حضرت علیؑ پیدا ہوئے تو اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر تیس سال تھی۔ حضرت علیؑ کبے میں پیدا ہوئے تھے۔ نو مہر جس وقت آنحضرت ﷺ کی حضرت خدیجہؓ سے نکاح ہوئی تو اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال یا اس سے دو مہینے دس دن زیادہ تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ ایک قول آگے یہ بھی آئے گا کہ اس وقت آپ کی عمر پچیس سال دو مہینے چار دن تھی۔

ایک قول یہ ہے کہ کبے میں جو بچہ پیدا ہوا تھا وہ (حضرت علیؑ نہیں تھے بلکہ) حکیم ابن حزام تھے۔ چنانچہ بعض علماء کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں ہی کبے میں پیدا ہوئے ہوں۔ لیکن کتاب نور میں لکھا ہے کہ حکیم ابن حزام کبے کے اندر پیدا ہوئے تھے اور یہ بات کسی اور کے متعلق سننے میں نہیں آئی۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ حضرت علیؑ کبے کے اندر پیدا ہوئے تھے تو یہ قول علماء کے نزدیک کمزور اور ضعیف ہے۔

(غرض اس تفصیل کے بعد پھر حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے نکاح کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کے چچا مروان اس کا ایک جملہ نقل کیا گیا ہے کہ اس نے ابو طالب سے آنحضرت ﷺ کے متعلق کہا کہ یہ شریف انسان اس شریف خاتون کا شوہر بننے کے لائق ہے۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ جب ابو طالب نے وہ خطبہ پڑھا کہ ختم کیا جو لوہر ذکر کیا گیا تو فوراً حضرت خدیجہؓ کے چچا مروان اسد نے یہ جملہ کہا اور حضرت خدیجہؓ کا نکاح کر دیا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ جملہ حضرت خدیجہؓ کے چچا ابو بھائی ورقہ ابن نوفل نے کہا تھا۔ (ی) کیونکہ جب وہ خطبہ جو یہاں بیان ہوا ابو طالب پڑھا چکے تو ورقہ ابن نوفل نے خطبہ پڑھا اور کہا۔

”ہم قریش اللہ تعالیٰ کو حق امن تو اور ہیں جس نے ہمیں ایسا بیٹا جیسا کہ آپ نے بیان کیا اور ہمیں وہ فضیلتیں دیں جو آپ نے گناہیں چھانچیں ہم عرب کے سردار اور رہنما ہیں اور آپ ان سب فضیلتوں کے لائق اور لائق ہیں۔ عرب بندہ آپ کی بڑائی سے انکار کر سکتے ہیں اور نہ آپ کی عزت و عظمت سے انکار کر سکتے ہیں۔ ہم بھی آپ کے شرف اور مرتبہ سے ملنا تو قائم کرنا پسند کرتے ہیں۔“

”جیسا کہ گروہ قریش! مجھ پر گواہ ہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد ابن عبد اللہ سے بیوا دیا۔“ اس کے بعد ورقہ نے مہر ملائے (چونکہ ورقہ ابن نوفل حضرت خدیجہؓ کے بزرگ باپلی نہیں تھے بلکہ ان کے چچا ابو بھائی ورقہ تھے) میں برابر کے بھائی تھے اس لئے صرف ان کے نکاح کر دینے پر ابو طالب مطمئن نہیں

ہوئے بلکہ ان کی خواہش ہوئی کہ حضرت خدیجہ کے بزرگوں میں سے کوئی نکاح پر دعائے یا نکاح کا اعلان کر دے چنانچہ ابو طالب نے درقہ سے کہا:

”میں چاہتا ہوں کہ اس اعلان نکاح میں آپ کے ساتھ خدیجہ کے چچا بھی شریک ہوں۔“

یہ سن کر ان کے چچا یعنی عروا بن اسد نے کہا۔

”اے گروہ قریش! مجھ پر گوارہ ہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح محمد ابن عبد اللہ سے کر دیا۔“

(اور اس طرح آنحضرت ﷺ کے سب سے پہلے نکاح کی یہ مختصر تقریب پوری ہوئی)

ولیمہ..... آنحضرت ﷺ نے ولیمہ کی دعوت فرمائی۔ آپ نے ایک لونٹ اور ایک قول کے مطابق دو لونٹ ذبح فرمائے اور لوگوں کو دعوت دلیہ کھلائی۔

حضرت خدیجہ نے اپنی باندیوں کو حکم دیا کہ وہ کھیل کود کر لور دف بجا کر خوشی منائیں۔ اس روز

ابو طالب بھی بے انتہاء خوش اور سرور تھے۔ انہوں نے کہا

”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مصیبتوں اور غموں کو ہم سے دور کر دیا۔“

یہ پہلا ولیمہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے کیا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- (پچھلی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت خدیجہ کی بہن نے

آنحضرت ﷺ کے ساتھ سے کہا تھا کہ کل دن میں ان کے ساتھ ہمارے گھر آئے، چنانچہ جب یہ وہاں پہنچے تو

دیکھا کہ انہوں نے گائے ذبح کی ہوئی تھی اور حضرت خدیجہ کو حلقہ پہنایا ہوا تھا۔ لیکن یہاں کہا گیا ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہ کے لئے ولیمہ میں ایک یا دو لونٹ ذبح کئے۔ اس بارے میں کہتے ہیں کہ) شاید

گائے تو نکاح کے وقت ذبح کی گئی اور لونٹ خلوت کے ارلوے کے وقت کاٹا گیا۔

(ایسے ہی پچھلی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت خدیجہ کا باپ اس نکاح کے وقت نشے میں تھا اور

حضرت خدیجہ نے اسی حالت میں نکاح کے وقت اس کو خوشبو میں نہی ہوئی چادر اڑھادی تھی۔ پھر جب اس کا نشہ

اُتر اٹھا تو اس نے اس طے کے معلق پوچھا تو اس کو بتلایا گیا کہ تم نے خدیجہ کو محمد ﷺ سے بیاہ دیا ہے اور انہوں نے

خلوت بھی کر لی ہے۔ جبکہ وہاں ولیمہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے معلق کہتے ہیں کہ گوہر روایت درست

نہیں ہے اس لئے اس کی وجہ سے کوئی اشکال پیدا نہیں ہو سکتا۔ (کیونکہ آگے کی سطروں میں بتلایا گیا ہے کہ

حضرت خدیجہ کا باپ اس شادی کے وقت زندہ ہی نہیں تھا کیونکہ وہ حرب فجار میں مہاجر تھا)

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا نکاح کرنے والوں میں بھی ایک روایت میں ابو طالب کا ذکر آتا ہے اور

ایک میں حضرت حمزہ کا۔ اس سلسلے میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت حمزہ بھی ابو طالب کے ساتھ نکاح کے

وقت موجود رہے ہوں اس لئے نکاح کرنے والوں میں دونوں کا نام آگیا۔ اللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت خدیجہ کے نکاح کا سبب..... (حضرت خدیجہ ایک بہت مالدار

عورت تھیں اور بڑے بڑے دولت مند لوگ ان سے شادی کے خواہش مند تھے مگر انہوں نے انکار کر دیا

تھا) لیکن اب انہوں نے خود ہی آنحضرت ﷺ کے لئے اپنے آپ کو نکاح کے واسطے پیش کر دیا (حالانکہ

آنحضرت ﷺ کے پاس مال و دولت بالکل نہیں تھا) اس کا سبب ایک تو یہی تقدیری معاملہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا

مرتبہ بلند کرنا تھا لیکن اس کے علاوہ ابن اسحاق نے اس کا ایک سبب اور بھی ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں :-

قریشی عورتوں کی ایک تقریب ہوا کرتی تھی جس میں وہ مسجد حرام میں جمع ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ وہ اسی طرح مسجد حرام میں جمع تھیں کہ ان کے پاس ایک یہودی آیا اور کہنے لگا۔

”اے قریشی خواتین! تمہارے درمیان ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے، جس کے ظہور کا زمانہ اب قریب آچکا ہے اس لئے تم میں جس کے لئے بھی ممکن ہو سکے وہ ضرور اس کی پیروی بن جائے۔“

عورتوں کو اس کی اس بات پر بہت غصہ آیا اور وہ اس کو برا بھلا کہتی ہوئیں اس پر پتھر مارنے لگیں۔ مگر حضرت خدیجہؓ اس کی یہ بات سن کر سوچ میں پڑ گئیں اور یہ بات ان کے دل میں بیٹھ گئی۔

چنانچہ اس کے بعد (جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کو شام کے سبز پر بھیجا اور) میسرہ نے ان کو آپ ﷺ کی وہ نشانیاں بتائیں جو اس نے دیکھی تھیں اور خود حضرت خدیجہؓ نے بھی آپ ﷺ کی حیرت انگیز نشانیاں دیکھیں (کہ آپ ﷺ پر فرشتے سایہ کئے ہوئے تھے تو ان کو یہودی کی یہ بات یاد آگئی) اور انہیں اپنے بچاؤ بھائی اور قہرمان نوح کی بات بھی یاد آئی جو انہوں نے حضرت خدیجہؓ سے آنحضرت ﷺ کی نشانیاں سن کر کہی تھی۔ انہوں نے اس وقت اپنے دل میں سوچا اس یہودی نے جو کچھ کہا تھا اگر وہ صحیح ہے تو وہ نبی اس شخص (یعنی محمد ﷺ) کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا ہے۔

حضرت خدیجہؓ کی آنحضرت ﷺ سے درخواست..... اسی سلسلے میں علامہ طاہری نے حضرت انسؓ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ :-

آنحضرت ﷺ نے ابوطالب سے حضرت خدیجہؓ سے ملنے کے لئے جانے کی اجازت مانگی۔ (ی) یہ بات حضرت خدیجہؓ سے آنحضرت ﷺ کی شادی سے پہلے کی ہے اور غالباً اس وقت کی ہے جبکہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ ﷺ ان کے گھر آکر ملیں جیسا کہ کچھ سطوروں میں ایک روایت گزری ہے۔ غرض ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کو جانے کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی آپ کے پیچھے اپنی ایک باندی کو بھی بھیجا جس کا نام بعد تھا۔ ابوطالب نے اس سے کہا کہ یہ دیکھو کہ خدیجہ ان سے کیا کہتی ہیں۔ چنانچہ وہ باندی آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے خود بھی گئی۔ جب آنحضرت ﷺ خدیجہ کے پاس پہنچے تو حضرت خدیجہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھا اور پھر آپ سے بولی۔

آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! میں یہ جو کچھ کر رہی ہوں وہ صرف اس لئے کر رہی ہوں کہ میری آرزو ہے جو نبی ظاہر ہونے والا ہے وہ آپ ہی ہوں۔ پس اگر وہ نبی آپ ہی ہوں تو میرا حق اور میرے تعلق کو یاد رکھے گا اور اس پروردگار سے میرے لئے دعا کیجئے گا جو جلد ہی آپ کو ظاہر فرمانے والا ہے۔“

آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔

”خدا کی قسم اگر وہ نبی میں ہی ہوں تو تم نے جو کچھ میرے ساتھ بھلائی کی ہے میں اس کو کبھی فراموش اور ضائع نہیں کروں گا، اور اگر وہ نبی میرے علاوہ کوئی اور ہوا تو وہ پروردگار بھی جس کی وجہ سے تم نے یہ سب کچھ کیا ہے تمہیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔“

یہ گفتگو سن کر بعد باندی وہاں سے واپس آگئی اور اس نے ابوطالب سے یہ سب واقعہ کہہ سنایا۔

حضرت خدیجہؓ سے آنحضرت ﷺ کی شادی ملک شام سے واپس آنے کے دو مہینے پھر وہ دن بعد ہوئی۔ صبح قول کے مطابق اس وقت آپ کی عمر مہلک پچیس سال تھی جیسا کہ بیان ہوا۔ بعض حضرات نے

بچیس سال پر دو مہینے دس دن کا اضافہ بھی کیا ہے۔
حضرت خدیجہؓ اور آنحضرت ﷺ کے متعلق جو روایت بیان ہوئی اس کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

وَرَدَاتِهِ عَلَيَّ وَ النَّصِي وَالْزَّ
هَذَ فِدَ مِجَّةً وَالْحَيَاءَ

وَأَنَا هَا أَنَّ الْعَمَامَةَ وَالسَّرَّ
عَاطَلَهُ مِنْهُمَا الْيَاءَ

وَأَحَابِيثُ أَنَّ وَعِدَ رَسُولَ اللَّهِ
بِالْبَيْتِ حَانَ جِنَّةُ الْوَلَاءِ
لَدُنَّ إِلَى الزَّوْجِ وَمَا أَحْسَنَ
مَدْلَغُ النَّصِيِّ إِلَّا ذِكْرَاءُ

مطلب..... حضرت خدیجہؓ نے جو بڑی عزت اور پاکیزہ مرتبے اور لوہے کے نسب والی اور زبردست مال و دولت دلی تھیں، آپ کو دیکھ کر آپ کے متعلق سنا کہ زہد و تقویٰ اور حیاء و شرم آنحضرت ﷺ کے حوالہ سے طبیعت میں داخل ہے۔ پھر ان کو معلوم ہوا کہ ایک بدلی آپ پر سایہ کے رہتی تھی اور یہ کہ درخت بھی آپ کی طرف اپنا سایہ جھکا کر آپ کو اپنی چھاؤں میں لے لیتے تھے۔ یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ فرشتے ہی بدلی کی شکل میں ہوتے تھے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر بدلی کا سایہ کرنا نبوت سے پہلے تک ہی رہا جو آپ کی نبوت کی بنیاد تھی اور پھر نبوت کے بعد یہ سلسلے ختم ہو گیا۔ (اس کے بعد تیسرے شعر سے مطلب بیان کرتے ہیں کہ) بعض راہبوں وغیرہ سے حضرت خدیجہ کو اطلاع ملی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے وعدہ کیا ہے کہ آپ ﷺ کو مخلوق کی طرف نبوت اور رسالت دے کر ظاہر فرمائے گا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وعدے کے پورا ہونے کا وقت قریب آگیا ہے۔ چنانچہ اسی بناء پر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے رشتہ دیا اور اپنے آپ کو آپ کی خدمت کے لئے پیش کیا۔ خیمت میں ذہین اور ذکی آدمی تمنا کرنے میں کتنی سمجھ سے کام لیتا ہے!

جب آنحضرت ﷺ سے حضرت خدیجہؓ کی شادی ہوئی اس وقت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی۔
(قال) ایک قول یہ ہے کہ پچیس سال تھی۔ اسی طرح ایک قول میں ۳۰ سال کا ہے اور ایک اٹھائیس سال کا ہے۔ (ی) اسی طرح پینتیس سال اور پچیس سال کی عمر کے قول بھی ہیں۔

حضرت خدیجہؓ کی پچھلی شادیاں..... آنحضرت ﷺ سے پہلے خدیجہ کی دو شادیاں ہو چکی تھیں ان میں سے پہلا شخص عقیق ابن عائد اور ایک روایت کے مطابق عقیق ابن عائد تھا۔ اس سے حضرت خدیجہ کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہندہ تھا۔ یہ ہندہ محمد ابن مصلیٰ غزوئی کی ماں تھی۔

دوسرا شخص جس سے حضرت خدیجہؓ کی دوسری مرتبہ شادی ہوئی ابوہالہ تھا (جو اس کا لقب تھا) اس کا نام بھی ہندہ تھا۔ اس سے حضرت خدیجہ کے یہاں ایک لڑکی ہوئی جس کا نام ہالہ تھا (اور اسی کی نسبت سے اس کے

باپ کو ابوالہ کہا جاتا تھا) ابوالہ سے ہی حضرت خدیجہ کے یہاں ایک لڑکا ہوا اس کا نام بھی ہند تھا۔ اسی طرح یہ ہند ابن ہند تھے۔ یہ ہند ابن ہند کہا کرتے تھے۔

میں اپنے باپ، ماں، بھائی اور بہن کے لحاظ سے سب سے زیادہ محروم اور شریف انسان ہوں۔ میرے والد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی والدہ حضرت خدیجہ سے شادی کر لی تھی۔ میری والدہ خدیجہ ہیں۔ جو پہلی ام المومنین یعنی مسلمانوں کی ماں ہیں۔ میرے بھائی قاسم ہیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے جو حضرت خدیجہ کے ہی بطن سے تھے۔ اور میری بہن فاطمہ ہیں۔ (جو جنت کی عورتوں کی سرور ہیں)

یہ ہند ابن ہند حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جنگ جمل میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے۔ مگر علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ بصرہ میں طاعون میں مرے۔ اس دن اس وبا کے نتیجے میں بصرہ میں تقریباً ستر ہزار آدمی ہلاک ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے لوگ مرنے والوں کے کفن و دفن میں اس طرح لگے ہوئے تھے کہ ان کے جنازے سے کسی طرف کوئی بھی توجہ نہیں دے سکا اور ان کا جنازہ اٹھانے والا بھی کوئی نہ مل سکا۔ چنانچہ ان کا نو جہ کرنے والی درود کر پکارنے لگی۔

”اے ہند ابن ہند..... افسوس اے رسول اللہ ﷺ کے پروردہ.....“

اس پکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے پروردہ شخص کی میت کے احترام میں تمام لوگ اپنے جنازے چھوڑ کر ان کا جنازہ اٹھانے کی کوشش کرنے لگے جس کی وجہ سے صرف لوگوں کی انگلیوں انگلیوں پر ان کا جنازہ جلا ہوا تھا۔ یہاں تک علامہ سیوطی کا کلام ہے۔

(حضرت خدیجہ کے پچھلے شوہروں کے سلسلے میں) کتاب مواہب میں یہ ہے کہ پہلے ان کی شادی ابوالہ سے ہوئی تھی اور اس کے بعد دوسری مرتبہ حقیق سے ہوئی۔

حضرت خدیجہ کے متعلق مزید تفصیلات آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے بیان میں ذکر ہوں گی۔

باب ہندیم (۱۷)

کعبہ مقدسہ کی تعمیر نو

کعبے میں سیلاب..... صحیح قول کے مطابق جب آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک پینتیس (۳۵) سال کی ہوئی تو کعبے میں ایک زبردست سیلاب آیا۔ قرش نے سیلاب روکنے کے لئے ایک بند بنوا دیا تھا مگر (پانی کا انحصار ہوا کہ) سیلاب اس بند کو توڑتا ہوا اس پر سے گذر کر کعبے میں داخل ہو گیا پانی کے بہاؤ اور جمع ہوجانے کی وجہ سے کعبے کی دیواروں میں شکاف پڑ گئے۔ اس سے پہلے ایک مرتبہ کعبے کی یہ دیواریں آگ لگ جانے کی وجہ سے کمزور ہو چکی تھیں اس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک دفعہ ایک عورت کعبے کو دھوئی دے رہی تھی۔ اس آگ میں سے ایک چنگاری اڑ کر کعبے کے پردوں تک پہنچ گئی جس سے (پردوں کے ساتھ دیواریں بھی جل گئی تھیں۔ اس لئے قریش کو اب اور زیادہ پریشانی تھی کہ ان کمزور دیواروں کو سیلاب کھپائی یا لکڑی ہی تیار کر دے گا۔

عورت کے دھوئی دیئے کا جو واقعہ ہوا ہے اس کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ (اس وقت یعنی آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے کا نہیں بلکہ اس کے ایک مدت بعد) حضرت عبداللہ ابن زبیر کے زمانے کا ہے۔ مگر اس قول کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے اس وقت دوبارہ کعبے میں آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا ہو۔

خرزائہ کعبہ..... کعبے کی دیواریں کی اونچائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے ہی نوکری تھی اور اس پر محنت نہیں تھی۔ لوگ کعبے کے لئے جو نذرانے اور تحائف لاتے تھے جس میں کپڑے اور خوشبوئیں وغیرہ ہوتی تھیں وہ کعبے کے اندر جو کون تھا اس میں ڈال دیتے تھے۔ یہ کنواں اندرونی حصے میں دائیں جانب تھا۔ اس کو کعبے کا خزانہ کہا جاتا تھا اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

خرزانہ کعبہ کا چور اور اس کا انجام..... نبی جبرہم کے زمانے میں ایک شخص نے کعبے کے اس خزانے سے کچھ سامان چرائیا مگر وہ سر کے بل کنوئیں میں گر پڑا اور پانی نے اسے ہلاک کر دیا۔ مگر بعض مورخوں نے یہ لکھا ہے کہ اس شخص پر ایک پتھر گر پڑا تھا جس کی وجہ سے وہ اس کنوئیں میں بند ہو گیا۔ یہاں تک کہ پھر اس کو لوگوں نے اس میں سے نکالا اور اس کے پاس سے چوری کا مال برآمد کیا۔ یہ اختلاف کامل غور ہے اس اختلاف کو ختم کرنے کے

لئے ایک بات یہ کہی جاسکتی ہے جو زیادہ مضبوط نہیں ہے کہ ممکن ہے اس شخص نے دوسرے چوری کالوہ کیا ہو جس میں سے (ایک دفعہ تو اس کو زندہ برآمد کر کے اس سے مل واپس حاصل کر لیا گیا لیکن) دوسری دفعہ وہ شخص اس کنویں میں گر کر ہلاک ہو گیا۔

خزانہ کعبہ کے لئے منجانب اللہ محافظہ..... اس واقعہ کے بعد سے ہی حق تعالیٰ نے اس خزانے کی حفاظت کے لئے اس پر ایک سفید رنگ کا سانپ پیدا فرمایا جس کا سر سیاہ تھا اور بالکل بکری کے بچے جیسا تھا۔ یہ سانپ اس کنویں میں رہنے لگا اور اس میں پڑے ہوئے سامان کی حفاظت کرتا تھا۔ یہ اکثر اس کنویں میں سے نکل کر بیت اللہ کی دیوار کے باہری حصے تک آجاتا تھا اور کعبہ کی دیوار پر دھوپ لینے کے لئے بیٹھ جلیا کرتا تھا۔ (چونکہ یہ سانپ سفید رنگ کا تھا اس لئے) دھوپ میں اس کا رنگ بہت چمکتا تھا۔ کبھی کبھی یہ یہاں دیوار پر اس طرح کھڑی ہلک کر بیٹھ جاتا کہ اس کا سر اس کی دم سے مل جاتا۔ جب بھی کوئی شخص اس کے قریب جانا چاہتا تو سانپ پھنکارس مارتا اور اپنا منہ کھول دیتا اس بارے میں علامہ جوہری نے اپنی کتاب حیات الحیوان میں سانپ کے متعلق لکھا ہے کہ سانپ کی پھنکار اس کے منہ سے نہیں نکلتی بلکہ اس کی کھال سے نکلتی ہے۔

غرض یہ سانپ پانچ سو سال تک بیت اللہ کے اس خزانے کی حفاظت کرتا رہا جو شخص بھی کعبے کے کنویں اور خزانے تک پہنچتا یہ سانپ اس کو ہلاک کر دیتا تھا۔ (ی) مخالفین کا یہ کہہ کر کوئی شخص اس خزانے کے قریب پہنچتا تو یہ سانپ اس کو ضرور ہلاک کر دیتا۔ (کیونکہ اس پانچ سو سال کے عرصے میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا کہ سانپ نے کسی کو مار دیا ہو اور) اگر اس خزانے کے قریب جانے پر اس نے کسی کو مارا ہو تا تو (تاریخی کتابوں میں اس کا ذکر ہوتا) (جبکہ تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے)

تقریباً مؤلف نے اس سانپ کے قسم ہونے کے متعلق کچھ نہیں لکھا لیکن البدایہ میں ابن اسحاق نے یہ روایت کی ہے کہ ”مکہ میں ایک قبلی شخص تھا جو بڑی حقارت میں نے کعبے کی تعمیر کے سلسلے میں اس کی خدمات حاصل کیں مگر کعبے کا جو کتنا اس میں کعبے کو ڈیے جانے والے ہلکے اور نذر نذر ڈالے جاتے تھے اس میں ایک سانپ رہتا تھا۔ یہ سانپ اکثر کعبے کی دیوار پر آکر بیٹھ جلیا کرتا تھا جس سے قریش بہت خوفزدہ تھے۔ جوں ہی کوئی اس کے قریب ہوتا وہ اس پر حملہ کرتے کہ وہ جاتا تھا اور اپنا منہ کھول کر پھنکارس مارنے لگتا تھا۔ قریش اس سے گھبراتا تھا۔ ایک دن جبکہ وہ اسی طرح کعبے کی دیوار پر بیٹھا ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے ایک پرندہ بھیجا جس نے چھٹ کر اس سانپ کو پکڑ لیا اور اسے لے کر اڑ گیا۔ (اس کو قریش نے کعبے کی تعمیر کے لئے قاتل تک سمجھا) اور وہ کہنے لگے۔

”ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لڑکے سے خوش ہے کیونکہ ہمیں عمدہ بڑھتی بھی مل گیا۔ (ایک ٹوٹے ہوئے جہاز کی) لکڑی بھی کافی مل گئی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سانپ سے بھی چھٹکارا دیا۔“ البدایہ والتمایہ ص ۳۰۱ ج ۲۰

تعمیر کعبہ کا لڑکہ..... یہ سانپ اسی طرح خزانہ کعبہ کی حفاظت کرتا رہا یہاں تک کہ قریش کا زینہ آگیا اور سیلاب اور آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا۔ اب قریش نے بیت اللہ کی عمارت کو (جو ان حادثوں کی وجہ سے تخریب ہو گئی تھی) توڑنے اور از سر نو بنانے کا ارادہ کیا۔ قریش نے فیصلہ کیا کہ اس دفعہ اس کی بنیادیں مضبوط کر کے دیواروں کو زیادہ اونچا کر دیا جائے اور اسی طرح دروازے کو بھی اور اونچا کر دیا جائے تاکہ کعبے میں صرف وہی شخص داخل

ہو سکے جس کو وہ اجازت دے دیں۔

اجتماعی چندہ اور تیلاری..... اس کے بعد قریش نے (کعبہ کی تعمیر کے لئے مل جل کر کام کرنا شروع کیا) اور پھر جمع کرنے شروع کئے۔ ہر قبیلہ اپنے حصے کے پتھر علیحدہ جمع کر رہا تھا انہوں نے اس مقصد کے لئے چندہ جمع کیا جس میں تمام پاک کمائی دی۔ نپاک اور طوائفوں کی کمائی، اسی طرح سود اور غصب کا مال اس میں ہر گز نہیں لیا گیا۔

چندہ میں نپاک کمائی شامل ہونے پر تنبیہ..... (چندہ کے مال میں صرف پاک کمائی لئے جانے کی یہ شرط اور احتیاط کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک قریشی سردار ابو وہب عمرو ابن عابد نے جب (کام شروع ہونے کے وقت) ایک پتھر اٹھایا تو وہ اس کے ہاتھ سے اچھل کر واپس اسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے اٹھایا گیا تھا) اس پر قریش پریشان اور حیران ہوئے) آخر ابو وہب ہی کھڑا ہوا اور اس نے لوگوں سے کہا۔

”اے گروہ قریش! کعبے کی بنیادوں میں سوائے اپنے پاک مال کے کوئی دوسرا مال شامل مت کرنا۔“

حدیث (بی) ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اس نے قریش سے کہا۔
اس بیت اللہ کے چندہ میں کسی بدکار عورت کی کمائی یا سود کا مال۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ کوئی ایسا مال جس کو تم نے زبردستی اور ظلم کے ذریعہ حاصل کیا ہو، یا جس میں تم نے رشتہ داروں کا حق مداہو لیا جس کے حاصل کرنے میں تم نے حرمت کا خیال نہ کیا ہو اور کسی کے ساتھ بیوفائی کی ہو اس مال کو ہر گز شاملی مت کرنا۔
یہ ابو وہب رسول اللہ ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کا مانوں تھا اور اپنی قوم میں ایک شریف آدمی تھا۔
تعمیر کعبہ میں آنحضرت ﷺ کی شرکت..... (غرض جب قریش کے لوگ بیت اللہ کی تعمیر کے لئے پتھر اکٹھے کر رہے تھے تو ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ بھی پتھر ڈھونڈنے میں شریک تھے۔ شیخین نے حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ:-

اتفاقاً ستر کھل جانے پر حفاظت..... جب کعبہ کی تعمیر شروع ہوئی تو آنحضرت ﷺ اور حضرت عباسؓ پتھر ڈھونڈنے کے لئے گئے (چونکہ آپؐ کئی گردن پر پتھر رکھ کر لارہے تھے اس لئے) حضرت عباسؓ نے آپؐ سے کہا:-

”پتھر رکھنے کے لئے اپنے تہبند کو اپنی گردن پر رکھ لیجئے تاکہ پتھر ڈھونڈنے میں سہولت ہو جیسا کہ دوسرے سب آدمی کر رہے ہیں۔“

کیونکہ دوسرے سب لوگوں نے اپنے تہبند اندر کر اپنی گردنوں پر رکھ لئے تھے اور ان پر پتھر رکھ کر لارہے تھے چنانچہ (حضرت عباسؓ کے کہنے پر) آنحضرت ﷺ نے ایسا کیا مگر اسی وقت آپؐ زمین پر گر پڑے اور آپؐ کی آنکھیں آسمان پر جم گئیں۔ (بی) اور آپؐ کو آواز آئی۔
”ہا ستر ڈھلکے!“

آپؐ ایک دم پکارنے لگے۔ میرا تہبند..... میرا تہبند..... اور پھر آپؐ نے جلدی سے تہبند پھینک لیا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپؐ فوراً گر پڑے اور آپؐ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ حضرت عباسؓ آپؐ کو پکڑ کر بٹھ گئے اور آپؐ سے حال پوچھنے لگے۔ تب آپؐ نے ان کو بتلایا کہ مجھے آسمان سے پکار کر کہا گیا کہ اپنا تہبند پھینک دو۔

ستر کھانے کے متعلق مختلف روایات پر بحث..... ایک روایت اور ہے جس کو ماننا مشکل ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ستر یعنی پوشیدہ جسے ڈھکنے کا یہ حکم ہونے کے بعد حضرت عباسؓ نے آپ سے کہا کہ :-
”بھئیے! اپنا تہنہ اپنے سر پر رکھ لو۔“ تو آپ ﷺ نے فرمایا ”نہیں مجھے جو کچھ بھی ہو۔۔۔۔۔ جو کچھ بھی ہو لوہ صرف ستر کھل جانے کی وجہ سے ہوا۔“

ایک روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ جبکہ آنحضرت ﷺ اجیلا کے مقام سے پھر ڈھو کر لا رہے تھے۔ آپ ﷺ اس وقت ایک سفید دھاری دار چادر (بطور تہنہ کے) لپیٹے ہوئے تھے۔ دو چادر ٹنگ تھی جس سے آپ ﷺ کو وقت ہو رہی تھی۔ آپ اس کو اتار کر اپنی گردن پر رکھنے لگے جس سے آپ ﷺ کا ستر کھل گیا۔ آپ ﷺ کو اچانک اتوار آئی۔
”اے محمد! اپنا ستر ڈھکو.....!“

چنانچہ اس کے بعد پھر کبھی آپ کا ستر نہیں کھلا۔
اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عباسؓ کا واقعہ اور یہ واقعہ ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ ممکن ہے کہ حضرت عباسؓ نے اسی وقت وہ بات کہی ہے جو صحیح روایت میں ذکر ہوئی البتہ اس روایت میں ازہر یعنی تہنہ کہا گیا ہے اور اس میں عمرہ یعنی دھاری دار لوہی چادر کا لفظ ہے۔

ممانعت کے بعد آنحضرت ﷺ کو دوبارہ نہیں کرتے تھے..... (قال) مگر بعض محدثین کہتے ہیں کہ (اس پر سے میں سیرت طیبہ کے کلام مشہور ص ۱۸۸) پر جو ایک روایت گزری ہے کہ جب ایک دفعہ ابو طالب زحرم کے کنوئیں کی مرمت کر رہے تھے اور آنحضرت ﷺ پھر وغیرہ اٹھانے میں ان کی مدد کر رہے تھے تو آپ ﷺ کا ستر کھل گیا تھا جس پر آپ کو اسی طرح ستر ڈھکنے کی ممانعت کی گئی تھی۔ تو اس واقعہ کے بعد اس دوسری حضرت عباسؓ والی روایت کو ماننا مشکل ہے بعض محدث اس کی دلیل میں کہتے ہیں کہ :-

جب آنحضرت ﷺ کو کسی بات کے لئے ایک مرتبہ ممانعت ہو جاتی تھی تو آپ اس کو دوبارہ کبھی نہیں کرتے تھے جس کے بہت سے سبب تھے۔ (ی) جبکہ حضرت عباسؓ والی روایت کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ میں آپ نے اسی بات کو دوبارہ کیا جس پر ایک دفعہ آپ کو ممانعت ہو چکی تھی۔

روایات کا تجزیہ..... اقوال۔ مؤلف کہتے ہیں: ممکن ہے پہلی بار یعنی ابو طالب والے واقعہ میں جب آپ کو ممانعت کی گئی تو آپ ﷺ یہ نہ سمجھے ہوں کہ یہ معاملہ بہت اہم ہے بلکہ آپ نے یہ سمجھا ہو کہ اس کو کیا بھی جاسکتا ہے اور چھوڑا بھی جاسکتا ہے (کیونکہ اس وقت آپ کم عمر تھے جیسا کہ بیان ہوا اور پھر اس دوسرے موقع پر آپ سمجھ گئے۔ اے گے کہ یہ ایک اہم چیز ہے۔

تشریح..... مگر اس سلسلے میں بعض محدثین کی یہ رائے زیادہ بہتر ہے کہ یہ دوسرا واقعہ تسلیم کرنا مشکل ہے کیونکہ ایک تو وہی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جس چیز کی ایک بار ممانعت ہو جاتی تھی آپ ﷺ اس کو دوبارہ کبھی نہیں کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ابو طالب والے واقعہ کے وقت آپ کی عمر کم تھی اس وقت یہ واقعہ پیش آ جانا ممکن بھی تھا لیکن تیسرے کعبہ کے وقت اس واقعہ کا پیش آنا اس لئے بھی ناقابل یقین ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر صحیح قول کے مطابق پینتیس (۳۵) سال تھی۔ اس عمر میں آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس سے اس قسم کی بھول قابل یقین نہیں ہے جبکہ اس بارے میں ایک واقعہ پہلے پیش بھی آچکا تھا جس میں

آپ کو ستر کھولنے کی ممانعت ہو چکی تھی وہ گزشتہ واقعہ جس عمر میں پیش آیا وہ آپ کے لڑکپن کی عمر تھی بچپن کی نہیں تھی کیونکہ اس میں آپ کے لئے غلام کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی لڑکے کے ہوتے ہیں اور لڑکپن کی عمر کے واقعات عام طور پر آدمی کو یاد رہتے ہیں اس لئے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ ممکن ہے آپ اس بچپن کے واقعے کو بھول گئے ہوں۔

اس روایت کے سلسلے میں احقر مترجم نے کتاب شرح ذر قانی دیکھی۔ اس میں یہ ہے کہ (تخیر کعبہ کے سلسلے) میں آنحضرت ﷺ اجداد کے مقام سے چمڑا حوکر لارہے تھے اس وقت آپ ﷺ ایک دھلی دولہ لونی چادر لوڑھے ہوئے تھے چادر آپ پر تنگ ہو رہی تھی اس لئے آپ اس کو اپنے موڑھے پر رکھنے لگے چونکہ چادر چھوٹی تھی اس لئے اوپر موڑھے پر رکھنے کی وجہ سے) آپ کا ستر کھل گیا۔ اس پر فوراً ہی آپ کو آواز آئی کہ اے محمد اپنا ستر ڈھک اس کے بعد کبھی آپ عرباں نہیں دیکھے گئے۔

اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قصد لیا چمڑا حوکر کی تکلیف سے بچنے کے لئے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ چادر چھوٹی تھی آپ اس کو سنبھالنے کے لئے اس کا ایک پلہ موڑھے پر رکھنے لگے جس سے بدن کے نچلے حصے سے چادر اٹھ گئی۔

آگے ذر قانی ہی میں ہے کہ :-

پھر علامہ سراج ابن مطلق اس واقعے کے بارے میں کہتے ہیں کہ شاید آنحضرت ﷺ کی یہ پریشانی جسم کا کچھ حصہ کھل جانے کی وجہ سے تھی ستر کھلنے کی وجہ سے نہیں تھی۔ اگرچہ یہ بات جاہل کی اس روایت میں نہیں ہے مگر اس بات کا نہ ہونا اس حدیث کے نقص اور کمی کی دلیل ہے کیونکہ اگرچہ اس میں یہ حصہ نہیں ہے مگر دوسری احادیث میں موجود ہے۔

پھر یہ کہ اس حدیث کی جو سب سے عمدہ تفسیر کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ ستر تو کھلا کر وہ جسم کے خصوصی حصے نہ تھے (یعنی ممکن ہے کھٹنے سے اوپر ان کا کچھ حصہ کھل گیا ہو کہ ستر تو وہ بھی ہے مگر ستر خصوصی نہیں ہے) شرح ذر قانی علی المواہب جلد اول ص ۲۰۵ مرتب۔

ایک شبہ اور اس کا جواب..... یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے اس سے پہلے بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا یہ اعزاز فرمایا کہ کسی شخص نے کبھی میرے بدن کے پوشیدہ حصے نہیں دیکھے اور اس سلسلے میں یہ بات بیان کی گئی کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ کیونکہ کتب خاصائے صغریٰ میں ہے کہ آپ کے بدن کے پوشیدہ حصے کبھی نہیں دیکھے گئے اور اگر کسی کی نظر پڑی (تو دیکھنے سے پہلے) اس کی آنکھیں پھرا گئیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ شخص آنکھوں سے محذور ہو گیا بلکہ یہ ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کے ستر کو دیکھنے کی اس میں صلاحیت نہیں رہی۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ آپ کا ستر یعنی بدن کے پوشیدہ حصے کھلنے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ اس پر دوسروں کی نظر بھی پڑی ہو (بلکہ مراد یہ ہے کہ صرف ستر کھلا اور اس سے پہلے کہ اس پر دوسروں کی نظر پڑے آپ کو اس پر تنبیہ کر دی گئی چنانچہ ستر کھلا مگر دوسروں کو بے پردگی نہیں ہو سکی) اسی طرح آپ کی پال پرورش اور ازواج مطہرات کے ساتھ خلوت کے دوران بھی آپ کے ستر پر دوسروں کی نظر نہیں پڑ سکی۔ (البتہ یہاں یہ شبہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ پیدائش کے وقت بھی آپ کے ستر پر دوسروں کی نظر نہ پڑنا ممکن نہیں معلوم ہوتا

جبکہ بچے کی پیدائش کے بعد اس کا ستر یعنی اعضاء ناسل دیکھ کر ہی اس کی جنس کا اعلان کیا جاتا ہے کہ پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ اس لئے لازم ہے کہ آپ کی پیدائش کے وقت دایہ وغیرہ نے آپ کا ستر دیکھا ہوگا۔ اس شبہ کے جواب میں شاید یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت کا دیکھنا ممکن ہے (واللہ اعلم) عمارت کعبہ کو گرنے سے قریش کا خوف..... (اس درمیانی تفصیل کے بعد اصل واقعہ یعنی کعبہ کی تعمیر کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جب قریش پھر وغیرہ لاکر جمع کر چکے تو کعبہ دوڑتے دوڑتے کعبہ کو گرانے کے لئے بڑھے۔ (ی) انہیں خوف تھا کہ کہیں ان پر کوئی مصیبت نہ نازل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ انہیں ان کے ارادوں سے روک نہ دے۔ خاص طور پر جبکہ اس سے پہلے عمر و امین عائد کے ساتھ دو واقعہ بھی پیش آچکا تھا (کہ اس کے ہاتھ سے پھر کل کرواہیں اپنی جگہ چلا گیا تھا)۔ ایک قریشی سردار کی طرف سے پہل.....! (ی) انہیں اسحاق کی روایت ہے کہ لوگ کعبہ کی تعمیر کو گرانے سے بہت زیادہ ڈر رہے تھے کہ کہیں اس کی وجہ سے وہ کسی بلا میں نہ پھنس جائیں۔ آخر ایک قریشی سردار ولید بن مغیرہ نے ان سے کہا:-

”اس کو گرانے سے تمہارا ارادہ اصلاح اور مرمت کرنے کا ہے یا اس کو خراب کرنے کا ہے۔“؟

لوگوں نے کہا ظاہر ہے ہم تو مرمت اور اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔

ولید نے کہا

”تو پھر سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والوں کو برباد نہیں کرتا۔“

(قریش جواب بھی پوری طرح مطمئن نہیں ہوئے تھے) کہنے لگے کہ پھر جو شخص اس کی نئی تعمیر اٹھائے گا وہی اس کو گرائے (یعنی سب لوگ تو ظاہر ہے کہ تعمیر اور راج کا کام کریں گے نہیں بلکہ جو کام جانتے والے ہیں وہی نئی تعمیر کا کام کریں گے۔ لہذا چونکہ اصلاح اور مرمت کا کام کرنے والے وہی لوگ ہوں گے اس لئے وہی اس پرانی عمارت کو گرائیں)۔

ولید نے کہا ”میں اس کی تعمیر کروں گا اس لئے تم سب میں میں ہی اس کو گرانے میں پہل کرتا ہوں۔“ ولید کی دعا اور کام کا آغاز..... اس کے بعد ولید نے کدال اٹھائی اور یہ کہتا ہوا کعبے پر کھڑا ہو گیا۔ اسے اللہ اکبر کی وجہ سے ہمیں ہر مصیبت سے بچائیے کیونکہ خیر اور بہتری کے سوا ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ہم تیرے دین سے حق نہیں منور رہے ہیں۔

مرضیٰ رب کا انتظار..... پھر اس نے حجر اسود کی جانب سے ایک حصہ ڈھادی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے کام بند کر دیا (اور اس رات انتظار کرتے رہے) کہ اس کا اثر کیا ہوتا ہے۔ کہہ کئے لگے۔

”ہم دیکھیں گے اگر کسی کو کوئی نقصان پہنچا تو پھر ہم کعبہ (کی اس پرانی عمارت) کو نہیں گرائیں گے اور اس کو جوں کا توں رہنے دیں گے لیکن اگر ہمیں کوئی نقصان پہنچا تو ہم اس تعمیر کو گرا دیں گے کیونکہ اس کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس کام سے راضی ہے۔“

چنانچہ اگلے دن ولید خمریت کے ساتھ آگیا (اور اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا) اس نے اپنا کام شروع کر دیا اور کعبے کو گرانے لگا۔ دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ آخر انہوں نے پوری تعمیر گرا دی اور اس کی بنیاد تک پہنچ گئے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رکھی ہوئی بنیاد تھی اور وہ سبز رنگ کے پتھر آگے

(حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصلی بنیاد کے تھے لور جو لونٹ کے کوہان کی طرح کے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ پتھر داندانے دلتے تھے۔

لیکن علامہ سیلی کہتے ہیں کہ یہ لفظ جس ربوی نے ابن اسحاق سے نقل کئے ہیں اس میں ان کو وہم اور مغالطہ ہوا ہے۔ یہاں تک سیلی کا کلام ہے۔ (دو لوں تشبیہوں کو درست قرار دینے کے لئے) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ پتھر سبزی میں توپانی کے رنگ کے تھے (کیونکہ لفظ لبرتہ کے معنی دہشت یا دعدہ بھی ہیں لور سڑے ہوئے پانی کے بھی ہیں) لور سختی میں کوہان کی طرح تھے۔

زلزلہ اور شعلہ..... غرض وہ پتھر ایک دوسرے میں (دانتوں کی طرح) پیوست تھے (جس کی وجہ سے ان کو توڑنا اور نکالنا مشکل ہو رہا تھا) چنانچہ جو لوگ کعبے کی عمارت گر رہے تھے ان میں سے ایک شخص نے اپنی چھٹی کو دوڑے ہوئے پتھروں کے درمیان پھنسا کر زور لگایا تاکہ ان دونوں کو الگ کر دے مگر جیسے ہی پتھر اپنی جگہ سے ہلا ایک دم سارے مکہ میں زلزلہ آیا اور پورا شہر لرز اٹھا اس کے ساتھ ہی لوگوں نے دیکھا کہ اس پتھر کے نیچے سے ایک شعلہ نکلا جس کی چمک اتنی جڑ جی کہ لوگوں کی آنکھیں چمکھیا گئیں۔ اس کے ساتھ ہی قریش نے کعبے کو گرانے کا کام ختم کر لیا۔

بنیاد کعبہ سے نکلنے والی تین تحریریں..... یہاں یعنی دائیں کوٹنے کے نیچے سے قریش کو ایک تحریر ملی جو سریانی زبان میں لکھی ہوئی تھی۔ وہ اس زبان کو جاننے نہیں تھے آخر ایک شخص ملا جس نے وہ تحریر انہیں پڑھ کر سنائی۔ یہ شخص یہودی تھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا۔

”میں اللہ ہوں۔ مکے کا مالک! جسے میں نے اس دن پیدا کیا جس دن میں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جس دن میں نے سورج اور چاند بنائے۔ میں نے اس کو یعنی مکے کو سات فرشتوں کے ذریعہ گھیر دیا ہے۔ اس کی عظمت اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے دونوں پہاڑ موجود ہیں۔ ان پہاڑوں سے مراد ایک تو ابو قیس پہاڑ ہے جو کہ صفا پہاڑی کے سامنے ہے اور دوسرا اقیحان پہاڑ ہے جو مکے کے قریب ہے اور جس کا رخ کوہ ابو قیس کی طرف ہے۔ اور یہ شہر اپنے باشندوں کے لئے پانی اور دودھ کے لحاظ سے بہت پرکت اور نفع والا ہے۔“

اسی طرح قریش کو مقام ابراہیم کی جگہ پر ایک دوسری تحریر ملی جس میں یہ لکھا ہوا تھا۔

”کہ اللہ تعالیٰ کا محترم اور معظم شہر ہے۔ اس کا رزق تین راستوں سے اس کے پاس آتا ہے۔“

(یہاں تین راستوں سے مراد غالباً قریش کے تین تجارتی راستے ہیں یہاں سے کاٹلے آئے اور جاتے تھے کو ہیں قریش کو ایک تحریر اور ملی جس میں لکھا ہوا تھا۔

جو بھلائی بوئے گالوگ اس پر رشک کریں گے۔ یعنی اس جینا بنے کی عمارت میں ہے۔ اور جو شخص برائی بوئے گا وہ رسوائی اور ندامت پائے گا۔ تم برائیاں کر کے بھلائی کی اس لگاتے ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کیکر یعنی کانتوں و لور درخت میں انگور تلاش کرے۔“

کتاب سیرت شامیہ میں لکھا ہے کہ یہ تحریر کعبے کے اندر پتھر پر کندہ تھی مگر بعض مورخین نے لکھا ہے کہ (کعبے کی تعمیر کے وقت کوہان انہیں ایک پتھر ملا جس پر تین خطیں لکھی ہوئی تھیں پہلی خط میں یہ تھا کہ۔

”میں اللہ ہوں..... کے کمال تک..... اسے یعنی کے کو میں نے اس دن بتایا جس دن سیدنا اور چاند کو بتایا۔“ اس دوسری سطر میں یہ تھا کہ۔

”میں اللہ ہوں..... کے کمال تک..... میں نے رحم کو پیدا کیا (رحم رحمت و مہربانی اور عورت کی بچہ دہائی کو کہتے ہیں جس سے مختلف رشتوں کی ابتدا ہوتی ہے اور جس سے صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کی خبر گیری کا لفظ بنا ہے۔ غرض اس تحریر میں تھا کہ میں نے رحم کو پیدا کیا اور اس کے لئے اپنے نام میں سے نام نکالا (کیونکہ حق تعالیٰ کے نام رحمن اور رحیم ہیں) جس نے صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کی خبر گیری کی میں اس کی خبر گیری کروں گا اور جس نے صلہ رحمی کو چھوڑ دیا میں نے بھی اس کو چھوڑ دیا۔“

پہری سطر میں یہ تھا کہ :-

”میں اللہ ہوں کے کمال تک..... میں نے خیر اور شر یعنی بھلائی اور برائی کو پیدا کیا۔ پس خوش خبری ہو اس کے لئے جس نے خیر کو اپنا لیا اور خیر و برہودہ شخص جس نے برائی کو اپنا لیا۔“

مختلف روایات..... علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مجموعہ میں یہ دیکھا کہ وہاں ایک پتھر پایا گیا جس پر یہ لکھا ہوا تھا۔

”میں اللہ ہوں..... کے کمال تک..... فقر و فاقہ میں مبتلا کر دینے والا نہ کرتے والوں کو، اور کپڑے سے محروم کر دینے والا نماز چھوڑ دینے والوں کو، یہاں لیز لئی رہے گی اور رزق کی فراغت اور فراوانی رہے گی۔ میں اس (دولی) کو رزق کی کثرت سے بھر دینے والا بھی اور اس سے خالی کر دینے والا بھی ہوں (یعنی فرمانبرداروں کو خوش حالی دینے والا اور نافرمانوں کو تنگی میں ڈالنے والا ہوں)۔“

(اس اختلاف کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے یہ کوئی دوسرا پتھر رہا ہو یا پتھر تو وہی ہو مگر ابھی پر ایک جگہ وہ عبارت لکھی ہوئی ہو (جو چھپے بیان ہوئی اور دوسری جگہ یہ عبارت ہو)

کتاب اصحابہ میں اسود ابن لہوث کی روایت ہے جو وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ (کعبہ کی تعمیر کے دوران) قریش کو مقام ابراہیم کے بچے سے ایک تحریر ملی (مگر یہ زبان ان کے لئے اجنبی تھی اس لئے) انہوں نے قبیلہ حمیر کے ایک آدمی کو بلا لیا اور اس سے یہ تحریر پڑھ کر سنانے کے لئے کہا اس نے کہا۔

”اس میں ایک ایسی بات لکھی ہوئی ہے کہ اگر میں نے وہ نہیں پڑھ کر سنای تو تم لوگ مجھے قتل کر دو گے۔“

دولی کہتا ہے کہ ہمیں خیال ہوا کہ اس میں محمد ﷺ کا ذکر ہو گا۔ اس لئے ہم نے اس بات کو چھپا لیا۔ سامان عمارت کا مختار اللہ انتظام..... کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں قریش کو پتروں کے علاوہ گڑی کی بھی ضرورت تھی جیسے چھتوں کو کھالوں میں استعمال کرنا تھا۔ یہ مسئلہ اس طرح حل ہو گیا کہ ایک جہاز کے کے ساحل سے آکر لکھ لیا (خود کہ تو سمجھدے کہ کبڑے جس ہے مگر کے کے لئے تجارتی جہاز وغیرہ جہاں آکر لنگر ڈالتے تھے اس کو کے کا ساحل ہی کہا جاتا ہے) یہ وہی جگہ ہے جہاں تہج بھی جدہ شہر واقع ہے مگر اب سے پہلے کے کا ساحل جس جگہ تھا اس کو بھیجہ کہہ جاتا تھا چنانچہ کئی دوسرے متذخروں نے اس موقع پر شعیبہؒ بستی کا نام لکھا ہے اس کا جب سے کوئی فرق نہیں پڑا اور اس میں متذخر لکھا ہے۔

جب وہ جہاز شعیبہ کے مقام پر پہنچا جو کے کا ساحل تھا تو وہ ٹوٹ گیا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔

مخالف ہوا کی وجہ سے وہ جہاز شعیبہ کے ساحل پر پھنس گیا۔ یہ جہاز دو تاجروں میں سے ایک شخص کا تھا جس کا نام باقوم تھا۔ یہ شخص معمر بھی تھا ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ جہاز شمشادہ دم قیصر کا تھا جس میں اس کے لئے سنگ مرمر، لکڑی اور لوہا لے جایا جاتا تھا۔ یہ سامان باقوم کے ساتھ حبشہ کی اس خانقاہ کے لئے بھیجا جا رہا تھا جس کو فارسیوں نے جلاؤالا تھا۔

غرض جب یہ جہاز۔ جدہ اور ایک قول کے مطابق۔ شعیبہ کے ساحل پر پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے بہت سخت ہوا چلائی جس کی وجہ سے وہ (ساحل سے ٹکرا کر) ٹوٹ گیا (جب قریش کو اس جہاز کی خبر لگی تو کوئد امین مغیرہ قریشیوں کی ایک جماعت کے ساتھ جہاز پر پہنچا اور ان لوگوں سے اس کی لکڑی خرید لی اور اس کو کعبہ کی چھت بنانے کے لئے استعمال کیا۔

کعبے کے محافظ سے چھٹکارا!..... پچھلی سطروں میں بیان ہوا ہے کہ کعبے کے خزانے پر اللہ تعالیٰ نے ایک سانپ پیدا کر دیا تھا جو پانچ سو سال تک کعبے کے خزانے کی حفاظت کرتا رہا۔ اس کے متعلق مزید تفصیل بیان کرتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ قریش پر کعبے کو گرانے کے سلسلے میں اس سانپ کی بہت بہت چھائی ہوئی تھی (اور وہ پرانی عمارت کو گراتے ہوئے ہتھیار ہے تھے) کیونکہ جب بھی وہ لوگ کعبے کو گرانے کے خیال سے عمارت کے قریب پہنچتے تو وہ سانپ اپنا منہ کھول کر ایک دم سامنے آ جاتا ایک دن جبکہ وہ اپنی عمارت کے مطابق کعبے کی دیوار پر بیٹھا ہوا تھا تو اچانک اللہ تعالیٰ نے ایک پرندہ وہاں بھیجا جو عقاب سے بڑا تھا۔ اس پرندے نے اس سانپ کو جھپٹ کر پکڑ لیا اور اسے لے جا کر حجوں کے مقام پر ڈال دیا جہاں زمین نے اس کو اپنے اندر سولیا۔

محافظ سانپ کی حقیقت..... ایک روایت یہ ہے کہ یہ وہی جانور ہے جو قیامت کے دن لوگوں سے بدلت کرے گا (اس جانور کے متعلق احقر حرجم آگے تفصیل پیش کر رہا ہے) حدیث میں آتا ہے کہ یہ جانور اچھا کی کھائی سے ظاہر ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے وہ جانور دکھلایا جائے جو لوگوں سے بات کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس جانور کو زمین سے نکالا۔ اس کو دیکھتے ہی موسیٰ علیہ السلام سخت خوفزدہ اور دہشت زدہ ہو گئے اور حق تعالیٰ سے عرض کرنے لگے۔

”اے پروردگار! اس کو واپس کر دے۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس جانور کو واپس کر دیا۔

وَلَبَّيْهُ الْاَرْضُ يَعْنِي قِيَامَتُكَ قَرِيبٌ ظَاهِرٌ هُوَ وَالْاُ جَانُورُ

(اضافہ اس جانور کے متعلق جو قیامت کے قریب ظاہر ہوگا حق تعالیٰ نے قرآن پاک کی اس آیت میں خبر دی ہے جس کی تفسیر احقر نے تفسیر حازن سے لی ہے)

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ۔ (پ ۲۰ سورہ نمل ص ۵) الْآيَةُ

ترجمہ:- اور جب وعدہ ان پر پورا ہونے کو ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے کہ وہ

ان سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری باتوں پر یقین نہ لاتے تھے۔

یعنی جب ان کے لئے عذاب ناکر ہو جائے گا۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ۔ جب اللہ تعالیٰ ان پر غضبناک ہو گا۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ۔ جب ان پر حجت پوری ہو جائے گی کہ وہ لوگوں کو نیک اعمال کا حکم نہیں کریں گے اور برے اعمال سے منع نہیں کریں گے۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ۔ جب ان میں بھلائی اور صلاحیت نہیں رہے گی اور یہ حالت اخیر زمانے میں قیامت سے پہلے پیش آئے گی تو اس وقت ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے۔

قیامت کی نشانیاں..... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھ چیزوں کے پیش آنے سے پہلے ہی نیک عمل کر لو۔ سورج کے مغرب کی طرف سے نکلنے سے پہلے۔ دھوئیں سے پہلے، دجال کے ظاہر ہونے سے پہلے۔ اس جانور کے ظاہر ہونے سے پہلے، اور تم میں سے کسی کے خاص اور عام معاملے سے پہلے۔“

حضرت عبداللہ ابن عمر وابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔ ”(قیامت کی) کسی سب سے پہلے جو نشانیاں ظاہر ہوں گی ان میں سے ایک تو سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا ہے اور دوسرا دن کے وقت لوگوں پر اس جانور کا مسلط ہونا ہے ان میں سے جو بھی نشانی پہلے ظاہر ہو دوسری اس کے بعد مدت جلد سامنے آجائے گی۔“

اسی سلسلے میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

قیامت کے قریب کافرو مومن کی شناخت..... جب یہ جانور ظاہر ہو گا تو اس کے پاس سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا یعنی لاشمی ہو گی۔ وہ (اس عصا سے) مومنوں کے چہرے کو روشن اور پر نور بنائے گا اور اس انگوٹھی سے کافروں کی ناک پر مہر لگا دے گا۔ (یہاں تک کہ اس سے مومن اور کافروں کی ایسی صاف شناخت ہو جائے گی کہ) جب مومن کہیں جمع ہوں گے تو وہ ایک شخص کو ”اے مومن ہم کہہ کر پکارتیں گے اور ایک کافر (کو اس علامت کی وجہ سے پہچان کر) اے کافر ہم کہہ کر کوٹا دیں گے۔“

اس حدیث کو امام ترمذی نے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ (حدیث حسن کی تعریف سیرت جلد اردو کوکبالب میں بیان ہو چکی ہے)۔

یہ جانور کن کن زمانوں میں نکلے گا..... علامہ بغوی نے نشانی سے روایت کیا ہے جو آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:-

”یہ جانور تین مرتبہ عالم میں نکلے گا۔ ایک مرتبہ یمن کے کنارے سے ظاہر ہو گا اس وقت اس کی شہرت جنگوں میں ہو گی جتنی یعنی کے تک نہیں پہنچے گی۔ اس کے بعد ایک لمبا زمانہ گزر جائے گا تب پھر یہ دوسری مرتبہ کے کے قریب سے ظاہر ہو گا اس وقت اس کی شہرت جنگوں میں بھی ہو گی اور بستی یعنی کے میں بھی پھیل جائے گی۔ پھر ایک دن جبکہ لوگ اس مسجد میں ہوں گے جس کا احقر اور اکرام اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ہے یعنی مسجد حرام میں کہ بالکل اچانک یہ جانور مسجد کے ایک کونے سے نکلے گا اور ان کے قریب آجائے گا۔ اس کے متعلق عمر دکتے ہیں کہ۔ حجر اسود اور باب بنی مخزوم کی دائیں طرف باہری گوشے کے درمیان سے نکلے گا۔ اس کو دیکھ کر لوگ ڈر کی وجہ سے اس سے بچنے لگیں گے۔ یہ جانور لوگوں کے سامنے اس

حالت میں ظاہر ہو گا کہ اپنے سر سے مٹی جھاڑ رہا ہو گا پھر یہ لوگوں کے پاس سے گزرے گا اور ان کے چروں کو چکادے گا جس سے وہ اس طرح روشن ہو جائیں گے جیسے دکنے والے ستارے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہ واپس زمین میں چلا جائے گا۔ نہ تو اس کا چچا کرنے والا اس کو پاس کے گاؤں نہ اس سے بچ کر بھاگنے والا اس سے بچ سکے گا۔ یہاں تک کہ ایک شخص کھڑا ہو کر نماز کے ذریعہ اس سے پناہ لور بچاؤ کی کوشش کرے گا مگر وہ پیچھے سے اس کے پاس آئے گا اور اس سے کہے گا۔

اے نکال اتو اب نماز پڑھنے کھڑا ہوا ہے۔“

اس جانور کے کام..... اس کے بعد وہ آگے سے اس کے سامنے آئے گا اور اس کے چرے پر نشان پڑے گا (ان نشانوں کی وجہ سے کافر لور مومن میں ایسی شناخت ہو جائے گی کہ وہ لوگ جو ایک دوسرے کے پڑوس میں رہتے ہوں گے، یا سفر میں ایک دوسرے کے ہمدم ہوں گے یا تجارت لور مال و دولت میں ایک دوسرے کے شریک ہوں گے ان میں بھی مومن لور کافر کو الگ پہچان جائے گا چنانچہ (اللہ کے درمیان ایسی صاف شناخت ہوگی کہ) مومن کو اپنے مومن کہہ کر پکارا جائے گا اور کافر کو اسے کافر کہہ کر کولڑوی جائے گی۔“

اس کے نکلنے کی جگہ..... علامہ شافعی کی سند سے حذیفہ ابن یمان کی روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ اس جانور کا تذکرہ فرما رہے تھے میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ جانور کہاں سے نکلے گا۔ آپ نے فرمایا۔

”اس مسجد میں سے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز لور محترم ہے۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زمین پر اتارے جانے کے بعد) کعبے کا طواف کر رہے ہوں گے اور ان کے ساتھ مسلمان ہوں گے کہ اچانک زمین ہلنے لگے گی اور صفا پہاڑی اس جگہ سے پھٹ جائے گی جہاں (حج کے دوران) سعی کی جاتی ہے۔ اسی وقت صفا پہاڑی میں سے وہ جانور نکلے گا۔ سب سے پہلے اس کا چک و لور سر نکلے گا جو باہوں لور دائرہ می سے ڈھکا ہوا ہو گا (اس کی رفتار اس قدر تیز ہوگی کہ نہ تو اس کو تلاش کرنے والا اس کو پاس کے گاؤں نہ بھاگنے والا اس کو شکست دے سکے گا۔ وہ لوگوں کو کافر لور مومن کے نام سے پکارے گا۔ جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اس کے چرے کو وہ ایسا منور لور روشن کر دے گا جیسے چمکنے والا ستارہ ہوتا ہے۔ اور جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں وہ ایک سیاہ نشان پڑے گا اور اس کی پیشانی پر کافر لکھ دے گا۔“

اسی سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے صفا پہاڑی پر ایک جگہ اپنی لاشی ماری اس وقت وہ احرام باندھے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے کہا

”وہ جانور اس وقت بھی میری اس لاشی کے مدے جانے کی کوشش کر رہا ہے۔“

اس کے ظاہر ہونے کا وقت..... حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ جانور حج کی رات میں نکلے گا جبکہ لوگ منی کی طرف جا رہے ہوں گے۔“

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو عمر جبیا تین مرتبہ یہ فرمایا۔

”آجیاد کی کھائی بہت بُری کھائی ہے۔“

آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ”یا رسول اللہ ﷺ ایسا کیوں ہے؟“

تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

”اس کھائی میں سے وہ جانور نکلے گا وہ تین مرتبہ اترے گا اور اس کی آواز مشرق سے مغرب تک سنی جائے گی۔“

اس جانور کا حلیہ..... حضرت ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اس جانور کی شکل و صورت بتلاتے ہوئے کہا۔

”اس کا سر بیل کے جیسا ہوگا، اس کی آنکھیں خنزیر کے جیسی ہوں گی، اس کے کان ہاتھی کے کان جیسے ہوں گے اس کے سینک بارہ سٹھے کے جیسے ہوں گے، اس کا سینہ شیر کے سینے جیسا ہوگا، اس کا رنگ یعنی کھال پتے جیسی ہوگی، اس کا پلو یعنی کمر بلی کے جیسی ہوگی اس کی دم بچو کے جیسی ہوگی، اس کی ٹانگیں لونٹ کے جیسی ہوں گی اور اس کے بدن کے ہر جوڑے دوسرے جوڑے تک بدھ کر کا قاصد ہوگا۔“

اسی بدھ میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ یہ جانور اچیلو کی کھائی میں سے نکلے گا، اس کا سر بادلوں کو چھو رہا ہوگا جبکہ اس کی ٹانگیں زمین پر ہوں گی۔

حضرت علیؓ سے یہ روایت ہے کہ اس جانور کے دم نہیں ہوگی بلکہ اس کے دھڑھی ہوگی۔

اس کا کلام..... سوہب کہتے ہیں کہ اس کا چہرہ قرآن میں جیسا ہوگا مگر باقی تمام بدن پر عمدہ جیسا ہوگا (اسی روایت کی طرف علامہ طبریؒ نے اشارہ کیا ہے کہ کعبہ کے خزانہ کا سانپ ہی بعض علماء کے کہنے کے مطابق وہ جانور ہو گا جو قیامت کے قریب ظاہر ہو کر لوگوں سے کلام کرے گا۔ غرض وہ جانور اس شکل میں ہو گا اور جو اس کو دیکھے گا اس سے کہے گا۔

”کے دلے محمد (ﷺ) اور قرآن پر یقین نہیں کرتے تھے۔“

یہ جانور بہت فصیح و شائستہ انداز میں لوگوں سے کلام کرے گا۔ ایک قول کے مطابق یہ کہے گا کہ یہ مومن ہے اور یہ کافر ہے اور ایک قول کے مطابق یہ کہے گا جس کو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:۔۔۔

”سوگ ہمدی نشانوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔“

یہ جانور لوگوں کو بتلائے گا کہ کے دلے قرآن پاک اور نبوت پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ جانور لوگوں کو زخمی کرے گا۔ یعنی آیت پاک میں تَكَلِّمُهُمْ کے بجائے وَتَكَلِّمُهُمْ پڑھا جائے جیسا کہ ایک قرأت یہ بھی ہے۔ تو معنی ہوں گے کہ وہ لوگوں کو زخمی کرے گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے آیت کے اس لفظ کے بدلے میں پوچھا گیا کہ اس کی قرأت کیسے ہے (یعنی وہ جانور لوگوں سے کلام کرے گا یا انہیں زخمی کرے گا) انہوں نے جواب دیا۔

”یہ دونوں کام کریگا۔ مومن سے کلام کرے گا اور کافر کو زخمی کرے گا۔“

(تفسیر بخاری ج ۱ ص ۶۷/۶۸، سورۃ نمل رکوع ۵، مرجع)

محافظ کعبہ سے نجات کے لئے قریش کی دعا..... جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کا ارادہ کیا تھا تو قول تودہ کعبہ کی پرانی عمارت کو گرانے کے خیال سے ہی بخیر ہوئے تھے کہ کہیں یہ عمل اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کر دے اور ان پر جانی نازل ہو جائے۔ دوسرے اس سانپ کا خوف تھا جو ان کو کعبہ کے قریب نہیں آنے دیتا تھا اس لئے ایک روز قریش مقام ابراہیم کے پاس جمع ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے گواہ کر کے دعا کرنے لگے۔

”اے ہمارے پروردگار! ہمیں خوفزدہ نہ کر۔ ہم صرف تیرے گھر کی آرائش اور زینت کرنا چاہتے

ہیں۔ اگر تو ہمارے اس بار لوے سے خوش ہے تو اس کو پورا کر دے۔ پھر ہمیں اس سانپ سے نجات دیدے ورنہ جو بات تیرے نزدیک بھتر ہو وہ کر۔“

و دعا کی قبولیت..... یہ دعا مانگ کر قریش کا رخ ہی ہوئے تھے کہ اچانک انہیں غصا میں پھڑپھڑانے کی..... ایک زبردست کواڑ سنائی دی اور انہیں آسمان میں دُعا پر غہ نظر کیا جس کا پیچھے ذکر ہوا ہے۔ اس پر غصے نے جھپٹ کر اس سانپ کو پکڑ لیا اور اسے اجیلو کی طرف لے گیا۔ (قریش سانپ سے چھٹکار پانے پر بہت مطمئن ہوئے) اور انہوں نے کہا۔

”ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس بار لوے سے خوش ہو اور امنی ہے۔“

قریش کا اطمینان..... اس تعمیر کے سلسلے میں قریش کے سامنے جو بڑی مشکلیں تھیں ان میں ایک تو کعبے کی چھت کے لئے لکڑی حاصل کرنے کا مسئلہ تھا۔ دوسرے ایک بڑھئی اور معمار کی ضرورت تھی، تیسرے اس سانپ سے چھٹکارے کا مسئلہ تھا۔ ان کی یہ سب ہی مشکلات دور ہو گئیں تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور کہا:-

ہمیں ایک ہر وقت کا ساتھی معمار یعنی راج بھی مل گیا، لکڑی بھی فراہم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سانپ سے بھی چھٹکار دلا دیا۔“

بیت اللہ کا معمار اور بڑھئی..... یہ معمار یعنی راج جو تھا وہی باقوم مدوی تھا جو اس جہاز پر تھا (جو قیصر روم کا جہاز لے جا رہا تھا) یہ شخص معمار بھی تھا جیسا کہ بیان ہوا اسی لئے قریش کے لوگ اس سے جہاز کی لکڑی لینے کے ساتھ خود اس کو بھی لے آئے تھے۔

لیکن باقوم نام کا ایک شخص خود کے میں بھی تھا) یہ باقوم سعید ابن عامر کا غلام تھا اور بڑھئی کا کام جانتا تھا۔ اس لئے ممکن ہے قریش کی سرگواشی دوسرے باقوم سے ہو۔ قریش نے لوہے کے چمے میں جس لکڑی کا ذکر کیا ہے وہی ہے جو انہیں اس جہاز سے حاصل ہوئی تھی جو شعبیہ کے ساحل پر ٹوٹ گیا تھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں (پچھلے صفحات میں امین اسحاق کی یہ روایت گزری ہے کہ قریش کعبے کو گراتے ہوئے ڈر رہے تھے کہ کہیں ان پر کوئی بلا نازل نہ ہو جائے تو ولید ابن مغیرہ نے ان سے کہا کہ تم کعبے کی اصلاح کرنا چاہتے ہو اسے نقصان پہنچانا نہیں چاہتے اور اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والوں کو ہلاک نہیں کرے گا۔ پھر اس نے کہا الٹا کر کعبے کا ایک کونہ توڑا۔ اس رات لوگوں نے انتظار کیا کہ ولید پر کوئی جہاز آئی ہے یا نہیں۔ مگر جب صبح کو ولید بخیریت آیا تو سب کو اطمینان ہو گیا اور انہوں نے کعبے کی عمارت گر لوی لیکن یہاں یہ بیان ہوا ہے کہ قریش اس سانپ کی وجہ سے ڈر رہے تھے جب اس سے چھٹکارا لیا گیا تو انہوں نے کعبے کی عمارت ڈھلائی اس شبہ کے متعلق کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس پر غصے کے سانپ کو لے جانے کے باوجود قریش کعبے کی عمارت گراتے ہوئے ڈر رہے ہوں۔ یہاں تک کہ آخر ولید ابن مغیرہ سامنے آیا (اور اس نے وہ بات کہی جو لوہ پر بیان ہوئی) اس طرح امین اسحاق کی روایت میں اور اس بعد والی روایت میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ واللہ اعلم

تقسیم کار..... اس کے بعد جب کعبے کو ڈھالے کا وقت آیا (تو قریش میں پھر اختلاف ہوا کیونکہ ہر خاندان اس کام میں برابر کا شریک رہنا چاہتا تھا آخر ابوہریرہ ابن عمر و امین عائشہ نے ان سے کہا۔

”میری رائے ہے کہ تم لوگ کعبے کے چاروں کونے آپس میں تقسیم کر لو۔“

چنانچہ قریش نے ایسا ہی کیا اور گرانے کے کام کو حصہ دار آپس میں بانٹ لیا (تاکہ کوئی خاندان محروم نہ رہے اور شکایت نہ پیدا ہو) اس تقسیم کے تحت کعبے کے دروازے کا حصہ بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے خاندانوں کے حصے میں آیا۔ حجر اسود اور رکن یمانی کا حصہ بنی مخزوم اور ان دوسرے قبیلوں کے حصے میں آیا جو ان کے ساتھ مل گئے تھے۔ اسی طرح کعبے کی پشت بنی حجاز اور بنی سہم ابن عمرو کے خاندانوں کے حصے میں آئی حجر اسود کا حصہ یعنی جمال اب حجر اسود ہے وہ جانب بنی عبد الدار، بنی اسد اور بنی عدی کے خاندانوں کے حصے میں آئی۔

اس تقسیم کے سلسلے میں علامہ مقرر بنی نے یہ لکھا ہے کہ حجر اسود سے لے کر حجر اسود کے کونے تک کا درمیانی حصہ جو دروازہ کی سمت تھی وہ بنی عبد مناف کے حصے میں آیا تھا اور بنی اسد، بنی عبد الدار اور بنی زہرہ کے حصے میں حجر اسود یعنی وہ سمت جس میں حجر اسود ہے آئی تھی بنی مخزوم کو کعبے کی پشت کا حصہ ملا تھا اور رکن یمانی سے لے کر رکن اسود تک کے درمیان کا حصہ تمام قریش کو ملا تھا۔ یہاں تک علامہ مقرر بنی کا کلام ہے۔ یہ اختلاف قابل غور ہے۔

رکن یمانی کے متعلق بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اس کا نام رکن یمانی اس لئے رکھا گیا تھا کہ اس کو یمن کے ایک شخص نے بنایا تھا۔

بہر حال کعبے کی بنی عمارت بنانے والا شخص باقوم یزہنی تھا جو سعید ابن عامر کا غلام تھا۔ یزہنی اور معمر کے متعلق یحییٰ بن اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- یہاں یہ کتنا مناسب ہوتا کہ جن میں نے کعبے کی تعمیر کی وہ باقوم (یزہنی کے بجائے باقوم) مروی تھا جو اس ٹوٹ جانے والے جہاز میں تھا۔ کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا وہی معمر کا کام جانتا تھا اس بات کی اور تفصیل آگے بھی آئے گی جمال تک اس باقوم کا تعلق ہے جو سعید ابن عامر کا غلام تھا وہ یزہنی تھا (معمر نہیں تھا) یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ باقوم غلام یزہنی بھی تھا اور معمر بھی تھا مگر صرف یزہنی کے نام سے اس کی شہرت ہوئی اس لئے یہی کعبے کی عمارت کا معمر بھی تھا۔ مگر اسی قسم کا احتمال باقوم مروی کے متعلق بھی ہو سکتا ہے کہ وہ معمر تو تھا ہی لیکن یزہنی کا کام بھی جانتا تھا، البتہ اس کی شہرت صرف معمر کی حیثیت سے ہوئی۔ اس بارے میں میں نے بعض مؤرخوں کی کتابوں میں بھی دیکھا جنہوں نے لکھا ہے کہ:-

”باقوم مروی یزہنی اور معمر تھا۔ اس لئے جو شخص یہ کہتا ہے کہ کعبے کی عمارت بنانے والا باقوم یزہنی تھا اس کی مراد باقوم مروی سے ہے۔“

اسی طرح بعض روایتوں سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ باقوم مروی یزہنی بھی تھا (یعنی اصل میں تو وہ معمر ہی کے نام سے مشہور تھا مگر اس کے ساتھ یزہنی کا کام بھی جانتا تھا) کہ روایت یہ ہے کہ:-

”قریش کے لوگ اس جہاز کی لکڑی لینے کے لئے گئے جو ساحل پر ٹوٹ گیا تھا وہاں انہوں نے اس مروی شخص کو پایا جو یزہنی تھا اس لئے قریش جہاز کی لکڑی بھی لے آئے اور اس مروی شخص کو بھی اپنے ساتھ ہی لے آئے۔“

(اب گویا دو قسم کی روایتیں ہو گئیں۔ ایک وہ جن سے معلوم ہوا کہ باقوم مروی معمر تھا اور ایک وہ جن سے معلوم ہوا کہ باقوم مروی یزہنی تھا) چنانچہ دونوں قسم کی روایتوں سے ظاہر ہوا کہ باقوم مروی معمر بھی تھا اور یزہنی بھی تھا

(لیکن اگر بڑھئی اس باقوم کو ہی مانا جائے جو سعید ابن عاص کا غلام تھا تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دونوں نے کعبے کی تعمیر کا کام کیا ایک نے عمارت بنائی اور دوسرے نے لکڑی کی چھت ڈالی۔ نیز چونکہ دونوں کے متعلق ایسی روایتیں بھی ہیں کہ یہ دونوں بڑھئی بھی تھے اور معمار بھی تھے اس لئے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ تعمیر اور بڑھئی کے کام دونوں نے مشترک طور پر کئے۔

اس بارے میں ابن اسحاق کی روایت یہ ہے کہ :-

”کے میں ایک قبلی شخص تھا جو بڑھئی کا کام جانتا تھا (قریش کے کہنے پر کوہ شخص اس پر راضی ہو گیا کہ کعبے کی چھت دہنائے اور باقوم رومی کے کام میں مدد کرے۔ یہ قبلی شخص سعید ابن عاص کا غلام تھا۔“

اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ باقوم رومی بڑھئی تھا (جس کی باقوم قبلی نے مدد کی) مگر اس اگلی روایت میں پھر باقوم رومی کے متعلق یہ ہے کہ اس نے کعبے کی تعمیر کی۔ یہ روایت کتاب اصابہ میں ہے :-

”اس شخص کا نام جس نے قریش کے لئے کعبے کی تعمیر کی..... باقوم تھا اور وہ رومی تھا۔ یہ ایک جہاز میں تھا جو مخالف ہواؤں میں پھنس گیا تھا جب قریش کو اس کا پتہ چلا تو وہ وہاں پہنچے اور انہوں نے اس جہاز کی لکڑی خرید لی۔ پھر انہوں نے باقوم سے کہا کہ اس کعبہ کو کنبہوں کی بنیاد پر بنادو۔“

یہ باقوم رومی بعد میں مسلمان ہو گیا تھا جب اس کا انتقال ہوا تو اس نے اپنا کوئی وارث نہیں چھوڑا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کا ترکہ سبیل ابن عمرو کو عنایت فرمایا۔

تعمیر کی نوعیت..... پھر جب قریش نے کعبہ کی تعمیر اس طرح کی کہ ایک ہر سال کی لکڑی کا لنگھا اور اسی طرح نیچے سے لو پر تک ایک ایک رڈا پتھر کا لنگلا۔ اس تعمیر میں انہوں نے کعبے کی اونچائی کو نو گز..... زیادہ کر دیا اور اس طرح اب اس کی اونچائی اٹھارہ گز ہو گئی تھی۔ پھر انہوں نے کعبے کے دروازے کو بھی زمین سے اتار اونچا اٹھایا کہ کوئی شخص بیڑھی استعمال کئے بغیر اس میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس منصوبہ کے ساتھ کعبے کی تعمیر کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کے پاس اس مد کارو پیہ ختم ہو گیا۔ اس لئے انہوں نے یہ کہا کہ تعمیر میں سے کچھ پتھر نکال دیئے۔ ایک روایت کے یہ لفظ ہیں کہ۔ انہوں نے چوڑائی میں سے چند گز تک پتھر نکال دیئے اور (اس طرح کعبے کا جو حصہ علیحدہ رہ گیا) اس پر ایک چھوٹی سی دیوار بنادی تاکہ علامت رہے کہ یہ حصہ کعبہ کا ہے۔

حجر اسود کے رکھنے میں اختلاف..... کعبے کی تعمیر شروع ہونے کے بعد جب حجر اسود کی جگہ تک پہنچی تو (قریش میں زبردست اختلاف پیدا ہو گیا اور) ہر قبیلہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ ہر ایک قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر وہ رکھے۔ آخر بات اتنی بڑھئی کہ لوگ خون دیزی اور قتل و قاتل پر آمادہ ہو گئے۔

بنی عبد الدار نے ایک بڑا برتن لے کر اس میں خون بھر اور بنی عدی کے ساتھ مل کر آخر دم تک ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا عہد اور حلف کیا۔ انہوں نے اس برتن کے اندر خون میں اپنے ہاتھ ڈبو کر عہد کیا تھا اس لئے ان لوگوں کا نام لعقۃ الدہم پڑ گیا۔ اس کی تفصیل حلف مطہبین کے بیان میں گزر چکی ہے۔

ابو امیہ ابن مغیرہ..... قریش کے درمیان یہ جھگڑا اور اختلاف چار پانچ دن تک رہا۔ آخر پھر وہ ایک دن مسجد حرام میں جمع ہوئے اس مجلس میں ابو امیہ ابن مغیرہ جس کا نام حذیفہ تھا پورے قبیلہ قریش میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ آدمی تھا۔ یہ ابو امیہ آنحضرت ﷺ کا خسر یعنی ام المومنین حضرت ام سلمہ کا باپ تھا۔ یہ شخص قریش کے

انتہائی شریف آدمیوں میں سے ایک تھا جو اپنی فاضلی اور سخاوت کے لئے مشہور تھے۔ یہ شخص مسافر کو زور لہ یعنی سفر کے لئے ناشتہ وغیرہ دینے میں مشہور تھا۔ جب کبھی یہ سفر کرتا تو اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی اپنے گھر سے ناشتہ لے کر نہیں چلے دیتا تھا بلکہ سب لوگوں کے کھانے پینے کا تمام انتظام تھا جو وہی شخص کرتا تھا۔

اس بارے میں بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسافروں کو کھانا دینے کے لئے قریش کے تین آدمی مشہور تھے ایک ذمہ ابن اسود ابن مطلب ابن عبد مناف جو غزوہ بدر میں کفر کی حالت میں مذاہبہا دوسرا شخص مسافر ابن ابی عمرو ابن امیہ تھا اور تیسرا ابو امیہ ابن مغیرہ تھا جو سب سے زیادہ مشہور تھا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ قریش میں مسافر کو کھانا دینا ابو امیہ ابن مغیرہ ہی کا ہوا یا کرتا تھا (اس کا مطلب یہ نہیں کہ باقی جن دو آدمیوں کا نام اس بارے میں گزر رہا ہے وہ کھانا نہیں دیا کرتے تھے بلکہ) ممکن ہے یہ مراد ہو کہ اس وصف میں چونکہ سب سے زیادہ شہرت ابو امیہ کی ہی تھی اس لئے قریش اسی کو جانتے تھے۔ یہ ابو امیہ اپنے ہی دین پر مراہے شاید اس کو نبوت کا زائد نہیں ملا۔

ابو امیہ کی طرف سے ایک حل..... فرض کعبہ کی تعمیر کے دوران جب حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ رکھنے کا وقت آیا اور قریش میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا تو وہ چار پانچ روز تک الجھنے کے بعد ایک دن مسجد حرام میں جمع ہوئے جہاں یہ ابو امیہ ابن مغیرہ بھی تھا چونکہ یہ اس مجمع میں سب سے زیادہ مرمیہ شخص تھا اس لئے اس نے یہ جھگڑا ختم کرنے کے لئے (مجمع سے کہا)

”اے گروہ قریش اپنے اختلاف کو دور کرنے کے لئے تم یہ کرو کہ اس مسجد کے دروازے سے لب جو بھی پہلا شخص داخل ہو اس کو تم اپنا حکم بناؤ تاکہ وہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔“

یہ دروازہ باب بنی شیبہ تھا اس کو اس وقت جاہلیت کے زمانے میں باب بنی عبد مناف کہاجاتا تھا اب اس دروازے کو باب السلام کہاجاتا ہے اس بارے میں ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ (ابو امیہ نے قریش سے یہ کہا) ”جو شخص بھی اب سب سے پہلے باب السقا سے داخل ہو اس کو اپنا حکم بناؤ۔“

یہ باب السقا کن یملیٰ اور رکن اسود کے درمیان حصے کے سامنے تھا مگر علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ۔ قریش کو جس شخص نے یہ مشورہ دیا کہ جو پہلا آدمی باب بنی شیبہ سے داخل ہو وہ حجر اسود کو رکھے۔ (یہ مشورہ دینے والا شخص مہشم ابن مغیرہ تھا اور اس کا لقب ابو حذیفہ تھا اس بارے میں کہاجاتا ہے کہ اس سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے اسی (ابو امیہ) کا نام تو حذیفہ ہو اور اس کی کنیت ابو حذیفہ ہو جیسا کہ ابو امیہ بھی اس کی کنیت تھی اور مہشم اس شخص کا لقب ہو۔

(یہاں خود روایت کے لفظوں میں بھی فرق ہے ایک جگہ یہ لفظ ہیں کہ اس دروازے سے داخل ہونے والا پہلا آدمی تمہارے درمیان فیصلہ کرے اور ایک روایت کے یہ لفظ ہیں کہ اس دروازے سے داخل ہونے والا پہلا شخص حجر اسود کو اس کی جگہ رکھے) اس سلسلے میں ممکن ہے رولوی کے الفاظ میں اختلاف ہو گیا ہو کہ ایک مرتبہ یہ کہہ دیا گیا کہ وہ پہلا داخل ہونے والا شخص تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ اور ایک جگہ یہ کہہ دیا گیا کہ وہ حجر اسود کو اس کی جگہ رکھ دے گا۔ لیکن پہلی بات ہی زیادہ مشہور ہے۔ اس بات کی تصدیق آنے والی روایت سے بھی ہوتی ہے۔

امین علیہ السلام کی آمد..... فرض اس دروازے سے سب سے پہلے داخل ہونے والے شخص خود آنحضرت ﷺ

تھے قریش نے جیسے ہی آپ کو دیکھا وہ فوراً پکار اٹھے۔

”یہ امین ہیں..... ہم ان پر راضی ہیں..... یہ محمد ﷺ ہیں!“

(ی) اس کا سبب یہ تھا کہ جاہلیت کے زمانے میں بھی (آنحضرت ﷺ) کی پاکیزہ شخصیت اور مضبوط بے دلع کردار کی وجہ سے (قریش کے لوگ اپنے جھگڑوں میں رسول اللہ ﷺ کو ہی اپنا ثالث بتایا کرتے تھے کیونکہ آپ ﷺ نہ کسی کی بے جا حمایت کرتے تھے اور نہ مخالفت کرتے تھے) بلکہ ہمیشہ آپ ﷺ کا معاملہ کمر اور انصاف و دیانت کے بالکل مطابق ہوا کرتا تھا۔

آنحضرت ﷺ کا فیصلہ..... آخر جب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس پہنچے اور انہوں نے آپ کو تمام واقعہ بتلایا تو آپ ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ مجھے ایک چادر لا کر دو چنانچہ فوراً ایک چادر لائی گئی۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ (جب قریش نے آپ کو سارا معاملہ بتلایا تو) آپ نے اپنا تہ بند لے کر (جو غالباً آپ ﷺ کے ساتھ زائد ہو گا) اسے زمین پر بچھال دیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک سفید شالی کپڑا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کپڑا ولید ابن مغیرہ کا تھا۔ غرض آنحضرت ﷺ نے حجر اسود کو اٹھا کر اچھے دست مبارک سے اس میں رکھا اور اس کے بعد قریش سے فرمایا۔

”ہر قبیلے کے لوگ اس کپڑے کا ایک ایک کنارہ پکڑ لیں اور پھر سب مل کر اس کو اٹھائیں۔“

چنانچہ سب نے ایسا ہی کیا۔ بنی عبد مناف کا جو حصہ تھا اس کو عقبہ ابن ربیعہ نے اٹھایا، دوسرے حصے کو زمرہ نے پکڑا۔ تیسرے کو ابو حذیفہ ابن مغیرہ نے اٹھایا اور چوتھے حصے کو قیس ابن عدی نے پکڑا یہاں تک کہ جب انہوں نے حجر اسود کو اس جگہ تک اٹھادیا جہاں اس کو رکھنا تھا تو خود رسول اللہ ﷺ نے بڑھ کر حجر اسود کو اسکی جگہ پر رکھ دیا۔

جب اس ابوامیہ ابن مغیرہ کا (جس نے قریش کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی) انتقال ہوا تو ابوطالب نے اس کا ایک بہت لمبا سریشہ لکھا تھا۔ اسی طرح ایک شخص ابو جحش نے بھی اس کا سریشہ لکھا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں۔

اَلَا هَلْكَ الْعَاجِدُ الرَّافِدُ
وَكُلُّ قَوْمٍ لَهْ حَاجِدُ

ترجمہ :- خبردار ہو۔ ہلاک ہو گیا وہ شخص جو بزرگ اور خوش حال تھا یہاں تک کہ ہر قریشی اس کی تعریف کرتا ہے۔

وَمِنْ هُوَ عَصِمَةُ ابْنِ مَنَا
وَحُثِّ إِذَا قُلْتُ الرَّافِدُ

لورہ شخص جو ہمارے قبیلوں اور بے سہار لوگوں کی پناہ گاہ تھا اور تنگ حالی میں لوگوں کے لئے سہارا

تھا۔
فیصلے پر شیطان کی شرارت..... (قال حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھنے لگے تو ایک نجدی شخص آگے بڑھا تاکہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر بٹانے کے لئے آنحضرت ﷺ کو پتھر اٹھا کر دے مگر حضرت عباسؓ نے اس کو روک دیا اور خود دوسرا پتھر آپ ﷺ کو دے دیا تاکہ اس سے آپ ﷺ حجر اسود کو اس کی جگہ پر مضبوط کر دیں۔

اس پر نجدی کو ایک دم غصہ آگیا اور اس نے بگڑ کر کہا۔
 ”بڑے تعجب کی بات ہے کہ باعزت سمجھ لو اور ایسے دولت مند لوگوں نے مل کر ایک ایسے نوجوان کو اپنا بڑا بیٹا لیا جو عمر میں بھی سب سے چھوٹا ہے اور مال و دولت میں بھی ان سب سے کم ہے۔ لب یہ سب کے سب اس طرح اس کی عزت افزائی میں لگے ہوئے ہیں جیسے سب اس کے خدام ہیں۔ یاد رکھو کہ خدا کی قسم یہ شخص سب کو جتنوں میں بانٹ دے گا اور ان کی ایک لور شیرازہ بندی کو پار چارہ کر دے گا۔“
 اس شخص کی ان باتوں سے قریب تھا کہ مجمع میں گزبڑ ہو جائے (مگر پھر لوگوں کو خود ہی سمجھ آگئی اور وہ ٹھنڈے پڑ گئے)

یہ نجدی شخص (جس نے اس موقع پر لوگوں میں پھوٹ ڈالنی چاہی) شاید ابلیس تھا کیونکہ علامہ سیبلی نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ :-

جب لوگوں نے اس جھگڑے میں کہ کون حجر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھے۔ آنحضرت ﷺ کو حکم بنایا تو ابلیس یعنی شیطان ایک نجدی بوڑھے کی شکل میں ظاہر ہوا اور پکار کر کہنے لگا۔

”اے کردہ قریش! کیا تم لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ اپنے معزز اور باعزت لوگوں کے مقابلے میں اس لڑکے کو اپنا معاملہ سپرد کر دو.....!“

نجد کے علاقے سے شیطان کا تعلق..... (اب جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ ابلیس ایک نجدی آدمی کے روپ میں ہی کیوں ظاہر ہوا تو اس کی وجہ یہ حدیث ہے کہ نجد ہی وہ جگہ ہے جہاں سے شیطان کا سینک نکلا ہے۔ اسی طرح ایک وجہ یہ حدیث بھی ہے کہ جب ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ۔

”اے اللہ! ہمارے ملک شام اور یمن میں برکت عطا فرما.....“

تو صحابہ نے عرض کیا

”اور ہمارے نجد کے علاقے میں بھی۔“

مگر آنحضرت ﷺ نے پھر ان ہی دو علاقوں کا نام لیا اور (نجد کے بارے میں) فرمایا
 ”وہاں تباہیاں لورفتے ہیں اور اسی علاقے سے شیطان کا سینک نکلے گا۔“

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں۔ آگے بیان آئے گا کہ جب آنحضرت ﷺ کے ظہور کے بعد لوگ

آپ ﷺ کے جانی دشمن بن گئے اور قریش نے دارالندوہ یعنی اپنی مشورت گاہ میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا تو اس وقت بھی شیطان ایک نجدی شخص کی ہی صورت میں ظاہر ہو کر قریش کے مجمع میں شامل ہوا تھا (نیز شیطان کے ایک نجدی ہی شخص کی صورت میں ظاہر ہونے کا) اس کے علاوہ ایک اور سبب بھی ہے۔ اس بارے میں ممکن ہے کہ ایک سبب یہ بھی ہو جو یہاں بیان کیا گیا اور وہ جو آگے ذکر ہوگا۔

بیت اللہ کی بتوں سے آراستگی..... (غرض قریش نے جب کعبے کی تعمیر مکمل کر لی تو انہوں نے وہ تمام بت جو وہاں سجے ہوئے تھے دوبارہ ہیں رکھ دیئے۔ کیونکہ کعبے کی دیواروں میں پہلے ہی سے بتغیروں کی تصویریں مختلف رنگوں میں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر تھی جس میں ہاتھ میں قرعہ کے تیر دکھائے گئے تھے۔ (ی) اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصویر کے ہاتھ میں بھی قرعہ کے تیر دکھائے گئے تھے۔ اس کے علاوہ فرشتوں کی تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں اور حضرت مریم علیہا السلام کی شکل

بھی جیسا کہ فتح مکہ کے بیان میں آگے تفصیل آئے گی۔

پھر قریش کے بڑے لوگوں اور رہنماؤں نے بیت اللہ پر اپنے قیمتی کپڑے چڑھائے جو یمن کی وحیدہ اور چادریں تھیں۔ مگر اس موقعہ کے بعد بیت اللہ پر کسی نے کوئی چادر نہیں چڑھائی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع یعنی آخری حج کے موقعہ پر کعبہ پر یمنی چادریں چڑھائیں (جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی) کو اللہ اعظم کلمہ طیبہ کی برکت..... کعبہ کی یہ تعمیر (جو قریش نے کی) چوتھی تعمیر ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے کعبہ کو فرشتوں نے بنایا تھا۔ چنانچہ بعض صحابہ کے اقوال میں سے ہے کہ :-

”زمین و آسمان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش ٹٹھے پانی کے اوپر تھا۔ پھر جب عرش کو پانی پر ہونے کی وجہ سے حرکت ہوئی تو اس پر یہ کلمہ لکھ دیا گیا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُولُ اللَّهُ. اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

زمین کی اصل اور تخلیق ارض و سماء..... اس کلمہ کے لکھے جانے کے بعد عرش اپنی جگہ پر ساکن ہو گیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس نے اس پانی پر ہوا کو بھیجا جس سے پانی میں موجیں اٹھنے لگیں اور اس پر بخارات یعنی بھاپ اٹھنے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بھاپ سے آسمان کو پیدا فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی جگہ سے پانی کو بنادیا اور پانی خشک ہو گیا۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ اللہ تعالیٰ نے پانی پر حیز ہواؤں کو بھیجا جس سے پانی کو اچھالا یعنی اس میں موجیں اٹھنے لگیں جس کے درمیان خشکی پیدا ہو گئی (یہی جگہ بیت اللہ شریف کی ہے) پھر اسی جگہ سے اللہ تعالیٰ نے لمبائی اور چوڑائی ہر لحاظ سے زمین کو پھیلا دیا۔ اس لئے یہی (بیت اللہ شریف کی) جگہ ساری زمین کی اصل اور اس کا مرکز ہے۔

مگر کتاب انس الجلیل میں جو روایت ہے وہ اس بات کے خلاف ہے (کہ زمین کی اصل اور مرکز کعبہ ہے) کیونکہ اس میں حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔

”دنیا کا بیج (یعنی مرکز اور اصل) بیت المقدس ہے اور آسمانوں سے (اپنے مرتبے کے لحاظ سے) سب سے زیادہ قریب اور اونچی جگہ یہی ہے۔“

بیت المقدس کی عظمت..... حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاذ ابن جبلؓ سے اسی سلسلے میں یہ روایت ہے کہ یہ (بیت المقدس کی) جگہ اپنے مقام اور عظمت کے لحاظ سے دوسرے تمام مقامات کے مقابلے میں (آسمانوں سے بارہ میل قریب ہے) (اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ جگہ سطح سمندر سے بارہ میل بلند ہے بلکہ یہاں بلندی سے مراد عظمت اور مرتبہ ہے کہ زمین کے دوسرے مقدس مقامات اپنے مرتبے کے لحاظ سے آسمانوں سے جتنے قریب ہیں بیت المقدس کا مقام ان سب سے بارہ میل اور زیادہ ہے)۔

زمین کا اولین و افضل ترین پہاڑ..... کتاب انس الجلیل ہی میں ایک قول یہ ہے کہ :-

جب زمین ظاہر ہو گئی تو اس پر پہاڑ قائم کئے گئے۔ سب سے پہلے زمین پر جو پہاڑ قائم کیا گیا وہ ابو قیس پہاڑ ہے۔ اس روایت کی روشنی میں اس پہاڑ کو ابو جبال یعنی پہاڑوں کا باب کہنا چاہئے اور اسی پہاڑ کو سب سے اعلیٰ اور افضل پہاڑ کہنا چاہئے۔ مگر اس بارے میں علامہ سیوطی کا قول یہ ہے کہ پہاڑوں میں سب سے افضل اور بلند مرتبہ پہاڑ احد ہے (جس کے دامن میں غزوہ احد ہوا تھا) علامہ سیوطی نے یہ بات آنحضرت ﷺ کے ایک ارشاد

کی بناء پر کسی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے۔

احمد پہاڑ کی عظمت..... ”احمد پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم احمد پہاڑ سے محبت رکھتے ہیں۔“ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی روشنی میں یہی پہاڑ سب سے اونچے مرتبے والا ہونا چاہئے کیونکہ آنحضرت ﷺ اس سے محبت فرماتے ہیں (پھر علامہ سیوطی ایک دلیل اور بھی دیتے ہیں کہ احمد پہاڑ کے بارے میں ایک حدیث یہ بھی ہے کہ:-

”یہ پہاڑ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کے لو پر ہے۔“

افضل ترین خطہ زمین..... اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کے یہاں عالم مثل میں اس عالم کی جو شبیہ اور تصویر ہے وہاں احمد کا پہاڑ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کے لو پر واقع ہے اور اس طرح احمد پہاڑ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے) پھر علامہ سیوطی ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ احمد کا پہاڑ مدینہ منورہ کی زمین کا ہی ایک حصہ ہے (کیونکہ یہ مدینے سے قریب ہے) اور مدینے کی سر زمین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ سب سے زیادہ فضیلت اور مرتبہ والا خطہ ہے۔

نیز ایک قرأت کے لحاظ سے احمد پہاڑ کا نام قرآن پاک میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (وہ آیت یہ ہے)

إِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْهَاجُوا إِلَىٰ أَعْمَالِكُمْ وَلِكُلٍّ مِنكُمْ مَّا يَرَىٰ مِنْكُمْ يَوْمَ الْفِتْنَةِ ۚ وَمَنْ يُدْرِكْ أَهْلَ الْبُيُوتِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمْ ۚ (سورۃ آل عمران ع ۱۶ البقرة)

ترجمہ:- وہ وقت یاد کرو جب تم چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی تو نہ دیکھتے تھے۔

(اس آیت میں عام قرأت تو اُحد ہی ہے اور غزوہ اُحد میں مسلمانوں کی ابتدائی پسپائی کی طرف اشارہ ہے لیکن اس لفظ کی ایک قرأت علیٰ اُحد بھی کی گئی ہے۔ اس قرأت کی صورت میں احمد پہاڑ کی فضیلت کے لئے یہ ایک اور دلیل بنتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کا نام لے کر قرآن پاک میں ذکر فرمایا)

پھر زمین کو اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کر سات زمینیں بنادیں۔

تخلیق زمین کی کیفیت..... (زمین کی تخلیق کے متعلق) ایک حدیث میں ہے کہ:-

”اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں اس حالت میں بنایا کہ وہ چمچی ہوئی اور پھیلی ہوئی نہیں تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دو دن میں آسمانوں کو بنایا اور ان کو دو دن میں برابر اور ہموار کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین کو بچھلایا اور دو دن میں اس میں پہاڑ وغیرہ بنائے۔“

ترتیب تخلیق..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا فرمایا اس وقت آسمان ایک دھواں سا تھلہ پھر آسمانوں کو پیدا فرمایا اور انہیں دو دن میں پھیلادیا۔ اس کے بعد زمین کو دو دن میں بچھلایا اور اس میں پہاڑ اور نہریں وغیرہ پیدا فرمائیں۔ گویا زمین کی پیدائش تو آسمان سے پہلے ہوئی لیکن اس کو بچھانے اور اس میں پہاڑ اور نہریں وغیرہ پیدا کرنے کا کام آسمانوں کے بنائے جانے کے بعد ہوا اس کی طرف حق تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔

اَتَمَّ اللَّهُ خَلْقَ الْإِنسَانِ إِذْ خَلَقَهُ مِن طِينٍ فَسَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِ رَبِّهِ ۚ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (سورۃ الذاریہ ع ۱۴)

ترجمہ:- بھلا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا۔ اللہ نے اس کو بنایا۔ اس کی سق (یعنی

چھت) کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا۔ اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا اور اس کے بعد

زمین کو بچھلایا اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا)

مگر علامہ مغلطائی کہتے ہیں کہ **بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا** میں **بَعْدَ** کا لفظ قبل کے معنی میں ہے یعنی اس سے پہلے زمین کو بچھلایا۔ کیونکہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

مگر یہ تفسیر قابل غور ہے کیونکہ (یہ تو درست ہے کہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا مگر جیسا کہ اوپر کی حدیث میں بیان ہوا کہ زمین بغیر پھٹی ہوئی صورت میں آسمان سے پہلے پیدا کی گئی البتہ جہاں تک زمین کو بچھانے کا تعلق ہے (جس کے متعلق **بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا** میں اشارہ کیا گیا ہے کہ آسمان پیدا کرنے کے بعد ہی ہوا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے اس بارے میں پوچھا اور کہا کہ :-

”اے امام! قرآن پاک کی بعض آیتوں میں مجھے مشکل پیش آ رہی ہے۔“

پھر اس نے وہ آیات پڑھیں کہ ایک آیت میں ہے :-

قُلْ لَكُمْ مَكْرُوهٌ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَتَسَلَّلُونَ لَهُ الْأَسْجَادَ ذَلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ مِنْ طُورِهَا وَبَلَغَ فِيهَا أَقْوَامًا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلنَّاسِ لِيَوْمِئِذٍ ثُمَّ أَسْرَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دَحْيَانٌ فَعَلَّ لَهَا وَاللَّيْلِ طُورًا أَوْ كَرَاهًا قَالُوا إِنَّا طَالِعِينَ (پ ۲۴ سورہ جم السجده ع ۲) **الْأَيَّامُ**

ترجمہ :- آپ فرمائیے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو روز میں پیدا کیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو۔ یہی سارے جہاں کا رب ہے۔ اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنوائے اور اس میں فائدے کی چیزیں رکھ دیں اور اس میں اس کی غذا اُنیں تجویز کر دیں چار دن میں۔ پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور وہ حوالاں ساتھ لے کر اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آفتاب بردستی سے۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

پھر ایک دوسری آیت میں فرمایا

أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا الْأَيَّامُ ۚ ۳۰ سورہ نازعات ع ۲

ترجمہ :- (بھلا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے کیا آسمان کا۔ اللہ نے اس کو بنایا۔

پھر آگے فرمایا

وَالْأَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ دَحْيَانٌ لِّآيَةِ ۳۰ سورہ نازعات ع ۲

ترجمہ :- اور اس کے بعد زمین کو بچھلایا

(یہاں پوچھنے والے کو جو شبہ ہوا وہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں صاف کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں بنایا اور زمین کے اوپر پہاڑ وغیرہ بنوائے پھر یعنی اس کے بعد آسمان کی توجہ فرمائی جو دو عموں کی صورت میں تھا گویا زمین پہلے بنائی گئی اور آسمان اس کے بعد بنایا گیا۔ مگر سورہ نازعات کی جو دو آیتیں بعد میں ذکر کی گئیں ان میں سے پہلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بنایا۔ اور پھر آگے فرمایا کیا کہ۔ اس کے بعد زمین کو بچھلایا اور پوچھنے والے کو دونوں جگہوں پر اس ظاہری اختلاف کی وجہ سے شبہ پیدا ہوا جس کے متعلق اس نے حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا) حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا۔

”خلقت الارض وسماء کی نوعیت.....“ جہاں تک حق تعالیٰ کے اس قول کا تعلق ہے کہ زمین کو دو دن میں بنایا گیا تو زمین حقیقت میں آسمان سے پہلے پیدا کی گئی۔ (مگر صرف زمین کا مادہ پیدا کیا گیا اس کو اس موجودہ شکل

میں اس وقت تک نہیں لایا گیا تھا جس میں ہم اس کو اب دیکھتے ہیں یہ اس وقت ایک بھاپ کی سی صورت میں تھا۔ پھر آسمان کا یہ مادہ یعنی بھاپ کی صورت میں زمین کے مادہ کے بعد پیدا کیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے زمین کو موجودہ صورت میں بچانے سے پہلے لیکن زمین کا مادہ پیدا فرمادینے کے بعد (اس دھوئیں سے) کہ وہ دن میں سات آسمان بن جائے۔

چنانچہ حق تعالیٰ کے اس مادہ مثلاً کا تعلق ہے کہ اس کے بعد یعنی آسمان کے بعد زمین کو بچایا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ (زمین کے تیار شدہ مادے سے اس کو موجودہ شکل میں لا کر بچھلایا اور) اس میں پہاڑ بنادینے، نہریں بنانے اور رخت لگا دینے اور دنیا بنادینے۔

تشریح مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے اگرچہ زمین ہی پیدا کی گئی مگر اس کو ایک مادہ کی صورت میں بنا کر موجودہ صورت میں بچائے بغیر چھوڑ دیا گیا اور پھر آسمان کا مادہ پیدا فرمایا گیا جو دھوئیں اور بھاپ کی سی صورت میں تھا۔ پھر اس دھوئیں سے سات آسمانوں کو وہ دن میں بنایا گیا۔ اب جب ساتوں آسمان بن چکے تو حق تعالیٰ نے زمین کے اس مادہ کی طرف توجہ فرمائی۔ جس کو بنا کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ اب اس مادہ سے زمین کو موجودہ شکل دی گئی اور اس میں پہاڑ، دریا اور درخت وغیرہ بنادینے۔ اس جواب کے بعد ان آیتوں کا صحیح مطلب سامنے آجاتا ہے اور شبہ باقی نہیں رہتا۔

زمین و آسمان کو پیدا کرنے کی ترتیب کے حقائق قرآن پاک کی اس آیت میں بھی بیان کیا گیا ہے۔
 هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَاعِیَ الْاَرْضِ جَمِیْعَةً ثُمَّ اَنْصَبَ اِلَیْهِ السَّمٰوٰتِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ
 (الاعراف سورہ بقرہ ۳)

ترجمہ: وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمام ارضے فائدے کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب پھر فرمائی آسمان کی طرف، سو درست کر کے بنادینے ان کو سات آسمان۔ پھر وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ نے تفسیر بیان اتر کن میں لکھا ہے۔

”یوں تو زمین و آسمان کی پیدائش کا قرآن مجید میں صریحاً مقام پر ذکر آیا ہے مگر ترتیب کا بیان کہ پہلے کیا بنایا صرف غالباً تین جگہ آیا ہے۔ اس آیت میں، حم السجده میں، وَالْقُلُوبُ عَلٰتٌ مِّنْ لَّوْرٍ سُرْمَرِیٰ نَظَرٌ مِّنْ اَنْ سَبْ کے مضامین میں کچھ اختلاف سامنے ہو رہا ہے۔ سب آیتوں میں غور کرنے سے میرے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ یوں کہا جوں کہ لول زمین کا مادہ بطور نمود اس کی ہیبت موجودہ نہ بنی تھی کہ اسی حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو صورت و خان (دھواں) میں تھا۔ اس کے بعد زمین میں ہیبت موجودہ پر پھیلا دی گئی۔ پھر اس پر پہاڑ اور رخت وغیرہ پیدا کئے گئے۔ پھر اس مادہ و خلیہ سیالہ (یعنی دھوئیں کے پتے مادے) کے سات آسمان بنادینے۔ امید ہے کہ سب آیتیں اس تفسیر پر منطبق ہو جائیں گی آگے حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہیں۔“ (حلالہ تفسیر بیان اتر کن)

اب گویا علامہ طبریؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی جو تفسیر بیان کی ہے اس کے مطابق زمین و آسمان پیدا کئے جانے کی ترتیب میں اور حضرت تھانویؒ کی تفسیر کی ترتیب میں تمیز و امتیاز ہے۔ علامہ طبریؒ تو یہ نقل کرتے ہیں کہ سب سے پہلے زمین کا مادہ بنا کر چھوڑ دیا گیا۔ حق تعالیٰ نے آسمان کا مادہ بنایا جو دھوئیں کی صورت میں تھا۔ پھر

دودن میں اس بات سے سات آسمان پیدا فرمائے اور پھر اس کے بعد زمین کے پہلے سے تیار شدہ ہاتے سے زمین کو یہ موجودہ صورت دی جس میں ہم اس کو دیکھتے ہیں۔ مگر حضرت عقیلیٰ یہ سمجھتے ہیں کہ پہلے زمین کا مادہ بنا کر چھوڑ دیا گیا اس کے بعد آسمان کا مادہ حوس کی صورت میں بنا کر اسے بھی چھوڑ دیا گیا اور زمین کو دودن میں موجودہ صورت میں پھیلا دیا اور اس پر پہاڑ وغیرہ بنائے۔ اس کے بعد آسمان کے تیار شدہ ہاتے سے دودن میں سات آسمان بنائے۔

خلاصہ یہ کہ چھ دن میں زمین و آسمان پور دیا، پہاڑ اور نریں وغیرہ بنادی گئیں۔ مرتب (تشریح قسم) بعض علماء کا قول یہ ہے کہ۔

”آسمان زمین سے پہلے پیدا کیا گیا، اندھیر اور روشنی سے پہلے پیدا کیا گیا اور جنت، دوزخ سے پہلے پیدا کی گئی۔ اگرچہ لوہے حضرت ابن عباسؓ کی جو تفسیر بیان کی گئی اس سے یہ قول غلط ہو جاتا ہے۔

زمینوں کے مختلف ہونے کے متعلق قرآن پاک کی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِطْلَقًا ۚ ۲۸ سُوْرَةُ طٰوٰق ۲۸ اَللّٰہِ

ترجمہ: اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ان ہی کی طرح زمین بھی۔

کیا سات زمینیں سات مستقل عالم ہیں؟ (اس سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں اور ان سات زمینوں کے متعلق اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ :-

”زمینیں سات ہیں اور ہر زمین میں تہمدے نبی کی طرح ایک نبی ہے، تہمدے آدم کی طرح ایک آدم ہے تہمدے نوح کی طرح ایک نوح ہے، تہمدے ابراہیم کی طرح ایک ابراہیم ہے اور تہمدے عیسیٰ کی طرح ایک عیسیٰ ہے۔“

اس حدیث کو حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں بیان کیا اور اس کی سند کو صحیح مطلقاً ہے۔ مگر علامہ بیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند تو صحیح ہے مگر یہ حدیث بہت زیادہ مثلاً ہے۔ (ی) کیونکہ حدیث کی سند کے صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں کہ حدیث کا متن یعنی الفاظ بھی درست ہوں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث کی سند یعنی راویوں کا سلسلہ تو صحیح اور مضبوط ہے مگر اس حدیث کے متن میں ایسی چیزیں ہوں جن کو (احادیث ہی کی روشنی میں) صحیح نہ کہا جاسکتا ہو۔ لہذا یہ حدیث ضعیف یعنی کمزور ہے۔

علامہ سیوطی نے اس کے متعلق یہ لکھا ہے۔

”اس حدیث کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے (ان دوسری چھ زمینوں کے ذخیروں سے) سرور وہ ڈرانے والے ہوں جو جنوں کو انسان کے ذخیروں کی طرف سے (کفر و شرک سے) لڑاتے ہوں۔ لہذا ممکن ہے کہ ان ڈرانے والوں کے نام بھی ان ہی نبیوں کے ناموں پر پڑ گئے ہوں جن کی طرف سے یہ تبلیغ کرتے تھے (یعنی جنوں میں سے جو شخص حضرت آدمؑ کی طرف سے اپنی قوم کو تبلیغ کرتا اور ڈراتا ہو اس کا نام بھی آدم ہی پڑ گیا ہو، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے تبلیغ کرنے والے کا نام ابراہیم پڑ گیا ہو) یہاں تک کہ مثلاً وہ حدیث کہلاتی ہے جس کا راوی تو معتبر اور ثقہ ہو مگر اس میں یہ کمزوری ہو کہ اس نے اپنے سے زیادہ معتبر اور قابل اعتماد راوی کی مخالفت کی ہو

علامہ سیوطی کا کلام ہے۔

اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے بھی جنت کو تبلیغ کرنے والا ایک قاصد تھا اور اس کا نام بھی آنحضرت ﷺ کے نام ہی کی طرح قدامت سے مرادیں میں شاید آپ کا مشہور نام یعنی محمد ہے۔

سات زمینوں کے وجود پر اعتقادی و عقلی امکانات

تشریح: اس بارے میں علامہ سیوطیؒ کی یہ بات ہی مناسب معلوم ہوتی ہے جبکہ اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے کیونکہ علماء کو اس حدیث کے الفاظ کے صحیح ہونے میں کلام ہے۔ اس کے متعلق حضرت تھانویؒ نے اس آیت کی تفسیر کے تحت یہ لکھا ہے جس کو حرج نقل کر رہا ہے :-

”ان سات زمینوں میں احتمال ہے کہ نظر نہ آتی ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ نظر آتی ہوں اور لوگ ان کو کواکب (یعنی ستارے) سمجھتے ہوں جیسا مرجع کی نسبت بعض کا گمان ہے کہ اس میں جبال و انہار (یعنی پہاڑ، نہریں) آبادی ہے اور حدیث میں جولان زمینوں کا اس زمین کے تحت میں ہونا وارد ہے وہ باعتبار بعض حالات کے ہو اور بعض حالات میں وہ زمینیں اس سے فوق (یعنی اوپر) ہو جاتی ہیں۔“ (حوالہ تفسیر بیان القرآن)

جہاں تک سات زمینوں کے وجود کا تعلق ہے اس کی اطلاع قرآن پاک میں دی گئی ہے اور سات زمینوں کا وجود اعتقادی لحاظ سے بھی ہے اور عقلی طور پر بھی ممکن ہے۔ صرف اعتقادی لحاظ سے ماننے کی صورت میں حضرت تھانویؒ کی یہ تفسیر آخری درجے کی ہے کہ ممکن ہے وہ زمینیں نظر نہ آتی ہوں بلکہ وہ مثالی شکل میں موجود ہوں۔ جہاں تک عقلی طور پر ماننے کا تعلق ہے سو اس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ کائنات میں اربوں کھربوں ستارے ہیں ہو سکتا ہے ان میں اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے سیارے بنائے ہوں جو بالکل پہلی زمین کی طرح آباد ہوں اور ان میں زندگی ہو اور اس کے قاضی موجود ہوں۔ اگرچہ چاند پر زندگی کے آثار نہیں ملے اور مرجع کے متعلق بھی اب تک کی ابتدائی تحقیقات یہی ہیں کہ وہاں آکسیجن اور واٹر روجن وغیرہ موجود نہیں ہے جو زندگی کے لئے ضروری ہے مگر اربوں کھربوں سیاروں میں صرف دو کے متعلق یہ علم ہو جانا ظاہر ہے اس کی دلیل نہیں بن سکتا کہ بقیہ بے شمار ستاروں میں بھی زندگی کے آثار موجود نہیں ہیں۔ کائنات کی تنجیو کے متعلق آج سائنس کی تہجیب کا ایک بڑا مقصد انسان کی یہی آرزو ہے کہ دوسرے سیاروں میں زندگی کا پتہ چلا سکے۔ اس لئے سائنس کی یہ تنجیو دوسرے سیاروں میں زندگی کے وجود کے امکان کی دلیل ہے۔

جہاں تک بقیہ زمینوں کے اس زمین کے نیچے ہونے کا تعلق ہے اس کے متعلق قرآن پاک نے تو کوئی تشریح نہیں کی البتہ ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ ایک زمین کے نیچے دوسری زمین ہے، اس کے نیچے تیسری اور اس کے نیچے چوتھی۔ اس طرح یہ سات زمینیں ہیں۔

کائنات کی ہیئت..... یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ حق تعالیٰ نے یہ کائنات بے اعتنا وسیع اور انسانی اور اک کے لحاظ سے لا محدود بنائی ہے۔ کائنات کی ان بے پناہ وسعتوں اور پیمائشوں میں اربوں کھربوں سیارے ایک خاص انداز میں گردش کر رہے ہیں۔ اس طرح یہ کائنات ایک عظیم خلا ہے جس میں اوپر نیچے اور ہر چار طرف سیاروں کا جھوم ہے۔ چنانچہ پوری کائنات کے لحاظ سے ہمارے اس کرہ زمین کے نیچے بھی خلا میں بے شمار

سیارے ہیں اور لوپر اور دائیں بائیں بھی۔ لہذا بقیہ چھ زمینوں کو اگر یہ مانا جائے کہ وہ نظر بھی آسکتی ہیں تو ان کے متعلق سیدھے انداز میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہماری اس زمین کے نیچے لوپر تلے خلا میں موجود ہیں یعنی کائنات کے اس عظیم خلا میں وہ بے شمار سیارے جو ہماری زمین کے نیچے واقع ہو رہے ہیں ان میں عداہ چھ زمینیں بھی موجود ہیں جو بالکل ہماری اس زمین کی طرح ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کائنات اور خلاء کے لحاظ سے اس میں موجود چیزوں میں سے کسی کو بھی نہ لوپر کہا جاسکتا ہے اور نہ نیچے۔ کیونکہ ہر سیدہ خلا میں ایک لحاظ سے اوپر تو ایک لحاظ سے نیچے ہے۔ لہذا اس نقطہ نظر سے بقیہ چھ زمینوں کے متعلق یہ کہنا بھی ضروری نہیں کہ وہ کائنات کے اسی حصے میں ہو سکتی ہیں جو ٹھیک ہماری زمین کے نیچے ہے۔

یہ بحث تو ہے خود سات زمینوں کے وجود کے متعلق جن کا موجود ہونا قرآن پاک سے ثابت ہے۔ اب جہاں تک ان زمینوں میں آبادی اور پیغمبروں یا ڈرانے والوں کے وجود کا تعلق ہے اس کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی جو حدیث پیچھے بیان کی گئی ہے اس کے بارے میں چند علماء کا قول اور تفسیر تو خود علامہ حلیؒ نے نقل کر دی ہے جس سے اس حدیث کا کمزور ہونا ثابت ہوتا ہے حریذ یہ ہے کہ اس حدیث کو کتب درر معثور نے موقوف نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حدیث کی روایت اور سند کا سلسلہ صحابی تک جا کر رک جاتا ہو خود آنحضرت ﷺ تک نہ پہنچتا ہو۔ یعنی سند کے آخر میں یہ ہو کہ۔ فلاں صحابی نے یہ کہا اور اس کے بعد حدیث بیان کر دی گئی ہو۔ سند اس طرح نہ ہو کہ۔ فلاں نے فلاں صحابی سے بیان کیا اور ان صحابی نے آنحضرت ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ بات بھی روایت اور سند کے نقص کی دلیل ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ بعض علماء نے اس حدیث کو موضوع یعنی من گھڑت کہا ہے اور اس قول کو حضرت تھانویؒ نے بھی نقل کیا ہے۔

(مرتب) تشریح ختم

(پیچھے کی سطروں میں زمین و آسمان کی تخلیق سے متعلق سورہ حم السجدہ کی آیت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو بنانے کے بعد ان دونوں کو حکم دیا کہ تم دونوں خوشی سے دروند زبردستی سے حاضر ہو جس پر ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ) جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو خطاب کر کے فرمایا:-

إِنِّي طَوَعَا أَوْ كَرِهًا قَالَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (پ ۲۴ سورہ حم السجدہ ص ۲) للابسة

ترجمہ:- سو اس سے (یعنی آسمان سے) اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے، دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر زمین کے جس حصے نے جو لب دیا وہ عی جگہ ہے جہاں پر کعبہ شریف ہے اسی طرح آسمان کی طرف سے جو لب دیا گیا وہ اس حصے نے دیا جو کعبہ کی بالکل سیدھ میں ہے اور جو کہ آسمان میں بیت المعمور کی جگہ ہے۔

آنحضرت کی تخلیق زمین کے مرکز سے..... حضرت کعب بن احبہ سے روایت ہے کہ:-

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو تخلیق کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اس جگہ کی مٹی لے کر آئیں جو زمین کا قلب ہے یعنی اصل ہے اور اس کا حسن اور خوبصورتی و نور ہے۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک مٹی بھر مٹی اس جگہ سے اٹھائی جہاں رسول اللہ ﷺ کی قبر

مہلک ہے۔ یہ مٹی بالکل سفید اور چمک دار تھی اور اس میں سے (تور کی) اشخاصیں پھوٹ رہی تھیں۔
مگر حضرت امین عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ :-

بعض علماء کا قول ہے کہ ”رسول ﷺ کی مٹی کی اصل اس جگہ کی ہے جو کے میں تمام زمین کا مرکز ہے۔“ (حق تعالیٰ نے جب زمین و آسمان کو حاضر ہونے کا حکم دیا تھا تو زمین سے جس حصے نے حق تعالیٰ کے اس حکم کا جواب دیا وہ آنحضرت ﷺ کی مٹی تھی) (اس بارے میں یہ روایت گزر چکی ہے کہ زمین کے جس حصے نے جواب دیا تھا وہ کہہ مہدک کی جگہ ہے۔ اس شبہ کو دور کرنے کے متعلق آگے بیان آ رہا ہے)

آنحضرت ﷺ اور عہدِ اُلت..... (ی) شیخ ابو العباس مرسی نے لکھا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق سے فرمایا

”کیا تم اس خاص دن کو جانتے ہو؟“

حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا۔

ہاں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ذات کی جس نے آپ کو حق اور سچائی دے کر بھیجا کہ آپ یوم مقادیر (یعنی جس روز حق تعالیٰ نے دنیا میں پیدا ہونے والے تمام انسانوں کے اعمال کو مقدر فرمایا اس دن) اور یوم الاست (یعنی اسی وقت جب اللہ تعالیٰ نے تمام پیدا ہونے والی مخلوقات سے اپنی تعالیٰ و یکتائی کا قول و قرآن فرمایا تھا اس دن) کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ میں نے اس وقت آپ کو یہ کہتے سنا تھا کہ :-

شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

ترجمہ: میں کوئی دعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں۔

عهد الست

تشریح..... عہد الست سے سر لو وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم سے روز ازل میں لیا تھا اور قیامت تک دنیا میں پیدا ہونے والے تمام انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکل کر ان سے اقرار کر لیا تھا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں۔ اس عہد کے متعلق حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے۔

”عہد الست“ نام کی وجہ..... اس کو عہد الست اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے یہ عہد لینے کے وقت ان سے ان الفاظ میں سوال کیا تھا کہ :-

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اَلَسْتُ عربی میں واحد حکم کا سوالیہ صیغہ ہے جس کے معنی ہیں۔ کیا میں ہوں۔ اسی نقطہ سے علماء نے اس عہد کو یاد کیا ہے اور اس کو عہد اَلَسْتُ کہا ہے۔ اس عہد کے معلق اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے :-

[illegible]

ترجمہ: اور جب آپ کے رب نے نولاد آدم کی پشت سے ان کی نولاد کو نکالا تو ان سے انھیں کے

مطلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ ہم سب (اس واقعہ کے) گواہ بنے ہیں۔ تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس توحید سے محض بے خبر تھے یا یوں کہنے لگو کہ اصل شرک تو ہمارے بیوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے۔ سو کیا ان غلط روئو نکالنے والوں کے فعل پر آپ ہم کو ہلاکت میں ڈالے دیتے ہیں۔ ہم اسی طرح ایت (یعنی نکالنے والوں) کو صاف صاف بیان کیا کرتے ہیں اور تاکہ وہ باز آجائیں۔

عہدِ اُلت کی نوعیت..... اس عہدِ اُلت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے :-

”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس نے کوم طیبہ السلام کی نسل کو ان کی پشت سے (یعنی ہر ایک کی پشت سے اس کے انگوٹھ کی انگلی کے دکن نکالا جنہوں نے خود اپنے لوہے پر گواہی دی کہ حق تعالیٰ ان کے پروردگار اور مالک ہیں اور یہ کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے سوائے اس کی ذات کے۔ اسی فطرت اور جبلت پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا چنانچہ ارشاد ہوا ہے۔

فَاقِم وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ (سورہ دوم ع ۲۱) (یعنی) ترجمہ:- تم اپنی پوری توجہ دین حق کی طرف قائم رکھو اللہ تعالیٰ نے اسی فطرت پر انسان کی جبلت بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو جس طرح پیدا کر دیا اسی طرح قائم رکھے گی اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ ہر جگہ فطرتِ سلیم پر پیدا ہوتا ہے..... معینین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-

ہر نو مولود اصل فطرت (یعنی توحید پرستی) پر پیدا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ ہر نو مولود اسی ملت اور دین پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی یا آتش پرست بنادیتے ہیں۔ جیسے کہ جانور صحیح سالم اور ٹھیک حالت میں پیدا ہوتے ہیں مگر لوگ ان کے کان ناک کاٹ کر ان کی صورت بگاڑ دیتے ہیں (جلاظروں کے کان ناک کاٹ کر عرب ان کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے اس کی تفصیل سیرت طیبہ اردو میں پہلے صفحات میں گزر چکی ہے)

صحیح مسلم میں عیاض ابن حماد سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ :- ”میں اپنے بندوں کو صحیح دین پر پیدا کرتا ہوں۔ پھر ان کے پاس شیطان بچھتے ہیں اور ان کو ان کے دین سے ہٹا دیتے ہیں اور ان پر وہ چیزیں حرام کر دیتے ہیں جو میں نے ان پر حلال کی تھیں۔“

یعنی اسی عہدِ اُلت کے نتیجے میں جو حق تعالیٰ نے ان کی مٹی اور خمیر میں ڈال دیا ہے وہ بچے دین اور توحید پرستی کی فطرت پر پیدا ہوتے ہیں مگر بعد میں ان کو شیطان اور غلا کر بچے راستے سے ہٹا دیتا ہے۔

نبی سعد کے ایک صحابی اسود ابن سریح سے روایت ہے کہ میں چار غزوات (یعنی رسول اللہ ﷺ کی شرکت والی جنگوں) میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوا۔ کہتے ہیں کہ (ایک غزوہ میں) مجاہدوں نے کافروں کے ساتھ زبردست جنگ کے بعد (ان کو ہلکتی دیواروں) ان کے بچوں کو نکالا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ کو اس پر بہت ناگوار ہو گئی ہوئی اور آپ نے فرمایا۔

”مومنوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ بچوں کو پکڑ رہے ہیں۔“

اس پر ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ”کیونہ بنے مشرکوں کی لولاد نہیں ہیں؟“
آپ ﷺ نے فرمایا

”تم میں سے بہترین لوگ بھی تو مشرکوں کی لولاد ہیں۔ یاد رکھو! کوئی بچہ ایسا نہیں جو حضرت پر (یعنی بچے دین پر) پیدا نہ ہوتا ہو۔ پھر وہ مسلمان ہی باقی رہتا ہے یہاں تک کہ وہ زبان سے اس سے پھر جاتا ہے اور اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔“

بعض احادیث میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی بیٹھ سے ان کی تمام لولاد اور نسل نکالی گئی اور ان کو اصحاب یمن اور اصحاب شام (یعنی دائیں جانب کے لوگ اور بائیں جانب کے لوگ) بنا کر ایک دوسرے سے ملوایا گیا (اصحاب یمن اور اصحاب شام کے متعلق سیرت طیبہ کی گذشتہ باب میں تفصیل گزر چکی ہے)۔
ان ہی روایتوں میں سے بعض میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (روزِ نازل میں آدم علیہ السلام کی تمام نسل کو ان کی بیٹھ سے نکال کر ان سے گواہی لی کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا پروردگار ہے۔
قیامت میں ایک دوزخی سے سوال و جواب..... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

”قیامت کے دن ایک دوزخی شخص سے کہا جائے گا کہ اگر زمین کے سارے خزانے تیری ملکیت میں ہوتے اور پھر تجھ سے وہ ساری دولت اپنی نجات کے بدلے میں دیدینے کو کہا جاتا تو کیا تو وہ سب کچھ اپنی بخشش کے بدلے میں دے دیتا؟ وہ شخص کہے گا کہ بے شک اس پر اس سے حق تعالیٰ فرمائیں گے۔“
”میں نے تو تجھ سے اس سے بت کہ انا خدا۔ جب تو آدم کی بیٹھ میں تھا تو میں نے تجھ سے عہد لیا تھا کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا مگر تو بعد میں اپنے اس وعدہ سے پھر گیا اور تو نے میرے ساتھ شرک کیا۔“

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

”حق تعالیٰ نے مقام نعمان میں عرفہ کے دن آدم علیہ السلام کی تمام لولاد سے وعدہ لیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری لولاد کو ان کی بیٹھ سے نکال کر انہیں ذروں کی طرح پھیلا دیا اور انہیں اپنے سامنے کھڑا کر کے ان سے اس طرح کلام فرمایا۔

”الَسْتُ بِوَیْلَکُمْ..... اس نے کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“

انہوں نے کہا ”بے شک ہے“

ابن جریر سے روایت ہے کہ ایک شخص ضحاک ابن مزاحم کا ایک بیٹا صرف چھ دن کا ہو کر مر گیا۔ ضحاک نے جاہل سے کہا۔

”اے جاہل! جب تم میرے بیٹے کو قبر میں رکھو تو اس کا ہند کھول کر اس کا چہرہ کھول دینا کیونکہ اس بچے کو بٹھایا جائے گا اور اس سے سوال و جواب بھی ہو گا۔“

چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب میں اس کو دفن کر کے خارج ہوا تو میں نے ضحاک سے پوچھا۔

”تمہارے بیٹے سے کیا پوچھا جائے گا۔ اور کون پوچھے گا؟“

ضحاک نے کہا۔

”اس سے اس عہد کے متعلق پوچھا جائے گا جس کا اس نے آدم کی پیٹھ میں ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے اقرار کیا تھا۔“

(جب جاہل نے پوچھا کہ وہ عہد کیا ہے تو خدا کا نے بتلایا کہ روز ازل میں)

”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تھا جس سے وہ تمام روحیں باہر نکل آئیں جو قیامت کے دن تک پیدا ہونے والی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب روحوں سے عہد لیا کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سب پیدا ہونے والوں کو رزق پہنچانے کا ذمہ لیا اور پھر انہیں واپس آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں داخل کر دیا۔ اب قیامت اس وقت تک واقع نہیں ہوگی جب تک کہ ان میں سے ایک ایک شخص پیدا نہیں ہو جائے گا جن سے ازل کے دن وہ عہد لیا گیا تھا۔ اب ان لوگوں میں سے جو شخص بھی دوسرا عہد (یعنی سچے دین کو قبول کرنے کا) پائے گا اور اس کو پورا کرے گا (یعنی اس پر قائم رہے گا اور عمل کرے گا) تو اس کو یہ پہلا عہد (یعنی عہد الست) فائدہ پہنچائے گا۔ لیکن جس شخص کو دوسرا عہد ملے اور وہ اس کو قبول نہ کرے تو اس کو یہ پہلا عہد یعنی عہد الست کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا (یعنی اس کی مغفرت اور بخشش نہیں ہوگی) اور جو انسان بچپن میں ہی مر جائے یعنی دوسرے عہد کا زمانہ نہ پائے تو وہ عہد الست پر ہی مرے گا کیونکہ یہی انسان کی فطرت ہے (یعنی ایسے بچے کے متعلق کہا جائے گا کہ وہ اس عہد الست پر قائم ہے جو اس کی فطرت میں شامل کیا گیا ہے) تفسیر ابن کثیر جلد دوم ص ۶۲/۶۱

عہد الست ایک رہنما ہے..... اس تفصیل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو ایک صحیح اور سلیم فطرت دے کر پیدا کیا ہے اور یہ بات اس کے خیمہ میں ڈال دی ہے کہ اللہ ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ چنانچہ انسان کی یہی فطرت اور ازل کا یہی عہد ہے جو خود سچے راستے کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے اور عقل خود بخود اس بات کو قبول کرتی ہے کہ اس کائنات اور زمان و مکان کا خالق ایک ہی ہے جو نہ بننے والے ہیں وہ اپنی ہمت دھری بیابانوں کی لاج میں اس سے انکار کرتے ہیں جو فطرت کے خلاف عمل ہوتا ہے۔

اس عہد کا مقصد اور فائدہ..... اس عہد کے متعلق یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب یہ انسان کو یاد ہی نہیں تو اس سے فائدہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضرت قنابوتی نے تفسیر بیان القرآن میں تفصیل سے اسی آیت کے تحت لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک اس عہد کے لینے کے فائدہ کا تعلق ہے تو قول تو حق تعالیٰ کی حکمتوں کو سمجھنے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا پھر بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان کی عقل میں جو صلاحیت ہے کہ ذرا انصاف کے ساتھ غور کرنے سے توحید کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے ممکن ہے یہ اسی عہد کا اثر ہو یاں تک کہ توحید انسان کی عقل کے نزدیک پختہ حقیقت ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی شخص کو حساب سکھایا جائے اور پھر وہ شخص اس کو بھول جائے اب دوبارہ اگر اس کو وہی حساب سکھایا جائے گا تو وہ دوسروں کے مقابلے میں بہت جلد اس کو سمجھ لے گا۔

جہاں تک اس شبہ کا تعلق ہے کہ جب یہ عہد انسان کو یاد ہی نہیں رہا تو اس سے فائدہ کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے صرف اسی پر توئیں نہیں کی کہ ازل میں انسانوں سے عہد لے لیا اور دنیا میں ان کو صرف اسی عہد کا پابند کر کے اس پر ان کی نجات کا دوا دلا رکھا دیا ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نبیوں کے ذریعہ اس عہد کی یاد دہانی فرماتے رہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ میرے رسول تم کو یہ عہد یاد دلاتے رہیں گے

بیت المعمور

تشریح دوم..... زمین و آسمان کی تخلیق کے سلسلے میں پیچھے بیان ہوا ہے کہ ان دونوں کو بنا کر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بلایا تو انہوں نے خوشی خوشی حاضر ہوئے کالہلان کیا تھا یہ اعلان زمین کے جن حصے نے کیا وہ کعبہ کا مقام ہے اور آسمان میں جس حصہ نے کیا وہ بیت المعمور ہے جو کعبہ کی سیدہ میں آسمان میں ہے۔ اس کے بارے میں احقر حرج مختلف کتابوں سے تفصیلات پیش کرتا ہے۔

بیت المعمور کے متعلق حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے۔
 وَالطُّورِ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ فِي رَقٍّ مَّنشُورٍ وَالْبَيْتِ الْمَقْصُورِ الْمَغِ الْأَمَلِ ۝ ۷ سورۃ طور ۳
 ترجمہ: قسم ہے طور (پہاڑ) کی اور اس کتاب کی جو کھلے ہوئے کاغذ میں لکھی ہے اور قسم ہے بیت المعمور کی۔
 اس بیت المعمور کی تفسیر میں حضرت قناتوی نے بیان اتر آسمان میں لکھا ہے کہ یہ ساتویں آسمان میں فرشتوں کا عبادت خانہ ہے۔

علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں اس کے متعلق یہ لکھتے ہیں
آنحضرت کو بیت المعمور کی زیارت..... سراج کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ساتویں آسمان سے گزرنے کے بعد مجھے بیت المعمور تک پہنچایا گیا اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے عبادت خداوندی کے لئے داخل ہوتے ہیں دوسرے دن اتنے ہی فرشتے اس میں داخل ہوتے ہیں (لیکن جو آج داخل ہوئے تھے ان کو پھر کبھی اس میں داخل ہونے کی نوبت نہیں آتی)۔

فرشتوں کا عبادت خانہ..... یہ فرشتے اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور بالکل اسی طرح بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں جس طرح زمین والے کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ بیت المعمور ساتویں آسمان والوں کا کعبہ اور عبادت گاہ ہے۔ اسی لئے (جب رسول اللہ ﷺ سراج کے وقت وہاں پہنچے تو) آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور سے کمر لگائے بیٹھے دیکھا اس کا شب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام زمین کے کعبے کے بلی ہیں اور انسان کو اس کے عمل کا بدلہ اسی عمل کی جنس اور اصل سے دیا جاتا ہے (چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان میں وہاں کا کعبہ دیا گیا یہ بیت المعمور ساتویں آسمان میں بالکل کعبہ کی سیدہ میں ہے۔

ہر آسمان میں ایک ایک گھر اور بیت ہے جہاں اس آسمان کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی طرف نمازیں پڑھتے ہیں۔ آسمان دنیا یعنی پہلے آسمان میں جو عبادت خانہ ہے اس کا نام بیت العزت ہے۔ جبرئیل کے غسل سے فرشتوں کی تخلیق..... حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”ساتویں آسمان میں ایک گھر ہے جس کو بیت المعمور کہتے ہیں اور جو ٹھیک کعبہ کی سیدہ میں ہے اور جو تھے آسمان میں ایک گھر ہے جس کا نام شریحون ہے اس میں روزانہ حضرت جبرئیل علیہ السلام غوطہ لگاتے ہیں

پھر اس میں سے نکل کر جب وہ اپنا بدن جھڑتے ہیں تو اس سے تر ہر پانی کے قطرے جھڑتے ہیں اللہ تعالیٰ ان قطروں میں سے ہر ایک سے ایک ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ ان فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ بیت المعمور جائیں اور وہاں جا کر نمازیں پڑھیں۔ چنانچہ یہ وہاں جا کر نمازیں پڑھتے ہیں اور پھر وہاں سے نکل آتے ہیں (اور دوسرے اتنے ہی فرشتے اس میں داخل ہو جاتے ہیں ایک دفعہ نکل آئے والوں کو دوبارہ اس میں داخل ہونا نصیب نہیں ہوتا۔

پھر ان نکلنے والے فرشتوں میں سے کسی ایک کو ان سب کا سر وارہ دیا جاتا ہے اور اسے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ان فرشتوں کو لے کر آسمان میں ایک جگہ کھڑا ہو جائے اور قیامت تک سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد و ثنا بیان کرتے رہیں۔

آگے این کثیری میں ہے کہ آسمانوں میں بیت المعمور کا وہی مقام اور احترام ہے جو زمین پر کعبہ مقدسہ کا ہے (تفسیر ابن کثیر جلد ۸ ص ۸۶ - مرتب) (آخر کدوم ختم)

(مچھلی روایت میں گزرا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یوم النست کے متعلق حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں نے آپ کو اس روز یہ شہادت دیتے ہوئے سنا تھا کہ اَشْهَدُ اَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ۔ یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی یگانگی کی یہ گواہی بہ کواثر بلند دی تھی جیسے دوسروں نے بھی سنا جبکہ اس مجمع میں جو صوفیاء اور اولیاء تھے انکے متعلق ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ انہوں نے بلند کواثر سے حق تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا ہو بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ انہوں نے باطن کی زبان سے توحید کا اقرار کیا تھا اس شبہ کے متعلق کہتے ہیں کہ) شیخ علی خواصؒ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ (عمر النست کے وقت) انبیاء کرام نے بھی باطن کی زبان سے ہی کیوں کلام نہیں کیا جیسا کہ صوفیاء کرام نے کیا تھا؟

شیخ خواصؒ نے جواب دیا کہ انبیاء کرام نے باطن کی زبان سے اقرار کرنے ہی پر اس لئے بس نہیں کی کہ ان کا خطاب اور ذمہ وادری عام ہوتی ہے جس میں وہ تمام امت کو خطاب کرتے ہیں (اور توحید کا سبق دیتے ہیں چنانچہ اسی کی مناسبت سے وہاں بھی انہوں نے بہ کواثر بلند توحید کا اقرار کیا جسے دوسرے بھی سن سکیں کیونکہ) صرف خاص لوگوں کا سمجھنا اور عام لوگوں کا ان کی بات کو نہ سمجھنا مستحبر نہیں ہوتا۔ (بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ عام لوگوں تک ان کی کواثر پہنچے اور وہ سیدھے راستے کی طرف متوجہ ہوں) ہاں کچھ خاص موقعوں پر انبیاء صرف اشارات کی زبان استعمال کرتے ہیں جیسا کہ اسی حدیث میں (جو لو پر بیان ہوئی) آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے (جب یوم النست کے متعلق پوچھا تو صاف صاف یوم النست فرمانے کے بجائے) صرف یہ فرمایا کہ۔ کیا تم وہ خاص بدن جانتے ہو۔

آنحضرت ﷺ کی مشیت خاک پاک..... (اس کے بعد پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی خلق کے لئے جو مشیت خاک اٹھائی گئی وہ زمین کے کس حصے کی تھی اس بارے میں دو قول گزرے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کی مٹی اس جگہ سے اٹھائی گئی تھی جہاں آپ کا سر اور بدن ہے دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کی مٹی کے میں زمین کے مرکز سے اٹھائی گئی تھی دانتوں کے اس اختلاف کو دور کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کب کی مشیت خاک اصل میں تو کے کی ہی تھی لیکن زمین کی تخلیق کے وقت جب پانی

میں جو بھی انھیں تو ان موجودوں نے آپ کی مٹت خاک کو وہاں سے اچھال کر آپ کے حزر مبارک کی جگہ پر پھینکا تھا۔

اس جواب سے یہ اعتراض بھی دور ہو جاتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی مٹت خاک کے سے اٹھائی گئی تھی تو اس سے یہ ضروری ہو گا کہ آپ کا مدفن اور حزر بھی کئے میں ہی ہو کیونکہ انسان کی مٹت خاک جس جگہ سے اٹھائی جاتی ہے اس کا حزر اور مدفن وہی جگہ ہوتی ہے۔

(غرض اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کے حزر مبارک کی جگہ سے آپ کی مٹت خاک اٹھائی اور) پھر اس کو حضرت آدمؑ کی مٹت خاک کے ساتھ حل کیا۔ یہاں آنحضرت ﷺ کی جس مٹت خاک کا ذکر آیا ہے غالباً اسی کو آپ نے اپنے ایک لڑکھلے میں نور سے تعبیر فرمایا ہے۔ وہ لڑکھلے ہے کہ ایک دفعہ حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ سے سوال کیا۔ ”یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اس چیز کے متعلق بتائیے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کے پیدا کرنے سے پہلے پیدا کیا۔“

آپ ﷺ نے فرمایا ”اے جابر اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے پیدا کرنے سے پہلے تہارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا، اس وقت نہ آسمان تھا نہ زمین تھی نہ سورج تھا نہ چاند تھا نہ لوح تھی نہ قلم تھا۔“ (حدیث) (یہاں اگر مٹت خاک سے مراد یہ نور ہی لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنا نور شامل فرمایا۔)

اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ :-

”اللہ تعالیٰ نے جو چیز سب سے پہلے پیدا فرمائی وہ میرا نور تھا۔“

ایک روایت میں ہے کہ :-

”اللہ تعالیٰ نے جو چیز سب سے پہلے پیدا فرمائی وہ عقل ہے۔“

شیخ علی خواص (روایتوں کے اس اختلاف کے متعلق) فرماتے ہیں کہ ان دونوں سے مراد ایک ہی بات ہے (یعنی آنحضرت ﷺ کا نور) کیونکہ آنحضرت ﷺ کی حقیقت اور اصلیت کو کبھی عقل اول سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی نور سے۔ چنانچہ لولیا اللہ کی رو میں بھی آنحضرت ﷺ ہی کی روح مبارک سے فیضان حاصل کرتی ہیں۔ یہاں تک شیخ علی خواص کا کلام ہے۔

یہی بات ہے جس کو بعض علماء نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضور حق میں اپنے عظیم نور بلند مرتبت نور سے آنحضرت ﷺ کی حقیقت کو ظاہر فرمایا اور پھر اسی حقیقت سے بلند اور پست تمام جہانوں کو وجود عطا فرمایا۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ (میرا نور جب پیدا فرمایا گیا تو اس وقت نہ زمین تھی نہ آسمان تھا نہ حالانکہ حضرت کعب اجد کی ایک روایت پیچھے بیان ہوئی ہے کہ (جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو) حضرت جبرئیل کو حکم دیا کہ وہ زمین کے مرکز سے ایک مٹت خاک لے کر آئیں۔ اسی طرح حضرت ابن عباس کا ایک قول گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مٹت خاک کی اصل زمین

کے مرکز سے ہے (یعنی اس وقت زمین موجود تھی)

اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ نور تو پہلے ہی پیدا کیا جا چکا تھا (جبکہ زمین و آسمان اور لوح و قلم کچھ بھی موجود نہیں تھا) پھر اس کے بعد (جب زمین و آسمان پیدا ہو چکے تھے) یہ مشت خاک لے کر اس میں یہ نور بھر دیا گیا اور یہ مشت خاک زمین کے مرکز سے اٹھائی گئی تھی۔

اب یہ روایت بھی درست ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی معزز مشت خاک ہی سے حضرت آدم کو پیدا فرمایا۔ اس کا مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام جنسوں کے مقابلے میں جنس عالی اور تمام موجودات اور انسانوں کے لئے سب سے بڑے باپ کے درجے میں ہیں۔

آدم کی مشت خاک کی جگہ..... (خود حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق) ایک حدیث ہے جس کے بعض روای حروک یعنی ناقابل اعتبار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جانیہ کے مقام کی مٹی سے بنایا اور اس مٹی کو جنت کے پانی سے گوندھا تھا۔

اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دھاک کی مٹی سے بنایا اور ان کی کمر پر پیلو کی منی پھیری۔ یہ دھاک ایک جگہ کا نام ہے جو طائف کے قریب ہے۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا آنحضرت ﷺ کے نور سے پیدا ہونا اور پھر آنحضرت ﷺ کے نور کو ان کی کمر میں رکھنا وضاحت کا محتاج ہے (کہ جب خود حضرت آدم علیہ السلام آپ کے نور ہی سے بنائے گئے تو آپ کے نور کو ان کی کمر میں رکھنے کا کیا مطلب ہے)۔

اس بارے میں شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نور سے حضرت آدم کو بنائے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کے نور کو ان کی ذات میں جذب اور تحلیل کر دیا گیا تھا بلکہ جس طرح حق تعالیٰ نے اپنے نور کے ایک جزے آنحضرت ﷺ کی حقیقت کو بتلایا اسی طرح پھر آنحضرت ﷺ کے نور سے یعنی آپ کے نور کے پرتو سے آدم علیہ السلام کو بنا کر پھر آپ کے تمام نور کو ان کی پیٹھ میں محفوظ کر دیا تاکہ نسل بعد نسل اور ایک کے بعد ایک میں یہ نور منتقل ہو تا ہوا آپ کے والد ماجد تک پہنچے اور پھر وہاں سے نکل کر یہ نور حضرت آمنہ کے رحم میں جلوہ افروز ہو یہاں تک کہ اس مبدک گھڑی میں آنحضرت ﷺ اس عالم میں تشریف لے آئیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا تو ان میں روح ڈالنے سے پہلے آنحضرت ﷺ کے اس نور کو آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں سے نکال کر آپ ﷺ سے حواء عدا آلت لیا (اور اس کے بعد آدم علیہ السلام میں روح ڈالنے کے بعد باقی تمام مخلوق کو ان کی پیٹھ سے نکال کر ان سے ایک ساتھ عدا آلت لیا) اس طرح رسول اللہ ﷺ کو اس عدا کے معاملے میں بھی باقی تمام مخلوق کے معاملے میں خصوصیت اور برتری حاصل ہے کیونکہ باقی تمام مخلوق سے یہ عدا اس وقت لیا گیا تھا جب کہ آدم علیہ السلام میں روح ڈال دی گئی تھی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب عدا آلت کے وقت اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تمام نسل کو ان کی پیٹھ سے نکالا اور اس عدا کے بعد ان کو واپس ان کی پیٹھ میں داخل کر دیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو اس وقت تک کے لئے روک لیا تھا جب تک کہ ان کی تخلیق کا وقت آیا (چنانچہ جب ان کی تخلیق کا وقت آیا تو بجائے فطرت کے عام قاعدے کے جس کے مطابق مرد کے ذریعہ بچے کا نطفہ عورت کے رحم میں داخل ہوتا ہے۔

عصی علیہ السلام کی پیدائش کے وقت اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا اور انہوں نے عصی علیہ السلام کی روح پھونک دی۔ جس سے حضرت مریم کے رحم میں ان کی تخلیق ہوئی (اس بارے میں کچھ تفصیل سیرت علیہ آردو میں گزر چکی ہے)

• (یہاں کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے عہد الست باقی تمام مخلوق سے پہلے آدم علیہ السلام کے پٹکے میں روح ڈالی جانے سے پہلے لیا گیا) اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق سے بھی یہ عہد عام مخلوق کے ساتھ لیا گیا جب کہ حضرت آدم میں روح ڈالی جا چکی تھی اور آنحضرت ﷺ سے اس سے پہلے ہی یہ عہد لیا جا چکا تھا۔ حالانکہ پیچھے ایک حدیث بیان ہوئی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر سے جب عہد الست کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہاں مجھے وہ عہد یاد ہے اور میں نے آپ کو کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے سنا تھا۔

اس باختلاف اور شبہ کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ صدیق اکبر کی مراد اس وقت کے عہد سے ہی ہے جبکہ تمام مخلوق سے یہ عہد لیا گیا تھا، وہ عہد مراد نہیں جو کہ تھا حضور ﷺ سے لیا گیا تھا (تو کیا آنحضرت ﷺ سے ایک عہد تو بحیثیت افضل ترین مخلوق کے سب سے علیہہ تمنا لیا گیا تھا اور پھر جب تمام انسانوں سے عہد لیا گیا تو اس میں آنحضرت ﷺ آدم علیہ السلام کی نسل سے ہونے کی حیثیت میں شریک تھے جہاں آپ نے کلمہ شہادت پڑھ کر اللہ کی توحید اور عظمت کا اقرار فرمایا)

آدم کی پیٹھ میں آنحضرت ﷺ کا نور..... پھر جب حضرت آدم علیہ السلام میں روح ڈال دی گئی تو آنحضرت ﷺ کا نور ان کی پیٹھ میں روشن ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر تمام فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کی کمر کے پیچھے آکر کھڑے ہو گئے اور ان کی کمر میں اس نور کے ظہور کو دیکھ دیکھ کر حیران ہونے لگے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے (فرشتوں کو اپنے پیچھے جمع ہونے کو دیکھ کر) اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔

”اے پروردگار! ان سب کو کیا ہو گیا کہ یہ میری پیٹھ کو دیکھ رہے ہیں؟“

حق تعالیٰ نے فرمایا

”یہ محمد خاتم الانبیاء ﷺ کے نور کو دیکھ رہے ہیں جن کو میں تمہاری پیٹھ سے نکالوں گا۔“

یہ سن کر حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ اس نور کو ان کے جسم کے اگلے حصے میں منتقل کر دے تاکہ یہ فرشتے ان کے سامنے آکر کھڑے ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس نور کو ان کی پیشانی میں منتقل فرمادیا۔ پھر حضرت آدم نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ اس نور کو ان کے جسم میں ایسی جگہ پر منتقل فرمادے جہاں سے وہ خود بھی اس کی زیارت کر سکیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اس نور کو آدم علیہ السلام کی شہادت کی انگلی میں منتقل فرمادیا۔

اس کے بعد جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو یہ نور واپس ان کی پیٹھ میں پھنسا دیا (جہاں انسان کا نطفہ ہوتا ہے) مگر پھر بھی یہ نور ان کی پیشانی میں چمکا کر تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی (درخواست پر یہ نور ان کی) شہادت کی انگلی میں منتقل ہوا تھا تو انہوں نے کہا:-

”اے پروردگار! کیا اس نور میں کچھ حصہ اب بھی میری پیٹھ میں باقی رہ گیا ہے؟“

حق تعالیٰ نے فرمایا:-

”ہاں ان کے یعنی آنحضرت ﷺ کے خاص طور قریب ترین صحابہ کا نور باقی رہ گیا ہے۔“

آدم علیہ السلام نے عرض کیا

”اے پروردگار! اس بقیہ نور کو میری باقی انگلیوں میں منتقل فرما۔“

خلفاء راشدین کا نور..... (حق تعالیٰ نے وہ بقیہ نور ان کی باقی انگلیوں میں منتقل فرمادیا) چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا نور بیچ کی پڑی انگلی میں آیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کا نور کن انگلی کے برابر والی انگلی میں ظاہر ہوا۔ حضرت عثمانؓ کا نور کن انگلی میں ظاہر ہوا اور حضرت علیؓ کا نور انگوٹھے میں ظاہر ہوا۔ اس کے بعد جب (شیطان کے درغلانے پر) حضرت آدم علیہ السلام نے درخت کا پھل کھا لیا تو یہ نور واپس ان کی پٹھہ میں چلا گیا (اور آدم علیہ السلام کو زمین پر اتار دیا گیا)۔ یہ تفصیل کتب بحر العلوم میں اسی طرح ذکر ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ :-

”پھر یہ نور آدم علیہ السلام سے نکل کر ان کے بیٹے حضرت شیثؓ میں منتقل ہو گیا تھا۔

فرشتوں کے سوال پر جلال خداوندی..... جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو تخلیق کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے فرمایا (جس کا قرآن پاک میں بھی ذکر ہے)

”میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔“

فرشتوں نے اس پر عرض کیا

”کیا آپ اس کو اپنا خلیفہ بنا رہے ہیں جو زمین پر فساد پھیلائے گا؟“

فرشتوں کی مراد اس سے جنت تھے جنہوں نے زمین میں فساد پھیلا دیا تھا اور خون بہایا تھا۔ (فرشتوں

کے اس جواب پر) حق تعالیٰ کا غضب ظاہر ہوا۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ فرشتوں نے اس بات کو سمجھ لیا کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے فرمان پر جو جواب دیا ہے اس پر حق تعالیٰ کا غضب ظاہر ہوا ہے۔ اس پر فرشتے عرش کو پکار کر گڑ گڑانے اور معافی مانگنے لگے اور اپنے پروردگار کو راضی کرنے کے لئے انہوں نے عرش کے گرد سات مرتبہ طواف کیا، اس پر اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ اس پر حق تعالیٰ نے ان پر نظر کرم فرمائی اور فرشتوں پر رحمت نازل

ہوئی (اللہ تعالیٰ کو فرشتوں کے عرش کا طواف کرنے کی لو! ایسی پسند آئی کہ) اس نے فرشتوں کو حکم دیا۔

آدمؑ کو تعمیر کعبہ کا حکم..... ”زمین پر میرے نام کا ایک گھر بناؤ تاکہ لولاد آدمؑ میں سے جن پر میں ندامت ہوں وہ اس گھر کے ذریعہ میری پناہ مانگیں اور اسی طرح اس گھر کے گرد گھومیں یعنی طواف کریں جس طرح تم نے میرے عرش کے گرد طواف کیا ہے تاکہ میں ان سے بھی راضی ہو جاؤں۔“

(یعنی جیسے فرشتوں کی اس لغزش پر حق تعالیٰ ان سے ندامت ہوا لیکن عرش کا طواف کرنے پر ان

سے راضی ہو گیا۔ اسی طرح لولاد آدمؑ کی لغزشوں کے بعد ان کے بیت اللہ کا طواف کرنے پر ان سے راضی

ہو جائے) چنانچہ فرشتوں نے زمین پر (اللہ تعالیٰ کے نام کا) ایک گھر بنایا (جو بیت اللہ شریف ہے)۔

یہ روایت مختصر ہے جس میں وہ ساری تفصیل نہیں ہے جو ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب اللہ

تعالیٰ فرشتوں پر ندامت ہوا تو اس نے عرش کے نیچے بیت المعمور قائم کیا جو زبرجد کے چالیس ستونوں پر قائم تھا

لور وہ ستون سرخیا قوت سے جڑے ہوئے تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا۔

”اس گھر کے گرد طواف کرو۔ (ی) تاکہ تمہیں میری رضا حاصل ہو جائے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ

”زمین پر بھی میرے نام کا بالکل ایسا ہی اور اسی کے برابر ایک گھر بناؤ۔“

چنانچہ فرشتوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ لوہر کے جملے میں۔ ”ایسا ہی اور اسی کے برابر۔“ کے معنی ایک ہی ہیں یہ عطف تفسیری ہے۔

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں اور فرشتوں نے اس پر جواب دیا کہ کیا آپ اس کو اپنا خلیفہ بنا رہے ہیں جو زمین میں فساد پھیلائے گا۔ تو فرشتوں کو خوف ہوا کہ چونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علم پر اعتراض کیا ہے اس لئے ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نہ نازل ہو۔ چنانچہ انہوں نے عرش کے گرد سات طواف کئے جس میں اپنے رب کو راضی کرنے کے لئے گڑگڑائے تب حق تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ساتویں آسمان میں بیت المعمور بنائیں اور اس کے گرد طواف کریں۔ فرشتوں کے لئے عرش کا طواف کرنے کے مقابلے میں اس بیت المعمور کا طواف زیادہ آسان تھا (کیونکہ عرش کا پھیلاؤ اور عظمت ظاہر ہے)

ہر آسمان میں بیت اللہ کا وجود..... اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ اسی طرح ہر آسمان اور ہر زمین میں ایک ایک گھر بناؤ۔“

علامہ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ چودہ گھر ہیں جو ایک دوسرے کی ایسی سیدھ میں ہیں کہ اگر ایک گھر گرے تو دوسرا بھی گر جائے۔

یہ بیت المعمور ساتویں آسمان میں ہے اور اس کا احترام اور عظمت ایسی ہی ہے جیسے کہ زمین میں کے کی عزت و عظمت ہے۔ آسمان دنیا میں جو خدا کا گھر ہے اس کا نام بیت العزت ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ہر ہر آسمان میں اللہ تعالیٰ کا ایک ایک گھر ہے جس کو فرشتے اپنی عبادتوں کے ذریعہ اسی طرح آباد کئے ہوئے ہیں جس طرح زمین والے بیت عتیق یعنی بیت اللہ کو ہر سال حج کے ذریعہ، ہر وقت عمروں کے ذریعہ اور ہر گھڑی طوفانوں کے ذریعہ آباد کئے ہوئے ہیں۔

اب یہاں یہ بات غور کے قابل ہے کہ تمام آسمانوں میں فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کے گھر تعمیر کرنے سے کیا مراد ہے۔

(بہر حال ان روایتوں سے یہ معلوم ہوا کہ بیت اللہ کو سب سے پہلے فرشتوں نے تعمیر کیا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ قریش نے کعبے کی جو تعمیر کی یہ جو تھی تعمیر تھی۔ یعنی سب سے پہلے فرشتوں نے کعبہ کو تعمیر کیا، دوسری مرتبہ آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تیسری مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا اور چوتھی مرتبہ قریش نے تعمیر کیا) لیکن اگر اس روایت کو صحیح نہ مانا جائے کہ فرشتوں نے کعبے کو سب سے پہلے تعمیر کیا تھا تو پھر قریش کی تعمیر تیسری تعمیر ہوگی۔ جس کا سلسلہ سب سے پہلے حضرت آدم (ی) اور ابراہیم کے بیٹے شیث علیہ السلام کی تعمیر سے شروع ہوگا۔ یہ اس بنا پر کہ بعض محققین نے لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبے کو سب سے پہلے فرشتوں نے تعمیر کیا تھا۔

یا قوتی خیمہ پابیت اللہ..... اس سے پہلے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے کعبے کو تعمیر کرنے سے پہلے کعبے کی جگہ سرخ یا قوت کا ایک خیمہ تھا جو آدم علیہ السلام کے لئے جنت سے اتارا گیا تھا اس کے دو دروازے تھے ایک سبز زمر کا بنا ہوا مشرقی دروازہ تھا اور ایک مغربی دروازہ سونے کا تھا ان دونوں دروازوں میں جنت کے موتیوں کی لڑیاں کندھی ہوئی تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اس خیمہ کا طواف کیا کرتے تھے اور تمنا کی وحشت سے تسکین حاصل کیا کرتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان سے (جہاں وہ اہلے گئے تھے) چالیس مرتبہ پیدل کعبے کا حج کرنے گئے۔

ممکن ہے کہ یہی خیمہ بیت المعمور ہو اور اس کو سرخ یا قوت کا اس لئے کہہ دیا گیا کہ بیت المعمور کی چھت سرخ یا قوت کی تھی۔

آدم علیہ السلام کا قد و قامت..... (قال) کہنا جاتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر اترے گئے تو ان کا قد اتنا لمبا تھا کہ ان کے پیر زمین پر تھے اور سر آسمان میں تھا ایک روایت یہ ہے کہ ان کا سر بالوں کو چھوتا تھا جس کی وجہ سے ان کے سر کے اگلے حصے کے بال گر گئے تھے اور پھر اگلے بیڑوں میں سے بھی ایک کے بال گر گئے ہوئے تھے (یعنی موردی طور پر وہ بھی بغیر بالوں کے پڑا ہوا)۔

(چونکہ آدم علیہ السلام کا قد بہت زیادہ لمبا ہونے کی وجہ سے ان کا سر آسمان کو چھوتا تھا اس لئے وہ آسمان میں فرشتوں کی تسبیح اور ان کی دعائیں سنا کرتے تھے جس سے ان کو تسلی اور تسکین ہوتی تھی مگر فرشتے ان کو دیکھ کر دہشت زدہ ہوتے تھے اور ان سے دور بھاگتے تھے۔ اس پر آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے (اپنے قد کے متعلق) فریاد کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قد تیس ہاتھ کے برابر کر دیا۔ تیس ہاتھ سے مراد عام ہاتھ ہے۔ مگر ایک کمزور قول یہ بھی ہے کہ خود آدم علیہ السلام کے تیس ہاتھ کی پیمائش مرلو ہے۔

اب قد کے کم ہو جانے کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو فرشتوں کی تسبیح اور دعائوں کی آواز آتی رہی ہو مگر جس سے وہ بہت زیادہ غمگین اور رنجیدہ ہوئے انہوں نے پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی فریاد کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا "اے آدم! میں نے ایک گھر اہل ہے جس کا طواف کیا جاتا ہے۔ (ی) یعنی فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں۔ جس طرح میرے عرش کا طواف کیا جاتا ہے۔ اس گھر کے پاس بھی اسی طرح نماز پڑھی جاتی ہے جس طرح میرے عرش کے پاس نماز پڑھی جاتی ہے۔ اس لئے تم بھی اس کی طرف جاؤ (ی) اور اس کا طواف کرو اور اس کے پاس نماز پڑھو۔"

(یہاں ذکر کیا ہے کہ فرشتے عرش کا طواف کیا کرتے تھے) اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے فرشتوں کی شان یہی تھی کہ وہ عرش کا طواف کیا کرتے تھے اور اس کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے۔ اب اس کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد پھر فرشتے بیت المعمور کا طواف کرنے لگے تھے جیسا کہ بیان ہوا۔

غرض یہاں جس گھر کا ذکر ہے اس سے وہی خیمہ مرلو ہے جو آدم علیہ السلام کے لئے اتارا گیا تھا۔ یہ امکان بیان ہو چکا ہے کہ یہی خیمہ بیت المعمور رہا ہو گا۔

(حضرت آدم علیہ السلام کے قد کے متعلق) ایک روایت یہ ہے کہ جب وہ اہلے گئے تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا یعنی حضرت آدم کے اس قد کی مناسبت سے جتنے لمبے ہاتھ رہے ہوں گے ان کی پیمائش کے مطابق ساٹھ ہاتھ کا قد تھا۔

اس بارے میں آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد بھی ہے جس کے بچی معنی ہوتے ہیں (کہ آدم علیہ السلام کا قد خود ان کے ہی ہاتھوں کی لمبائی کے حساب سے قلمداد کیا گیا ہے)۔
”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر یعنی جوں کا توں پیدا کیا اور ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا تھا۔“

یعنی حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جتنا بڑا پیدا کیا تھا ویسا ہی دنیا میں بھیج دیا۔ ان میں یہاں کوئی نشوونما اور بڑھوتری نہیں ہوئی بلکہ جس وقت ان میں روح ڈالی گئی تھی اسی وقت ان کو کامل اور بڑا بنایا تھا۔ یہ معنی اس لحاظ سے ہیں کہ یوں کہا جائے کہ آدم کو ان کی صورت پر بنایا تھا۔ لیکن یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ۔ آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر بنایا تھا اس صورت میں یہ مر لو ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صفت پر یعنی زندگی والا، علم والا، قدرت و اختیار والا، بولنے والا، سننے والا، دیکھنے والا، سوچنے والا اور محفل و مشہور والا بنایا تھا۔ مگر ان دونوں معنی کے لحاظ سے یہ بات ایسی خیرہ کے اس قول کے خلاف ہوتی ہے جو آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے متعلق ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو ایک دوسرے کے منہ پر طمانچہ مار رہا تھا۔ آپ نے اس بارے میں فرمایا

”اس کے منہ پر مت مارو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت پر بنایا ہے۔“

(ی) یعنی وہ اس شخص کی جیسی شکل کے تھے اور وہی صورت اس میں آئی ہے (یعنی آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک خاص آدمی کی شکل و صورت کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس کی صورت پر بنایا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ جوں کا توں یا اپنی صورت یعنی صفت پر بنایا ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ بات ظاہری طور پر سمجھ میں آنے والی نہیں ہے۔ کچھ تشریح میں جو لفظ استعمال کئے گئے ہیں ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجا تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا تھا اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مرفوع حدیث ہے کہ۔
”آدم علیہ السلام کا قد ساٹھ ہاتھ تھا اور چوڑائی سات ہاتھ تھی۔“

اسی لئے علامہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ روایت ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو ان کے چہرہ زمین پر تھے اور سر آسمان میں تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا قد کم کر کے ساٹھ ہاتھ کے برابر کر دیا۔ مگر یہ بات صحیح حدیث کے ظاہری معنی کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو شروع ہی میں ساٹھ ہاتھ کے برابر قہطیاً بنا دیا تھا۔ یہ بات صحیح ہے۔

آدم علیہ السلام (کے متعلق روایت ہے کہ وہ) بے داڑھی کے جوان تھے۔ بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ ”جو شخص بھی جنت میں داخل ہو گا وہ مرد یعنی بے داڑھی کا ہو گا۔“

جنت والوں کی صفت کے بیان میں حدیث میں آتا ہے کہ وہ آدم علیہ السلام کی طرح بغیر داڑھی والے ہوں گے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جنت سے جدا ہونے کے غم میں حضرت آدم علیہ السلام اٹک دئے کہ ان کے داڑھی کے بال اگ آئے۔ مگر یہ روایت درست نہیں ہے کیونکہ داڑھی سب سے پہلے جس انسان کے

نگلی وہ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔
آدم علیہ السلام کے اترنے کی جگہ..... حضرت آدم علیہ السلام کو ہندوستان کی سرزمین پر ایک بہت اونچے پہاڑ پر اتارا گیا تھا۔ یہ پہاڑ اتنا اونچا تھا کہ طالع اور بحری سفر کرنے والے کئی کئی دن کی مسافت ہے اس کو دیکھ لیتے تھے اس پہاڑ کے ایک پتھر پر حضرت آدم علیہ السلام کے حیر کا نشان ہے۔ اس پہاڑ پر (ایک عجیب بات یہ ہے کہ اردو لہجہ رات کے وقت ایک بجلی سی گونڈی ہے جبکہ بادل کا نام دشتان بھی نہیں ہوتا اسی طرح (اس جگہ کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ) یہاں روزانہ بادش ضرور ہوتی ہے جو آدم علیہ السلام کے پیروں کے نشانوں کو دھوتی ہے۔ (اس پہاڑ کی چوٹی کی بلندی کے متعلق بعض مؤرخوں نے کہا ہے کہ اس کی چوٹی زمین کے پہاڑوں میں سب سے زیادہ بلند ہے) (اس قول سے مراد پہاڑ کی بلندی کے متعلق بظاہر مبالغہ کر کے بتلانا مقصود ہے کہ اس کی چوٹی بے حد اونچی ہے کیونکہ سب سے زیادہ بلند پہاڑ اور سٹ ہے جو حالانکہ کا سلسلہ ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام وہاں نہیں اترے گئے تھے)

پچھلے صفحات میں بعض علماء کا ایک قول گزرا ہے کہ بیت المقدس کی سرزمین بارہ میل بلند ہے۔ اور اس پہاڑ کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ یہ سب سے زیادہ بلند پہاڑ ہے۔ چنانچہ اس پہاڑ کے متعلق بعض علماء کے اس قول کی روشنی میں کچھ حضرات نے بیت المقدس واپس روایت کو ماننے میں اشکال کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت قابل اعتراض ہے) لیکن حقیقت میں اگر ان دونوں اقوال پر توجہ کی جاسکتی ہے تو اس لحاظ سے کہ ان کے ذریعہ ان دونوں مقامات کی ظاہری بلندی اور اونچائی بتلانا مقصود نہیں ہے بلکہ لانا کا مرتبہ ظاہر کرنا مقصود ہے جو ان مقدس ہستیوں کی وجہ سے بڑھ گیا ہے جنہوں نے ان جگہوں پر قدم رنجہ فرمایا۔ لہذا اس نقطہ نظر کے تحت دونوں قول ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہوتے۔

عطر اور خوشبو کی اصل..... ایک قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت کا ایک پتہ بھی دنیا میں آیا تھا جو وہاں زمین میں جم گیا تھا۔ چنانچہ ہندوستان کی خوشبو میں اور عطریات اسی پتہ کا کرشمہ اور اثر ہیں۔
 عطاء ابن ابوربیع سے روایت ہے کہ جب آدم علیہ السلام ہندوستان کی سرزمین پر اترے گئے تو ان کے ساتھ جنت کی چار لکڑیاں یعنی درخت کی ٹہنیاں تھیں یہی وہ ٹہنیاں ہیں یعنی ان ہی کا اثر ہے کہ آج تک لوگ خوشبو نہیں استعمال کر رہے ہیں۔

آدم کی ہر رفتار قدم..... ایک روایت یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو ایک عمدہ سمجور کے درخت پر اتارا گیا۔ اس کے بعد جب ان کو حکم ہوا کہ وہ اس خیمہ کی طرف جائیں (جو خانہ کعبہ کی جگہ پر تھا اور جس کا ذکر پیچھے گزرا ہے) تو وہ رونے لگے اور ان کے لئے یہ فاصلہ ان کے قدم کے درمیان لپیٹ دیا گیا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ان کا ایک قدم تین دن کے سفر کی مسافت یعنی تقریباً اڑتالیس میل کا ہوتا تھا۔ چنانچہ علامہ مجاہد سے ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ کیا آدم علیہ السلام کسی سولہی پر سولہ ہوا کرتے تھے۔ مجاہد نے کہا کہ ”ان کو کون سی سولہی اپنے لور پر سولہ کر سکتی تھی! خدا کی قسم ان کا تو ایک ایک قدم تین دن کے سفر کی مسافت کے برابر ہوتا تھا۔“

اس روایت کی روشنی میں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام (جب کسی سولہی پر بھی نہیں چڑھ سکتے تھے تو) براتی پر بھی سولہ نہیں ہوئے ہوں گے، حالانکہ بعض علماء کا قول ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر اقل

پر سولہ کرائے گئے ہیں۔ (مگر اس کا جواب یہ ہے کہ) مرنے سے انبیاء برحق پر سولہ کرائے گئے ہیں تمام انبیاء نہیں۔ (لیکن اگر یہ مرنے کا جواب ہو کہ تمام انبیاء برحق پر سولہ ہوتے ہیں تب بھی کوئی اٹکال نہیں ہوتا کیونکہ برحق کوئی دنیوی سولہ نہیں ہے کہ اس پر ایک مخصوص جسم کا کوئی عیضہ ہو سکے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں انبیاء کے لئے ایک خاص سولہ ہے لہذا اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ چونکہ آدم علیہ السلام کا ذیل ذول اور قد بدن غیر معمولی تھا اس لئے برحق ان کو اپنے پورے سولہ کرائے سے عاجز رہا ہوگا)

اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام بحر و بر اور خشکی و تری کو آدم علیہ السلام کے لئے مقدر فرمایا تھا۔ چنانچہ جہاں جہاں بھی انہوں نے زمین پر قدم رکھے وہاں آبادیاں اور بستیوں بن گئیں اور ان کے دو قدموں کے چھ میں جو جگہ ربعیہ یا بلبلان اور میدان ہے۔

یا قوتی خیمے کی نوعیت..... آخر آدم علیہ السلام اسی طرح پکڑا دیا چلتے ہوئے کے اپنے وہاں پہنچ کر انہوں نے وہ خیمہ دیکھا جو کعبہ کی جگہ پر تھا یعنی اس جگہ پر جہاں اب کعبہ ہے یہ خیمہ سرخ یا قوت کا تھا جو جنت کے یا قوت تھے۔ یہ خیمہ اس طرح تھا کہ اس کے چاروں طرف دیواریں تھیں، اس کے چاروں طرف تھے جو سفید تھے اس خیمہ میں تین سونے کی قدیلیں تھیں جو جنت کے نور اور روشنی سے روشن تھیں اس خیمہ کی لمبائی زمین سے آسمان تک تھی۔ یہ تفصیل بعض احادیث میں ذکر ہے۔

اس خیمہ کی جو عفت بیان کی گئی ہے اس سے دو گمان ظلم نہیں ہوتا جو پیچھے بیان ہوا کہ ممکن ہے یہی خیمہ بیت المعمور ہو اور یہ کہ اس کو سرخ یا قوت کا اس لئے کہا گیا کہ اس کی چھت سرخ یا قوت ہی کی تھی۔ (اس کو بیت المعمور ماننے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کائنات کو مختلف خیمے مان جائے تو یہ بات قیاس سے دور ہوگی۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

حجر اسود اور مقام ابراہیم کا زمین پر اتار اجاتا..... اسی خیمہ کے ساتھ حجر اسود بھی (جو جنت کے چھروں میں سے ایک پتھر ہے) اتار دیا۔ یہ جنت کی سر زمین میں سے سفید یا قوت کا تھا اور آدم علیہ السلام اس کو اپنے پیچھے کے لئے کرسی کے طور پر استعمال کرتے تھے (یہ کمالاً برکات ہے کہ جنت میں رہتے ہوئے اس پر بیٹھا کرتے تھے اقوال مختلف کہتے ہیں :- اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو شروع میں ہندوستان کی سر زمین پر اتار دیا تھا۔ مگر کتب غیر غرام میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ :- آدم کا سلاخ..... اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کعبہ کی جگہ پر اتار دیا تھا۔ یہ جگہ اس وقت اتنی لرزتی تھی کہ بالکل کشتی کی طرح (اس میں حرکت) تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا :-

”اے آدم اقدم بڑھاؤ“

چنانچہ آدم علیہ السلام نے قدم بڑھایا تو انہوں نے اپنے آپ کو ہندوستان کی سر زمین میں پایا۔ پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ یہاں رہے۔ آخر یہاں سے وحشت زدہ ہو کر انہیں کعبہ کی جگہ کی یاد ستانے لگی۔ (جہاں انہوں نے جنت سے اتار کر قدم رکھا تھا) چنانچہ ان کو حکم دیا گیا۔

اے آدم حج کو جاؤ!

چنانچہ وہ روانہ ہوئے اور انہوں نے قدم بڑھانے شروع کئے۔ لب انہوں نے جہاں جہاں بھی قدم رکھا وہاں بستیوں بن گئیں اور ان کے قدموں کے درمیان کا حصہ بیابان اور صحرا بنا۔ یہاں تک کہ وہ کے کچھ

گئے۔ (حدیث)۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیمہ اور حجر اسود حضرت آدم کے جنت سے نکلنے کے بعد

اترے ہیں۔

آدم کی وحشت اور سامان تسکین..... اس بارے میں کتب غیر غرام میں جو روایت ذکر ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حجر اسود حضرت آدم کے زمین پر اتارے جانے کے بعد اترتا ہے۔ (غیر غرام میں یہ روایت ہے)۔

حضرت آدم کے بعد حجر اسود اتار گیا جو اس طرح دستا تھا جیسے سفید موتی ہوتا ہے۔ حضرت آدم نے اس کو پکڑ کر اپنے سینے سے لگایا اور اس سے تسکین حاصل کی۔ یہاں تک کتب غیر غرام کی عبادت ہے۔ اسی سند سے ایک روایت یہ ہے کہ :-

”حجر اسود اور مقام ابراہیم حضرت آدم کے ساتھ ساتھ اسی وقت میں اتارے گئے جس میں آدم علیہ السلام کو جنت سے اتارا گیا۔ صبح ہوئی تو انہوں نے حجر اسود اور مقام ابراہیم کو دیکھا اور فوراً پہچان لیا کہ یہ جنت کے پتھر ہیں) چنانچہ انہوں نے ان دونوں کو اپنے سینے سے لگایا اور ان سے تسکین حاصل کی۔ ہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے ساتھ وہ سرخ یا قوت اتار گیا تھا (جس کو خیمہ کہا گیا ہے اور جس کے بارے میں خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ وہی بیت المعمور ہے) چنانچہ کعبہ سے روایت ہے کہ :-

”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے ساتھ ایک یا قوت اتار دیا جو اندر سے کھوکھلا تھا۔ (یعنی خیمے کی طرح اندر سے خالی تھا) پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا۔

”اے آدم ایہ میرا گھر ہے جسے میں نے تیرے ساتھ اتارا ہے۔ اس کے گرد بھی اسی طرح طواف کیا جاتا ہے جیسے میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے اور اس کے گرد بھی اسی طرح نمازیں پڑھی جاتی ہیں جس طرح میرے عرش کے گرد نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔“

اس کا وہی مطلب ہے جو پیچھے بیان ہوا (کہ اس کے گرد بھی فرشتے اس طرح طواف اور نمازیں لواتے ہیں جیسے میرے عرش کے گرد کرتے ہیں)

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ کچھ فرشتے بھی اتارے گئے تھے جنہوں نے اس یا قوت یا بیت اللہ کے لئے پتھر کی بنیادیں اٹھائیں اور پھر اس یا قوت یعنی بیت اللہ کو اس پر رکھ دیا۔

اب اگر ان دونوں روایتوں کو صحیح مانا جائے تو ان میں مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ ساتھ اترنے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ معیت حقیقی ہے بلکہ ساتھ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم کے زمین پر اتارے جانے کے فوراً بعد ہی یہ پتھر اتارے گئے۔ اب چونکہ یہ درمیانی وقفہ بہت مختصر ہے اس لئے اس کو اس طرح بیان کیا گیا کہ ساتھ ہی اتارے گئے تھے۔ چنانچہ اب وہ مجمل روایت اس کے خلاف نہیں رہتی جس میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد تھا کہ۔ ”اے آدم! میں نے ایک گھر اتارا ہے جس کا طواف کیا جاتا ہے پس تم وہاں جاؤ۔“

ایک حدیث میں یہ آتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام جنت سے اتارے گئے تو حجر اسود ان کی بغل میں

تھلا یہ حجر اسود جنت کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کی چمک دمک کو ممانہ نہ کر دیتا تو کسی شخص میں بھی طاقت نہیں تھی کہ اس کی طرف نظر کر سکتا۔“

اسب یہ روایت کہ آدم علیہ السلام حجر اسود کو بغل میں لئے ہوئے زمین پر اترے۔ اس گزشتہ روایت کے خلاف ہو گئی جس میں یہ تھا کہ حجر اسود لورہ خیمہ جو ایک یاقوت کی شکل میں تھا آدم علیہ السلام کے بعد ایک ساتھ اترے گئے تھے۔ اگر دونوں روایتوں کو صحیح مانا جائے تو ان میں مطابقت پیدا کرنی ضروری ہوگی۔
حجر اسود کا اصل رنگ..... اسی طرح ان کے خلاف حضرت وہبؓ ابن جہہ کی ایک روایت ہے کہ :-

”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے نکل جانے کا حکم دیا تو انہوں نے جنت کا ایک جواہر اپنے ساتھ لے لیا۔ یہی جواہر حجر اسود ہے اس پر وہ اپنے آنسو پونچھتے تھے (جو حق تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرنے پر بستے تھے) جب آدم علیہ السلام زمین پر آگئے تو بھی وہ روتے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہتے تھے اور اپنے آنسو اس جواہر پر پونچھتے رہتے تھے یہاں تک کہ ان کے آنسوؤں کی وجہ سے یہ حجر سیاہ ہو گیا (اور پھر اس کا نام ہی حجر اسود یعنی سیاہ حجر ہو گیا)

پھر جب بیت اللہ بنایا گیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس حجر کو بیت اللہ کے ایک کونے میں نصب کر دیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔
حجر اسود کی حقیقت..... اس بارے میں کتب بہجتہ الانوار میں یہ روایت ہے کہ :-

”ابتداء میں حجر اسود (پھر فیصل تھا بلکہ ایک نیک اور صالح فرشتہ تھلا پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمایا اور ان کو ساری جنت کی چیزوں کو جائز رکھا صرف ایک درخت کے پاس جانے کی ممانعت فرمادی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کو (جو بعد میں حجر اسود کی شکل کا کر دیا گیا) حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کی نگرانی کرے تاکہ وہ اس درخت سے کچھ نہ کھالیں۔

اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے یہ تقدیر فرمادیا کہ آدم علیہ السلام اس درخت سے کچھ کھالیں تو اس فرشتے کو ان کی نظر سے لوجھل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کی طرف ہیبت کے ساتھ دیکھا جس سے یہ فرشتہ ایک جواہر یعنی حجر کا ہو گیا۔

اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

”قیامت کے دن حجر اسود اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کے ہاتھ ہو گا، زبان ہوگی، کان ہوں گے اور آنکھ ہوگی کیونکہ یہ ابتداء میں ایک فرشتہ تھلا۔“

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- میں نے شیخ کمال الدین انجمی کی کتاب کی شرح میں دیکھا ہے کہ جب وہ کے کے قریب رہتے تھے تو حجر اسود کو دیکھا کہ وہ اپنی جگہ سے اس حال میں نکلا کہ اس کے دو ہاتھ دو ٹانگیں اور چہرہ ہو گیا ہے وہ تھوڑی دور تک چلا اور پھر واپس اپنی جگہ پر آگیا۔

حجر اسود اور مقام ابراہیمؑ کی فضیلت..... حدیث میں آگیا ہے کہ :-

”تھلا حجر اسود کو زیادہ سے زیادہ چومو اس لئے کہ وہ وقت قریب ہے کہ تم اس کو نہیں پاؤ گے۔ ایک رات لوگ اس کا طواف کر رہے ہوں گے مگر صبح ہوگی تو وہ اس کو نہیں پائیں گے۔ جنت کی جو چیز بھی زمین پر ہے اس کو اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے واپس اٹھالے گا۔“

(ی) چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ
”جنت کی چیزوں میں سے زمین پر سوائے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ دونوں جنت کے جواہر لیت میں سے دو جواہر ہیں۔ جو بیمار اور ردگی بھی ان کو چھوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو شفاء عطا فرماتا ہے۔“

(اسی طرح خود بیت اللہ کے متعلق) حدیث میں آتا ہے کہ :-
”اس بیت اللہ کا طواف زیادہ سے زیادہ کرو اس سے پہلے کہ اس کو اٹھالیا جائے۔ دوسرے یہ منہم ہوا یعنی گرا ہے اور تیسری وجہ اس کو اٹھالیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

حدیث میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام اس خیمہ پر جو کہ بیت المعمور ہے ہندوستان سے پیدل چل کر ایک ہزار مرتبہ آئے ہیں۔ ان میں سے تین سو مرتبہ حج کے لئے آئے اور سات سو مرتبہ عمرہ کے لئے آئے۔ فرشتوں کے طواف..... آدم علیہ السلام نے پہلی مرتبہ جب حج کیا تو جب عرفات کے میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے ان کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے۔

”اے آدم اپنے مناسک اچھی طرح پورے کرو۔ ہم تمہاری تحقیق سے پچاس ہزار سال پہلے سے بیت اللہ کا طواف کرتے آ رہے ہیں۔“
ایک روایت میں ہے کہ

”جب آدم علیہ السلام نے (پہلی بار) حج کیا تو روم کے مقام سے فرشتے ان کے سامنے آئے۔ یہ روم دوسری روم بنی حج ہے جہاں سے دعا مانگی جاتی ہے (اور جس کا ذکر سیرت طیبہ اردو کے گزشتہ صفحہ میں گزر چکا ہے) ان فرشتوں نے ان سے کہا۔

”اے آدم اپنا حج اچھی طرح پورا کرو۔ ہم تمہارے سے ایک ہزار سال پہلے سے حج کرتے آ رہے ہیں۔“

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- ازرقی کی کتاب مدنیجہ میں یہ ہے کہ :-
”حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے پیروں پر ستر مرتبہ پیدل حج کیا ہے اور یہ کہ فرشتوں کی ان سے جو ملاقات ہوئی وہ مائین کے مقام پر ہوئی فرشتوں نے ان سے اس وقت یہ کہا :-
”اے آدم اپنا حج اچھی طرح سے کرو۔ ہم تم سے دو ہزار سال پہلے سے اس بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔“

یہ مائین۔ عرفات اور مزدلفہ کے دو میدان میں ایک جگہ کا نام ہے۔ علامہ طبری کہتے ہیں کہ منی کے مقام سے پہلے بھی مائین نام کی ایک جگہ ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ ہی اس کی مراد کو صحیح جانے والا ہے۔ یہاں تک علامہ ازرقی کا کلام ہے۔

ایک حدیث میں یہ آتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو ذی طوی کے مقام پر فرشتے ملے۔ انہوں نے آدم علیہ السلام سے کہا۔

”اے آدم ہم دو ہزار سال سے اس جگہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔“
اس کے بعد جب حضرت آدم اس جگہ پر پہنچے تو انہوں نے اپنے جوتے اتار دیئے۔

(یہاں مختلف روایتیں بیان ہوئی ہیں) اب ان میں مطابقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ایک روایت ہے کہ روم کے مقام پر فرشتے آدم کے سامنے آئے تھے ایک میں ہے کہ ملائین کے مقام پر ان سے ملاقات ہوئی تھی اور ایک میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے ان کو ذی طوی کے مقام پر دیکھا تھا۔ (اس بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے واقعے مختلف رہے ہوں اور ان سب جگہوں پر مختلف وقت میں فرشتوں سے ملاقات ہوئی ہو)

اسی طرح یہ بھی مختلف روایتیں ہیں کہ فرشتے آدم علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے سے حج کر رہے تھے ایک روایت ہے کہ دو ہزار سال پہلے سے کر رہے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ پچاس ہزار سال پہلے سے حج کر رہے تھے۔

(یہ اختلاف بھی اسی جھجلی تھویل کے ذریعہ دور ہو جاتا ہے کیونکہ مختلف واقعات مانے جائیں اور مختلف فرشتے مانے جائیں تو تینوں قول درست ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کچھ فرشتے ایک ہزار سال سے حج کر رہے ہوں کچھ دو ہزار سال پہلے سے اور کچھ پچاس ہزار سال پہلے سے۔ لیکن مطابقت اسی صورت میں پیدا کرنی ضروری ہے جبکہ ان تمام روایتوں کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب)

فرشتوں کی تخلیق ایک ساتھ ہوئی یا مختلف اوقات میں..... (فرشتوں کی تخلیق کے متعلق کہتے ہیں کہ) کیا تمام ملائکہ کو ایک ہی دفعہ میں پیدا کیا گیا یا وقتاً فوقتاً پیدا کئے گئے۔

اس بارے میں ایک روایت یہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے رفتہ رفتہ اور وقتاً فوقتاً پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ جو شخص سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک ایسا فرشتہ پیدا فرما دیتا ہے جس کے دو آنکھیں، دو پر یعنی لڑنے والے بازو، دو ہونٹ اور زبان ہوتی ہے۔ یہ فرشتہ دوسرے فرشتوں کے ساتھ لڑتا رہتا ہے اور یہ کلمہ پڑھنے والے کے لئے قیامت تک مغفرت کی دعا مانگتا رہتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح فرشتے مختلف اوقات میں مختلف مقاصد کے لئے پیدا کئے جاتے رہتے ہیں۔

اسی طرح ایک حدیث ہے کہ جس کو کتاب ستر اسعادت نے نقل کر کے اس پر رد کیا ہے وہ حدیث یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ روزانہ جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیتے ہیں اور وہ بحر نور یعنی نور کے سمندر میں داخل ہو کر اس میں ایک غوطہ لگاتے ہیں اور اس کے بعد اس میں سے نکل کر اپنا بدن جھٹکتے ہیں جس سے ستر ہزار قطرے گرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر قطرے سے ایک ایک فرشتہ پیدا فرماتے ہیں۔

مگر کتاب ستر اسعادت نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی کئی سندیں ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے اور اس قسم کی حدیث ثابت نہیں ہے۔ یہاں تک ستر اسعادت کا حوالہ ہے واللہ اعلم۔

فرشتوں کی طواف کی دعا..... اس کے بعد اسی گزشتہ روایت کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام اپنے پہلے حج میں عرفات کے میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم پچاس ہزار سال سے اس بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں تو آدم علیہ السلام نے ان سے پوچھا۔

طواف کے دوران تم کیا پڑھتے تھے؟

انہوں نے کہا۔

ہم یہ پڑھتے تھے سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ (ترجمہ: پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں اور سوائے اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔)

دعاء طواف میں پہلا اضافہ اس پر آدم علیہ السلام نے کہا:-

اس میں یہ جزل اور بڑا ہادو ولا حول ولا قوۃ الا باللہ (ترجمہ: اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں کوئی طاقت نہ

قوت نہیں ہے۔)

چنانچہ اس کے بعد آدم علیہ السلام جب طواف کرتے تھے تو یہی دعا پڑھا کرتے تھے۔
آدم علیہ السلام کے طواف آدم علیہ السلام کا طواف سات ہفتے تک تو رات میں ہوا کرتا تھا اور پانچ ہفتے تک دن میں ہوتا تھا۔ (ی) پھر جب وہ طواف سے فارغ ہوتے تو وہ کہنے کے دروازے کی طرف رخ کر کے دور کھٹ نماز پڑھا کرتے تھے اس کے بعد لمزم کے مقام پر آتے اور یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّي وَتَعْلَمُ نِيَّتِي وَتَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَمَا عَنِّي فَاعْفُ عَنِّي ذُنُوبِي وَتَعْلَمُ حَاجَتِي فَاعْفُ عَنِّي مُؤَلِّي (الحديث)

ترجمہ: اے اللہ! تو میری پوشیدہ باتوں اور کھلی ہوئی باتوں دونوں کو جانتا ہے پس میری معذرت اور معافی قبول فرما۔ اور جو کچھ میرے نفس میں ہے اور جو کچھ میرے دل میں ہے تو اس کو بھی جاننے والا ہے۔ پس تو میرے گناہوں کو معاف فرما۔ اور تو میری ضرورتوں کو بھی جانتا ہے۔ پس تو میری حاجت روائی فرما اور میری درخواست قبول فرما۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- (بچھلی سطروں میں روایت بیان ہوئی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے کہا تھا کہ۔ ہم پچاس ہزار سال پہلے سے اس بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ جبکہ وہ خیمہ جو اس وقت بیت اللہ تھا آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی یعنی ان کے فوراً بعد اتارا گیا تھا لہذا) فرشتوں کے اس قول سے ان کی یہ مراد ماننا ٹھیک نہیں ہوگا کہ ہم اس خیمہ کا طواف کرتے آ رہے ہیں۔ کیونکہ اس خیمہ کے متعلق تو حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارنے کے بعد ان سے فرمایا تھا کہ۔ ہم نے تمہارے لئے ایک گھر اتارا ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ (کیونکہ آدم علیہ السلام کے لئے اتارنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بعد اتارا گیا) یا یہ کہ اس کو آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی اتارا گیا ہو (تو بھی مطلب یہی ہوگا کہ آدم علیہ السلام سے پہلے یہ خیمہ موجود نہیں تھا) اس لئے مناسب یہ ہے کہ فرشتوں کی مراد بیت اللہ کی جگہ ہوگی یعنی اس خیمہ کے اتارے جانے سے پہلے (اس جگہ کا جہاں وہ اتارا گیا اور جہاں لب بیت اللہ شریف موجود ہے فرشتے طواف کرتے رہے ہیں)

لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ خود یہ خیمہ ہی مراد ہو کیونکہ اس خیمہ کو ہی بیت المعمور بتلایا گیا ہے لہذا ممکن ہے کہ فرشتے اس کے زمین پر اتارے جانے سے پہلے پچاس ہزار سال سے اس کا طواف کرتے رہے ہوں جیسا کہ بیان ہوا۔

ہر فرشتے کو زیارت کعبہ کا حکم..... (قال کوہب ابن متہ سے روایت ہے کہ میں نے عبدلولی کی کتابوں میں سے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ :-

اللہ تعالیٰ جس فرشتے کو بھی زمین پر بھیجتا ہے اس کو حکم دیتا ہے کہ وہ بیت اللہ کی زیارت کرے۔ چنانچہ وہ فرشتہ عرش کے نیچے سے احرام باندھ کر تلبیہ یعنی لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ میں حاضر ہو گیا۔ اے اللہ میں تیرے حضور میں حاضر ہو گیا۔ (یہ دعا) پڑھتا ہوا نکلا ہے اس کے بعد وہ حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے پھر بیت اللہ شریف کا سات مرتبہ طواف کرتا ہے۔ اس کے بعد کعبہ شریف کے اندر دو رکعت نماز پڑھتا ہے اور پھر آسمان کی طرف اٹھ جاتا ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- یہاں ممکن ہے کہ احرام سے مراد بیت اللہ کے طواف کی نیت کا احرام ہو عمرہ کا احرام نہ ہو۔ اس کی دلیل یہ قول ہے کہ۔ پھر وہ فرشتہ سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے، پھر دو رکعت نماز پڑھتا ہے اور اس کے بعد آسمان کی طرف اٹھ جاتا ہے۔ (یہاں عمرہ کے ارکان پورے بیان نہیں کئے گئے اس لئے یہ قیاس ظاہر کیا گیا ہے کہ شاید فرشتے صرف بیت اللہ کے طواف کا احرام باندھتے ہوں گے۔

(یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بیت اللہ یا خیمہ موجود ہی نہ تھا تو طواف کلمہ کا کیا جاتا تھا اس بارے میں وہب کے کلام میں بتلایا گیا ہے کہ ممکن ہے یہاں بیت اللہ سے مراد بھی اس خیمہ کی جگہ ہی ہو کیونکہ اس طرح یہ بات ان فرشتوں کے لئے بھی درست ہو جائے گی جو اس سے پہلے بھیجے گئے اور ان کے لئے بھی درست ہوگی جو اس خیمہ کے اندر جانے کے بعد بھیجے گئے۔

مگر پہلے بھیجے جانے والوں کے سلسلے میں یہ بات شبہ پیدا کرنے والی ہوگی کہ وہ فرشتے حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں۔ دوسری صورت میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس خیمہ میں حجر اسود موجود تھا اور اس خیمہ کا طواف حجر اسود سے ہی شروع کیا جاتا تھا۔

عطاء اور سعید ابن مسیب وغیرہ ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ۔

زمین پر اترو اور میرے لئے ایک گھر بناؤ اور پھر اس کے گرد گھومو جیسا کہ میں فرشتوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ میرے اس گھر کے گرد طواف کرتے ہیں جو آسمان میں ہے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ

”(میرے لئے گھر بنا کر اس کا طواف کرو اور اس کے پاس میرا ذکر کرو جیسا کہ میں فرشتوں کو اپنے عرش کے گرد طواف کرتے دیکھتا ہوں۔“ جیسا کہ بیان بھی ہو چکا ہے۔

اس روایت کے ذریعہ حضرت امین عباسؓ کی اس روایت کی تصدیق ہو جاتی ہے جو پیچھے بیان ہوئی ہے کہ ابتداء آدم علیہ السلام کو زمین پر کعبے کی جگہ انداز کیا تھا (حدیث سنن کی سر زمین میں نہیں ملاحظہ فرمائیے۔

جبرئیل، آدم اور حواؑ کعبے کے نوکلین معمار..... (قال) ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو آدم اور حواؑ علیہما السلام کے پاس بھیجا۔ جبرئیلؑ نے ان سے کہا۔

اللہ تعالیٰ آپ دونوں سے فرماتا ہے کہ میرے لئے ایک گھر تعمیر کرو۔

اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے ان کے لئے بنیاد کا نشان لگایا اور پھر آدم علیہ السلام بنیاد کو ڈھونے

لگے اور حوالہ علیہ السلام مٹی ہٹانے لگیں۔ یہاں تک کہ کھودنے کھودنے وہ پانی تک پہنچ گئے۔ اسی وقت انہیں نیچے سے آواز آئی۔

”بس کافی ہے اے آدم!“

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب کھودنے کھودنے وہ ساتویں زمین (یعنی انتہائی گہرائی) تک پہنچ گئے تو فرشتوں نے اس بنیاد میں پتھر ڈال ڈال کر اس کو بھرنا شروع کیا۔ یہ پتھر اتنے بڑے بڑے ہوتے تھے کہ ایک ایک کو تیس آدمی اٹھا سکتے تھے۔

اس سے پہلے عطاء اور سعید ابن مسیب کی ایک روایت گزری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ حکم دیا تھا کہ زمین پر اترو اور میرے لئے ایک گھر تعمیر کرو۔ لیکن اس دوسری روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو آدم اور حواء علیہما السلام کے پاس بھیج کر یہ حکم دیا گیا۔ اب اگر یہ حکم اس وقت دیا گیا جب کہ آدم علیہ السلام پیدل چل کر ہندوستان سے حرم کے علاقے میں پہنچے تو یہ روایت اس روایت یعنی عطاء و وحی روایت کے خلاف ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کو یہ حکم وحی کے ذریعہ اس وقت دیا گیا جب کہ وہ جنت میں تھے (کیونکہ حکم میں کہا گیا ہے کہ زمین پر جاؤ اور بیت اللہ تعمیر کرو)۔

اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ (آدم علیہ السلام اس وقت جنت میں نہیں تھے بلکہ زمین پر اتارے جا چکے تھے اور اس حکم میں (زمین پر جانے سے مراد یہ ہے کہ حرم کی سر زمین پر جاؤ یعنی ”حرم کی سر زمین پر جاؤ اور میرے لئے ایک گھر تعمیر کرو۔“

اسی طرح (جیسا کہ پہلی روایت میں بیان ہوا ہے کہ آدم علیہ السلام نے بنیاد کھودی تھی اور فرشتوں نے اس میں پتھر ڈالے تھے) یہ ظاہر ہے کہ فرشتوں نے بنیاد کھودے جانے کے بعد ہی پتھر ڈالے ہیں چنانچہ یہ بات کعبہ کی اس روایت کے خلاف نہیں ہوتی جس میں گزرا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے ساتھ آسمان سے ایک کھوکھلا قوت انداز تھا اور آدم سے فرمایا تھا کہ اے آدم یہ میرا گھر ہے جسے میں نے تمہارے ساتھ اتارا ہے۔ نیز یہ کہ جو فرشتے آدم علیہ السلام کے ساتھ اترے تھے انہوں نے پتھروں سے کعبہ کے لئے بنیاد اٹھائی اور اس پر بیت اللہ کو نصب کر دیا گیا تھا۔ تو گویا ان روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ دونوں سے یہ بات نکلتی ہے کہ آدم علیہ السلام کے بنیاد کھودنے کے بعد فرشتوں نے پتھروں کے ذریعہ کعبہ کی بنیاد اٹھائی۔ چنانچہ جب یہ بنیاد پوری ہو گئی تو بیت اللہ یعنی اس یا قوتی خیمہ کو ان پتھروں پر نصب کر دیا گیا (جو بنیاد میں بھرے گئے تھے) اور کعبہ کی تعمیر کے لئے آدم علیہ السلام کے ساتھ فرشتوں کے اترنے کا مطلب یہ ہوگا کہ (آدم تو سر زمین ہند پر اتر چکے تھے) ان کے ساتھ فرشتے ہند سے حرم تک آئے (اور اس تعمیر کعبہ میں شریک ہوئے)۔

بعض روایتوں میں یہ آتا ہے کہ جب آدم اور حوالہ علیہ السلام نے کعبہ کی بنیاد تیار کر لی تو آسمان سے بیت اللہ کو اتارا گیا جو سرخ سونے کا تھا اور اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے آئے تھے۔ انہوں نے بیت اللہ کو آدم علیہ السلام کی بنیاد پر نصب کر دیا۔ پھر حجر اسود اتارا گیا اور اس کو اسی موقعہ پر یعنی اسی سمت میں نصب کیا گیا جس میں وہ آج بھی نصب ہے۔ اس کے بعد آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کا طواف کیا یعنی جس طرح وہ اس سے پہلے طواف کیا کرتے تھے۔

اس طرح روایتوں میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ باب اس بنیاد کے تیار کرنے کی جس پر فرشتوں نے اس یا قوتی خیمے کو نصب کیا تھا حضرت آدمؑ کی طرف بھی نسبت کی جاسکتی ہے اور فرشتوں کی طرف بھی۔ کیونکہ فرشتوں کی طرف نسبت کرنا تو بالکل صاف ہے (کہ پچھلی روایت میں بیان ہوا ہے کہ فرشتوں نے بنیاد کو بھرا تھا اور حضرت آدمؑ کی طرف نسبت کرنا اس لئے درست ہے کہ آدم علیہ السلام ہی اس بنیاد کے تیار کرنے کا سبب بنے تھے۔ یا وہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان کی طرف نسبت کرنا اس لئے درست ہے کہ فرشتے اس بنیاد میں پھر ڈالنے تھے اور آدم علیہ السلام انکو براہِ کر کے رکھتے جاتے تھے۔

فرشتوں اور آدم علیہ السلام کی طرف اس بنیاد کی نسبت کرنے سے لب و دروایتیں بھی صاف ہو جاتی ہیں جن میں سے ایک میں قویہ ہے کہ سب سے پہلے جس نے کعبہ کی تعمیر کی وہ فرشتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ سب سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر کرنے والے آدم علیہ السلام ہیں (کیونکہ بنیاد کی تعمیر میں فرشتے اور آدم علیہ السلام دونوں شریک ہیں۔ اس لئے دونوں کے متعلق یہ کنادرست ہے کہ وہی سب سے پہلے کعبہ کے تعمیر کرنے والے ہیں)۔ ہر حال یہ اختلاف قابلِ غور ہے۔

عبارات کعبہ کے پتھر..... (بیت اللہ کی تعمیر کے ہی سلسلہ میں) ایک حدیث میں آتا ہے کہ۔

آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کو جن پتھروں سے بنایا (یعنی اس کی بنیاد بھری) ان میں ایک تو لبنان پہاڑ ہے جو ملک شام کا ایک پہاڑ ہے دوسرے طور زیت سے جو بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک ہے تیسرے طور سینا سے جو مصر اور ایلینا کے درمیان میں ایک پہاڑ ہے۔ بعض نے اس کو ملک شام کا پہاڑ بھی لکھا ہے۔ یہ وہی پہاڑ ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی گئی تھی۔ چوتھے جودی سے جو جزیرہ عرب کا پہاڑ ہے اور پانچویں حراء سے۔ یہاں تک کہ (ان سب پتھروں کے ذریعہ) انہوں نے اس بنیاد کو زمین پر اٹھایا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: ایک روایت میں یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے بیت اللہ کی بنیاد کو چھ پہاڑوں کے پتھروں سے تعمیر کیا تھا (ان میں یہ پہاڑ بھی ہیں) ابو قیس پہاڑ، رضوی پہاڑ اور اُحد پہاڑ۔ طوقان نوح سے کعبہ کی حفاظت..... ہر حال دونوں روایتوں سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ کل آٹھ پہاڑوں سے تعمیر کیا گیا تھا اس کو قبول کر لینے میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے۔

غرض پھر یہ بیت اللہ جو کہ یا قوتی تھا نوح علیہ السلام کے زمانے تک موجود رہا۔ پھر جب طوقان نوح آیا تو اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتے بھیجے جنہوں نے اس یا قوتی خیمہ کو چھ آسمان پر پہنچایا اور یہی بیت المعمور ہے جیسا کہ تفسیر کشاف میں ہے (اس کے بارے میں پیچھے بیان ہوا ہے کہ بیت المعمور ساتویں آسمان میں ہے) اللہ تعالیٰ نے اس کو اٹھالیا تاکہ ناپاک پانی اس تک نہ پہنچ سکے۔ البتہ اس کی بنیاد باقی رہ گئی۔

کتاب عرائس میں ہے کہ کشتی نوح زمین والوں کو اپنے لوہے ہوئے چھ مہینے تک اس طرح گھومتی رہی کہ کسی جگہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ آخر وہ حرم تک پہنچ گئی مگر اس کے اندر نہ داخل ہو سکی اور ایک مہینے تک حرم کے گرد گھومتی رہی (گویا اس طرح اس کشتی نے بیت اللہ کی جگہ کے سات طواف کئے) اور اللہ تعالیٰ نے اس بیت اللہ کو حفاظت کی خاطر آسمان پر اٹھالیا تھا۔ جس کا آدم علیہ السلام جگہ کیا کرتے تھے اور جو کہ بیت المعمور ہے۔

(پیچھے روایت گزری ہے کہ آدم اور حواء علیہما السلام نے بیت اللہ کی بنیاد تعمیر کی) یہاں آدم علیہ السلام کے ساتھ حضرت حوا کا تفسیر کعبہ میں شریک ہونا اس روایت کے خلاف ہے کہ حواء کو جدہ میں اپنا گایا تھا

اور اللہ تعالیٰ نے ان پر حرم میں داخل ہونا اور آدم علیہ السلام کے خیمہ کی طرف یا کئے کی کسی بھی چیز کی طرف دیکھنا ان کی خطا کی وجہ سے حرام کر دیا تھا اور یہ کہ انہوں نے آدم علیہ السلام کے ساتھ کئے میں داخل ہونا چاہا تو آدم علیہ السلام نے ان سے کہا۔

”میرے ساتھ مت آؤ میں تمہاری بی وجہ سے جنت سے نکالا گیا ہوں۔ اب کیا تم یہ چاہتی ہو کہ مجھ پر یہ بھی حرام کر دیا جائے!“

چنانچہ آدم علیہ السلام جب حضرت حواء سے ملاقات کرنا چاہتے تو وہ حرم کی حدود سے بالکل باہر آ جلیا کرتے تھے اور حل کے علاقے میں حواء سے ملا کرتے تھے۔

آدم و حواء کی ملاقات..... علامہ محمد ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ہندوستان کی سر زمین میں جزیرہ ہند میں اپنا اہل اس سلسلے میں جو اشکال ہے وہ بیان ہو چکا ہے (کہ ایک روایت میں یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو براہ راست بیت اللہ کے مقام پر اتارا گیا تھا۔ اس اشکال کا جواب بھی بیان ہو چکا ہے، اور حضرت حواء کو حدہ (ح سے) یا جدہ (ج سے) کے مقام پر اتارا گیا تھا۔ چنانچہ آدم علیہ السلام حضرت حواء کی تلاش میں نکلے تو ان کا قناری جہاں ہوا یعنی جہاں انہوں نے حواء کو پہچانا وہ عرفات کا میدان تھا۔ اسی قناری کی وجہ سے اس جگہ کو عرفہ کہا جاتا ہے پھر جس جگہ وہ جمع ہوئے اس جگہ کو اسی بناء پر جمع کہا جاتا ہے اور پھر جس جگہ حواء ان کے قریب ہوئیں اس جگہ کو اسی لئے عرفہ کہا جاتا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم اور حواء عرفہ کے علاوہ کسی اور جگہ جمع ہوئے تھے لیکن یہ بات مشہور قول کے خلاف ہے کیونکہ مشہور قول یہ ہے کہ وہ عرفہ کے مقام پر جمع ہوئے تھے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کیلئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ دونوں جگہیں ایک ہی علاقہ میں ہیں اور اس پورے علاقہ کے یہ دونوں نام ہیں۔ (عرفہ کے مقام کو عرفہ کہنے کی ایک وجہ تو لوہ پر بیان ہوئی اور) ایک قول یہ ہے کہ عرفہ کو عرفہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے مناسک اور ارکان سکھائے اور وہ عرفہ کے مقام تک پہنچے تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا۔

”کیا آپ نے اپنے مناسک کو سمجھ لیا۔ یعنی آپ کو ان کی معرفت ہو گئی؟“

آدم علیہ السلام نے کہا ”ہاں“ چنانچہ اسی وجہ سے اس جگہ کو عرفہ کہا گیا۔

یہاں حج کے مناسک سے وہ مناسک مر لو ہیں جو عرفہ کے مقام سے پہلے کے ہیں ورنہ یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اصل اور اہم مناسک و ارکان تو عرفہ کے بعد ہی شروع ہوتے ہیں (اس لئے یہاں تک کے مناسک بتلانے کے بعد یہ کیسے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے مناسک سمجھ لئے؟)

امت محمدی ﷺ کی فضیلت کا اقرار..... کتب خاصہ صغریٰ میں رزین سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام نے کہا۔

”اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی امت کو چار ایسی کرامتیں اور فضیلتیں دی ہیں جو مجھے نہیں دی گئیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میری توبہ صرف کئے میں مخصوص (یعنی قابل قبول) تھی اور امت محمدی کا کوئی بھی آدمی کہیں بھی توبہ کر سکتا ہے۔“ (حدیث)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کا سبب بیت اللہ کا طواف تھا۔

کنا جاتا ہے کہ حواء آدم علیہ السلام کے ایک سال بعد تک زندہ رہیں۔

بیت المقدس کی پہلی تعمیر..... ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کعبے کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ جا کر بیت المقدس تعمیر کریں چنانچہ آدم علیہ السلام وہاں سے روانہ ہوئے اور انہوں نے بیت المقدس تعمیر کیا اور اس میں وہاں کے لوگ ان کو لور مناسک لوائے۔
زمین کی پہلی مسجد..... اس روایت کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کے اس لڑشاہ میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا:

”زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنی؟“

تو آپ نے فرمایا کہ مسجد حرام۔ پھر پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سی بنی تو آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس پھر پوچھا گیا کہ ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے تو آپ نے فرمایا چالیس سال کا۔
دونوں مسجدوں کے درمیان اس فاصلہ کے متعلق امام بلقینی نے ایک وضاحت کی ہے کہ ان دونوں مسجدوں کی تعمیر کے درمیان جو مدت ہے وہ اس وجہ سے کہ بیت المقدس کی زمین بعد میں ہموار کی گئی یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین بنائی تو سب سے پہلے مسجد حرام کی جگہ کی زمین بنی اور بیت المقدس جس جگہ ہے وہاں کی زمین اس کے ایک مدت کے بعد ہموار کی گئی۔

علامہ شامی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے بعد حواء پر بیان ہوئی (کہ دونوں مسجدوں کو آدم علیہ السلام نے بنایا ہے) امام بلقینی کی اس وضاحت کی ضرورت نہیں۔

مگر امام بلقینی کی یہ وضاحت دراصل اس قول کی بنا پر ہے کہ مسجد حرام کے بنانے والے دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بیت المقدس کی مسجد بنانے والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں (امام بلقینی نے اس بارے میں یہ وضاحت اس لئے کی کہ ان دونوں تعمیروں کے درمیان ایک ہزار سال سے بھی زائد کی مدت ہے۔

بہر حال اسی طرح اگر یہ مانا جائے (جیسا کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ) مسجد حرام کے بنانے والے تو آدم علیہ السلام ہیں اور بیت المقدس کی مسجد تعمیر کرنے والے ان کی لولاد میں سے کوئی ہیں۔ تو بھی کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا۔

اسی لئے بعض علماء نے اس بارے میں وضاحت کی ہے کہ سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر کرنے والے نہیں ہیں بلکہ دراصل وہ اس مسجد کی تعمیر کی تجدید کرنے والے ہیں۔ جہاں تک بیت المقدس کی تعمیر کرنے والے کا تعلق ہے وہ حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں جن کے دلوئے اتنی ہی مدت پہلے یعنی چالیس سال پہلے مسجد حرام یعنی بیت اللہ تعمیر کیا تھا۔ لیکن اگر یہ مانا جائے کہ یہ دونوں مسجدیں آدم علیہ السلام نے ہی تعمیر کی تھیں تو پھر کوئی اشکال نہیں پیدا ہوتا (اس لئے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے)۔

ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے کعبہ کی تعمیر کی۔ یعنی اس یا قوتی خیمہ کے واپس اٹھائے جانے کے بعد پورے کعبہ کی جس شخص نے آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد تعمیر کی وہ آدم علیہ السلام کے بیٹے شیت علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے بیت اللہ کو مٹی اور پتھر سے بنایا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ولایت اور پہل اضافی ہے (یعنی قوم علیہ السلام کے بعد جس نے سب سے پہلے بیٹا وہ شیت علیہ السلام ہیں۔ اضافی کا مطلب یہ ہے کہ یہ ولایت صرف شیت علیہ السلام کے بعد والوں کے مقابلے میں ہے۔ ان سے پہلے کے مقابلے میں نہیں ہے)

غرض اس کے بعد جب طوفان نوح آیا تو بیت اللہ کی عمارت منہدم ہو گئی البتہ اس کی جگہ باقی رہ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد ایک مدت تک یہی صورت باقی رہی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے تک کسی نے بیت اللہ کی تعمیر نہیں کی۔

بنیاد آدمؑ پر تعمیر ابراہیمی..... چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کا ارادہ کیا تو ان کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے (بیت اللہ کی جگہ لپکنے پر مارے جس سے ساتویں زمین پر) (یعنی انتہائی گہرائی میں) وہ پختہ اور مضبوط بنیاد نکل آئی (جسے قوم علیہ السلام اور فرشتوں نے بیٹا تھا) پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی بنیاد پر کعبہ کی تعمیر اٹھائی اور اس بنیاد کو ہی قواعد کہا جاتا ہے جو پیچھے بھی ذکر ہوا ہے یہ بنیاد جیسا کہ بیان کیا گیا حضرت آدم علیہ السلام یا فرشتوں کی بنائی ہوئی تھی۔ یا ان دونوں ہی کی بنائی ہوئی تھی (جیسا کہ مکرر شدہ تفصیل سے معلوم ہو جاتا ہے)۔

اس بنیاد کو اساس ابراہیم اور قواعد ابراہیم بھی کہا جاتا ہے (جس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ بنیاد ان کی بھری ہوئی تھی بلکہ یہ مطلب ہے) کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس بنیاد پر کعبہ کی تعمیر اٹھائی اس کو توڑا نہیں تھا۔ یہ جو روایت بیان ہوئی ہے اس کی تائید حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے کہا بیت اللہ کی جگہ مٹ گئی تھی۔ یعنی طوفان نوح کی وجہ سے کیونکہ ایک روایت میں صاف یہی لفظ ہیں کہ نوح اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیانی زمانے میں بیت اللہ کی جگہ مٹ گئی تھی اس جگہ پر ایک سرخ ٹیلہ سا ہو گیا تھا (اس کی برکت بھی اتنی ظاہر تھی کہ) مظلوم اور پناہ چاہنے والے لوگ زمین کے چپے چپے سے وہاں آیا کرتے تھے یہاں آکر جو شخص بھی کوئی دعا مانگتا وہ قبول ہوتی تھی۔

حضرت عائشہؓ سے ہی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہ السلام نے بیت اللہ کا حج نہیں کیا کیونکہ ہود علیہ السلام اپنی قوم عاد کے ساتھ اچھے رہے اور صالح علیہ السلام اپنی قوم ثمود کے ساتھ مشغول رہے (اور ان قوموں نے ان نبیوں کو اس کی مہلت ہی نہیں دی کہ وہ بیت اللہ کی حاضری دے سکتے)

بیت اللہ میں انبیاء کی قبریں..... ایک حدیث میں آتا ہے کہ مقام ابراہیم اور حجر اسود اور چاہ زحرم کے درمیانی حصے میں نخلوے نبیوں کی قبریں ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ کعبہ کے چاروں طرف تین سو نبیوں کی قبریں ہیں اور رکن یمانی یعنی دائیں کونے اور حجر اسود کے درمیانی حصے میں ستر نبیوں کی قبریں ہیں۔ ہر وہ نبی جس کو اس کی قوم نے جھٹلایا، اپنی قوم کے درمیان سے نکل کر کے آتا تھا جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہتا تھا یہاں تک کہ اس کی وفات ہو جاتی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رکن یمانی اور حجر اسود کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور یہ کہ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کی قبریں اسی مبارک حصہ میں ہیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:- اسماعیل علیہ السلام کے اس جگہ دفن ہونے کی بات کی تائید بعض محققوں کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ اسماعیل علیہ السلام ٹھیک اسی جگہ کے سامنے دفن ہوئے ہیں جہاں حجر اسود ہے۔ مگر ایک حدیث میں ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کی قبر حجر اسود کے حصے میں ہے۔ علامہ محبت طبری نے لکھا ہے کہ پتھر کا وہ سبز چوکہ حجر اسود کے مقام پر ہے جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے۔

(بچے) دور وائیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک قویہ کہ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام حج نہیں کر سکے اور دوسری روایت یہ کہ ان دونوں کی قبریں بھی بیت اللہ میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان میں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں قبیروں نے حج کیا ہے کیونکہ یہاں دفن ہونے کا مطلب ہے کہ وہ بیت اللہ میں حاضر ہوئے ہیں اس کے متعلق کہتے ہیں (ان دونوں قبیروں کے حج نہ کرنے اور بیت اللہ میں دفن ہونے کے درمیان کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا۔ کیونکہ ممکن ہے (یہ حضرات بیت اللہ کی حاضری کے لئے روانہ ہوئے ہوں مگر) اس تک پہنچنے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی ہو چنانچہ ان کی حقوں کو بیت اللہ میں لا کر دفن کر دیا گیا ہو۔ اور یہ کہ بعض علماء نے اس روایت کو کثرت و تظاہر ہے کہ ان دونوں نے حج نہیں کیا۔ اس بات کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ ہود اور صالح علیہما السلام نے کور ان لوگوں نے جو ان پر ایمان لائے بیت اللہ کا حج کیا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت فوج نور ابراہیم علیہ السلام کے درمیانی زمانے میں ہونے والے کسی نئی نے بیت اللہ کا حج نہیں کیا۔

اب اس روایت میں اور اس کچھلی روایت میں اختلاف ہو جاتا ہے جس میں ہے کہ جس نبی کو بھی اس کی قوم نے جھٹلایا وہ کئے آکر بیت اللہ میں عبادت گزاری کرنے لگتا تھا۔ اب اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو ان دونوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنی پڑے گی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ان کے درمیان مطابقت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بلکہ پہلے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے درمیان ایسا کوئی نبی گزرا ہے جس کو اس کی قوم نے جھٹلایا ہو کیونکہ نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے درمیان سوائے ہود اور صالح علیہما السلام کے ایسا کوئی نبی نہیں گزرا جس کو اس کی قوم نے جھٹلایا ہو۔ اسی بات سے اس قول کی بھی تائید ہو جاتی ہے کہ ان دونوں یعنی ہود اور صالح علیہما السلام نے حج نہیں کیا (کیونکہ ان کی قوموں نے ان کو جھٹلایا اور انہیں اطمینان کا سانس نہیں لینے دیا) اگرچہ اس روایت کے حقائق گزر چکا ہے کہ یہ کمزور اور ضعیف ہے۔

سستی نوح کا طواف کعبہ سرکشی..... ایک حدیث میں آتا ہے جس کا ایک روئی متروک ہے کہ: نوح علیہ السلام کی سرکشی نے ان کے ساتھ حج کیا چنانچہ وہ عرفات کے مقام پر ٹھہری۔ پھر (دو تہری ہوئی مزدلفہ کے مقام پر پہنچی) اور وہاں اس نے رات گزاری اور اس کے بعد اس نے حرم شریف کا طواف کیا جیسا کہ پیچھے بھی ذکر ہوا کہ سرکشی حرم کی حد سے آگے بڑھ کر اس میں داخل نہیں ہو سکتی (لہذا بیت اللہ کا طواف کہنے کے بجائے حرم کا طواف کہا گیا) یہاں یہ کہنا مناسب نہیں ہو گا کہ اس نے سستی کی کیونکہ سستی تو صفا اور مردہ کے درمیان ہوتی ہے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سستی سے مراد خود طواف ہی ہے۔ ایک سرکش اور نوحؑ کی بددعا..... کتاب انس جلیل میں ہے کہ حدیث شریف میں ہے۔

”نوح علیہ السلام کی سرکشی ایک ہفتے تک بیت اللہ کا طواف کرتی رہی اور پھر جو دی پہاڑ پر پہنچ کر بیک

مکتی۔

ایک حدیث میں ہے کہ نوح علیہ السلام نے کشتی والوں سے فرمایا جب کہ کشتی بیت اللہ کا طوق پہن کر رہی تھی۔ ”تم لوگ اللہ تعالیٰ کے حرم میں اور اس کے گھر کے گرد ہو اس لئے تم میں سے اس وقت کوئی بھی اپنی عورت کو ہاتھ نہ لگائے۔“

اس کے بعد نوح علیہ السلام نے مردوں اور عورتوں کے درمیان ایک پردہ اور رکاوٹ بنادی۔ مگر کہا جاتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے نے فریالی کی اور اپنی عورت کے ہاتھ ہم بستر ہو گیا۔ اس پر نوح علیہ السلام نے اس کے حق میں اللہ تعالیٰ سے بددعا کی کہ اس کی ولادہ کا رنگ سیاہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ولادہ کے حق میں نوح علیہ السلام کی بددعا قبول فرمائی چنانچہ اس کا جو بیٹا بنے ابو لہوہ (اور اس کی ولادہ) سیاہ رنگ کا ہوا۔ اس کا یہ بیٹا ابوشودان تھا جس کی نسل افریقہ کے کچھ علاقوں میں ابھلی ہوئی ہے۔

مگر نوح علیہ السلام کی اس بددعا اور ابو الشودان کی ولادہ کے رنگ سیاہ ہو جانے کا کچھ دوسرا سبب بھی بیان کیا جاتا ہے جس کو میں نے اپنی کتاب اعلام الطوائف علی فضائل العیوض میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام کی قبریں بیت المقدس میں ہیں (ی) یعنی حضرت یوسف علیہ السلام (کی قبر حجت دبیائے نسل کے پانی میں آگئی تو ان کی میت کو اس قبر میں سے نکال کر بیت المقدس میں دفن کیا گیا جیسا کہ آگے تفصیل ہے اس کا بیان کرنا

ابراہیم کو مقام کعبہ کی نشان دہی..... (نقل حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ حکم فرمایا کہ میرے لئے ایک گھر تعمیر کرو۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا۔

”کسے چہ درگاہ میں وہ گھر کہاں تعمیر کروں؟“
اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ سجدہ کے پیچھے پیچھے جلاں سجدہ سے مراد وہاں ہے (جو خاص طور پر ابراہیم علیہ السلام کے لئے ظاہر کی گئی اور) جس کے انسان کے جیسا چہرہ تھا (ایک قبیلہ سے بھی ہے کہ لمبی کے جیسا چہرہ تھا اور اس کے دوبارہ یعنی پرچے اور اس کے زبان بھی تھی جس سے وہ کلام کرتی تھی۔ مگر تفسیر کشاف میں اس سکن کی تفسیر میں لکھا ہے جو تابوت سکن یعنی صندوق میں تھی (اور جس کا تفصیل بیان سیرت علیہ السلام اردو خوشنویس میں گزر چکا ہے)۔

”کہا جاتا ہے کہ یہ سکنیت (جس کے متعلق ابراہیم علیہ السلام کو خبر دی گئی تھی) درجہ یا قوت کی تھی ہوئی شکل کی تھی اور اس کے کپڑے جیسا کہ اور کپڑے کے جیسا کہ وہ تھی۔“
مگر اس بارے میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اس کا چہرہ انسان کے چہرہ جیسا تھا۔ یہاں تک تفسیر کشاف کا حوالہ ہے۔

ایک روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (ابراہیم علیہ السلام کے لئے) ہوا کو بھیجا جس کا نام نوح تھا اس کے دوبارہ تھے اور سانپ کی طرح کا سر تھا۔ اس ہوائے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سامنے بیت اللہ کے گردہ کا وہ حصہ کھول دیا جہاں بیت اللہ کی ولایت تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (ابراہیم علیہ السلام کی طرف) ایک بدلی کو بھیجا جس کا ایک سر نقد پھر اس سر میں سے نواز آئی۔

آئے ابراہیم آپ کا پروردگار آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اس بدلی کے برابر حصہ (اس کے نیچے زمین پر) نشان لگادیں۔“

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام فوراً اس بدلی کو دیکھتے جاتے تھے اور نشان لگاتے جاتے تھے (یعنی اس کے برابر اس کی سیدھ میں زمین پر نشان بناتے جاتے تھے) اس کے بعد پھر اس سر میں سے نواز آئی۔
”اسے ابراہیم کیا تم اپنا کام کر چکے؟“

ابراہیم علیہ السلام نے کہا ہاں! چنانچہ اس کے بعد وہ بدلی اٹھ کر فوراً چلی گئی۔ ان سب روایاتوں میں مطابقت بھی قابل غور ہے اور ان سب کے ساتھ اس روایت میں سے بھی مطابقت ضرور کی ہے جو پیچھے بیان ہوئی کہ جبرئیل علیہ السلام نے زمین پر اپنے پرندے جس کے پیچھے میں کعبہ کی وہ پہلی بنیاد ظاہر ہو گئی۔

(تخریج: اس بارے میں کہنا مشکل ہے کہ اس بدلی کو کبھی ہوا سے تعبیر کیا گیا اور کبھی بدلی سے ہوا سے مراد بھاپ ہو سکتی ہے کیونکہ ہوا نظر آنے والی چیز نہیں ہے اور نہ اس کے جسم ہے۔ اب بھاپ کہنے کی صورت میں یہ بات زیادہ قابل قبول ہے کہ بھاپ کو بدلی کہہ دیا گیا ہو کیونکہ بادل حقیقت میں بھاپ ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی شکل کے متعلق مختلف قول ہیں اس بارے میں ممکن ہے کہ روایوں کے بیان کا فرق ہو۔

لہذا جہاں تک بدلی کے ذریعہ بیت اللہ کی بنیاد کا نشان لگانے اور حضرت جبرئیل کے پرندہ کو بیت اللہ کی بنیاد کو ظاہر کرنے کا معاملہ ہے ان میں بھی مطابقت ہو سکتی ہے کہ شاید بدلی کے ذریعہ تو کعبے کے طول و عرض کے برابر نشان لگائے گئے اور پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پرندہ کو ان بنیادوں کو ظاہر کر دیا جو امتیازی گہری تھیں۔ واللہ اعلم۔ مرتب)

کعبے کی طرف رہنما پرندہ..... ایک حدیث میں آتا ہے کہ پھر وہ سکوت (یعنی بھاپ) چلتی شروع ہو گئی جس کی رہنمائی ضروری پرندہ کو رہا تھا (اس پرندہ کو وہ زمین لٹور اٹھا جاتا ہے اور یہ ایک مشہور پرندہ ہے جو چڑیا سے ہوا ہوتا ہے اور چڑیوں وغیرہ کا کھار کرتا ہے۔

اس کے کھار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی مختلف قسم کی کواڑیں ہوتی ہیں۔ یہ جس پرندے کا کھار کرنا چاہتا ہے اس کے لئے طہرہ قسم کی کواڑ نکالتا ہے جو اسی پرندے کی سی کواڑ ہوتی ہے جب یہ کواڑ اس پرندے تک پہنچتی ہے تو وہ لٹور اٹھ کر اس کے پاس آتا ہے جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچتا ہے لٹور اس پر چھپتا ہے اور اس کو کھار کر لیتا ہے۔

اس پرندے کو صوام یعنی بڑا روزہ دلا بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے کہ یہ پہلا پرندہ ہے جس نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا تھا۔ چنانچہ ایک صحابی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میرے ہاتھ میں لٹورا پرندہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے دیکھ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

”یہ پہلا پرندہ ہے جس نے عاشوراء یعنی دسویں محرم کو روزہ رکھا۔“
مکوعلامہ ذہبی نے اس حدیث کو منکر کہا ہے اور حاکم نے اس کو باطل کہا ہے۔
کہا جاتا ہے کہ جس زمانے میں حضرت خالد ابن ولید نے طلیحہ کذاب کو قتل کیا جس نے آنحضرت

حکمت کی زندگی ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اس کی طاقت زور پکڑ گئی تھی۔ اسی زمانے میں حضرت خالدؓ نے طلیحہ کذاب کے ایک ایسے ساتھی سے پوچھا جو کہ لب مسلمان ہو چکا تھا۔ ”طلیحہ کذاب تمہیں اپنی وحی کی کیا باتیں بتلایا کرتا تھا؟“

اس نے جواب دیا کہ وہ کہتا تھا۔

”کہوترا، جنگی کہوترا اور روزہ دلثور کی قسم اٹھادی سلطنت شام اور عراق تک پہنچی جائے گی۔“

سلیمان علیہ السلام کا پرندوں کی بولیاں سمجھنا

کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے (جن کو اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی بولیاں سمجھنے کا مجوزہ عطا فرمایا تھا) دلثور پرندے کی آواز سنی تو فرمایا کہ یہ کہہ رہا ہے۔

”اے گناہ گارو! اللہ تعالیٰ سے استغفر کرو۔“

مگر کتب کشف میں ہے کہ یہ ہڈی کوڑا تھی مگر یہ ہو سکتا ہے کہ دلثور اور ہڈی دونوں نے اپنی اپنی آواز میں یہی بات کہی ہو۔

پھر انہوں نے مور کی آواز سنی تو فرمایا کہ یہ مور یہ کہہ رہا ہے۔

”جیسا کرو گے ویسا بھرو گے“

پھر انہوں نے ہڈی کی آواز سنی تو فرمایا کہ یہ ہڈی یہ کہہ رہا ہے۔

”جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرے اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے۔“

ہڈی کے متعلق دونوں روایوں میں مطابقت اس طرح ممکن ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کبھی تو ہڈی یہ کہتا ہو کہ ”اے گناہ گارو! اللہ تعالیٰ سے استغفر کرو۔“ اور کبھی یہ کہتا ہو کہ ”جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرے اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے۔“

ایک دفعہ سلیمان علیہ السلام نے شہرک کی آواز سنی تو فرمایا کہ یہ یوں کہہ رہا ہے۔

”تم خیر کا معاملہ کرو۔ تمہیں اس کی جزا ملے گی۔“

انہوں نے مرغ کی آواز سن کر فرمایا کہ یہ یوں کہہ رہا ہے۔

”اے حافظو! اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو!“

بلبل کی آواز سن کر انہوں نے فرمایا کہ یہ یوں کہتی ہے۔

”اگر تم نے آدمی مجبور کھائی (تو اگرچہ یہ بھی توکل کے خلاف ہے مگر کوئی اسے معاف کر دیتا

چاہئے۔“

فاختہ کے متعلق انہوں نے فرمایا کہ یہ یوں کہتی ہے۔

”کاش یہ مخلوق پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔“

انہوں نے جب گدھ کو بولنے سنا تو فرمایا کہ یہ یوں کہتا ہے۔

”پاک ہے میرا پروردگار جو سب سے اعلیٰ اور بلند ہے اور اپنے زمین و آسمان پر حاوی ہے۔“

جلد اول قصص اول

”خداوند تعالیٰ کی ذلت کیا کہہ سکتے ہیں؟“
 اسی طرح لڑی یہ کہتی ہے۔
 ”جو شخص خاموش رہا وہ محفوظ رہا۔“

طوبائیوں کہتا ہے۔

”اس کے لئے یہ کہی ہے جس نے دنیا کی خواہش کی۔“

کر مگر یہ کہتا ہے۔

”ابھی حالہ آدم ابھی تک تو جا رہا ہے زندہ ہے مگر تیرا انجام موعود ہے۔“

عقاب یہ کہتا ہے۔

”موتوں سے دور رہنے میں ہی سکون و اطمینان ہے۔“

سلیمان علیہ السلام سے روایت ہے کہ یہ عذرا علیہ السلام کے لئے جو سب سے بہترین نصیحت کرنے والا اور عشق پر عہد ہے وہ اللہ ہے وہ جب کسی کو پرانے اور خرابہ پر اگر بیٹھتا ہے تو یہ کہتا ہے۔
 ”کہاں ہیں وہ لوگ جو دنیا کا پیش و عشرت حاصل کر رہے تھے اور اس کی طرف دوڑ رہے تھے، ولادہ آدم پر افسوس ہے۔۔۔۔۔ کہ وہ کیسے غافل اور بے فکر رہے ہیں حالانکہ ان کے سامنے خطیاں اور مشکلات پھیلی ہوئی ہیں۔
 اے غافل انسانو! اپنے سفر کے لئے کچھ زور اور تیزی کر لو!“

آنحضرت ﷺ کا ایک پر عہدہ کی بھلی سمجھنا۔۔۔۔۔ حضرت اہل بیت علیہم السلام سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جلد تھا کہ ہم نے ایک اندھا پر عہدہ لکھا جو ایک درخت پر اپنی چوٹی پر چڑھ رہا تھا رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا۔

”کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا کر رہا ہے؟“

میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کہہ رہا ہے۔
 ”اے اللہ! تیری ذات خود ہی انصاف ہے۔ تو نے میری آنکھوں کے پردے ڈال دیئے ہیں اور اب میں بھوکا ہوں۔“

اسی وقت میں نے دیکھا کہ، ایک بڑی سانپ آئی اور اس احمق پر عہدے کی چوٹی پر ٹھس مچی۔ اس کے بعد اس پر عہدے نے بھر درخت پر اپنی چوٹی پر چڑھ دی تو آنحضرت ﷺ نے پھر پوچھا کہ کیا جانتے ہو کہ یہ اب کیا کہہ رہا ہے؟

میں نے عرض کیا۔ ”میں اسے کہتا ہوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کہہ رہا ہے۔“

”جس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔“

ہد ہد پر سلیمان کا عقاب۔۔۔۔۔ کہا جاتا ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد سے فرمایا کہ میں تجھ کو بہت شدید عذاب دوں گا تو ہد ہد نے ان سے عرض کیا۔

”اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ کا کھڑا ہونا یہ کہہ رہا ہوں۔“

یہ سن کر سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپنے لگے اور انہوں نے ہد ہد کو اسی وقت معاف

کر دیا۔

یہ ہڈ پانی حاصل کرنے کے سلسلے میں سلیمان علیہ السلام کا اہم اور بڑا خاص کام تھا کہ ہڈ کو زمین کے نیچے پانی اس طرح نظر آجاتا ہے جیسے خشکے میں سے نظر آتا ہے۔

(ہڈ پر سلیمان علیہ السلام کی بڑا شگ کی کاسبب یہ ہوا تھا کہ ایک دفعہ سلیمان علیہ السلام پانی سے خالی ہو گئے۔ ساتھ ہی اس وقت ہڈ بھی غیر حاضر تھا جس کے ذریعہ ایسی زمین تلاش کی جاسکتی تھی جس کے نیچے پانی ہو چنانچہ اس وقت ہڈ کی غیر حاضری سے سلیمان علیہ السلام اس پر غصہ ٹاٹ کر ہوئے اور انہوں نے اس کی تلاش میں عقاب کو بھیجا اس نے راستے میں ہڈ کو یمن کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا ہڈ پر نہر جبہ عقاب کو دیکھا کہ وہ اس پر چھپنے کے لئے آ رہا ہے تو اس نے عقاب سے کہا۔

میں اس ذلت کے نام پر تجھ سے رحم کرنے کے لئے آتا ہوں جس نے تجھے میرے لیے غالب آنے کی طاقت دی ہے۔

(اس کے بعد وہ سلیمان علیہ السلام کے پاس آیا اور انہوں نے اس سے وہ سب کچھ پوچھا جو بیان ہوا)۔

حضرت امین عباسؑ سے کہی گئی کہ۔

”لفظہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ ہڈ زمین کے نیچے پانی کو تو دیکھ لیتا ہے مگر اس کو جالی نظر نہیں آتا (جو اس کو کھلنے کے لئے بچھایا جاتا ہے)۔“

حضرت امین عباسؑ نے فرمایا۔

”جب موت آتی ہے تو آنکھیں پانی سے محروم ہو جاتی ہیں۔“

کہا جاتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ہڈ کو جو شدید غصہ دینے کے متعلق کہا تھا اس سے ان کی مراد ہڈ کو اس کے بیرونوں سے محروم کر دینا تھی (یعنی وہ ان چیزوں کے ساتھ نہیں رہے گا جو اس کو نقصان نہ پہنچائیں) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مراد اس کا اپنے دشمنوں کی خدمت کرنے پر مجبور ہونا تھی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی مراد ہڈ کے اپنے دشمنوں کی محبت میں رہنے سے تھی۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ مشکل قید انسان کا دشمنوں میں رہنا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ مشکل قید مرد کی بوڑھی بیوی (یا بوڑھے کی بیوی) ہوتی ہے۔

سلیمان علیہ السلام کے جانوروں کی زبانیں سمجھنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا

عَلَّمَا مَنَاقِبَ الْأَنْبِيَاءِ وَأَوْفَقَهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ

ترجمہ :- اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی سمجھنے کی تعلیم کی گئی ہے اور ہم کو سامان سلطنت کے متعلق ہر قسم کی ضروری چیزیں بھی سکھائی گئی ہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ :- منطق کے لفظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی آوازوں کو تعبیر فرمایا ہے کیونکہ ان آوازوں سے وہ معانی اور مطلب پیدا ہوتے ہیں جن سے ہم سمجھتے ہیں چنانچہ سلیمان علیہ السلام جب بھی کسی پرندے کی آواز سنتے تو وہ حق تعالیٰ کی جانب سے ملی ہوئی قدرت کے ذریعہ اس کو اپنی غرض اور مقصد کو سمجھ لیتے تھے جو اس پرندے کی مراد ہوتی تھی (کیونکہ پرندے اپنی آوازوں کے ذریعہ حق تعالیٰ کی تسبیح

اور حمد و ثناء بیان کرتے ہیں۔

یہ بات صرف ان پرندوں کے متعلق ہے جن کی کواڑوں سے صاف الفاظ سمجھ میں نہیں آتے کیونکہ بعض پرندے ایسے بھی ہیں جن کی کواڑوں سے صاف الفاظ سمجھ میں آتے ہیں چنانچہ کواؤں کی ایک خاص قسم ہے کہ جس پرندے کو یہ الفاظ صاف معلوم ہوتے ہیں۔

کسی نے لکھا ہے کہ میں نے ایک کواڑ کو دیکھا جو سورگابھری کی آہٹیں پڑھ رہا تھا اور جب سورگابھری کی آہٹ پر پہنچا تو یہ کہنے لگا کہ میں نے سورگابھری کی آہٹیں پڑھ لی ہیں۔

”میرے سر نے تیرے سامنے سورگابھری کی آہٹیں پڑھ کر ایمان دلایا۔“
(علامہ بکری کہتے ہیں کہ) میرے ساتھ ایک واقعہ پیش کیا جس میں میں نے کوئی کواڑ کو بولتے سنا میں اپنے ایک دوست کے مکان میں گیا جہاں ایک کواڑ بھی تھا جسے میں نے نہیں دیکھا تھا کہ اچانک اس نے کہا ”مر جانا بکری“۔ پھر اس نے دوبارہ یہی جملہ کہا۔ میں اس کے اس قدر حائف کلام پر بہت حیران ہوا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کے علاوہ دوسرے جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ (ایک دفعہ جب سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ جا رہے تھے تو ان کے لشکر کی کواڑ چوٹیوں نے سن لی اس پر چوٹی نے جو کلام کیا اس کو سلیمان علیہ السلام نے سنا کہ اس نے باقی چوٹیوں سے کہا۔

”اپنے گھروں میں گھس جاؤ تاکہ سلیمان علیہ السلام ان کا لشکر بے خبری میں نہیں ہلاک نہ کر دیں۔“
یہ سن کر سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو روکنے کا حکم دیا چنانچہ ہوا نہیں گھبرا گئی اور چوٹیوں نے اپنے سرور بھوں میں گھس گئے۔ اس کے بعد سلیمان علیہ السلام اس چوٹی کے پاس آئے جس نے کلام کیا تھا اور اس سے کہنے لگے۔

”تو نے چوٹیوں کو میرے ظلم سے ڈر لیا۔“
اس نے کہا۔

”کیا آپ نے میرے یہ لفظ نہیں سنے ہیں؟ میں نے یہ کہا کہ بے خبری میں نہیں ہلاک نہ کر دیں۔ مگر میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ تم ان کی جانیں ہلاک کر دو گے بلکہ میری مراد ان کے دلوں کا ہلاک ہو جانا تھا کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ وہ تمہیں دیکھنے میں اپنی پہنچ اور خدا کے ذکر سے غافل ہو جائیں گی۔ (یہ کواڑ اس طرح وہ یعنی ان کے دل مہربان بن گئے۔)

ہر چیز حمد و تسبیح کرتی ہے۔..... (دلوں کے خدا کی یاد سے غافل ہونے پر جسم کی موت کے متعلق) ایک مرتفع حدیث میں آتا ہے کہ۔

”جانوروں اور کیرڑوں کو دلوں کی زندگی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہے۔ جب ان کی تسبیح ختم ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی روح قبض کر لیتا ہے۔“

ایک روایت ہے کہ۔

”جو جانور بھی شکار کیا جاتا ہے اور جو درخت بھی کاٹا جاتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کی وجہ سے ہی کاٹا یا شکار کیا جاتا ہے۔“

ایک حدیث میں ہے کہ۔
 ”پڑا اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ جب وہ بوسیدہ ہو جاتا ہے تو اس کی تسبیح بند ہو جاتی ہے۔“ (اس چوٹی نے سلیمان علیہ السلام سے جو کچھ کہا تھا اس کے متعلق ایک روایت میں یہ ہے کہ اس نے یہ کہا تھا۔
 ”مجھے یہ ڈر تھا کہ جب آپ ان نعمتوں کو دیکھیں گے جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے تو آپ حلقہ کہیں کفرانِ نعمت نہ کریں۔“

سلیمان علیہ السلام نے اس سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کر۔ تو اس نے کہا۔
 ”کیا آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی سلطنت آپ کی انجستری کے حقینے میں کیوں رکھی

سبیل سکینہ حیدرہ باطنیہ آباد

ہے؟“

انہوں نے کہا ”نہیں“ تو چوٹی نے کہا۔

”نہیں یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ دنیا بھر کے ایک کھوے کے برابر بھی نہیں ہے۔“

یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب مہمت ہے کہ چوٹی صرف کمانے کی خوشیوں سے غدا حاصل کرتی ہے اس لئے کہ اس کے پیٹ میں ہوتا جس میں کھانا بھی ہو۔

کہا جاتا ہے کہ اس چوٹی نے جس نے سلیمان علیہ السلام سے کلام کیا تھا ان کو ایک انگور پیش کیا تھا اور ان کی ہتھیلی پر رکھ دیا تھا۔ اس کے بارے میں ایک لطیفہ بھی مشہور ہے مگر یہاں اس کے ذکر سے طول ہوگا۔
 چوٹی کا نصیحت آمیز کلام..... کتاب فتویٰ جلال سیوطی میں ہے کہ علامہ احمادی نے اپنی کتاب ذرۃ الریاض میں لکھا ہے کہ۔

جب سلیمان علیہ السلام تخت سلطنت پر بیٹھے تو تمام جانور ان کو مبارک باد دینے کے لئے آئے مگر چوٹی آئی تو اس نے مبارک باد اور تمینیت کے بجائے تعزیت اور اٹھدا افسوس کیا۔ اس پر چوٹیوں نے اس کو برا بھلا کہا تو اس نے جواب دیا۔

”میں ان کو سلطنت کے ملنے پر کیسے مبارک باد دوں جب کہ میں جانتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ اگر اپنے کسی بندے کو پسند کرتا ہے تو اس سے دنیا کو دور کر دیتا ہے اور اس کے لئے آخرت کو پسند فرماتا ہے۔ مگر سلیمان علیہ السلام ایک ایسے معاملے میں مشغول ہو گئے ہیں جس کے انجام کا ان کو پتہ نہیں ہے۔ اس لئے یہ مبارک باد اور تمینیت کے مقابلے میں اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کو تعزیت پیش کی جائے۔“

ایک دن سلیمان علیہ السلام کے لئے جنت سے ایک شربت کیا اور ان سے کہا گیا کہ اگر آپ نے اس کو پی لیا تو آپ کو موت نہیں آئے گی۔ سلیمان علیہ السلام نے اس کو پینے کے متعلق اپنے لشکر سے مشورہ کیا مگر سوائے سبہ جانور کے (جو جو ہے کی طرح ہوتی ہے) ہر ایک نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ اس کو پی لیجئے۔ مگر سبہ نے کہا۔

”اس کو مت پیو۔ اس لئے کہ قید خانے میں زندہ رہنے کے مقابلے میں عزت کی موت بہتر ہے۔“
 یہ سن کر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے سچ کہا اور اس کے بعد انہوں نے وہ شربت سمندر میں

میرزا

(اصل روایت یہ چل رہی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ کعبہ کی تعمیر کریں اور ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ پروردگار میں تم اگر کہاں بناؤں تو اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ وہ مکہ میں بنے پیچھے جائیں جو ایک ایسی جگہ پر ہوتا تھی جس کے انسان کے جیسا چہرہ تھا اس جگہ کی رہنمائی لہذا یہی (چہرہ) رہا تھا اب اس روایت کا نتیجہ حصہ بیان کرتے ہیں)

(کل) اکبر اہم اور اسما محل علیہ السلام اس مزد یعنی ثلث اور اہم کے پیچھے پیچھے چلے گئے۔ یہاں تک کہ جب وہ بیت اللہ کے مقام تک پہنچ گئے تو وہ بھاپ ایک ہول کی صورت میں ہو گئی اور اس میں سے آواز آئی۔

”اے امیر ایم! میرے سائے کی برابر جگہ پر لیٹنا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا کمر تعمیر کرو۔“

(۱) ایک روایت میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ تعمیر کرنے کا حکم دیا گیا تو ان کے لئے سکونت بھیجی گئی جو تیز ہوا تھی اور رک رک کر چلتی تھی اور اس کے ایک سر قند (حدیث)

تعمیر ابراہیمی کا آغاز..... غرض بیت اللہ کی جگہ پہنچ کر (لور نشان لگانے کے بعد) امیر ویم اور اسماعیل علیہما السلام نے کھدائی کی جس کے نتیجہ میں وہ مضبوط اور صحیح سالم بنیاد ظاہر ہو گئی (جو فرشتوں اور آدم علیہ السلام کی بنائی ہوئی تھی) اس کے بعد امیر ویم علیہ السلام نے تعمیر شروع کی اور اسماعیل علیہ السلام ان کو چھڑاٹھا اٹھا کر دیتے تھے جو فرشتے لے لے کر آ رہے تھے جیسا کہ اس کے آگے حدیث آئے گی۔ غرض اس طرح بیت اللہ کی تعمیر پورا ہو گئی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں کہ ممکن ہے جس وقت اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیت اللہ کی تعمیر کے لئے وحی بھیجی اس وقت وہ اسلام علیہ السلام کے پاس مکہ کی عی میں ہوں لیکن بیت اللہ کے احرام سے کافی دور رہے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں ہی اس وقت کے میں نہ ہوں اور اس وحی کے بعد آئے ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حلق اللہ تعالیٰ نے قمر آن پڑک میں عرض فرمایا ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اٰمًا كَاتِبًا لِلّٰهِ اٰتٰى ۱۲۱ سورۃ فتح ۱۵

ترجمہ: بے شک ابراہیم بڑے مقتدا تھے اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے۔

چنانچہ اس آیت پاک کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ اس وقت روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں جو تکذ ابراہیم علیہ السلام تھا جسے اس لئے وہ اپنے مروجہ میں ایک پوری امت کے قائم مقام تھے اس وقت ان کے سوا روئے زمین پر اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کر رہا تھا واللہ اعلم۔

تغییر کعبہ کے دوران دعا پڑھنا ایسی (حال) بھر قیام کعبہ کی دیواریں کچھ لوچی ہو سکیں تو ابراہیم علیہ السلام کے لئے مقام ابراہیم لایا گیا۔ یعنی وہ مشہور پتھر (جو مقام ابراہیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) چنانچہ ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہوئے اور تغیر بلند کرتے جاتے۔ تغیر کے دوران ابراہیم واسحاق علیہما السلام نے دعا پڑھا کرتے تھے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ^{الْآيَةُ ١٢٤} سُورَةُ بَقَرَةٌ ١٥

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار یہ خدمت ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں۔

قدم ابراہیم کا نشان..... اب جتنی بھی تعمیر یعنی دیوار لونی ہوتی تھی وہ پتھر بھی فضائیں استغنی اللہ جاتا تھا اس پتھر میں ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان پڑ گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے پیر کا نشان اس پتھر پر پڑا تھا جس پر کھڑے ہوئے انہوں نے پیر سے ٹیک لگائی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے ان کا سر دھلیا تھا۔

اس کا واقعہ یہ تھا کہ حضرت سارہ نے (جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی تھیں) ان سے اس وقت عمر لیا تھا جب وہ کے جانے کے لئے سارہ سے اجازت لے رہے تھے کہ وہ اسماعیل اور ہاجرہ علیہ السلام کو دیکھ کر آئیں کہ وہ کس حال میں ہیں (یہ تو کیا سارہ نے ہاجرہ سے نازک دشت ہونے کے باوجود اپنے تعلق کی وجہ سے کہا مگر ابراہیم علیہ السلام کو سارہ کی وجہ سے غیرت آئی کہ وہ ہاجرہ کے پاس جا کر ٹھہریں۔ اس لئے انہوں نے سارہ سے حلف کیا کہ وہ (ہاجرہ کے پاس پہنچ کر جو کہ ان کی دوسری بیوی تھیں) اپنی سولہ بی سے بھی نہیں اتریں گے۔ یہ سولہ بی برلق تھی۔ اور سلام کرتے اور ان کا حال دریافت کرنے کے علاوہ کوئی اور بات چیت بھی نہیں کریں گے چنانچہ (وہاں پہنچ کر) جب ابراہیم علیہ السلام نے ایک پتھر پر اپنے پیر سے ٹیک لگائی تو اس پتھر پر پیر کا نشان پڑ گیا۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام سولہ بی پر تھے تو پھر انہوں نے پتھر پر کیسے ٹیک لگائی اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ سولہ ہونے کے باوجود جب وہ ایک طرف کو جھکے تو انہوں نے اپنا ایک پیر پتھر پر لگایا تھا۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پتھر پر ان کے ایک پیر کا نشان ہے دونوں کا نہیں ہے جب کہ تعمیر کے دور ان اس پر ان کے کھڑے ہونے (اور اس کے نتیجے میں نشان پڑنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں پیروں کے نشان ہوں گے۔ بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

تعمیر کعبہ کی ہیئت..... ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی اونچائی نو گز رکھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی چوڑائی تیس گز تھی۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ بات عام دستور کے خلاف ہے۔

انہوں نے اس عمارت کی چھت نہیں بنائی تھی اور نہ اس کو گارے سے بنایا تھا بلکہ پتھروں کو برابر رکھ کر تعمیر اٹھائی تھی۔ اس میں انہوں نے ایک دروازہ بنایا یعنی ایسا راستہ جو زمین سے اونچا نہیں تھا بلکہ برابر تھا۔ اس میں انہوں نے بند ہونے والا دروازہ نہیں بنایا تھا بلکہ بعد میں اس کے کوڑھی تعمیر کرنے لگے تھے اور اس بیت اللہ کے اندر دروازہ کے قریب دائیں جانب ایک کنواں بنوایا تھا۔ اس کنویں میں کعبے کے وہ دیوار تھے ڈالے جاتے تھے جو لوگ بیت اللہ کی عذر کرتے تھے۔ اسی کنویں کو خوانہ کعبہ کہا جاتا تھا جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس عمارت میں ایک ایسا پتھر لگا دیا جو لوگوں کے لئے اس کی نشانی ہے کہ یہاں سے طواف شروع ہو گا اور ہمیں ختم ہو گا۔ چنانچہ اسماعیل علیہ السلام سولہ بی میں پتھر تلاش کرنے کے لئے گئے اس وقت جبرئیل علیہ السلام حجر اسود کو لے کر آئے ان سے بول ہوئے۔ حجر اسود اس وقت موتی کی طرح دھستکا تھا اور اس کے لورے حرم کے دروازے تک ہر جانب بے جھگڑا تھے۔

تعمیر کشف میں ہے کہ یہ پتھر اس وقت سیاہ ہو گیا تھا جب اس کو جاہلیت کے زمانہ میں حیض والی عورتوں نے چھوا مگر پیچھے بیان ہوا ہے کہ یہ نوم علیہ السلام کے آنسوؤں سے سیاہ ہو گیا تھا۔

اس کے متعلق حدیث میں آتا ہے۔

”لولہ آدم کے گناہوں نے اس کو سیاہ کر دیا۔“

جہاں تک اس کے بالکل سیاہ ہو جانے کا تعلق ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ یہ دوسرے جمل چکا ہے ایک دفعہ قریش کے زمانے میں اور دوسری مرتبہ حضرت عبداللہ ابن زبیر کے دور میں (حرم میں آگ لگ گئی تھی)۔ اس سے پہلے طوفان نوح کے وقت یہ پتھر ایک دفعہ واپس آسمان میں بھی اٹھایا جا چکا ہے کیونکہ گزشتہ روایات کے مطابق یہ اس یا قوتی خیمہ میں بھی موجود تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے (کعبہ میں علامت کے طور پر ایک پتھر لگانے کا لڑوہ کیا تو) انہوں نے اسماعیل علیہ السلام سے کہا۔

”بیٹے! مجھے ایک اچھا سا پتھر لاکر دو جسے میں اس جگہ لگا دوں۔“

حجر اسود کی آمد..... اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ تباہان میں مت تھک گیا ہوں۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اس کا لانا ضروری ہے۔ چنانچہ اسماعیل علیہ السلام ان کے لئے پتھر لانے کے واسطے روانہ ہوئے، اسی وقت جبرئیل علیہ السلام ہندوستان سے وہ پتھر لے کر پہنچے جو آدم علیہ السلام جنت سے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اس پتھر کو اس جگہ نصب کر دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو خود حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دیولہ میں نصب کیا تھا اور پھر اس کے اوپر ابراہیم علیہ السلام نے مزید دیولہ اور اٹھائی۔

(غرض جب یہ پتھر نصب کیا جا چکا تو) اس کے بعد اسماعیل علیہ السلام دیولہ میں سے ایک پتھر لے ہوئے پہنچے مگر انہوں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام حجر اسود کو نصب کر چکے ہیں (ی) کیا اس کے اوپر مزید دیولہ اٹھا چکے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا۔

”یہ پتھر کہاں سے آیا اور اسے کون لے کر آیا ہے؟“

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

”وہ جو مجھے تمہارا یا تمہارے پتھر کا متوج نہیں بناتا۔“

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ۔

”میرے پاس یہ پتھر وہ لے کر آیا جو تم سے زیادہ چاق و چوبند ہے۔“

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اسماعیل علیہ السلام ایک پہاڑ سے ایک پتھر لے کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے مگر ابراہیم علیہ السلام نے (اس کو پسند نہ کرتے ہوئے) کہا کہ دوسرا لاف اسی طرح وہ بد ہار ہوتا ہے اور ان کے لئے ہوئے کسی پتھر کو انہوں نے پسند نہیں کیا۔

حجر اسود کا امین..... ایک حدیث میں آتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب طوفان آیا تو اللہ تعالیٰ نے حجر اسود کو ابوبیس پہاڑ کو بطور امانت دیدیا اور اس پہاڑ کو حکم دیا کہ۔

”جب تو میرے ظلیل یعنی دوست کو میرا گھر بناتے ہوئے دیکھے تو اس پتھر کو ان کے لئے اپنے میں سے نکال دیتا۔“

چنانچہ (صدیوں کے بعد) جب ابراہیم علیہ السلام نے (کعبے کی تعمیر فرمائی اور کہہ اس جگہ تک پہنچے

جہاں حجر اسود کو نصب کیا جاتا تھا تو ابو قیس پہاڑ نے ابراہیم علیہ السلام کو کواذی اور کہل
”اے ابراہیم اگر کن یعنی حجر اسود یہاں ہے۔“

ابراہیم علیہ السلام اسی وقت وہاں گئے اور انہوں نے کھدائی کر کے رکن یعنی وہ پتھر نکال لیا اور اس کو

بیت اللہ میں نصب کر دیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ ابو قیس پہاڑ اس وقت ایک دم لرز کر پڑا اور اس میں سے حجر اسود باہر نکل آیا۔
اقول۔ مؤلف کہتے ہیں:۔ اس حدیث میں ایک روایت یہ ہے کہ (ابو قیس پہاڑ سے یہ کواڑ آئی تھی) اے
ابراہیم! ہے رخن کے دوست! آپ کے لئے میرے پاس ایک لذت ہے اس کو لے لیجئے،

جیل ابو قیس کے نام کا سبب..... اسی وقت ابراہیم علیہ السلام نے وہاں جنت کے جواہرات میں سے ایک
سفید پتھر نکالا۔ اس پتھر پر جاہلیت کے زمانے میں ابو قیس پہاڑ کو ”ماہین“ یعنی لذت دہر کہا جاتا تھا۔ کیونکہ اس
نے اس لذت کی حفاظت کی تھی جو اس کے پردہ کی گئی تھی۔

اس پہاڑ کو ابو قیس اس لئے کہا جاتا ہے کہ قبیلہ جرہم کا ایک شخص جس کا نام قیس تھا اسی پہاڑ میں
ہلاک ہو گیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بنی مذحج کے ایک ایسے شخص کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑا جس کا محل اس پہاڑ پر
تھرا تھا اور اس کا نام ابو قیس تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ چونکہ اسی پہاڑ میں سے حجر اسود نکالا گیا (جس کو عربی میں
اقباس کہتے ہیں) اس لئے اس کا نام ابو قیس پڑا (کیونکہ اقباس اور قیس دونوں لفظوں کا مادہ ایک ہی ہے جو قیس
ہے)

لب اگر ان سب روایتوں کو درست مانا جائے تو ان میں مطابقت پیدا کرنی ضروری ہوگی۔ اسی طرح
ایک روایت اور بھی ہے (جو خود حجر اسود کو نصب کرنے کے متعلق ہے۔ نیز جس میں یہ ہے کہ طوقان لوح کے
وقت بیت اللہ کو اٹھایا نہیں گیا تھا بلکہ وہ بھی طوقان میں غرق ہو گیا تھا) یہ روایت الیاس کے حالات میں بیان
ہوئی ہے جو آنحضرت ﷺ کے آباء و اجدادوں میں سے ایک ہیں (اور جن کے متعلق کچھ تفصیلی سیرت حلبیہ اردو
مکشیہ میں نسب نامے کے تحت بیان ہوئی ہے۔ غرض ان الیاس کے حالات میں ہے کہ جب نوح علیہ السلام
کے زمانے میں طوقان آیا اور بیت اللہ مہدم ہو کر غرق ہو گیا تو یہ الیاس پہلے آدمی ہیں جنہوں نے رکن یعنی حجر
اسود کو دوبارہ نصب کیا۔ یعنی یہ پہلے آدمی ہیں جنہیں اس کا پتہ چلا اور پھر انہوں نے اس کو بیت اللہ کی جگہ کے
زویہ میں نصب کیا۔ واللہ اعلم۔

(ی) حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ مقام ابراہیم کے پاس یہ کلمہ بار بار کہہ رہے تھے
”شَهِدَ بِاللّٰهِ اِی وَقْتُ (وہ کہتے ہیں) میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا۔

حجر اسود اور مقام ابراہیم کی عظمت و کرامت..... ”حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یا قوقل میں سے
دو جواہرات ہیں جن کے نور کو اللہ تعالیٰ نے ماند کر دیا ہے اگر ان کا نور ماند نہ ہو جاتا تو مشرق سے مغرب تک ان
کی روشنی سے جگمگا اٹھتا۔“

بیچے کی سطروں میں ان پتھروں کے نور کے ماند ہونے کی جو وجہ بیان کی گئی ہے ہو سکتا ہے کہ اصل
سبب وہی ہو۔ اس لئے دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔
حدیث میں آتا ہے کہ یہ دونوں یعنی حجر اسود اور مقام ابراہیم قیامت کے دن (اللہ تعالیٰ کے

سامنے) کھڑے ہوں گے اور یہ دونوں عظیم اور بڑی باتیں ہیں اور تیسری پہلا کے برابر ہوں گے اس وقت یہ دونوں ان لوگوں کی کوئی ویس کے جنہوں نے ان دونوں کا حق ادا کیا ہو گا (یعنی ان کی لیاقت کی ہو گی اور حجر اسود کو بوسہ دیا ہو گا)۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اگر ان دونوں کو مشرکین نے نہ چھوا ہو تا تو جو پہلا بھی لٹا کو چھو جائے گا اللہ تعالیٰ عظام عظام فرمائے گا۔

حجر اسود عبد اللہ نامہ الست کا امین ہے..... حضرت جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور اولاد آدم سے فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں (یعنی عبد الست لیا) اور انہوں نے کہا کہ ہے شک ہے تو قسم نے ان کا یہ اقرار لکھ لیا اس کے بعد یہ اقرار عبد حجر اسود میں رکھ دیا گیا اس لئے کہ جب حجر اسود کو جو بوسہ دیا جاتا ہے وہ دراصل اللہ کے اس اقرار کا عہد اور تجدید ہوتی ہے جس کا انہوں نے بیان کیا تھا۔ چنانچہ ان ہی جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ میرے والد علیؑ جب حجر اسود کو چومتے تو یہ کہا کرتے تھے۔

”اے اللہ! میں نے اپنی امانت اور ذی اہمیت عہد پورا کر دیا تاکہ یہ حجر اسود تیرے ساتھ میرے لئے کوئی دے۔“ علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کی بیٹہ پر ہاتھ رکھا کہ اولاد آدم سے یہ عہد لیا کہ وہ اس کی ولایت کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے تو یہ عہد ایک دستخط میں لکھ لیا گیا تھا اور اس کو حجر اسود میں رکھ دیا گیا تھا۔ اس بناء پر حجر اسود کو چومنے والا بوسہ دینے کے وقت یہ کہتا ہے۔

”اے اللہ! امین اس کو بوسہ دیتا ہوں (تیری ولایت پر ایمان کے ساتھ اور تیرے سامنے کئے ہوئے اقرار کے ساتھ)۔“ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حجر اسود میں پر اللہ تعالیٰ کا لیا ہوا عہد ہے۔ امام ابن فہرک کہتے ہیں کہ حجر اسود کے سلسلے میں یہ مسئلہ ہی میرے لئے اس بات کا سبب بنا کہ مجھے علم کلام سے دلچسپی ہو گئی (یعنی جس علم کے ذریعہ مسائل کی حقیقت پر عقلی انداز میں بحث اور غور کیا جاتا ہے۔ امام ابن فہرک کو اس عبد الست اور حجر اسود کے حقائق ان مسائل میں شبہ پیدا ہوا اس لئے وہ کہتے ہیں کہ) میں نے اس بارے میں اس فقیر یعنی علم فقہ کے عالم سے بحث کی جس سے میں اس مسئلہ کے حقائق اختلاف رکھتا تھا مگر وہ فقیر مجھے اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے اس کے بعد مجھ سے کسی نے کہا کہ فلاں حکم یعنی علم کلام کے ماہر سے دریافت کرو چنانچہ میں نے اس عالم سے پوچھا تو اس نے مجھے اطمینان بخش جواب دیا اب میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے بھی یہ علم کلام حاصل کر لیا جائے چنانچہ اس کے بعد میں اس علم کے حامل کرنے میں مشغول ہو گیا۔ فاروق اعظمؓ اور حضرت علیؑ حجر اسود کے پاس..... پیچھے علامہ سبکی کا قول گزرا ہے (کہ حجر اسود کو بوسہ دینا دراصل اس عبد الست اور اقرار نامہ کی وجہ سے ہے جو نازل میں اولاد آدم سے لیا گیا تھا) یہ قول حضرت علیؑ سے روایت ہے چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے حقائق روایت ہے کہ ایک وفد جب وہ حرم میں داخل ہوئے تو حجر اسود کے پاس کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے۔

”فد اکی قسم میں جانتا ہوں کہ تو محض ایک حجر ہے نہ نفی ہو سکتا ہے ورنہ تصدیق لیکن اگر میں رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو ہرگز تجھ نہ چومتا۔“ اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا۔

”میں اے امیر المؤمنین ایہ نقصان بھی پہنچا سکتا ہے اور نفع بھی۔“

حضرت عمرؓ نے پوچھا وہ کیسے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں۔ میں نے کہا یہ بات قرآن کریم سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ قرآن کریم میں کہاں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَإِذَا خَلَقْتُكَ مِنْ نَبِيِّ أَدَمَ مِنْ طُحُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتَ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ
(پ ۹ سورہ اعراف ص ۲۳) اللہ تعالیٰ

ترجمہ:- اور جب آپ کے رب نے لولاد آدم کی پشت سے ان کی لولاد کو نکالا اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے یہ اقرار ایک کانفرنس پر تحریر فرمایا۔ اس وقت اس جبراسود کے دو آنکھیں تھیں اور زبان بھی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ اپنا منہ کھول (جب اس نے اپنا منہ کھول دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس اقرار نامہ کو اس کے اندر ڈال دیا اور پھر اس تحریر کو اس جگہ رکھ دیا کہ بعد جبراسود سے فرمایا

”تو قیامت کے دن ان لوگوں کی گواہی دینا جو تیرا حق لوگوں میں۔“

حضرت عمرؓ نے یہ سنا (تو وہ حیران ہوئے اور انہوں نے حضرت علیؓ کے علم کا اقرار کرتے ہوئے) فرمایا ”میں ان لوگوں میں رہنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا ہوں جن میں تم جیسا عالم نہ ہو اے ابوالحسن“

قبوہ سے روایت ہے کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے نصرت اللہ کو پانچ پہاڑوں سے بتایا ہے۔ پہلا پہاڑ ہے، طور پہاڑ ہے، زیت پہاڑ ہے، لبنان پہاڑ ہے، جوہی پہاڑ ہے اور حراء ہے۔

نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بیت اللہ کی بنیادیں حراء پہاڑ سے بنائی گئی ہیں ان پتھر مان کو آدم علیہ السلام نے فرشتوں کے ساتھ بنایا تھا۔

اقوال مؤلف کہتے ہیں کہ اس سے پہلے یہ روایت گزر چکی ہے کہ یہ پہاڑیں لبنان پہاڑ، طور پہاڑ، زیت پہاڑ، جوہی پہاڑ اور حراء پہاڑ کے پتھروں سے بنائی گئی تھیں۔ (جبکہ سب اس دوسری روایت میں صرف حراء پہاڑ کے متعلق کہا گیا ہے) اس لئے ایک متعلق ایہ کہا جاسکتا ہے کہ (قبلا وہ سب پہاڑوں کے پتھروں سے بنائی گئی ہو گئیں اس کا بڑا حصہ حراء پہاڑ کے پتھروں سے بنایا گیا ہو) اس لئے ایک روایت میں صرف حراء پہاڑ کا ذکر کر دیا گیا کیونکہ اکثر حصہ جس چیز کا ہو اس کو کل بھی کہہ دیا جاتا ہے) ہر حال یہ قابل غور ہے۔

بعض محققین نے لکھا ہے کہ بیت اللہ کے دو ہی رکن تھے اور دونوں رکن یمنی تھے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اس کے صرف دو ہی رکن کورہ کن طے کیے تھے۔ ہمیں کے بعد جب قریش نے کعبہ کی تعمیر کی تو انہوں نے بیت اللہ کے چار رکن یعنی کوہ نے بنائے۔

ذوالقرنین اور ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات..... علامہ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ذوالقرنین اول جس کا قرآن پاک میں موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں ذکر ہے یعنی اسکندر رومی جب کہ آیا تو اس نے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو کعبہ کی تعمیر کرتے ہوئے دیکھا اس نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا۔

”ہم دونوں خدا کے بندے ہیں اور اس کی طرف سے اس کام کے لئے مامور اور متعین کئے گئے ہیں۔“

ذوالقرنین نے کہا۔

”تمہاری اس بات کی کوئی اور تصدیق کون کرے گا؟“

یہ سن کر پانچ بھیڑیں انھیں اور انہوں نے اس بات کی کوئی دوسری دہائی دے دی۔ انہوں نے کہا۔
”ہم اس بات کی کوئی دیتے ہیں کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس تعمیر کے لئے مامور اور متعین کئے گئے ہیں۔“

یہ سنتے ہی ذوالقرنین نے کہا کہ میں اس بات کا اطمینان کرتا ہوں اور اس کو تسلیم کرتا ہوں اور ان بھیڑوں سے کہہ کر تم نے سچ کہا۔

ذوالقرنین کا احترام نبوت۔۔۔ حضرت امین عباس سے روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے من میں تھے تو ذوالقرنین کے من میں آیا جب وہ اللہ کے حکام پر پورا تو اس سے کہا گیا۔

”اس شہر میں ابراہیم علیہ السلام موجود ہیں جو رحمن کے دوست ہیں۔“

یہ سن کر ذوالقرنین نے کہا۔

”میرے لئے مناسب نہیں ہے کہ میں اس شہر میں سواری پر سوار ہوں جس میں ابراہیم علیہ السلام موجود ہیں۔“

چنانچہ ذوالقرنین اسی وقت اپنی سواری سے اتر گیا اور پیدل چل کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس کو دیکھ کر سلام کیا اور اس سے محافطہ کیا یعنی گلے ملے۔ چنانچہ یہ پہلے کوئی بھی جنوں نے سلام کے بعد محافطہ کیا۔

علامہ قاضی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ وہ بھیڑیں جن کا پہلے ذکر ہوا یعنی جنوں نے ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی وہ پتھر تھے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ یکہاں یا بھیڑیں ہی ہوں۔

(آگے علامہ قاضی کہتے ہیں کہ اس ذوالقرنین کو انبیا (یا اول) اس لئے کہا گیا کہ اس کو ذوالقرنین اصغر نہ سمجھ لیا جائے کیونکہ ذوالقرنین اصغر اسکندریہ نامی تھا اور یہ صلی علیہ السلام کے زمانے کے قریب ہوا ہے۔ جبکہ صلی علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دویز سال سے بھی زیادہ فاصلہ تھا۔ یہ ذوالقرنین اصغر کافر تھا واللہ اعلم

اسکندر ذوالقرنین روئی کا واقعہ

تشریح..... (مقام کی مناسبت سے ترجمہ ذوالقرنین لول یعنی اسکندر روئی کا واقعہ تفسیر ابن کثیر سے نقل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے خلیق قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے۔

وَسْئَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَأَصْلَحُ عَنْكُمْ مِنْهُ ذِكْرُهُ إِنَّا كُنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَابِقِينَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ فَفَعَلَ مَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِذْ قَالَ لِلَّهِمْ رَبِّ اجْعَلْ بَيْنِي وَبَيْنَ ذَلِكَ نَجْرًا ثُمَّ وَجَدَهُ عِنْدَ قَوْمٍ مُّطْلِقًا يَأْتِيهِ الْقُرُونُ مِنْ تَحْتِ الْأُفُقِ لِيُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ حِسَابُ الْيَوْمِ (پ ۱۶ سورہ کہف ع ۱۰)

ترجمہ بلورہ لوگ آپ سے اے محمد ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں ان کا ذکر ابھی تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ ہم نے ان کو روئے زمین پر حکومت دی تھی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان (کافی) لایا تھا چنانچہ وہ (بارہ فوجات) مغرب کی ایک راہ پر ہوئے یہاں تک کہ جب غروب آفتاب کے موقع پر پہنچے تو آفتاب ان کو ایک سیاہ رنگ کے پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا۔ اور اس موقع پر انہوں نے ایک قوم دیکھی۔ ہم نے (الہاماً) یہ کہا کہ اے ذوالقرنین خواہ سزاوردہ اور خواہ ان کے بارے میں نرمی کا معاملہ اختیار کرو۔ ذوالقرنین نے کہا (کہ) بہت اچھا پہلے دعوت ایمانی ہی ہوں گا۔

اس آیت پاک کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں :-

ہم بیان کر چکے ہیں کہ کفار مکہ نے بعض لوگوں کو لال کتاب یعنی یہودیوں کے پاس بھیج کر ان سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ ایسے کچھ سوالات بتاؤ جن کے ذریعہ ہم ان (محمد ﷺ) کا امتحان لے سکیں۔ اس پر ان یہودیوں نے دکھایا کہ ایک تو ان سے اس شخص کے بارے میں سوال کرو جو روئے زمین پر گھومتا تھا (یعنی ذوالقرنین جن کا ذکر ان کی کتاب توہرات میں ہوا ہے) دوسرے ان نوجوانوں کی جماعت کے بارے میں دریافت کرو جو لاپید ہو گئے (یعنی اصحاب کف جنہوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور پھر اپنے بادشاہ کے خوف سے) ایک عہد میں جا کر چھپ گئے تھے یہاں تک کہ تین سو سال سے زائد عرصہ تک سوتے رہے اور پھر اٹھے تو حے لوگ، نیا زمانہ اور مکمل انقلاب دیکھ کر وحشت زدہ ہوئے اور دوبارہ اسی عہد میں آگئے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی (اور تیسرے روح کے متعلق سوال کرو) کہ یہ کیا چیز ہے چنانچہ کلام کہنے آنحضرت ﷺ سے یہ روئے ہوئے سوال بدھ لویئے۔ جس پر سورہ کف ہنول ہوئی (اور اس کے ذریعہ ان کی باتوں کا جواب دیا گیا)

ابن جریر اور اموی نے یہاں کنز در سند سے عقیدہ ابن حارث سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ :-
”یہ ذوالقرنین ایک یہودی نوجوان تھے اور انہوں نے ہی اسکندریہ شہر بیلان کو ایک فرشتہ آسمان تک اٹھا کر لے گیا تھا یہاں تک کہ دیوار تک پہنچ گیا وہاں انہوں نے ایک ایسی قوم دیکھی جن کے چہرے کتوں کے جیسے تھے۔“

اس روایت کے متعلق ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس میں غلطی ہے (یعنی اس کی سند قابل اطمینان نہیں ہے) نیز ذوالقرنین کا لوہا اٹھایا جانا بھی صحیح نہیں ہے یہ روایت کنز در ہے اس میں غلطی یہ ہے کہ اس کو اسکندر رومی کہا گیا ہے کہ اسکندر عالی رومی تھا اور اس کا نام ابن فلیس مقدونی تھا جس سے رومی اپنی تدریج یعنی سنہ لکھتے ہیں جہاں تک ذوالقرنین مول کا تعلق ہے اس کے متعلق علامہ ازرقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا تھا جب کہ ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تھے یہ ذوالقرنین ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے ان کی پیروی کی تھی۔ ان ہی اسکندر ذوالقرنین کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

جہاں تک ذوالقرنین ثانی کا تعلق ہے تو اس کا نام اسکندر ابن فلیس مقدونی تھا اور وہ یونانی تھا اس کا وزیر مشہور فلسفی ارسطاطالیس تھا و اللہ اعلم۔

ذوالقرنین مومن تھے..... آگے لکھتے ہیں کہ جہاں تک ذوالقرنین اول کا تعلق ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھا اور جیسا کہ ازرقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب

ایمان ہم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا تو اس نے ان کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا اور اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں نیاز پیش کی۔

ذوالقرنین طغیہ کی وجہ..... وہب ابن ہنبلہ کہتے ہیں۔ یہ ذوالقرنین ایک بادشاہ تھے ان کو ذوالقرنین (دو سیگوں والا) اس لئے کہا گیا کہ ان کے سر کے دونوں طرف (جنگلوں کی وجہ سے بیخشا) پانچاڑ حار ہوتا تھا۔ بعض اہل کتاب نے (ان کو ذوالقرنین کہنے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ یہ روم اور فارس دونوں عظیم خطوں کے بادشاہ تھے۔ بعض حضرات نے یہ وجہ بتلائی ہے کہ حقیقت میں ان کے سر کے دونوں طرف سیگ سے احرے ہوئے تھے۔ اس بارے میں سفیان ثوری ابو طفیل کی روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے ذوالقرنین کے حلقہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا۔

”یہ اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے تھے انہوں نے اپنی قوم کو نصیحت کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہلاکت (اس پر قوم کے لوگ ان کے دشمن ہو گئے اور انہوں نے ان کے سر پر ایک جانب انکار کیا یہ شہید ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر زندہ کر دیا اور انہوں نے اپنی قوم کو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف ہلاکت۔ قوم کے لوگوں نے لب ان کے سر پر (دوسری جانب) انکار کیا یہ شہید ہو گئے۔ اسی وجہ سے ان کو ذوالقرنین کہا گیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کو ذوالقرنین اس لئے کہا گیا کہ یہ مشرق سے مغرب تک گئے۔ یہ سورج کا کنارہ طلوع ہوتا ہے اور جدھر غروب ہوتے ہوئے ایک کنارہ نظر آتا ہے۔

ذوالقرنین ایک عظیم بادشاہ اور خاں..... آگے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کو یعنی ذوالقرنین کو روئے زمین پر حکومت دی تھی۔ یعنی ایک ایسی عظیم الشان سلطنت دی تھی جس میں طاقت، قوت، اقتدار اور لاؤنکر غرض وہ سب کچھ تھا جو ایک بادشاہ کے پاس ہو سکتا ہے اسی وجہ سے وہ زمین کے مشرق سے مغرب تک کے بادشاہ بن گئے تھے۔ ان کے لئے خبروں کی تسخیر کر دی تھی اور بڑے بڑے بادشاہوں کو ان کے سامنے جھکا دیا تھا۔ یہاں تک کہ عرب اور عجم کی قومیں ان کی خدمت کے لئے حاضر تھیں۔ چنانچہ بعض مورخین کہتے ہیں کہ ان کی سلطنت اور فتوحات کی اسی عظمت کی وجہ سے ان کو ذوالقرنین (یعنی دو سیگوں یا دو کناروں والا) کہا گیا کہ ان کی بادشاہی سورج کے دونوں کناروں یعنی مشرق اور مغرب تک پھیل گئی تھی۔

ذوالقرنین پر انعامات خداوندی..... پھر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان کافی دیا تھا۔ سب کا ایک ترجمہ دلو بھی کیا گیا ہے یعنی ان کو ہر قسم کا علم و سہرہ کا تھا۔ زمین کے قریب اور دور کے تمام ممالک اور مملکت ان کے لئے کھول دیئے تھے۔ عبدالرحمن ابن ابی اسلم نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ ان کو تمام زبانوں کا علم دیا تھا اور وہ ہر زبان جانتے تھے جس قوم سے بھی ان کی جنگ ہوتی وہ ان سے اسی کی زبان میں گفتگو کر لیتے تھے۔

ایک مرتبہ معاویہ ابن ابی سفیان نے کعب احبار سے کہا۔

”آپ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین نے اپنے گھوڑے تیار ستارے پر باندھے تھے؟“ (یعنی ان کی دنیوی عظمت و سلطنت انتہائی بلندی اور عروج پر پہنچ گئی تھی)۔

حضرت کعب نے کہا۔

اگر میں نے یہ کہا ہے تو یہ حق تعالیٰ کا ہی ارشاد ہے کہ وَهَبْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَبَاً (یعنی ہم نے ان کے

لئے ہر شخص کا راجہ کھول دی تھیں۔“

مگر اس بارے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہیں اسی لئے حضرت مصعبہ کعبہ کے متعلق لکھا کرتے تھے کہ ان کا جھوٹ تو بار بار ہمارے سامنے آچکا ہے اس لئے نہیں کہ وہ خود جھوٹی روایتیں گھڑا کرتے تھے بلکہ اس لئے کہ ان کو غلط یا صحیح جوابات بھی کہیں سے ملتی تھی اس کو نقل کر دیا کرتے تھے۔

جہاں تک اسرائیلی روایات کا تعلق ہے تو وہ جھوٹ اور غلط بیانیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ پھر یہ کہ ہمیں بنی اسرائیل کی روایات پر محروم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ ہمارے پاس تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی سچی خبریں موجود ہیں۔ دراصل ایسی ہی روایات کی وجہ سے مسلمانوں میں حسد کی برائیاں پھیل گئیں۔

آگے لیکن کثیر میں ہے۔

کسی شخص نے ایک دفعہ حضرت علیؑ سے دو اقرنین کے متعلق پوچھا

”وہ مشرق سے مغرب تک کیسے پہنچ گئے تھے؟“

حضرت علیؑ نے فرمایا۔

”سبحان اللہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بادلوں کو مسخر فرمایا تھا، سارے اسباب ان کے لئے آسان فرمادیے تھے اور ان کو قوت و طاقت دیدی تھی۔“

غرض اس کے بعد دو اقرنین ایک راستے پر رون ہو گئے یہاں تک کہ مغرب کی جانب میں وہ اس جگہ تک پہنچ گئے جہاں تک جانا ممکن تھا یعنی جس طرف سورج غروب ہوتا تھا۔

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس جگہ جہاں سورج غروب ہوتا ہے کیونکہ سورج تو در حقیقت غروب ہی نہیں ہوتا بلکہ زمین کی ایک خاص گردش کی وجہ سے ہماری نظروں سے غائب ہو جاتا ہے اور کرہ زمین کے دوسری جانب میں جھلکا نڈ ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں مراد یہ ہے کہ دو اقرنین اس سمت میں آخری حد تک گئے جس سمت میں سورج غروب ہوتا ہے یعنی مغرب کی سمت میں آخری حد سے بظاہر مراد یہ ہو سکتی ہے کہ اس سمت میں خشکی پر جا کر وہاں تک پہنچ گئے جہاں سے آگے پہاڑیں سمندر تھا۔

یہاں قرآن پاک نے دو اقرنین کے متعلق یہ بات بتلائی ہے کہ وہ مشرق و مغرب یعنی زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک گئے۔ اس کے متعلق حضرت علیؑ کی جو روایت گزری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بادلوں کو تسخیر فرمایا تھا یہ بھی قابل اعتراض ہے اور بظاہر اسی روایت پر بھی استناد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جہاں تک زمین کے مشرق و مغرب میں جانے کا تعلق ہے تو وہ بادلوں کی مدد کے بغیر بھی ممکن ہے اور انسان آج بھی اور آج سے پہلے بھی روئے زمین کی سیاحت و سیر کے لئے بھی خشکی اور قری اور بحر کو استعمال کرتا رہا ہے۔ لہذا یہ بات قابل اعتراض ہے کہ اس سیاحت و سیر کے لئے بادلوں کی تسخیر کا سہارا لیا جائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو روئے زمین کی تسخیر کی طاقت خود ہی عطا فرمائی ہے۔ مرتبہ حوالہ تصانیف دو اقرنین رومی تفسیر ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۳۲۸ تا ۳۲۲ مرتبہ مترجم۔

حج کی بلین دعوت اور اعلان.....: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب امینا حکیم علیہ السلام کعبہ کی

تفسیر سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔

”اے پروردگار! ہمیں تیرے گھر کی تفسیر سے (فارغ) ہو گیا۔“

حق تعالیٰ کا ارشاد ہوں

”مب لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔“

ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا۔

”اے پروردگار! میری آؤلو لوگوں تک کیسے اور کون پہنچائے گا؟“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

”تم اعلان کر دو اور (تمہاری آؤلو کالوگوں تک) پہنچانا میرا کام ہے۔“

ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ اے پروردگار میں کیا کہوں۔ اس پر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوں

”تم یہ کہو۔ اے لوگو! تم پر بیت الحقیق یعنی اللہ تعالیٰ کے اس قدیم گھر کی طرف حج فرض کیا گیا ہے

اس لئے تم اپنے پروردگار کے حکم پر آؤ۔“

اب ابراہیم علیہ السلام مقام ابراہیم یعنی اسی پتھر پر کھڑے ہو گئے (جو کعبہ کی تعمیر کے لئے ان کے

واسطے جنت سے بھیجا گیا تھا) پھر یہ پتھر لو پر اٹھنا شروع ہوا یہاں تک کہ اونچے سے اونچے پہاڑ سے زیادہ بلند

ہو گیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈالیں اور چہرے کو دائیں بائیں گھماتے ہوئے تین

بار یہ اعلان کیا۔

مخلوق کی طرف سے دعوت کا جواب..... (ی) چنانچہ اس دن ابراہیم علیہ السلام کے لئے زمین کے

میدان اور پہاڑ دریا اور خشکی کو سمیٹ دیا گیا یہاں تک کہ انسانوں اور جنات سب نے اکبر آؤلو کو سنا اور انہوں نے

جواب میں کہا۔

لَيْتَكَ اللَّهُمَّ لَيْتَكَ یعنی حاضر ہیں۔ اے اللہ ہم حاضر ہیں۔

(چنانچہ آج تک حج کرنے والے بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یہی کلمے دہراتے ہیں جو یہ ہیں۔

لَيْتَكَ اللَّهُمَّ لَيْتَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَيْتَكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ

ترجمہ:- میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں حاضر ہوں۔ بے شک تمام

تشریفوں اور نعمتیں تیری ہی ہیں اور حکومت بھی)

اہل یمن کی تفصیلات..... ابراہیم علیہ السلام نے یمن کی سمت دہلی جانب سے شروع کیا تھا اس کا مطلب یہ

ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے سب سے پہلے اس آؤلو پر لینک کما وہ یمن والے تھے اس کے بارے میں تفصیل

آگے بعض دوسری روایتوں میں بھی آ رہی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یمن کے لوگ بات کو قبول کرنے میں سب سے پیش پیش

ہوتے ہیں چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایمان بھائی ہے۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے یمنوں کے بارے میں فرمایا۔

”تو میں چاہتی ہیں کہ ان کو نچلا کھائیں مگر اللہ تعالیٰ کو لو نچا کر بھی پسند فرماتا ہے۔

طبرانی نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

”جس نے یمن والوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ

سے دشمنی رکھی۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو اقوال نقل کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔
”جس نے یہ سمجھ لیا کہ اس کے قول کی قیمت عمل سے ہے تو اس کی گفتگو کم ہو جاتی ہے سوائے اس کے کہ عمل ہی کے لئے ہو۔“

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿فَإِذَا بَيَّأْتُمْ مَقَامًا لِّابْرَاهِيمَ﴾ (پ ۳ سورہ آل عمران ع ۱۰)

ترجمہ:- اس میں کھلی نشانیاں ہیں جملہ ان کے ایک مقام ابراہیم ہے۔

کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ مقام ابراہیم وہی ابراہیم علیہ السلام کا اعلان اور نداء ہے جو انہوں نے اس پر کھڑے ہو کر کیا تھا۔

بیت اللہ کو بیت العقیق کہنے کا سبب..... کہا جاتا ہے کہ بیت اللہ کو بیت العقیق (یعنی آڈلو گھریا قدیم گھر) اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ بڑے بڑے سرکشوں سے محفوظ اور آڈلو رکھنا کہتے بڑے بڑے سرکش ایسے گزرے اس لحاظ سے کہ مکے میں عماقہ اور بنی جرہم کے ساتھ جو بڑے بڑے سرکش تھے ان میں سے کوئی اس کی طرف اپنی نسبت کر سکے۔

اس بارے میں قاضی بیضاوی نے تفسیر کشاف کا قول قبول کرتے ہوئے کہا ہے کہ (بیت اللہ کو بیت العقیق اس لئے کہا گیا کہ یہ بڑے بڑے سرکشوں سے محفوظ اور آڈلو رکھنا کہتے بڑے بڑے سرکش ایسے گزرے ہیں جو بیت اللہ کی طرف اس نیت سے چلے کہ اس کو منہدم کر دیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی۔

پھر کہتے ہیں کہ جہاں تک جہاں ابن یوسف کا تعلق ہے (جس نے بیت اللہ پر حملہ کیا تھا اور کعبہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا) تو اس کا معاملہ مختلف تھا کیونکہ اس کا مقصد بیت اللہ پر قبضہ اور تسلط حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ حضرت عبد اللہ ابن زبیر کو وہاں سے نکالنا تھا جنہوں نے مکے میں خلیفہ کے خلاف عداوت پالیا تھا اور بیت اللہ کی پناہ حاصل کر لی تھی۔ (اس واقعہ کی کچھ تفصیل سیرت طیبہ اردو کے مبحثہ ابواب میں گزر چکی ہے) بعض علماء نے عبد اللہ ابن عمرؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے (مکے کو مکہ کہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا)

”اس شہر کو بکہ (ب سے) کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں توڑی ہیں۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بیت اللہ کی طرف بڑے بڑے سرکشوں نے اس کو ڈھانے کے لئے رخ کیا تھا تو اس میں ابراہہ کے سوا باقی سرکشوں کا معاملہ قائل غور ہے۔

تو بہن حرم کے ارلوے پر سزا..... مگر پھر میں نے کتاب شرف میں دیکھا کہ ابراہہ کے سوا تین دوسرے سرکشوں نے بھی بیت اللہ کو مسمار کرنے کے لئے اس کی طرف رخ کیا تھا ان میں سے دو کے ساتھ تو بنی خزاعہ نے جنگ کی (جو اپنے زمانے میں مکے پر قابض تھے) اور انہوں نے بیت اللہ کی حفاظت کی۔ تیسرا شخص قریشی اقتدار کے ابتدائی زمانہ میں تھا اس کو اس بات کی جلن اور حسد تھا کہ بیت اللہ کی وجہ سے قریش کا مرجعہ اور نام بہت اونچا سمجھا جاتا ہے لہذا اس نے بیت اللہ کو مسمار کر کے خود اپنے یہاں ایک کعبہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تاکہ عرب و اعراب کو جو حج کے لئے مکہ جلیا کرتے تھے خود اپنے یہاں بلائے۔

چنانچہ (دورِ وادہ ہوالور) جب مکہ کے قریب پہنچا تو اچانک ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل گیا اور اس سرکش شخص کو اپنی ہلاکت اور بربادی کا یقین ہو گیا۔ اس نے فوراً اپنا یہ ارادہ ختم کیا اور اس کے بجائے بیت اللہ

پر چادر چڑھانے اور اس کے سامنے قربانی دینے کا ارادہ کیا۔ اسی وقت اندھیرا چھٹ گیا اور اس شخص نے اپنی منت پوری کی۔

اس روایت میں یہ شبہ ہے کہ وہ شخص جو اس اندھیرے میں گرفتار ہوا تھا یمن کا بادشاہ تھو لول تھا اس نے جب بیت اللہ کو سہار کرنے کا ارادہ کیا اور اس کی طرف روانہ ہوا تو اس پر ایک زبردست آندھی بھیجی گئی جس نے اس کے ہاتھ پیر توڑ ڈالے اور وہ لور اس کا لڑ لٹکر سخت ابر حیدرے میں گر گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے سر میں ایک سخت پتھری لگ گئی جس سے اس میں زلزلہ اور پیپ پڑ کر بنے لگی۔ یہاں تک کہ نفرت کی وجہ سے کوئی شخص اس کے قریب بھی نہیں جاتا تھا۔

آخر اس نے عیسویوں اور طبیعوں کو بلایا اور ان سے اس مرض کے بارے میں پوچھا انہوں نے جب سچ سنی یہ حالت دیکھی تو وہ سخت وحشت زدہ ہوئے اور اس کا کوئی علاج نہ ہوتا سکے۔ آخر ایک جبرستیں غریبی پیشوا نے اس سے کہا۔

”شاید آپ نے اس بیت اللہ کے حقیق کوئی برا ارادہ کیا تھا؟“

”جی نہیں میں نے اس کو ڈھانے کا ارادہ کیا تھا تب اس بزرگ نے کہا۔
”آپ نے جو برا ارادہ کیا تھا اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر اور ایسا کا
حرم ہے۔“

پھر اس بزرگ نے سچ کو ہدایت کی کہ بیت اللہ کا احترام اور تعظیم کرے۔ چنانچہ اس نے اب ایسا ہی کیا اور فوراً ہی اس کو شفا ہو گئی۔

بیت اللہ کو بیت العتیق کہنے کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ یہ زمین پر سب سے پہلا گھر ہے (یعنی سب سے قدیم ہے اس لئے اس کو بیت العتیق یعنی قدیم گھر کہا جاتا ہے)۔

ایک قول یہ ہے کہ بیت العتیق اس لئے کہا گیا کہ یہ نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان سے محفوظ رہا اور ہر تفسیر کشاف وغیرہ میں یہی کہا گیا ہے مگر اس میں کافی اشکال ہے کیونکہ پہلے ایک روایت گزر چکی ہے کہ یہ طوفان نوح میں مٹ گیا تھا اسی طرح نوح علیہ السلام کے واقعہ میں ایک روایت آئی ہے کہ۔

نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی میں سے کبوتر کو بھیجا کہ وہ زمین کے حقیق خبر لے کر آئے (کہ سب جگہ پانی ہی پانی ہے یا کہیں خشکی بھی ہے) کبوتر اڑا اور حرم کی دکان میں آکر اترا جہاں اس نے دیکھا تھا کہ کعبہ کے مقام پر سے پانی خشک تھا اور اس جگہ کی مٹی سرخ رنگ کی تھی۔ اسی وجہ سے اس کبوتر کے پنجے وہ مٹی لگ کر سرخ ہو گئے تھے۔

غرض اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی جگہ بھی طوفان نوح میں غرق ہو گئی تھی۔ لہذا اس روایت کے سامنے اس سے بھی اشکال ہوتا ہے کہ بیت اللہ کو بیت العتیق اس لئے کہا گیا کہ وہ طوفان نوح سے آزلو اور محفوظ رہا تھا (یہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ سیلاب سے آزلو رہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ جگہ سیلاب میں غرق ہو کر بالکل نہیں غرق ہوئی بلکہ اس کا نشان باقی رہ گیا تھا۔

طوفان نوح اور کعبہ..... کتاب غیب میں ابن ہشام سے روایت ہے کہ طوفان کا پانی کعبہ میں نہیں پہنچا تھا بلکہ کعبہ کے چاروں طرف آکر ٹھہر گیا تھا اور خود کعبہ فضائے آسمانی میں معلق ہو گیا تھا۔ اس روایت کی بنیاد وہی

حدیث ہے کہ اس وقت کعبہ دہی خیمہ تھا جو اؤم علیہ السلام کے زمانے میں اُتھا گیا تھا اس کے متعلق تعمیر کشف کے حوالے سے یہ قول گزر چکا ہے کہ طوفان نوح کے وقت یہ یا قوتی خیمہ چوتھے آسمان پر اُٹھایا گیا تھا اور یہ کہ یہ ہی خیمہ بیت المعمور ہے۔ چنانچہ اب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل کعبہ سے مراد وہی خیمہ ہے جو اؤم علیہ السلام کے وقت میں تھا اور طوفان کا پانی اسی خیمہ کی جگہ کے چاروں طرف آکر رک گیا تھا جبکہ یہ خیمہ خود فضائے آسمانی میں معلق ہو گیا تھا۔ چنانچہ اب یہ قول اس روایت کے خلاف نہیں ہو تا جو نوح علیہ السلام کے واقعہ میں گزری ہے کہ اس کو ترے دیکھا کہ کعبہ کی جگہ سے پانی خشک تھا۔ ہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے۔ (مجمعی سطور میں گزرا ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم پر ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا تھا اور لوگوں کو بیت اللہ کا حج کرنے کی دعوت دی تھی) اس کے متعلق ایک روایت ہے کہ انہوں نے ان الفاظ میں اعلان کیا تھا۔

”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ تمہارے پروردگار نے اس گھر کو اختیار فرمایا اور تم پر لازم کیا ہے کہ تم اس کا حج کرو اور اس لئے اپنے پروردگار کے حکم پر لبیک کہو۔“ ابراہیم علیہ السلام نے اس اعلان کو جن مرتبہ دہرایا یہاں تک کہ اس کو ان لوگوں میں سے سنا جو اس وقت تک لوگوں کی پیٹھ یعنی نطفوں ہی میں تھے اور انہوں نے جو اس وقت اپنی باؤں کے رحم میں تھے۔ چنانچہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں میں جن لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ وہ بیت اللہ کا حج کریں گے ان سب نے ان الفاظ میں اس پکار کا جواب دیا۔

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ..... میں حاضر ہوں۔ اے اللہ میں حاضر ہوں۔“

چنانچہ اب قیامت تک پیدا ہونے والے لوگوں میں کوئی حاجی ایسا نہیں جس نے ابراہیم علیہ السلام کی اس پکار کا جواب نہ دیا ہو ان میں سے جس نے ایک مرتبہ لبیک کہا تھا وہ ایک مرتبہ حج کعبے کا اور جس نے دو مرتبہ لبیک کہا وہ دو مرتبہ حج کرنے کا اور اسی طرح زیادہ حج کرنے والے ہیں۔

ایک روایت ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ اعلان کیا تو اللہ تعالیٰ کی فرماں بردار مخلوق میں کوئی پہاڑ اور کوئی درخت اور دوسری چیزیں ایسی نہیں جنہوں نے اس پکار کا یہ جواب نہ دیا ہو کہ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ۔ اقول۔ مؤلف کہتے ہیں ظاہر ہے یہاں ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان اور پکار کے متعلق جو مختلف روایتیں بیان ہوئی ہیں ان میں آپس میں مطابقت پیدا کرنا ضروری ہے جس کے متعلق آگے تفصیل آئے گی۔ البتہ یہاں ان چیزوں کے جواب کے متعلق جو روایت گزری ہے جن میں محفل نہیں ہے جیسے پہاڑ اور درخت وغیرہ اس کے متعلق یہ بات جانی چاہئے کہ ان کا جواب تقطیسی تھا (ورنہ ظاہر ہے کہ محفل نہ رکھنے والی مخلوق نہ حج کی مکلف ہے اور نہ شریعت کے احکام کی مخاطب ہے)

حج صرف امت مسلمہ پر فرض ہوا ہے..... (ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان اور پکار میں یہ لفظ آئے ہیں کہ بیت اللہ کا حج فرض کیا گیا ہے) یہاں فرض ہونے سے مراد صرف لوگوں کو طلب کرنا اور بلانا مقصود ہے خاص طور پر حج کا فرض ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ ظاہر ہے خود مسلمان امت پر ہی حج جہرت کے بعد بھی عہد یا ۹۰ھ اور ایک قول کے مطابق ۱۰۰ھ میں فرض ہوا ہے۔ جیسا کہ اس کے متعلق آگے تفصیل آئے گی۔ اب جہاں تک ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہونے والی دوسری قوموں پر حج کے فرض ہونے کا تعلق ہے تو اس کے بارے

میں میرے علم میں کوئی بات نہیں ہے۔ بعد کے کچھ ہمارے شافعی علماء نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس امت مسلمہ کے سوا عجم کسی امت پر فرض نہیں ہوا۔

کتب خاصہ صغریٰ میں ہے کہ امت مسلمہ پر وہ سب چیزیں فرض ہوئی ہیں جو گزشتہ نبیوں اور رسولوں پر فرض ہوئی تھیں اور وہ چیزیں یہ ہیں وضو، ہلائی کی حالت میں غسل، حج اور جلد لب اس قول سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ پچھلے نبیوں اور رسولوں پر یہ چیزیں فرض تھیں۔

اس قول کے بعد ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ (ایک طرف تو یہ قول گزرا ہے کہ پچھلی امتوں پر حج فرض نہیں تھا اور دوسری طرف یہ قول ہے کہ پچھلے نبیوں پر حج اور دوسری چیزیں فرض تھیں) جبکہ اصل یہ ہے کہ جو چیز بھی ایک نبی پر فرض ہوئی ہے وہ اس کی امت پر بھی فرض ہوتی ہے۔ سوائے اس کے کہ خاص معاملے میں کوئی صاف دلیل اس بات کی ہو کہ فلاں حکم خصوصیت سے صرف نبی ہی کے لئے ہے عام لوگوں کے لئے نہیں ہے۔ (لہذا اس کی روشنی میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ پچھلے نبیوں پر حج فرض تھا اور پچھلی امتوں پر فرض نہیں تھا۔ لیکن اس شبہ کا جواب خود اسی عبارت سے نکل آتا ہے، ممکن ہے کہ حج کی فرضیت پچھلے دور میں خصوصیت سے نبیوں ہی کے لئے رہی ہو اور ان کی امتوں کو اس حکم سے مستثنیٰ نہ کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔)

(نوٹ: پچھلی روایت میں گزرا ہے کہ اس امت پر وہ سب چیزیں فرض ہیں جو گزشتہ نبیوں پر فرض کی گئی تھیں اور وہ ہیں وضو..... وغیرہ وغیرہ) اس کے متعلق آگے تفصیل آئے گی کہ اس میں کیا شبہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ ابواب میں: اولین اعلان حج مابراہیم علیہ السلام کو تعلیم حج، حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے دور میں تعمیر کعبہ، یزید کے حملہ سے کعبہ کو نقصان، تبارک کعبہ، خلیفہ عبدالملک ابن مروان، حجاج ابن یوسف اور ابن زبیرؓ کے اختلافات اور کے پر حملے، آنحضرت ﷺ کے متعلق یہودی اور عیسائی عالموں کی حیرت ناک پیشین گوئیاں وغیرہ وغیرہ۔

مقام ابراہیم کی اولین جگہ

(تیسرے کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو لوگوں میں حج کا اعلان کرنے کا حکم دیا اور) پھر ان کو مقام ابراہیمؑ (یعنی اس پتھر کے متعلق جس پر کھڑے ہو کر انہوں نے بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا) کو نصب کرنے کا حکم فرمایا۔ ابراہیمؑ نے اس کو کعبے کی دیوار سے ملا کر اندرونی حصے میں دائیں طرف رکھا چنانچہ اس کے بعد ابراہیمؑ اسی کے سامنے یعنی کعبے کے دروازے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔

(اس پتھر یعنی مقام ابراہیمؑ کو جس شخص نے وہاں سے پیچھے ہٹا کر اس جگہ رکھا جہاں آج اس کی جگہ ہے وہ حضرت عمر فاروقؓ ہیں۔ یہ بات پیچھے ابن کثیر کے حوالے سے گزر چکی ہے۔

اقول مؤلف کہتے ہیں: ایک قول یہ بھی ہے کہ مقام ابراہیمؑ کو اس پرانی جگہ سے ہٹا کر جس شخص نے موجودہ جگہ پر رکھا وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ نے حج مکہ کے دن اس کو یہاں رکھا تھا ان دونوں روایتوں میں موافقت پیدا کرنے کی تفصیل آگے آنے کی اور اس میں جو شبہ پیدا ہوتا ہے وہ بھی مذکور ہوگا۔

علامہ طبری نے لکھا ہے کہ مقام ابراہیمؑ کی ابتدائی جگہ محض کا مقام تھی جس کو عوام منجھتے کہتے ہیں یعنی جس جگہ کعبے کی تعمیر کے وقت اس کے لئے گھر اٹھایا گیا تھا۔ یہی منجھتہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت جبریلؑ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دونوں میں پانچ نمازیں پڑھی تھیں جیسا کہ آگے بیان آ رہا ہے۔

مگر اس بارے میں شیخ برزخین جماعہ نے اختلاف کیا ہے کہ اگر یہی وہ جگہ ہوئی تو یہ بات مشہور ہوتی۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے پھر یہ کہ جس نے یہ روایت بیان کی ہے وہ ایک قابل اعتماد راوی ہے اس لئے جنہوں نے اس قول کا ذکر نہیں کیا ان پر یہ روایت ہی حجت اور دلیل بن جاتی ہے۔

اعلان حج کس جگہ سے کیا گیا..... علامہ ابن حجر پیشی نے لکھا ہے کہ (ابراہیمؑ کے حج کے لئے اعلان کرنے کی جگہ کے متعلق) حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت یہ ہے کہ۔ ابراہیمؑ ابو قیس پہاڑ پر چڑھے تھے اور ایک قول کے مطابق۔ ٹھہر پہاڑ پر چڑھے تھے اور وہاں سے انہوں نے حج کا اعلان کیا تھا اور یہ کہ وہ پہلے لوگ جنہوں نے ان کی اس پکار کا اقرار ہی جواب دیا وہ یمن والے تھے (ی) اس کی وجہ پیچھے بیان ہو چکی ہے کہ ابراہیمؑ نے یمن کی جانب منہ کر کے یعنی دائیں جانب رخ کر کے اعلان کی ابتداء کی تھی۔

ان مختلف روایتوں سے جن میں ابراہیمؑ کے اعلان کی جگہیں مقام ابراہیمؑ اور دوسری ابو قیس پہاڑ اور تیسری ٹھہر پہاڑ بتلائی گئی ہے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے انہوں نے ان تین جگہوں سے یہ اعلان کیا ہو۔ اور اعلان کے الفاظ میں جو فرق ہے اس سے بھی کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ممکن ہے انہوں نے ایک جگہ جن الفاظ میں اعلان کیا ہو دوسری جگہ ان ہی الفاظ کے بجائے دوسرے الفاظ میں اعلان کیا ہو جو بیان بھی ہو چکے ہیں۔ لہذا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں رہتا کہ ابراہیمؑ کے اعلان کے کون سے الفاظ تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کو تعلیم حج..... حدیث میں آتا ہے کہ جب ابراہیمؑ اس اعلان سے فارغ ہوئے تو جبریلؑ

انہیں لے کر گئے اور صفو مردہ کی پہلیاں ان کو دکھلائیں (جن کے درمیان حج میں سنی کی جاتی ہے) اور پھر ان کو حرم کی حدود بتلائیں (کہ یہاں تک حرم کی حد ہے جہاں سے احرام باندھنا چاہئے اور اس سے پہلے حل ہے کہ وہاں تک احرام کی ضرورت نہیں) پھر جبرئیلؑ نے اس کو ہدایت کی کہ یہاں مقرر نصب کر دیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر انہوں نے ابراہیمؑ کو حج کے مناسک اور ارکان بتلائے (ی) جب کہ اسماعیلؑ بھی ساتھ تھے۔ چنانچہ کتاب عزائس میں ہے کہ :-

”جبرئیلؑ ان دونوں یعنی ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو لے کر تدویہ کے دن (یعنی آٹھ ذی الحجہ کی) منیٰ کے میدان میں لے کر گئے اور وہاں ان کے ساتھ ظہر، عصر، مغرب اور آخری عشاء کی نمازیں پڑھیں پھر ان دونوں نے وہیں رات گزری یہاں تک کہ صبح کو جبرئیلؑ نے ان کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔ پھر دن میں وہ ان دونوں کو لے کر عرفات کے میدان میں گئے اور وہاں قیام کیا۔ پھر جب سورج زوال پذیر ہو گیا تو ان کے ساتھ ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں۔ اس کے بعد وہ ان دونوں کو لے کر عرفات میں قیام کی جگہ پر آئے اور وہاں اس جگہ قیام کیا جہاں حج لوگ قیام اور توقف کرتے ہیں پھر جب سورج غروب ہو گیا تو انہوں نے ان دونوں کو مزدلفہ کے میدان میں پہنچا دیا اور وہاں ان کے ساتھ مغرب اور عشا کی دو نمازیں ایک ساتھ پڑھیں۔ اس کے بعد ان دونوں کے ساتھ انہوں نے وہاں رات گزری۔ یہاں تک کہ جب فجر طلوع ہو گئی تو ان کے ساتھ فجر کی نماز ادا ہو کر پڑھی۔ پھر یہاں کچھ دیر توقف کیا اور جب روشنی ہو گئی تو ان کو لے کر منیٰ کے میدان میں آئے اور ان کو بتایا کہ رمی جدار کیسے کی جاتی ہے (یہاں تین محرات اور نشانات ہیں جن پر کنکریاں ماری جاتی ہیں اس کو رمی جدار کہا جاتا ہے۔ یہاں دس تدن سے بارہ ذی الحجہ تک تین دن قیام کیا جاتا ہے اور روزانہ ایک جہرہ رمی کی جاتی ہے پھر بارہ تدن کی شام کو کے دامن پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے غرض اس کے بعد جبرئیلؑ نے ان دونوں کو قربانی کرنے کا حکم دیا اور منیٰ کے میدان میں ان کو منحر یعنی وہ جگہ جہاں ذبیحہ کیا جاتا ہے دکھلایا پھر انہوں نے ان دونوں کو سر منڈانے کی ہدایت کی اور اس کے بعد ان کو لے کر بیت اللہ کی طرف آئے۔“

تشریح..... یہاں یہ بات واضح ہے کہ نویں ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں ظہر میں عصر کی نماز ساتھ ساتھ جو پڑھی جاتی ہے وہ جماعت سے پڑھنے کی صورت میں ہے پھر اسی طرح اسی تدن میں شام کو سورج غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز پڑھے پھر یہاں سے مزدلفہ کے میدان میں جاتے ہیں اور وہاں عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ جماعت سے پڑھی جاتی ہیں پھر اگلے دن ذی الحجہ کو مزدلفہ میں فجر کی نماز اول وقت یعنی اندھیرے سے پہلے پڑھ کر کچھ روشنی ہو جانے کے بعد یہاں سے منیٰ کے میدان میں آجائے (یہاں سے عرب)

کیا پانچ نمازیں اسلام سے پہلے بھی تھیں..... مگر یہ روایت قابل غور ہے کیونکہ اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ پانچویں نمازیں جماعت سے پڑھیں اور یہ کہ حج کے ارکان میں ظہر اور عصر کی نمازیں اس طرح پڑھیں کہ عصر بھی ظہر کے وقت میں پڑھی اور مغرب اور عشاء کی نمازیں اس طرح اکٹھی پڑھیں کہ مغرب بھی عشاء میں پڑھی۔

یہ بات ہمارے ائمہ (یعنی شافعی ائمہ) کے اس قول کے خلاف ہے کہ پانچ نمازیں صرف رسول

اللہ ﷻ کے لئے ہی جمع کی گئیں (یعنی صرف آنحضرت ﷺ پر ہی پوری پانچ نمازیں اتاری گئیں) کیونکہ کتب خاصہ صغریٰ میں ہے کہ،

”آنحضرت ﷻ کی ہی یہ خصوصیت ہے کہ آپ پر پوری پانچ نمازوں کا مجموعہ اتارا گیا جب کہ آپ سے پہلے کسی نبی کے لئے پوری پانچ نمازیں جمع نہیں کی گئیں۔ نیز عشاء کی نماز بھی صرف آنحضرت ﷻ (اور آپ ﷻ کے قبل سے آپ کی امت) کی ہی خصوصیت ہے کہ اس سے پہلے کسی نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی اور نیز جماعت سے نماز پڑھنا بھی آنحضرت ﷻ کی ہی خصوصیت ہے۔

اب اس اشکال کو دور کرنے کے لئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ پانچوں نمازیں مستقل اور بیحد کے لئے آنحضرت ﷻ کے سوا کسی نبی کے لئے نہیں فرض کی گئیں کیونکہ ممکن ہے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے ہمیشہ پانچوں نمازیں ہی نہ پڑھی ہوں بلکہ خاص طور پر اس وقت ہی ان کو پانچ نمازیں پڑھوائی گئی ہوں) مگر اس میں جو اشکال ہے وہ ظاہر ہے۔

کے کی فضیلت اور مقام..... کتب و قایم دہب ابن حبتہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو تم پر وحی بھیجی (جس میں ارشاد فرمایا)۔

”میں اللہ ہوں کے کائنات، اس کے رہنے والے میرے پڑوسی، اس کی زیادت کو آنے والے میرے مہمان ہوں گے اور میری پناہ اور حفاظت میں ہوں گے، میں اس کو آسمان والوں اور زمین والوں سے آباد کروں گا جو پرانہ حال تھکے ہوئے یہاں آیا کریں گے اور بلند کو اڑوں سے نکسیر کہتے ہوئے زور زور سے تلبیہ یعنی لیک پڑھتے ہوئے اور روتے اور گڑ گڑاتے ہوئے یہاں آیا کریں گے۔ پس جو اس کی زیادت کے لئے آئے گا اس کو اس کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ (اس کی زیادت کر کے گویا اس نے میری ملاقات کی، میری مہمانداری میں کیا، میرے پاس حاضر ہو اور میرے ہی پاس ٹھہرا۔ اس کا مجھ پر حق ہو جائے گا کہ میں اس کو اپنی کرامت و بزرگی سے تھو دوں میں اس گھر کو، اس کے ذکر کو، اس کے شرف کو اس کی عزت و عظمت اور ثناء کو اس نبی کے نام پر کروں گا جو تمہاری ولادت میں سے ہو گا اور جس کا نام ابراہیم ہو گا، میں اس کے ذریعہ اس کی بنیادیں اٹھاؤں گا اور اس کے ہاتھوں اس کی عمارت پوری کروں گا اور اس کے لئے اس کا چشمہ جاری کروں گا اور اس کو اس کے حل اور حرم کی حدود بتلاؤں گا اور اس کو اس کے طریقے اور مناسک و ارکان بتلاؤں گا۔

پھر اس کو مختلف قومیں اور زمانے آباد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہاری ولادت میں سے ایک نیا کا زمانہ آجائے گا جس کا نام محمد حاتم النبیین (ﷺ) ہو گا میں ان کو اس شہر کے باشندوں ہی میں سے پیدا کروں گا جو اس کے سرداروں، اس کے محافظوں اور اس کے پانی پلانے والوں میں سے ہوں گے، پس اس دن جو میرے بارے میں سوال کرے گا تو (اس کو معلوم ہو گا کہ) میں ان پرانہ حال اور تھکے ہوئے مسافروں کے ساتھ ہوں گا جو اپنی نذر و نیاز پوری کرنے کے لئے آنے والے اور اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہونے والے ہوں گے۔“

کے کے حق میں دعاء ابراہیمی..... (اس کے بعد کے کے حق میں ابراہیم کی ایک دعا کا ذکر کرتے ہیں کہ ابراہیم نے (اس شہر کے کے لئے جو دلوں غیر ذریعہ یعنی ایک بھر و لوی تھی) کو عالمی جس کو حق تعالیٰ نے قرآن پاک کی اس آیت میں نقل فرمایا ہے وَاللّٰهُمَّ مِنْ هَٰؤُلَاءِ اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی گھائی میں تھے چنانچہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب ابراہیم نے دعا مانگتے ہوئے یہ فرمایا۔

فَاعْمَلْ أَفْعَلَهُ مِنَ اللَّهِ تَهْوَى إِلَيْهِمْ وَنَزَّلَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ لَآئِي سَبِّ ۝۱۳ سورہ ابراہیم ص ۵

ترجمہ: تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے اور ان کو حص اپنی قدرت سے پھل کھانے کو دیجئے تاکہ یہ لوگ ان نعمتوں کا شکر کریں۔

اس دعا کے وقت ابراہیمؑ غیبی علیا پر تھے۔ اس روایت کو علامہ سیبلی نے ذکر کیا ہے۔
(غرض اس دعا کے نتیجہ میں اسی وقت طائف (کا بنجرہ ذلر شہر) ملک شام میں فلسطین کے علاقے سے ان کے لئے یہاں (مکہ کے قریب) منتقل کر دیا گیا (ی) چنانچہ ابراہیمؑ کی دعا کی برکت سے مکہ میں وہ سب مختلف زمانوں کے پھل ایک ہی وقت میں مل جاتے ہیں جو ربیع، صیف اور خریف کی فصلوں کے زمانوں میں ہوتے ہیں۔ یہ قول تفسیر کشاف میں ذکر ہے۔

طواف کے دوران حضرت ابراہیمؑ کی ملائکہ سے ملاقات..... غرض جب ابراہیمؑ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہو گئے اور انہوں نے حج کیا اور طواف کیا تو طواف کے دوران ان کی کچھ فرشتوں سے ملاقات ہوئی۔ فرشتوں نے ان کو سلام کیا۔ ابراہیمؑ نے ان سے پوچھا ”آپ اپنے طواف کے دوران کیا دعا پڑھا کرتے ہیں؟“ فرشتوں نے کہا۔

”ہم آپ کے باپ آدمؑ سے پہلے طواف میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔“

سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ

ترجمہ: پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔“

پھر (آدمؑ کے آنے کے بعد) ہم نے ان کو یہ دعا بتلائی تو انہوں نے ہم سے فرمایا کہ اس میں یہ اضافہ

کر دو

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں کوئی طاقت و قوت نہیں ہے۔

دعاء طواف میں دوسرا اضافہ..... ابراہیمؑ نے یہ سن کر ان فرشتوں سے فرمایا

اس میں یہ اضافہ کر دو۔

”الطَّيِّبُ الْعَظِيمُ“ یعنی جو سب سے بلند اور سب سے زیادہ عظمت والا ہے۔“

چنانچہ پھر ملائکہ نے یہ دعا اسی اضافہ کے ساتھ پڑھی (جس کے مکمل الفاظ یہ ہو گئے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ)

تاریخ کعبہ..... ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی اس وقت ان کی عمر ایک سو سال ہو چکی تھی۔ اس کے بعد بیت اللہ کی تعمیر عمالیق کی قوم نے کی اور ان کے بعد قریبہ بنی جرہم نے کی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ (ابراہیمؑ کے بعد) بنی جرہم نے اور ان کے بعد عمالیق نے کی۔

مگر قوم عمالیق کا بیت اللہ کی تعمیر کرنا قابل غور ہے۔ اگر یہ مانا جائے کہ انہوں نے بنی جرہم سے پہلے کی تھی تو اس میں بھی یہ اشکال ہے کہ سب سے پہلے حضرت ہاجرہ اور اسماعیلؑ کے ساتھ جو مکہ میں آکر ٹھہرے وہ جرہم تھا اور وہی حضرت اسماعیلؑ اور ان کی کچھ اولاد کے بعد بیت اللہ کے متولی اور محافظ بنے (لہذا ابراہیمؑ

کے بعد قوم عمالیق کا بیت اللہ کی تعمیر کرنا قیاس کے خلاف ہے کیونکہ کعبہ کے متولی اس وقت بنی جرہم تھے۔
 اور اگر یہ مانا جائے کہ قوم عمالیق نے بنی جرہم کے بعد تعمیر کی تو اس میں بھی یہ امکان ہے کہ بنی جرہم کے بعد کعبہ کے متولی بنی خزاعہ بنے تھے جیسا کہ (سیرت طیبہ اردو جلد دوم صفحہ ۱۸۱) گزر چکا ہے۔ لہذا جب عمالیق کے پاس بیت اللہ کی تولیت نہیں تھی تو انہوں نے کیسے تعمیر کی۔ ہاں کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت بنی جرہم کے مقابلے میں قوم عمالقہ کے لوگ دولت مند اور مال دار رہے ہوں گے (اس لئے بنی جرہم نے خود متولی ہونے کے باوجود ان کو تعمیر کی اجازت دے دی ہوگی)۔

قوم عمالقہ کی سرکشی اور انجام..... اس خیال کی تائید حضرت امین عباسؓ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ”قوم عمالقہ بہت معزز لوگ تھے اور ان کے پاس بے حد دولت و ثروت تھی مگر جب وہ گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام دولت و عزت ان سے چھین لی اور ان پر چھوٹی چو خیاں عذاب کی صورت میں مسلط کر دیں یہاں تک کہ وہ حرم سے نکل کر بھاگے اور پتھر پتھر پر گرا کر ہلاک ہو گئے۔
 (یہاں چھوٹی چو خیاں کے ذریعہ بنی جرہم کو عذاب دیئے جانے کے متعلق ذکر کیا گیا ہے جن کو ہم بحوری چوٹی کہتے ہیں ان چوٹیوں کی ہلاکت خیزی کے متعلق اور خاص طور پر اگر یہ بہت زیادہ ہوں اور عذاب کی صورت میں ظاہر ہوں عربی میں یہ کہلات ہے جس کو علامہ طبری نے نقل کیا ہے کہ)۔
 ”چوٹیوں میں چھوٹی چوٹی ایسی ہی خطرناک ہوتی ہے جیسے ڈنک مارنے والے کیڑوں میں بھر پڑ ہوتی ہے۔“

عمالقہ کی مکے میں آمد..... علامہ فاکھی کی کتاب میں ہے کہ۔

قوم عمالیق کے لوگ اس وقت کے آئے تھے جب قوم عاد کا ایک وفد (شک سالی اور قحط سے گھبرا کر) مکہ میں بیت اللہ کے ذریعہ پانی کی دعا مانگنے کے لئے آیا تھا۔
 ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ عرفات کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کے ذریعہ حضرت اسماعیلؑ کے لئے زحرم کا چشمہ نکالا۔ (جہاں تک اس چشمہ کے جاری ہونے کا تعلق ہے) اس سلسلے میں کتب ربیع الاول میں ہے کہ
 ”جبرئیلؑ نے زحرم کا چشمہ دو مرتبہ نکالا ہے ایک مرتبہ تو م کے لئے اور ایک دفعہ حضرت اسماعیلؑ کے لئے۔“

(غرض جب یہ چشمہ جاری ہو گیا اور علامہ مقررہ کے قول کے مطابق عمالیق کو اس چشمہ کے متعلق پتہ چلا تو وہ فوراً عرفات کے میدان سے اٹھ کر مکہ میں آ گئے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ عمالیق بنی جرہم کے بعد مکہ میں آئے تھے مگر یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مکہ پر عمالیق کی سرداری بنی جرہم سے پہلے ہوئی ہے۔ دوسرے اس وجہ سے بھی بنی جرہم کے بعد جو لوگ مکہ میں آکر بیت اللہ کے متولی بنے وہ بنی خزاعہ کے لوگ تھے۔

اب اس قول سے اتنی بات تو صاف ہو ہی جاتی ہے کہ عمالیق کے لوگوں نے بھی بیت اللہ کی تعمیر کی ہے اور یہ کہ عمالیق کی تعمیر بنی جرہم کی تعمیر سے پہلے ہوئی۔

یہ عمالیق کی قوم علمین یا عملاق امین لاوازمین سام امین نوح کی اولاد میں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عملاق پہلا

کے نام کے ساتھ لقب دیا تھا اور ان کو ابو خبیب کہنے لگے تھے۔

کچھ موزوں نے یہ سب لکھا ہے کہ خبیب نام کو عزت افزائی اور اعزاز کے لئے ان کے لقب میں شامل کیا گیا تھا اس سے ان کی توہین نہیں ہوتی تھی بلکہ اعزاز ہوتا تھا (یعنی خبیب کی عظمت کی وجہ سے دوسروں کا اعزاز کرنے کے لئے ان کو بھی خبیب کہہ دیا جاتا تھا) بہر حال پچھلا قول اس قول کی روشنی میں غلط ہو جاتا ہے۔ مگر خود یہ بات بھی پچھلے قول کی روشنی میں غلط ہو جاتی ہے۔

علماء کو سزا میں..... علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ جن علماء کو کوڑوں سے مد آگیا ان میں حضرت سعید ابن مسیب بھی ہیں ان کو عبد الملک ابن مروان نے سو کوڑے لگوائے تھے کیونکہ اس نے ولید (ابن یزید ابن عبد الملک کے خلیفہ بننے پر لوگوں سے اس کی اطاعت کی بیعت لینے کے لئے مدینے میں آوی بھجا مگر حضرت سعید نے بیعت دینے سے انکار کر دیا اس پر عبد الملک نے لکھا کہ ان کے سو کوڑے لگائے جائیں اور سخت سردی کے وقت میں ان پر ٹھنڈا پانی ڈالا جائے نیز ان کو لون کا جیہ پہنایا جائے۔ چنانچہ حضرت سعید کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا جیسا کہ خبیب کے ساتھ کیا گیا تھا۔

(یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ ولید نام کے دو آدمی ہیں ایک ولید ابن یزید ابن عبد الملک یعنی عبد الملک کا پوتا اور ایک ولید ابن عبد الملک کا بیٹا ہے۔)

عبد الملک نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کے لئے جو عہد لیا تھا اس کے متعلق کتب البدایہ والنہایہ میں یہ ہے کہ جب بیعت کا سلسلہ مدینے میں پہنچا تو حضرت سعید ابن مسیب نے بیعت دینے سے انکار کر دیا اس پر مدینے کے نائب نے ان کے ساتھ کوڑے لگوائے اور ان کو بالوں کے کپڑے پہنائے۔ پھر ان کو ایک لونٹ پر بٹھا کر نہارے شہر میں گھمایا اور اس کے بعد ان کو قید خانے میں ڈالوا دیا۔ مگر عبد الملک کو یہ خبر پہنچی تو اس نے مدینے کے گورنر کے پاس آوی بھجا اور اس کو اس حرکت پر بہت خبیہ اور سرزنش کی۔ ساتھ ہی اس نے یہ حکم بھیجا کہ حضرت سعید کو قید سے رہا کیا جائے۔ یہاں تک علامہ ابن کثیر کا کلام ہے۔

مگر علامہ بلاذری نے یہ لکھا ہے کہ :-

مدینے کا گورنر جابر ابن سود تھا جو حضرت عبد اللہ ابن زبیر کی طرف سے مقرر کیا ہوا تھا اور اسی نے حضرت سعید کے سو کوڑے لگوائے تھے کیونکہ انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن زبیر کی خلافت پر بیعت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہاں تک علامہ بلاذری کا کلام ہے۔

(یہاں حضرت سعید کے کوڑے مدے جانے کے متعلق روایتوں میں جو اختلاف ہے اس کو دور کرنے کے لئے یہ) کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت سعید نے دونوں مرتبہ خلافت کی بیعت دینے سے انکار کیا ہو کیونکہ حضرت ابن زبیر کی خلافت عبد الملک کی خلافت سے پہلے ہوئی ہے جو ولید کا باپ تھا۔

علامہ ابن کثیر نے اس بات کی وضاحت بھی کی ہے کہ حضرت سعید کے سو کوڑے لگوائے گئے۔ پھر اسی طرح اس سے پہلے جب انہوں نے حضرت ابن زبیر کے لئے بیعت دینے سے انکار کیا تھا اس وقت بھی ان کے کوڑے لگوائے گئے تھے نیز ان کے اس وقت بھی کوڑے لگوائے گئے تھے جب انہوں نے ولید کے لئے بیعت دینے سے انکار کیا تھا۔

علامہ شعرانی نے حضرت سعید کے حالات میں لکھا ہے کہ :-

کے بعد قوم عیالقی کا بیت اللہ کی تعمیر کرنا قیاس کے خلاف ہے کیونکہ کعبہ کے متولی اس وقت بنی جرہم تھے۔
 اور اگر یہ مانا جائے کہ قوم عیالقی نے بنی جرہم کے بعد تعمیر کی تو اس میں بھی یہ اشکال ہے کہ بنی جرہم کے بعد کعبے کے متولی بنی خزاعہ بنے تھے جیسا کہ (سیرت علیہ اردو جلد چہتمہ منھا میں) گزر چکا ہے۔ لہذا جب عیالقی کے پاس بیت اللہ کی تولیت نہیں تھی تو انہوں نے کیسے تعمیر کی۔ ہاں کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت بنی جرہم کے مقابلے میں قوم عیالقی کے لوگ دولت مند اور مال دار رہے ہوں گے (اس لئے بنی جرہم نے خود متولی ہونے کے باوجود ان کو تعمیر کی اجازت دے دی ہوگی)۔

قوم عیالقیہ کی سرکشی اور انجام..... اس خیال کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ”قوم عیالقی بہت معزز لوگ تھے اور ان کے پاس بے حد دولت و ثروت تھی مگر جب وہ گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام دولت و عزت ان سے چھین لی اور ان پر چھوٹی چوٹیاں عذاب کی صورت میں مسلط کر دیں یہاں تک کہ وہ حرم سے نکل کر بھاگے اور بتر بتر اور منتشر ہو کر ہلاک ہو گئے۔“

(یہاں چھوٹی چوٹیوں کے ذریعہ بنی جرہم کو عذاب دیئے جانے کے متعلق ذکر کیا گیا ہے جن کو ہم بحوری چوٹی کہتے ہیں ان چوٹیوں کی ہلاکت خیزی کے متعلق اور خاص طور پر اگر یہ بہت زیادہ ہوں اور عذاب کی صورت میں ظاہر ہوں عربی میں یہ کمالات ہے جس کو علامہ علی نے نقل کیا ہے کہ) ”چوٹیوں میں چھوٹی چوٹی ایسی ہی خطرناک ہوتی ہے جیسے ڈنک مارنے والے کیڑوں میں بھر پڑ ہوتی ہے۔“

عیالقیہ کی مکے میں آمد..... علامہ فاکھی کی کتاب تاریخ مکہ میں ہے کہ۔

قوم عیالقی کے لوگ اس وقت مکے آئے تھے جب قوم عاد کا ایک دفعہ (خشک سالی اور قحط سے گھبرا کر) مکہ میں بیت اللہ کے ذریعہ پانی کی دعا مانگنے کے لئے آیا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ عرفات کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کے ذریعہ حضرت اسماعیلؑ کے لئے زحرم کا چشمہ نکالا۔ (جہاں تک اس چشمہ کے جاری ہونے کا تعلق ہے) اس سلسلے میں کتاب تاریخ الانبار میں ہے کہ

”جبریلؑ نے زحرم کا چشمہ دوسرے نکالا ہے ایک مرتبہ تو مکہ کے لئے اور ایک دفعہ حضرت اسماعیلؑ کے لئے۔“

(غرض جب یہ چشمہ جاری ہو گیا اور علامہ مقریزی کے قول کے مطابق عیالقی کو اس چشمہ کے متعلق پتہ چلا تو وہ فوراً عرفات کے میدان سے اٹھ کر مکہ میں آ گئے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ عیالقی بنی جرہم کے بعد مکہ میں آئے تھے مگر یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ سورہ یحییٰ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مکہ پر عیالقی کی سرداری بنی جرہم سے پہلے ہوئی ہے۔ دوسرے اس وجہ سے بھی بنی جرہم کے بعد جو لوگ مکہ میں آ کر بیت اللہ کے متولی بنے وہ بنی خزاعہ کے لوگ تھے۔

اب اس قول سے اتنی بات تو صاف ہو ہی جاتی ہے کہ عیالقی کے لوگوں نے بھی بیت اللہ کی تعمیر کی ہے اور یہ کہ عیالقی کی تعمیر بنی جرہم کی تعمیر سے پہلے ہوئی۔

یہ عیالقی کی قوم عیالقی یا عیالاق ابن لاؤز ابن سام ابن نوحؑ کی لولاد میں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عیالاق پہلا

آدی ہے جس نے عربی زبان لکھی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ عملاق یا عمیق، عیص ابن اسحاق ابن ابراہیم کی ولاد میں سے ہے۔ ہر حال ان قوموں کے بعد کعبے کو آنحضرت ﷺ کے نبی دلو اقصیٰ نے بتایا اس نے بیت اللہ کی چمت روم کی لکڑی اور کعبہ کی ٹھنڈوں سے بتایا اس کے بعد اس کو قریش نے بتایا جیسا کہ بیان ہوا۔

عبداللہ ابن زبیرؓ کے زمانے میں تعمیر کعبہ کی تجدید

قریش کی تعمیر کے بعد بیت اللہ کو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے تعمیر کر لیا۔

ابن زبیرؓ کا لقب..... حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا لقب ابو خبیب تھا۔ ان کا یہ لقب اس لئے پڑا کہ مدینے میں ایک شخص تھا جس کا نام خبیب تھا یہ شخص بہت لمبی نماز پڑھا کرتا تھا اور بہت کم گفتگو کیا کرتا تھا۔ چونکہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ خبیب نامی اس شخص کے مشابہ تھے اس لئے ان کو ابو خبیب کہا جانے لگا۔ علامہ ابن جوزی نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو ابو خبیب کہنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ عبداللہ ابن زبیرؓ کے ایک لڑکا تھا جس کا نام خبیب تھا چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

”خبیب ابن عبداللہ ابن زبیرؓ کے خلیفہ ولید کے حکم پر عمر ابن عبدالعزیزؓ نے (جو مدینے کے گورنر تھے) سو کوڑے لگائے تھے جس کی تاب نہ لا کر وہ مر گئے تھے (اس سزا کا سبب یہ تھا کہ) خبیب نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث نقل کی تھی کہ آپ نے فرمایا۔

بنی امیہ کے متعلق ایک حدیث..... ”جب ابو العاص کی ولاد چالیس آدمیوں تک۔ اور ایک روایت کے مطابق۔ تیس آدمیوں تک پہنچ جائے گی۔ نیز ایک روایت کے مطابق۔ جب حکم کی ولاد تیس آدمیوں تک۔ اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ۔ جب بنی امیہ کی تعداد چالیس تک پہنچ جائے گی تو وہ اللہ کے بندوں کو غلام بنالیں گے، اللہ کے مال کو اپنی ریاست بنالیں گے اور اللہ کے دین کو خراب کریں گے۔ اسی طرح ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ اللہ دین کو اور اللہ کی کتاب کو بدل دیں گے۔“

علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ حدیث جس میں بنی امیہ کا لفظ ہے اور چالیس آدمیوں کا ذکر ہے منقطع ہے۔

غرض جب ولید کو معلوم ہوا کہ خبیب نے بنی امیہ کے یعنی اس کے خاندان کے بارے میں (کیا کہا ہے تو اس نے اپنے چچا زاد بھائی عمر ابن عبدالعزیزؓ کو جو اس وقت مدینے کے گورنر تھے لکھا کہ وہ خبیب کے سو کوڑے لگائیں۔ چنانچہ عمر ابن عبدالعزیزؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اس کے بعد ایک گھرے میں پانی ٹھنڈا کر کے سخت سردی کے دن میں خبیب پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا اور پھر ان کو قید میں ڈال دیا۔ آخر جب خبیب کی تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی تو عمر ابن عبدالعزیزؓ نے ان کو قید سے نکالا اور اپنے کئے پر بہت دھم دیا اور شرمندہ ہوئے (مگر خبیب اس سزا کی تاب نہ لا کر چل بسے) جب عمر نے ان کی موت کا حال سنا تو لاپتہ ہوئے ہوتے زمین پر گر گئے اور اسی وقت مدینے کی گورنری سے استعفاء دے دیا۔

اس واقعہ کے بعد جب بھی عمر بن عبدالعزیزؓ سے کہا جاتا کہ خوش خبری ہے آپ کے لئے تو وہ جھلپ

۱۔ حدیث منقطع ایسی کثر در حدیث کو کہتے ہیں جسکی سند میں خلف مقامات سے ایک یا کئی مدلولی سا قاطع ہو رہے ہوں۔ مرتب

میں کہتے۔

”میرے لئے کسی خوش خبری ہو سکتی ہے جبکہ خُصیب میری دلورہ کے کھڑا ہوا ہے۔“
عَظَم کے متعلق پیشین گوئی..... (عَظَم کی ولاد کے تیس تک پہنچنے کا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ کتاب دلائل
 النبوة میں علامہ بیہقی نے ایک روایت بیان کی ہے جس میں ولوی کہتا ہے۔

میں ایک مرتبہ امیر معاویہ ابن ابوسفیان کے پاس موجود تھا۔ اس وقت حضرت معاویہ کے پاس
 حضرت ابن عباسؓ بھی تخت پر بیٹھے ہوئے تھے اسی وقت مروان ابن عَظَم حضرت معاویہ کے پاس آیا اور ان سے
 کہنے لگا۔

”اے امیر المومنین امیری ضرورت پوری فرما دیجئے خدا کی قسم میں ہڈی زبردست مصیبت میں مبتلا
 ہوں کہ دس بیٹوں کا تو میں باپ ہوں، دس بھتیجیوں کا چچا ہوں اور دس میرے بھائی ہیں۔“

جب مروان چلا گیا تو حضرت معاویہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا۔

”اے ابن عباس! میں تمہارے سامنے خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ
 نے فرمایا تھا کہ جب عَظَم کی ولاد میں تیس آدمی ہو جائیں گے تو وہ اللہ کے مال کو اپنی ریاست سمجھنے لگیں گے، اللہ
 کے بندوں کو اپنا غلام سمجھنے لگیں گے اور اللہ کی کتاب کو اپنا کھلونا سمجھنے لگیں گے۔ اور پھر جب ان کی تعداد چار
 سو ننانوے تک پہنچ جائے گی تو ان کی چاہی میں اتنی دیر بھی نہیں لگے گی جتنی مجبور کو چانے میں لگتی ہے۔“
 یہ سن کر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ ”بے شک یہ صحیح ہے۔“

چار سرکشوں کا باپ..... اس کے بعد پھر مروان کو شک و سنی پیش آئی تو اس نے اپنے بیٹے عبد الملک کو خلیفہ
 معاویہؓ کے پاس بھیجا اور اس نے اگر حضرت امیر معاویہؓ سے بات کی۔ جب عبد الملک چلا گیا تو امیر معاویہؓ نے
 پھر حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا۔

”اے ابن عباس! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کا یعنی
 عبد الملک کا ذکر کرتے ہوئے اس کو چار سرکشوں کا باپ فرمایا تھا۔“

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ ”بے شک یہ صحیح ہے۔“ چنانچہ عبد الملک کے چار بیٹے خلیفہ ہوئے۔

(یہ بات قابل غور ہے کیونکہ عبد الملک کے بیٹوں میں سلیمان ابن عبد الملک کو سرکش نہیں کہا جاسکتا

کیونکہ وہ ایک خدا ترس آدمی تھے جیسا کہ آگے ان کے حالات کا بیان آ رہا ہے)

نبوت کی نشانی..... یہ بات بھی قابل غور ہے کیونکہ (اس میں آنحضرت ﷺ کے عبد الملک کے متعلق اس
 ارشاد سے) معلوم ہوتا ہے کہ عبد الملک (نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہے اور وہ) صحابی ہیں۔ ہاں یہ کہا
 جاسکتا ہے کہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ نے عبد الملک کے وجود سے بھی پہلے اس کا ذکر فرما کر اس کے متعلق یہ
 پیشین گوئی فرمائی ہو۔ اس طرح یہ بات رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے شمار کی جائے گی۔ مگر ابن کثیر
 لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بہت زیادہ غریب اور منکر ہے (حدیث غریب اور منکر کی تعریف پچھلی قسطوں میں گزر
 چکی ہے)۔

(حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کو ابو خُصیب کہنے کا) سبب کتاب کشاف کے ایک حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ

خُصیب حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کا سب سے ناکارہ بیٹا تھا اس لئے حضرت عبد اللہؓ کے دشمنوں نے ان کو اسی بیٹے

کے نام کے ساتھ لقب دیا تھا اور ان کو ابو خبیب کہنے لگے تھے۔

کچھ مؤرخوں نے یہ سبب لکھا ہے کہ خبیب نام کو عزت افزائی اور اعزاز کے لئے ان کے لقب میں شامل کیا گیا تھا۔ اس سے ان کی توہین نہیں ہوتی تھی بلکہ اعزاز ہوتا تھا (یعنی خبیب کی عظمت کی وجہ سے دوسروں کا اعزاز کرنے کے لئے ان کو بھی خبیب کہہ دیا جاتا تھا) بہر حال پچھلا قول اس قول کی روشنی میں غلط ہو جاتا ہے۔ مگر خود یہ بات بھی پچھلے قول کی روشنی میں غلط ہو جاتی ہے۔

علامہ کوثر امیں..... علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ جن علماء کو کوڑوں سے مارا گیا ان میں حضرت سعید ابن مسیب بھی ہیں ان کو عبد الملک ابن مروان نے سو کوڑے لگوائے تھے کیونکہ اس نے ولید (ابن یزید ابن عبد الملک کے خلیفہ بننے پر) لوگوں سے اس کی اطاعت کی بیعت لینے کے لئے مدینے میں آوی بیچا مگر حضرت سعید نے بیعت دینے سے انکار کر دیا اس پر عبد الملک نے لکھا کہ ان کے سو کوڑے لگائے جائیں اور سخت سردی کے وقت میں ان پر ٹھنڈا پانی ڈالا جائے نیز ان کو لون کا جبہ پہنایا جائے۔ چنانچہ حضرت سعید کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا جیسا کہ خبیب کے ساتھ کیا گیا تھا۔

(یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ ولید نام کے دو آدمی ہیں ایک ولید ابن یزید ابن عبد الملک یعنی عبد الملک کا چچا اور ایک ولید ابن عبد الملک کا بیٹا ہے)۔

عبد الملک نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کے لئے جو عہد لیا تھا اس کے متعلق کتب البدایہ والنہایہ میں یہ ہے کہ جب بیعت کا سلسلہ مدینے میں پہنچا تو حضرت سعید ابن مسیب نے بیعت دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر مدینے کے نائب نے ان کے ساتھ کوڑے لگوائے اور ان کو بالوں کے کپڑے پہنائے۔ پھر ان کو ایک لونٹ پر بٹھا کر سارے شہر میں گھمایا اور اس کے بعد ان کو قید خانے میں ڈالوا دیا۔ مگر عبد الملک کو یہ خبر پہنچی تو اس نے مدینے کے گورنر کے پاس آوی بیچا اور اس کو اس حرکت پر بہت تنبیہ اور سرزنش کی۔ ساتھ ہی اس نے یہ حکم بھیجا کہ حضرت سعید کو قید سے رہا کیا جائے۔ یہاں تک علامہ ابن کثیر کا کلام ہے۔

مگر علامہ بلاذری نے یہ لکھا ہے کہ :-

مدینے کا گورنر جابر ابن سود تھا جو حضرت عبد اللہ ابن زبیر کی طرف سے مقرر کیا ہوا تھا اور اسی نے حضرت سعید کے سو کوڑے لگوائے تھے کیونکہ انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن زبیر کی خلافت پر بیعت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہاں تک علامہ بلاذری کا کلام ہے۔

(یہاں حضرت سعید کے کوڑے مدے جانے کے متعلق روایتوں میں جو اختلاف ہے اس کو دور کرنے کے لئے یہ) کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت سعید نے دونوں مرتبہ خلافت کی بیعت دینے سے انکار کیا ہو کیونکہ حضرت ابن زبیر کی خلافت عبد الملک کی خلافت سے پہلے ہوئی ہے جو ولید کا باپ تھا۔

علامہ ابن کثیر نے اس بات کی وضاحت بھی کی ہے کہ حضرت سعید کے سو کوڑے لگوائے گئے تھے۔ اسی طرح اس سے پہلے جب انہوں نے حضرت ابن زبیر کے لئے بیعت دینے سے انکار کیا تھا اس وقت بھی ان کے کوڑے لگوائے گئے تھے نیز ان کے اس وقت بھی کوڑے لگوائے گئے تھے جب انہوں نے ولید کے لئے بیعت دینے سے انکار کیا تھا۔

علامہ شمرانی نے حضرت سعید کے حالات میں لکھا ہے کہ :-

چونکہ حضرت سعید نے عبد الملک کے لئے بیعت دینے سے انکار کر دیا تھا اس لئے عبد الملک ابن مروان نے ان کو سزا دی اور انہیں چھینے والا لباس پہنایا نیز اس نے لوگوں پر پابندی لگا دی کہ حضرت سعید کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا نہ کریں۔ چنانچہ اس کے بعد جب بھی کوئی شخص ان کے پاس آتا تو حضرت سعید اس سے کہتے۔ ”جاؤ میرے ساتھ مت بیٹھو اس لئے کہ ان لوگوں یعنی حاکموں نے مجھے کوڑوں کی سزا دی ہے اور لوگوں کو مجھ سے ملنے جلنے سے منع کر رکھا ہے۔“ یہاں تک علامہ شعرانی کا کلام ہے۔

یہاں مقصد یہ نہیں ہے کہ حضرت سعید نے خود عبد الملک کے لئے بیعت دینے سے انکار کیا تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ عبد الملک اپنے بیٹے ولید کے لئے جو بیعت لے رہا تھا اس کو قبول کرنے سے حضرت سعید نے انکار کر دیا تھا اس طرح اس روایت میں اور کچھ روایت میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ ولید کے متعلق پیشین گوئی..... حضرت سعید ابن مسیب نے ولید کے لئے بیعت کرنے سے اس لئے انکار کر دیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت بیان کرتے تھے کہ

”اس امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام ولید ہو گا وہ میری امت کے لئے اس سے زیادہ خطرناک ہوگا جتنا فرعون اپنی قوم کے لئے تھا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ وہ میری امت کے لئے اس سے زیادہ نقصان دہ ہوگا جتنا فرعون اپنی قوم کے لئے تھا۔ ایک روایت میں اس کے بعد یہ لفظ بھی ہیں کہ وہ جہنم کا ایک ستون یا ایک کونہ ہوگا۔“

چنانچہ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ولید نامی شخص یہ ولید ابن عبد الملک ہے۔ مگر علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ وہ ولید ابن یزید ابن عبد الملک ہے ولید ابن عبد الملک نہیں ہے جو اس ولید کا چچا تھا (کیونکہ چچا اور بچے دونوں کا نام ولید ہی تھا ایک عبد الملک کا بیٹا تھا اور ایک پوتا تھا۔ علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس کے بارے میں یہ پیشین گوئی فرمائی تھی وہ عبد الملک کا پوتا تھا۔

حضرت سعیدؓ اور تعبیر خواب..... یہ حضرت سعید ابن مسیبؓ اپنے وقت میں سب سے بڑے خواب کی تعبیر بتلانے والے شخص تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ میں اپنے ہاتھ پر پیٹاب کر رہا ہوں۔ حضرت سعید نے اس خواب کی تعبیر میں فرمایا کہ تمہاری بیوی کوئی ایسی عورت ہے جس سے رشتے میں تمہارا نکاح جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اس شخص نے جا کر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی سے اس کا رضاعی رشتہ یعنی دودھ کا رشتہ ہے (جس کے بعد شرعاً ان دونوں کا نکاح جائز نہیں تھا)۔

حضرت سعیدؓ نے خواب کی تعبیر بتلانے کا علم حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ سے حاصل کیا تھا اور حضرت اسماء نے یہ فن اپنے والد بزرگوار حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حاصل کیا تھا۔ حضرت سعیدؓ سے یہ فن علامہ ابن سیرینؒ نے حاصل کیا۔

حضرت ابوبکرؓ اور تعبیر خواب..... ابن سیرینؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے وقت میں رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بڑے خواب کی تعبیر بتلانے والے تھے۔ صدیق اکبرؓ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں اور آپ کی موجودگی میں بھی خواب کی تعبیر دیا کرتے تھے۔

زہری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا اور حضرت ابوبکرؓ سے بیان فرمایا کہ۔

”میں نے دیکھا کہ گویا میں لوہے کی سیر میں گری ہوئی اور پھر میں تم سے ڈھائی سیر میلو پر چڑھ گیا۔“

حضرت ابو بکرؓ نے اس کی تعبیر دیتے ہوئے عرض کیا۔

”یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ مغفرت اور رحمت کی طرف آپ کو پہلے بلا لے گا (یعنی آپ کی روح قبض فرما لے گا) اور میں آپ کے بعد ڈھائی سال تک زندہ رہوں گا۔“

چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسے حضرت ابو بکرؓ نے تعبیر دی تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کے بعد دو سال سات مہینے

زندہ رہے۔

آنحضرت ﷺ کا ایک اور خواب..... ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے اپنا خواب بیان فرمایا کہ میں نے دیکھا جیسے سیاہ بکریاں میرے پیچھے ہیں پھر اس کے بعد سفید بکریاں میرے پیچھے آگئیں یہاں تک کہ (وہ اتنی زیادہ تھیں کہ) ان میں سیاہ بکریاں نظر بھی نہ آتی تھیں۔

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا۔

”یا رسول اللہ! جہاں تک کہ سیاہ بکریوں کا تعلق ہے ان سے مراد عرب ہیں جو مسلمان ہوں گے اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی اور جہاں تک سفید بکریوں کا تعلق ہے ان سے مراد عجم یعنی غیر عرب ہیں جو اتنی بڑی تعداد میں مسلمان ہوں گے کہ ان کی کثرت کی وجہ سے عرب ان میں نظر بھی نہ آئیں گے۔“

آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ اخیر افرشتے نے بھی اس خواب کی یہی تعبیر دی ہے۔

حضرت ابن زبیرؓ کی تعمیر کعبہ کا سبب

یزید کا فسق و فجور..... یزید ابن معاویہ کو معلوم ہوا کہ مدینے والوں نے اس کی اطاعت سے انکار کر دیا ہے اور کھلم کھلا اس کو برا بھلا کہتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں کہ اس کا کوئی دین نہیں ہے کیونکہ اس کے حلق مشہور ہو گیا تھا کہ اس نے حرام رشتے والی عورتوں سے نکاح کو جائز کر لیا ہے۔ ہمیشہ شراب پیتا ہے، نماز نہیں پڑھتا اور کتوں کی بازیابان لگاتا ہے۔

اس پر یزید ابن معاویہ نے مدینے والوں کے خلاف ایک لشکر روانہ کیا جس میں ہزار گھوڑے سوار اور سات ہزار پیادے تھے اس لشکر کا سپہ سالار مسلم ابن قتیبہ تھا یہ لشکر مدینے والوں سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔

(جہاں تک یزید کے ان فسق و فجور میں جلا ہونے کا تعلق ہے اس کی تصدیق ان روایتوں سے ہو جاتی ہے جو بعض معتبر مورخوں نے بیان کی ہیں کہ یزید کے پاس ایک بندر تھا جس کو وہ اپنی شراب کی مجلس میں لے کر آیا کرتا تھا اور اس کے لئے ایک ٹکیہ لگایا کرتا تھا اور پھر اپنے جام میں کی بجی ہوئی شراب اس کو پلاتا تھا۔ اس کے لئے اس نے ایک جنگل گدامی لے کر اس کو اس بندر کے لئے سدھ لیا تھا اس گدامی کے لئے اس نے سونے کی زین تیار کرائی تھی اور اس پر اس بندر کو بٹھا کر کبھی کبھی اسے گھوڑوں کے ساتھ دوڑایا کرتا تھا، اس بندر کو ایک قبائلیہ ہستیا کرتا تھا اور سرخ ریشم..... کی ٹوپی..... اڑھلایا کرتا تھا۔

کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے؟..... شافعی مسلک کے بڑے علماء میں سے علامہ الکلباہری ہیں جو لام

الحرمین علامہ نظیر غزالی کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے۔ ان سے اس یزید کے متعلق پوچھا گیا کہ آیا وہ صحابہ میں سے تھا اور کیا (اس کے اعمال کی وجہ سے) اس پر لعنت کرنا جائز ہے؟

اس پر علامہ ہر اسی نے جواب دیا کہ یزید صحابہ میں سے تو نہیں تھا اس لئے کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے زمانے میں پیدا ہوا ہے۔ اس پر لعنت بھیجنے کے سلسلہ میں امام احمد بن حنبل کے دو قول ہیں جن میں سے ایک میں صاف لعنت کا فتویٰ ہے اور دوسرے میں واضح فتویٰ نہیں ہے، اسی طرح امام مالک اور امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔ اور ہمارے یہاں (یعنی شافعیوں میں) اس بارے میں ایک ہی قول ہے اور وہ صرف یہی ہے کہ لعنت کا قول ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ جواری تھا اور شکار میں بازی لگایا کرتا تھا اور ہمیشہ شراب کے نشہ میں رہتا تھا۔ نیز شراب کے سلسلہ میں جو شعر کے ہیں وہ تو کافی مشہور ہیں۔ یہاں تک علامہ ہر اسی کا کلام ہے۔

علامہ غزالیؒ سے بھی کسی نے پوچھا کہ کیا ایسا شخص جو یزید پر لعنت کرنے کا حکم لگائے وہ فاسق اور گناہ گار ہو گا اور کیا یزید کے لئے رحمت کی دعا کرنا جائز ہے؟

مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں..... علامہ نے جواب دیا کہ جو شخص یزید پر لعنت کرتا ہے وہ فاسق اور گناہ گار ہے کیونکہ مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح وحشی جانوروں تک پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس بارے میں حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ایک مسلمان کی حرمت اور احترام کیجئے سے بھی زیادہ ہے۔ جہاں تک یزید کا تعلق ہے اس کا مسلمان ہونا ثابت ہے اور دوسرے حضرت امام حسینؑ کے قتل کے لئے اس کا حکم دینا اس پر اس کا راضی ہونا ثابت نہیں ہے اور جب تک یہ بات اس کے متعلق ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے متعلق اس بارے میں بدگمانی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مسلمان کے متعلق بدگمانی کرنا حرام ہے۔ چنانچہ جب تک کسی واقعہ کی حقیقت اور اصلیت ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک نیک خیال اور حسن ظن رکھنا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ (اگر یزید کو امام حسینؑ کا قاتل مان بھی لیا جائے تو) قتل کرنا کافر نہیں ہے بلکہ ایک گناہ کبیرہ ہے۔ لہذا اس پر رحمت بھیجنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ یزید مومنوں میں داخل ہے اور ہم نمازوں میں (یعنی نماز جنازہ میں) **اللَّهُمَّ احْفَظْ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ** یعنی اے اللہ مومن مردوں اور عورتوں کی مغفرت فرما۔ کہتے ہیں۔ یہاں تک علامہ غزالیؒ کا کلام ہے۔

مگر علامہ الکلیا ہر اسی نے یزید پر لعنت بھیجنے کا جو حکم لگایا ہے اس کو ہمارے (یعنی علامہ حلبیؒ کے) استاد شیخ محمد ابجرؒ کی مانتے تھے۔ لہذا ان کے والد علامہ شیخ ابوالحسنؒ بھی مانتے تھے۔

نیز میں نے اپنے ان ہی استاد کے ایک پیر دلور متوسل کے کلام میں یزید کے حق میں ان کے یہ الفاظ دیکھے ہیں کہ۔ "اللہ تعالیٰ اس کی رسوائی میں اضافہ کرے اور اس کو دوزخ کی بدترین جگہ دے۔"

علامہ ابن جوزیؒ لکھتے ہیں کہ بڑے بڑے اور متقی علماء نے یزید پر لعنت بھیجنے کو جائز قرار دیا ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ نے اس بارے میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے۔

اسی طرح علامہ سعد تفتازانیؒ نے لکھا ہے کہ مجھے اس کے اسلام ہی نہیں بلکہ اس کے ایمان میں بھی شک ہے اس پر اور اس کے مددگاروں اور ساتھیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

کسی متعین کافر شخص پر بھی لعنت کرنا جائز نہیں..... (علامہ تفتازانیؒ کا یہ قول اس مسئلہ کے خلاف

ہے جس میں ہے کہ کسی متعین کافر آدمی پر لعنت بھیجا جائز ہے یعنی پورے فرقہ کے متعلق کہا جاسکتا ہے لیکن کسی متعین آدمی کے متعلق جو کافر ہو لعنت کے الفاظ کہنا جائز نہیں ہے اب یہاں اگر یزید کو ان کے قول کے مطابق مسلمان کے بجائے کافر مانا جائے تو اس صورت میں بھی نام لے کر اس پر لعنت بھیجنا مسئلے کے لحاظ سے نہیں جائز ہوتا چاہئے لیکن یہاں علامہ تھمالانیؒ کا اس پر کافر کی حیثیت سے لعنت بھیجنا ایک استثنائی بات کہی جائے گی (کہ گویا یزید کے معاملے میں اس کو کافر مانتے ہوئے اس پر لعنت بھیجنا دوسرے کافروں کے برخلاف جائز ہے)۔

نبی اُمیہ سے مدینے والوں کی مخالفت..... (اس کے بعد پھر یزید کی مخالفت اور اطاعت سے مدینے والوں کی مخالفت اور انکار کا ذکر کرتے ہیں کہ) جب مدینے والوں نے یزید کی بیعت اور تابعداری کو ختم کر دیا تو انہوں نے حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ کو اپنا امیر بنالیا جن کے والد کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ان کو فرشتوں نے قتل دیا تھا۔ ان لوگوں نے یزید کے گور کو مدینے سے نکال دیا یہ مروان ابن حکم تھا۔ اسی طرح مدینے کے لوگوں نے نبی اُمیہ (یعنی خاندان خلافت) کے دوسرے لوگوں کو بھی مدینے سے نکال دیا۔ یہاں تک کہ مدینے والوں نے کہا کہ ہم نے یزید کی بیعت کو اس وقت ختم کیا جب ہمیں یہ ڈر ہو گیا کہ ہم پر (یزید کی بد عملیوں اور فسق و فجور کی وجہ سے) آسمان سے پتھر برسنے لگیں گے۔

یزید کی مدینے پر چڑھائی..... چنانچہ حرہ کے مقام پر یزید کی فوجوں اور مدینے کے مسلمانوں کے درمیان وہ زبردست اور خون ریز لڑائی ہوئی جس میں ایسا لگتا تھا کہ مدینے کا آخری آدمی تک قتل ہو جائے گا۔ اس لڑائی میں حضرات صحابہ اور تابعین (جو یزید کے خلاف تھے) کی ایک بہت بڑی تعداد شہید ہو گئی (اس کے بدلے میں رسول اللہ ﷺ نے بہت مدت پہلے حرہ کے مقام پر پیشین گوئی فرمائی تھی کہ یہاں میرے بڑے بڑے صحابہ قتل ہوں گے)۔

دختران مدینہ پر یزید کے مظالم..... ایک قول یہ ہے کہ اس لڑائی میں شہید ہونے والے صحابہ صرف تین تھے اور ان میں حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ بھی تھے۔ اس لڑائی کے بعد (یزید کے فوجیوں نے مدینے کو لوٹا اور ایک ہزار کنواری لڑکیوں کی بے آبروئی اور عصمت دری کی) جن میں بڑے بڑے صحابہ کی صاحبزادیاں بھی شامل تھیں)۔

مسجد نبوی کی بے حرمتی..... جب تک یہ افسوس ناک لڑائی ہوئی مسجد نبوی میں نہ لڑاؤ ہو سکی اور نہ جماعت ہو سکی یہ لڑائی تین دن تک ہوئی (جو یزید کے حکم پر اور اس کی ہدایتوں کے مطابق ہوئی اور جو اس وقت اپنے آپ کو خلیفہ رسول اور امیر المومنین کہتا تھا)

صحابہ، تابعین اور حفاظ کا قتل عام..... بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس لشکر نے جس کو یزید نے مدینے پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا زبردست فتنہ و فساد اور خون ریزی کی اور مسلمانوں کو قید کیا اور مدینے میں قتل عام کو جائز رکھا۔ اس جنگ میں صحابہ کرام اور تابعین میں سے ایک مخلوق شہید کی گئی۔ قریش اور انصاریوں میں کے شہیدوں کی تعداد تین سو چھ مردوں تک ہے اور قرآن پاک کے قاری جو شہید کئے گئے ان کی تعداد سات سو تک ہے۔

مزار مبارک کی بے حرمتی..... ابن دہبیہ کی کتاب تنویر میں ہے کہ مہاجر اور انصاری مسلمانوں میں سے

ایک ہزار سات سو آدمی ہلاک کئے گئے اور سات سو قرآن پاک کے حافظ قتل کئے گئے گھوڑوں کو مسجد نبوی میں باندھا گیا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے جزا مہلک اور منبر شریف کے درمیان لید اور گویز یکا مدینے کے لوگ اس قدر خوفزدہ کر دیئے گئے تھے کہ کتے مسجد نبوی میں داخل ہوتے اور آنحضرت ﷺ کے منبر شریف پر بیٹھ جاتے تھے۔

یزید کی بیعت کے لئے ظالمانہ شرائط..... اس ہلاک لشکر کا سپہ سالار اس شرط کے سوا کسی بات پر راضی نہیں تھا کہ مدینہ والے یزید کی خلافت کے لئے اس طرح بیعت کریں کہ وہ یزید کے غلام ہیں وہ چاہے تو ان کو فروخت کر دے اور چاہے تو آؤ لو کر دے اس شخص کی اس بیوہ و شرط پیدینے کے بعض لوگوں نے کہا کہ بیعت تو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی سنت پر ہی ہو سکتی ہے اس پر اس شخص نے ان بولنے والوں کی گردنیں مار دیں۔

صحابہ کرام پر مظالم..... بخاری میں ہے کہ جب (مقام حرہ کی اس جنگ سے پہلے) یزید نے مدینہ والوں کو بہت زیادہ خوف زدہ کیا تو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی اولاد اور اپنے غلاموں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا ”ہم نے اس شخص سے یعنی یزید سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بیعت کے مطابق بیعت کر لی ہے (کیونکہ وہ یزید کی شیطنت اور طاقت کے مقابلے میں مدینہ والوں کا انجام پہلے ہی دیکھ رہے تھے) اس لئے اب خدا کی قسم مجھے یہ نہ معلوم ہو کہ تم میں سے کسی نے اس اطاعت سے ہاتھ بچھ لیا ہے ورنہ میرے اور اس کے درمیان تیر اندازی ہوگی۔“

اتنا کہ کر حضرت ابن عمرؓ اپنے گھر میں بیٹھ رہے (اور باہر نکلا اور ملنا جلنا چھوڑ دیا)
حضرت ابوسعید خدریؓ سے بدسلوکی..... اسی طرح حضرت ابوسعید خدریؓ بھی اپنے گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہے تھے مگر اس کے باوجود یزید کے لشکر میں سے ایک بڑا مجمع ان کے گھر پر پہنچا اور ان سے کہنے لگا ”بوڑھے! تو کون ہے۔“

انہوں نے فرمایا

”میں رسول اللہ ﷺ کا صحابی ابوسعید خدری ہوں۔“

سپاہیوں نے کہا۔

”ہمیں تمہارے حقائق معلوم ہو چکا ہے۔ تم نے اپنا ہاتھ روک کر اور گھر میں بند ہو کر اچھا ہی کیا ہے۔“

مگر اپنا مال ہمیں نکال کر دے۔“

حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا

”مال تو وہ لوگ چھین لے گئے جو تم سے پہلے میرے مکان میں کھس آئے تھے۔ اب میرے پاس کچھ نہیں ہے۔“

اس پر ان لوگوں نے (جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور یزید کے سپاہی تھے) کہا کہ تو جھوٹا ہے اور

س کے بعد انہوں نے حضرت ابوسعیدؓ کی دواڑھی پکڑ کر کھینچی۔

نصرت جابر ابن عبد اللہؓ سے بدسلوکی..... ان ہی دنوں میں ایک روز حضرت جابر ابن عبد اللہؓ اپنے گھر

سے نکلے اور مدینہ کی تنگ گلیوں میں پھرنے لگے۔ وہ اس وقت نابینا ہو چکے تھے اس لئے وہ گلیوں میں پڑی ہوئی

لاشوں سے ٹھوکریں کھاتے جاتے تھے اور کہتے تھے
”وہ شخص برباد ہو گا جس نے رسول اللہ ﷺ کو ڈر لیا۔“

یہ سن کر یزید کی فوج میں کے کسی شخص نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کس نے ڈر لیا ہے۔
حضرت جابرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:-
”جس نے مدینہ کو ڈر لیا اس نے گویا اس چیز کو ڈر لیا جو میرے پہلو میں ہے۔“

یہ سن کر ان سپاہیوں میں سے کئی آدمیوں نے ایک دم حضرت جابرؓ کو قتل کرنے کے لئے ان پر حملہ کیا مگر مردان نے ان کو پتھری اور اپنے گھر میں لے گیا۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اس روز (یعنی جس دن جرّہ کی لڑائی ہوئی) ہمارے والد ابو انصاری مسلمہ اور
میں سے ایک ہزار سات سو آدمی شہید کئے گئے اور دوسرے عام لوگوں میں عورتوں اور بچوں کے سوا کسی ہزار
انسان قتل کئے گئے۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ایک انصاری عورت تھی جو اپنے بچے کو گھر میں بیٹھے دودھ پلا رہی تھی کہ اچانک
یزید کا ایک سپاہی گھر میں گھس آیا اور جو کچھ گھر میں مل سکا وہ سب لوٹ لیا اس کے بعد اس نے اس عورت سے
محصوم بچوں پر مظالم اور اس کا انجام..... مہنا سونا نکال کر دے ورنہ میں تجھے اور تیرے بچے کو مار ڈالوں گا۔“

اس عورت نے کہا
”تیرا ابراہم تو نے اگر اس بچے کو قتل کیا تو سمجھ لے کہ اس کے باپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت
ابوبکرؓ تھے اور میں خود ان عورتوں میں سے ہوں جنہوں نے آنحضرت کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔“
(مگر اس بد بخت پر اس عورت اور بچے کے مرتبے کا خیال پھر بھی نہ ہوا اور اس نے اس بچے کو جس
منہ میں ملائی چھاتی تھی اس کی گود میں سے چھین لیا اور اس کو دیوار پر دے پٹکا یہاں تک کہ اس کا سر پھٹ
زمین پر بھیجا بننے لگا۔
مگر اس کے بعد یہ شخص ابھی گھر سے باہر بھی نہیں نکلا تھا اس کا آدھا چہرہ سیاہ ہو گیا اور اس کی شکل انتہا
بھیاںک ہو گئی۔

علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ عورت اس بچے کی ماں نہیں بلکہ دلدی تھی کیونکہ یہ بارہ
عام عادت کے خلاف ہے کہ جس عورت نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ہو وہ جنگہ جرّہ
وقت ایسی عمر میں ہو کہ بچے کو دودھ پلا سکے (کیونکہ یہ جرّہ کا واقعہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد ۶۳
میں ہوا جبکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کو تقریباً چوتھ (۵۴) سال گزر چکے تھے۔
اس قتل عام کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی..... جرّہ کا یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت
کی نشانیوں میں سے ایک تھا اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ اسی جرّہ کے مقام پر تھے
آپ ﷺ نے فرمایا۔

”اس جگہ ایسے ایسے لوگ قتل ہوں گے جو میرے صحابہ کے بعد میری امت کے بدترین لوگ ہوں“

گے۔

حضرت عبد اللہ ابن سلام سے روایت ہے (جو مسلمان ہونے سے پہلے یہودی تھے) کہ میں نے حضرت یعقوب کے بیٹے کی اس کتاب میں جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ جرہ کے اس واقعہ کی خبر پڑھی ہے اور یہ کہ اس فتنہ میں بڑے بڑے صالح اور بزرگ لوگ قتل ہوئے اور جو قیامت کے دن اپنے ہتھیار اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے آئیں گے۔

جرہ کا یہ واقعہ ۶۳ھ میں پیش آیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ یزید اس واقعہ سے یعنی جرہ کی لڑائی سے پہلے مدینے کے لوگوں کی بہت زیادہ دلوری اور غلطیوں کو دور گزر کرنے والا آدمی تھا اس نے لوگوں کو اس سے کئی گنا زیادہ احاطات دینے جو عام طور پر دینے جاتے ہیں تاکہ لوگ اس کی اطاعت کی طرف مائل ہو جائیں اور اس کی مخالفت سے خوفزدہ ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

ظالم کا انجام..... کتاب تنویر میں ہے کہ اس لشکر کے سپہ سالار مسلم ابن قتیبہ نے جب ذریعتی مدینے والوں سے (یزید کے لئے غلامی کی) بیعت لی تو اس کے تمنی دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک ایسے خوفناک مرض میں مبتلا فرمایا کہ یہ کتوں کی طرح بھونکنے لگا اور یہاں تک کہ اسی حالت میں مر گیا۔ اپنے بعد کے لئے مسلم ابن قتیبہ نے یزید کے حکم کے مطابق ایک شخص حصین ابن نمیر کو لشکر کا امیر بنا یا تھا کیونکہ جب یزید۔ مسلم ابن قتیبہ کو اس لشکر کا امیر بنا رہا تھا تو اس نے مسلم سے کہا تھا۔

”جب تو موت کے کنارے آگے۔ (ی) کیونکہ مسلم اس وقت بیٹ میں پانی آجانے کے مرض میں مبتلا تھا۔ تو اس لشکر کا امیر حصین کو بنا دیا۔“

یزید کے متعلق آنحضرت ﷺ کا فرمان..... یزید کے اس فتنے سے رسول اللہ ﷺ کے ایک لوشہ کی مدد ترقی ہوئی ہے (جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے) کہ

میری امت کے معاملات ہمیشہ انصاف اور دیانت داری سے چلتے رہیں گے یہاں تک کہ ایک شخص اس کا نام یزید ہو گا اس طریقہ میں رخنہ ڈالے گا۔

رار مبارک سے لڑان و اقامت کی آوازیں..... حضرت سعید ابن مسیب سے روایت ہے کہ۔ ”جرہ نے اس واقعہ کے دوران راتوں میں مسجد نبوی ﷺ میں تھا ہوتا تھا اور جب بھی نماز کا وقت آتا تو مجھے حضرت ﷺ کی قبر شریف میں سے لڑان اور اقامت یعنی تکبیر کی آواز آتی تھی۔“

حضرت سعید ابن مسیب کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ :-

”دنیا ایک حقیر چیز ہے جو حقیر آدمیوں کی طرف ہی بڑھتی ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے نام پر مشغول کیا تو لوگ اس کے محتاج ہو جاتے ہیں۔“

درمچاہ کرام میں ہے جن حضرات نے یزید کی بیعت توڑی تھی اور اس موقع پر شہید کئے گئے ان میں ت مفضل ابن سنان اجمعی بھی ہیں۔

حضرت علقمہ نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ ان سے یعنی حضرت ابن مسعود سے ایسی بات کے متعلق فتویٰ پوچھا گیا جس سے کسی شخص نے مرتدین کے بغیر نکاح کیا ہو (اور مرتدین کرنے اور

اس عورت کے ساتھ ہمستری کرنے سے پہلے اس مرد کا انتقال ہو گیا ہو۔

حضرت امین مسعودؓ نے فرمایا۔

”اس عورت کا مہر اس کے خاندان کی دوسری عورتوں کے عام مہر کے برابر ہوگا۔ اس سے نہ کم ہوگا اور نہ زیادہ اور اس عورت کو عدت گزارنی ہوگی اور اس کو میراث بھی ملے گی۔“

یہ سن کر یہ حضرت مقتل امینؓ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا۔

”رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت بروغ بنت واشق کے بارے میں یہی فیصلہ دیا تھا جو متاکا بیوہ تھی۔“

یہ بات سن کر حضرت امین مسعودؓ خوش ہو گئے۔

حضرت ابن زبیرؓ کی یزید سے جنگ کا سبب..... حضرت عبداللہ امین زبیرؓ نے (جو حضرت ابو بکر صدیقؓ

کے نواسے تھے) یزید کی خلافت کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا اسی طرح حضرت امام حسینؓ نے بھی اس کی

خلافت اور بیعت قبول نہیں کی تھی۔ جب یزید نے ان دونوں بزرگوں کے پاس بیعت لینے کے لئے اپنا آدمی بھیجا تو

انہوں نے بیعت دینے سے انکار کر دیا اور مدینہ چھوڑ کر کے چلے گئے۔ اس کے بعد حضرت حسینؓ کو شہید کیا گیا۔

امام حسینؓ اور کوفے والوں کی بے وفائی..... حضرت امام حسینؓ کے پاس کوفہ والوں نے اپلوں کو بھیجا کہ

آپ کو فہ آجائیے ہم آپ کی اطاعت کی بیعت کرنے کو تیار ہیں حضرت حسینؓ نے (کوفہ والوں کی اس بات پر

اتقار کر کے) کہاں جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس پر حضرت امین عباسؓ نے ان کو اس ارادے سے روکا اور ان کو کوفہ

والوں کی پچھلی غدیریاں یاد دلانیں کہ کس طرح انہوں نے ان کے والد ماجد حضرت علیؓ کو شہید کیا تھا اور کس

طرح ان کے بھائی حضرت حسنؓ کو دھوکہ دیا تھا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ امین عمر فاروقؓ اور حضرت عبداللہ

امین زبیرؓ نے بھی ان کو اس ارادے سے روکنے کی کوشش کی مگر حضرت حسینؓ نے ان خطرات کو نہیں ملا تھا۔

تک کہ حضرت عبداللہ امین عباسؓ روکنے لگے اور انہوں نے کہا۔

”افسوس میرے عزیز.....!“

حضرت امین عمرؓ نے (پاؤں ہو کر) فرمایا۔

”میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی لہان اور حفاظت میں دیتا ہوں۔“

ان کے بھائی حضرت حسنؓ نے ان سے ایک دفعہ کہا تھا۔

”کونے کے شریروں سے بچے رہنا کہ وہ تمہیں دغا دے کر نکال دیں اور (دشمنوں کے) حوالے کر دیں

اور اس وقت تم بچتے تاذ جب کہ تمہیں ضرورت کے وقت کوئی پناہ گاہ اور سارا نہ ملے۔“

حضرت حسینؓ کو اپنے قتل کی بات میں یہ بات یاد آئی اور انہوں نے اپنے بھائی حضرت حسنؓ پر رحم

بھیجی۔

امام حسینؓ کی کوفے کو روانگی..... اس وقت کے میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو حضرت حسینؓ کے کوفے

جانے پر رنجیدہ نہ ہو۔ حضرت حسینؓ سے پہلے حضرت مسلم ابن عقیلؓ آگے چل کر کوفے پہنچ گئے۔ چنانچہ

کوفے کے بارہ ہزار آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر حضرت حسینؓ کے لئے بیعت کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس

بھی زیادہ تعداد نے بیعت کی تھی۔

جب حضرت حسینؓ کوفہ کے سامنے پہنچے تو یزید کی جانب سے کوفے کا گورنر جو عبداللہ ابن زیاد تھا

ہزاروں لشکر لے کر حضرت حسینؑ کے مقابلے کے لئے سامنے آگیا۔ اس لشکر میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنہوں نے یزید سے اس امید پر بیعت کی تھی کہ امام حسینؑ کا معاملہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کے بعد آئندہ بڑے بڑے انعامات اور فائدے حاصل ہوں گے۔

امام حسینؑ کی شہادت..... جب یہ یزیدی لشکر حضرت امام حسینؑ کے سامنے پہنچا اور انہوں نے اس لشکر کی بے شمار تعداد دیکھی تو انہوں نے (لشکر سے ٹکرا کر مناسب نہ سمجھا اور ان کے سامنے تین باتیں رکھیں کہ ان میں سے کوئی ایک بات مان لیں۔

یا تو یہ کہ وہ یعنی حضرت حسینؑ جدھر سے آئے ہیں لوہری لوٹ جائیں۔

یا یہ کہ وہ کسی سرحد کی طرف چلے جائیں۔

اور یا یہ کہ وہ سیدھے یزید کے پاس جائیں اور وہ جو چاہے کرے۔

مگر اس لشکر نے ان میں سے کوئی بھی بات نہیں مانی بلکہ مطالبہ کیا کہ حضرت حسینؑ لشکر کے سپہ سالار عبداللہ ابن زیاد کے حکم پر وہیں اتر جائیں اور یزید کے لئے بیعت دیں۔ اس کو ماننے سے حضرت حسینؑ نے انکار فرمادیا۔

آخر ان لوگوں نے حضرت حسینؑ کے ساتھ جنگ کی۔ حضرت حسینؑ بے شمار زخموں کی وجہ سے کمزور ہو کر زمین پر گر گئے اور دشمنوں نے فوراً ان کا سر کاٹ لیا۔ یہ واقعہ دس (۱۰) محرم ۶۱ھ میں پیش آیا۔ اس کے بعد حضرت حسینؑ کا سر عبداللہ ابن زیاد کے سامنے لا کر رکھ دیا گیا۔

ابن زبیرؓ کی یزید کے خلاف جدوجہد..... حضرت حسینؑ کی شہادت کی خبر جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے پاس کے پہنچی تو وہ فوراً لوگوں کے گھروں میں پہنچے اور حضرت حسینؑ کی شہادت کے واقعہ کو ایک عظیم حادثہ قرار دیا۔ اب دو گھل کر یزید کے عیب اور برائیاں بیان کرنے لگے اور اس کی شراب نوشی وغیرہ کا ذکر کرنے لگے۔ وہ بنی امیہ کی برائیاں بیان کرتے اور انہیں تفصیل سے لوگوں کو بتلاتے۔

ابن زبیرؓ کے خلاف یزید کی قسم..... جب یزید کو یہ خبر پہنچی تو اس نے یہ قسم کھائی کہ حضرت ابن زبیرؓ کو بیڑیاں پہنا کر اپنے سامنے بلوائے گا۔ (اب قسم کا حال سن کر) شام کا ایک شخص حضرت ابن زبیرؓ کے پاس آیا۔ یہ شخص شاہی سواروں کے دستے میں کا تھا۔ اس نے حضرت ابن زبیرؓ سے بات چیت کی اور اس قتلے کو بہت اہم بتلایا۔ اس نے کہا۔

ابن زبیرؓ کو ایک مشورہ..... ”آپ کی وجہ سے حرم کی سر زمین کو بھی وہ خوں ریزی سے نہیں بخشے گا کیونکہ یزید آپ کو چھوڑنے والا نہیں ہے اور آپ میں اس کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں ہے اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ آپ کو بیڑیاں پہنا کر بلوائے گا۔ میں نے آپ کے لئے چاندی کی بیڑیاں بنائیں ہیں آپ (یہ بیڑیاں پہن کر) ان پر کپڑے پہن لیں (تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چل سکے اور اس کے بعد یزید کے پاس جا کر) امیر المومنین کی قسم پوری کرا دیجئے۔ اس لئے کہ صلح میں انجام کار بہتری اور خیر ہے اور آپ کے شایان شان بھی ہے۔“

یہ سن کر حضرت ابن زبیرؓ نے فرمایا

”میں اپنے معاملے میں غور کروں گا۔“

اس کے بعد وہ اپنی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور اس بارے میں ان سے مشورہ کیا۔

”میرے بیٹے اعزت کے ساتھ زندہ رہو اور عزت کے ساتھ مرنے کی آمیت کو اپنے لو پر اس طرح قابو مت دو کہ وہ تمہارا کھیل بنالیں۔“

(حضرت اسماء کے اس مشورہ کے بعد) حضرت ابن زبیرؓ نے (اس شای شخص کی اس بات سے انکار کر دیا اور خاموشی اور رتو داری کے ساتھ لوگوں سے اپنے لئے بیعت لینے لگے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے کلمہ کھلا بیعت لینے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ حجاز کے علاقے کے سب لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور وہ لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے جو قرہ کی جنگ میں ناکام ہو چکے تھے۔

یزید کا حملہ اور کعبے پر سنگ باری..... اب یزید کا لشکر (حضرت عبداللہ ابن زبیر کے مقابلے کے لئے) کے آگیا اور اس نے حضرت ابن زبیر کا محاصرہ کر لیا۔ اس لشکر نے منہجی یعنی گوپھن سے حملہ کیا۔ یہ منہجی انہوں نے ابو قیسؓ پہاڑ پر نصب کی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ اقمر پہاڑ پر نصب کی تھی۔ یہ دونوں پہاڑ کے میں ہیں۔ غرض منہجی کے حملوں سے کعبے کے خلاف اور چھٹ میں آگ لگ گئی اس لئے کہ قریش کے زمانے کی کعبے کی تعمیر اس طرح تھی کہ اس میں ایک ایک رداسال کی لکڑی کا تھا اور ایک ایک رداسال کا جیسا گزر چکا ہے۔ سنگ اندازوں پر عتاب خداوندی..... کتب شرف میں ہے کہ عصر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس لشکر پر بجلی کا ایک کوند اذلب کی صورت میں نازل فرمایا جس نے اس منہجی کو جلا دیا اور اس کے نیچے بیٹھے ہوئے اٹھارہ آدمی بھی ہلاک کر دیئے جو سب شای تھے۔

لشکر کی سرکشی اور کعبے کی آہو بکا..... لشکر والوں نے (اس منہجی کی بربادی کے بعد) ایک اور منہجی بنائی اور اس کو بھی ابو قیس پہاڑ پر نصب کیا۔

کہا جاتا ہے کہ منہجی کے ذریعہ سے کعبے میں جو آگ لگی جب وہ کعبے تک پہنچی تو اس میں اس طرح آہ آہ کی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی بید تکلیف میں کر رہا کرتا ہے۔ کعبے کی آتش زنی کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیش خبری..... کعبے میں آگ لگنے کا یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے کعبے کو جلائے جانے کے متعلق پہلے ہی خبردار فرمایا تھا چنانچہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت یسویٰ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

”تمہارا اس وقت کیا حال ہو جائے گا جب کہ دین میں فتنے پیدا ہو جائیں گے، لالچ اور خوف و وحشت لوگوں میں عام ہو جائے گا اور بیت اللہ کو آگ لگانے کا واقعہ پیش آئے گا۔“

مسئلہ تقدیر پر لوگوں کی چہ میگوئیاں..... کتاب عراقس میں ہے کہ وہ پہلا دن جس میں لوگوں نے قضا و قدر کے حقائق چہ میگوئیاں کیں یہی دن تھا۔ چنانچہ کسی نے کہا کہ کعبہ کا جتنا تقدیر خداوندی تھا اور کسی نے کہا کہ نہیں تقدیر الہی میں سے نہیں تھا (بلکہ انسان کا اپنا کیا ہوا فعل ہے) کہا جاتا ہے کہ یہ بات ابو معبدؓ نے اور ایک قول کے مطابق ابو الّاودودؓ نے کسی تھی۔ ایک قول کے مطابق ان دونوں کے علاوہ کوئی اور ہی کہنے والا تھا۔

یہاں پہلے دن سے مراد یہ ہے کہ یہ پہلا دن تھا جس میں قضا و قدر کے حقائق لوگوں میں بخشیں اور چہ میگوئیاں ہوئیں (کیونکہ اس مسئلے پر یوں تو پہلے بھی صحابہ میں بات چیت اور سوالات ہوئے ہیں لیکن اس موقع پر اسی طرح یہ مسئلہ عوام اور خواص کی بحثوں کا موضوع بناس سے پہلے ایسا نہیں ہوا تھا) چنانچہ اس تشریح کے

بعد اب اس واقعہ کو ماننے میں کوئی شہر نہیں پیش آتا کہ اس سے پہلے جنگ صفین کے وقت ایک شخص نے حضرت علیؑ سے پوچھا تھا کہ۔

”اے امیر المومنین! اس جنگ کے لئے ہمارے کوچ کے متعلق بتائیے۔ کیا یہ تقدیر الہی کے تحت ہوا ہے؟“

حضرت علیؑ نے فرمایا

”ہاں قسم ہے اس ذات کی جس نے بیج کو پیدا کیا اور روح کو عدم سے وجود میں لایا کہ ہم جس سرزمین کو بھی مدد دیتے ہیں، جس دلوں سے بھی گزرتے ہیں اور جس بلندی پر بھی چڑھتے ہیں وہ صرف تقدیر الہی کے تحت ہی ہوتا ہے۔“

جنگ صفین

تشریح..... جنگ صفین جس کا پہلی سطروں میں ذکر کیا ہے اس کے متعلق راقم الحروف کتب تاریخ ابوالفداء سے کچھ تفصیلات نقل کرتا ہے۔ یہ جنگ حضرت علیؑ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان خلافت کے معاملے میں ہوئی تھی۔ حضرت عمر و ابن عاص امیر معاویہؓ کے ساتھ تھے۔ حضرت علیؓ خلیفہ المسلمین تھے اور اکثر علاقوں میں لوگ ان کی خلافت تسلیم کر کے ان کی بیعت کر چکے تھے مگر شام کے علاقے میں امیر معاویہؓ کا اثر تھا اور لوگ ان کی بیعت تسلیم کر کے ان کو خلیفہ قرار دے چکے تھے۔ اس بارے میں تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ:-

حضرت علیؑ اور امیر معاویہؓ کے اختلافات..... جنگ جمل کے بعد بصرہ فتح کر کے حضرت علیؑ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو بصرہ کا گورنر بنادیا اور خود کوفہ کی طرف کوچ کیا، کوفہ میں انہوں نے قیام کیا اب عراق، مصر، ائین، حرین یعنی مکہ اور مدینہ، فارس اور خراسان ان کے انتظام میں آچکے تھے اب ان کی خلافت سے باہر صرف شام کا علاقہ رہ گیا تھا جہاں حضرت امیر معاویہؓ تھے اور شام کے لوگ ان کے اطاعت گزار تھے۔ حضرت علیؑ نے حضرت امیر معاویہؓ کے پاس جریر ابن عبداللہ بکلی کو بھیجا تاکہ وہ امیر معاویہؓ سے حضرت علیؑ کے لئے بیعت لیں اور امیر معاویہؓ بھی دوسرے تمام مہاجر اور انصاری مسلمانوں کی طرح حضرت علیؑ کی اطاعت قبول کر لیں۔ چنانچہ جریر امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے امیر معاویہؓ بیعت دینے کے بجائے جریر کے ساتھ ہال منول کرتے رہے۔ اس وقت حضرت عمر و ابن عاص فلسطین میں تھے (امیر معاویہؓ بیعت دینے میں یہ نال منول حضرت عمرو کے انتظار میں کر رہے تھے) آخر حضرت عمرو امیر معاویہؓ کے پاس پہنچ گئے وہاں انہوں نے دیکھا کہ شام کے لوگ حضرت عثمان غنیؓ کے خون کا بدلہ مانگتے ہیں (اور حضرت علیؑ سے بدراض ہیں) چنانچہ حضرت عمرو نے شامیوں سے کہا کہ تم لوگ حق پر ہو (اور اس طرح شامیوں کی ہمدردیاں امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو کے ساتھ اور زیادہ ہو گئیں۔

امیر معاویہؓ اور عمر و ابن عاص حضرت علیؑ کے مقابلے میں..... اور امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو میں اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ دونوں مل کر حضرت علیؑ سے جنگ کریں۔ اور حضرت عمرو نے امیر معاویہؓ سے ان کا ساتھ دینے کے لئے یہ شرط رکھ دی کہ اگر امیر معاویہؓ کو فتح ہوئی تو وہ مصر کا علاقہ حضرت عمرو ابن عاص کو دے

کر انہیں وہاں کا گورنریاویں کے امیر معاویہ نے ان کی یہ شرط منظور کر لی۔ (اس سے پہلے مصر کے گورنر حضرت عمرو بن عبد مناف تھے)۔

حضرت علیؑ کے لشکر کا کوچ..... (اب جبکہ مصر حضرت علیؑ کی اطاعت میں داخل ہو چکا تھا تو) انہوں نے حضرت سعد ابن عبادہؓ کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ (اس کے بعد لکھتے ہیں :)

غرض جب حضرت عمرو ابن عاصؓ فلسطین سے دمشق آکر امیر معاویہؓ کے پاس پہنچ گئے اور دونوں نے حضرت علیؑ سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو حضرت علیؑ کے اچھی جریرا بن عبد اللہؓ سے فوراً حضرت علیؑ کے پاس آئے اور ان کو امیر معاویہؓ اور حضرت عمروؓ کے اس فیصلہ کی خبر دی۔ حضرت علیؑ کو فوج سے فوج لے کر امیر معاویہؓ کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے۔ ان کی مدد کے لئے بصرہ سے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ بھی اپنا لشکر لا کر ان کے ساتھ ہو گئے۔ ادھر دمشق سے حضرت عمروؓ اور امیر معاویہؓ شامی لشکر لے کر حضرت علیؑ کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے۔ حضرت معاویہؓ آہستہ آہستہ چلے اور آخر صفین کے مقام پر دونوں لشکر آمنے سامنے پہنچ گئے۔

مگر بہت عرصہ تک (جنگ نہیں ہوئی) بلکہ معاملہ جوں کا توں رہا یہاں تک کہ ۳۶ھ ختم ہو کر ۳۷ھ شروع ہو گیا۔ دونوں لشکر صفین کے مقام پر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہوئے تھے اسی حالت میں محرم کا مہینہ بھی گزر گیا۔ دونوں فوجوں میں اب تک جنگ شروع نہیں ہوئی تھی بلکہ گفت و شنید اور تحریروں کا تبادلہ ہو رہا جن کی تفصیل طولانی ہے۔

آخر صفین کے مہینہ میں جنگ شروع ہو گئی دونوں لشکروں کے بہت سے معرکے ہوئے۔ ایک قول ہے کہ کل توڑے (۹۰) معرکے ہوئے۔ صفین کے مقام پر دونوں لشکر ایک سو دس دن تک ٹھہرے۔ صفین کے مقام پر شامیوں (یعنی امیر معاویہؓ کے لشکر) کے قتل ہونے والوں کی تعداد پینتالیس ہزار تھی۔ اور عراقیوں (یعنی حضرت علیؑ کے لشکر) میں قتل ہونے والوں کی تعداد پچیس ہزار تھی۔ ان میں چھتیس ہزار مردہ تھے جو غزوۂ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔

حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کو ہدایت کی تھی کہ وہ اس وقت تک جنگ نہ کریں جب تک کہ خود دشمن فوج ہی جنگ شروع نہ کر دے۔ اسی طرح وہ لوگ بھاگنے والوں کو قتل نہ کریں اور ان کے مال و دولت کو ہاتھ نہ لگائیں اور اسی طرح کسی کی بے پردگی نہ کریں۔ تاریخ ابولہاء جلد اس ۱۸۶۵۱۸۲

تشریح..... اس جنگ کی مزید تفصیلات میں جانا غیر ضروری ہو گا۔ بحث اس پر چل رہی تھی کہ بیت اللہ شریف کے جلنے کا جو واقعہ پیش آیا اس پر پہلی بار لوگوں میں تقدیر اور قضاء و قدر کے مسئلے پر بحث مباحثے شروع ہوئے۔ لوگ اس عظیم حادثے پر حیران و پریشان تھے اور کہتے تھے کہ آیا یہ حادثہ بھی تقدیر الہی کے تحت ہوا ہے اگر یہ تقدیر الہی ہے تو ایسا کیوں ہے! اتنے مقدس مقام کے بے حرمتی تقدیر الہی میں کیوں تھی اور اگر یہ تقدیر الہی تھی تو اس پر یزید یا اس کی فوجوں سے مقابلہ کرنے سے کیا فائدہ ہو گا!

قضاء و قدر پر بحث کے خلاف وعید..... عوام اس قسم کے خیالات اور بحثوں میں الجھ کر رہ گئی تھے لیکن اس بارے میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ تقدیر کے مسئلے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی بہت سخت وعید ہے۔ تقدیر کا مسئلہ اپنی جگہ اٹل اور ایک حقیقت ہے۔ یہاں اس بارے میں مختصر اتنی بات سمجھ لینی چاہئے جس کو آگے مؤلف بھی پیش کر رہے ہیں کہ انسان کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کا پدید کردہ ہے یعنی اس کے موجد حق تعالیٰ ہیں اور اس

فضل کا کب اور ظہور انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے۔

جنگِ صفین کے موقع پر بھی بعض لوگوں کو اسی قسم کا شبہ ہوا تھا کہ یہاں مسلمان کی جان مسلمان ہی کے ہاتھوں جا رہی ہے اور مومن کے مقابلے میں مومن ہی دشمن ہے تو کیا یہ تقدیر الہی کے تحت ہو رہا ہے یا یہ انسان کا اپنا فعل ہے کہ ہم یہاں صفین کے مقام پر آکر خود اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل کر رہے ہیں۔ اس پر حضرت علیؑ کا جواب بھی قتل ہو چکا ہے مرتب

منکرین تقدیر پر انبیاء کی لعنت..... تقدیر کے مسئلہ میں شک اور شبہ پیدا کرنا اسی امت کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ کھلی باتیں بھی اس کا شکار ہو چکی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:-

”اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نیا ایسا نہیں آیا کہ اس کی امت میں تقدیر سے انکار کرنے والے لوگ نہ رہے ہوں جو اس نئی امت کے لوگوں کو تشویش میں ڈالتے رہتے تھے۔ خبردار ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ستر نبیوں کی زبانوں کے ذریعہ قدریہ فرمتے یعنی تقدیر سے انکار کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔“

منکرین تقدیر مجوسیوں کی طرح ہیں..... تقدیر سے انکار کرنے والوں کی مذمت اور برائی کے سلسلے میں اس کے علاوہ بھی اور احادیث آئی ہیں۔ ان میں سے ایک ہے کہ:-

”قدریہ فرمتے کے لوگ اس امت میں ایسے ہیں جیسے مجوسی یعنی آتش پرست لوگ ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ بیمار پڑیں تو ان کی بیمار پر سی کونہ جاؤ اور مریں تو ان کے جنازوں میں نہ شریک ہو۔“

انکار تقدیر نصرانیت کا شعبہ ہے..... اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ:-

”قدریہ کے انکار سے ڈرو کیونکہ یہ نصرانیت کا ایک شعبہ ہے۔“

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے:-

”میں اپنی امت میں تقدیر کے انکار کے فتنے سے ڈرتا ہوں۔“

انکار تقدیر اور مجوسیت کا تعلق..... (ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنا اہم اور نازک مسئلہ ہے جس پر آنحضرت ﷺ نے اتنی سخت وعید فرمائی ہے اور اس بارے میں کسی قسم کا شک شبہ کرنے سے کتنی شدت کے ساتھ روکا ہے۔)

کھلی حدیث میں تقدیر کا انکار کرنے والوں کو اس امت کے آتش پرست کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فرقہ قدریہ میں ایک جماعت ایسی ہے جو یہ کہتی ہے کہ خیر اور بھلائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے اور شر اور برائی خود بندے کی طرف سے ہوتی ہے (یعنی اس فعل میں نعوذ باللہ قضا و قدر کا کوئی تعلق نہیں ہے) اس لئے قدریہ فرمتے کی یہ جماعت مجوسیوں یعنی آتش پرستوں سے بہت ہشاشمہ ہے کیونکہ مجوسی بھی دو معبودوں کے قائل ہوتے ہیں ایک نور اور ایک ظلمت (یعنی ایک یزدان اور ایک اہرمن) ان کا عقیدہ ہے کہ خیر اور بھلائی نور یعنی خدائے یزدان کی طرف سے آتی ہے اور شر اور برائی، ظلمت یعنی خدائے اہرمن کی طرف سے آتی ہے۔ یہ لوگ مانویہ فرمتے کے ہیں (جو مجوسیوں کا ایک فرقہ ہے۔ اس فرقہ کا بانی مانی نامی شخص تھا جس نے کچھ نظریات اور عقیدے پیش کر کے لوگوں کو اپنا پیرو بنایا تھا۔ یہ شخص ایک زبردست معصوم بھی تھا۔)

انکار تقدیر اور نصرانیت کا تعلق..... پیچھے بیان ہونے والی ایک حدیث میں۔ تقدیر سے انکار کرنے کو نصرانیت کا ایک شعبہ فرمایا گیا ہے اس لئے کہ فرقہ قدریہ (یعنی تقدیر کو نہ ماننے والے فرقے) کے اکثر لوگ یہ

عقیدہ رکھتے ہیں کہ خیر اور شر میں بندہ کے تمام افعال اور اعمال تقدیر الہی کی وجہ سے اس سے سرزد نہیں ہوتے بلکہ ان افعال اور اعمال کو خود بندہ اپنے اختیار اور اپنی قدرت سے کرتا ہے۔

اس طرح گویا فرقہ قدریہ نے اللہ تعالیٰ کا ایک شریک ٹھہرا دیا جو خود بندہ ہے جو نعوذ باللہ اپنے خیر اور شر کے افعال اور اعمال کا خالق ہے) بالکل اسی طرح جیسے نصرانیوں یعنی عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے چنانچہ قدریہ فرقہ کی یہ جماعت نصرانیوں کے بہت مشابہ ہے اور اسی لحاظ سے تقدیرات کا انکار نصرانیت کا ایک شعبہ ہو جاتی ہے (جیسا کہ گذشتہ حدیث میں فرمایا گیا ہے)۔

مسئلہ تقدیر کا خلاصہ (مؤلف علامہ حلی کہتے ہیں کہ) اس موضوع پر میں نے اپنی ایک کتاب ”مصابح المہر علی الجامع الصغیر“ میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کتاب میں میں نے اس حدیث پر کہ ”قدریہ فرقہ آخری زمانے میں میری امت کے بدترین لوگ پیدا کریں گے۔ بہت مکمل بحث کی ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ بندہ کے ہر فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لحاظ سے ہے کہ حق تعالیٰ اس کے ہر فعل کے موجد ہیں اور اس فعل کی نسبت بندہ کی طرف اس لحاظ سے ہے کہ بندہ اس فعل کا کاتب اور اظہار کرتا ہے۔

کعبے میں آتش زنی اور تجدید تعمیر کا ایک اور سبب (اس کے بعد پھر اصل موضوع یعنی حضرت عبداللہ ابن زبیر کی تعمیر کعبہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے چند سبب پیچھے بیان ہو چکے ہیں) ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ ایک عورت نے بیت اللہ کو دھونی دی۔ اس میں سے ایک چنگاری اڑ کر بیت اللہ کے غلاف پر لگ گئی جس سے اس میں آگ لگ گئی۔ تو گویا اس وجہ سے حضرت عبداللہ ابن زبیر نے کعبے کی دوبارہ تعمیر کرائی۔ اس سے پہلے جو وجہ بیان کی گئی ہے اس کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے دونوں ہی وجہیں رہی ہوں۔

کعبے کو دھونی دینے اور اس سے غلاف کعبہ میں آگ لگ جانے کا ایک واقعہ قریش کے زمانے میں بھی بتلایا گیا ہے لیکن اس سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دوبارہ پیش آیا ہو جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔

بعض علماء نے مسجد کو دھونی دینے کو بدعت بتلایا ہے۔ امام مالکؒ نے اس کو مکروہ بتلایا ہے (کہ مسجد کو خوشبوئیں وغیرہ جلا کر دھونی دی جائے)۔

ایک روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا قلام مسجد نبویؐ میں اس وقت خوشبوئیں وغیرہ جلا کر تھاجیکہ حضرت عمرؓ منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔

حضرت اسماعیلؑ کے بدلے ذبح کردہ مینڈھے کے سینگ (غرض جب گو پھن کی وجہ سے یاد دھونی کی وجہ سے کعبہ میں آگ لگی تو اس کے ساتھ ہی اس مینڈھے کے وہ دونوں سینگ بھی جل گئے جو حضرت اسماعیلؑ کی جان کے بدلے میں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیج کر) قربان کیا گیا تھا۔ اس وقت یہ دونوں سینگ کعبے کی چھت میں لٹکے ہوئے تھے۔

اقول مؤلف کہتے ہیں: ان سینگوں کو چھت میں غالباً بعد میں لٹکایا گیا جبکہ اس سے پہلے یہ میزاب (یعنی کعبے کے پرانے) میں لٹکے ہوئے تھے۔ کیونکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب اسلام آیا تو اس وقت اس مینڈھے کا سرد دونوں سینگوں کے ساتھ کعبے میں میزاب یعنی پرانے میں لٹکا ہوا تھا۔

جہاں تک ان سینگوں کے چھت میں لٹکا ہوا ہونے کا تعلق ہے اس کی دلیل میں حضرت صفیہ بنت

شبیہ کی یہ روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ عثمان ابن طلحہ سے پوچھا۔
 ”رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ سے باہر نکلنے کے بعد ہمیں کیوں بلایا تھا؟“
 انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ نے مجھ سے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ۔

”میں نے اس مینڈھے کے دونوں سینک بیت اللہ میں دیکھے مگر میں اس وقت تم کو یہ ہدایت کرنا بمحول
 گیا کہ ان سینگوں کو ڈھانپ دو۔ اس لئے اب تم ان کو ڈھانپ دو کیونکہ یہ بات مناسب نہیں ہے کہ بیت اللہ میں
 کوئی ایسی چیز ہو جس سے نمازیوں کا خیال بٹ جائے۔“

یہ مینڈھا لور ہاتھ کی نیاز..... علامہ جلال محلی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ مینڈھا جو اسماعیل کے بدلے
 میں قربان کیا گیا وہی مینڈھا تھا جس کو ہاتھ کی نیاز کے طور پر پیش کیا تھا (اس کی تفصیل ہاتھ لور قاتل کے
 واقعہ میں سیرت طیبہ اردو کے پہلے صفحہ ۱۰ پر گزر چکی ہے مگر وہاں مینڈھے کے بجائے ہاتھ کی نیاز میں دنبہ
 کا ذکر کیا گیا ہے) غرض اسی مینڈھے کو اسماعیل کے فدیہ میں قربان کرنے کے لئے جبرئیلؑ لے کر آئے تھے۔
 چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے تکبیر پڑھتے ہوئے اس کو ذبح کر دیا تھا۔ اب یہ کہا جائے گا کہ اس کا مطلب ہے ہاتھ کی
 نیاز کو اس آگ نے نہیں کھایا تھا جو اس وقت (ہاتھ کی نیاز کی قبولیت کی علامت کے طور پر) آسمان سے اتری تھی
 بلکہ وہ آگ اس مینڈھے یا دنبے کو آسمان پر اٹھالے گئی تھی۔ لہذا اب جن علماء نے اس نیاز کے سلسلے میں یہ لکھا
 ہے کہ اس کو آگ نے کھالیا تھا ان کے متعلق یہ کہنا پڑے گا کہ انہوں نے اس معاملے میں ڈھیل کی (لور آگ
 کے اٹھائے جانے کو آگ کے کھالینے سے تعبیر کیا۔ مگر یہ اسی صورت میں ہے جب یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ وہی
 مینڈھا تھا جس کو ہاتھ کی نیاز میں پیش کیا تھا۔
 جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ یہ وہی مینڈھا تھا جس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی
 ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا:-

”گدراہیم نے جس چیز کو (اسماعیلؑ کی جان کے بدلے میں قربان کیا وہ چیز تھی) یعنی اس کی اصل کیا
 تھی؟“

جبرئیلؑ نے فرمایا۔

”وہی چیز جو آدمؑ کے بیٹے نے اپنی نیاز میں پیش کی تھی۔“

بعض محدثین نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

اس مینڈھے کی عظمت کا سبب..... کہا جاتا ہے کہ اس مینڈھے کے ذبیحہ کو اللہ تعالیٰ نے عظیم فرمایا ہے
 (جیسا کہ قرآن پاک کی اس آیت میں ذکر ہوا ہے۔

وَلَقَدْ بَلَّغَ عِظْمَهُ (۱۱) یٰۤاِبْرٰهٖمُ ۝۲۳ سُوْرَةُ صٰفٰتِ ع ۳)

ترجمہ:- اور ہم نے ایک بڑا ٹوٹخ اس کے عوض دے دیا۔

تو اس کی عظمت کا سبب یہ ہے کہ یہ مینڈھا چالیس سال تک جنت میں چر رہا ہے۔

موت کی صورت میں موت..... اس مینڈھے کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے خاص
 اسی مقصد کے لئے اسی وقت پیدا فرما دیا تھا۔ چنانچہ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ مینڈھا موت کی صورت میں موت
 ہی کے لئے فدیہ کر دیا گیا۔

تشریح..... موت کی صورت میں موت دیئے جانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ یوم حشر کے بعد جب سب کا حساب کتاب ہو چکے گا اور جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچ چکے ہوں گے اس وقت جنتیوں کے دل میں ایک غلط ہوگی جس کی وجہ سے وہ جنت کی نعمتوں سے پورے لطف انداز نہیں ہو سکیں گے اور یہ غلط موت کا تصور ہوگا کہ ممکن ہے پھر موت آجائے اور جنت کے عیش و تکرام سے ہم محروم ہو جائیں۔ اسی طرح دوزخیوں کے دلوں میں ایک امید ہوگی جو جہنم کے عذاب میں بھی ان کے لئے سہارا اور آسرا ہوگی اور وہ بھی موت کا تصور ہوگا کہ ممکن ہے ایک دن ہمیں موت آجائے اور ہم اس زبردست عذاب سے چھٹکارا پا جائیں۔

تب موت کے فرشتے عزرائیل کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان اس موت کو بھی موت دے دی جائے گی تاکہ جنتیوں کے دلوں سے ہمیشہ کے لئے یہ غلط بھی نکل جائے اور جہنمیوں کے دلوں سے ہمیشہ کے لئے یہ امید بھی ختم ہو جائے۔

یہاں موت کی صورت میں موت کا مطلب یہی ہے کہ مینڈھے کو جان کے ندیے میں موت کے سپرد کیا گیا جب کہ موت کی اپنی شکل بھی مینڈھے کی جیسی بنا کر پیش کی جائے گی واللہ اعلم بالصواب۔ مرتب) بہر حال یہ سب امکانات اسی صورت میں ہیں جبکہ یہ تسلیم کیا جائے کہ بائبل نے اپنی نیلہ میں جو جانور پیش کیا تھا وہ مینڈھا تھا مگر ایک قول یہ ہے کہ وہ جانور ایک موٹا نازہ لونٹ تھا مگر یہ قول صرف قاضی بیٹلوی کا ہے۔ بہر حال یہ تمام روایات آپس میں مطابقت کی محتاج ہیں اگر ان سب کو صحیح مانا جائے۔

یزید کی موت..... (اس تفصیل کے بعد پھر اصل واقعہ یعنی بیت اللہ میں آگ لگنے کے متعلق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) اس آگ سے حجر اسود تین جگہوں سے پھٹ گیا تھا۔

لوہر جب یزیدی لشکر کے میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا محاصرہ کر رہا تھا اسی دوران میں یزیدی موت کی خبر آئی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو یزیدی کی موت کے متعلق خود یزیدی لشکر سے بھی پہلے معلوم ہو گیا تھا لشکر کے لوگ شامی تھے چنانچہ حضرت ابن زبیرؓ نے شامیوں میں اعلان کیا۔

”اے شام کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس سرکش سربراہ کو ہلاک کر دیا ہے۔ مرلو یزید ہے۔ اس لئے اب تم میں سے جو یہ چاہے کہ دوسرے لوگوں کی طرح میری بیعت قبول کر لے تو اس کو اجازت ہے اور جو شخص اسی طرح واپس جانا چاہے اس کو بھی اجازت ہے۔“

یہ خبر سن کر لشکر ایک دم بکھر گیا کچھ لوگوں نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی خلافت پر بیعت کر لی اور ظاہری طور پر ان کی اطاعت میں داخل ہو گئے۔

امیر لشکر کی طرف سے ابن زبیرؓ کو پیشکش..... کہا جاتا ہے کہ لشکر کے امیر یعنی عبداللہ ابن زبیرؓ نے اس خبر کے بعد حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے پاس درخواست کی کہ وہ ان سے بات کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ دونوں آدمی یعنی ابن زبیرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ اپنی صفوں سے نکل کر ایک دوسرے کی طرف چلے یہاں تک کہ دونوں کے گھوڑوں کے سر ایک دوسرے سے مل گئے۔ ابن زبیرؓ کا گھوڑا بڑے اور بھڑکنے لگا۔ حضرت ابن زبیرؓ نے ابن زبیرؓ سے پوچھا کہ کیا ہو گیا ہے تو ابن زبیرؓ نے کہا۔

”اس گھوڑے کے پیروں کے نیچے حرم کا کپڑا آگیا ہے اور یہ اس کو پسند نہیں کر رہا ہے کہ اس کو روند

ڈالے۔“

حضرت امین زبیرؓ نے فرمایا۔

”تیرا گھوڑا تو یہ کر رہا ہے اور تو؟“ انہوں کو قتل کرنے آیا ہے؟“

ابن زبیرؓ نے کہا۔

”آپ ہمیں اس کی اجازت دے دیجئے کہ ہم بیت اللہ کا طواف کر لیں اس کے بعد ہم اپنے ملک کو واپس چلے جائیں گے۔“

حضرت امین زبیرؓ نے اس کو اجازت دے دی اور انہوں نے کعبہ کا طواف کیا۔ اس کے بعد امین زبیرؓ نے حضرت امین زبیرؓ سے کہا۔

”اگر یہ شخص یعنی یزید واقعی ہلاک ہو چکا ہے تو آپ ہی اس خلافت کے سب سے زیادہ حقدار اور لائق ہیں اس لئے آپ میرے ساتھ شام چلئے۔ خدا کی قسم وہاں دو آدمی بھی آپ کی مخالفت کرنے والے نہ ہوں گے۔“

مگر حضرت امین زبیرؓ نے امین زبیرؓ کی اس بات کا اعتبار نہیں کیا اور اس کو برا بھلا کہا چنانچہ وہ اسی وقت واپس لوٹ گیا اور یہ کہتا جاتا تھا۔

”میں اس شخص سے سلطنت کا وعدہ کر رہا ہوں اور یہ مجھ سے قتل کا وعدہ کر رہا ہے۔“

ابن زبیرؓ کا مزاج..... اسی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت امین زبیرؓ کا ایک خاص مزاج تھا جو خلافت کے مناسب نہیں تھا اور وہ بد اخلاقی اور بہت زیادہ اختلاف رائے کا مزاج تھا۔ تشریح..... (اگر یہ بات نامناسب اور خلاف ادب ہے حضرت امین زبیرؓ بڑے جلیل القدر صحابی اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ جیسی بلند مرتبہ ہستی کے بھانجے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ جیسی با عظمت شخصیت کے نواسے تھے اس لئے ان کے حقائق اس قسم کا قول مناسب نہیں ہے۔

حضرت امین زبیرؓ صاف گو اور بے لاگ مزاج رکھتے تھے اور صاف کوئی کو عام طور پر بد اخلاقی پر محمول کر لیا جاتا ہے۔ بے لاگ انسان اگر کسی معاملے میں اپنی ذاتی رائے رکھتا ہے تو صاف دلی کے ساتھ اپنی رائے پیش کر دیتا ہے جو مقابل کو گراں گزر سکتی ہے اور وہ اس کو ضد اور بد اخلاقی سے تعبیر کرتا ہے۔ ہر حال حقیقت واقعہ جو بھی ہو مگر ایک جلیل القدر صحابی کی شان میں یہ الفاظ خلاف ادب ہیں۔ خاص طور پر یزید اور اس کے ساتھیوں کی بات قبول نہ کرنا تو بالکل سامنے کی بات ہے کہ ان کے دھوکے اور فریب پہلے بھی ظاہر ہو چکے تھے۔ مرتب۔

شام و مصر میں سیاسی تغیرات..... غرض اس کے بعد تمام علاقے حضرت امین زبیرؓ کی اطاعت و خلافت میں شامل ہو گئے صرف مصر اور شام رہ گئے کیونکہ ان علاقوں پر معاویہ ابن زبیرؓ ابن معاویہ کی موت کے بعد مروان ابن حکم غالب آ گیا تھا۔ یزید ابن معاویہ کا یہ بیٹا جس کا نام بھی معاویہ تھا صرف چالیس دن اور ایک قول کے مطابق صرف بیس دن خلافت کر سکا کیونکہ مروان نے دمشق میں حضرت امین زبیرؓ کی خلافت تسلیم کر لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

حضرت امین زبیرؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد اپنے بھائی کو مدینے میں اپنا نائب بنایا تھا تو ان کو حکم دیا کہ بنی امیہ کو وہاں سے جلا وطن کر کے شام کی طرف دھکیل دیں۔ ان لوگوں میں مروان اور اس کا بیٹا عبدالملک بھی تھا۔ اب جب مروان نے دمشق میں امین زبیرؓ کی خلافت کو تسلیم کرنے کا فیصلہ کیا تو ایک جماعت نے اس

کے اس فیصلہ کو ناپسند کیا اور اس سے کلمہ

”آپ قریش کے بزرگ اور سردار ہیں۔ امین زیر نے آپ کے خاندان والوں کے ساتھ جو کچھ بھی معاملہ کیا ہے وہ آپ کو معلوم ہی ہے حالانکہ آپ بنی خلافت کے سب سے زیادہ حقدار اور لائق ہیں۔“

مروان کو یہ بات پسند آگئی اور اس نے ان لوگوں کی رائے سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد مروان نے نو مہینے تک خلافت کی۔ یہ بنی امیہ کے خلفاء میں سے چوتھا خلیفہ تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے عبد الملک نے حکومت سنبھالی۔ اسلام آنے کے بعد یہ پہلا شخص ہے جس کا نام عبد الملک رکھا گیا۔

عبد الملک نے اپنے بعد کے لئے اپنے چاروں بیٹوں کو اپنا سلسلہ وار ولی عہد بتادیا جن کی ترتیب یہ تھی کہ پہلے ولید پھر سلیمان پھر یزید اور پھر ہشام۔ مگر مروان سعید نے دعویٰ کیا کہ مروان نے اپنے بیٹے عبد الملک کے بعد اس کو خلیفہ نامزد کیا تھا۔ اس دعویٰ کی وجہ سے عبد الملک کو بہت پریشانی تھی چنانچہ اس نے جلد ہی عمرو ابن سعید کو دمشق میں متعین کر دیا۔ وہ یہیں تھا کہ عبد الملک نے اس کو قتل کر لیا۔

عبد الملک کی امین زیر کے خلاف لشکر کشی!..... ابن ظفر نے لکھا ہے کہ :-

جب عبد الملک حضرت امین زیر سے جنگ کرنے کے لئے نکلا تو اس کے ساتھ عمر ابن سعید بھی تھا مگر اس کی نیت میں کھوٹ تھا اور وہ خلافت کو حاصل کرنے کی فکر میں تھا چنانچہ جب یہ دمشق سے روانہ ہو کر چند دن کی مسافت تک پہنچے تو عمرو ابن سعید نے بیماری کا بہانہ کر دیا اور عبد الملک سے واپس دمشق جانے کی اجازت مانگی۔ عبد الملک نے اس کو اجازت دے دی۔

عبد الملک کے خلاف بغاوت..... جب یہ واپس دمشق پہنچا تو فوراً ہی مسجد میں جا کر منبر پر چڑھا اور خطبہ دیا جس میں عبد الملک کی برائیاں بیان کیں اور لوگوں کو اس پر اکسایا کہ وہ عبد الملک کی بیعت توڑ دیں چنانچہ لوگوں نے عمرو ابن سعید کے اس مشورے پر لبیک کہا اور خود اس کی خلافت کو ماننے ہوئے اس سے بیعت کر لی۔ اس طرح دمشق پر عمرو ابن سعید کی حکومت قائم ہو گئی اس نے شہر کی دیواریں وغیرہ مضبوط کر لیں اور لوگوں کو خوب انعام و اکرام دے کر رجھا لیا۔

عبد الملک جو حضرت امین زیر کے مقابلے کے لئے جا رہا تھا اس کو جب عمرو ابن سعید کی غداری کا حال معلوم ہوا تو اس کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ حضرت امین زیر کے مقابلے پر جانے کا ارادہ ختم کر دے اور واپس دمشق پہنچ کر اس بغاوت سے نمٹنے کی کوشش کرے۔ ان لوگوں نے عبد الملک سے کہا۔

بغاوت کی سرکوبی..... ”جہاں تک عبد اللہ امین زیر کا معاملہ ہے تو وہ اب تک آپ کی اطاعت اور بیعت میں داخل ہی نہیں ہوئے نہ ہی آپ کی حکومت پر انہوں نے حملہ کیا ہے اس لئے ان سے جنگ کے واسطے ٹکٹے میں آپ کی حیثیت ایک ظالم کی سی بنتی ہے۔ لیکن اگر آپ عمرو ابن سعید کے مقابلے کے لئے واپس ہوں گے تو آپ کی حیثیت ایک مظلوم کی سی ہوگی کیونکہ اس نے آپ کی بیعت توڑی ہے، آپ کی امانت میں خیانت کی ہے اور وہاں کے عوام میں فتنہ پھیلا ہے۔“

اس مشورہ پر عبد الملک واپس دمشق پہنچا اور وہاں اس نے بغوت کو کچل کر عمرو ابن سعید کے مقابلے میں کامیابی حاصل کی۔

کعبے کی تجدید تعمیر کا ایک اور سبب..... (اس تفصیل کے بعد پھر تعمیر کعبہ کے متعلق بیان کرتے ہیں

کہ (عبداللہ امین زبیرؓ کے کعبے کو تعمیر کرانے کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کئے میں ایک سیلاب آیا جس سے کئے کی عمارت ٹوٹ گئی) (اور بیت اللہ اور حرم میں پانی بھر گیا) چنانچہ عبداللہ امین زبیرؓ نے تھر کر طواف کیا۔ (ی)۔ اس میں کوئی اشکال نہیں کہ تعمیر کے دونوں سبب رہے ہوں یعنی کعبے کا جل جانا بھی اور سیلاب سے کعبے کی عمارت کو نقصان پہنچنا بھی!

حضرت امین زبیرؓ نے جب یہ صورت دیکھی تو اپنے حاضرین سے اس بارے میں مشورہ کیا کہ کیا بیت اللہ کی عمارت ڈھا کر دوبارہ بنائی جائے۔ ان لوگوں میں جن سے مشورہ کیا گیا حضرت عبداللہ امین عباسؓ بھی موجود تھے۔

لوگ بیت اللہ کو ڈھانے کے خیال سے ڈرے اور انہوں نے کہا کہ ”ہماری دوائے ہے کہ عمارت کو جو نقصان پہنچا ہے آپ اس کی مرمت کروا دیجئے مگر کعبے کو ڈھانے کا ارادہ نہ کیجئے۔“

حضرت امین زبیرؓ نے کہا کہ

”اگر آپ لوگوں میں سے کسی کا گھر جل جائے تو وہ اس کی پوری درنگی اور مرمت کر بھی پسند کرے گا اور اس کی مرمت اور درنگی اس کو ڈھا کر بنائے بغیر نہیں ہو سکتی۔“

تجدید تعمیر سے متعلق فرمانِ نبوت سے دلیل..... اور حضرت امین زبیرؓ کی خالہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان کی کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا۔

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم یعنی قریش نے جب کعبے کی تعمیر کی تو اس کو ابراہیمؑ کی بنیادوں سے کم کر دیا تھا کیونکہ ان کے پاس پیسے کی کمی ہو گئی تھی۔ اگر تمہاری قوم جاہلیت کے دور سے اتنی قریب نہ ہوئی یعنی نئے نئے جاہلیت سے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔ اور ایک روایت کے لفظ ہیں کہ۔ اگر لوگوں کو جاہلیت سے نکلے ہوئے کچھ زمانہ گزر چکا ہو تا یعنی جاہلیت کے دور سے قریب نہ ہوتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ۔ اگر لوگ حال ہی میں کفر سے نکلے ہوئے نہ ہوتے تو میرے پاس اگر اس کی تعمیر کے لئے دوسرے بھی نہ ہوتا تو میں اس کو گرا کر (پھر بناتا اور) اس کے پیچھے بھی ایک دروازہ بناتا۔ اور ایک روایت کے لفظ ہیں کہ۔ اس میں ایک دروازہ داخل ہونے کے لئے بناتا اور اس کی سیدھ میں (دوسری طرف) ایک دروازہ باہر نکلنے کے لئے بناتا۔ ایک روایت کے لفظ یوں ہیں کہ ایک دروازے اس کی مشرقی جانب میں بناتا اور ایک مغربی جانب میں بناتا اور دروازہ کو زمین کے برابر رکھتا (ی) جیسا کہ ابراہیمؑ کے زمانے میں تھا (کیونکہ قریش نے خزانہ کعبہ کی حفاظت کے لئے دروازے کو اتنا اونچا بنادیا تھا کہ کوئی شخص بغیر اجازت کے اور میزمری لگائے بغیر کعبے میں داخل نہ ہو سکے جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے) اور حجر اسود کو اس عمارت میں داخل کر کے نصب کرنا۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ حجر اسود کو تقریباً چھ گز..... اندر کی طرف نصب کرتا۔“

ایک روایت میں سات گز سے کچھ زیادہ کے لفظ ہیں اور ایک روایت میں سات گز کے قریب کے لفظ ہیں بہر حال الفاظ کے اس اختلاف کی وجہ سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ قریش نے تعمیر کعبہ کے وقت حجر اسود کو کس قدر باہر نکال دیا تھا۔ اسی طرح ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ جتنا قریش نے حجر اسود کو باہر نکال دیا ہے میں اس کو اتنا ہی پھر داخل کر دیتا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں اس کو ابراہیمؑ کی بنیاد پر ہی رکھتا اس طرح کہ حجر اسود

کو کعبے میں لور زیادہ داخل کر کے نصب کرتا۔

رسول اللہ ﷺ کی خواہش لور تامل..... یہ گویا سی مقدمہ کے برابر ہوتا جتنا قریش نے اس کو باہر نکال دیا تھا مگر رسول اللہ ﷺ کو یہ خوف تھا کہ قریش کے دل اس بات کو پسند نہیں کریں گے کہ ان کی تعمیر کو ڈھادیا جائے جس کو وہ اپنے اہتمام سے شرف لور اعزاز کا نشان سمجھتے تھے اس لئے ممکن ہے کہ اس کے نتیجہ میں وہ لوگ (جو خال ہی میں اپنی کھٹی زندگی کو چھوڑ کر اندھیرے سے نکلے تھے کہیں) پھر اسلام سے منہ نہ موڑ لیں۔

گذشتہ تعمیروں میں بنیاد ابراہیمی کی پابندی..... بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کے بعد جس نے بھی کعبے کی نئی تعمیر کی اس نے ابراہیم کی بنیاد پر ہی تعمیر کی۔ صرف قریش ایسا نہ کر سکے اس لئے کہ ان کے پاس حلال کمائی کا چندہ کم پڑ گیا تھا۔

یہ بات اس بنیاد پر رکھی جاسکتی ہے کہ ابراہیم کے بعد لور قریش سے پہلے جس نے بھی کعبے کی تعمیر کی وہ مکمل تعمیر کی۔ مگر ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے کعبے کی مرمت لور درست کی۔ اس لئے جو قول ذکر ہوا ہے اس سے مراد وہ نہیں ہے جو ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر ایک نے اس عمارت کو ابراہیم کی بنیادوں پر باقی رکھا۔

ابن عباس کی طرف سے نئی تعمیر کی مخالفت..... (قال) حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ نے جب کعبے کو ڈھا کر دوبارہ بنانے کا ارادہ کیا تو حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے بھی ان کو اس ارادہ سے روکنے کی کوشش کی تھی (چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابن زبیرؓ سے کہا۔

”اس تعمیر لور ان پتھروں کو اسی طرح رہنے دو جن پر مسلمانوں نے اسلام قبول کیا ہے لور جن پر یعنی جن کے دور میں رسول اللہ ﷺ کو نبوت ملی۔ اس لئے کہ ممکن ہے تمہارے بعد کوئی دوسرا آئے لور وہ بھی اس تمہاری تعمیر کو ڈھا کر نئی بنائے لور پھر یہ کعبہ اسی طرح ڈھایا لور بٹایا جائے لگے۔ اس طرح لوگوں میں اس کی بے حرمتی ہوگی۔ اس لئے آپ (اس کو اگر نئی عمارت بنانے کے بجائے) اس تعمیر کو لور نوچا کر دو بیٹھیں۔“

ابن زبیرؓ کا استخارہ..... اس پر حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ نے کہا۔

”میں اس معاملے میں تین مرتبہ اپنے پروردگار سے استخارہ کرتا ہوں اس کے بعد کچھ کر دوں گا۔“ جب تین دن گزر گئے تو استخارہ میں یہی بات آئی کہ اس عمارت کو ڈھا کر نئی بنائی جائے (لوگ چونکہ دہشت زدہ تھے اس لئے کہ وہ اس سے دور رہنے لگے۔ وہ ڈر رہے تھے کہ جو پہلا آدمی بھی اس کو گرانے کا ارادہ کرے گا اس پر کوئی آسمانی بلا نازل ہوگی۔

آخر ایک آدمی کعبے پر چڑھا لور اس نے اس میں سے ایک پتھر توڑ کر گرا لیا۔ اب لوگوں نے دیکھا کہ اس شخص کو کچھ نہیں ہوا تو وہ بھی اس کے ساتھ لگ گئے۔

کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے آدمی جنہوں نے کام شروع کیا خود حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ تھے (جب عمارت کو گرانے کا کام شروع کیا گیا تو بہت سے لوگ مکے سے نکل کر متنی میں چلے گئے تھے ان میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ بھی تھے۔ یہ لوگ وہاں اس ڈر سے تین دن تک ٹھہرے رہے کہ کعبے کو گرانے کی وجہ سے وہ کسی سخت عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے۔

جبشی کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی..... حضرت ابن زبیرؓ نے کعبے کو گرانے کے لئے

جیشوں کی ایک جماعت کو اس امید میں حکم دیا تھا کہ ممکن ہے کہ ان میں سے وہ جیشی شخص ہو جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی کہ وہ کعبے کی تعمیر کو ڈھائے گا۔ مگر اس میں یہ اشکال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس جیشی شخص کے متعلق یہ خبر دی تھی کہ وہ کعبے کی تعمیر کو ڈھائے گا، اس کا حلیہ اور شکل و صورت بھی بیان کی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا: ”گویا میں اس کو سامنے سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ سیاہ قام ہے اور پھیلی ہوئی ٹانگوں والا یعنی باٹھا آدمی ہے اور ایک پتھر کر کے توڑ رہا ہے۔“

ایک حدیث میں آتا ہے کہ پھیلی ہوئی ٹانگوں والا ہونے کے علاوہ اس کی آنکھیں نیلی ہوں گی، ناک چھٹی ہوگی اور پیٹ بڑا ہوگا۔ یہ بھی آتا ہے کہ اس کے سر کے اگلے حصہ کے بال گر چکے ہوں گے۔ نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ چھوٹے سر والا ہوگا اور چھوٹے کانوں والا ہوگا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہوگا جو ایک ایک پتھر کر کے توڑ رہے ہوں گے اور انہیں لے جا کر سمندر میں پھینک رہے ہوں گے۔ (اب حضرت امین زبیرؓ نے اگرچہ اسی امید میں جیشیوں سے تعمیر کعبہ کو کرانے کا کام لیا تھا مگر پتھروں کو سمندر کی طرف لے جا کر پھینکنے کی بات اس وقت پوری نہیں ہوئی تھی۔ اسی طرح یہ حلیہ بھی اس وقت پورا نہیں اتر رہا تھا۔

علامات قیامت..... جہاں تک جیشیوں کے کعبے کو ڈھانے کا تعلق ہے وہ اس وقت ہوگا جب کہ حضرت عیسیٰ کی وفات ہو چکی ہوگی اور (دنیا میں گمراہی اتنی عام ہو چکی ہوگی کہ) قرآن پاک سینوں اور کتاب میں سے اٹھ چکا ہوگا۔

(ی) حدیث میں آتا ہے کہ اس وقت سب سے پہلے جو چیز اٹھ جائے گی وہ خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت ہوگی اور دوسرے قرآن پاک ہوگا۔ نعمتوں میں جو چیز سب سے پہلے اٹھے گی وہ شہد ہوگا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ کعبے کو عیسیٰ کے زمانے میں ڈھایا جائے گا۔

اب ان دونوں روایتوں میں مطابق اس طرح پیدا کی جاتی ہے کہ کعبے کا کچھ حصے عیسیٰ کے زمانے میں ہی ڈھایا جائے گا مگر جب ان یعنی ڈھانے والوں کو ایک خوفناک دھماکہ سنائی دے گا تو وہ ڈر کر بھاگ جائیں گے پھر جب عیسیٰ کی وفات ہو جائے گی تو کعبے کو ڈھانے کا کام پورا کیا جائے گا۔

بنیاد ابراہیمی..... غرض حضرت عبداللہ امین زبیرؓ نے کعبے کو ڈھانے کا کام شروع کیا یہاں تک کہ وہ ان اصل نشانات کی بنیاد نظر آگئی انہوں نے دیکھا کہ یہ بنیاد تقریباً چھ گز تک حجر اسود میں شامل تھی۔ اس بنیاد کے پتھر لونٹ کی گردنوں کی طرح سے تھے یہ سرخ رنگ کے پتھر تھے جو ایک دوسرے میں اس طرح پیوست تھے جیسے انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کی جاتی ہیں۔

یہیں ان کو حضرت اسماعیلؑ کی والدہ کی قبر ملی۔ اس بات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امین زبیرؓ کو یہاں پر خود حضرت اسماعیلؑ کی قبر نہیں ملی تھی۔ اس سے وہ قول ثابت ہوتا ہے جس میں ہے کہ اسماعیلؑ کی قبر حجر اسود کی جگہ کی سیدھ میں دوسری جانب تھی خود حجر اسود کی جگہ پر نہیں تھی (جبکہ ان کی والدہ کی قبر خاص اسی جگہ تھی) جیسا کہ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ وہ سبز پتھروں کے چوکے کے نیچے تھی۔ جیسا کہ بیان ہوا۔

قدیم بنیاد ابراہیمی پر ممتاز لوگوں کی گواہی..... غرض (ابراہیمؑ کی بنیاد کے سامنے آنے پر حضرت امین

زیر نے ممتاز لوگوں میں سے پچاس آدمیوں کو بلا یا اور ان کو یہ بیلاؤ کھلائی۔

عبداللہ ابن مطہج عدوی نے جب بیت اللہ کے کونوں میں سے ایک کونے میں اپنی کدال ڈالی تو اس سے سارے کونے لرز اٹھے اور بیت اللہ کے کنارے کانپ اٹھے ساتھ ہی اس کی وجہ سے پورے مکے میں ایک زبردست حرکت پیدا ہوئی اور یہاں سے ایک اتنا زبردست کوند اچکا کہ مکے کے گھروں میں سے کوئی گھریبا نہیں تھا جس میں اس کی روشنی نہیں دیکھی گئی۔ اس کی وجہ سے مکے والے سخت خوفزدہ ہو گئے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ بات قریش کی تعمیر کے بیان میں بھی گزر چکی ہے کہ قریش کعبے کو ڈھانے کے دوران سبز پتھروں تک پہنچے جو ایک دوسرے میں جڑوست تھے اور یہ کہ ایک شخص نے جب ان میں سے دو پتھروں کے درمیان اپنی کدال ڈالی تو اس وقت بھی ایسا ہی واقعہ پیش کیا تھا۔

اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ ان دونوں دھاتوں میں کوئی شہید نہیں ہوا تاکہ یہ پتھر بزرگ کے تھے یا سرخ رنگ کے تھے اس لئے کہ ممکن ہے ان پتھروں کی سرخ ہلکی اور صاف نہ ہو بلکہ اتنی گہری سرخی ہو جو سیاہ معلوم ہونے لگتی ہے اسی وجہ سے اس رنگ کو نیلیوں رنگ سے تعبیر کیا گیا جیسا کہ گزر چکا ہے اور سیاہ رنگ کو بزرگ کا ہی معنی گہرا بزرگ کہا جاتا ہے جیسا کہ کاہی بزرگ کو سیاہ بھی کہہ دیا جاتا ہے اور ہلکے بزرگ کو نیلے رنگ سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے واللہ اعلم۔

کعبے کی اونچائی میں اضافہ..... حضرت عبداللہ ابن زیر نے (کعبہ کی پرانی عمارت ڈھانے کے بعد) اس کی بنیادوں پر سترے یعنی شکلات کھڑے کروائے جن کی وجہ سے لوگ ان شکلات کے مطابق طواف کرتے رہے یہاں تک کہ نئی عمارت بن گئی۔ حضرت ابن زیر نے نئی عمارت کو قریش کی بنائی ہوئی عمارت سے نو گز اور زیادہ اونچا کر دیا اور اس طرح اب عمارت کی کل اونچائی ستائیس گز ہو گئی۔ بعض علماء نے اس سے چوتھائی گز اور زیادہ بتلائی ہے۔

حضرت ابن زیر نے یہ نئی عمارت آنحضرت ﷺ کے بیان فرمائے ہوئے اس ارشاد کے مطابق ہی بنائی جو حضرت عائشہؓ نے روایت کیا تھا (اور جس کی تفصیل پچھلے صفحوں میں گزر چکی ہے) چنانچہ انہوں نے حجر اسود کو تعمیر کے اندر داخل کیا۔ اس لئے کہ ممکن ہے حجر اسود کو عمارت ہی کا ایک حصہ بنانے کے متعلق انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سنا ہو چنانچہ انہوں نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ اس کے مقابلے میں جو دوسری گذشتہ روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حجر اسود بیت اللہ کا حصہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ وہ بیت اللہ سے چھ گز سے کچھ زیادہ اسات گزر کے قریب تھا ان پر عمل نہیں کیا۔

نئی تعمیر کے سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی ہدایت..... یہاں ایک شہد ہوتا ہے حضرت ابن زیر کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے حجر اسود کو کعبے کی عمارت میں شامل کر دیا۔ یہ بات تو اس پچھلے قول کے لحاظ سے ٹھیک ہے کہ قریش نے حجر اسود کو اصل عمارت سے علیحدہ نصب کر دیا تھا کیونکہ اگر اہل ایمہ کی بنیاد اور شکلات (جن سے قریش نے کعبے کی تعمیر کو پیچہ ختم ہو جانے کی وجہ سے کم کر دیا تھا) پورے حجر اسود سے باہر تھی تو یہ بات ٹھیک رہتی ہے (کہ ابن زیر نے حجر اسود سے آگے تک اصل بنیادوں پر کعبے کی تعمیر بنائی اور حجر اسود کو تعمیر کے اندر لے لیا) لیکن اگر وہ بنیاد اور شکلات پورے حجر اسود سے باہر یعنی آگے تک نہیں تھے (تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ابن زیر نے اصل اور قدیم بنیادوں پر تعمیر اٹھانے کے بعد حجر اسود کو اس کی جگہ سے پیچھے سرکار تعمیر میں داخل کیا۔

لہذا) کہا جاسکتا ہے کہ حضرت امین زبیرؓ نے یہ تبدیلی (اور کمی) کیسے کی۔ اس کے بجائے انہوں نے اسی کے مطابق تعمیر کیوں نہیں اٹھائی جبکہ ان کی خالدہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان سے یہ حدیث بیان کر دی تھی جو آگے آئے گی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے (جبر اللہ کے موقع پر حرم میں) یہ بات فرمائی تھی کہ۔

”اگر میرے بعد تبدیلی قوم کیسے کی نئی تعمیر کا لالہ کرے تو آؤ میں تمہیں وہ حصے دکھا دوں جو قریش نے (تعمیر کے وقت عمارت میں شامل کرنے سے) چھوڑ دیئے تھے۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو تقریباً چھ گز کا حصہ ایسا دکھلایا (جو تعمیر میں شامل نہیں

ہو سکا تھا)

(تو گو اس حدیث کی روشنی میں عمارت کعبہ کو آگے بڑھانا تھا نہ کہ اس میں کمی کرنا۔ لہذا امین زبیرؓ نے جبر اسود کو پیچھے سرکار اس میں کمی کیسے کی۔ حالانکہ جیسا کہ پیچھے بیان ہوا قریش نے جبر اسود کو اصل عمارت سے تقریباً چھ گز یعنی علیحدہ کر دیا تھا جس کا مطلب ہے کہ جبر اسود صحیح جگہ پر تھا اور عمارت کو وہاں تک بڑھا کر جبر اسود کو صرف تعمیر میں لے لیتا تھا کہ اسے اس کی جگہ سے سرکار تعمیر میں شامل نہ کرنا) بہر حال یہ بات قابل غور ہے۔

اس نئی تعمیر میں حضرت امین زبیرؓ نے جھلی جانب میں بھی ایک دروازہ بنایا اور اس کو سامنے کے دروازے کی سیدھ میں اسی طرح بنایا کے برابر کھلا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی۔

جبر اسود کی مضبوطی کے لئے چاندی کا حلقہ..... (قال) غرض تعمیر اتنی لاچڑھی ہو گئی جہاں جبر اسود کو نصب کرنا تھا۔ جھلی عمارت کو ڈھانے کے وقت یہ بات سامنے آئی تھی کہ آگ کی وجہ سے جبر اسود پھٹ گیا ہے اس لئے حضرت امین زبیرؓ نے اس میں چاندی بھر دیا اور اس کو جھلوا لیا اور مضبوط کر دیا تھا۔ پھر انہوں نے کہے کہ گرائے جانے اور نئی تعمیر اٹھانے جانے تک کے لئے اس کو ایک ریشتی پٹے میں لپیٹ کر ایک لکڑی کی صندوقی میں محفوظ کر کے اس میں تالا ڈال دیا تھا اور اس کو دوا لہودہ یعنی قریش کی مشورت گاہ میں رکھوا لیا تھا۔

جبر اسود کو رکھنے کے وقت امین زبیرؓ کی حکمت عملی..... حضرت امین زبیرؓ کو ڈور تھا کہ جب جبر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا موقع آئے گا تو قریش میں بھر اختلاف پیدا ہوگا (اس لئے) جب تعمیر اس جگہ تک پہنچ گئی جہاں اس میں جبر اسود کو رکھنا تھا تو انہوں نے اپنے بیٹے حمزہؓ اور ایک دوسرے شخص کو حکم دیا کہ وہ دونوں جبر اسود کو اٹھا کر لائیں اور اس کی جگہ پر اس کو رکھ دیں۔ امین زبیرؓ نے ان سے کہا۔

”جب تم جبر اسود کو اس کی جگہ رکھ کر خارج ہو جاؤ تو دُور سے تکبیر کہہ دینا تاکہ میں (جو اس وقت دوسرے لوگوں کے ساتھ نماز میں مشغول ہوں گا) نماز کو پکا کر دوں۔“

چونکہ حضرت امین زبیرؓ کو یہ خطرہ تھا کہ لوگوں کے درمیان اس معاملے میں بھر اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے اس لئے انہوں نے (اس سے بچنے کیلئے یہ کیا تھا کہ) خود لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے تاکہ وہ اس معاملے سے بے غم رہیں (اور اپنے بیٹے کو ایک دوسرے شخص کے ساتھ جبر اسود لا کر اس کی جگہ رکھ دینے کی ہدایت کر دی) کیونکہ اس موقع پر بھی پہلے کی طرح ہر شخص کی خواہش یہ ہی تھی کہ جبر اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ رکھنے کی سعادت اور عزت اس کو حاصل ہو۔ اسی وجہ سے حضرت امین زبیرؓ کو اختلاف اور جھگڑا پیدا ہونے کا ڈر تھا۔

غرض جب (جبر اسود کو اس کی جگہ رکھ دینے کے بعد) ان دونوں آدمیوں نے تکبیر کہی (اور نماز کے بعد)

لوگوں کو اس واقعہ کا پتہ چلا تو قریش کے کچھ لوگ مراض ہوئے کہ اس موقعہ پر ان کو کیوں شریک نہیں کیا گیا۔ فرقہ قرامطہ کے ہاتھوں حجر اسود کی شکست و رستخت..... یہاں کہا گیا ہے کہ آگ کی وجہ سے حجر اسود جل کر پھٹ گیا تھا اور حضرت امین زبیرؓ نے اس کو چاندی سے جھلوا کر جڑ دلوایا تھا۔ اس قسم کا ایک واقعہ اس کے بعد بھی پیش کیا ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ (مسلمانوں میں اچانک ایک فتنہ پھیلا تھا اور ایک نیا فرقہ بنا جس کا نام قرامطہ تھا اس) قرامطہ فرقہ کا سربراہ ابو سعید تھا۔ یہ دہریوں اور بے دینیوں کی ایک جماعت اور فرقہ تھا جو ۷۴۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوا تھا۔

اس فرقے کے عقائد..... یہ لوگ کہتے تھے کہ بھڑی کے بعد غسل کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح شراب کو حلال کہتے تھے اور یہ کہتے ہیں کہ سال میں سوائے دو دنوں کے کوئی روزہ نہیں ہے۔ یہ دو دن نیر و زلور ہر جان کے دن ہیں، ان لوگوں نے اپنی زبان میں ایک کلمہ کا اضافہ کر لیا تھا۔ وہ کلمہ یہ تھا۔ محمد بن یحییٰ رسول اللہ اسی طرح یہ لوگ کہتے تھے کہ حج اور عمرہ ہیبت المقدس پر ہو تا ہے (ہیبت اللہ پر نہیں)۔ جابلوں اور دیہاتی لوگوں کی ایک بڑی تعداد ان کے فتنے میں آگئی اور اس طرح ان لوگوں کی طاقت و قوت بہت بڑھ گئی یہاں تک کہ اس جماعت کے سربراہ ابو سعید اور اس کے بیٹے ابو طاہر کی فتنہ پردازیوں کی وجہ سے بغداد سے حاجیوں کا سلسلہ بند ہو گیا۔

ابو طاہر نے کوفہ میں ایک عمارت بنائی تھی اور اس کا نام ”دار الجرت“ یعنی ہجرت گاہ رکھ دیا گیا تھا۔ اس شخص کے ذریعہ ہزاروں دوست فتنہ پھیلا اور مختلف شہروں پر اس نے تاحث کی اور مسلمانوں کو قتل کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی اور اس کے پیروؤں کی تعداد بڑھ گئی۔

قرامطہ کی طرف سے مسجد حرام میں قتل عام..... عباسی خلفاء میں کے سولہویں خلیفہ مقتدر بالله نے کئی دفعہ ابو طاہر کے مقابلے کے لئے فوجیں بھیجیں مگر وہ خود شکست کھا گئے۔ پھر خلیفہ مقتدر نے حاجیوں کا ایک قافلہ کے بیچاں قافلے (کا ابو طاہر نے پھپھا کیا اور آخر اس) کو ترویہ کے دن ابو طاہر کے لشکر نے جالیہ ابو طاہر نے مسجد حرام میں حاجیوں کو قتل کیا اور کعبے کے اندر پہنچ کر زبردست خون ریزی کی۔ اس کے بعد اس نے حاجیوں کی لاشوں کو زحرم کے کنوئیں میں ڈال دیا۔ پھر اس نے اپنا گزرا کر حجر اسود کو توڑ ڈالا اور اس کو وہاں سے اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے گیا۔ جاتے ہوئے اس نے کعبے کا دروازہ بھی توڑ ڈالا کعبے کا غلاف اس نے کھینچ کر اتار لیا اور اپنے ساتھیوں کے سامنے اس کو بھاڑ ڈالا۔ پھر اس نے زحرم کے کنوئیں پر جو قبۂ بنا ہوا تھا اس کو ڈھایا۔ پھر یہ ابو طاہر کے میں دس دن تک ٹھہرنے کے بعد وہاں سے واپس ہوا اور اپنے ساتھ ہی حجر اسود کو بھی لے گیا۔

حجر اسود قرامطہ کے قبضہ میں..... اس طرح یہ حجر اسود بیس سال سے زیادہ عرصے تک قرامطہ کے پاس رہا۔ اس دور ان میں حج کو آنے والے لوگ حجر اسود کے بجائے صرف اس کی جگہ پر ہی تھمک کے لئے ہاتھ رکھ دیا کرتے تھے۔

مسلمانوں نے حجر اسود کو قرامطہ سے واپس لینے کے لئے اس کو پچاس ہزار دینار تک دینے کی پیشکش کی مگر ان لوگوں نے حجر اسود کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر بیس سال سے زائد عرصے کے بعد خلیفہ مطیع کے زمانے میں حجر اسود واپس لے لاکر بیت اللہ میں نصب کیا گیا۔

حجر اسود کی بازیابی..... یہ خلیفہ مطیع بنی عباس کے خلفاء میں چوبیسواں خلیفہ ہے اس نے حجر اسود کو واپس

لا کر اس کی جگہ پر کھل خلیفہ مطہع نے حجر اسود کے لئے چاندی کا ایک گھیر اور آنکڑا بنوا کر اسے اس کے ساتھ وہاں جمادیا۔ اس گھیرے کی مالیت تین ہزار سات سو ساڑھے نوے درہم تھی۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ جب حجر اسود اکھڑا ہوا تھا اس وقت اس کو اچھی طرح دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ سیاحی صرف اس کے لوہری حصے میں ہے (جو سامنے رہتا ہے) اور نہ بقیہ تمام حصہ سفید ہے اور یہ کہ اس کی لمبائی بازو کی ہڈی کے برابر ہے۔

(بہر حال مقصد یہ ہے کہ اس وقت بھی قرامطہ نے حجر اسود کو توڑا تھا اور اس سے پہلے حضرت زبیرؓ کے زمانے میں حجر اسود آگ لگنے کی وجہ سے پھٹ گیا تھا۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی شبہ نہیں ہے اور دونوں کو مانا جاسکتا ہے)۔

حجر اسود کی دوبارہ بے حرمتی اور شکست و رخت..... قرامطہ کے بعد پھر ۴۱۳ھ میں بھی ایک طہ لور بے دین شخص نے اپنے آپنی گرز سے حجر اسود پر تین مرتبہ ضربیں لگائی تھیں جس کی وجہ سے حجر اسود کا سامنے کا حصہ ٹوٹ گیا تھا اور اس سے پانچوں جیسی کرچیں ٹوٹ کر گریں ٹوٹی ہوئی جگہ میں سے حجر اسود کا اندر کا حصہ زردی مائل گندمی رنگ کا تھا اور ششاش کے دلوں کی طرح دانے دار تھا۔ بنو شیبہ نے اس چورے کو جمع کر کے اس کو مشک لور لاکھ کے ساتھ گوند حلاور پھر اس کو حجر اسود کے ان شکافوں میں بھر دیا۔

حضرت امین زبیرؓ نے دروازہ کی لمبائی گیارہ گزر رکھی اور اس کے مقابلے میں جو دوسرا دروازہ تھا اس کی لمبائی بھی اتنی ہی رکھی۔ جب تعمیر مکمل ہو گئی تو انہوں نے کہے کے اندرون لور پیرنی حصے کو خوشبوؤں لور زعفران سے بھرا اور اس پر قباطی کپڑے کا غلاف چڑھایا۔ یہ کپڑا مسعر میں بنا تھا اور سفید رنگ کا باریک ریشمی ہوتا تھا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے کہے پر دیباچ یعنی ریشم کا غلاف چڑھایا وہ عبد اللہ امین زبیرؓ ہیں۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: حضرت عبد اللہ امین زبیرؓ کا کہنے کو تعمیر کرانا آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے متعلق بہت پہلے خبر دے دی تھی۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کی وہی گذشتہ حدیث ہے کہ ”اگر میرے بعد تمہاری قوم کہے کی نئی تعمیر کرے تو آؤ میں تمہیں دکھا دوں جو (قریش نے اپنی تعمیر میں کہے میں شامل کرنے سے) چھوڑ دی ہیں“۔

اس کے بعد آپ نے ان کو تقریباً چھ گز کا چھوٹا ہوا حصہ دکھلایا۔ (گویا آپ جانتے تھے کہ جلد ہی یعنی حضرت عائشہؓ کی زندگی میں کہے کی نئی تعمیر کی جائے گی۔ حالانکہ عام حالات میں اس وقت یہ بات سوچی بھی نہیں جاسکتی تھی۔ کیونکہ قریش کی تعمیر کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور اسے توڑ کر دوبارہ جلد ہی بنانے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا تھا)۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ اس سے بعض علماء کا یہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ حضرت امین زبیرؓ نے پورے حجر اسود کو تعمیر میں داخل کر دیا تھا۔ کہے کی نئی تعمیر کرانا جائز ہے..... بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی وہ گذشتہ حدیث

۴ حضرت علیؓ کی طرف سے اس بات کی اجازت تھی کہ آپ کے بعد جس شخص کو موقعہ میسر آئے اور اسے اس پر قدرت بھی ہو جائے تو وہ کعبے کی تعمیر سے مرے سے کر سکتا ہے۔

علامہ محبت طبری نے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے جو اشارۃً یا صاف صاف نکلا ہے کہ اگر مصلحت اور حالات کے لحاظ سے ضروری اور لازمی یا بہتر ہو تو بیت اللہ کی تعمیر میں تبدیلی جاسکتی ہے۔ علامہ ابن حجر شمشی کہتے ہیں کہ یہ بات صاف ہے کہ کعبے کا جو حصہ خراب ہو جائے وہ منہدم یعنی ڈھلایا ہو یا مسدود کئے جانے کے قابل ہونے کے حکم میں ہے اس لئے اس کی مرمت کرنا جائز بلکہ مستحب بلکہ واجب ہے۔ یہاں تک علامہ شمشی کا کلام ہے۔

اسی طرح ایک بار ۱۲۰ شعبان ۱۰۳۰ھ (یعنی آج سے ساڑھے تین سو سال پہلے) عصر کی نماز کے بعد مکے میں ایک زیروست سیلاب آیا تھا جس کے نتیجے میں کعبہ کا پورا حصہ گر گیا تھا اور شاہی سمت کی دیوار بھی سانسے کی طرف گر پڑی۔ اسی طرح مشرقی جانب کی دیوار بھی دروازے کی حد تک جھک گئی تھی۔ اسی طرح مغربی جانب کی دیوار بھی تقریباً چھ حصے جھک گئی تھی۔ مکہ شہر میں بھی اکثر مکانات اس سیلاب سے گر کر جہاں ہو گئے تھے اور اس وقت حرم میں جو لوگ موجود تھے وہ سب اور خاص طور پر تمام بچے ڈوب کر مر گئے تھے اس لئے کہ پانی دروازوں کی اونچائی تک بھر گیا تھا۔

جب یہ خبر مصر پہنچی تو وزیر مملکت محمد پاشا نے جو کعبے کا ستون تھا اور اب یعنی ۱۰۳۳ھ میں وزیر اعظم ہے، علماء کی ایک جماعت کو مشورہ کے لئے بلایا جن میں میں بھی شامل تھا۔ پھر علماء سے مشورہ کیا گیا۔ میں نے اس سلسلے میں وزیر موصوف کو اپنا ایک رسالہ پیش کیا جس کو انہوں نے اٹاپہند کیا کہ اس رسالے کا ترکی زبان میں ترجمہ کرانے کے لئے ایک شخص کو دیالور پھر یہ ترجمہ شدہ سالہ سلطان ہرلو کی خدمت میں بھیجا۔ کعبے کی تعمیروں کی تعداد..... میں نے اس رسالہ میں لکھا کہ حق یہ ہے کہ کعبے کی مکمل تعمیر صرف تین مرتبہ ہوئی ہے سب سے پہلے تو خود حضرت اسماعیلؑ کی تعمیر ہے۔ اس کے بعد قریش کی بنائی ہوئی تعمیر ہے ان دونوں تعمیروں کے درمیان دو ہزار سات سو پچھتر (۲۷۷۵) سال کا فاصلہ ہے۔ پھر تیسری بار کعبے کی مکمل تعمیر حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے کی ہے۔ ان دونوں تعمیروں یعنی قریش کی تعمیر اور حضرت امین زبیرؓ کی تعمیر کے درمیان پچاس (۸۲) سال کا فاصلہ ہے۔

ان تینوں تعمیروں سے پہلے جہاں تک فرشتوں اور آدمؑ اور شیثؑ کی تعمیر کا سوال ہے ان کی روایتیں ثابت شدہ نہیں ہیں۔ پھر جہاں تک بنی برہم، عتقانہ اور قحطی کی تعمیروں کا تعلق ہے تو وہ پوزی تعمیریں نہیں ہیں بلکہ انہوں نے مرمت کرائی ہے۔ لہذا بنی برہم کی تعمیر کے بعد کعبے کو ڈھا کر دوبارہ صرف قریش اور پھر حضرت امین زبیرؓ نے بنوایا ہے۔

اس بارے میں ایک حدیث ہے کہ جس کی تشریح کلامِ بقیؑ نے کی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے :-
”اس بیت اللہ کا زیادہ سے زیادہ طوائف کرو اس سے پہلے کہ اس کو اٹھالیا جائے کہ یہ دوسرے ڈھلایا گیا ہے اور تیسری مرتبہ میں اس کو اٹھالیا جائے گا۔“

اس حدیث سے مراد یہ ہوگی کہ دوسرے ڈھلایا جائے گا یعنی ایک دفعہ قریش بنا کر ڈھا چکے ہیں اور دوسری دفعہ امین زبیرؓ ڈھا کر بنائیں گے اور تیسری مرتبہ میں اس کو اس دنیا سے اٹھالیا جائے گا۔

لؤلین غلاف کعبہ..... ایک قول یہ گزرا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے کعبے کو ریشی غلاف چڑھایا وہ حضرت ابن زبیر ہیں۔ اسی طرح ہی قول حضرت عبداللہ ابن عباس کی والدہ کے متعلق بھی ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ مگر حضرت ابن زبیر کے متعلق جو قول ہے وہی زیادہ مشہور ہے۔ ممکن ہے حضرت ابن زبیر نے پہلے تو کعبے پر قبایطی کپڑے کا غلاف چڑھایا ہو اور اس کے بعد پھر ریشی غلاف چڑھایا ہو۔ واللہ اعلم

اس سے پہلے جاہلیت کے زمانے میں کعبے کا غلاف ٹاٹ کا اور چمڑے کا تھا۔ سب سے پہلے جس شخص نے کعبہ پر غلاف چڑھایا وہ یمن کا بادشاہ تیج حمیری تھا اس نے چمڑے کا غلاف چڑھایا تھا۔ پھر اس کے بعد حمیر قبیلے ہی نے کپڑے کا غلاف چڑھایا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے بیت اللہ پر سرخ لون کا غلاف چڑھایا جس پر سیاہ دھاریا ہوتی تھیں اور جو یمن میں بننا تھا۔

اہم یقینی نکتہ لکھا ہے کہ ایک روایت ہے کہ تیج یرانی نے بیت اللہ پر پہلے لونی غلاف چڑھایا مگر وہ پھٹ کر گر پڑا۔ اس کے بعد انہوں نے ٹاٹ اور چمڑے کا غلاف چڑھایا مگر وہ بھی پھٹ کر گر گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک نئی کپڑے کا غلاف چڑھایا (جس کو عربی میں دھائل کہتے ہیں) یہ غلاف (باقی رہا اور گویا کہ اس کو) کعبہ نے قبول کر لیا۔

تفسیر کشف میں ہے۔ یہ تیج حمیری مومن تھے مگر ان کی قوم کافر تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کی مذمت اور برائی کی ہے مگر خود تیج برائی نہیں فرمائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ان کے بارے میں ارشاد ہے (جو غالباً سیرت طیبہ اردو قسط دوم میں گزرا ہے) کہ ”تیج کو برا بھلا مت کہو اس لئے کہ وہ مسلمان تھے۔“

اسی طرح ان کے متعلق آپ کا ایک ارشاد ہے۔

”میں نہیں جانتا کہ تیج نیا ہے یا غیر نیا تھے۔“

علامہ شمس حموی نے اپنی کتاب منہاج زہیرہ فی السبائح لمرضیہ میں حضرت ابن عباس سے تیج کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ نیا تھے۔

ایک قول یہ ہے کہ سب سے پہلے کعبہ پر جس شخص نے غلاف چڑھایا وہ ابن زبیر لؤلین تھا۔ قریش کعبے پر جو غلاف چڑھاتے تھے تو اس میں سب لوگوں کا چہرہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک قریشی مرد دوا اور بیہوش ابن مخیرہ سامنے آیا اور اس نے ایک دفعہ کہا۔

”آئندہ سے ایک سال میں تمہا کعبے پر غلاف چڑھایا کروں گا اور ایک سال تمام قریش مل کر چڑھایا کریں۔“

ایک قول یہ ہے کہ ابوربیعہ ہر حال کو دیکھنے کے غلاف کی رقم تمہادیا کرتا تھا۔ ہر حال اس کے بعد سے اس کا ہمیشہ یہی معمول رہا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ اسی لئے قریش نے اس کا لقب عدل رکھ دیا تھا۔ کیونکہ کعبے کا غلاف چڑھانے کے معاملے میں اس نے تمہا ہی قریش کے معاملے میں بہت کی تھی۔ اس کی تولد کو بنی عدل کہا جاتا تھا۔

اس زمانے میں (کعبے پر نیا غلاف ڈالنے کے وقت) پرانا غلاف نہیں اسیرا جاتا تھا بلکہ ہمیشہ نیا غلاف پرانے غلاف کے اوپر ہی ڈال دیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک یہی طریقہ رہا۔ اس کے بعد رسول

اللہ ﷻ نے کعبہ پر پہلی کپڑے کا غلاف چڑھایا۔

غلاف کعبہ کی اقسام..... ایک روایت ہے کہ سب سے پہلے جس نے کعبہ پر قبایلی کپڑے کا غلاف چڑھایا وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اسی طرح بعد میں حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ نے بھی بیت اللہ پر قبایلی کپڑے کا غلاف چڑھایا پھر حضرت امیر معاویہؓ نے دیلم، قبایلی اور یمنی چادر کے غلاف چڑھائے۔ چنانچہ دیلم کا غلاف دس محرم کو چڑھاتے تھے اور قبایلی کا رمضان کے آخر میں چڑھاتے تھے۔

یہاں اگرچہ تین قسم کے کپڑوں کے غلاف کا ذکر ہوا تھا مگر غلاف چڑھانے کے وقت کے سلسلے میں صرف دو کا ذکر کیا گیا یعنی چادر کا ذکر نہیں کیا گیا جس کا مطلب ہے کہ یہاں یمنی چادر کا لفظ قبایلی کپڑے کی وضاحت کے طور پر ہوا ہے کسی مستقل قسم کا غلاف مراد نہیں ہے واللہ اعلم

اسی طرح عباسی خلیفہ ماموں رشید نے کعبہ پر سرخ ریشم کے، سفید ریشم کے اور قبایلی کپڑے کے غلاف چڑھائے ہیں۔ خلیفہ ماموں سرخ ریشم کا غلاف تردیہ کے دن چڑھاتا تھا، قبایلی کپڑے کا غلاف رجب کے مہینے کی چاند رات کو چڑھاتا تھا اور سفید ریشم کا غلاف ستائیس رمضان کو چڑھایا کرتا تھا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان رنگوں کے غلاف عباسی خلیفہ متوکل کے زمانے میں بھی چڑھائے گئے۔ پھر خلیفہ ناصر عباسی کے زمانے میں سیاہ ریشم کا غلاف چڑھایا گیا اور آج تک ہر سال اب سیاہ ریشم کا غلاف ہی چڑھایا جاتا ہے۔

غلاف کعبہ کے مصارف کے لئے موقوفہ دیہات..... بیت اللہ کے غلاف کا خرچہ دو دیہات کی زمینوں کی آمدنی سے تیار کیا جاتا ہے یہ دیہات بیسویں اور سندیس ہیں جو مصر میں قاہرہ کے قریب ہیں۔ ان دونوں دیہات کو سلطان اسماعیل ابن ناصر محمد ابن فلادون نے ۱۵۷۵ھ کے قریب کعبے کے لئے وقف کیا تھا اب ان میں اور دیہات کا اضافہ بھی ہو گیا ہے۔

بہر حال حاصل یہ ہے کہ زیادہ مضبوط قول کی بنیاد پر سب سے پہلے جس شخص نے کعبہ پر غلاف چڑھایا وہ حج حیرتی ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ یہ اسلام کے زمانے سے نو سو سال پہلے کی بات ہے۔

ایک قول یہ گزرا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کی والدہ نے بھی ایک دفعہ کعبے پر ریشم کا غلاف چڑھایا تھا اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عباسؓ اپنے بچپن میں ایک مرتبہ کھو گئے تھے ان کی والدہ نے اس وقت یہ منت مانی کہ اگر حضرت عباسؓ مل جائیں تو وہ کعبے پر غلاف چڑھائیں گی۔ چنانچہ حضرت عباسؓ مل گئے تو انہوں نے بیت اللہ پر ریشمی غلاف چڑھایا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے بیت اللہ پر ریشمی غلاف چڑھایا وہ عبد الملک ابن مروان ہے۔ یہ بات ابن اسحاق کی اس روایت سے نکلتی ہے جس میں ہے کہ سب سے پہلے جس نے کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھایا وہ حجاج ابن یوسف ہے۔ چونکہ یہ حجاج ابن یوسف خلیفہ عبد الملک ابن مروان کا گورنر تھا (اس لئے حجاج کے غلاف چڑھانے کا مطلب یہ ہے کہ خود خلیفہ کے حکم سے اور اس کی طرف سے چڑھایا)۔

ریشمی غلاف کا جواز..... امام بلقیانی سے ایک دفعہ مسئلہ پوچھا گیا کہ کیا کعبہ پر ایسا ریشمی غلاف چڑھانا جائز ہے جس میں سونے کے تار پروئے ہوئے ہیں؟ اور کیا اس غلاف کو لے جانے کے وقت کھلا ہوا لے جانا جائز ہے؟

امام بلقیانی نے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا اور کہا۔

”کیونکہ کعبہ پر قیمتی غلاف چڑھانے سے اس کی تعظیم مقصود ہے اور یہ بیش بہا غلاف چڑھانے والا اس کے ذریعہ دنیا و آخرت میں بہترین اور قیمتی لباس کی تمنا کرتا ہے۔ نیز غلاف کعبہ کو چڑھانے کے لئے لے جانے کے وقت اس کو زیارت کے لئے کھلا رکھنا بھی جائز ہے..... یہاں تک امام باقرؑ کا کلام ہے۔

کعبہ کی سونے سے لوہین آرائش..... سب سے پہلے جس شخص نے کعبہ کے دروازے کو سونے سے آراستہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کے دوا عبد المطلب ہیں۔ کیونکہ جب انہوں نے زم زم کا کنواں کھولا تو اس میں سے انہیں تلواریں اور دو سونے کی ہر نیاں ملیں۔ انہوں نے ان تلواریں سے تو کعبہ کا دروازہ بنادیا اور اس میں وہ دونوں ہر نیاں نصب کر دیں۔ چنانچہ جیسا کہ بیان ہوا یہ پہلا موقعہ ہے کہ کعبہ کو سونے سے سجایا گیا۔

پھر اسلام آنے کے بعد سب سے پہلے جس شخص نے کعبہ کو سونے سے سجایا وہ عبد الملک ابن مروان ہے۔ اور ایک قول کے مطابق حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ ہیں۔ اس نے بیت اللہ کے ستونوں پر سونے کے پتر چڑھوائے اور خندہ کعبہ کی چابیاں بھی سونے کی بنوائیں۔ پھر ولید ابن عبد الملک نے میزاب یعنی بیت اللہ کے پرانے پر بھی سونا چڑھوایا۔

کہا جاتا ہے کہ ولید نے مکہ میں اپنے گورنر کے پاس چھتیس ہزار دینار بھیجے تھے کہ اس سے کعبہ کے دروازے میزاب یعنی پرانے، کعبہ کے اندرونی ستونوں اور اندر کے کونوں پر سونے کا کام کروایا جائے۔

اسی طرح ہارون رشید کے بیٹے امین نے اپنے گورنر کے پاس اٹھارہ ہزار دینار بھیجے تھے کہ اس کے ذریعہ کعبہ کے دونوں دروازوں پر سونا چڑھوایا جائے چنانچہ اس نے پہلے اس پچھلے سونے کے پتروں کو ان دروازوں پر سے اتروادیا اور پھر اس کے ساتھ اس کو بھی شامل کر کے دروازوں پر چڑھا دیا اس نے دروازے کی کیلیوں، کندھیوں اور چوکھٹوں پر بھی سونا چڑھوایا۔

پھر عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کی والدہ نے اپنے غلام لولو کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ شریف کے تمام ستونوں پر سونے کے پتر چڑھاوے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

تکمیل تعمیر اور صدقہ..... حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ جب کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے اعلان کیا۔ ”جو شخص بھی میرا فرماں بردار اور اطاعت کرنے والا ہو وہ اگر عمرہ کا احرام باندھے..... اور جو شخص

ایسی استطاعت رکھتا ہو کہ وہ ایک لونٹ ذبح کر سکے تو وہ لونٹ قربان کرے۔ اور اگر اتنی حیثیت نہ رکھتا ہو تو ایک بکری قربان کرے اور جو اس کی حیثیت بھی نہ رکھتا ہو تو وہ اپنی گنجائش کے مطابق کچھ صدقہ خیرات کرے۔“

پھر خود حضرت ابن زبیرؓ نے سولونٹ خدا کے نام پر نکالے اور انہیں قربان کیا۔ اس تعمیر کے مکمل ہونے کے بعد جب حضرت ابن زبیرؓ نے کعبہ کا طواف کیا تو انہوں نے بیت اللہ کے چاروں اركان کو بوسہ دیا۔ چنانچہ اس کے بعد جب تک بھی امین زبیرؓ کی کرائی ہوئی کعبہ کی تعمیر باقی رہی اس کے چاروں اركان یعنی کونوں کو بوسہ دیا جاتا تھا۔ یہ تعمیر ابراہیمؑ کے تعمیر کے اصل نشانات پر بنائی گئی تھی۔

حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت..... حضرت ابن زبیرؓ ایک دروازے سے کعبہ میں داخل ہوا کرتے تھے اور دوسرے سے نکلا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ حضرت ابن زبیرؓ کو حجاج کے لشکر کے ایک آدمی نے ہلاک کیا تھا۔ اس نے ابن زبیرؓ کے ایک پتر مراد جو ان کی آنکھوں کے درمیان لگا ہوا وہ شہید ہو گئے۔ اس وقت حضرت ابن زبیرؓ حرم میں تھے۔

عمارت کعبہ پھر پچھلی حالت پر..... حجاج ابن یوسف اس لشکر کا امیر تھا جسے عبدالملک ابن مروان نے حضرت ابن زبیر سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا تھا نیز عبدالملک ابن مروان نے حجاج کو لکھا تھا۔
”عبداللہ ابن زبیر نے کعبے کی عمارت کا جو حصہ بڑھایا ہے اس کو ڈھلا دو۔“

یعنی اس حصے کو ڈھایا جائے جو تعمیر کے وقت ابن زبیر نے بڑھا کر کعبے میں شامل کیا تھا اور قریش نے جس کو کعبے کی عمارت سے نکال دیا تھا۔ عبدالملک کے جملے کی یہ تفسیر اس کے دوسرے قول سے ہوتی ہے جس میں اس نے لکھا تھا۔

”کعبے کو پھر اسی حد پر لے آؤ جس پر وہ پہلے تھا اور اس دوسرے دروازے کو بھی بند کر دو جو ابن زبیر نے کھولا ہے۔ (ی) اور اس دروازے کو پھر زمین سے اتنا ہی اونچا بنادو جتنا وہ قریش کے زمانے میں تھا اور باقی عمارت کو جوں کے توں رہنے دو۔“

اس کی وجہ یہ تھی کہ عبدالملک یہ سمجھتا تھا کہ ابن زبیر نے یہ سب اضافہ خود اپنی مرضی سے کیا ہے (۲) حضرت عائشہؓ کی خواہش کی روشنی میں نہیں کیا) اس حکم کے جواب میں حجاج نے عبدالملک کو لکھا کہ عبداللہ ابن زبیر نے یہ نئی بنیاد کے تمام بڑے بڑے لوگوں کو دکھا کر رکھی ہے۔ (ی) یعنی جو پچاس آدمی تھے اور سب کے سر پر گورہ اور مسند لوگ تھے جیسا کہ پیچھے بیان ہوا۔

مگر اس کے جواب میں پھر عبدالملک نے حجاج کو لکھا۔
”ہم کس معاملے میں عبداللہ ابن زبیر کی دیوانگی کے پابند نہیں ہیں۔“

چنانچہ اس حکم کے بعد حجاج نے اس حصے کو توڑ دیا جو حجر اسود تک بڑھایا گیا تھا۔ نیز اس نے وہ دوسرا مغربی دروازہ بھی بند کر دیا جو کعبے کی پشت پر رکن یمانی یعنی دائیں کرنے کے پاس بنایا گیا تھا۔ ساتھ ہی اس نے اصلی دروازے کی اونچائی میں سے پانچ گز کم کر دیئے اور اس کو اونچائی پر بنایا جتنا وہ قریش کے زمانے میں تھا۔ چنانچہ دروازے کو اونچا ٹھانے کے لئے اس نے اس کے نیچے چار گز سے کچھ زائد دیوار بنائی اور دروازہ کے اندر کی جانب (نیچے اترنے کے لئے) اس نے سڑھیاں بنائیں جو آج تک موجود ہیں۔

اس سلسلے میں ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ :-

جب ابن زبیر کے مقابلے میں حجاج کو فتح ہو گئی تو اس نے عبدالملک ابن مروان کو خط کے ذریعہ اطلاع دی تھی کہ ابن زبیر نے کعبے میں کچھ ایسا حصہ بڑھلایا ہے جو اس میں پہلے نہیں تھا۔ نیز انہوں نے کعبے میں ایک نیا دروازہ اور بھی بنوایا ہے۔

یہ خبر دینے کے ساتھ ہی حجاج نے عبدالملک سے اس بات کی اجازت چاہی کہ وہ کعبے کو پھر اسی حالت پر کر دے جیسا کہ وہ جاہلیت کے زمانے میں تھا۔ اس پر عبدالملک نے اس کو لکھا کہ وہ مغربی جانب کا نیا دروازہ بند کر دے اور حجر اسود تک کا جو حصہ ابن زبیر نے بیت اللہ میں بڑھلایا ہے اس کو ڈھلا دے۔ چنانچہ حجاج نے ایسا ہی کیا۔

حجاج کی ترمیمات..... اس لئے ۱۰۳ھ میں سیلاب کی وجہ سے کعبے کی عمارت جو گری ہوئی تھی اس سے پہلے تمام تعمیر وہی تھی جو ابن زبیر کی بنوائی ہوئی تھی اور اس کی بنیاد بھی وہی تھی۔ صرف حجر اسود کے پاس جو حجاب بنوایا گیا تھا وہ

حجاج کا بنوایا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ دروازے کی چوکھٹ کے نیچے چار گز سے کچھ زائد دیوار بھی وہی تھی۔ حجاب کی بنوائی ہوئی تھی۔ جبکہ اس سے پہلے عمالئق اور بنی جرہم اور حضرت ابراہیمؑ کے زمانوں میں کعبے کا دروازہ زمین سے

ملا ہوا تھا جس کو بعد میں قریش نے اپنی تعمیر کے وقت لوٹ لیا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔ اسی طرح وہ حصہ جو مغربی دروازہ کو بند کرنے کے لئے بٹایا گیا حجاج کی تعمیر کا تھا۔ یہ دیوار ان پتھروں سے بنائی گئی جو کعبے کے اندر رکھے ہوئے تھے اور جن کو امین زبیرؓ نے رکھوا دیا تھا۔ (ی) انہوں نے اس جگہ پر شاید وہ پتھر رکھوائے تھے جو تعمیر کے لئے گھڑ کر استعمال کئے جاتے تھے۔

چنانچہ بعض محترم حضرات نے مجھے یہ بتلایا ہے کہ کعبے کے بعض مکانات میں وہ پتھر لگے ہوئے ہیں جو عبد اللہ امین زبیرؓ کے زمانے میں کعبے سے نکلے گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مکان جس میں کعبے کے پتھر لگے ہوئے تھے خود حضرت عبد اللہ امین زبیرؓ کا تھا۔

بیت اللہ میں حجاج کی یہ تعمیر اسی سال ہوئی جس سال حضرت امین زبیرؓ شہید ہوئے اور حضرت امین زبیرؓ کی شہادت ۳۷ھ میں ہوئی۔

ایک روایت ہے کہ جب حجاج امین یوسف نے حضرت امین زبیرؓ کا کعبے میں محاصرہ کر رکھا تھا جو پانچ مہینے تک جاری رہا۔ اور ایک قول کے مطابق سات مہینے سترہ دن تک رہا۔ تو ایک روز یعنی اپنی شہادت سے دس دن پہلے وہ اپنی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کے پاس گئے اس وقت حضرت اسماءؓ پہلے تھیں۔ حضرت امین زبیرؓ نے اپنی والدہ سے پوچھا۔

”ہاں اب آپ کیسی ہیں؟“

انہوں نے کہا کہ میں تو بیدار ہی ہوں۔ حضرت امین زبیرؓ نے کہا

”حقیقت یہ ہے کہ راحت تو موت ہی میں ہے۔“

حضرت اسماءؓ نے جواب دیا۔

”شاید تم میری موت ہی چاہتے ہو مگر میں اس وقت تک مرنا نہیں چاہتی جب تک میرے پاس تمہارے متعلق دو میں سے ایک خبر آجائے۔ یا تو یہ کہ تم قتل ہو گئے ہو یا یہ کہ اپنے دشمن پر فتح پا گئے۔ تاکہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔“

پھر جس دن حضرت امین زبیرؓ شہید ہوئے اس دن بھی وہ حرم میں اپنی والدہ کے پاس گئے۔ حضرت

اسماءؓ نے کہا

”ان کی جانب سے کوئی ایسا حل قبول مت کرنا جس سے تمہیں اپنی جان کی طرف سے خوف ہو۔ اس لئے کہ خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کا دلہنا اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑوں کی مار برداشت کی جائے۔“

امین زبیرؓ کے ساتھیوں کی بیوفائی..... کہا جاتا ہے کہ (اس محاصرہ کے دوران) حضرت امین زبیرؓ کے آدمی ان کے پاس سے نکل کر اور حجاج کے پاس جا کر امان حاصل کرتے رہے اور حجاج ہر ایک کو امان دیتا رہا۔ یہاں تک کہ تقریباً دس ہزار آدمی امین زبیرؓ کو چھوڑ کر حجاج کے پاس پہنچ گئے اور اس سے امان حاصل کر لی۔ حتیٰ کہ ان لوگوں میں خود امین زبیرؓ کے دونوں بیٹے حمزہ اور ضعیب بھی وہاں سے نکل کر حجاج کے پاس پہنچ گئے اور اس سے اپنے لئے امان حاصل کر لی۔

ایک روز حضرت امین زبیرؓ پھر اپنی والدہ کے پاس آئے اور ان سے شکایت کرنے لگے کہ کس طرح

لوگوں نے ان کو دعویٰ اور انہیں چھوڑ کر حجاج کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ خود ان کی لولہ اور گھروالے بھی ان کو چھوڑ گئے اور یہ کہ لب ان کے ساتھ معمولی اور تھوڑے سے لوگ رہ گئے۔ انہوں نے کہا۔
 ”دنیا سے جو کچھ مل سکتا تھا وہ لوگ مجھے دے رہے ہیں اب آپ کی کیا رائے ہے؟“

حضرت ابن عباسؓ نے کہا ”بیٹے! تم اپنے متعلق مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ اگر تم جانتے ہو کہ تم سچائی پر ہو اور لوگوں کو حق کی طرف بلارہے ہو تو اس پر صبر کرو۔ اس لئے کہ اسی پر تمہارے ساتھیوں نے جانیں دے دی ہیں اس لئے اپنے لو پر انہیں قابو مت پانے دو کہ بعد میں بنی امیہ کے بچے تمہارے سر سے کھیلنے نظر آئیں۔ اور اگر تم نے صرف دنیا حاصل کرنے کے لئے یہ سب کیا تھا تو تم بدترین آدمی ہو کہ تم نے اپنے آپ کو بھی ہلاکت میں ڈالا اور جو لوگ تمہارا ساتھ دیتے ہوئے قتل ہو گئے ان کو بھی برباد کیا۔ اس دنیا میں تمہاری کتنے دن کی زندگی کافی ہے۔۔۔۔۔!“

حضرت زبیرؓ نے سن کر اپنی والدہ کے قریب آئے اور ان کے سر کو بوسہ دیا اور کہا۔
 ”خدا کی قسم! میں نے دنیا کا سہارا نہیں لیا اور نہ اس دنیا کی زندگی کی تمنا کی۔ میں نے مردانِ امین حکم کی بیعت صرف اس لئے نہیں کی کہ مجھے اللہ کے لئے اس بات پر غصہ تھا کہ وہ خدا کے نام کی حرمت و عظمت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔“

بیٹے کی لاش پر ماں کی حاضری..... اس کے بعد جب حضرت ابن زبیرؓ شہید ہو گئے اور ان کی لاش کو شیعہ کے مقام کے لو پر لٹکا دیا گیا اور اسی حالت میں تین دن گزر گئے تو وہاں ان کی والدہ حضرت اسماءؓ آئیں جنہیں سہرا دے کر لایا جا رہا تھا کیونکہ ان کی بیعتی ختم ہو چکی تھی وہاں آکر بہت دیر تک کھڑی رہیں اور دیر تک ان کے لئے دعا کرتی رہیں اس عرصے میں ان کی آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ بھی نہیں گرا۔ پھر انہوں نے حجاج سے کہا۔
 ”کیا اس سوار کے اترنے کا وقت نہیں آیا؟“

حجاج نے کہا۔

”یہ منافق..... تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح حق کی مدد فرمائی اور اس کو بلند فرمایا۔ تمہارے بیٹے نے اس بیت اللہ میں بے دینی پھیلا رکھی تھی..... حالانکہ اللہ تعالیٰ نے امر شرف فرمایا ہے۔“

وَمَنْ يَرْدِ فِيهِ بِالْحَادِ يَطْلُمُ يَنْفَعُ مِنْ عَذَابِ الْيَمِّ ۖ اسورہ حج ۳

ترجمہ: اور جو شخص اس میں یعنی حرم میں کوئی خلاف دین کا قصد۔ قلم یعنی شرک و کفر کے ساتھ کرے گا تو ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

علامہ سبط ابن جوزیؒ نے یہ روایت کی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کی خلاف کے زمانے میں (ان کے دشمنوں نے ان کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو حضرت امین زبیرؓ نے ان سے کہا تھا۔

”میرے پاس ایسے بہترین گھوڑے موجود ہیں جن کو میں نے آپ کے لئے تیار کیا ہے۔ اب آپ چاہیں تو یہاں سے بچ کر کے چلے چلیں وہ آپ کو ان دشمنوں سے بچالے جائیں گے۔“

اس پر حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قریش میں کا ایک شخص حرم میں سب کے میں قتل و قتل پھیلائے گا اور اس کیلئے شخص پر ساری دنیا کے عذاب کا آواہا ہے ہو گا۔ اس لئے میں ہرگز وہ شخص نہیں ہوں گا۔“

ایک روایت میں حضرت عثمان کا جواب اس طرح ہے کہ :-

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قریشی بھیڑوں میں سے (یعنی قریشیوں میں سے) ایک بھیڑ جس کا نام عبد اللہ ہو گا کہ میں فتنہ و فساد پھیلائے گا اور اس پر ساری دنیا کے گناہوں کے بوجھ کا آدھا حصہ ہو گا“ یہاں تک علامہ سبط ابن جوزی کا کلام ہے۔

میرے نزدیک اس روایت میں عبد اللہ سے مراد حضرت ابن زبیرؓ نہیں ہیں بلکہ حجاج ہے۔ یہ بات بھی کوئی بعید نہیں ہے کہ حجاج قریش میں سے ہو۔ اور یہ کہ علامہ ابن حجرؒ مثنیٰ کی کتب صواعق میں ہے کہ حضرت عثمانؓ سے یہ بات (حضرت ابن زبیرؓ نے نہیں بلکہ) مغیرہ ابن شعبہؓ نے کہی تھی (اور مغیرہؓ بنی امیہ میں سے ہیں جو قریش کے سخت مخالف تھے اس لئے ممکن ہے اس روایت میں قریش کا لفظ ان کا اضافہ ہو۔

(اس حدیث کے مصداق حضرت ابن زبیرؓ ہرگز نہیں ہیں کیونکہ یہ حدیث حرم کی ہر زمین میں فتنہ و فساد پھیلائے والوں کے لئے ہے جبکہ ظاہر ہے حضرت ابن زبیرؓ کا خدا نخواستہ ہرگز یہ فتنہ نہیں تھا بلکہ انہوں نے یزید کی اور پھر عبد الملک کے بیٹوں کی بیعت سے بھی اسی لئے انکار کیا تھا کہ وہ بیعت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق نہیں تھی۔ اور خود ان کی خلافت کا جو دور ہے اس میں ان کا اپنا عمل ایک مومن اور زاہد و پاکباز شخص کا عمل ہے جس کے متعلق آگے تفصیل آ رہی ہے۔ مرتب۔)

ابن زبیرؓ کا زہد اور مرتبہ..... حجاج ابن یوسفؓ نے حضرت ابن زبیرؓ کو منافق کہا تھا۔ جب ان کی والدہ حضرت اسماءؓ نے یہ سنا (جیسا کہ ان کے سامنے ہی حجاج نے کہا تھا) تو انہوں نے فرمایا۔

”تو جھوٹا ہے۔ خدا کی قسم وہ (میرا بیٹا ابن زبیرؓ) منافق نہیں تھا بلکہ انتہائی روزے رکھنے والا، عبادت کرنے والا اور نیک و پاکباز تھا۔ ابن زبیرؓ مدینے میں مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے والا سب سے پہلا بچہ تھا، وہ وہ تھا جس کی پیدائش پر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے تھے اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس کی تختیک کی تھی یعنی کجور چپا کر اس کو کھلائی تھی اور اس دن اس کی پیدائش پر مسلمانوں نے خوشی میں اتنی زور سے تکبیر کہی تھی کہ سدا مدینہ شہر و مل گیا تھا۔ وہ اللہ کی کتاب یعنی قرآن پاک پر عمل کرنے والا آدمی تھا اللہ کے حرم کا محافظ تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کئے جانے پر ہدایت ہوتا تھا۔“

حضرت اسماءؓ کے ساتھ حجاج کی گستاخی..... یہ سن کر حجاج نے کہا۔

”جاؤ تم بوڑھی ہو گئی ہو اور تمہارے دماغ میں فتور آ گیا ہے۔“

حضرت اسماءؓ نے فرمایا۔

”خدا کی قسم میرے دماغ میں کوئی فتور نہیں ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ثقیف کے علاقے سے ایک کذاب یعنی جھوٹا اور ایک خون خوار پیدا ہو گا۔ جہاں تک اس کذاب اور جھوٹے کا تعلق ہے تو اس کو تو ہم دیکھ چکے ہیں مراد ہے عتد ابن ابو عبیدہ ثقفی جو عراق کا گورنر تھا اور جہاں تک اس خون خوار شخص کا تعلق ہے تو وہ خون خوار اور ظالم آدمی تو ہی ہے۔“

یہ عتد ابن ابو عبیدہ ثقفی عراق کا گورنر تھا جب حضرت امام حسینؓ شہید کر دیئے گئے تو یہ شیعوں کی اس جماعت کے ساتھ مل گیا جنہوں نے عین موقع پر حضرت امام حسینؓ کو مدادی تھی اور پھر جب حضرت حسینؓ شہید ہو گئے تو ان لوگوں کو اپنی حرکت پر ندامت اور شرمندگی ہوئی۔ چنانچہ اب انہوں نے عتد کے ساتھ مل کر

اس بات پر سمجھو کہ کیا کہہ کرنے کے جن لوگوں نے امام حسینؑ کو قتل کیا ہے ان سے جنگ کی جائے۔ چنانچہ یہ لوگ عہد کے ساتھ مل کر نکلے اور انہوں نے ان تمام لوگوں کو قتل کیا جنہوں نے حضرت حسینؑ کے ساتھ جنگ کی تھی اور پھر کرنے پر قبضہ کر لیا۔ اسی وجہ سے لوگ عہد کے بہت شکر گزار ہوئے۔ غرض جب خلیفہ عبدالملک ابن مروان کو حجاج کی وہ بات معلوم ہوئی جو اس نے حضرت اسماءؑ کو کہی تھی تو اس نے حجاج کو خط لکھا جس میں اس کو بہت ملامت اور سرزنش کی۔ اسی لئے حجاج نے لب حضرت اسماءؑ کو بلانے کے لئے ان کے پاس آدی بھیجا مگر انہوں نے انکار کر دیا اس پر وہ اپنی دوبارہ آیا اور اس نے کہا۔ ”یا تو تم آجاء ورنہ میں ایسا آدی بھیجوں گا جو تمہیں بالوں سے پکڑ کر کھینچتا ہوا لے گا۔“

(اس جملے سے حجاج کے حراج کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ خلیفہ کی طرف سے اس کو حضرت اسماءؑ کے ساتھ بدکلامی پر سرزنش اور ملامت کی گئی تھی اور اسی بنا پر اس نے حضرت اسماءؑ کو بلایا تھا تاکہ ان سے معافی مانگ سکے مگر ان کے انکار پر اس قدر جھٹلایا کہ اس طرح کے پیغام کے ساتھ ان سے معافی چاہنے کے لئے ان کو بلوایا۔ حضرت اسماءؑ نے پھر انکار کر دیا اور کہا۔

”خدا کی قسم! میں تیرے پاس نہیں آؤں گی یہاں تک کہ تو ایسا ہی آدی بھیجے جو مجھے بالوں سے پکڑ کر کھینچتا ہوا لے جائے۔“

لب حجاج نے اپنے جوتے اتار کر ہاتھ میں لئے اور نیچے پاؤں چل کر ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

”امیر المؤمنین نے مجھے تمہاری خبر گیری کی ہدایت کی ہے اس لئے اے ماں! تمہیں کوئی ضرورت ہو تو بتاؤ۔“.....؟

حضرت اسماءؑ نے کہا۔

”میں تیری ماں نہیں ہوں بلکہ میں اس کی ماں ہوں جسے شیخ کھائی کے لو پر سولی پر لٹکایا گیا تھا۔ مجھے کوئی ضرورت بھی نہیں ہے مگر تو ٹھہر تاکہ میں تجھے بتاؤں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ثقیف کے مقام سے ایک کذاب یعنی جھوٹا پیدا ہو گا اور ایک انتہائی خونخوار شخص پیدا ہو گا۔ جہاں تک کذاب اور جھوٹے کا تعلق ہے تو اس کو تو ہم دیکھ چکے ہیں اور جہاں تک اس ظالم اور خونخوار شخص کا تعلق ہے تو وہ تو ہے۔“

حجاج نے کہا کہ ہاں میں خونخوار تو ہوں مگر منافقوں کے لئے ہوں (بچے لوگوں کے لئے نہیں ہوں) نبوت کا ایک جھوٹا دعویٰ ار..... عہد امین ابو عبیدہ ثقیفی کو کذاب اس لئے اس کہا گیا ہے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور کتا تھا کہ میرے پاس وحی آتی ہے اور اس طرح اپنے ساتھیوں کو جھوٹی سچی باتیں بتلا کر خوش کیا کرتا تھا۔

علامہ بیہقی کی کتاب دلائل الخیرۃ میں کسی کی ایک روایت ہے کہ :-

میں عہد کے سر حائے تلواریں کر کھڑا ہوا کرتا تھا ایک دن میں نے اس کو یہ کہتے سنا کہ :-

”جبرئیل ابھی ابھی اس قالین پر سے اٹھ کر گئے ہیں (یعنی میرے پاس سے) اور ایک روایت میں یہ لفظ

ہیں کہ ابھی ابھی اس کرسی پر سے اٹھ کر گئے ہیں!“

(اس کی اس بات پر) میں نے چاہا کہ اس کی گردن مار دوں مگر مجھے ایک حدیث یاد آئی کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا۔

”مگر کسی شخص نے دوسرے کو جان کی مالک دیکھی ہو اور اس کے بعد اسے قتل کر دیا تو قیامت کے دن اس کے لئے عذاری کا جھنڈا اٹھایا جائے گا۔“

یہ حدیث یاد کر کے میں اس باروے سے رک گیا۔

امام شافعی کی کتاب الامارے جو مسئلہ قتل کیا جاتا ہے وہ شاید اسی حدیث کی بنیاد پر ہے کہ ایک مسلمان کو اس کا فر کے بدلے میں قتل کر دیا جائے گا جس کو لاکھوں گنی ہو اور پھر کسی مسلمان نے اس کو قتل کر دیا ہو۔“

مجھ نے حضرت ابن قیس اور اس کے ساتھیوں کو ایک دفعہ کھانا کھا کر دیکھا تھا کہ وہ ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ مجھے کذاب کہتے ہو۔ حالانکہ مجھ سے پہلے نبیوں نے بھی (نصوحہ باللہ) جھوٹ بولا ہے جبکہ میں ان سے بہتر نہیں ہوں۔“

حضرت ابن ابی عمیر ثقفی سے کچھ باتیں ایسی سرزد ہوئی تھیں جیسی کابل سے ہوا کرتی ہیں (اور اسی وجہ سے اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ چنانچہ جب اس نے عید اللہ ابن قیس سے جنگ کرنے کے لئے لشکر تیار کیا (اور اس سے حضرت حسینؑ کے قتل کا جواز لینے کا ارادہ کیا) کہ کون سا اس سے پہلے لکھنویا جانے والے حضرت حسینؑ سے جنگ کے لئے اپنا لشکر تیار کیا تھا جیسا کہ یہاں ہو چکا ہے تو اس نے یعنی حضرت ابن قیس سے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا: ”کل ہی تمہارا کچ ہو گا اور کل ہی مائیں زیادہ کے قتل کی خبر تمہیں مل جائے گی۔“

چنانچہ اگلے دن ایسا ہی ہوا کہ اس کے پاس ابن زیاد کا سر لایا گیا اور یہ سر حضرت کے سامنے لا کر ڈالا دیا گیا۔ ابن زیاد بھی دس محرم کو ہی قتل ہوا یعنی جس مدت میں اس نے حضرت امام حسینؑ کو قتل کیا تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد وہ یہ جگہ بھی حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے بھائی حضرت مصعب ابن زبیرؓ کے ہاتھوں قتل ہو کر اپنے انجام کو پہنچا۔ چنانچہ جب یہ مصعب اپنے بھائی حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی طرف سے عراق کے گورنر بنے تو قتل کا سر لا کر ان کے سامنے پیش کیا گیا۔

حضرت مصعبؓ کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ: ”عجب ہے کہ ابن ابی نمیرؓ کوئی کس بدلت پر نکیر اور عروہ کرتا ہے حالانکہ وہ دوسرے جیسے شباب کے راستے سے گزرا ہے! (یعنی ایک دفعہ لطف کے وقت طور ایک دفعہ پیدائش کے وقت)۔“ اس کے بعد پھر یہ مصعب ابن زبیرؓ قتل کئے گئے اور ابن کاسر عبداللہ ابن زبیرؓ کے سامنے لا کر پیش کیا گیا۔

ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے خلیفہ عبداللہ ابن زبیرؓ سے کہا: ”کوئے کا منخوس محل.....“ اے امیر المؤمنین! اس کو ذہن کے شہابی محل (یعنی گہرے محل) میں ایک دفعہ داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضرت امام حسینؑ کا سر عید اللہ ابن زیاد کے سامنے ایک طشت میں رکھا ہوا ہے اور عید اللہ ابن زیاد تخت پر بیٹھ ہوا ہے۔ پھر کچھ عرصے بعد میں دوبارہ اس محل میں گیا تو میں نے دیکھا کہ عید اللہ ابن زیاد کا سر عید ابن ابی عمیر ثقفی کے سامنے ایک طشت میں رکھا ہوا ہے اور عید ابن زبیرؓ کے کچھ مدت بعد پھر میں ایک روایت اس محل میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ عید ابن ابی عمیر ثقفی کا سر مصعب ابن زبیرؓ کے سامنے ایک طشت میں رکھا ہوا ہے اور مصعبؓ تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ کچھ دن بعد گزارنے کے بعد میں پھر ایک بار

اس گل میں کیا تو میں نے دیکھا کہ مصعب ابن زہر کا سوا آپ کے سامنے ایک طشت میں رکھا ہوا ہے اور آپ تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں.....!

عبدالملک نے یہ سب کچھ سن کر کہا

”خدا تمہیں پانچواں سر نہ کھائے۔“

اس کے ساتھ ہی خلیفہ نے اس گل کو اٹھانے کا حکم دے دیا۔

حجاج ابن یوسف..... حضرت امام شافعی سے روایت ہے کہ حجاج ابن یوسف کا باپ جب اپنی بیوی کے پاس گیا (اور اس ہم بستری کے نتیجہ میں حجاج جیسے ظالم و جاہل شخص کا حمل ہوا) تو وہ سو گیا اور اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک پکڑنے والا پکڑ کر اس سے کہہ رہا ہے۔

”تو نے ایک خوشخو اور خوں ریز شخص کا باپ بننے میں بڑی جلدی کی!“

علامہ صیاط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ۔

حجاج کی ماں حجاج کے باپ سے پہلے مغیرہ ابن شعبہ کے نکاح میں تھی جس نے اس کو اس وجہ سے طلاق دے دی تھی کہ ایک مرتبہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد گھر میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ بیٹھی ہوئی دانتوں میں غزال کر رہی ہے (مغیرہ کو اس کی منجھ کی حرکت اتنی بری لگی کہ انہوں نے کہا۔

”اگر تورات کے کھائے ہوئے کالب غزال کر رہی ہے تو قسمت گندی عورت ہے (کہ نکھانے کے پھینے ہوئے لیٹھول سے رات بھر تیرا منہ سڑتا رہا ہو گا) اور اگر تو آج کے کھانے کے بعد کا غزال کر رہی ہے تو تو بڑی بیٹھو اور نیت خراب عورت ہے (کہ منجھ اشے ہی سب سے پہلے کھانے پر ٹوٹ پڑی) ان دونوں میں سے جو بھی بات ہو (اس سے تیری برائی ظاہر ہو جاتی ہے اس لئے) میں تجھ کو جدا کرنا ہوں۔“

اچانک طلاق ہو جانے پر اس عورت نے (جس کا نام فارہ تھا بڑے سکون کے ساتھ) کہا۔

”خدا کی قسم! اتنا بڑے نکاح میں آنے سے ہمیں کوئی خاص خوشی نہیں تھی اور اب تمہارے سے جدا ہونے پر ہمیں کوئی افسوس اور غم نہیں ہے۔ مگر پھر بھی تمہیں اتنا غلاموں کہ اس وقت میرے متعلق تم نے جو کچھ بھی سوچا وہ سب غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے منجھ کو مسواک کی تھی جس کے کچھ ریشے میرے دانتوں میں چبھن گئے تھے اس وقت میں غزال کے ذریعہ وہی نکال رہی تھی۔“

یہ سن کر مغیرہ ابن شعبہ اس کو طلاق دے دینے پر بہت شرمندہ ہوئے۔ چنانچہ وہ اسی وقت گھر سے نکلے تو یوسف ابن ابو عقیل سے (جو بعد میں حجاج کا باپ بنا) اسے میں ملاقات ہو گئی۔ مغیرہ نے یوسف سے کہا۔

”میں اگر تم سے کسی بات کو کہوں تو کیا تم مانو گے؟“

یوسف نے پوچھا کیا بات ہے تو مغیرہ نے کہا

”میں نے نئی نفیث کی عورتوں کی سردار کو طلاق دے دی ہے جس کا نام فارہ ہے تم اس سے شادی کر لو تو وہ تمہارے لئے شریف و لاد کا ذریعہ بنے گی۔“

اس پر یوسف ابن ابو عقیل نے اس سے شادی کر لی جس سے اس کے یہاں حجاج پیدا ہوا۔

کتاب حیوۃ النبی ان میں یہ ہے کہ یہ عہد حجاج کے باپ سے پہلے امیر ابن ابی سلمہ کے نکاح میں تھی۔ یہاں تک حیات النبی ان کا حوالہ ہے۔

اس سے کوئی اشکال نہیں ہوتا ممکن ہے اس عورت کا نکاح ان تینوں سے ہوا ہو اور امیہ ابن ابی سلمہ سے اس کی شادی مغیرہ ابن شعبہ سے پہلے ہوئی ہو۔

جہاں تک اس عورت کو بنی ثقیف کی عورتوں کی سردار کہنے کا تعلق ہے۔ یہ بات بظاہر درست نہیں ہے کیونکہ ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک شہوت پسند عورت تھی۔ ایک دفعہ یہ کچھ شہوت انگیز شعر پڑھ رہی تھی جن میں کا ایک مصرعہ یہ ہے کہ:
 قُلْ مَنْ مَسَّ إِلَى عَمْرٍو لَمْ يَمَسَّهَا

ترجمہ: کیا کسی طرح تمہیں سے شرب مل سکتی ہے کہ میں پی سکوں۔

اس واقعہ کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ اس وقت وہاں سے حضرت عمر فاروق بھی گزر رہے تھے (اور انہوں نے بھی اس کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا تھا چنانچہ اس کو بنی ثقیف کی عورتوں کی سردار یعنی ایک شریف عورت اس لئے بھی نہیں کہا جاسکتا کہ حجاج کو امین التیمیہ یعنی ایک شہوت پسند عورت کا بیٹا کہہ کر شرم اور عار دلائی جاتی تھی۔

(اس کے بعد پھر عبداللہ ابن زبیرؓ کے حلقہ بیان کرتے ہیں کہ) جب تک حضرت عبداللہ کی لاش سوئی پر لگی رہی امین کو والدہ نے کتہی نہیں۔
 ”اے اللہ اچھے اس وقت تک موت نہ دیجئے جب تک کہ میں اس کی لاش سے اپنی آنکھیں مل کر ٹھنڈی نہ کر لوں۔“

پھر حضرت عبداللہ کے بھائی عمروہ ابن زبیرؓ خلیفہ عبدالملک ابن مروان کے پاس گئے اور اس سے درخواست کی کہ ان کے بھائی کی لاش کو سوئی پر سے اترنے (اور دفن کرنے) کی اجازت دے دے۔ چنانچہ خلیفہ نے اجازت دے دی اور اسے اتر پایا۔

حضرت امین زبیرؓ کو غسل دینے والے کا بیان ہے کہ (ایک عرصے تک لاش وہاں لگے رہنے کی وجہ سے جسم اس قدر گل چکا تھا کہ)۔

”ہم ان کے جس عضو کو بھی پکڑتے تھے وہہ غلطہ ہو کر ہاتھ میں آجاتا تھا اس لئے ہم اس عضو کو غسل دیتے اور اس کے بعد کفن میں رکھ دیتے تھے۔“

(غسل کے بعد) حضرت عبداللہ کی والدہ آنس اور انہوں نے بیٹے کے جنازے پر نماز پڑھی۔ پھر کچھ ہی دن بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ یہ بات کتاب استیعاب میں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے سون کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اسی دوسرے قول کو مشہور بتلایا ہے۔

حضرت عبداللہ کی والدہ کی عمر سو سال کی ہوئی مگر نہ ان کے دانت ٹوٹے اور نہ ان کے ہوش و حواس خراب ہوئے۔

ابن زبیرؓ اور ابن صفوان کے سردار بننے میں..... حضرت امین زبیرؓ کے ساتھ دو سو چالیس دوسرے آدمی بھی قتل کئے گئے جن میں ایسے بھی تھے جن کا خون خاص کچھ کے اندر بھیا گیا۔ ان ہی لوگوں میں عبداللہ ابن صفوان ابن امیہ بھی تھے۔ ان کو اسی دن قتل کیا گیا جس روز حضرت امین زبیرؓ قتل ہوئے۔ قتل کے بعد ان کا اور حضرت امین زبیرؓ کا سر کاٹ کر حجاج نے مدینے بھیج دیا جہاں ان دونوں کے سر ایک جگہ نصب کر دیئے گئے۔ ان

لوگوں نے دونوں کے سر اس طرح قریب قریب رکھے جیسے دونوں آپس میں سرگوشتیاں کر رہے ہوں۔ اس کو دیکھ کر لوگ ہنستے اور مذاق بناتے۔ اس کے بعد وہاں سے لوگوں نے یہ دونوں سر خلیفہ عبدالملک ابن مروان کے پاس بھجوا دیے۔

جب حضرت عبداللہ ابن زبیر کا سر خلیفہ عبدالملک کے سامنے لے جا کر رکھا گیا تو وہ مجروح میں گر گیا اور اس نے کہا۔

خدا کی قسم! یہ شخص مجھے سب سے زیادہ عزیز تھا اور مجھے سب سے زیادہ اس سے محبت تھی لیکن سلطنت کا لالچ بہت برا ہوا تھا۔ (ی) یعنی آدمی اپنے بیٹے اور بھائی تک کو سلطنت کے لئے قتل کر دیتا ہے اور جب وہ ایسا کرے تو ان دونوں کے درمیان میں سے صلہ رحمی کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے۔

آپ کے بیان آ رہا ہے کہ عبدالملک نے حضرت ابن زبیر کی قریشیں کیں اور اس لشکر کے امیر کو سر زلف کی تھی جس کو زبیر نے ان کے مقابلے کے لئے روانہ کیا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر نے عبداللہ ابن صفوان سے کہا تھا (جب کہ وہ دشمن کے مقابلے میں حاضر ہو گئے تھے)۔

”میں تمہیں اپنی بیعت اور اطاعت کی پابندی سے آڑ کر تاہوں اور تم جہاں بھی چلا جاؤ جا سکتے ہو۔“

عبداللہ ابن صفوان نے جواب میں کہا تھا۔

”میں صرف اپنے دین کے لئے جنگ کر رہا ہوں۔“

یہ عبداللہ ابن صفوان ایک معزز، شریف، بیٹا، نرم دل اور فیاض آدمی تھے جب ان کو قتل کیا گیا تو یہ

بیت اللہ کا پردہ چکے ہوئے تھے یہاں یہ انکال ہوتا ہے کہ حرم کو امن و سلامتی کا گھر کہا گیا ہے۔

ابن زبیر اور بنی عباس..... پیچھے بیان ہوا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر بااخلاق اور بامروت آدمی

نہیں تھے اس بات کی دلیل یہ واقعہ بنتا ہے کہ ایک دفعہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔

”لوگ علم کی تلاش میں حضرت عباسؓ کے بیٹے عبداللہ کے دروازے پر جاتے ہیں اور کھانے کے لئے

ان کے بھائی حمید اللہ کے دسترخوان پر جمع ہوتے ہیں کیونکہ ان میں سے ایک لوگوں کو دین سکھاتا ہے اور دوسرا

لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ ان دونوں نے آپ کے لئے اعزاز کی کوئی بات نہیں چھوڑی۔“

یہ سن کر حضرت ابن زبیر نے ایک شخص کو بلا کر حکم دیا کہ۔

”عباسؓ کے بیٹوں کے پاس جاؤ اور ان دونوں سے کہو کہ امیر المومنین تمہیں حکم دیتے ہیں کہ یہاں

سے کہیں چلے جاؤ ورنہ تمہارے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔“

اس واقعہ کو بااخلاق کا نام نہیں دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں حکومت کی بنا پر قتل کی مصلحت

بھی پوشیدہ ہو سکتی ہے اس طرح کسی شخص کی عام مجبوریت قبولیت سے آگے چل کر حکومت کو خطرہ بھی

پہنچا جاتا ہے۔ چنانچہ دونوں نے چھوڑ کر بلا خوف چلے گئے۔

تشریح..... اس واقعہ کو بااخلاق کا نام نہیں دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں حکومت کی بنا پر قتل کی مصلحت

بھی پوشیدہ ہو سکتی ہے اس طرح کسی شخص کی عام مجبوریت قبولیت سے آگے چل کر حکومت کو خطرہ بھی

پہنچا جاتا ہے۔ چنانچہ دونوں نے چھوڑ کر بلا خوف چلے گئے۔

پیش آسکتا ہے اور پوری قوم اور ملک کے لئے کسی جانی کا پیش فیہد بین سکتا ہے۔ اگرچہ حضرت امین عباسؑ کے متعلق یہ بات نہیں سوچی جاسکتی مگر جو لوگ ان کے زیادہ معتقد تھے ان کی تعداد بڑھتی تو وہ اسی نام پر ایک یا قندہ جگانے کی کوشش کر سکتے تھے جب کہ مسلمانوں میں کشاکش اور خونریزی لگتی ہو رہی تھی لہذا کہا جاسکتا ہے کہ ایسی کسی صورت حال کی پیش بندی کے طور پر حضرت امینؑ نے ان دونوں حضرات کو سکے سے باہر بھیج دیا۔ واللہ اعلم مرتب۔

ایک قول ہے کہ حضرت عبداللہ امین عباسؑ کے سے صرف اس لئے چلے گئے تھے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد

ہے۔

وَمَنْ يُوْذِقْ فِيْهِ بِالْحَادِ يَطْلِمُ لِقَافٍ مِنْ عَذَابِ الْاٰلِیْمِ ۝۳۱

ترجمہ :- اور جو شخص اس میں یعنی حرم میں کوئی خلاف دین کا قصہ ظلم یعنی شرک و کفر کے ساتھ کرے گا تو ہم اس کو عذاب دردناک کا حراج لکھا جائے گا۔

چنانچہ علامہ محی الدین امین عربی لکھتے ہیں :-

جانتا چلے گئے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام دوسو سوں اور خیالات کو معاف فرماتا ہے جو ہمارے دلوں میں آتے اور گزرتے رہتے ہیں سوائے ان کے میں پیدا ہونے والے ایسے خیالات اور دوسو سوں کے (جن سے حرم کی سر زمین میں قندہ پیدا ہو سکتا ہے) کیونکہ شریعت میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انسان سے جو لب طلب کرے گا جو حرم کی سر زمین میں کسی قندہ اور خلاف دین بات کا بار لاد کرے گا۔ حضرت عبداللہ امین عباسؑ کے طائف جاکر رہنے کا یہی سبب تھا جو انہوں نے اپنی باقتیاد کے طور پر کیا تھا۔ ممکن ہے ان کے دل میں کسی قسم کے دوسے اور خطرات آئیں (کیونکہ یہ بات آدمی کے اختیار اور بس میں نہیں ہے کہ وہ خیالات کو اپنے دل سے نکال سکے (ان پر عمل کرنا اور نہ کرنا تو اختیاری بات ہے مگر خیالات اور دوسو سوں کے دل میں پیدا ہونے پر آدمی کا اختیار نہیں ہے)۔

بنی عباس خویہوں کا مرکز..... بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں کے میں یہ کہا جاتا تھا کہ ”جس شخص کو (یعنی خویہوں یعنی) قندہ یعنی ظلم دین اور حسن و جمال اور عفت و پاکیزگی کی خواہش ہو تو عباسؑ کے گھر چلا جائے کہ وہاں حسن و جمال تو فضل امین عباسؑ میں نظر آئے گا۔ سخاوت عید اللہ امین عباسؑ میں ملے گی اور قندہ یعنی ظلم دین عبداللہ امین عباسؑ کے پاس ملے گا۔“

بنیاد کعبہ کے متعلق امینؑ زبیرؑ کی تصدیق..... (مثال) جس سال خلیفہ عبدالملک امین مروانؑ نے حج کیا یعنی ۵۷ھ میں تو کعبے کی ان بنیادوں کے متعلق جن پر حضرت امینؑ زبیرؑ نے تعمیر کی تھی اور عبدالملکؑ نے اس اضافہ کو قبول نہ کرتے ہوئے پھر کعبے سے باہر کر لیا تھا (ارشاد) نے خلیفہ سے کہا۔

”میں اس حدیث کے متعلق امینؑ زبیرؑ کو کہہ دوں جو انہوں نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سنی تھی (کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ اگر تمہاری قوم کا اسلام لگے گا تو انہوں نے یہاں تلویش کعبہ کی موجودہ عمارت کو توڑ کر دوبارہ بنانا اور اس جیسے کو اس میں شامل کرنا جسے قریش نے چھوڑے کی کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ (حضرت امینؑ زبیرؑ نے اسی حدیث کی بنیاد پر کعبے کی عمارت میں اس جیسے کا اضافہ کر دیا تھا اور آنحضرت ﷺ کی خواہش کے مطابق کعبے میں دو دروازے بنائے تھے جسے عبدالملکؑ نے ختم کر لیا تھا)۔“

عبدالملک (جو یہ سمجھتا تھا کہ یہ اضافہ حضرت امین زہیرؓ نے خود اپنی مرضی سے کیا تھا یہ گواہی سن کر حیران ہوا اور اس نے پوچھا۔

”کیا تم نے خود حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سنی تھی؟“

حرف نے کہا ”ہاں!“

یہ سن کر عبدالملک تھوڑی سوچ بچ کے انداز میں اپنی چٹری سے زمین کرید بندہ اور پھر بولا۔

”تمہری خواہش تھی کہ میں امین زہیرؓ کو چھوڑ دوں اور حملہ نہ کیا جائے۔“

ایک روایت میں ہے کہ عبدالملک نے حجاج کو لکھا تھا کہ میری خواہش ہے کہ تم امین زہیرؓ کو چھوڑ دو اور

حملہ نہ کرو۔

یہ بات اس قول کے مطابق ہے جو علامہ ازرقیؒ کی تاریخ میں ہے کہ:-

عبدالملک امین مروان کی خلافت کے زمانے میں ایک بار یہ حرف اس کے پاس گئے تو خلیفہ نے ان سے

کہا

”میرا خیال ہے کہ ابو حنیفہ یعنی امین زہیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے وہ حدیث نہیں سنی تھی جس کے

معلق وہ قیصر کعبہ کے وقت دعویٰ کرتے تھے کہ میں نے ان سے سنی ہے!“

انکا پر حرف نے کہا

”وہ حدیث تو خود میں نے بھی حضرت عائشہؓ سے سنی ہے۔“

عبدالملک نے کہا کہ کیا تم نے خود یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے سنی ہے (تو حرف نے اس کا اقرار

کیا)۔

اس بارے میں ایک روایت میں بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ کی اس مذکورہ حدیث کو امین

زہیرؓ سے بیان کرنے میں اس روایت سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا۔ وہ روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے

حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔

”اگر تمہاری قوم کے کفر کا زیادہ قریب گانہ ہو تا تو میں کہنے کو دوبارہ ان میں بنیادوں پر قیصر کرتا جو

لیوا انہم کی رکھی ہوئی ہیں۔“

حضرت عائشہؓ کی منت..... ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے

رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر کھنجر کر لیا تو وہ کہنے کے اندر دو رکعت نماز پڑھیں گی۔ چنانچہ جب کھنجر ہو گیا اور

رسول اللہ ﷺ حج و عمرہ یعنی آخری حج کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ سے

درخواست کی کہ رات کے وقت ان کے لئے بیت اللہ کو کھول دیا جائے چنانچہ حضرت عثمان ابن طلحہ (جو کعبہ

کے کلید بردار تھے) آنحضرت ﷺ کے پاس بیت اللہ کی کھنچی لے کر آئے اور عرض کیا۔

”یا رسول اللہ! کہے کو رات کے وقت کھنچی نہیں کھولا جاتا۔“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر اسے بہت کھولو اس کے بعد آپ ﷺ حضرت عائشہؓ کا ہاتھ پکڑ کر

انہیں حجر اسود کے حصے میں لے کر داخل ہوئے اور ان سے فرمایا۔

”یہاں حجر پڑھ لو اس لئے کہ حکیم یعنی حجر اسود کا حصہ بیت اللہ کا ہی حصہ ہے مگر تمہاری قوم یعنی

قریش کے پاس چونکہ حلال روپیہ کی کمی ہو گئی تھی اس لئے انہوں نے اس جے کو بیت اللہ سے باہر ہی موجود دیا (یعنی اصل بنیو سے کم جے میں تعمیر کی) مگر تہمدی قوم کا جاہلیت کا زمانہ زیادہ قریب نہ ہوا تو وہیں کعبے کی اس تعمیر کو توڑ دیا اور ابراہیم خلیل کے نشانات کو نکال کر حطیم کے جے کو بیت اللہ میں شامل کرنا اور دروازے کی چونکٹ کو زمین سے ملا کر رکھنا اور اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو میں یہ کام ضرور کروں گا۔

مگر اگلے سال تک رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی اور آپ کے چاروں خلفاء کو ملک کے انتظامات سے اس کی فرمت نہ مل سکی۔

تشریح..... تو گویا آنحضرت ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ کعبے کا جو حصہ قریش کے زمانے میں پیسے کی کمی کی وجہ سے عمارت سے باہر رہ گیا اس کو دوبارہ عمارت کے اندر لینے کے لئے کعبے کی عمارت کو توڑ کر پھر سے بنایا جائے مگر آپ نے اس خیال سے ایسا نہیں کیا کہ قریش اب بھی نئے نئے مسلمان ہیں۔ جاہلیت کو زیادہ وقت نہیں گزرنا اس لئے کعبے کو توڑنے سے وہ بدولت نہ ہو جائیں کیونکہ یہ تعمیر قریش کی بنائی ہوئی تھی اور اس کو وہ اپنا سب سے بڑا عزت سمجھتے تھے اس لئے خطرہ تھا کہ ان پر اس کا فطرتاً عمل نہ ہو۔ چنانچہ حضرت امین زبیرؓ نے جب کعبے کی تعمیر کا کاروبار کیا تو چونکہ انہوں نے اپنی حالت حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث سنا رکھی تھی جس سے آنحضرت ﷺ کی اس خواہش کا ان کو پتہ تھا اس لئے انہوں نے اس جے کو کعبے میں شامل کرنے کا کاروبار کیا۔ اگرچہ حضرت امین جہاں وغیرہ نے اس کاروبار کی مخالفت کی مگر حضرت امین زبیرؓ نے یہ تعمیر کرائی اور ان ہی اصل بنیادوں پر کرائی جو ابراہیم کے زمانے کی تھیں مگر جب عبدالملک امین مروان کا زمانہ آیا تو اس نے پھر کعبے کی تعمیر کو پچھلی حالت پر لوٹا دیا کیونکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ امین زبیرؓ نے یہ اضافہ اپنی طرف سے کر دیا ہے حضرت عائشہؓ سے انہوں نے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی۔

لکھ بیٹوں الاثر میں ہے کہ پھر عبدالملک نے اس تعمیر کو دوبارہ امین زبیرؓ پر بنایا جن پر یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھی۔

مگر یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ حجاج نے صرف وہی کعبہ بنائی تھی جو حجر اسود کے پاس ہے۔ اسی طرح ایک دیوار کعبے کے دروازے کے نیچے بنائی جس سے دروازہ اونچا ہو کر اسی حالت پر ہو گیا تھا جس پر وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا اور ایک زینہ بنایا جو دروازے سے داخل ہونے کے بعد اندر اترنے کے لئے تھا۔ جہاں تک اس مٹی کا تعلق ہے جو اندرونی جے میں بھری گئی اس کے متعلق گمان ہے کہ وہی مٹی ہوگی جو حضرت امین زبیرؓ نے تعمیر کے وقت لگوائی تھی اور جو اسی حالت میں پڑی رہی ہوگی جسے حجاج نے وہیں بھر دیا مگر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دوسری مٹی ہی ہو۔ مگر مجھے اس بارے میں کہیں بھی کوئی تفصیل نہیں مل سکی اسی طرح حجاج کی تعمیر کا ایک حصہ دروازہ ہے (جو اس نے کعبے میں بھراؤ کے لئے استعمال کیا تھا) جسے حضرت امین زبیرؓ نے کعبے کی بنیادوں کے آگے میں سے لگوا دیا تھا۔ اس سے پہلے قریش نے جب کعبے کی تعمیر کی تھی تو انہوں نے عمارت کی مضبوطی اور پائیداری کے خیال سے یہ دروازہ اس کی بنیادوں میں بھر دیا تھا۔

عبدالملک امین مروان کا ایک روپ..... (عبدالملک امین مروان کے سلسلے میں) ایک عجیب بات یہ ہے کہ (اس کی خلافت سے پہلے) ایک شخص کہتا ہے کہ میں اس لشکر کا امیر تھا جو زبیرؓ نے حضرت عبداللہ امین زبیرؓ سے جنگ کے لئے لے کر کوہ فدانہ کیا تھا۔ چنانچہ میں روانگی سے پہلے مدینے میں مسجد نبوی ﷺ میں گیا (جہاں عبدالملک

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے برابر جا کر بیٹھ گیا کہ عبد الملک نے مجھ سے پوچھا
 ”کیا تم میں لشکر کے امیر ہو؟“
 میں نے کہا ”ہاں“ تو اس نے کہا

”تیرا خائبہ خراب ہو گیا تو جانتا ہے کہ تو کس شخص کے مقابلے کے لئے جا رہا ہے؟ تو اس شخص کے
 مقابلے میں جا رہا ہے جو دینہ میں و ہماز مسلحوں کے یہاں سب سے پہلا پیدا ہونے والا بچہ ہے۔ جو
 رسول اللہ ﷺ کے حواری یعنی جاں نثار کا بیٹا ہے (کیونکہ عبد اللہ کے والد حضرت زبیرؓ کے متعلق رسول اللہ ﷺ
 کا لفظ ہے کہ ہر نبی کے حواری یعنی ہم نشین ہمارے جاں نثار ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیرؓ ہیں) جو ذات
 اعلیٰ میں یعنی حضرت اسلام رح ابو بکر صدیقؓ کے بیٹے ہیں۔ (ذات اعلیٰ میں یعنی دو لوگوں میں اولی حضرت اسلام کا
 لقب تھا جو رسول اللہ ﷺ نے ذات کو ہجرت کے وقت غار ثور میں دیا تھا اس کی تفصیل ہجرت نبویؐ کے سلسلے میں
 آگے آئے گی) اور اس شخص کے مقابلے کے لئے جا رہا ہے جس کی تحریک خود رسول اللہ ﷺ نے کی تھی۔ (تحریک
 کا مطلب ہے کہ بچے کی پیدائش کے بعد مجبور چاہا کہ اس کے منہ میں دالنا جیسا کہ عرب کا دستور تھا حضرت امین
 زبیرؓ کے مد میں آنحضرت ﷺ نے خود مجبور چاہا کہ دالنی تھا) خدا کی قسم وہ شخص ایسا ہے کہ اگر تم دن میں اس
 کے پاس پہنچو تو اس کو روز و رات پانچ گھنٹے اور اگر رات کے وقت پہنچو تو اس کو نماز پڑھنا پڑاؤ گے۔ پس اگر مدعی دنیا
 کے لوگ بھی یہاں کو آکر نہ آتے تو اس کے لئے یہ جہنم کے توابہ تعالیٰ ان سب ہی کو جہنم میں جھونک دے گا۔“

دوسرا روایت..... عبد الملک نے زبیرؓ کی خلافت کے زمانے میں ابن زبیرؓ کے مقابلے کے لئے بھیجے جانے
 والے (لشکر سے قویہ کہا لیکن) جب خود غلیظ ہو گیا تو (وہی شخص) کھانچا کہ خود عبد الملک امین مروان کی طرف
 سے) ہم حجاج کی سربراہی میں لشکر لے کر ابن زبیرؓ سے جنگ کے لئے نکلے اور ان کو قتل کیا۔
 بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عبد الملک امین مروان نے (اپنی خلافت سے پہلے) جب زبیرؓ کے لشکر
 کو (ابن زبیرؓ سے جنگ کے لئے) کے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا۔

”خدا کی پناہ! کیا وہاں کبھی لشکر اللہ کے حرم پر چڑھائی کرنے کے لئے بھیجا جا رہا ہے؟“

اس وقت ایک یہودی شخص عبد الملک کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا تو ایک بڑا عالم تھا اور بعد میں مسلمان
 ہو گیا تھا اس نے (عبد الملک کا یہ جملہ سنا تو اپنی کئی عہد الملک کے بارے میں لگا

”اللہ کے حرم پر چڑھائی کے لئے جانے والا خود تیرا لشکر اس سے بھی بڑا ہو گا!“

خاتمہ ابن عبد الملک کے متعلق ایک مشہور گوئی..... کہنا جاتا ہے کہ اسی یہودی کا (عبد الملک کی پیدائش
 سے پہلے) ایک دفعہ عبد الملک کے باپ مروان کے گھر سے گذر رہا تو اس نے کہا تھا

”میں گھر میں رہنے والے عبد الملک کے قتل پر افسوس ہے۔“

اس لئے کہ بعد میں خود مروان تو حضرت عثمانؓ کے قتل کا سبب بنا اور اس کا بیٹا عبد الملک حضرت امین
 زبیرؓ کے قتل کا سبب بنا اور پھر عبد الملک کے پوتے زبیرؓ امین ولید کی ذات سے بڑے خونخوار فتنے امیر تھے۔

امیر لشکر بننے کے لئے حجاج کی خواہش..... حضرت امین زبیرؓ کے مقابلے میں جانے والے لشکر پر حجاج
 کو امیر بنانے کا سبب یہ تھا کہ اس نے عبد الملک سے کہا تھا

”میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے عبد اللہ امین زبیرؓ کو بکرا اور ان کی کھال کھینچ لی اس لئے میں

کے مقابلے پر جانے والے لشکر کو میری سالاری میں دے دیجئے۔۔۔۔۔۔ چنانچہ عبدالملک نے اسی کو اس لشکر کا امیر بنایا اور شامیوں کے ایک زبردست لشکر کے ساتھ اس کو روانہ کیا چنانچہ حجاج یہ لشکر لے کر ابن زبیر کے مقابلے میں آیا اور تحقیق یہی کہ جو پھن سے بیٹا اللہ پر پتھر برسائے۔۔۔۔۔۔

غضب خداوندی کی علامت اور حجاج کی سینہ زوری..... ”جب بیٹا اللہ پر پتھر برسائے گئے تو (گرمے بادل آئے اور) آسمان میں گرج کے ساتھ بجلی کو برسنے لگی۔ یہ دیکھ کر شام کے پانی خوف زدہ ہونے لگے تو حجاج نے چیخ کر کہا۔

(اور صمت) اتنا کہ یعنی کے کی گور گرج ایسی ہی ہوتی ہے میں اسی شہر کا بیٹا ہوں.....!

اس کے ساتھ ہی حجاج خود آکر گونچن پر کھڑا ہو گیا اور اپنے ہاتھ سے کہے پر شدید تنگداری کرنے لگا۔ مگر ہر حملے پر پہلے سے زیادہ بجلی کی گرج اور چمک ہوتی یہاں تک کہ اس بجلی سے گو پھن پر تعینات بارہ کوی ہلاک ہو گئے جس پر شاہی لشکر کے لوگ دستِ زیادہ خوف زدہ ہوئے۔

کہے پر حجاج کی سنگ باری اور خلاف کہہ میں آگ..... مودہ فہین نے لکھا ہے کہ اس کے باوجود حجاج ابن لکھن کو ابھار دیا کہ پتھر برسائے جاؤ چنانچہ کہے پر پتھر برسائے جاتے رہے آخر وہ گر گیا اور خلاف میں آگ لگ گئی جس سے عمارت کو کٹنے کی طرح سیاہ ہو گئی۔

یہاں یہ افکار ہوتا ہے کہ (جیسا کہ اوپر کی روایت میں بیان ہوا ہے) مگر اس وقت کی سنگ باری سے عمارت کہہ گر گئی ہوتی تو دوبارہ بنائی گئی ہوتی اور اگر بجلی ہوتی تو اس کی مرمت کی گئی ہوتی اور اگر ان دونوں میں سے ایک بھی بات ہوتی ہوتی تو روایات میں اس واقعہ (یعنی اس وقت بھی دوبارہ بنائے جانے یا مرمت کئے جانے) کا ذکر ہوتا کیونکہ یہ ایک اہم بات تھی اور اس کا ذکر ہونا ضروری تھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض راولیوں کو یہاں مغالطہ ہو گیا ہے اور زبیر کے لشکر کے حملے سے کہے کی عمارت کو جو نقصان پہنچا تھا (جس کے بعد حضرت ابن زبیر نے دوبارہ تعمیر کرائی کہ اس کو یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ نقصان حجاج کے لشکر سے پہنچا ہے) لیکن حجاج کی تنگداری کے باوجود بیت اللہ کی عمارت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا بلکہ یہ تفصیل شاید اسی موقعہ کی ہے جب زبیر کے لشکر نے حملہ کیا تھا۔

حجاج اور ابرہہ کے درمیان فرق..... یہاں ایک شبہ اور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت حجاج اور اس کے لشکر کو بھی اسی طرح کیوں قائل نہیں کر دیا جس طرح اس نے ابرہہ کے لشکر کو قائل کیا تھا جبکہ حجاج نے گو پھن کے ذریعہ کہے پر حملہ کیا؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس موقعہ پر گو پھن لگنے والوں کا مقصد کہہ کو گرانا نہیں تھا (بلکہ مقصد ابن زبیر اور ان کے لشکر کو شکست دینا تھا) جبکہ اس کے برخلاف ابرہہ نے خاص کہے کے خلاف ہی حملہ کیا تھا۔ یہاں مگر وہی افکار ہوتا ہے کہ کیا حرم اسن کا مرکز ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب میرے اور ابن زبیر کے درمیان شکر رنجی ہوئی اور ابن زبیر نے مجھے کہے سے لکل کر طاقت چلے جانے کا حکم دیا تو میں نے کہا کہ ان کا حکم ماننا اس لئے ضروری ہے کہ۔۔۔۔۔۔

”ان کے والد زبیرؓ ہیں، ان کی والدہ اسماءؓ ہیں، ان کی خالہ ام المومنین حضرت عائشہؓ ہیں، ان کے نانا حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں اور ان کی دلدلی حضرت صفیہؓ ہیں۔“
ایک روایت میں ان کے الفاظ یہ ہیں:-

”جہاں تک ان کے والد کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ کے حوالی اور جہاں تک تھے مروی ہیں حضرت زبیرؓ جہاں تک ان کے نانا کا تعلق ہے تو وہ عمار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھی تھے۔ مروی ہیں حضرت ابو بکرؓ جہاں تک ان کی والدہ کا تعلق ہے تو وہ ذات الخطائق ہیں۔ مروی ہیں حضرت اسماءؓ جہاں تک ان کی خالہ کا تعلق ہے تو وہ ام المومنین تھیں۔ مروی ہیں حضرت عائشہؓ۔ جہاں تک ان کی چھوٹی بہن کا تعلق ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی (سب سے پہلی) شریک زندگی ہیں۔ مروی ہیں حضرت خدیجہؓ اور اس کے ساتھ ہی آنحضرت ﷺ کی چھوٹی بہن کی دلدلی تھیں۔ مروی ہیں حضرت صفیہؓ۔ پھر وہ اس کے علاوہ بیٹھنے والے مسلمان رہے ہیں اور قرآن پاک کے قاری ہیں۔“

ابن زبیرؓ کی قتل پر کئے میں آدھریکا..... جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا قتل ہوا تو سارا کلمہ نام کدہ بن گیا اور لوگ آدھریکا کرنے لگے۔ حجاج نے فوراً ہی لوگوں کو جمع کیا اور خطبہ دیا جس میں اس نے کہا:-
”بے شک ابن زبیرؓ اس امت کے بہترین لوگوں میں سے تھے مگر وہ اپنی ہی کے ساتھ حق اور سچائی کے مقابلے میں لڑ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے بنایا پھر ان میں روح ڈالی اور انہیں جنت میں رہنے کو بجھادی۔ مگر جب انہوں نے خطا کی تو اس خطا کو وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت سے نکال دیا۔ اور آدمؑ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یقیناً ابن زبیرؓ سے زیادہ مرتبہ دالے تھے۔ اور جنت کی جرمت کبھی سے بھی زیادہ ہے۔ پس تم اللہ کو یاد کرو وہ تمہیں یاد کرے گا۔“.....
ابن زبیرؓ کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی..... رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب ابن زبیرؓ پیدا ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا تو فرمایا:

”یہ وہی ہے.....!“

ابن زبیرؓ کی والدہ جو اس وقت ان کو دودھ پلا رہی تھیں یہ سن کر چونک اٹھیں اور انہوں نے دودھ پلانا بند کر دیا اور آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو گئیں (آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:
”اپنے آنسوؤں سے ہی کسی مگر اس کو سیراب کرتی رہو۔ یہ بھیڑیوں کے درمیان ایک بھیڑ ہے۔ وہ بھیڑیے کپڑوں میں ہیں (یعنی بھیڑ کی کمال میں چھپے ہوئے بھیڑیوں کی طرح ہوں گے) یقیناً یہ بیٹہ اللہ کی حفاظت کرے گا۔ اور یا اس کے لئے جان دے دے گا۔“.....
(یہاں حضرت زبیرؓ کو بھیڑ سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان کے دشمنوں کو بھیڑیا کہا گیا ہے اس کے متعلق تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

کتاب حیات النبیؐ ان میں ہے کہ عرب جب کسی شخص کی تعریف کرتے ہیں تو اس کو بھیڑ کہہ دیتے ہیں اور جب کسی کی برائی کرتی ہوئی ہے تو اس کو تیش (جنگلی بکرا) کہتے ہیں۔
حجاج سے روایا کی بنیاد پر..... کہا جاتا ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ کے قتل کے بعد حجاج مدینے گیا، اس وقت اس نے اپنے چہرے پر تھب ڈالی ہوئی تھی (ممکن ہے گرد و غبار سے بچنے کے لئے ڈھاننے کی طرح چہرے پر پٹڑا

لیٹ رکھا ہو) مدینے سے باہر اسے ایک بوڑھا شخص ملا جس سے حجاج نے مدینے والوں کا حال پوچھا بوڑھے نے کہا۔

”بہت برا حال ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے حواری یعنی جاں نثار کا بیڑا قتل کر دیا گیا“.....!
حجاج نے پوچھا کہ انہیں کس نے قتل کیا ہے تو بوڑھے نے جواب دیا۔
”اسی فاجر اور گھٹیا حجاج نے۔ اس پر بہت جلد خدا لوہا اس کے رسولوں کی لعنتیں ہوں“.....!
وہ یہ سن کر سخت غضب ناک ہو گیا اور کہنے لگا۔
”تو بوڑھے اگر تو حجاج کو دیکھے تو پہچان لے گا؟“
بوڑھے نے کہا

”ہاں اللہ تعالیٰ اسے کوئی بھلائی نہ دکھائے اور اسے کسی برائی سے نہ بچائے“.....!
یہ سنتے ہی حجاج نے اپنی نقب باندھ لی اور کہنے لگا۔
”مجھے اسی وقت معلوم ہوا جاتا ہے جب ابھی تیرا خون برتا نظر آئے گا۔“
جب اس بوڑھے کو معلوم ہوا کہ یہی حجاج ہے تو اس نے کہا
”اے حجاج ایسا بڑی عجیب بات ہے میں کلاں شخص ہوں اور مجھے دو تیرے دن بحر میں پانچ دفعہ جنوں کا دورہ پڑتا ہے“.....!

حجاج نے کہا۔

”بھاک چلا خدا تجھے اس کے بعد ہونے والے جنوں کے دورے سے کبھی اچھانہ کرے“.....!
اس شخص کا حجاج کے ہاتھوں سے بچ کر مہج سلامت نکل جانا ایک حیرت انگیز بات ہے اس لئے کہ حجاج کا کسی شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کر کے پھر اس کو چھوڑ دینا ایک ایسا واقعہ ہے جس کی مثال اس کے زندگی میں نہیں ملتی۔

حجاج اپنے حلق کہا کرتا تھا

”میرا سب سے بڑا شوق لذت خون بہانا ہے۔“

حجاج کے خال کلمہ مزاج کی اصل..... بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب حجاج پیدا ہوا تو وہ ماں کا دودھ نہیں پکڑ رہا تھا (اس کے ماں باپ اس بارے میں پریشان تھے کہ ان کے سامنے شیطان حراث امین کلدہ کی شکل میں آیا جو عرب کا مشہور طیب تھا اس نے کہا۔
”اس کے لئے ایک سیاہ جنگلی بکر اذبح کر دلو اور اس کا خون اس کے منہ میں ڈلو اور وہی خون اس کے چہرے پر ملو۔“

اس کے ماں باپ نے ایسا ہی کیا جس کے بعد حجاج نے ماں کا دودھ پکڑ لیا۔

کہنا جاتا ہے کہ ایک دفعہ اس کے پاس خارجی فرقہ کی ایک عورت کو لایا گیا۔ حجاج جب اس سے بات کر رہا تھا تو وہ نہ تو اس کی طرف دیکھتی تھی اور نہ اس کی بات کا جواب ہی دیتی تھی۔ آخر حجاج کے ایک مصاحب نے اس سے کہا۔

”امیر تجھ سے ہم کلام ہیں اور تو ان سے منہ پھیرے ہوئے ہے“

اس عورت نے کہا۔

”مجھے اس آدمی کی طرف دیکھنے سے شرم آتی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ دیکھنا پسند نہیں فرماتا۔“
(حجاب یہ بات سن کر غضبناک ہو گیا اور اس نے اس عورت کے متعلق حکم دیا جس پر اسے قتل کر دیا گیا۔

جن لوگوں کو حجاب نے بے حجب اور ظلم سے قتل کیا ہے ان کی تعداد موجب شہر کی گئی تو وہ ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔

(حضرت امین زبیرؓ کے قتل کے بعد) جب حضرت عبداللہ امین عمر فاروقؓ حضرت اسماءؓ کے پاس تفریت کے لئے گئے اور ان کو صبر کی تسکین کی تو انہوں نے کہا۔
”مجھے صبر سے کیا چیز روک سکتی ہے کیونکہ جی امینؓ ذکر کیا کا سر بنی اسرائیل کی بدکار عورتوں میں سے ایک عورت کے سامنے ہدیہ میں پیش کیا گیا تھا اور اس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ وہ عورت سب سے پہلے جہنم میں ڈالی جائے گی۔“

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کا واقعہ

تشریح..... حضرت یحییٰ امینؑ ذکر کیا کے جس واقعہ کی طرف یہاں مؤلف نے اشارہ کیا ہے اس کی تحصیل حرجم تاریخ ابوالفداء سے یہاں پیش کرتا ہے۔

حضرت یحییٰؑ حضرت ذکر کیا کے بیٹے تھے۔ یہ حضرت یحییٰؑ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ مریمؑ کے خالہ زلو بھائی تھے (یعنی حضرت مریمؑ کی والدہ جن کا نام تہہ تھا اور حضرت یحییٰؑ کی والدہ جن کا نام ایسلع تھا آپس میں ملکی بہنیں تھیں اور اس طرح حضرت ذکر کیا عیسیٰ کے رشتے میں ماموں ہوتے تھے) ذکر کیا کو کم عمری ہی میں اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمادی تھی چنانچہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلانے لگے۔
حضرت یحییٰؑ بالوں کا لباس پہنتے تھے اور بے انتہا عبادت گزار کی کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کا جسم سوکھ کر بہت ڈبلا ہو گیا تھا۔

اسی زمانے میں عیسیٰؑ (جو خود بھی اپنی شریعت کی تبلیغ شروع کر چکے تھے) یحییٰؑ سے نکاح کو حرام قرار دے دیا تھا (اور ذکر کیا جن کی اپنی کوئی مستقل شریعت نہیں تھی اسی شریعت کی تبلیغ کرتے تھے) اس وقت بنی اسرائیل کا جو بادشاہ تھا اس کا نام ہر دوس تھا اس کی ایک بیٹی تھی جس سے وہ شادی کرنا چاہتا تھا کیونکہ یہودی مذہب میں سگے بھائی کی بیٹی سے نکاح جائز تھا۔

حضرت یحییٰؑ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے ہر دوس کو اس لڑکے سے منع کیا (یہ بات ہر دوس کی بھالوج یعنی اس لڑکی کی ماں کو بہت بری لگی کیونکہ وہ اپنی بیٹی کو ایک بادشاہ سے بیاہنا چاہتی تھی جس سے عیسیٰؑ ذوق رہے تھے وہ عیسیٰؑ کی جان کی دشمن ہو گئی اور اس نے ہر دوس سے کہا کہ یحییٰؑ کو قتل کر دو مگر ہر دوس اس بات کو مانگ گیا۔ آخر اس نے دوبارہ اصرار کیا اور اس دفعہ خود اس لڑکی نے بھی ہر دوس سے یہی کہا اور اس سے ضد کرنے لگی۔ آخر ہر دوس نے لڑکی کے کہنے میں آکر یحییٰؑ کو ان دونوں ماں بیٹوں کے سامنے ذبح کر لیا

اور پھر ان کا سر ان کو ہدیہ میں پیش کیا۔

بچی کا قتل حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے سے تو ذرا عرصہ پہلے ہوا ہے۔ عیسیٰ نے اپنی تبلیغ اس وقت شروع کی تھی جب ان کی عمر تیس سال ہو گئی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو تبلیغ کا حکم فرمایا تھا تو حضرت یحییٰ نے ان کو خیر لدن میں غوطہ دے کر نہلایا تھا۔ اس وقت عیسیٰ کی عمر تقریباً تیس سال ہو چکی تھی چنانچہ اس کے بعد انہوں نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ تبلیغ کا کام شروع کرنے کے بعد عیسیٰ کل تین سال اس دنیا میں رہے چنانچہ بچی کا قتل جس وقت ہوا اس وقت عیسیٰ کی عمر تقریباً تیس سال تھی اور وہ اس وقت تک آسمان پر نہیں اٹھائے گئے تھے کیونکہ ان کو نبوت کے تین سال بعد اٹھایا گیا۔

نصرانی لوگ حضرت یحییٰ کو ”یوحنا المعمدان“ کہتے ہیں۔ (ہرذیاب و قدس جلد ۱ ص ۳۲۔ مرتبہ) تشریح فرماتے کہ جاتا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن زبیر نے اپنے قتل کے دن اپنی والدہ سے کہا تھا۔ ”ام۔ میں آج قتل ہو جاؤں گا مگر تم اپنے نو پر غم کو مسلط نہ کر لیا مالکہ مبارک اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو دینا۔ اس لئے کہ تمہارے بیٹے نے کبھی کسی بڑی بات کا واروہ نہیں کیا اور نہ ہی کبھی کوئی بے حیائی کی حرکت کی۔“ مگر اس بارے میں اشکال ہے کہ حضرت ابن عمر کی وفات حضرت ابن زبیر کے بعد ہوئی ہے۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابن عمر کا انتقال ابن زبیر سے تین مہینے پہلے ہو چکا تھا۔ ان کی موت کا سبب یہ تھا کہ ایک دفعہ حجاج نے ان کو احقر کہا تو حضرت ابن عمر نے جواب دیا۔

”تو خود احقر ہے اور لوگوں پر بلائے آسانی ہے۔“

حضرت ابن عمر کے خلاف حجاج کی سازش..... اس پر حجاج کو بہت ہر یک آئی چنانچہ اس نے بعد میں ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ اپنے نیزے کی آلی کو زہر میں بچھالے اور کسی موقع پر وہ آلی حضرت ابن عمر کے سر پر رکھ دے چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت حضرت ابن عمر طواف کر رہے تھے۔ (اس شخص نے چلتے چلتے نیزے کی آلی ان کے سر پر رکھ دی۔) بھڑور مجمع میں ایسی بات پر کچھ کیا جھی نہیں جاسکتا) غرض اس کے بعد اسی دن حضرت ابن عمر پڑ پڑ گئے اور چند دن میں ہی ان کی وفات ہو گئی۔

جب وہ بیمار ہوئے تو خود حجاج بھی ان کی مزاج پرسی کے لئے ان کے پاس گیا اور پوچھنے لگا کہ یہ حرکت کس نے کی ہے۔ حجاج نے کہا۔

”خدا مجھے ہلاک کر دے اگر میں نے اسی شخص کو قتل نہ کیا۔“

حضرت عبد اللہ ابن عمر نے یہ سن کر فرمایا۔

”تو اس شخص کو قتل نہیں کر سکتا۔“

حجاج نے (انجان بن کر) پوچھا ”کیوں۔“ تو حضرت ابن عمر نے فرمایا۔

”اس لئے کہ خود تو نے ہی اس شخص کو اس بات کا حکم دیا تھا۔“

حضرت ابن عمر کا جھگڑا سطور میں یہ جملہ گزر رہا ہے جو انہوں نے حجاج سے کہا تھا کہ تو خود احقر ہے اور لوگوں پر بلائے آسانی ہے۔ اس سے ان کا اشارہ اپنے والد بزرگوار حضرت عمر فاروق کے ایک قول کی طرف تھا جس کا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروق کو (اپنی خلافت کے زمانے میں) یہ معلوم ہوا کہ عراق کے لوگوں نے اپنے گورنر کو (جسے حضرت عمر نے مقرر کیا تھا) پتھر مار کر ہلاک کر دیا تو وہ سخت غصے میں گھر سے نکل کر مسجد

نبوی میں تشریف لے گئے اور نماز پڑھنے لگے یہاں تک کہ نماز میں بھی ان سے بھول ہو گئی۔ سلام پھیر کر انہوں نے فرمایا۔

”اے اللہ ان لوگوں نے (یعنی مرتضیٰ و انوں نے) مجھے مغلطہ میں مبتلا کیا ہیں تو ان کو بھی مبتلا فرما دے اور جلد ان پر ایک تحقیقی غلام کو مسلط فرما دے جو ان کے درمیان جاہلیت کے زمانے جیسے فیصلے کرے۔ جو نہ بھلائی کرنے والوں کی بھلائی کو قبول کرے اور نہ برائی کرنے والوں سے بدلہ لے۔“

یہ واقعہ حجاج کی پیدائش سے بھی پہلے کا ہے۔

مگر پھر میں نے تاریخ ابن کثیر میں دیکھا کہ جب حضرت ابن زبیر قتل کر دیے گئے اور عبدالملک ابن مروان کی طاقت و حکومت مضبوط ہو گئی تو حضرت ابن عمرؓ نے اس کی بیعت اور اطاعت قبول کر لی تھی (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی وفات ابن زبیرؓ سے پہلے نہیں ہوئی تھی) اسی بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو علامہ بیہقی کی کتاب دلائل النبوت میں ہے کہ نہ:

حضرت ابن عمرؓ اس وقت حضرت ابن زبیرؓ کی لاش کے پاس آکر کھڑے ہوئے جب وہ سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے کہا۔

”اے ابو حنیفہ اتم پر سلام ہو اخدا کی قسم کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا خدا کی قسم اکیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا۔ اخدا کی قسم اکیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا۔ اخدا کی قسم اکیا میں تم کو ایک روزہ دار، نمازی اور رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے والے کے سوا کچھ سمجھتا تھا۔“

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس سو غلام تھے (جو ایسے مختلف اور دور دور کے ملکوں کے تھے کہ ہر ایک کی زبان الگ تھی اور اس کے سوا وہ زبان دوسرے اقلام نہیں جانتا تھا لیکن حضرت ابن زبیرؓ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اسی کی زبان میں بات کیا کرتے تھے) کیونکہ وہ دنیا کی ہر سی زبانیں جانتے تھے۔

مگر یہ بات اس سے بھی زیادہ عجیب اور حیرت ناک ہو جاتی ہے جو جاہلیت میں سے کہلاتی ہے کہ عباسی خلیفہ واثق باللہ کا ترجمان دنیا کی ہر سی زبانیں جانتا تھا یہاں تک کہ ایک قول ہے کہ وہ چالیس زبانیں جانتا تھا اور ان میں بے تکلیف بات چیت کر سکتا تھا۔

ایک دفعہ حجاج ابن یوسف حضرت ابن زبیرؓ کے بھائی عمروہ ابن زبیرؓ سے کسی بات پر الجھ رہا تھا اس میں اس نے عرہ کو کہا۔

”تیری ماں نہ رہے“.....!

(یہ عرب کا عارہ تھا جو لٹ لٹاپٹ لٹاپٹ میں کہا جاتا تھا) عمروہ نے یہ سن کر کہا۔

”یہ بات تو مجھے کہہ رہا ہے حالانکہ میں جنت کی معزز خواتین کا بیٹا ہوں۔ ان خواتین سے ان کی مراد ہیں اپنی وادی حضرت صفیہؓ اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ اپنی خالہ حضرت عائشہؓ اور اپنی والدہ حضرت اسماءؓ۔“

ایک مرتبہ حجاج نے ایک شخص سے پوچھا۔

”تم عبدالملک ابن مروان کے بارے میں کیا کہتے ہو؟“

اس شخص نے جواب دیا۔

”میں اس شخص کے بارے میں کیا کہوں جس کی برائیوں میں سے ایک برائی خود تم ہی ہو؟“
عبد الملک ابن مروان کے بعد اس کا بیٹا سلیمان ابن عبد الملک خلیفہ بنا تھا۔ سلیمان نے خلیفہ ہونے کے بعد حجاج ابن یوسف کے قید خانے سے ستر ہزار آدمیوں کو آزاد کیا جن کو حجاج نے قتل کرنے کے لئے بند کر رکھا تھا۔ ان میں سے کسی کا جرم ایسا بھی نہیں تھا کہ اس کو قید ہی کیا جائے چاہئے کہ قتل کی سزا دی جائے۔
بعض مورخین لکھتے ہیں کہ حجاج ابن یوسف مردوں اور عورتوں کو ایک ہی جگہ میں قید کیا کرتا تھا جنہاں پانچاٹھ نہیں ہوتے تھے اس لئے مرد عورتوں کے سامنے اور عورتیں مردوں کے سامنے بیٹھ کر پیشاب پانچاٹھ کرتی تھیں جس سے ان سب کی بے پردگی ہوتی تھی۔ حجاج دس قیدیوں کو ایک ایک زنجیر میں پاندھ کر قید میں ڈالتا تھا اور ان کو کھانے کے لئے چلی ہوئی روٹیاں دیا کرتا تھا جن میں نمک اور رکھ ملائی جلیا کرتی تھی۔
ایک دفعہ حجاج کا قیدیوں کے مجمع سے گزرتا ہوا قید سے لوگوں کے جھنجھٹا جانے کی آوازیں آئیں۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کسی نے اس کو بتایا کہ قیدی فریاد کر رہے ہیں کہ ہمیں گرمی نے مار ڈالا۔ حجاج نے اس پر صرف اتنا کہہ دیا کہ وہ کہیں سڑتے پگھلتے رہو اور شور مچاؤ۔“

اس کے بعد اس قیدیوں کی بھیڑ میں سے بہت تھوڑے سے آدمی زندہ بچے۔
تاہمیں میں سے آخری آدمی جنہیں حجاج نے قتل کیا وہ حضرت سعید ابن جبیر تھے (جس کی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے مسلمان ہونے کی حالت میں کسی صحابی کی زینت کی ہو) پھر حضرت ابن جبیر کے بعد اس نے صرف ایک اور شخص کو قتل کیا۔
حکام بن عمر ابن عبد العزیز کہتے ہیں کہ اگر ہر امت اپنے اپنے فرعونوں (یعنی سرکش بادشاہ) کو لے کر آئے اور ہم اپنی امت میں سے حجاج کو سامنے لائیں تو (حجاج کے مقام اور سرکشی کی انتہا کی وجہ سے) ہمارا ہی پتہ بھاری رہے گا۔
حجاج اور عبد الملک کا مقام..... خلیفہ سلیمان ابن عبد الملک نے حجاج کی موت کے بعد اس کے ایک قریبی دوست کہہ دیا۔

”حجاج جہنم کی تلی میں پھنسا دیا گیا ہے۔“

اس پر اس شخص نے جواب دیا۔

”اے امیر المؤمنین! حجاج قیامت کے دن آپ کے باپ عبد الملک (جس کا وہ گورنر تھا) اور آپ کے بھائی ہشام بن عبد الملک کے درمیان میں کھڑا ہو گا۔ اس لئے آپ اس کے لئے جہنم میں کوئی بھی جگہ متعین کر لیں (آپ کے باپ اور بھائی اس کے ساتھ ہوں گے)۔“

بعض علماء نے ایک بہت عجیب و غریب واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا جب اس کو نعلانے کے لئے تختے پر رکھا گیا تو اچانک وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

”میں نے اپنی ان آنکھوں سے حجاج اور عبد الملک کو دیکھا کہ جہنم میں اپنی انتہا کی پہنچے ہوئے پھر رہے ہیں۔“

پھر اس طرح مردہ ہو گیا۔

یہ جابجائی اصل کے اور پشتی لحاظ سے ہی ظالم تھا۔ چنانچہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایک محاورہ ہے کہ فلاں آدمی ابن جلدی سے بھی زیادہ ظالم ہے۔ ان ابن جلدی سے مراد وہی شخص ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔

وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ مَفْجَةٍ فَصَبَّأَ ۖ اسورہ کاف اللہ

ترجمہ: اور ان لوگوں سے آپ کی طرف ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر (بھلی) کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا۔ تو جابجائی یوسف اسی ابن جلدی کی لولہ میں سے تھا اس کے اور جابجائی کے درمیان ستر پشتوں کا فاصلہ ہے۔

ایک مرد جابجائی نے کسی معاملے میں ایک شخص سے حلف طلب کیا تو اس نے جواب دیا ”نہیں! قسم ہے اس وقت کی جس کے سہنے کل تجھے کھڑا ہونا ہے کہ تو وہاں اس سے زیادہ کتر اور ذلیل ہو گا جتنا اس وقت میں تیرے سامنے ہوں۔“

اس پر جابجائی نے کہا۔

”خدا کی قسم اس دن میں ذلیل ہوں گا۔“

اسلام کے دور میں سب سے پہلے جس شخص نے دور ہم ڈھال دیا تھا وہ جابجائی ہے جس نے عبد الملک ابن مروان کے حکم پر ایسا کیا تھا ان دور ہوں پر قل ہو اللہ احد۔ اللہ المصدق لکھا ہوا تھا یعنی ان کے ایک طرف قل ہو اللہ احد لکھا ہوا تھا اور دوسری طرف اللہ المصدق لکھا ہوا تھا اسلامی دور ام عبد الملک سے پہلے کسی کے زمانے میں نہیں ایچا کئے گئے۔ اس سے پہلے جو در اہم ملتے تھے وہاں توری ہوتے تھے اور یا کسری فارس کے ہوتے تھے۔

اس کے بعد پھر خلیفہ مستنصر باللہ کے زمانے میں جو سینتیسواں (۳۷۵) عباسی خلیفہ تھا جو در ہم ڈھالے گئے ان کا نام فقرہ لکھا گیا یہ دس در ہم ایک دینار کے برابر ہوتے تھے یہ بات ۶۲۲ھ کی ہے۔

سلیمان ابن عبد الملک..... سلیمان ابن عبد الملک خلیفہ بننے کے بعد جب مدینے میں داخل ہوا تو اس نے

پوچھا

”کیا مدینے میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو دیکھا ہو؟“

لوگوں نے کہا کہ ایسے شخص ابو حازم ہیں۔ سلیمان نے ان کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا جب وہ آئے تو

سلیمان نے ان سے پوچھا۔

”اے ابو حازم! کیا وجہ ہے کہ اہم موت سے ڈرنے لگے ہیں؟“

حضرت ابو حازم نے جواب دیا۔

”اس لئے کہ تم نے اپنی آخرت کو برباد کر لیا ہے اور اپنی دنیا کو آباد کر لیا ہے اس لئے اب تمہیں یہ بات پسند نہیں ہوتی کہ تم آبادی سے بربادی کی طرف جاؤ۔“

پھر سلیمان نے ان سے پوچھا۔

”اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کس طرح ہوگی؟“

حضرت ابو حازم نے جواب دیا

”نیک آدمی اس طرح حاضر ہو گا جیسے کوئی چھڑا ہوا آدمی مدت کے بعد اپنے گھر والوں کے پاس آتا

ہے اور بدکار کوئی اس طرح حاضر ہو گا جیسے کوئی بھلا ہو اظلام اپنے آکا کے پاس پہنچتا ہے۔

یہ سن کر سلیمان ابن عبد الملک مدو نے لنگھ کر بولا

”اے کاش میں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا چیز ہمدی پونجی بن جیتی ہے۔“

حضرت ابو حازم نے کہا کہ اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق ڈھال لو۔
سلیمان نے پوچھا کہ (قرآن پاک میں) یہ بات کس جگہ ملے گی (جس میں جہنم اور جنت کے مستحق ہونے کے عمل کا بیان ہو؟)۔

حضرت ابو حازم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَجْمٍ وَإِنَّ الْفَاسِقَ لَفِي جَحِيمٍ ۝۳۰ سورہ انفطار

ترجمہ :- نیک لوگ بے شک آسمان میں ہوں گے اور بدکار بھی کافر لوگ بے شک دوزخ میں ہوں گے۔
پھر سلیمان نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کہاں ہوتی ہے؟

حضرت ابو حازم نے کہا

”نیک کام کرنے والوں کے قریب ہوتی ہے۔“

پھر سلیمان نے سوال کیا کہ کون سے بندے اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز اور شریف ہوتے ہیں؟

حضرت ابو حازم نے کہا کہ وہ لوگ جو مردت دالے اور نرم دل ہوتے ہیں

ایک دفعہ ایک دیہاتی خلیفہ سلیمان ابن عبد الملک کے پاس آیا اور کہنے لگا

”اے امیر المؤمنین! میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ آپ غور سے سنیں اس لئے کہ اگر آپ نے ان باتوں کو قبول کر لیا تو ان میں آپ کو وہ خیر اور بھلائی ملے گی جسے آپ اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔“

سلیمان نے کہا کہ جانا کیا باتیں ہیں۔ اس دیہاتی نے کہا

”میں اللہ تعالیٰ کا حق لو ا کرنے کے لئے ان چیزوں کو زبان پر لا رہا ہوں جن سے لوگ (آپ کے خوف سے) گونگے بنے ہوئے ہیں۔ آپ کے چاروں طرف ایسے لوگ جمع ہو گئے ہیں جو اپنی ذات کے لئے احتیالات اور طاقت کا فلفل استعمال کر رہے ہیں، انہوں نے اپنے دین کے بدلے میں آپ کی دنیا خرید لی ہے اور اپنے پروردگار کی بدراستی کے بدلے میں آپ کی رضا و خوشنودی حاصل کر لی۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں آپ سے ڈرتے ہیں لیکن آپ کے کاموں میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ ایسے لوگ آخرت سے جنگ کر رہے ہیں اور اپنی دنیا کو پُر امن بن رہے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس مقام پر پہنچایا ہے آپ وہاں ایسے لوگوں کو ہرگز پتا نہ لائے نہ دیکھے۔ کیونکہ یہ لوگ امن و سلامتی کی قدر نہیں جانتے اور ان کے جرموں کے ذمہ دار آپ بنے ہیں۔ اس لئے آپ اپنی آخرت گنوا کر ان کی دنیا نہ سنواریے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ بدلوہ شخص ہے جو دوسروں کی دنیا سجانے کے لئے اپنی آخرت بچھو دے۔“

یہ سن کر خلیفہ سلیمان نے کہا

”تم دیہاتی تو نہیں معلوم ہوتے تم نے اپنی زبان کو تلواری کی طرح استعمال کیا ہے اور یہ جیتنا تمہاری

تلوار ہی ہے۔“

دیہاتی نے کہا

”بے شک اے امیر المومنین اگر یہ تصور آپ کے حق میں غلطی ہے آپ کے خلاف نہیں۔“
 سلیمان کی خداتر سی..... جب سلیمان ابن عبد الملک خلافت کے بعد حج کو گیا تو وہاں اس نے اپنے پیچھے اور ولی
 عہد عمر ابن عبد العزیز سے کہا۔

”کیا تم اس مخلوق کو دیکھ رہے ہو جن کی تعداد اللہ کے سوا کوئی شمار بھی نہیں کر سکا اور جن کو اللہ کے
 سوا کوئی رزق نہیں دے سکا؟“

(گویا میری سلطنت اور رعیت اتنی بڑی ہے کہ دور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور بے شمار مخلوق میری
 فرماں بردار اور اطاعت گزار ہے) یہ سن کر حضرت عمر بن عبد العزیز نے جواب دیا۔
 ”امیر المومنین! آج یہ لوگ آپ کی رعیت ہیں لیکن کل اللہ تعالیٰ کے یہاں یہی لوگ آپ کے دشمن
 ہوں گے۔“

(کیونکہ رعیت کے ساتھ نیک سلوک اور انصاف نہ کیا گیا تو کل آخرت میں یہی لوگ حق تعالیٰ کے
 پاس آپ کے خلاف فریاد کریں گے اور آپ کی آخرت کی خرابی و بچاؤ کا سبب بنیں گی) یہ سن کر سلیمان زرد و قطار
 رونے لگا اور پھر بولا
 ”میں اللہ تعالیٰ سے عہد چاہتا ہوں۔“

ایک روز خلیفہ سلیمان اپنی عظیم سلطنت اور بادشاہت کا خیال کر کے بہت سرور ہوا۔ چنانچہ اس نے
 حضرت عمر ابن عبد العزیز سے کہا۔
 ”اے عمر! ہم جس مقام پر ہیں اس کے متعلق تم کیا خیال کرتے ہو؟“
 حضرت عمر ابن عبد العزیز نے فرمایا۔

”اے امیر المومنین! یہ ایک سرور ہے اگر اس میں غرور نہ ہو، ایک فتنہ ہے اگر ختم ہونے والی نہ ہو
 ایک زبردست سلطنت ہے اگر (انسان کی آخرت کے لئے) ہلاکت نہ ہو، ایک خوشی ہے اگر اس کے بعد آنے
 والی شگلی اور مصیبت نہ ہو، ایک عیش و عشرت ہے اگر اس کے بعد آنے والی آفات اور تکلیفیں نہ ہوں اور ایک
 بزرگی و اعزاز ہے اگر اس کے ساتھ سلامتی بھی ہو۔“

اس پر خلیفہ سلیمان اس قدر مدد دیا کہ اس کی وٹھری آنسوؤں سے تر ہو گئی۔
 جہاں تک سلیمان ابن عبد الملک کے پیچھے حضرت عمر ابن عبد العزیز کی خلافت کا تعلق ہے تو اس
 بارے میں ان کی پیدائش سے بھی پہلے ان کے ہانا حضرت عمر فاروقؓ کی والدہ کو خوش خبری دے چکے تھے۔
 چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا۔
 ”فاروق اعظمؓ کی پیشین گوئی.....“ میری لولاد میں ایک شخص ہوگا جس کے چہرے پر ایسی وجاہت اور ایسا
 اقبال ہوگا۔“

اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ :-
 ”جس کے چہرے پر ایسی نمایاں ہوں گی جو روئے زمین کو انصاف سے بھر دیں گی۔“
 چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہؓ کم عمر ہو کر آئے تھے :-
 ”اے کاش میں جانتا ہوتا کہ عمر ابن خطابؓ کی لولاد میں وہ کون شخص ہوگا جس کے چہرے پر ایسی

نشانیاں ہوں گی جو روئے زمین کو انصاف سے بھر دیں گی۔“

ایک روایت میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا یہ قول آتا ہے :-

”کتنی عجیب بات ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک کہ عمر فاروقؓ کی لولاد میں وہ شخص ظاہر نہیں ہو جائے گا جو عمرؓ کے جیسے ہی عمل کرے گا۔“

چنانچہ علماء کہتے ہیں کہ وہ شخص حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ہیں اس لئے کہ ان کی والدہ حضرت عمر فاروقؓ کے بیٹے عاصمؓ کی لڑکی یعنی حضرت عمر فاروقؓ کی پوتی تھیں۔

خلیفہ سلیمان ابن عبدالملک کے جو قول مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب وہ خلیفہ ہوئے اور خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا۔

”تمام تر نفیس اسی خدا نے پورے کوزہ لولہ میں جس نے جو چاہا بنایا جس کو چاہا چھپا کیا اور جس کو چاہا معزز کیا۔ جس کو چاہا اعلیٰ میں دیں اور جس کو چاہا خفیہ میں دیں۔ یہ دنیا غرور اور سرکشی کا گھر ہے جو رونے والے پر ہنسی ہے اور ہنسنے والے پر روتی ہے۔ جو امن چاہتے والے کو ڈراتی ہے اور ڈارے والوں کو پکارتی ہے۔“

ایک اور خطبہ میں انہوں نے کہا تھا۔

”اے لوگو! اکمل ہیں ولید ولید کا باپ اور ولید کا لولہ ان کو بلائے والے نے اپنی کوتاہی کی لولہ ان کے سب لین دین (یعنی معاملات) میں داپس رکھوائے، جو کچھ شان و شوکت تھی وہ اس طرح ختم ہو کر ایسی ہو گئی جیسے کبھی تھی ہی نہیں، ان کی زندگی کی تمام رونقیں اور قوتیں زائل ہو گئیں، غلات چھوٹ گئے اور ابرام وہ بسزوں سے نکل کر مٹی کے سگین ڈھیر میں پہنچ گئے۔ اور اب حساب کے دن تک انہیں بچا رہتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے پر جس نے اپنے آپ کو تیار کر لیا اس دن رحمت فرمائے جب ہر ایک کو اپنی بھلائیاں اپنے سامنے نظر آجائیں گی۔“

تعمیر کعبہ کے لئے خلیفہ منصور کی خواہش..... غرض پھر جب ابو جعفر منصور خلیفہ بنا تو اس نے چاہا کہ کہے کو پھر ان ہی بنیادوں پر تعمیر کر لوے جن پر حضرت ابن زبیرؓ نے اس کی تعمیر کرائی تھی۔ چنانچہ اس بارے میں اس نے علماء سے مشورہ کیا۔ امام مالکؒ ابن انسؒ نے اس پر اس سے کہا۔

”امیر المؤمنین امیں اللہ تعالیٰ کے نام پر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ بیت اللہ شریف کو بادشاہوں کا کھلوانہ بنائیے کہ ان میں سے جو بھی چاہے اس کی عمارت کو بدل دیا کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بیت اللہ کی ہیبت لوگوں کے دلوں سے اٹھ جائے گی۔“

اس مشورہ پر خلیفہ ابو جعفر نے اپنی رائے بدل دی۔ مگر علامہ طبریؒ نے اس بارے میں یہ لکھا ہے کہ جس خلیفہ نے یہ ارادہ کیا تھا اور جس کو حضرت امام مالکؒ نے منع کیا تھا وہ خلیفہ ہارون رشید عباسی تھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہ بات علامہ مقرر ی نے کہی ہے کہ یہ خلیفہ ہارون رشید کا واقعہ ہے مگر یہ قول صرف ان ہی کا ہے۔ اس کی وجہ انہوں نے یہ لکھی ہے کہ خلیفہ منصورؒ تو (جب حج کے لئے روانہ ہوا تھا) تو راستہ میں پیر میمونہ کے مقام پر زنی الحجہ کی چہ تبارح گوئی (یعنی حج سے تین دن پہلے) اس کا اشتغال ہو گیا تھا اور وہ مکہ میں داخل ہی نہیں ہو سکا۔

اس شبہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے خلیفہ منصورؒ کے سے پہلے ہی یہ گیا ہو اور وہاں اس

نے لوگوں سے اس بارے میں مشورہ کیا ہو اور پھر جواب میں اس سے امام مالکؒ نے وہی بات کہی ہو جو پیچھے بیان ہوئی ہے اور جہاں تک خلیفہ ہارون رشید کا معاملہ ہے تو اس نے کبے کو دوبارہ تعمیر کرنے کا ارادہ حقیقت میں کیا تھا اور امام مالکؒ سے ہی کیا تھا مگر انہوں نے وہی جواب دیا تھا جو پیچھے بیان ہوا ہے۔

(اس بارے میں مزید تفصیلات پیش کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اصل باب کبے کی تعمیر اور ہارون بنی کا چلن رہا ہے لہذا ایسے واقعات جن کا تعلق تعمیر کعبہ یا اس کے ارادہ سے رہا ہے ان کو مکمل تفصیلات اور شبہات جوابات کے ساتھ پیش کرنا ضروری ہے چنانچہ اس کے بعد کہتے ہیں کہ۔

میں نے پھر ہارون بنی امین کثیر میں دیکھا کہ خلیفہ مہدی امین منصور نے امام مالکؒ سے مشورہ کیا تھا کہ دو کبے کی موجودہ عمارت کو اگر دوبارہ اسی طرح اور ان ہی بنیادوں پر بنانا چاہتا ہے جیسے امین زبیرؓ نے بنائی تھیں۔ اس پر امام مالکؒ نے جواب دیا تھا:۔ ”مجھے ڈر ہے کہ کیسے تمام بلاد شام بیت اللہ کو اپنا کھیل نہ بنالیں۔“

بعض مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ خلیفہ منصور جب حج اور عمرہ سے قلعہ ہرگیا تو وہ بیت المقدس کی زیارت کے لئے روانہ ہو کر جیسا کہ گذشتہ روایت سے معلوم ہوا ہے کہ خلیفہ منصور حج سے پہلے ہی انتقال کر گیا تھا۔ مگر یہاں یہ کہنا ممکن ہے کہ خلیفہ منصور کا یہ حج اس سے پہلے کا ہو جس میں اس کا انتقال ہوا تھا۔

چنانچہ ہارون بنی امین کثیر میں بھی ہے کہ خلیفہ منصور نے حج کیا تھا اس خلیفہ نے اس حج کے علاوہ چار حج کئے جس میں اس کا انتقال ہوا تھا۔ یہی بات علامہ طبری کی کتاب ”التقری القاصد نام القری“ میں بھی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ خلیفہ منصور، ترویہ کے دن یعنی نویں ذی الحجہ سے دو دن پہلے انتقال کر گیا تھا اور یہ کہ وہ اپنے ایک حج میں بغداد سے ہی احرام باندھ کر چلا تھا۔

خلیفہ منصور اور سفیان ثوریؒ..... مصنفی نے لکھا ہے کہ سفیان ثوریؒ اس کی برائیاں بیان کرتے تھے کہ وہ حق اور سچائی کو پسند نہیں کرتا ہے۔ چنانچہ جب منصور حج کے لئے روانہ ہوا اور راستے میں ایسے ایسے معلوم ہوا کہ سفیان ثوریؒ بھی کئے میں موجود ہیں تو اس نے کچھ لوگوں کو آکے بھیجا اور ان سے کہا کہ سفیان ثوریؒ تمہیں جس حال میں بھی ملیں ان کو پکار کر سولی پر لٹا دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے جا کر ایک چٹائی کا تختہ اور پھندا تیار کر کے نصب کر دیا تاکہ اس پر سفیان ثوریؒ کو چٹائی دی جاسکے اس وقت سفیان ثوریؒ (جو بوڑھے اور ضعیف ہو چکے تھے) مسجد حرام میں تھے۔ ان کا سر فضیل ابن عیاضؒ کی گود میں تھا اور عائشہؓ سفیان امینؒ عیینہؒ کی گود میں رکھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کو سفیان ثوریؒ کے متعلق خلیفہ کا حکم معلوم ہو گیا تھا اور یہ اس کی وجہ سے پریشان تھے (چنانچہ انہوں نے حضرت سفیان ثوریؒ کی جان کے خوف سے ان سے کہنا۔

”خدا کی قسم آپ دشمنوں کو برا بھلا نہ کہنے چلے کیسے چل کر چھپ جائیے۔“
سفیان ثوریؒ گھڑے ہو کر چلے مگر حرم میں ملتزم کے مقام پر آکر گھڑے ہو گئے اور کہنے لگے
”اس کعبے کے رب کی قسم! منصور کے میں داخل بھی نہیں ہو سکے گا۔“.....!

اس وقت منصور حجوں کے مقام تک پہنچ چکا تھا کہ لہذا اس کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی جس سے منصور نیچے گر پڑا اور اسی گھڑی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت سفیان بنی دہال شریفؒ نے کعبے اور اس کے چترے کی نماز پڑھائی۔ یہاں تک علامہ مصنفی کا کلام ہے۔

اس سے پہلے یہ روایت گذری ہے کہ منصور، ہرمیمونہ کے مقام پر وقت پابا گیا تھا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے

ہے کہ ان دونوں روایتوں سے کوئی شبہ نہیں پیدا ہو تا کیونکہ ممکن ہے منصور کے بھون کے مقام پر پہنچنے سے سرتواں کے سواروں اور لشکر کا پہنچنا مراد ہو جبکہ خود وہ میر میمونہ پر ختم ہو گیا ہو۔ بہر حال روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔

مگر تہذیب خنہن کثیر میں منصور کی موت کا سبب یہ لکھا ہے کہ جب وہ حج کے لئے روانہ ہوا اور کوفہ سے کچھ منزل دور نکل گیا تو وہ اس درد میں مبتلا ہو گیا جس میں آخر اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کو دستوں کی پھری لگ گئی وہ کے پہنچ کر غم اور وہیں اس کا انتقال ہو گیا۔

اس روایت میں اور کچھ روایت میں جو بظاہر اختلاف نظر آتا ہے وہ بھی اس طرح دور ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے دوسری روایت میں کے پہنچنے کا جو ذکر ہوا ہے وہ اس لئے ہو گیا ہو کہ کے کے قریب پہنچ چکا تھا اور قریب جگہ ہونے کی وجہ سے یہ کہہ دیا گیا کہ وہ کے پہنچ گیا تھا۔ اسی طرح ممکن ہے اسے دستوں کی پھری لگی ہو مگر اس کے ساتھ ہی اس کا گھوڑا بھی پھسلا ہو جس سے گریاس کی موت کا عمل سبب بن گیا۔

روایت ہے کہ آخری جملہ جو منصور نے کہلا دیا تھا۔

”اے اللہ! اپنی ملاقات میں میرے لئے برکت عطا فرما۔“

خلیفہ منصور کے جو بیٹے منظور بن بن میں سے ایک یہ ہے

”مخالف کرنے والوں میں وہ شخص سب سے بھترین ہے جو سزا دینے کی زیادہ قدرت رکھتا ہو۔ اور عقل کے لحاظ سے سب سے کم وہ شخص ہے جو اپنے سے کم پر ظلم کرے۔“ واللہ اعلم۔

مختلف زمانوں میں توسیع حرم..... غرض یہ بات (سیرت خلیفہ راشدہ میں) مکرر مہجی ہے کہ جب قصبہ امین کلاب نے قریش کو حکم دیا تھا کہ کعبے کے چاروں طرف اپنے مکانات تعمیر کر لیں اور قریش نے وہاں چاروں طرف مکانات بنالیاے تھے تو انہوں نے طواف کرنے کی جگہ کے بعد خالی جگہ چھوڑ دی تھی چنانچہ طواف کی جگہ اس وقت سے آنحضرت ﷺ کے زمانے اور حضرت ابو بکر کی خلافت تک جو ان کی توں رہی۔ پھر اس کے بعد جب حضرت عمر کی خلافت کا دور آیا تو ان کو خیالی پیدا ہوا کہ حرم کو بڑھانا ضروری ہے چنانچہ انہوں نے چاروں طرف کے مکانات خریدے اور ان کو گرا کر حرم کا محکمہ بڑھا کر چاروں طرف ایک چھوٹی سی دیوار بنوائی۔ اس دیوار میں انہوں نے مسجد حرام کے لئے دروازے بنوائے۔ اس کے بعد پھر حضرت عثمان اور حضرت امین زبیر نے اپنی اپنی خلافت کے زمانے میں حرم کو بڑھایا۔ پھر عبدالملک نے اس کی دیواریں لوہی کر آئیں اور ان پر سال کی لکڑی کی چھت ڈلائی۔ اس کے بعد ولید امین عبدالملک نے اس کو تروا کر وہاں سنگ مرمر کے ستون قائم کئے اور اس پر سال کی لکڑی کی چھت ڈلائی جس پر پھول بوٹوں کا کام بنایا تھا۔ نیز اس نے مسجد حرام کے محکمہ میں سنگ مرمر لگوا دیا۔ پھر اس کے بعد خلیفہ منصور نے حریم سنگ مرمر لگوا اور حجر اسود کے گرد بھی سنگ مرمر لگوا دیا۔ اس کے بعد خلیفہ مہدی لول اور خلیفہ مہدی جانی نے مسجد کو اتنا بڑھایا کہ کعبہ مسجد حرام کے پچیس بیچ آیا (یعنی چاروں طرف سے محکمہ برابر ہو گیا)۔

کے کے نام..... اس کے بعد پھر خلیفہ محمد باللہ نے دارالندوہ کو بھی حرم کے اندر لے لیا اور کے کا نام قارن رکھا نیز اس نے اس کا نام قرینۃ النمل یعنی چوٹیوں کی بستی بھی رکھا کیونکہ وہاں چوٹیوں سے زیادہ تختیں یا شاید یہ نام اس لئے رکھا کہ یہاں جب قوم عمالقی نے بہت زیادہ سرکشی کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بطور

عذاب کے چھ نبیوں کو مسلط فرمایا تھا۔ یہاں تک کلامِ کلام کی سر زمین چھوڑی پڑی۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

مکہ شہر کے بہت زیادہ نام ہیں جن کو قاموس کے مصنف نے اپنی کتاب میں جمع کیا ہے۔
اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: آگے نام لودھی کا ایک قول آئے گا کہ کسی شہر کے اتنے نام نہیں ہیں جتنے کے
لورہ نے ہیں۔ واللہ اعلم۔

مقامِ کعبہ زمین کی اصل..... (قال) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ :-

کعبہ کی جبکہ زمین سے دو ہزار سال پہلے پیدائی گئی اور اس وقت یہ جگہ پانی کے لوہے پر ایک چھوٹے سے ٹاپو
کی طرح تھی جس پر دو فرشتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے تھے پھر اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے زمین
کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اسی ٹاپو سے زمین کو اس طرح پھیلا کہ یہ ٹاپو زمین کے بیچ میں آگیا (یعنی اس کے چاروں
طرف زمین پھیل گئی جبکہ اس سے پہلے صرف یہی زمین کا ٹکڑا تھا)۔

زمین و آسمان اور شب و روز کی تخلیق ایک ساتھ ہوئی..... علامہ جلال سیوطی سے ایک دفعہ اللہ
تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں پوچھا گیا کہ :-

إِنَّ رَبَّكُمْ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ لَا يَإِثْمُ السُّورَةُ يُونُسُ ۱۰
ترجمہ: بیشک تمہارا رب حقیقی اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز کی مقدار میں پیدا کر
دیا۔

(اس بارے میں علامہ سیوطی سے پوچھا گیا کہ) کیا آسمان و زمین کی تخلیق سے پہلے دن موجود تھے؟
علامہ نے جواب دیا
”زمین و آسمان کی پیدائش اور دنوں کی تخلیق بالکل ایک ساتھ ہوئی ہے ان میں سے کوئی ایک دوسرے
سے پیچھا پاتے نہیں ہے۔“

اس بارے میں انہوں نے قرآنِ پاک کی تفسیر کو ہی دلیل بنالیا۔
حدیث میں آتا ہے کہ :-

”اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے بھی پہلے کے کو محترم بنادیا تھا۔“
اسی سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد یہ ہے کہ :-
”ابراہیمؑ نے مکہ کو محترم قرار دیا۔“

لہذا گذشتہ حدیث کی روشنی میں اس کے معنی یہ بنائے جائیں گے کہ ابراہیمؑ نے اس شہر کی حرمت کو
ظاہر فرمایا ہے (جبکہ خود اس کی حرمت زمین و آسمان کی تخلیق سے بھی پہلے اللہ تعالیٰ مقرر فرما چکا تھا)۔

باب ہشتم (۱۸)

آنحضرت ﷺ کے متعلق یہودی و عیسائی عالموں اور

عرب کاہنوں کی پیشین گوئیاں

اس کے علاوہ اس باب میں ان میں خبروں کا بیان ہے جو کاہنوں نے جنت وغیرہ سے سنیں یا اپنا ک
فضاؤں سے اس بارے میں ان دیکھے آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں یا بعض جانوروں اور درختوں سے آپ کی
نبوت کے متعلق نکالیں آئیں۔ اسی طرح یہ کہ جب کی نبوت کے وقت شیاطین کو آسمانوں کے خبروں کی سن
کُن لینے سے نجوم اور ستارے مارا کر وہاں سے دھکیلا گیا۔ اسی طرح قدیم کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا ذکر اور
آپ ﷺ کا حلیہ کیا ہے اس کی تفصیلات ہیں۔ نیز اسی طرح یہ کہ کیسے بعض پتوں اور پھروں پر آنحضرت ﷺ کا
اسم گرا لکھا ہوا لپٹا گیا۔

حافظ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہودی عالم، عیسائی راہب اور عرب کے کاہن اس زمانے میں
آنحضرت ﷺ کے متعلق باتیں کیا کرتے تھے جب آپ کی نبوت اور ظہور کا وقت قریب آگیا تھا۔ جہاں تک
یہودی عالموں اور عیسائی راہبوں کے اس بارے میں خبریں دینے کا تعلق ہے تو ان کی بیہودگی کی قدیم آسانی
کتابیں تھیں جن میں آنحضرت ﷺ کی نبوت، جیلے اور زمانے کا تذکرہ موجود تھا۔ اور جہاں تک عرب کے
کاہنوں کی خبروں کا تعلق تھا تو ان کی خبروں کی بنیاد وہ شیاطین تھے جو ان کے تابع تھے اور آسمانوں تک پہنچ کر وہاں
فرشتوں کے درمیان ہونے والی باتیں چھپ چھپ کر سنا کرتے اور پھر وہ باتیں کاہنوں کو بتلایا کرتے تھے۔ اس
وقت تک شیاطین کو چھپ کر آسمان کی خبریں سننے پر پابندی نہیں لگی تھی جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت اور
ظہور کے وقت ان شیاطین کو اس سے روک دیا گیا تھا۔

چنانچہ اکثر لکھا ہوا ہے کہ عرب کے کاہنوں اور کاہنوں کی زبانوں پر آنحضرت ﷺ کی بعض باتوں کا
ذکر آتا ہاں مگر عرب کے لوگ ان باتوں پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ آخر آنحضرت ﷺ کا
ظہور ہو گیا اور آپ ﷺ سے وہ باتیں سرزد ہوئیں جن کا کاہنوں نے تذکرہ کیا تھا جس کے نتیجہ میں عربوں کو وہ

باتیں یاد آئیں اور ان کاہنوں کی تصدیق ہو گئی۔

اس بارے میں یہ تصریح موجود ہے کہ آسمانوں میں فرشتے رسول اللہ ﷺ کے جلوے بھی پہلے آپ کے متعلق باتیں کیا کرتے تھے (جو کبھی کبھی ان شیاطین کے کانوں میں بھی پڑ جاتی تھیں جو آسمانوں کے قریب منزل لاتے رہتے تھے۔ پھر یہی خبریں وہ شیاطین زمین پر آکر کانہوں کو بتا دیتے اور اس طرح وہ دوسروں تک پہنچ جاتی تھیں)۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق یہودی خبریں

جہاں تک یہودی عالموں کی دی ہوئی خبروں اور آنحضرت ﷺ کے متعلق ان کی پیشین گوئیوں کا تعلق ہے ان میں سے کچھ کا ذکر پیچھے گذر چکا ہے اور کچھ باتوں کا ذکر اب یہاں کیا جا رہا ہے۔

حضرت سلمہ ابن سلامہ کا واقعہ..... چنانچہ ان ہی میں سے ایک یہ ہے جس کو حضرت سلمہ ابن سلامہ نے بیان کیا ہے یہ حضرت سلمہ ابن حضرت میں سے ہیں جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ بنی عبد المطلب کے یہودیوں میں سے ایک یہودی ہمارا یہودی قتل کیا ایک روز اس نے کچھ بت پرستوں کے سامنے یہ تذکرہ کیا کہ قیامت آنے کی اور لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے، پھر صلیب لٹک ہو گا اور لوگوں کے اچھے اور برے عمل تولے جائیں گے جس کے بعد ان کو جنت یا جہنم میں بچھا دیا جائے گا۔ ان پر ان بت پرستوں نے (اس یہودی عالم کا مذاق اڑاتے ہوئے) کہا۔

”کیا بلکہ اسے قال کیا تو ان باتوں کو پیش آتے ہوئے دیکھ رہا ہے کہ لوگ مرنے کے بعد ایک ایسی جگہ دوبارہ زندہ کئے جا رہے ہیں جہاں جنت اور دوزخ بھی موجود ہیں اور وہاں لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جا رہا ہے!“

اس یہودی نے کہا۔

”ہاں احم ہے اس ذلت کی جس کے نام کا حلف لیا جاتا ہے کہ (لوگ قیامت کے عذاب سے انکار کرنے لگیں گے) کوئی یہ چاہے گا کہ (دنیائی بڑی سے بڑی آگ کا ایک زبردست ٹھور دھکا کر اس کو اس میں ڈال دیا جائے اور پھر اس کو زندہ کر دیا جائے اگر اس کے بدلے میں وہ کل قیامت کے دن جہنم کی آگ سے بچ سکتا ہو“.....!

یہ سن کر ان لوگوں نے کہا

”تیرا برا بھلا اس دور کی علامت اور نشانی کیا ہو گی؟“

یہودی نے ان کے اور بہن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ایک نئی جوان علاقوں سے ظاہر ہو گا۔“

لوگوں نے پوچھا اس نئی قوم میں سے بھی کوئی ہو کیا پائے گا۔ حضرت سلمہ ابن سلامہ کہتے ہیں کہ میں

ان لوگوں میں اس وقت سب سے کم عمر تھا اس بات کو سن کر اس یہودی نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

”اگر یہ لڑکا بڑی عمر کو پہنچا تو ان کا زمانہ پائے گا۔“

حضرت عیسیٰؑ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اس کے بعد دن اور رات گزرتے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو نبوت کے ساتھ ظاہر فرمادیا۔ اس وقت بھی وہ یہودی ہمارے درمیان موجود تھا۔ چنانچہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے مگر وہ یہودی سرکش اور حسد کی وجہ سے ایمان میں لاپلاہ اس وقت ہم نے اس سے کھل

”براہو تیرا اے فلاں! کیا تو نے ہی آنحضرت ﷺ کے متعلق اس وقت ہم کو بہت کچھ نہیں بتلایا

تھا؟“

اس یہودی نے کہا۔

”بے شک بتلایا تھا مگر ان کے متعلق نہیں کہا تھا۔“

(کیونکہ یہودیوں کو اس بات پر حسد تھا کہ وہ عظیم نبی ہماری قوم میں سے نہیں ہے جبکہ وہ اپنی قوم کو ہی سب سے بڑی اور معزز سمجھتے تھے۔ اس لئے وہ جانتے ہوئے بھی کہ آنحضرت ﷺ ہی وہ سچے پیغمبر ہیں جن کا ذکر نور علیہ ہمارے کتابوں میں موجود ہے خود آپ ﷺ پر محض حسد اور جلن کی وجہ سے ایمان نہیں لائے۔) عمر ابن عتبہؓ کا واقعہ..... اسی طرح ایک واقعہ ہے جس کو حضرت عمر ابن عتبہؓ سلمیٰ نے روایت کیا ہے کہ چالیس کے زمانے میں ہی میں اپنے قوم کے معبودوں سے بیزار ہو گیا تھا یعنی بتوں کی عبادت چھوڑ دی تھی۔ اسی زمانے میں ایک دن میری ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو تلاء نامی بستی کا رہنے والا تھا۔ یہ بستی مدینہ لوز ملک شام کے درمیان میں تھی۔ غرض میں نے اس شخص سے کہا۔

”میں اس قوم کا آدمی ہوں جو بتوں کو پوجتے ہیں مگر ان کا حال ہے کہ ایک جماعت کے قافلے آ کر کسی جگہ آکر پڑاؤ ڈالنا اور ان کے پاس کوئی معبود یعنی بت نہیں ہے تو اب ایک شخص قافلے سے لکھا ہے اور چار پتھر اٹھا کر لاتا ہے اور پھر ان میں سے غنیمت کو تو اسٹجاء کرنے کے لئے الگ کر لیتا ہے اور ان میں سے ایک کو جو زیادہ صاف ستھرا ہو اپنا معبود بنا کر اس کی عبادت شروع کر دیتا ہے۔ پھر وہیں آکر اس سے زیادہ صاف ستھرا کوئی پتھر مل گیا تو اس پچھلے معبود کو چھوڑ کر اس کی عبادت شروع کر دے گا۔ اسی طرح آکر آگے جا کر وہ کہیں اور ٹھہرتا ہے اور وہاں اس سے زیادہ اچھا کوئی پتھر مل جاتا ہے تو پہلے کو پھینک کر اس کو معبود بنا بیٹھتا ہے۔ آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ سب بکو اس اور باطل چیزیں ہیں جو نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان۔ اس لئے اب آپ مجھے اس سے بہتر کوئی چیز بتائیے۔“

اس پر اس یہودی شخص نے کہا

”میں ایک شخص ظاہر ہو گا جو اپنی قوم کے معبودوں سے بیزار ہو گا اور ان کے علاوہ ایک دوسرے معبود کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلائے گا۔ اس لئے جب تم اس شخص کو دیکھو تو اس کی پیروی کرنا اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ افضل اور اعلیٰ دین لے کر آئے گا۔“

اس کے بعد جب بھی مکے سے کوئی شخص آتا تو میں اس سے پوچھتا کہ کوئی نئی بات تو ظاہر نہیں ہوئی وہ کہتے کہ نہیں۔ آخر ایک دفعہ مجھے ایک آدمی ملا میں نے اس سے یہی بات پوچھی۔ اس نے مجھے بتلایا کہ ہاں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو اپنی قوم کے بتوں سے بیزار ہو کر ظاہر کر رہا ہے اور ان کے سوا ایک دوسرے معبود کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔

یہ سنتے ہی میں نے اپنی سولہری تیل کی لور فوراً لے کر ورنہ ہو گیا۔ میں سیدھا اس جگہ پہنچا جہاں کے میں میں ٹھہر کر اتفاقاً پھر میں نے اس شخص کے حقائق معلوم کیا (آخر جب میں اس شخص کے پاس پہنچا تو) میں نے ان کو بہت عظیم و سلیم پلا اور قریش کو دیکھا کہ وہ ان پر سخت غضبناک تھے، مجھے ان سے ہمدردی پیدا ہوئی اور پھر میں ان کے پاس پہنچا۔ اب میں نے ان سے پوچھا۔

”آپ کیا ہیں؟“

انہوں نے جواب دیا کہ میں نبی ہوں؟ میں نے پوچھا کہ آپ کو کس نے نبی بتایا ہے؟ انہوں نے کہا۔
اللہ نے ابھر میں نے پوچھا کہ آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ انہوں نے کہا۔
”یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہئے جو تمہارے پورے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں خوں ریزی بند کرنے کے لئے، بتوں کو توڑنے کے لئے، رشتہ داروں کی تجر گیری کا حکم دینے کے لئے اور مسافروں کو لوٹ مار سے امان دینے کے لئے آیا ہوں۔“

میں نے کہا۔ ”بے شک اچو کچھ پیغام آپ لے کر آئے ہیں میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کی تصدیق کرتا ہوں کیا آپ مجھے یہ حکم دیتے ہیں کہ میں آپ کے پاس ٹھہروں یا ایں چلا جاؤں؟“
آپ نے فرمایا۔

”تم دیکھ ہی رہے ہو کہ لوگ اس پیغام کو کتنا پسند کر رہے ہیں جو میں لے کر آیا ہوں، اس لئے تم میرے پاس نہیں ٹھہر سکتے تم اپنے گھر پر رہو اور جب تمہیں میرے حقائق معلوم ہو کہ میں کسی خاص جگہ کے لئے یہاں سے نکل گیا ہوں تو میرے پاس آجانا۔“

چنانچہ میں واپس اپنے گھر آیا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے مدینے کو ہجرت فرمائی، میں بھی فوراً ہی آپ کے پاس پہنچنے کے لئے روانہ ہوا اور مدینے آگیا۔ یہاں میں نے آپ سے پوچھا۔
”اے اللہ کے نبی! کیا آپ نے مجھے پہچانا؟“

عاصم ابن عمرو کا واقعہ..... آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”ہاں! تم وہی سلی شخص ہو جو میرے پاس کے میں آئے تھے۔“

ان ہی پیشین گوئیوں میں سے ایک یہ ہے جسے عاصم ابن عمرو دین قباؤہ نے اپنی قوم کے لوگوں سے روایت کیا ہے کہ لوگ کہتے تھے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اسلام کی طرف اور ہدایت کے راستے کی طرف جس چیز نے بلایا وہ وہ باتیں ہیں جو ہم یہودی عالموں سے سنا کرتے تھے، ہم لوگ مشرک اور بتوں کو پوجنے والے تھے جبکہ وہ لوگ یعنی یہودی اللہ کتاب تھے جس کی وجہ سے ان کے پاس وہ علم تھا جو ہمارے پاس نہیں تھا۔ اس وقت ہمارے دور ان لوگوں کے درمیان کوئی نہ کوئی فتنہ و فساد ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ جب بھی ہم کوئی ایسی بات کر دیتے جو ان لوگوں کو ناگوار گزرتی تو وہ ہم سے کہا کرتے تھے۔

”وہ مذہب قریب آگیا ہے جس میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے وہ تمہیں قوم حادہ قوم ثمود کی طرح قتل کر کے نیست و نابود کر دے گا۔“

یہ بات وہ لوگ اکثر کہا کرتے تھے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ظاہر فرمایا اور آپ ﷺ

نے ہمیں اللہ عزوجل کی طرف بلایا تو ہم نے فوراً ہی آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے آپ کے پیغام کو قبول کیا۔ اس وقت ہمیں آپ میں وہ تمام نشانیاں بھی نظر آگئیں جن سے وہ لوگ ہمیں (ظاہر) کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس بارے میں ہم نے جلدی اور پہل کی اور خود ان لوگوں نے کفر کیا۔ پھر اسی بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ رَبِّهِمْ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْهِجُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا اُولَٰئِكَ جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا اِذْ بَلَغَهُنَّ الْكِتَابُ مِنَ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ (پس اسورہ بقرہ ص ۱۱) اَلَا يَتَذَكَّرْنَ

ترجمہ :- اور جب ان کو ایک ایسی کتب پہنچی یعنی قرآن جو منتخب اللہ ہے اور اس کی (بھی) تصدیق کرنے والی ہے جو پہلے سے ان کے پاس ہے یعنی توریت حالانکہ اس کے قبل وہ خود بیان کیا کرتے تھے کہ اسے کفار سے پھر جب وہ چیز آچکی جس کو وہ خوب جانتے پہچانتے ہیں تو اس کا صاف انکار کر بیٹھے سو بس خدا کی ملامت ہو ایسے منکروں پر۔

بنی قریظہ کے ایک شیخ کا واقعہ اسی طرح ایک وہ واقعہ ہے جو بنی قریظہ (یعنی مدینے کے ایک یہودی قبیلے) کے ایک شیخ نے بیان کیا ہے کہ ملک شام کا ایک یہودی عالم تھا جس کا نام ابن حنیان تھا جس کو عرب جہان کہتے تھے۔ یہ اسلام سے ایک عرصہ پہلے مدینے آگیا تھا اور ہم لوگوں کے درمیان آکر بس گیا تھا۔ خدا کی قسم اس وقت نماز نہ پڑھتے نہ صلاؤں میں ہم نے اس شخص سے زیادہ افضل اور بزرگ کسی کو نہیں پایا۔ (ی) مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے سوا دوسرے لوگوں میں اس سے افضل تو ہی نہیں دیکھا گیا کیونکہ مسلمان ہی پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں لہذا یہاں انکار اصلی ہے زائد نہیں ہے۔ غرض یہ شخص ہمارے یہاں آکر ٹھہر لیا جب بھی ہمارے یہاں بادشاہ کا قتل اور شگ سالی ہوتی تو (اس شخص کی بزرگی کی وجہ سے) ہم اس سے کہتے۔

”اے ابن حنیان! ہمارے ساتھ (بستی سے باہر) چلو اور ہمارے لئے بادشاہ کی دعا مانگو۔“

وہ جواب میں کہتا۔

”نہیں۔ اس وقت تک نہیں چلوں گا جب تک کہ تم لوگ میرے سامنے اپنا مال صدقہ کے لئے نہیں نکالو گے۔“

ہم پوچھتے کہنا تو وہ کہتا۔

”یا تو سارے تین سیر سمجھو اور یا پوسے تین سیر مل گے ہوں۔“

(ایک سیر ظل تقریباً آدھ سیر کا ہوتا ہے) چنانچہ ہم اتنی صدقہ کرتے اور اس کے بعد وہ شخص ہمارے ساتھ بستی کے باہر چل کر پانی کی دعا مانگا۔ پس خدا کی قسم (دعا مانگنے کے بعد) وہ اپنی جگہ سے ہٹا بھی نہیں تھا کہ بادل گھر کر آئے اور ہم لوگ سیر لب ہو جایا کرتے تھے۔ اس نے ہمارے لئے اس طرح کئی بار دعا مانگی۔ (ی) یعنی ایک دو مرتبہ یا تین مرتبہ نہیں بلکہ اس سے بھی زائد ہمارے ذریعہ ہمیں سیر لبی حاصل ہوئی۔

اس کے بعد اس کا آخر وقت آپہنچا۔ جب اس کو یقین ہو گیا کہ لب موت سر پر آچکی ہے تو اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا۔

”اے گروہ یہود! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں کسی وجہ سے دولت مند اور سربز ملامتے (یعنی ملک شام) کو چھوڑ کر اس بجزیرہ بھوکے علاقے میں آکر بس گیا ہوں؟“ ہم نے کہا کہ آپ ہی بہتر جانتے ہوں گے۔ تب اس نے کہا۔

”میں اس علاقے میں اس لئے آکر ٹھہرا ہوں کہ مجھے ایک نبی کے ظہور کی امید ہے جس کا زمانہ لب

آپ چاہے اس کا وقت اسی طرح قریب آچکا ہے کہ گھیا تمہیں زمانے کے سانچے میں کھینچ چکے ہوں۔ یہ خبر اس کی ہجرت تک یعنی ہجرت کا گھر ہو چکا ہے کہ وہ نہیں ظاہر ہو جائے اور میں بھی اس کی پیروی کروں۔ بہر حال تم لوگوں تک اس کا زمانہ آپ چاہے اس لئے اس نئی کو ماننے میں تم پہل کرنا۔ جو لوگ اس نبی کے مخالف ہوں گے ان کی خوں ریزی ہوگی اور ان کے بچے اور عورتیں قیدی بنیں گے۔ لہذا ان باتوں کی وجہ سے تم اس کی طرف بڑھنے سے رک مت جانا۔

چنانچہ جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہو گیا اور (مذہب) کے بعد یودیوں کی مخالفت اور سازشوں کی (مخصوص) آپ نے بنی قریظہ کے یودیوں کا محاصرہ فرمایا تو بنی قریظہ کے کچھ یودیوں نے یعنی ثعلبہ ابن سعید، اسد ابن شعبہ، یاسد ابن شعبہ اور امجد ابن عبید نے جو سب کے سب لو جو ان تھے کہا:

”اے بنی قریظہ! بے شک یہ ہو بنو ذبیحی ہیں (جن کی خبر ابنی خبیان نے دی تھی)۔“
اس کے بعد یہ تینوں اس حویلی سے اتر کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور مسلمان ہو گئے۔ اور اس طرح ان کی جانیں ہلاک کا مال اور ان کے گھر والے محفوظ ہو گئے۔ اس واقعہ کی تفصیل آگے آئے گی۔
حضرت عباسؓ کا واقعہ..... (کابل) اسی طرح حضرت عباسؓ کا واقعہ ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک تجاری قافلے کے ساتھ کھن گیا۔ اس قافلے میں ابوسفیانؓ ابن حارث بھی تھے۔ وہاں ہمیں حطہ ابن ابوسفیان کا خط ملا جس میں تھا کہ:-

”محمد (ﷺ) نے لکھے ہیں یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تم لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔“

یہ خبر فوراً ہی یمن کی مجلسوں میں پھیل گئی۔ چنانچہ ہمارے پاس ایک یودی عالم لکھ کر آئے۔
”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں میں کوئی اس شخص (یعنی آنحضرت ﷺ) کا چچا نہیں ہے جس نے وہ دعویٰ کیا ہے جس کا چرچا ہو رہا ہے!“

حضرت عباسؓ کہتے ہیں میں نے اس سے کہا کہ ہاں (میں ان کا چچا ہوں) تب اس یودی عالم نے کہا:
”میں تم سے خدا کے نام پر پوچھتا ہوں کیا تمہارے بھتیجے میں بچہ پور خوشی ہے؟“
میں نے کہا:

”نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور کبھی لائت میں خیانت بھی نہیں کی یہاں تک کہ قریشؓ میں اس کا نام ہے ”امین“ پڑ گیا ہے۔“

پھر اس یودی نے پوچھا:
”کیا وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہے؟“

میں نے چاہا کہ ہاں کہہ دوں (کیونکہ ان کے نزدیک اس وقت سچے کی عزت اسی میں تھی کہ ان کو پڑھنا لکھنا بتایا جائے) مگر مجھے ابوسفیانؓ سے ڈر ہوا کہ (اگر میں نے محمد ﷺ کے بارے میں یہ غلط بات کہہ دی تو کہہ مجھے فوراً پھانسی دے گا اور میری بات کی تردید کر دے گا۔ ان لئے میں نے کہہ دیا کہ ہمیں وہ لکھنا نہیں جانتا۔
یہ سنتے ہی وہ یودی اپنی چادر تک چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور سخت گھبراہٹ میں یہ کہتا ہوا چلا گیا:
”یودی ذبح ہو گئے۔ یودی قتل ہو گئے۔“.....!

حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ جب ہم لوٹ کر اپنی منزل پر آئے تو ابوسفیانؓ نے مجھ سے کہا۔
”اے ابوالفضل! یہودی تمہارے پیچھے سے بہت ڈر رہے ہیں!“ (حضرت عباسؓ کا لقب ابوالفضل

تھا)۔

میں نے کہا۔ ”میں نے دیکھا ہے اور شاید تم بھی اس پر ایمان لے آؤ۔۔۔۔۔؟“

ابوسفیانؓ نے جواب دیا۔

”میں اس پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ کدّاء کے مقام پر گھوڑے سواروں کا لشکر
نہیں دیکھ لوں گا۔“

میں نے کہا تم کیا کہہ رہے ہو؟ تو ابوسفیانؓ نے کہا۔

”یہ بات تو اچانک میرے نکل گئی ہے۔ مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ اللہ کبھی بھی کدّاء تک (جو کے کے
قریب ایک جگہ ہے) کسی لشکر کو نہیں آنے دے گا۔“

پھر حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ (اس واقعہ کے برسوں بعد) جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا اور
ابوسفیانؓ نے اس وقت کدّاء کے مقام پر گھوڑے سواروں کا لشکر دیکھا تو میں نے اس سے کہا۔
”ابوسفیانؓ تمہیں اپنی وہ بات یاد ہے؟“

ابوسفیانؓ نے کہا۔

”ہاں۔ خدا کی قسم مجھے اس وقت وہ بات یاد آ رہی ہے!“

امیہ ابن ابی صلت کا واقعہ..... اسی طرح ایک واقعہ امیہ ابن ابی صلت ثقفی نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے
ابوسفیانؓ سے ایک وفد کہا۔

”میں نے قدیم کتابوں میں ایک نبی کا حلیہ پڑھا ہے جو ہمارے علاقے میں ظاہر ہوگا۔ میں اس وقت یہ
سمجھا کرتا تھا کہ وہ نبی میں ہی ہوں اور میں اس کا تذکرہ بھی کیا کرتا تھا۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ وہ نبی بنی عبد مناف
میں سے ہوگا۔ چنانچہ میں نے نبی عبد مناف کو (اس حلیہ کے مطابق) جانچا مگر مجھے ان میں سوائے عتبہ ابن ربیعہ
کے کوئی بھی اس طے کے مطابق نہ نظر آیا۔ لیکن یہ عتبہ ابن ربیعہ بھی چالیس سال سے بھی زیادہ کا ہو گیا مگر اس
پر وحی نہیں آئی۔ تب میں نے سوچا کہ وہ نبی اور کوئی ہوگا۔“

ابوسفیانؓ کہتے ہیں کہ جب محمد ﷺ کا ظہور ہوا تو میں نے امیہ سے آپ ﷺ کے متعلق ذکر کیا وہ کہنے

لگا۔

”اگر وہ سچے ہیں تو ان کی پیروی کرو۔“

میں نے کہا۔

”اور تمہیں کیا رکاوٹ ہے؟“

امیہ نے کہا۔

”مجھے بنی ثقیف کی عورتوں سے شرم آتی ہے۔ کیونکہ میں ان سے کہا کرتا تھا کہ وہ نبی میں ہی

ہوں۔ اور میں خود ہی بنی عبد مناف کے ایک نوجوان کا بیرو بن جاؤ!“

عیسائی عالموں کی پیشین گوئیاں

(یہودی عالموں کی طرح) عیسائی عالم لور راہب بھی آنحضرت ﷺ کے متعلق پہلے سے خبریں دیتے آئے ہیں۔ ان میں سے کچھ واقعات پیچھے بیان بھی ہو چکے ہیں۔
(قال) اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت طلحہ ابن عبد اللہ کا ہے جو کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے بصری کے بازار میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک راہب اپنی عاتقہ میں کھڑا یہ کہہ رہا ہے۔
”میں موسم کے (یعنی اس سال کے) آنے والوں سے پوچھو کہ کیا تم میں حرم کی سر زمین کا رہنے والا بھی کوئی ہے؟“

میں نے کہا ”ہاں میں ہوں۔“ اس پر اس نے فوراً پوچھا۔

”کیا احمد ﷺ کا ظہور ہو گیا ہے؟“

میں نے کہا کون احمد؟ تو اس نے جواب دیا۔

”عبد اللہ ابن مطلب کا بیٹا۔“ یہی وہ مہینہ ہے جس میں وہ ظاہر ہونے والا ہے۔ وہ آخری پیغمبر ہے اس کے ظہور کی جگہ حرم کی سر زمین ہے اور اسکی جبرت کی جگہ کعبہ کی طرف (یعنی مدینے میں) ہوگی۔ پس تجھے لازم ہے کہ تو اس کی طرف بڑھنے میں جلدی کرے۔“

حضرت طلحہ کہتے ہیں کہ اس راہب کی یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ چنانچہ جب میں مکے والوں آیا تو میں نے اس کا ذکر ابو بکر سے کیا۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ فوراً آنحضرت ﷺ کے پاس تشریف لے گئے اور آپ کو میرے متعلق خبر دی جس سے آپ بہت خوش ہوئے اس کے بعد حضرت طلحہ مسلمان ہو گئے۔

اس کے بعد نوفل ابن عدویہ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت طلحہؓ کو بکرا لیا اور دونوں کو ایک رستی میں باندھ رکھا۔ اسی وجہ سے ان دونوں حضرات کا لقب ”قرنین“ یعنی باہم لے ہوئے پڑ گیا تھا۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: یہاں احتمال ہے کہ یہ راہب بحیراء اور سطور راہبوں میں سے کوئی ہو کیونکہ پیچھے بیان ہوا ہے کہ یہ دونوں بصری ہی میں رہتے تھے۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا راہب ہو۔ یہی بات زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کیونکہ پیچھے یہ بھی گزرا ہے کہ بحیراء اور سطور راہبوں میں سے کسی کو بھی آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ نہیں ملا۔ واللہ اعلم۔

سعید ابن عاص کا واقعہ..... ایسا ہی ایک واقعہ سعید ابن عاص ابن سعید بیان کرتے ہیں کہ غزوہ بدر میں جب میرا باپ عاص قتل ہوا تو میں اپنے چچا ابان ابن سعید کی پرورش میں آ گیا تھا۔ یہ ابان رسول اللہ ﷺ کو بہت زیادہ برا بھلا کہتے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ ابان تجارت کے سلسلے میں ملک شام گئے۔ وہاں وہ ایک سال تک رہے اور اس کے بعد واپس آئے۔ واپس آنے کے بعد انہوں نے سب سے پہلے جو بات پوچھی وہ یہ تھی کہ محمد (ﷺ) نے کیا کچھ کر لیا ہے۔ میرے دوسرے چچا عبد اللہ ابن سعید نے کہا۔

”خدا کی قسم وہ پہلے سے کہیں زیادہ معزز اور بلند ہو چکے ہیں۔“

یہ سن کر ابان امین سعید خاموش رہ گئے اور پہلے کی طرح آپ کے نام پر برا بھلا نہیں کہا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا تیار کر لیا اور بنی امیہ کے سرداروں کو بلوایا۔ پھر انہوں نے ان سے کہا۔

”میں (ملک شام کے) ایک گاؤں میں تھا جہاں میں نے ایک راہب دیکھا جس کا نام بکاء تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ کوہ چالیس سال سے اپنی عبادت گاہ سے باہر نہیں نکلا۔ مگر اچانک اس روز وہ اپنی عبادت گاہ سے باہر نکلا۔ لوگ دوڑ دوڑ کر اس کو دیکھنے کے لئے وہاں پہنچے گئے۔ پھر میں بھی اس کے پاس گیا اور میں نے اس سے کہا کہ میری ایک ضرورت ہے۔ اس نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ میں نے کہا۔

”میں قبیلہ قریش کا ہوں اور یہ کہ وہاں اچانک ایک شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کو اللہ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔“

اس راہب نے پوچھا اس کا نام کیا ہے؟ میں نے کہا ”محمد“!

اس نے کہا ”وہ کب سے ظاہر ہوا ہے۔“ میں نے کہا ”میں حال ہو گئے ہیں۔“

راہب نے کہا ”کیا میں تمہیں اس کا حلیہ بتاؤں؟“

اس کے بعد اس نے آپ کا حلیہ بتانا شروع کیا جس میں اس نے کہیں بھی کوئی غلط بات نہیں کہی۔

اس کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔

”خدا کی قسم اودھ بیشک اس امت کا نبی ہے۔ خدا کی قسم وہ ضرور غالب آئے گا۔“

پھر اس نے مجھ سے کہا کہ ان سے غیر اسلام کہنا اور ان کے بعد وہ پھر اپنی عبادت گاہ میں داخل ہو گیا۔ یہ واقعہ معاہدہ حدیبیہ کے زمانے کا ہے (ی) اور معاہدہ حدیبیہ کے متعلق آگے تفصیل آئے گی جس میں ہے کہ یہ معاہدہ ۶ھ میں ہوا تھا (جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے ظہور سے انیس سال بعد کا ہے۔ جبکہ یہاں روایت میں ہے کہ اس وقت آپ کے ظہور کو تیس سال ہو چکے تھے لہذا اس کا مطلب ہے کہ یہ تیس سال کی مدت اندازہ اور تخمینے کی ہے۔

حکیم ابن حزام کا ایک حیرت ناک واقعہ..... اسی طرح ایک واقعہ وہ ہے جو حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ ہم تجارتی سلسلے میں ملک شام گئے یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ میں مسلمان نہیں ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ ابھی مکہ ہی میں تھے غرض شام میں ایک روز ہمیں رووی بلو شاہ نے بلایا۔ جب ہم اس کے پاس پہنچے تو اس نے ہم سے پوچھا۔

”تم لوگ عرب کے کس قبیلے سے ہو اور جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟“

حضرت حکیم کہتے ہیں۔ میں نے کہا۔

”میری پانچویں پشت پر جا کر ان کا لور میرا نسب مل جاتا ہے۔“

بلو شاہ نے کہا۔ ”میں جو کچھ تم سے پوچھوں کیا تم اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دو گے؟“

ہم نے کہا ”ہاں۔“ تب اس نے پوچھا۔

”کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے اس کی پیروی کر لی ہے یا ان میں سے ہو جنہوں نے اس کو

جھٹلایا ہے؟“

ہم نے کہا۔ ”ہم ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اس کو جھٹلایا ہے اور اسکے دشمن بن گئے ہیں۔“
اس کے بعد اس نے ہم سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھ کر کچھ کی جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہم
نے اس کو سب تفصیلات بتلائیں۔

قصیر شاہی کے اندر انبیاء کی تصویریں..... اس کے بعد وہ کھڑا ہو گیا اور ساتھ ہی اس نے ہم سے بھی
ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ وہ ہمیں لے کر اپنے محل میں ایک عمارت کے پاس لیا اور خادم کو حکم دیا کہ اس عمارت کو
کھولے اندر کھینچ کر وہ ایک ایسی چیز کے سامنے آکھڑا ہوا جو کپڑے سے ڈھکی ہوئی تھی۔ پھر اس نے اس کپڑے
کو ہٹائے جانے کا حکم دیا۔ کپڑا ہٹتے ہی ہم نے دیکھا کہ وہ انسانی شکل کی ایک تصویر ہے۔ اس نے ہم سے پوچھا۔
”کیا تم جانتے ہو یہ تصویر کس شخص کی ہے؟“

ہم نے کہا نہیں۔ اس نے بتلایا کہ یہ آدم علیہ السلام کی تصویر ہے۔ اس کے بعد وہ ایک دروازے سے
دوسرے دروازے میں ہمیں لے ہوئے بڑھتا اور اسی طرح تصویریں پر سے کپڑا ہٹوا کر ہمیں مختلف نبیوں کی
تصویریں دکھاتا رہا۔ اب ہر تصویر پر وہ ہم سے پوچھتا۔

”کیا یہ تصویر تمہارے قبیلے کے آدمی (یعنی آنحضرت ﷺ) کی شکل کی ہے؟“

”آنحضرت ﷺ کی تصویر“

مگر ہم ہر تصویر پر انکار کر دیتے اور پھر وہ بتلاتا کہ یہ فلاں کی تصویر ہے۔ آخر وہ ایک دروازہ کھول کر
کمرے میں داخل ہوا اور اس نے ایک تصویر پر سے کپڑا ہٹا کر ہم سے پوچھا۔
”کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟“

ہم نے فوراً کہا۔

”ہاں ایہ ہمارے ساتھی محمد ابن عبداللہ کی صورت ہے۔“.....!

اس نے کہا۔ ”جانتے ہو یہ تصویریں کتنا عرصہ پہلے بنائی گئی ہیں۔“

ہم نے کہا۔ ”نہیں!“ تب اس نے بتلایا۔

اب سے ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے۔ تمہارا ساتھی یقیناً خدا کا بھیجا ہوا نبی ہے۔ تم
لوگ اس کی اطاعت اور پیروی کرو۔ میری آمد ہے کہ میں ان کا قلام عن چاؤں اور ان کے ہر دل کا صوفیان
پاک کروں!!

حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی تصویریں..... اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ
بھی پیش آیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس صورت (یعنی رسول اللہ کی صورت) کے فوراً بعد حضرت ابو بکرؓ کی
تصویر دیکھی جو اس کے پیچھے تھی۔ پھر اس کے پیچھے دیکھا تو اس سے ملی ہوئی صورت حضرت عمر فاروقؓ کی تھی۔
اس نے (یعنی شاہ روم نے) ہم سے پوچھا۔

”اس سے ملی ہوئی جو دوسری تصویر ہے وہ کس کی ہے؟“

ہم نے کہا۔ ”وہ امین ابو قحافہ یعنی ابو قحافہ کے لڑکے (ابو بکر) ہیں۔“

پھر اس نے کہا کہ کیا اس کو بھی پچھانے ہو جو ابو بکر کی تصویر کے فوراً بعد ہے۔ میں نے کہا۔
 ”ہاں وہ عمر ابن خطاب ہیں!“

یہ سن کر شیشہ ٹوٹ رہا تھا۔
 ”میں گویا دیکھ رہا ہوں کہ یہ (یعنی آنحضرت ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ وہ (یعنی حضرت ابو بکرؓ) ان کے بعد ان کے خلیفہ ہوں گے اور وہ (یعنی حضرت عمرؓ) ان کے خلیفہ ہوں گے۔“

حضرت سلمان فارسیؓ کا واقعہ

آنحضرت ﷺ کے ظہور اور نبوت کے متعلق عیسائی راہبوں نے جو خبریں دیں جو ان کی قدیم کتابوں میں درج تھیں ان ہی میں سے ایک واقعہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ:-
 میں ملک فارس میں ایک صوبہ اسمہان کے ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں اس گاؤں کا نام جتی ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ۔ صوبہ اہواز کے گاؤں کا رہنے والا ہوں جس کا نام رائٹر مذہب ہے۔ اسی طرح ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ میں رائٹر خز میں پیدا ہوا اور وہیں پلا بڑھا۔ جہاں تک میرے والد کا تعلق ہے وہ اسمہان کے علاقے کے رہنے والے تھے اور اپنے گاؤں کے سردار تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ۔ میں فارس کے ایک ممتاز گھرانے کا فرد ہوں۔ میرے والد کو دنیا میں سب سے زیادہ مجھ سے محبت تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے مجھے اس طرح گھر میں رہنے پر پابند کر رکھا تھا جیسے کسی کنواری لڑکی کو کیا جاتا ہے۔

میں نے مجوسی (یعنی آتش پرستی کے) مذہب کا بہت کافی علم حاصل کر لیا تھا یہاں تک کہ میں آگ کا خادم بن گیا جو ہر وقت آئینہ کی آگ کو جلائے رکھتا ہے اور کسی وقت بھی اس کو بجھنے نہیں دیتا۔ (مجوسی مذہب کے لوگ آگ کو پوجتے ہیں۔ ان کی عبادت گاہ کو آئینہ کہتے ہیں جہاں ہر وقت آگ جلتی رہتی ہے۔ بہت سی آئینہ یوں ہیں سینکڑوں اور ہزاروں سال کی آگ برابر جل رہی ہوتی ہے۔ ہر آئینہ پر کئی کئی خادم ہوتے ہیں جو اس آگ کو کسی وقت بجھنے نہیں دیتے اور ہر وقت دہکاتے رہتے ہیں۔ آگ کے اس خادم کو عربی میں ”عاطن ہر“ کہتے ہیں جس کا مجوسی بہت احترام کرتے ہیں۔)

(اس کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ) میرے والد کے پاس بہت بڑی جائیداد اور زمین تھی۔ ایک روز وہ کسی فقیر کے کام میں مشغول تھے (جس کی وجہ سے اپنی زمینوں پر نہ جاسکے) اس لئے انہوں نے مجھ سے کہا۔

بچے! آج میں ایک فقیر کے کام میں مشغول ہو رہا ہوں اس لئے کھیتوں پر تم چلے جاؤ۔

پھر انہوں نے مجھے اس کے متعلق کچھ ہدایتیں دینے کے بعد کہا۔

مگر زیادہ دیر میری لگاؤں سے تو بھل نہ رہا کیونکہ اگر میں دیر تک تمہیں نہ دیکھ پلا تو بے یقرباری میرے سے اپنے کھیتوں کو دیکھ بھل سے بھی زیادہ ہوگی اور میں ہر کام چھوڑ کر اسی فکر میں پڑ جاؤں گا۔

سلمان فارسیؓ کا عیسائیت سے لگاؤ

غرض میں گھر سے کھیتوں پر جانے کے لئے روانہ ہوا راستے میں عیسائیوں کے ایک گرجا کے پاس سے

گزر۔ وہ لوگ اس وقت اندر نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے ان کی دعا میں پڑھنے کی کوڑیں سنائی دیں۔ چونکہ میرے والد نے ہمیشہ مجھے گھر کی چار دیواری میں بند رکھا تھا اس لئے مجھے دنیا کے متعلق کسی بھی بات کا پتہ نہیں تھا۔ اب مجھے یہ کوڑیں سنائی دیں (تو میرے دل میں اس کو جاننے کی کرید پیدا ہوئی) میں گرجا کے اندر داخل ہوا تاکہ دیکھوں وہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ وہ جگہ میں نے ان کو (اپنی عبادت میں مشغول دیکھا تو) مجھے ان کی نماز کا یہ طریقہ بہت پسند آیا اور ان کے مذہب سے دل چسپا پیدا ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا ”خدا کی قسم یہ دین اس سے کہیں بہتر ہے جس پر ہم چلتے ہیں۔“

مجھے یہیں کھڑے کھڑے اتنی دلچسپی ہو گئی کہ وہ دن بھر یہاں بیٹھ گیا۔ میں نے کہتوں پر جانے کا خیال چھوڑ دیا۔ اس کے بعد میں نے ان عیسائیوں سے کہا۔

”اُس دین کے جاننے والے اور عالم کہاں مل سکتے ہیں؟“

انہوں نے بتایا کہ ملک شام میں (جہاں یہودیوں کی عیسائی حکومت تھی اور شہنشاہ قیصر روم حکومت کرتا تھا) عرض اس کے بعد میں واپس اپنے گھر آ گیا۔ (مگر مجھے واپسی میں دیکر ہو گئی تھی اس لئے) میرے والد اپنا سب کام چھوڑے ہوئے پریشان تھے اور میری تلاش میں کوئی دوڑا رہے تھے۔ جیسے ہی میں گھر پہنچا انہوں نے مجھ سے کہا۔

”بیٹے! تم کہاں تھے؟ کیا میں نے تم سے جلد واپس آنے کا وعدہ نہیں لیا تھا؟“

میں نے کہا۔

”بابا! راستے میں ہر ایک جگہ سے گزر ہوا تھا جہاں کچھ لوگ ایک عبادت گاہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔“ مجھے ان کے دین کا یہ طریقہ اتنا پسند آیا کہ میں ان ہی کے پاس بیٹھ رہا۔ میں تک کہ دن بھر یہاں بیٹھ رہا۔

انہوں نے (میں سے) مذہب سے میری دلچسپی دیکھی تو پریشان ہو کر (کہا۔)

”بیٹے! ان کے دین میں کوئی بہتری اور اچھائی نہیں ہے بلکہ تمہارا تہمد اور تمہارے باپ دلاؤ لکھادین اس سے کہیں بہتر ہے۔“

میں نے کہا۔ ”ہرگز نہیں۔ وہ دین ہمارے دین سے بہت بہتر ہے۔“

سلمان فارسی باپ کی قید میں..... میرے باپ کو میری طرف سے لب یہ خوف ہوا کہ کہیں میں بھاگ نہ جاؤں اس لئے انہوں نے میرے قدم میں زنجیر ڈال کر مجھے گھر میں بند کر دیا۔ آخر میں نے ان ہی قہرائیوں کے پاس ایک کوئی بھیجا اور کہلایا کہ آپ کے پاس ملک شام سے جب بھی کوئی قافلہ آئے تو مجھے ضرور خبر کرنا۔

ربانی اور ملک شام کو فرلا..... کچھ ہی عرصے کے بعد ان کے یہاں شاہی تاجروں کا ایک قافلہ آیا اور انہوں نے میرے پاس اس کی خبر بھیجی۔ میں نے جواب میں کہلایا کہ جب وہ قافلہ اپنے کاموں سے فارغ ہو جائے اور واپسی کے لئے تیار ہو تو اس وقت پھر مجھے خبر کر لو۔ (جب وہ قافلہ واپس ہونے لگا تو) انہوں نے میرے پاس خبر بھیجی۔ میں نے (کسی نہ کسی طرح) اپنے چروں سے جڑیاں نکالیں اور ان سے جلا۔ پھر میں ان کے ساتھ ملک شام کو روانہ ہو گیا۔ وہیں پہنچ کر میں نے لوگوں سے پوچھا۔

”اُس مذہب کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟“

لوگوں نے کہا۔

”گر جائیں رہنے والا استقباعظم (یعنی پوپاوری)۔“

استقبایسائی مذہب کے عالم پوپاوری قوم کے مذہبی پیشوا کو کہتے ہیں غرض میں اس کے پاس پوپاوری بولا مجھے اس مذہب سے دلچسپی ہو گئی ہے اس لئے میری خواہش ہے کہ میں آپ کے پاس رہوں تاکہ اس عبادت گاہ میں رہ کر آپ کی خدمت کرتا رہوں پوپاوری سے اس مذہب کی تعلیم بھی حاصل کر رہا ہوں اور آپ کے ساتھ عبادت بھی کر رہا ہوں۔

پاپوری کی حرص و ہوس اور عوام کا غصہ..... اس نے مجھے اجازت دیدی اور میں کر جائیں اس کے ساتھ رہنے لگا (اس کے پاس رہ کر مجھے اندازہ ہوا کہ کوہایک برہم اور لاپٹی کوئی تھا۔ لوگوں کو عہد قاعدہ غیر دینے کا حکم دیتا اور خیرات کرنے کی طرف توجہ دلاتا مگر جب لوگ عہد قاعدہ اور خیرات کا مال تقسیم کرنے کے لئے لا کر اس کو دیتے تو وہ اس مال کو غریبوں کو دینے کے بجائے خود اپنے خزانے میں بھر لیتا تھا۔ جہاں تک کہ اس کے پاس سونے چاندی سے بھرے ہوئے ساتھ رکھے جاتے تھے اس کی یہ حرکتیں اور لاپٹی و لکھ کر اس سے بے انتہا نفرت ہو گئی۔

آخر کار ایک روز پاپوری مر گیا۔ عیسائی اس کو دفن کرنے کے لئے وہاں جمع ہوئے تو میں نے ان سے کہا۔ ”یہ شخص نہایت برا کوئی تھا۔ آپ لوگوں کو عہد قاعدہ دینے کی ہدایت کرنا اور خیرات نکالنے کی طرف توجہ دلاتا اور جب آپ لوگ اپنا مال لا کر تقسیم کرنے کے لئے اس کو دیتے تو وہ اس مال میں سے غریبوں کو ایک پیسہ بھی نہیں دیتا تھا بلکہ سارا مال خود ہضم کر لیتا تھا“! لوگوں نے جب مجھ سے پوچھا کہ تمہیں اس بات کا کیسے پتہ چلا تو میں نے کہا۔

”چلنے میں آپ کو اس کا غرض ہی دکھائے دیتا ہوں۔“

اس کے بعد میں نے لوگوں کو لے جا کر اس کا غرض دکھایا اور انہوں نے وہاں سے سونے چاندی سے بھرے ہوئے ساتھ رکھے آمد کے ایک روایت یہ ہے کہ وہاں سے تین بڑے ٹکڑے جن میں تقریباً پچاس سیر چاندی بھری ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر (لوگوں میں اس کے خلاف سخت نفرت اور غصہ پیدا ہو گیا اور انہوں نے کہا۔

”خدا کی قسم انہم اس کی لاش کو لب ہر مگرو فن نہیں کریں گے!“

چنانچہ انہوں نے اس پاپوری کی لاش کو ایک جگہ خولی پڑھایا اور لوگ اس کو بھر دیتے ہوئے گزرتے۔

(ی) لوگوں نے اس پر نماز بھی نہیں پڑھی حالانکہ یہ مذہب براہ مینے روزے رکھا کرتا تھا اور شہوت پسندی اور نفسانی عیوں سے بھی بچتا تھا۔

علماء کے لئے زہد و قناعت ہر مذہب میں ضروری ہے۔

(ایک مذہبی پیشوا اور عالم اگر مال و دولت کے لالچ میں پڑ جاتا ہے تو لوگوں کو اس سے اتنی ہی نفرت بھی ہو جاتی ہے جتنی پہلے عقیدت تھی) چنانچہ کتاب فتوحات مکہ میں ہے کہ ہر مذہب کے لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ (ایک بزرگ آدمی کے لئے خاص طور پر کوئی عمارت سے پرہیز اور پوجا ضروری ہے چنانچہ سب ہی مذہبوں کے علماء کہتے ہیں کہ ہر عقلمند آدمی اپنے آپ کو دنیا یعنی مال و دولت سے خالی رکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ اس

کے فتنے سے محفوظ رہے جس سے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی ڈال دیا ہے وہ آیت پاک یہ ہے:-

انما امرکم ولولا لکم لحدیب ۲۸ سورہ نفاہین ع ۲

ترجمہ: تمہارے امراں اور لوگو! بس تمہارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہیں۔

راہبوں کا زہر..... اس بارے میں علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے کہ راہبوں (کی قاعدت اور پرہیز گاری) کا یہ حال ہوتا ہے کہ ان کے پاس اگلے دن کی ردی کا بھی انتظام نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ سونا چاندی جمع کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ شعرانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے ایک راہب سے کہا۔

”ذرا اس دیکھ کر کوئی کچھ کر دیتا ہے کہ یہ کس بادشاہ کے زندہ کا ہے؟“

مگر راہب اس دیکھ کر دیکھنے پر تیار نہیں ہوا اور کہنے لگا۔

”ہم لوگوں کے نزدیک دنیا کو نظر بھر کر دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔“

علامہ شعرانی ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے کچھ راہبوں کو دیکھا جو ایک شخص کو کھینچے لارہے تھے وہ اس کو گر جا سے باہر نکال رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔

”تو نے ہم راہبوں کو براہ کر دیا“.....!

میں نے ان لوگوں سے اس رنگے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے اس شخص کے ہاتھ پر (جو خود بھی راہب تھا اور ہم بندھا ہوا دیکھا ہے میں نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ ہم باندھنا کوئی بری بات ہے تو انہوں نے کہا۔

”ہاں۔ ہمارے نزدیک بھی ہر تہمت کے نزدیک بھی۔“ یہاں تک علامہ شعرانی کا کلام ہے۔

(غرض حضرت سلمان فارسی بیان کرتے ہیں کہ اس راہب کے مرنے کے بعد لوگوں نے ایک دوسرے راہب کو اس گرجا میں (استقفا اعظم بنا کر) بٹھایا۔ یہ راہب اتنا نیک تھا کہ باوجود قوت نماز نہ پڑھنے والوں میں میں نے اس سے بہتر اور افضل آدمی نہیں دیکھا۔ یعنی مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں میں اس سے زیادہ افضل دنیا کے معاملات میں اس سے زیادہ پارسا آخرت کے معاملے میں اس سے زیادہ عبادت گزار اور دن اور رات میں اس سے زیادہ شریف و پاکیزہ آدمی میں نے اور کسی کو نہیں پایا۔ اسی لئے مجھے اس سے اتنی زیادہ محبت ہو گئی کہ اس سے پہلے کبھی کسی سے نہیں ہوئی تھی۔ میں ایک عرصہ تک اس کے ساتھ رہتا رہا یہاں تک کہ اس کا آخری وقت آچکا جب اس کی موت کا یقین ہو گیا) تو میں نے اس سے کہا۔

”میں مدت سے آپ کے ساتھ ہوں اور آپ سے مجھے اتنی محبت ہو گئی کہ اس سے پہلے کبھی کسی سے نہیں ہوئی تھی۔ مگر اب آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم آچکا ہے۔ اس لئے اب مجھے مشورہ دیجئے کہ (آپ کے بعد) میں کس کے پاس جا کر رہوں؟“

اس نے کہا۔

میرے بیٹے اخذ اکی قسم میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا جو اسی راستے پر چلتا ہو جس پر میں ہوں۔ لوگ براہوی کی طرف جا رہے ہیں۔ انہوں نے زیادہ تر وہ راستے چھوڑ دیئے جن پر وہ بھی چلا کرتے تھے بعد ازاں میں تبدیلیاں کر دی ہیں۔ صرف موصل شہر میں ایک شخص باقی ہے اور وہ فلاں شخص ہے جو اسی راستے پر قائم ہے جس پر میں ہوں۔“

موصول کی خانقاہ میں..... چنانچہ اس کے بعد جب وہ راہب مر گیا اور دفن کر دیا گیا تو میں موصول میں اس دوسرے راہب کے پاس پہنچا (جس کے متعلق مرنے والے نے مجھے بتلایا تھا) میں نے اس کو اپنی کمائی سنائی اور بتلایا کہ مرنے والے راہب نے مجھے آپ کے پاس آنے کی ہدایت کی تھی۔ اس نے مجھے اپنے گھر نے کی اجازت دیدی اور میں وہیں رہنے لگا۔ میں نے اس کو اسی راستے پر پلایا جس پر وہ مرنے والا راہب تھا۔ اور میں نے محسوس کیا کہ میں ایک بہترین آدمی کے ساتھ رہ رہا ہوں۔ آخر ایک دن اس کا بھی وقت آپنا چلا اور جب یقین ہو گیا کہ اب یہ چہرہ گمزی کا صمدان ہے تو میں نے اس سے کہا۔

”اے فلاں فلاں شخص نے مجھے آپ کا پتہ بتلا کر جاہت کی تھی کہ میں آپ کے پاس آکر رہوں۔ اب آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم آپنا ہے اس لئے آپ مجھے وصیت کیجئے کہ میں کس کے پاس جاؤں اور کیا کروں؟“ اس نے کہا۔

”میرے بیٹے اخدا کی قسم میری نظر میں اب کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو اسی راستے پر چل رہا ہو جس پر میں ہوں۔ ہاں صرف ایک شخص ہے جو نصیبین کے مقام پر رہتا ہے وہ فلاں آدمی ہے۔ تم اس کے پاس جا کر رہنا۔“ نصیبین کی خانقاہ میں..... غرض جب یہ راہب مر گیا اور اس کا کفن دفن ہو چکا تو میں نصیبین میں اس تیسرے راہب کے پاس پہنچا۔ میں نے اس کو اپنا قصہ بتلایا اور بتلایا کہ مرنے والے راہب نے مجھے تمہارے پاس آکر رہنے کی وصیت کی تھی۔

میں نے مجھے اپنے پاس گھر لایا اور میں وہیں رہنے لگا۔ اس کو بھی میں نے ان دونوں مرنے والے راہبوں کے راستے پر ہی پلایا اور محسوس کیا کہ میں ایک بہترین آدمی کے پاس رہ رہا ہوں۔ مگر ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اس کو بھی موت کا پیغام آپنا چلا۔ جب اس کا آخری وقت ہو گیا تو میں نے اس سے کہا۔

”اے فلاں فلاں نے مجھے فلاں راہب کے پاس بھیجا تھا اور اس فلاں راہب نے مجھے آپ کے پاس آنے کی ہدایت کی تھی۔ اب آپ مجھے کس کے پاس اور کہاں جانے کی وصیت کرتے ہیں؟“ اس نے کہا۔

”بیٹے اخدا کی قسم میں ایسے کسی شخص کو نہیں جانتا جو ہمارے راستے پر قائم ہو اور میں نہیں اس کے پاس پہنچ جانے کی ہدایت کر دوں۔ ہاں روم کے علاقے میں عموریہ کے مقام پر ایک شخص ہے جو ہمارے ہی راستے پر قائم ہے۔ اگر تم چاہو تو اس کے پاس پہنچ جاؤ۔“

عموریہ کی خانقاہ میں..... اس کے بعد جب وہ راہب مر گیا اور اس کو دفن کر دیا گیا تو میں عموریہ والے راہب کے پاس پہنچا اور اس کو اپنا قصہ بتلایا۔ چنانچہ اس نے بھی مجھے اپنے پاس گھر نے کی اجازت دیدی۔ میں نے یہاں بھی محسوس کیا کہ میں ایک بہترین آدمی کے ساتھ رہ رہا ہوں جو پہلے تو میں راہبوں کے راستے اور طریقے پر ہی چلتا ہے۔ یہاں رہ کر میں (اپنی محنت سے) کماتا بھی رہا یہاں تک کہ میں نے کچھ کانیں اور بکریاں خرید لیں۔

آخر اس راہب کے پاس بھی موت کا بلاوا آگیا۔ جب اس کا وقت آخر ہونے لگا تو میں نے اس سے کہا۔

”اے فلاں فلاں شخص نے مجھے فلاں راہب کے پاس تھا۔ اس نے مجھے فلاں راہب کے پاس جا کر رہنے کی وصیت کی تھی۔ پھر اس نے اپنے بعد فلاں کے پاس جا کر رہنے کی ہدایت کی تھی اور اس کے بعد میں شخص نے مجھے آپ کا پتہ بتلایا تھا۔ اب آپ مجھے بتائیے کہ میں کس کے پاس اور کہاں جا کر رہوں؟“

اس نے کہا

میرے بچے اہل اہل کی قسم لب میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص ہمارے اس راستے اور دین پر مبنی ہے جس کے پاس میں تمہیں بھیج سکوں۔ البتہ ابد وہ زندہ بالکل قریب آچکا ہے جب کہ ایک نئی ظاہر ہونے والا ہے جو ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے کہ آئے گا وہ نئی عرب کی سر زمین سے اٹھے گا اور اس کی ہجرت گاؤں گھاٹیوں کے درمیان (خلستان) یعنی مدینہ منورہ کے شاداب علاقے میں ہوگی۔ اس کی کچھ نشانیں ہوں گی۔ وہ نئی ہدیہ کی چیزیں تو کھائے گا لیکن صدقے کا مال نہیں کھائے گا اور اس کے دونوں موڑ حوں کے درمیان میں مہربوت ہوگی۔ اس لئے اگر تم اس علاقے میں جا سکو تو ضرور چلے جانا۔

اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا اور اس کو دفن کیا گیا۔

اقول۔ مولف کہتے ہیں: اس روایت کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں نصرانی مذہب پر صحیح طریقے سے جو لوگ قائم تھے وہ بڑی چار راہیں تھیں مگر علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد نہیں (۳۰) تھی۔ اور کتاب ہند میں ہے کہ ایسے لوگوں کی تعداد دس سے کچھ زائد تھی۔ لیکن یہ بات زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے جو اللہ اعلم۔

مدینے کو روانگی اور غلامی..... اس کے بعد حضرت سلمان فارسی بیان کرتے ہیں کہ بھاری کلب قیلے کے تاجروں کے ایک کارواں کا میرے پاس سے گزر ہوا جو عرب کو جا رہا تھا میں نے ان سے کہا۔

”مجھے آپ لوگ اگر اپنے ساتھ ہر زمین عرب تک پہنچائیں تو میں آپ لوگوں کو اس کے بدلے میں اپنی بیہ گائیں اور بکریاں دے دوں گا۔“

وہ لوگ تیار ہو گئے اور میں نے ان کو اپنی گائیں اور بکریاں دیدیں۔ وہ لوگ مجھے لے کر ساتھ لے چلے مگر جب وہ مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام دیوڑی قری پر پہنچ گئے تو اہلک اللہ کی قینیں خراب ہو گئیں اور انہوں نے مجھے زبردستی ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اب میں اس یہودی کے پاس رہنے لگا جہاں میں نے ایک خلستان دیکھا (جبکہ اس چوتھے راہب نے اس نئی کی ہجرت گاؤں کے متعلق یہی نشان بتائی تھی کہ وہاں خلستان ہوگا) کلب میں اس کی تمنا کرنے لگا کہ کاش وہ شریکی ہو جس کے متعلق اس راہب نے مجھے بتایا تھا اور مجھے لب تک اس کا پیہ نہیں چل سکا تھا۔

اسی دوران میں جبکہ میں اس یہودی کے پاس غلام کی حیثیت میں تھا ایک روز اس کا چچا زو بھائی اس کے پاس آیا۔ یہ قبیلہ بنی قریظہ میں سے تھا اور مدینے میں رہتا تھا اس نے آکر مجھے اپنے بیڑیاں بتائی یہ خرید لیا اور اپنے ساتھ مجھے مدینے لے گیا۔ خدا کی قسم جیسے ہی میں مدینے پہنچا اور میں نے اس شہر کو دیکھا میں اس کو اس یہودی کی بتائی ہوئی علامتوں کی وجہ سے پہچان گیا۔ غرض لب میں یہاں اس یہودی کے ساتھ رہتا رہا۔

اسی دوران میں آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ظہور ہو چکا تھا آپ برسوں تک کے میں تبلیغ فرماتے رہے لیکن مجھے اس دوران میں آپ کے متعلق کوئی خبر نہیں ملتی تھی کیونکہ میں غلام کی حیثیت سے ہر وقت اپنے کاموں میں لگا رہتا تھا۔ آخر آنحضرت ﷺ نے مکہ سے ہجرت فرمائی۔

ایک روز میں اپنے آقا کے بارغ میں ایک کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا کچھ کام کر رہا تھا اور میرا ہاتھ اس درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اسی وقت اس کا ایک چچا زو بھائی وہاں آیا اور کہنے لگا۔

”مے فلاں اللہ تعالیٰ بنی قبیلہ یعنی قبیلہ لوس اور قبیلہ خزرج کو رہا کر دے۔“

مدینے کے ان دونوں مشہور قبیلوں لوس اور خزرج کو بنی قبیلہ اس لئے کہا جاتا تھا کہ لوہر کی پشتوں میں جا کر (لوس اور خزرج دو بھائی تھے اور ان) کی ماں کا نام قبیلہ تھا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ :-
اللہ تعالیٰ نے مجھے زبان اور طاقت کے لحاظ سے عرب کے دو سب سے زبردست قبیلوں کے ذریعہ مدد دی جو قبیلہ کے بیٹے لوس اور خزرج ہیں۔“

(غرض حضرت سلمان فارسی بیان کرتے ہیں کہ اس یہودی نے اگر قبیلہ لوس اور خزرج کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا کہ)۔

”خدا کی قسم اس وقت وہ لوگ قبیلہ کے مقام پر ایک شخص کے پاس جمع ہیں جو آج ہی کچے سے کیا ہے اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ نبی ہیں۔“

یہ سنتے ہی میرے بدن میں کچکی طاری ہو گئی اور مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ میں درخت پر سے اپنے آقا کے اوپر گر جاؤں گا۔ میں فوراً اچھے اتر آیا اور اپنے آقا کے اس چچا کو بھائی سے کہنے لگا۔

”تم کیا کہہ رہے ہو؟“
میرا آقا میرے بولنے پر ایک دم غضب ناک ہو گیا اور اس نے بڑے زور سے میرے ایک ہاتھ پر مار کر کہا۔

”تجھے اس سے کیا ہے۔ جا کر اپنا کام کر!“
میں نے کہا۔

”میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ میں صرف اس کی بات کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔“
آنحضرت ﷺ سے ملاقات..... (اس کے بعد حضرت سلمان فارسی کہتے ہیں کہ) میرے پاس کچھ چیز یعنی صدقے کا مال تھا جو میں نے انکار کر دیا تھا (۱)۔ ممکن ہے یہ چیز مجھ کو رس یا چھوہا رہے ہوں۔ شام ہوئی تو میں یہ چیزیں لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ اس وقت تک آپ (مدینے تشریف نہیں لائے تھے بلکہ) قبا کے مقام پر ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں آپ کے سامنے پہنچا اور میں نے عرض کیا۔

”مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک نیک آدمی ہیں اور آپ کے ساتھ آپ کے بے وطن ساتھی بھی ہیں جو ضرورت مند لوگ ہیں۔ میرے پاس یہ چیز صدقہ کے لئے رکھی ہوئی تھی اس لئے میں نے آپ لوگوں کو عیساں کاسب سے نیاہہ پیش کیا۔“

آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ اسے کھاؤ۔ لیکن خود آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ روک لیا اور اس میں سے کچھ نہیں کھایا۔ (کیونکہ وہ صدقہ کا مال تھا) میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ پہلی نشانی ہے (جو راہب نے آپ کی نشانیوں میں بتائی تھی کہ وہ خیر صدقے کا مال نہیں کھائے گا البتہ ہدیہ کی چیز کھالے گا)۔
آنحضرت ﷺ کا صدقہ کے مال سے پرہیز..... آنحضرت ﷺ خود بھی صدقے کا مال نہیں کھاتے تھے اور آپ نے اپنی اولاد کو بھی اس سے روکا ہے (چنانچہ ایک دفعہ جبکہ حضرت امام حسنؓ چھوٹے تھے انہوں نے

لاس لفظ کھدیا خیرہ کے قبا بھی پڑھا جاتا ہے اور قبلا بھی پڑھا جاتا ہے۔

صدقہ کی مجبوریوں میں سے ایک مجبور اٹھا کر منہ میں رکھ لی۔ آنحضرت ﷺ نے فوراً منہ کھل کر دیکھا اور فرمایا۔
”تھو کو۔ تھو کو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں صدقے کی چیز نہیں کھاتا!“

اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔
”میں گھر میں جاتا ہوں اور وہاں مجھے اپنے بستر پر کوئی مجبور پڑی ہوئی ملتی ہے تو اس کو کھانے کے لئے اٹھا لیتا ہوں مگر پھر خیال آتا ہے کہ ممکن ہے صدقے کی ہو اس لئے اس کو واپس میں ڈال دیتا ہوں۔
ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کو ایک مجبور ملی تو آپ نے فرمایا۔
”اگر یہ صدقے کی نہ ہوتی تو میں کھا لیتا۔“

نیز آپ کا ارشاد ہے۔
”محمد (ﷺ) کی لولاد کے لئے صدقے کی چیز کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ صدقات لوگوں کا میل ہوتا ہے۔“

ایک روایت میں یہ ہے کہ۔
”یہ صدقات لوگوں کا میل ہوتے ہیں اور یہ محمد ﷺ اور محمد ﷺ کی لولاد کے لئے حلال نہیں ہیں۔“
ہمارے یعنی شافعی مسلک میں زیادہ مضبوط قول یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ پر دونوں صدقے (یعنی صدقہ زکوٰۃ اور نقلی صدقہ) کو دونوں حرام ہیں اور آنحضرت ﷺ کی لولاد پر صدقہ فرض تو حرام ہے لیکن نقلی صدقہ حرام نہیں ہے۔

علامہ ثوری کا قول اس بارے میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی لولاد کے لئے کوئی صدقہ جائز نہیں ہے نہ فرض صدقہ نہ نقلی صدقہ۔ اسی طرح ان کے غلاموں کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔
(اس کے بعد پھر حضرت سلمان فارسی کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا اس کے بعد میں آنحضرت ﷺ کے پاس سے واپس آ گیا اور پھر میں نے کچھ چیزیں جمع کیں۔ یہاں بھی وہ چیزیں مجبور یا چھوہاروں میں سے کوئی ایک تھیں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ قبا کے مقام سے مدینے تشریف لے چکے تھے۔ اب میں پھر آپ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا۔
”میں نے دیکھا تھا کہ آپ صدقے کی چیز نہیں کھاتے۔ اس لئے یہ میں مدینہ میں آپ کو پیش کر رہا ہوں۔“

آنحضرت ﷺ نے اس میں سے خود بھی کھایا اور اپنے صحابہ کو بھی کھانے کا حکم دیا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دوسری نشانی ہے (جو اس راوی نے آپ کے متعلق بتلائی تھی کہ آپ مدینہ میں آئی ہوئی چیز کھائیں گے صدقے کی نہیں کھائیں گے)۔

اسی سلسلے میں مسلم میں ایک حدیث ہے کہ جب بھی کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے پاس کھانے کر آتا تھا تو آپ اس سے اس کھانے کے بارے میں تحقیق فرماتے۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ وہ مدینہ سے ہے تو آپ اس میں سے کھا لیتے اور اگر یہ معلوم ہوتا کہ وہ صدقہ ہے تو نہیں کھاتے تھے۔

حضرت سلمان فارسی بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں ایک بار پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا جبکہ آپ جمع فرقہ کے مقام پر تھے۔ آپ اپنے ایک صحابی کے جنازے کے ساتھ یہاں تشریف لائے تھے۔

قبرستان بقیع..... یہ صحابی حضرت کلثوم امینہ مدیم تھے جن کے پاس قبا کے مقام پر آپ ٹھہرے تھے جبکہ آپ ہجرت کر کے مدینے تشریف لارہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت کلثوم پہلے آدمی ہیں جو بقیع کے قبرستان میں دفن ہوئے (کیونکہ یہ بقیع کا خلدہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں قبرستان بن گیا تھا اور اس میں آپ کے بڑے بھائی کے حشرات ہیں۔ اس کی تفصیلات آگے بھی موقعہ موقعہ سے آئیں گی)۔

ایک قول یہ ہے کہ بقیع کے قبرستان میں سب سے پہلے جو دفن ہوئے وہ اسعد ابن زرارہ ہیں اور ایک قول کے مطابق عثمان ابن مظعون ہیں۔ ان میں مطابقت اس طرح کی جاتی ہے کہ ہاجرین میں سے جو سب سے پہلے اس قبرستان میں دفن ہوئے وہ حضرت عثمان ابن مظعون ہیں جن کا ذی الحجہ ۳ھ میں انتقال ہوا تھا اور انصار یوں میں سب سے پہلے جو یہاں دفن ہوئے وہ کلثوم امینہ مدیم اسعد ابن زرارہ ہیں۔

اس بارے میں کتاب و فیات میں ہے کہ پہلے کلثوم کا انتقال ہوا اور ان کے بعد شوال ۱ھ میں ابو لامہ اسعد ابن زرارہ کا انتقال ہوا جن کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ یہاں تک کہ کتاب و فیات کا حوالہ ہے۔

مگر اس کتاب میں حضرت کلثوم کے انتقال کی تاریخ نہیں بتائی گئی ہے (جبکہ اسعد کے انتقال کی تاریخ ذکر کی گئی ہے۔ البتہ علامہ طبری کی کتاب نور میں ہے کہ حضرت اسعد کی وفات آنحضرت ﷺ کے مدینے تشریف لانے کے تھوڑے ہی دن بعد ہو گئی تھی۔ اور انصار یوں میں سب سے پہلے (یعنی اسلام لانے کے بعد) جن کا انتقال ہوا وہ حضرت براء ابن معرور ہیں جو آنحضرت ﷺ کے مدینے تشریف لانے سے ایک مہینہ پہلے انتقال کر گئے تھے۔ جب ان کا وقت آخر ہوا تو انہوں نے وصیت کی تھی کہ دفن کے وقت ان کا چہرہ کعبے کی طرف کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر اس کے بعد جب آنحضرت ﷺ مدینے تشریف لائے تو آپ نے صحابہ کے ساتھ ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جس میں آپ نے چار تکبیریں کیں مگر ان کی قبر کی جگہ کے متعلق مجھے علم نہیں ہے۔ کچھ سطوروں میں کہا گیا ہے کہ بقیع میں سب سے پہلے جن کو دفن کیا گیا وہ حضرت کلثوم ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت براء بقیع میں دفن نہیں ہوئے البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ (حضرت براء بھی بقیع میں ہی دفن ہوئے ہوں لیکن) آنحضرت ﷺ کے مدینے تشریف لانے کے بعد جو سب سے پہلے اس قبرستان میں دفن کئے گئے وہ حضرت کلثوم ہیں۔ جہاں تک حضرت براء کی قبر پر آنحضرت ﷺ کے نماز پڑھنے کا تعلق ہے تو بظاہر یہ پہلی نماز ہے جو قبر پر پڑھی گئی۔

نبوت کی تصدیق..... (غرض اس کے بعد حضرت سلمان فارسی کا واقعہ بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ پھر میں تیسری بار آنحضرت ﷺ کے پاس گیا جبکہ آپ بقیع میں تھے) اس وقت آپ کے اوپر دو چادریں تھیں اور آپ اپنے صحابہ کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا اور آپ کی نگر کی طرف مگورنے لگا کہ کیا وہ مرنے کی نظر آتی ہے (جس کے متعلق اس عیسائی راجب نے بتلایا تھا) اسی وقت آپ کے موٹے سے چادر نیچے سرک گئی اور میری نظر مرنے کی نظر میں نے اس کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ میں جھپٹ کر آگے جھکا اور اس کو چومنے لگا۔ اس وقت میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ نے مجھے سامنے آنے کا حکم دیا چنانچہ میں آپ کے سامنے آکر بیٹھ گیا اور اب میں نے آپ کو اپنا اتھ جلا شریع کیا۔ حضرت امین عباسی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سلمان فارسی کا واقعہ سننے کے بعد خواہش فرمائی کہ آپ کے صحابہ بھی یہ واقعہ سیکھیں۔

”فارس کا یہ شخص کیا سی لئے آیا ہے کہ ہمیں تکلیف پہنچائے!!“

آنحضرت ﷺ کا ایک حیرت ناک معجزہ..... اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے حضرت سلیمانؑ کی سب کھنگو پوری تفصیل سے آپ کو بتلا دی۔ اب آنحضرت ﷺ نے جو کچھ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے حضرت سلیمانؑ کا واقعہ سنا تھا وہ تمام اس یہودی کو بتا دیا اس یہودی حیران و پریشان ہو کر کہنے لگا۔

”اے محمد (ﷺ) جب آپ قاری جانتے ہیں تو مجھے بلائے کی کیا ضرورت تھی؟“

آپ نے فرمایا۔

”میں اس گھڑی سے پہلے بالکل نہیں جانتا تھا کہ ابھی مجھے جبرئیل نے بتلایا ہے کہ تم کا حال

اس پر وہ یہودی فوراً بول اٹھتا۔

اے محمد (ﷺ) میں اب سے پہلے آپ پر نصرت لگایا کرتا تھا مگر اب مجھ پر یہ بات کھل گئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ پھر اس نے کہا۔

شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

ترجمہ :- یعنی میں گواہ دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ

محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔“

جبریل علیہ السلام کے ذریعہ سلمان فارسیؓ کو عربی زبان کی تعلیم..... اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے فرماد:

”سلمان کو عربی زبان سکھلا دو۔“

حضرت جبرئیل نے فرمایا۔

”ان سے کہیے کہ اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنا منہ کھول دیں۔“

حضرت سلمان نے ایسا ہی کیا اور جبرئیل علیہ السلام نے ان کے منہ میں اپنا حباب دھن ڈال دیا۔ اسی وقت حضرت سلمان نہایت صاف عربی میں گفتگو کرنے لگے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت سلطان قاریؒ کے آنحضرت ﷺ کے پاس بخیر پور یا حاضر ہونے کے موقع پر پیش آیا۔ مگر اس صورت میں ان کے پہلی دور دوسری بار آنے کی بات ماننے میں مشکل ہوگی کہ ان موقعوں پر انہوں نے کس طرح کھانا ہوگا۔ البتہ اس بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ

پہلی اور دوسری بار آنے کے وقت حضرت سلمانؓ نے کوئی لمبی گفتگو نہیں کی تھی بلکہ ایک آدھ جملہ ہی بولا تھا اس لئے ممکن ہے ٹوٹی پھوٹی عربی میں اپنا مقصد بیان کر دیا ہو (کیونکہ کافی دن سے یہاں میں رہ رہے تھے اور عربی کے چند ایک الفاظ سیکھ گئے ہوں گے۔ لیکن جب تیسری مرتبہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنا پورا واقعہ بتایا تو ظاہر ہے عربی میں سلمان کے لئے مشکل تھا واللہ اعلم بالصواب)۔

(قال) اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں کہ حضرت سلمانؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ کیا چیز لے کر آئے تھے۔ گزشتہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کجوریں لے کر آئے تھے۔ (ی) مگر اس میں بھی اشکال ہے کیونکہ حقیقت میں اس کجھلی روایت سے بھی یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ حضرت سلمان کجوریں لے کر گئے تھے بلکہ محض امداد ہے کہ وہ کجوریں لے کر گئے ہوں گے البتہ بعض دوسری روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ گدو لے کر گئے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے آقا سے کہا کہ مجھے ایک سال کی چھٹی دید دیجئے۔ اس نے اجازت دیدی تو میں نے اس دن ایک صاع یا دو صاع کجوروں کی اجرت پر مزدوری کی۔

ایک صاع تقریباً ساڑھے تین میر کا ہوتا ہے اس کے بعد میں یہ کجوریں آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر گیا (اور صدقہ کے طور پر آپ کو پیش کرنی چاہیں مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ صدقہ کا مال نہیں کھاتے تو میں نے اپنے آقا سے ایک دن کی اور اجازت مانگی اور اس دن بھی میں نے ایک صاع یا دو صاع کجوریں کی اجرت پر مزدوری کی اور پھر میں نے یہ کجوریں آپ کو یہاں میں پیش کیں جسے آپ نے قبول فرمایا اور اس میں سے کجوریں کھائیں۔

علامہ سیوطی نے اس طرح لکھا ہے کہ حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں ایک عورت کا غلام تھا اور میں نے اس سے ایک دن اجرت پر کام کرنے کی اجازت مانگی تھی۔

اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ بائیس سے کوئی فرق نہیں ہو تا کیونکہ ممکن ہے کہ سلمانؓ غلامی کی مراد اپنی آقا محمدت سے اپنے آقا کی بھائی ہو کیونکہ عام طور پر آقا کی بیوی کو سیدہ یعنی آقا کہا جاتا ہے۔

(قال) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلی اور دوسری دونوں مرتبہ میں حضرت سلمانؓ تازہ کجوریں ہی لے کر آئے تھے (جھوٹا ہے نہیں تھے) مگر ایک روایت ہے جس میں حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ (اس چھٹی کے دن) میں نے لکڑیاں کاٹیں اور انہیں بیچ کر ان سے کھانا خرید لیا اور کھانے سے مراد گوشت اور روٹی ہوتا ہے۔ ایسے ہی ایک روایت میں ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کو پیش کرنے کے لئے ایک خولان لے گیا جس میں بھاکا گوشت تھا۔ مگر ایک روایت میں ہے کہ اس خولان میں کجوریں تھیں۔

ان سب روایتوں میں اس طرح موافقت پیدا کی جاتی ہے کہ پہلی بار انہوں نے روٹی اور گوشت یعنی بھاکا گوشت اور چھوٹے پیش کے اور دوسری بار کجوریں پیش کیں۔ لہذا دونوں مرتبہ میں پیش کی جانے والی چیزیں مختلف تھیں۔ مگر مسند امام احمد میں ہے کہ حضرت سلمانؓ نے تین مرتبہ آنحضرت ﷺ کو پیش فرمایا اور تینوں مرتبہ میں ایک ہی چیز پیش کی۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں دوسری مرتبہ میں تازہ کجوریں پیش کرنے کی روایت اس کجھلی روایت کے خلاف ہے جس میں تھا کہ دوسری مرتبہ میں چھوٹے پیش کے گئے تھے۔

غرض اس کے بعد حضرت سلمانؓ اپنی غلامی میں الجھے رہے یہاں تک کہ وہ (مسلمان ہو جانے کے بلا جوں) آنحضرت ﷺ کے ساتھ جنگ بدر اور جنگ احد میں بھی شریک نہ ہو سکے۔ حضرت سلمانؓ سب سے پہلے جس غزوہ یعنی آنحضرت ﷺ کی شرکت دلی جنگ میں شریک ہوئے وہ غزوہ خندق ہے (جس کا نام غزوہ خندق بھی حضرت سلمانؓ کی وجہ سے ہی پڑا کیونکہ مسلمانوں نے ان ہی کے مشورے پر سب سے پہلے اس جنگ میں خیر کے چاروں طرف خندقیں کھود کر دشمن کو آگے بڑھنے سے روکا تھا) اس کی تفصیل آگے کو دی ہے۔ اس کے بعد حضرت سلمانؓ کو مسلمان خیر کہا جانے لگا تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کے چھ قریبی اور انتہائی خاص صحابہ میں سے تھے۔

غرض اس کے بعد حضرت سلمانؓ (ایسا واقعہ بیان کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ :-
 سلمان فارسی کا آزادی کے لئے معاہدہ..... پھر مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سلمان! تم اپنی آزادی کے لئے اپنے آقا سے مکاتبت یعنی ایک خاص معاہدہ کرو (مکاتبت آقا اور غلام کے درمیان آزادی کی شرط اور معاہدہ کو کہتے ہیں جس میں غلام اپنے آقا سے یہ معاہدہ کر لیتا ہے کہ میں اتنی مدت میں یا اتنا سال وغیرہ اپنی محنت سے پیدا کر کے دوں گا۔ چنانچہ اگر آقا منظور کرے تو وہ معاہدہ پورا ہونے پر غلام خود بہ خود آزاد ہو جاتا ہے اس کو عربی میں مکاتبت کہتے ہیں اور ایسے غلام کو جس کا اپنے آقا سے یہ معاہدہ ہو گیا ہو مکاتب کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے سلمان فارسیؓ کو ایسا ہی معاہدہ اپنے آقا سے کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ آزاد ہو جائیں۔ سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ) میں نے اپنے آقا سے مجبور کے تئیں سو چھوٹے پودوں کی پود لگنے پر اپنی آزادی کا معاہدہ کر لیا کہ میں ایسے ہی تین سو پودے اس کے لئے لگاؤں اور پھر ان کو وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ ڈھپن گدہ کر اس میں چراؤں اور پھر ان کے پھل دینے تک ان کی دیکھ بھال کروں۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ جب مجبور کا پودا بوائی کی جگہ سے الگ آتا ہے تو اس کو غریبہ کہا جاتا ہے پھر کچھ بڑھنے پر دوبارہ لکھا ہے، پھر قبیلہ اور اس کے بعد اشارہ لکھا ہے پھر اگر اس کو ہاتھ نہ لگے تو وہ بے حد بڑا ہو جاتا ہے مجبور کے لیے درخت کو عثمان کی زبان میں خوانہ کہا جاتا ہے۔ مجبور کے ان پودوں کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ :-

اگر قیامت آجائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں اس وقت مجبور کا چھوٹا پودا ہے (جسے دوسری جگہ جمانا ہے) تو اگر وہ شخص قیامت کے قائم ہونے سے پہلے اس کو جھا سکتا ہے تو ضرور جلاوے۔“
 (اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے زراعت اور زمینوں کو قابل کاشت بنانے کی طرف کتنا پہلے توجہ دی ہے اور اس مقصد کو کتنی اہمیت دی ہے)۔

(غرض سلمان فارسیؓ نے اپنے آقا سے ایک تو تین سو مجبوروں کے پودوں پر معاہدہ کیا اور دوسرے چالیس لوقہ سونا اپنے مالک کو دینا طے کیا جو ان پودوں کے علاوہ تھا۔ جب ان کا اپنے آقا سے یہ معاہدہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمان سے فرمایا۔ ”میں نے بھائی کی مدد کر دو۔“

۱۔ مجبور کی اسی چھوٹی پود کو عربی میں دبیہ کہتے ہیں۔ جو نپودہ کے درخت پر ہے، یہ مجبور کا چھوٹا پودا ہوتا ہے جس کو فساد میں لگا دیا جاتا ہے۔ معاہدہ یہ کہ حضرت سلمانؓ اپنے مجبور کے تین سو پودے لگائیں اور جب وہ زمین سے لگ آئیں تو ان کو وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ ڈھپن گدہ کر پودوں کی پروردگار لگائیں کیونکہ مجبور کے پودوں کے نئے نئے پودے لگ جاتے ہیں وہاں سے ان کو اٹھا کر دوسری جگہ جمانا چاہئے اسی طرح ہر نئے پودے لگتے ہیں اور پھل دیتے ہیں۔ (در تبصیر)

چنانچہ اس فرمان یکے بعد سب نے میری آژلوی کے سلسلے میں میری مدد کی کسی شخص نے مجھے ساتھ پودے دیئے اور کسی نے ٹین دیئے، کسی نے پندرہ پودوں سے مدد کی اور کسی نے اسی ہی دیدیئے جتنے اس کے پاس تھے۔ یہاں تک کہ میرے پاس تین سو پودے ہو گئے (جو آژلوی کی پہلی شرط تھی جبکہ دوسری شرط چالیس لوقہ سونا تھی)۔

(قال) مگر ایک روایت میں یہ ہے کہ سلمان فارسی کی آژلوی کا معاہدہ (تین سو پودوں کے بجائے پانچ سو گجور کے پودے لگانے اور چالیس لوقہ سونا نقد دینے پر ہوا تھا۔

حضرت سلمان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔

”جاؤ سلمان اپوے لگانے کے لئے زمین کو دو دو اور جب گڑھے تیار کرو تو میرے پاس آنا میں اپنے ہاتھ سے پودے رکھوں گا۔“

چنانچہ میں نے گڑھے کو دو دو اور میرے ساتھیوں نے اس معاملے میں میری مدد کی۔ یہاں تک کہ جب گڑھے تیار ہو گئے تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کو اطلاع کی۔ آپ میرے ساتھ اس جگہ تشریف لائے یہاں پہنچ کر ہم آپ کو پودے اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور آپ ان کو اپنے دست مبارک سے رکھتے جاتے تھے جس کی برکت یہ ہوئی کہ ان پودوں میں سے ایک بھی خراب نہیں ہوا بلکہ سب جم گئے۔

سلمان فارسی کی آژلوی کے لئے آنحضرت ﷺ کی امداد..... اس طرح میں مجھ کے پودوں کی لوامنگی سے فارغ ہو گیا اور اب مجھ پر صرف مال کی ادائیگی باقی رہ گئی۔ اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کسی کان کا سونا لائے جو مرغی کے اٹھے کے برابر تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو کیوتر کے اٹھے کے برابر تھا۔ شاید اس کی موٹائی مرغی کے اور کیوتر کے اٹھے کے درمیان درمیان تھی کہ مرغی کے اٹھے سے کچھ چھوٹا اور کیوتر کے اٹھے سے کچھ بڑا تھا۔ اسی وجہ سے اس کی تشبیہ بطلانے میں فرق ہو گیا۔

غرض آنحضرت ﷺ (جب یہ سونے کر تشریف لائے تو آپ) نے میرے متعلق پوچھا۔

”اس فارسی نے اب تک کیا کیا ہے جس نے اپنی آژلوی کا معاہدہ کیا ہوا ہے؟“

لوگوں نے اسی وقت مجھے بلایا۔ جب میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔

”سلمان یہ لوامو تم پر جو رقم واجب ہے اس کا کچھ حصہ اس کے ذریعہ لوا کرو۔ یعنی اس سونے کے ذریعہ اس مال کا کچھ نہ کچھ حصہ لوا ہو جائے گا۔“

(یہاں آنحضرت ﷺ نے خود یہ فرمایا ہے کہ اس سونے میں سے تمہارے لو پر واجب مال سب تو نہیں لیکن اس کا کچھ حصہ ادا ہو جائے گا) مگر اس کے جواب میں حضرت سلمان نے جو کچھ کماؤہ قابل غور ہے کیونکہ انہوں نے کہا۔

”لیکن یا رسول اللہ! مجھ پر ہتنا مال واجب ہے اس کے مقابلے میں یہ سونا کیا کام کرے گا!“

یہ جواب قابل غور اس لئے ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے قرض کا کچھ حصہ ادا فرما رہے ہیں اگرچہ یہ تھوڑا حصہ ہی ہے) لیکن پھر بھی حضرت سلمان کا یہ جواب یہاں نکلتا ہے کہ جبکہ خود آنحضرت ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ اس میں سے تمہارے قرض کا کچھ حصہ لوا ہو جائے گا تو اس کے باوجود حضرت سلمان نے یہ بات کیوں کہی کہ اس کے جواب میں صرف یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ ایسے موقعوں پر وہ رقم جو لہو کے طور پر دی جا رہی ہے اگر

کل رقم کے مقابلے میں کچھ قابل ذکر حیثیت رکھتی ہے تو عام طور پر قبول کر لی جاتی ہے (لیکن اگر وہ حامد لوی رقم کل رقم کے مقابلے میں اتنی تھوڑی ہے کہ اس کو کل رقم سے کوئی نسبت نہیں ہے تو عام طور پر اس قسم کی بات کہی جاتی ہے) چنانچہ اس کے جواب میں آنحضرت نے سلطان قاری سے جو کچھ فرمایا اس میں آپ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ اس امداد سے توکل رقم کا کچھ حصہ بھی یعنی کوئی قابل ذکر حصہ بھی ہوا نہیں ہو پایا۔ یہ مناسب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس تھوڑی امداد کے ذریعہ ہی تمہاری کل رقم کو اکر دے گا کیونکہ یہ ایک نبی کی دی ہوئی امداد ہے اور اس کی برکت ظاہر ہوگی (چنانچہ رسول اللہ نے یہ بات سلطان قاری سے اس طرح فرمائی۔

اس کو لے لو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ تمہاری پوری رقم کو اکر دے گا۔

امدادی سونے کی خیر و برکت..... (سلطان قاری کہتے ہیں کہ میں نے وہ سونا لے لیا اور قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں سلمان کی جان ہے کہ میں نے اس میں سے چالیس لوقہ تول کر ان کو دیا (ی) اور اس کے بعد بھی اسی سونا اس میں باقی رہ گیا جتنا میں نے دیا تھا۔

(قال) یہاں سلطان قاری کے سوال اور جواب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان چالیس لوقہ سے جن پر سلمان قاری نے اپنی آزدگی کا معاملہ کیا تھا سونے کے لوقہ مراوتے چاندی کے نہیں۔

بعض مدواتوں میں سے (ی) جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ جب سلمان قاری نے آنحضرت سے یہ عرض کیا کہ مجھ پر جتنا مال واجب ہے اس کے مقابلے میں یہ سونا کیا کام کرے گا تو آنحضرت نے اس کو اپنی زبان مبارک پر پھر اللہ پھر فرمایا۔
”یہ لودر اس میں سے ان لوگوں کا مال ہوا کر دو۔“

اسی طرح اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مرغی کے اڑے کے برابر سونا ہو گا تو یہ چالیس لوقہ چاندی کی مالیت سے زیادہ ہی ہو گا۔ لہذا اس صورت میں حضرت سلمان کا یہ کہنا بالکل غلط ہو جاتا ہے کہ مجھ پر جتنا مال واجب ہے اس کے مقابلے میں یہ سونا کیا کام کرے گا (کیونکہ اگر ان کو چالیس لوقہ چاندی دینی ہوتی تو مرغی کے اڑے کے برابر سونا ملنے کے بعد اس سے یقیناً چالیس لوقہ چاندی کی مالیت ہوا ہو سکتی تھی)۔

پھر یہ کہ علامہ بلاذری نے اور قاضی بیضاوی نے کتاب شفا میں اس بات کو صاف لکھا ہے کہ چالیس لوقہ سونے پر معاملہ ہوا تھا چاندی پر نہیں۔ اسی واقعہ کی طرف قصیدہ مہزیب کے شاعر نے اپنے ان شعروں میں اشارہ کیا ہے۔

وَلَوْ لَمْ يَكُنْ سَلْمَانَ حِينَ كَانَ الْوَلَاءُ

كَانَ يَنْهَى قَا قَا فَخِصَ لَمَّا

أَفَلَا تَعْلَمُونَ سَلْمَانَ لَمَّا

أَنَّ عَمَلَهُ مِنْ ذِكْرِ الْعُرَا

مطلب..... یعنی مرغی یا کوتر کے اڑے کے برابر سونے سے سلمان کا قرض ہوا کیا گیا جب کہ اس کی لودر تھی کا

وقت قریب آگیا اور جو کہ چالیس لوقہ سونا تھا یہ بات گزری ہی چکی ہے کہ اس سونے میں سے سلمان کا قرض واپس کرنے کے بعد بھی (مجروحہ کے طور پر) یہ سونا اتنا ہی باقی رہا۔ سلمان پر اس قرض کا سبب یہ تھا کہ ان کو قن کہا جاتا تھا (یعنی وہ غلام جو خود غلام بنا ہو خاندانی غلام نہ ہو)۔ کیونکہ ان کو زبردستی اور غلط طریقے پر غلام بنالیا گیا تھا۔ (وہ ایک آزاد انسان تھے مگر ان کے قافلہ والوں نے ان کو زبردستی اور دھوکہ دے کر انچانک ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ وہ نہ وہ نہ خاندانی طور پر غلام تھے اور نہ ان کو کسی جنگ کے میدان میں قید کیا گیا تھا) غرض اب ان کی آزادی کے لئے اس رقم پر پورے کچھور کے تین سو پودے لگانے پر مجاہدہ کیا گیا کہ وہ ان پر پھل آنے تک اللہ کی دعا کہہ بھال کریں۔ اور پھر جب ان پودوں میں شاخیں پھوٹ آئیں جن کی پودا انہوں نے خود لگائی اور اٹھائی تھی تو چالیس لوقہ سونے کی لاشکی کر کے وہ آزاد ہو گئے یہاں پود خود لگانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے لئے پود لگائی گئی تھی (کیونکہ اس میں دوسرے مسلمانوں نے ان کی مدد کی تھی اور جیسا کہ آگے بیان آ رہا ہے خود آنحضرت ﷺ نے پودے اٹھا کر لگائے تھے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت خندق میں شریک ہوا اور اس کے بعد کوئی بھی غزوہ ایسا نہیں ہوا جس میں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہ رہا ہوں۔

(سلمان فارسیؓ کی آزادی کے سلسلے میں) حضرت بریدہؓ سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلمان کو خود لگے اچھے درہم میں خرید لیا تھا (جس کا مطلب گزشتہ روایت کی روشنی میں یہ ہو گا کہ) آنحضرت ﷺ سلمان کی خرید لری یعنی مکاتبیت یا آزادی کے اس مجاہدے کا سبب بنے تھے۔ اور یہ کہ اچھے پودے سلمان ان یہودیوں کے لئے لگائیں گے جن کے پھل دینے تک وہ ان کی دیکھ بھال کریں گے۔

غرض اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تمام وہ پودے خود اپنے دست مبارک سے وہاں لگائے صرف ایک پودا حضرت عمر فاروقؓ نے لگایا۔ اب صرف اسی ایک پودے کے سوا باقی تمام پودے جم گئے اور وہ ایک رہ گیا۔ (جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک پودا نہیں جم سکا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا۔ ”وہ پودا کس نے لگایا تھا؟“

لوگوں نے کہا ”عمرؓ نے“ آنحضرت ﷺ نے اس کو اکھاڑ کر دوبارہ اپنے دست مبارک سے وہاں لگایا جس کی برکت سے وہ پودا اسی سال پھل پھول گیا۔

لہذا بخدیؓ نے اس طرح نقل کیا ہے کہ ان پودوں میں سے ایک پودا خود حضرت سلمان فارسیؓ نے لگایا تھا اور باقی تمام پودے آنحضرت ﷺ نے لگائے چنانچہ تمام پودے جم گئے صرف وہی ایک پودا رہ گیا جس کو خود حضرت سلمان نے لگایا تھا۔

(اب کچھلی روایت میں اور اس میں اختلاف ہو گیا اس کے متعلق) کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس پودے کو حضرت عمرؓ اور حضرت سلمانؓ دونوں نے ہی ایک کے بعد ایک لگایا ہو (لیکن یہ جم نہیں سکا آخر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہندوستان مبارک سے اس کو لگایا اور یہ پھل پھول گیا)۔

اقول۔ عطف کہتے ہیں: یہ مگر جس میں سلمان فارسیؓ نے پود لگائی تھی نبیؐ فیض کے یہودیوں کا تھا اور اس کو مقصد یعنی پود کی جگہ کہا جاتا تھا جیسا کہ آگے بیان آ رہا ہے۔

سلمان فارسیؓ کی غلامی کی حقیقت قصیدہ ہمزہ کے شاعر نے اپنے شعر میں کہا ہے کہ حضرت

مسلمان کو قین (جو خود ہی غلام بنایا گیا ہو) کہا جاتا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ مسلمان خلائی حقیقت میں غلام نہیں رہتا (بلکہ ان کی خلائی باطل تھی) جیسا کہ بیان ہوا۔

مگر اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر مسلمان حقیقت میں غلام نہ ہوتے تو اس خلائی کو برقرار کیوں رکھتے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ ان کو آزادی کے معاہدہ کا حکم کیوں فرماتے اور ان کی طرف سے معاہدہ کی رقم کیوں لیا۔ فرماتے ہیں کہ یہ کتنا بھی درست نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کے آکاؤں کو خوش کرنے کے لئے ایسا کیا ہوگا۔ ہر حال میں جو سے ان کی خلائی کے سلسلے میں یہ روایت قابل غور ہے۔

مگر پھر اس میں ایک اور شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ حقیقت میں غلام تھے تو پھر جب وہ ایک دفعہ صمد کا مالک آنحضرت ﷺ کے پاس لے کر آئے تو آپ نے صحابہ کو کیسے اس کی اجازت دیدی کہ وہ اس میں سے کھا سکتے ہیں۔ اور اسی طرح جب حضرت سلمان آپ کی خدمت میں ہدیہ لے کر آئے تو آپ نے کیسے اس میں سے خود بھی کھایا اور صحابہ کو بھی کھلایا کیونکہ امام شافعی ہی نہیں بلکہ باقی اماموں کے مذہب کے مطابق بھی غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا چاہے اس کے مالک نے اس کو وہ چیز دے دی ہو وہ آکاہی کی ملکیت نہ ہوتی ہے لہذا کسی ایسے شخص کی دی ہوئی چیز آپ نے کیسے قبول فرمائی جو خود اس کا مالک نہیں ہے۔

اس شبہ کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے اسلام کے شروع میں مسئلہ یہی ہو کہ آکاہی کی چیز کا غلام کو مالک بنائے تو وہ چیز اس کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ اور پھر بعد میں یہ مسئلہ منسوخ ہو گیا ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض شافعی علماء کے نزدیک مسلمان حقیقت میں غلام ہی تھے۔ اس بارے میں علامہ سیوطی نے ابو عبیدہ کا قول نقل کیا ہے کہ مسلمان دلی حدیث ان لوگوں کے خلاف ایک دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ یہاں تک علامہ سیوطی کا کلام ہے (کیا علامہ سیوطی حضرت سلمان کو حقیقت میں غلام مانتے ہیں اور اس بناء پر کہتے ہیں کہ چونکہ ان کے غلام ہونے کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان کا لیا ہوا مال قبول فرمایا اس لئے یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ غلام چیز کا مالک ہو سکتا ہے ورنہ آنحضرت ﷺ ان کے مال کو قبول نہ فرماتے کیونکہ اگر غلام چیز کا مالک نہیں ہو سکتا تو اس کو نہ وہ چیز دوسرے کو دینا جائز ہو تا ورنہ دوسرے کے لئے اس کو لینا جائز ہوتا)۔

یا (پھر دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ) ممکن ہے آنحضرت ﷺ کو اس ہدیہ کے قبول فرمانے کے وقت یہ معلوم نہ ہو کہ وہ غلام ہیں کیونکہ اصل کے لحاظ سے ہر انسان آزاد ہوتا ہے (خلائی ایک خاص صفت ہے جو انسان کی اصل میں نہیں ہے لہذا جب تک معلوم نہ ہو کہ فلاں شخص غلام ہے اس کو آزادی سمجھا جائے گا)۔

چونکہ سلسلہ کے اس واقعہ سے یہ بات پوری طرح ثابت نہیں ہوتی کہ کیا وہ حقیقت میں غلام تھے یا زبردستی غلام بنائے گئے تھے اور اسی بناء پر چونکہ ان کی مکاتبت یعنی آزادی کا معاہدہ ان قاعدوں اور اصولوں پر پورا نہیں اترتا جو اس مسئلہ کے متعلق شافعی علماء کے ہیں اس لئے وہ مسلمان کے واقعہ سے مکاتبت یعنی آزادی کا معاہدہ کئے جانے کا مسئلہ نہیں نکالنے (بلکہ اس مسئلے کو دوسری حدیثوں سے ثابت کرتے ہیں)۔

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ مسلمان دلی حدیث سے فقہ کا یہ مسئلہ نکلا ہے کہ ہدیہ قبول کر لینا چاہئے اور ہدیہ دینے والے سے جرح اور بحث نہیں کرنی چاہئے۔ اسی طرح صمد کا معاملہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ :- جس شخص کو کوئی کھانا پیش کیا جائے تو وہ اس کو (بلا حجت قبول کر کے) کھالے اور سوال جواب نہ کرے۔ واللہ اعلم۔

حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ جب انہوں نے اپنا یہ تمام واقعہ آنحضرت ﷺ کو سنایا تو آپ سے عرض کیا کہ عموریہ بستی کے راہب زلزان نے مجھ سے (اپنے آخر وقت میں) یہ کہا تھا۔
سلمان فارسیؓ کی عیسیٰ ابن مریمؑ سے ملاقات..... ”تم شام کے علاقے میں فلاں فلاں مقام پر جاؤ وہاں دو جھاڑیوں کے درمیان ایک شخص رہتا ہے اور ہر سال جب وہ اس جھاڑی سے نکل کر دوسری میں جاتا ہے تو بیمار اور روکی آوی اس کو (اپنے واسطے دعا کرانے کے لئے) گھیر لیتے ہیں۔ وہ ان میں سے جس شخص کے لئے بھی دعا کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو شفاء اور صحت عطا فرمادیتا ہے۔ تم اس کے پاس جا کر اس سے اس دین کے متعلق معلوم کر دو۔ تمہیں بتلائے گا۔“

سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں وہاں سے روانہ ہوا اور اسی جگہ پہنچ گیا جو زلزان نے بتلایا تھی۔ وہاں میں نے دیکھا کہ بہت لوگ اپنے پیاروں کو لئے ہوئے اس جگہ جمع ہیں (اور اس شخص کا انتظار کر رہے ہیں) آخر وہ اسی رات میں ایک جھاڑی سے دوسری جھاڑی میں جانے کے لئے باہر آیا۔ لوگ فوراً ہی اپنے پیاروں کو لئے ہوئے اس کے چاروں طرف جمع ہو گئے (میں نے دیکھا کہ وہ جس بیمار کے لئے بھی دعا مانگا اللہ تعالیٰ اس کو شفاء عطا فرمادیتا۔ لوگوں کے جھوم کی وجہ سے میں اس تک نہیں پہنچ پڑا تھا یہاں تک کہ وہ اس جھاڑی تک پہنچ گیا جس میں اسے جانا تھا۔ وہ اس میں داخل ہو رہا تھا لیکن اس کا ایک موڑ تھا اس وقت باہر تھا کہ میں نے اس کو ہی پکڑ لیا۔ اس نے فوراً پوچھا کون ہے؟ اور میری طرف گھوما میں نے فوراً ہی اس سے کہا۔
 ”خدا آپ پر رحمت فرمائے۔ مجھے ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیفیت کے متعلق بتلائیے (کہ وہ دین کہاں لے گا)؟“

اس نے جواب دیا۔

”تم ایک ایسی چیز کے متعلق پوچھ رہے ہو جس کے بدلے میں اس زمانے میں کوئی شخص سوال نہیں کرتا۔“

اس نئی کا زمانہ تمہارے قریب آچکا ہے جو اس دین کو لے کر ظاہر ہونے والا ہے اور جو حرم واولوں میں سے ہو گا اور وہی تمہیں اس دین پر چلائے گا۔“

اس کے بعد وہ شخص اندر چلا گیا۔“

یہ واقعہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

”اگر تم نے مجھ سے یہ سچا واقعہ بتلایا ہے تو بے شک تم عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام سے ملے ہو۔“

عیسیٰ علیہ السلام ایک بار زمین پر آچکے ہیں..... علامہ سبکی نے اس حدیث کو معقول علم لکھا ہے اور اس میں ایک رلوی مجہول قسٹی لیا ہے جس کا حال معلوم نہیں ہے کہا جاتا ہے وہ مجہول شخص جس کا نام ابن عمرہ ہے جو تمام محدثین کے نزدیک ضعیف اور کزور ہے لیکن اگر اس حدیث کو صحیح مانا جائے تو اس کے متن یعنی مضمون

۱۔ سند کے اعتبار سے حدیث معقول اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کا سلسلہ کسی تاہی پر جا کر ختم ہو رہا ہے یعنی تاہی نے اس کو نقل کیا لیکن اس کے بعد اس طرح بیان نہ ہو کہ اس (تاہی) نے فلاں (صحابی) سے اور اس (صحابی) نے آنحضرت ﷺ سے بیان کیا۔

میں کوئی فکر نہ تھی یعنی کمزوری نہیں ہے۔ (یعنی اس حدیث کے مضمون میں عیسیٰ علیہ السلام سے سلمان فارسی کی ملاقات کا جو ذکر ہوا ہے یہ بات اور مضمون اپنی جگہ کمزور نہیں ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا سے اٹھانے جانے کے بعد آخر زمانے میں اپنے متعین وقت پر دنیا میں دوبارہ آنے کے علاوہ بھی ایک بار اور دنیا میں آنے کے خالق ایک روایت ملتی ہے کہ ایک بار وہ زمین پر آچکے ہیں۔ چنانچہ علامہ طبری نے لکھا ہے۔

”صبح علیہ السلام آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ایک بار زمین پر آ بھی چکے ہیں (جس کا واقعہ اس طرح ہے کہ ان کی والدہ حضرت مریم کے ساتھ ایک دوسری عورت تھی۔ یہ عورت وہ تھی جو پہلے دیوانی تھی اور حضرت صبح علیہ السلام نے اس عورت کو اس جنون سے اچھا کر دیا تھا) (کیونکہ صبح علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ ان کے ہاتھ پھیر دینے سے اللہ تعالیٰ بیماروں کو صحت عطا فرما دیتا تھا۔ غرض ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ایک بار ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام اور وہ دوسری عورت دونوں اس جگہ کے قریب جہاں حضرت صبح کے لئے پھانسی تیار کی گئی تھی کھڑی ہوئی اور وہی تھیں صبح علیہ السلام آسمان سے اتر کر ان کے پاس آئے اور ان سے باتیں کیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا“

”تم کس بات پر رورہی ہو؟“

انہوں نے کہا کہ تمہارے لو پر رورہے ہیں۔ صبح علیہ السلام نے جواب میں بتلایا۔

”مجھے نہ قتل کیا گیا اور نہ ہی پھانسی دی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور اٹھالیا ہے اور مجھے اعزاز عطا فرمایا ہے۔“

پھر حضرت صبح نے ان دونوں کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی شکل بالکل مجھ جیسی بنا دی تھی جس کو پھانسی دی گئی (جبکہ اس نے خود مجھے آسمان پر اٹھالیا)۔

اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کے پاس پیغام بھجوایا۔ (ی) انہوں نے اپنی والدہ اور اس عورت سے فرمایا۔

”حواریوں کو میری خبر پہنچا دو اور کہہ دو کہ آج رات وہ مجھ سے قلاں جگہ پر آکر ملیں۔“

چنانچہ تمام حواری اسی جگہ پر رات میں آکر جمع ہو گئے اچانک انہوں نے دیکھا کہ وہ پہاڑ جس پر صبح علیہ السلام اترے ان کے اترنے کی وجہ سے جگمگا اٹھا۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو ان کے دین کی تبلیغ کریں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلائیں۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو مختلف قوموں اور امتوں کی تبلیغ کے لئے متعین کیا۔

(عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر ایک بار آنے کا یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ) جب ایک مرتبہ ان کا آنا ممکن ہے تو کوئی بار آنا بھی ممکن ہے۔ لیکن ہم اس وقت تک یہ بات نہیں جانتے کہ وہ حقیقت میں عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے جب تک کہ وہ کھلے طور پر دنیا میں واپس نہیں آجائیں گے۔ جبکہ یہاں آکر وہ صلیب یعنی پھانسی کے نشان کو توڑیں گے اور خنزیر کو ہلاک کریں گے جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا ہے۔ یہاں تک طبری کا کلام ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں قیام کی مدت..... ایک روایت ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں واپس آئیں گے تو وہ یمن کے قبیلہ جہام کی ایک عورت سے نکاح کریں گے ان سے ان کے دو بیٹے ہوں گے جن میں سے ایک کا نام محمد رکھیں گے اور دوسرے کا موسیٰ رکھیں گے اور وہ دنیا میں آکر چالیس سال زندہ رہیں گے۔

ایک قول ہے کہ پینتالیس سال اور ایک قول کے مطابق سات سال زندہ رہیں گے جیسا کہ مسلم شریف میں ہے۔ نیز ایک قول کے مطابق آٹھ سال۔ ایک قول کے مطابق نو سال اور ایک قول کے مطابق پانچ سال زندہ رہیں گے۔

(ان تمام روایتوں میں کافی اختلاف اور فرق ہے کہ چالیس سال اور پینتالیس سال سے لے کر نو اور پانچ سال تک کے قول ہیں۔ اس فرق اور اختلاف کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام روایتوں میں موافقت پیدا کی جائے جس سے ایک تخمینہ مرلو سامنے آ سکے۔ چنانچہ اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ) صحیح علیہ السلام کے چالیس یا پینتالیس سال زندہ رہنے اور سات سال (نیز آٹھ یا نو یا پانچ سال) زندہ رہنے کی روایتوں میں اس طرح موافقت پیدا کی جاتی ہے کہ پہلے دونوں اقوال یعنی چالیس سال یا پینتالیس سال زندہ رہنے سے تو ان کا اس دنیا میں کل قیام مرلو ہے جس میں آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے اور دوبارہ دنیا میں آکر رہنے کی دونوں مدتیں مرلو ہیں۔ اب جن روایتوں میں صرف سات یا آٹھ یا نو یا پانچ سال کا ذکر ہے ان سے مراد وہ زمانہ ہے جو حضرت صحیح علیہ السلام دوبارہ زمین پر اترے جانے کے بعد اپنی وفات تک گزریں گے (گویا اب مطلب یہ ہو گیا کہ حضرت صحیح علیہ السلام کی پیدائش کے وقت سے وفات کے وقت تک زمین پر رہنے کی کل مدت عمر چالیس سال یا پینتالیس سال ہوگی۔ لیکن دوبارہ زمین پر آنے کے بعد وہ جتنے عرصے زندہ رہیں گے اس کی کل مدت سات یا آٹھ یا نو یا پانچ سال ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب)۔

عیسیٰ علیہ السلام کہاں دفن ہوں گے۔۔۔۔۔ وفات کے بعد صحیح علیہ السلام کو رسول اللہ ﷺ کے روضہ اقدس میں دفن کیا جائے گا۔ (قال) ایک قول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حجرہ مبارکہ میں (ی) آپ کے مزار مبارک کے پاس دفن کیا جائے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ بیت المقدس میں دفن کیا جائے گا۔ (ی) ایک قول یہ بھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خاص رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک میں ہی آپ کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔ اس قول کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

”وہ میرے ساتھ میری قبر میں دفن ہوں گے اور (قیامت کے دن) میں اور عیسیٰ ایک ہی قبر سے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان میں اٹھیں گے۔“

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: عیسیٰ علیہ السلام جس طرح کہ خنزیر کو ہلاک کریں گے اسی طرح دجال کو بھی ہلاک کریں گے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ۔

حضرت عیسیٰ اور حضرت مہدی..... عیسیٰ علیہ السلام ایک عادل اور بے حد انصاف کرنے والے حکمران کی حیثیت سے اتریں گے وہ ہماری شریعت کے مطابق فیصلے کیا کریں گے اور دجال کو ہلاک کریں گے۔ وہ صبح کی نماز کے وقت آسمان سے اتریں گے اور حضرت مہدی کے پیچھے فجر کی نماز پڑھیں گے اس وقت حضرت مہدی ان کو دیکھ کر پہلے (ان سے نماز پڑھانے کے لئے) کہیں گے کہ:-

”اے روح اللہ! آپ آگے آئیے!“

عیسیٰ علیہ السلام ان سے کہیں گے۔

”آپ ہی آگے رہیں اس لئے کہ آپ کے واسطے تکمیل کی جا چکی ہے۔“

ایک روایت یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فجر کی نماز کے وقت اس وقت اتریں گے جبکہ حضرت مہدی

نماز شروع کر چکے ہوں گے مگر جب حضرت ممدی کو عیسیٰ علیہ السلام کے ہنزل ہو جانے کی خبر ہوگی تو وہ نماز ہی میں پیچھے ہٹنے کی کوشش کریں گے تاکہ عیسیٰ علیہ السلام کو آگے کر دیں۔ مگر اسی وقت حضرت مسیح علیہ السلام حضرت ممدی کی کمر پر دونوں موٹڑھوں کے بیچ میں ہاتھ رکھ کر انہیں روکتے ہوئے کہیں گے۔
”آپ ہی آگے رہیں۔“

(اور خود بھی ان کے پیچھے ہی نماز کی نیت باندھ لیں گے) نماز سے فارغ ہونے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اپنے تھکے لاشہ کر دجال کی تلاش میں روانہ ہو جائیں گے اور اس کو حرم کے مشرقی دروازے کے قریب قتل کریں گے۔

ایک روایت ہے کہ حضرت ممدی بھی مسیح علیہ السلام کے ساتھ ہی جائیں گے اور دجال کو قتل کرنے میں ان کی مدد کریں گے۔

حضرت ممدی کے آباء و اجداد..... حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ممدی آنحضرت ﷺ کے خاندان سے حضرت فاطمہؑ کی اولاد میں ہوں گے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت حسینؑ کی اور ایک روایت کے مطابق حضرت حسنؑ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ اسی طرح ایک روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؑ کی اولاد میں سے ہوں گے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ان کی والدہ ام الفضل ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے گزریں تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔

”تم ایک لڑکے سے حاملہ ہو جب یہ بچہ تمہارے پیٹ میں پیدا ہو جائے تو اسے میرے پاس لے کر آنا۔“
ام الفضل یعنی آنحضرت ﷺ کی چچی کہتی ہیں کہ میرے پیٹ میں بچہ پیدا ہو گیا تو میں نے اس کو آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے اس کے دلہنے کان میں لٹکان کی پور پائیں کان میں نکسیر کی پور پھر اپنا ہاتھ لعاب دہن اس کو چٹایا اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔
جاؤ۔ بڑے بڑے خلفاء یعنی بادشاہوں کے اس باپ کو لے جاؤ۔“

(چنانچہ آپ کی پیشین گوئی کے مطابق خلافت عباسیہ کے تمام بادشاہ جیسے خلیفہ ہارون رشید و امویوں اور بہت سے دوسرے خلیفہ ان ہی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی اولاد میں سے ہوئے۔)
(غرض اس کے بعد ام الفضل کہتی ہیں کہ پھر میں نے اپنے شوہر حضرت عباسؑ کو یہ واقعہ بتلایا۔ حضرت عباسؑ یہ سن کر فوراً آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس واقعہ کے حقائق پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

”یہ وہی ہے جس کے حقائق میں نے وہ بات کہی ہے۔ یہ بڑے بڑے خلفاء اور بادشاہوں کا باپ ہے۔ یہاں تک کہ ان میں سفاح بھی ہوگا۔ یہاں تک کہ ان میں ممدی بھی ہوگا۔ (ی) یعنی خلیفہ ممدی جو خلیفہ ہارون رشید کا باپ ہے۔“

(اس روایت میں ایک جملہ اور ہے اور اسی کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ممدی حضرت عباسؑ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ وہ جملہ یہ ہے کہ :)

”یہاں تک کہ ان میں (یعنی اس بچے کی اولاد میں) کوہ بھی ہوں گے جو حضرت عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ نماز پڑھیں گے (ی) اب ظاہر ہے کہ وہ حضرت ممدی ہی ہوں گے جو کہ اخیر زمانے میں ظاہر ہوں گے۔“

ان کا نام محمد ابن عبد اللہ ہوگا۔ اگر دنیا کی عمر میں صرف ایک دن بھی باقی رہ جائے۔ اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ۔ اگر دنیا کی عمر میں صرف ایک رات بھی باقی رہ جائے (اور اس وقت تک حضرت مہدی کا ظہور نہ ہوا ہو) تو بھی اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا بڑھا دے گا کہ وہ ظاہر ہوں (یعنی قیامت کے قائم ہونے سے پہلے ان کا ظہور آتا جیسی ہے کہ اس میں شک نہیں کیا جاسکتا)۔

ظہور مہدی کی علامت..... حضرت مہدی کا ظہور اس حیرت ناک واقعہ کے بعد ہو گا جو یہ ہے کہ رمضان شریف کی پہلی رات میں چاند گرہن ہو گا اور پھر پندرہ دن بعد اسی مہینے کی چودھویں رات میں سورج گرہن ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک ایسا حیرت ناک واقعہ ہوگا کہ اس جیسا واقعہ زمین و آسمان کے وجود میں آنے کے وقت سے آج تک نہیں ہوا۔

ان کی عمر (ظہور کے وقت) بیس سال ہوگی۔ ایک قول ہے کہ چالیس سال ہوگی۔ ان کا چہرہ روشن ستارے کی طرح ہو گا اور ان کے دائیں گال پر ایک سیلہ رنگ کا تیل ہوگا۔ ان حق کے زمانے میں حضرت عیسیٰ ابن مریم زمین پر واپس آئیں گے۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ مہدی کوئی نہیں ہیں سوائے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے۔ تو اس روایت سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس سے یہ مراد ہو سکتی ہے کہ کامل اور معصوم مہدی اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ ہوں۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ ”وہ امت ہرگز ہلاک نہیں کی جائے گی جس کی ابتدا میں ہوں اور اختتام عیسیٰ ابن مریم ہیں اور جس کا وسط اور بیچ میرے خاندان کے فرد مہدی ہیں۔“

سیدگان ثریا اور عباسی خلفاء کی تعداد..... حضرت عباس سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا ”دیکھو۔ کیا تم آسمان میں کچھ دیکھ رہے ہو؟“ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے پوچھا کیلکے رہے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ ثریا یعنی چاند مخصوص ستاروں کے اس جھرمٹ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا:-

”تمہاری ولادت میں اتنے ہی لوگ چلتی تعداد ثریا کے ستاروں کی ہے اس امت کے بادشاہ نہیں گئے۔“ (ی) مابہرہوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ثریا ستاروں کی نظر آنے والی تعداد کتنی ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ سات ستارے ہیں اور بعض نو ستارے بتلاتے ہیں۔ ان دونوں باتوں کو اس طرح ایک جگہ جمع کیا جاسکتا ہے کہ یہ سات ستاروں کی تعداد تو وہ ہے جو عام طور پر اور کمزور نظر والوں کو بھی دکھائی دیتی ہے اور نو ستاروں کی تعداد ایسی ہے جو صرف تیز نظر والوں کو نظر آتی ہے۔

مگر جہاں تک رسول اللہ ﷺ کا تعلق ہے تو کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ ثریا کے جھرمٹ میں گیارہ ستارے تک دیکھ سکتے تھے۔ اور ایک قول میں ہے کہ بارہ ستارے تک دیکھتے تھے۔ ان دونوں روایتوں میں ہم نے اس طرح موافقت پیدا کی ہے کہ گیارہ ستارے تو آپ ﷺ کو اس وقت ہی نظر آجاتے تھے جب آپ اس جھرمٹ پر اچھٹی ہوئی نظر ڈالتے تھے اور جب غور سے دیکھتے تھے تو آپ بارہ ستارے تک دیکھ سکتے تھے (یعنی جو بہت مدہم ستارہ ہوتا ہے اس کو بھی آپ ذرا سا نظر پر زور ڈالنے کے بعد دیکھ لیتے تھے)۔

اب اس عجیبی روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی عباس کے خلفاء کی تعداد بارہ ہونی چاہئے لیکن حضرت

سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔
 ”ہم میں سے (یعنی ہماری اولاد میں سے) تین گھر کے لوگ (خلیفہ) ہوں گے۔ سقاح، منصور اور ممدی۔“

اسی روایت کو ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع حدیث کے طور پر نقل کیا ہے۔ ہر حال اب اس روایت میں یہ بھی ممکن ہے کہ ممدی سے مراد خلیفہ ہارون رشید کا باپ خلیفہ ممدی ہو (کیونکہ وہ بھی عباسی خاندان کا خلیفہ تھا) اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ممدی مراد ہوں جن کا انتظار ہے (کیونکہ ان کے بھی عباسی خاندان سے ہونے کے متعلق روایت آتی ہے جیسا کہ بیان ہوا)۔

اس سلسلے میں ابو نعیم نے ایک روایت کزور سند کے ساتھ بیان کی ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ کہیں مشرف صلی جا رہے تھے کہ آپؐ کی حضرت عباسؓ سے ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے ان سے فرمایا۔
 ”اے ابوالفضل! کیا میں تمہیں ایک بات نہ بتاؤں؟“

حضرت عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور بتلائیے۔ آپؐ نے فرمایا۔
 ”اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ یہ شوکت عطا فرمائی ہے اور تمہاری ذریستہ۔ اور ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ۔ تمہاری اولاد کے ذریعہ اس کو انجام تک پہنچائے گا۔“

حضرت ممدی کے متعلق جن کا انتظار ہے ایک مفصل کتاب ہے جس کا نام ”القوامم عن النسخ القوامم“ ہے۔

سلمان فارسیؓ کے واقعہ کی ایک دوسری روایت..... اس درمیانی تفصیل کے بعد حضرت سلمانؓ اور ان کے واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ (حضرت سلمانؓ کی کا واقعہ جس تفصیل کے ساتھ پیچھے بیان ہوا ہے یہ واقعہ ایک روایت میں ایک دوسرے طریقہ سے بھی آتا ہے چنانچہ حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ:-
 ”میرے ایک بڑے بھائی تھے وہ اکثر اپنے آپ کو اچھی طرح کپڑوں سے ڈھانپ کر پہاڑ کے اوپر چلا کرتے تھے ایسا وہ اکثر و بیشتر کیا کرتے تھے آخر ایک روز میں نے ان سے کہا۔
 ”آپ! کھڑکیلا کرتے ہیں لیکن مجھے اپنے ساتھ لے کر کیوں نہیں چلے؟“
 انہوں نے کہا۔

”تم ابھی کم عمر ہو اس کے لئے مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم بات ظاہر نہ کر دو۔“
 میں نے (ان کو اطمینان دلواتے ہوئے) کہا کہ آپ اس سے مت ڈریئے جب انہوں نے تظاہر کیا۔
 ”اس پہاڑ پر کچھ ایسے لوگ رہتے ہیں جن کی عبادت وغیرہ کا طریقہ علیحدہ ہے۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور آخرت کو یاد کرتے ہیں اور میرے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ میں بے دین ہوں۔“
 میں نے کہا۔

”جب آپ مجھے وہاں ضرور لے کر چلے۔“
 گزشتہ نشین و پیرواروں سے سلمانؓ کی ملاقات..... انہوں نے کہا کہ اچھا میں ان لوگوں سے اجازت لے لوں۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اس کو لے آؤ۔ اب میں اپنے بھائی کے ساتھ گیا وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ چھ یا سات آدمی تھے۔ ہر وقت عبادت کرنے کی وجہ سے (وہ اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ) ایسا لگتا تھا کہ گویا ان میں

سے روح نکل چکی ہے۔ وہ لوگ دنوں میں روزے رکھتے اور راتوں میں کھڑے ہو کر عبادت کرتے تھے اور درخت کے پتے پھل جو کچھ مل جاتا وہ کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ غرض ہم ان کے پاس لو پر پہنچ گئے۔ لب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعریفیں اور حمد بیان کی اور اس کے بعد ان تمام نبیوں اور رسولوں کا ذکر کیا جو گزر چکے ہیں۔ آخر وہ بیان کرتے کرتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر تک پہنچے تو انہوں نے کہا۔

”وہ بغیر مرد کے پیدا ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ طاقت اور قدرت دی تھی کہ وہ مردے کو زندہ کر دیتے تھے۔ پرندے بنا کر ان میں جان ڈال دیتے تھے اور اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے۔ غرض کچھ لوگوں نے ان کو جھٹایا اور کچھ ان پر ایمان لائے۔“

اس کے بعد ان لوگوں نے مجھ سے کہا۔

”لڑکے! تمہارا ایک پروردگار ہے اور تمہیں آخرت کی طرف جانا ہے اور تمہارے رب اور آخرت کے درمیان جنت اور دوزخ ہے یہ لوگ جو آگ کی پوجا کرتے ہیں کفر اور گمراہی میں مبتلا ہیں جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے نہ ہی یہ لوگ کسی دین پر چل رہے ہیں۔“

غرض اس کے بعد ہم دونوں وہاں سے واپس آگئے اور پھر دوبارہ گئے۔ اس دفعہ بھی انہوں نے وہی باتیں بہت اچھے انداز میں کہیں۔ اس کے بعد میں ان کے ساتھ ہی رہنے لگا۔ پھر کسی طرح ان لوگوں کے متعلق بادشاہ کو خبر مل گئی (جو مجوسی آتش پرست تھا) اس نے ان لوگوں کو اپنے ملک سے نکل جانے کا حکم دیدیا۔ اس وقت بھی میں نے ان لوگوں سے کہا کہ میں آپ سے علیحدہ نہیں رہوں گا۔

چنانچہ میں ان لوگوں کے ساتھ ہی وہاں سے روانہ ہو گیا اور ہم لوگ موصل شہر پہنچ گئے جب شہر میں داخل ہوئے تو لوگوں نے ان کو گھیر لیا۔ پھر ایک پہاڑ کے غار میں سے نکل کر ایک شخص ان کے پاس آیا اور سلام کر کے ان کے پاس بیٹھ گیا۔ یہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے تو اس نے ان سے پوچھا۔

”تم لوگ کہاں تھے؟“

سلمان فارسی ایک عیسائی بزرگ کے ساتھ انہوں نے اس کو اپنا حال سنایا۔ پھر اس نے میرے متعلق پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے تو انہوں نے میری تعریفیں کیں اور میرے ساتھ ساتھ رہنے کے متعلق بتلایا۔ میں نے اتنا اعزاز کسی شخص کا نہیں دیکھا جتنا یہ لوگ اس شخص کا کر رہے تھے۔ اس کے بعد اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور پچھلے نبیوں اور رسولوں کا ذکر کیا اور ان ختیوں کا ذکر کیا جو (خدا کی راہ میں) پیغمبروں کو برداشت کرنی پڑیں۔ آخر میں اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا اور پھر ان لوگوں کو وحفظ و نصیحت کی اور کہا۔

”اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور عیسیٰ علیہ السلام جو کچھ لے کر آئے اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں جھگڑیں نہ کرو۔“

اس کے بعد اس نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو میں نے اس سے کہا۔

”میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔“

اس نے کہا

”لڑکے! تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ میں اپنے اس غار سے روزانہ ایک دفعہ کے سوا کبھی

میں نے کہا۔

”کچھ بھی ہو میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔“

آخر میں اس کے ساتھ ہی عمار میں داخل ہو گیا میں نے اس کو نہ کبھی سوتے ہوئے دیکھا اور نہ کھاتے ہوئے۔ بلکہ مسلسل رکوع اور سجدے کرتے ہوئے یعنی عبادت میں مشغول پایا۔ اگلے دن ہم پھر عمار سے نکلے اور وہ سب لوگ اس شخص کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ اس نے پھر پچھلے روز کی طرح ہی ان لوگوں کو وعظ و نصیحت کی اور اس کے بعد پھر اپنے عمار میں آ گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی عمار میں آ گیا۔ ہم یہاں کچھ عرصے تک رہے وہ روزانہ عمار سے باہر نکلتا اور وہ لوگ اس کے پاس آکر جمع ہو جاتے۔ پھر وہ ان کو وعظ و نصیحت کرتا۔ ایک دن وہ باہر آیا اور پہلے تو اس نے وہی باتیں کیں جو روزانہ کیا کرتا تھا اور پھر کہا۔

”اے لوگو! میری عمر بہت زیادہ آچکی ہے اور میں بہت کمزور ہو گیا ہوں۔ میرا وقت اب شاید قریب ہی ہے میں اتنے برسوں سے بیت المقدس میں حاضر نہیں ہو سکا اس لئے اب مجھے وہاں حاضر ہونا ضروری ہے۔“
آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشین گوئی..... میں نے یہ سن کر اس سے کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ ہی روانہ ہوا اور ہم بیت المقدس پہنچ گئے۔ مسجد میں پہنچ کر وہ ہر وقت نماز میں مشغول رہتا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔

”اے سلمان اللہ تعالیٰ عنقریب ایک رسول کو ظاہر فرمائے گا جن کا نام احمد ہو گا۔ وہ تمامہ (یعنی کئے) کے پہاڑوں میں سے ظاہر ہوں گے۔ ان کی نشانی یہ ہو گی کہ وہ ہدیہ کی چیز تو کھالیں گے لیکن صدقے کا مال نہیں کھائیں گے اور ان کے دونوں موڑھوں کے بیچ میں مہر نبوت ہو گی۔ ان کا یہی زمانہ ہے جس میں وہ ظاہر ہوں گے اور اب وقت آئی چکا ہے جہاں تک میرا معاملہ ہے تو میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور مجھے امید نہیں ہے کہ میں ان کا وقت پاسکوں گا لیکن تمہیں ان کا زمانہ ملے تو ان کی تصدیق اور ان کی پیروی کرنا۔“

میں نے کہا۔

”اور اگر وہ مجھے آپ کا مذہب چھوڑنے کا حکم دیں؟“

اس نے کہا۔

”ہاں چاہے تو وہ تمہیں ایسا ہی حکم دیں۔“

اس کے بعد وہ بیت المقدس سے نکلا مسجد کے دروازہ پر ایک لپانج آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اس لپانج

سے کہا۔

”اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو۔“

اس نے ایسا ہی کیا تو اس بزرگ نے کہا۔

”اللہ کے نام پر کھڑے ہو جاؤ۔“

وہ لپانج (جو کھڑے ہونے سے بالکل معذور تھا) فوراً اس طرح اٹھ کھڑا ہوا جیسے وہ رتیاں ٹوٹ گئی ہوں

جن میں وہ مدد حاصل کرتا تھا۔ اس کے بعد اس لپانج نے مجھ سے کہا۔

”لو کے! میرے کپڑے اٹھواؤ تاکہ میں بھی چلوں۔“

میں نے اتنی دیر میں اس کے کپڑے اٹھوائے اتنے ہی میں وہ بزرگ راہب وہاں سے چلا گیا۔ میں بھی فوراً ہی اس کی تلاش میں روانہ ہوا مگر جب بھی میں کسی سے اس کے متعلق پوچھتا تو یہی جواب ملتا کہ۔

”تمہارے آگے آگے جا رہے ہیں؟“

آخر ایک جگہ مجھے قبیلہ بنی کلب کا ایک قافلہ ملا۔ میں نے ان سے بھی اس راہب کے متعلق پوچھا۔ جبکہ انہوں نے میری زبان سنی (جو فارسی تھی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ شخص یہاں اجنبی اور پردیسی ہے) تو ان میں سے ایک شخص نے اپنا نوٹ جلدی سے بٹھالیا اور مجھے پکڑ کر اس پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔ اس کے بعد وہ لوگ ایک روز آخر اپنے وطن پہنچ گئے۔ پھر اس نے مجھے ایک انصاری عورت کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ اس نے مجھے اپنے ایک باغ میں کام پر لگا دیا۔

اسی زمانے میں رسول اللہ ﷺ مدینے تشریف لے آئے مجھے جیسے ہی آپ کی آمد کی خبر ہوئی میں نے اپنے باغ میں سے کچھ کھجوریں لیں اور وہ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میں آپ کے پاس پہنچا تو اس وقت آپ بت سے لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کھجوریں آپ کے سامنے رکھیں۔ تو آپ نے مجھ سے پوچھا۔

”یہ کیا ہے؟“

میں نے عرض کیا صدق ہے۔ یہ سن کر آپ نے دوسرے لوگوں سے فرمایا کھاؤ لیکن خود آپ نے ان میں سے کچھ نہیں کھایا۔

اس کے بعد کچھ عرصہ اور گزر گیا تو ایک دن پھر میں اسی طرح کچھ کھجوریں لے کر آپ کے پاس پہنچا۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے میں نے وہ کھجوریں آپ کے سامنے رکھ دیں۔ آپ نے پھر پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہدیہ ہے۔ یہ سن کر آپ نے بسم اللہ پڑھی اور خود بھی وہ کھجوریں کھائیں اور دوسرے لوگوں نے بھی بھی کھائیں۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا۔

”یہ دونوں باتیں ان کی نشانیوں میں سے ہیں۔“

اب گویا یہ دو روایتیں ہو گئیں۔ لہذا اگر اس روایت اور صحیحی روایت دونوں کو صحیح مانا جائے تو ان میں مطابقت پیدا کرنی ضروری ہو گی۔

واقعہ سلمان کی تیسری روایت..... حضرت سلمان فارسیؓ کے بارے میں ہی ایک روایت کتاب درر مشور میں ہے کہ:-

قبیلہ حمینہ کی ایک عورت نے حضرت سلمان فارسیؓ کو خرید لیا تھا اور وہ اس عورت کی بکریاں چرانے لگے تھے۔ ایک روز وہ بکریاں چرا رہے تھے کہ ان کا ایک دوست ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

”کیا تمہیں معلوم ہے کہ آج مدینے میں ایک شخص آیا ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ نبی ہے؟“

حضرت سلمان (جو آنحضرت ﷺ کے متعلق بت کچھ سن چکے تھے اور آپ سے ملنے کے لئے یتاب

رہتے تھے)۔

یہ سنتے ہی اس سے بولے۔

”اچھا تو تم ذرا بکریوں کے پاس ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔“

اس کے بعد وہ فوراً وہاں سے مدینہ میں پہنچے اور ایک دینار میں سے ایک بکری خریدی اور کچھ روٹی خریدی پھر انہوں نے اس بکری کو بھونا اور یہ کھانے لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ سلمان نے کہا کہ یہ صدقہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ”مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

اس کے بعد آپ نے اس کو نکال کر صحابہ کے سامنے رکھ دیا اور انہوں نے اسے کھلایا۔ حضرت سلمان وہاں سے واپس آئے اور انہوں نے پھر ایک دینار میں سے روٹی اور گوشت خرید اور اسے لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ سلمان نے جواب دیا کہ ہدیہ ہے۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا۔

”تب تم بھی بیٹھو اور کھاؤ۔“

سلمان بیٹھ گئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ یہ کھانا کھلایا۔ (اس کے بعد حضرت سلمان کہتے ہیں کہ) پھر میں اٹھ کر آپ کی پشت کی طرف گیا تو آپ میرا مقصد سمجھ گئے اور آپ نے اپنا کپڑا اور اسرار کا دید اسی وقت میں نے دیکھا کہ آپ کے ہاتھیں موڑنے کی طرف مہربانیت موجود ہے جسے میں نے پہچان لیا۔ اس کے بعد میں گھوم کر پھر آپ کے سامنے آکر بیٹھ اور عرض کیا۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔“

اب یہ روایت کچھلی و دونوں روایتوں کے خلاف ہے اور اسی لئے ان کے درمیان موافقت پیدا کرنا ناقابل غور ہے۔

حضرت سلمان کی عمر اور زہد و تقویٰ..... بعض علماء نے اتفاق کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت سلمان فارسی کی عمر دو سو پچاس سال کی ہوئی ہے۔ وہ ایک بہت بڑے زاہد عالم و فاضل اور شریعت کے بے حد پابند تھے۔ وہ بیت المال میں سے ہر سال پانچ ہزار روپیہ نکال کر صدقہ و خیرات کیا کرتے تھے۔ جہاں تک خود ان کا معاملہ تھا تو وہ سوائے اپنے ہاتھ کی مزدوری سے کمائے ہوئے مال کے کچھ نہیں کھاتے تھے۔ ان کی جو عباتھی اسی میں سے کچھ حصے سے بدن ذہانیت لیتے تھے اور کچھ حصے کو زمین پر بچھا کر سوڑتے تھے۔

علماء میں سے ایک شخص نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میں اس زمانے میں ان کے پاس گیا جب کہ وہ مدائن کے علاقے کے گورنر تھے میں جب ان کے پاس پہنچا تو وہ مجھ کی چٹائی بن رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ ”آپ یہ کام کیوں کرتے ہیں؟ آپ تو امیر ہیں جس سے آپ کو تنخواہ کی صورت میں رزق میرا آجاتا ہے۔“

انہوں نے جواب دیا۔

”میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ وہی مال کھاؤں جو اپنے ہاتھ کی مزدوری اور محنت سے کمائوں۔“

کبھی کبھی وہ گوشت خریدتے اور اس کو پکا کر کوڑھی لوگوں کو دعوت دیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔

حضرت سلمان فارسی سب سے پہلے غزوہ خندق میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے پہلے جبکہ وہ آزاد نہیں تھے اس وقت وہ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں بھی شریک ہوئے ہیں۔ لہذا الب یہ کہا جائے گا کہ غزوہ خندق میں ان کی سب سے پہلی شرکت سے مراد یہ ہے کہ آزاد ہونے کے بعد یہ سب سے پہلا غزوہ ہے جس میں وہ شریک ہوئے واللہ اعلم۔

کاہنوں کی پیشین گوئیاں

جہاں تک آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق کاہنوں کی پیشین گوئیوں کا سوال ہے ان میں سے اکثر کا بیان تو آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی رات اور آپ کے دودھ پینے کے واقعات میں گزر چکا ہے (اور کچھ یہاں بیان ہو رہے ہیں)۔

عمر و ابن معدیکرب کا واقعہ..... ان ہی میں سے ایک عمر و ابن معدیکرب کا واقعہ ہے جو کہتے ہیں۔ خدا کی قسم محمد ﷺ کے ظہور سے بھی پہلے مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کیسے تو انہوں نے کہا۔

ہم اپنے ایک معاملے میں ایک مرتبہ اپنے کاہن کے پاس گئے۔ اس نے ہم سے کہا۔ ”ختم ہے برجنوں والے آسمان کی قسم ہے برجنوں والی زمین کی، مگر دو غبار والی ہواؤں کی کہ یہ معاملہ نہایت سخت ہے اور ایسا ہے کہ یہ ایک نئی بات کی خبر دے رہا ہے۔“

لوگوں نے پوچھا کہ وہ نئی بات کیا ہے؟ تو اس نے کہا۔ ”وہ نئی خبر ایک سچے نبی کا ظہور ہے جو ایک گچی اور مضبوط کتاب اور فیصلہ کن تلوار لے کر آئیں گے۔“

لوگوں نے پوچھا۔

”وہ کہاں ظاہر ہوں گے اور کن باتوں کی طرف بلائیں گے؟“

کاہن نے کہا

”وہ نیکی کے ساتھ ظاہر ہوں گے اور اچھائیوں کی طرف بلائیں گے، وہ خال لینے والے تیروں کو ختم کر دیں گے (جن کی تفصیل سیرت حلبیہ اردو جلد ہفتم صفحہ ۱۱۱ میں گزر چکی ہے) اور شراب نوشی اور خوں ریزی اور ہر برائی کو ختم کر دیں گے۔“

لوگوں نے پوچھا کہ وہ کن لوگوں میں سے ہوں گے۔ کاہن نے جواب دیا۔

”وہ اس معزز بزرگ کی اولاد میں سے ہوں گے جو زمرم کا کنواں کھودنے والے ہیں ان کا اعزاز دائمی

اور ہمیشہ رہنے والا ہوگا اور ان کے دشمن ذلیل اور رسوا ہوں گے۔“

قس ابن ساعدہ لیادی کا واقعہ..... اسی طرح قس ابن ساعدہ لیادی کا واقعہ ہے یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے

(دو آدمیوں کے جھگڑے میں فیصلہ کرنے کے لئے) یہ کہا تھا۔

اَلْبَيْتَةُ عَلَى الْمَدْحَى وَالْبَيْتُ عَلَى مَنْ اَنْكَرَ

”مدحی یعنی کسی بات کا دعویٰ اور مطالبہ کرنے والے پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے اور مدعا علیہ یعنی اس مطالبہ سے

انکار کرنے والے پر حلف لینا ضروری ہے۔“
اسی طرح یہی وہ پہلا شخص ہے جو خطبہ دینے کے وقت اپنے عصایا اپنی کمان یا اپنی تلوار کے سادے کھڑا ہوا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ جھگڑا چکانے کے سلسلے میں سب سے پہلے جس نے وہ فیصلہ دیا (جو لو پر ذکر کیا گیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔ مگر اس قول کا یہ کہہ کر انکار کیا جاتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کے بارے میں یہ کہیں سے ثابت نہیں ہے کہ وہ بھی اپنی تلوار یا زبان کے علاوہ دوسری زبان بولے ہیں۔

(عرض قیس ابن ساعدہ لیاوی کے واقعہ کے سلسلے میں حضرت امین عباسؓ سے روایت ہے کہ بنی عبد القیس کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان سے پوچھا۔
”تم میں سے کون ایسا ہے جو قیس ابن ساعدہ لیاوی کو جانتا ہو؟“
انہوں نے کہا۔

”یاد رسول اللہ! اس کو ہم میں سے ہر ایک شخص جانتا ہے۔“
آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس کا کیا ہوا لوگوں نے کہا کہ وہ ہلاک ہو چکا ہے۔
آپ نے فرمایا۔

لوگ بھولے نہ ہوں گے کہ عکاظ کے میلے میں وہ سرخ لونٹ پر سوار کہہ رہا تھا لوگو! جمع ہو کر سنو اور غور کرو کہ ہر زندہ رہنے والا شخص ایک دن مر جائے گا اور ہر مرنے والا فنا اور گم ہو جائے گا۔ جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ آسمانوں میں علم پوشیدہ ہے اور زمین میں عبرت کے سامان ہیں۔ یہ ایک پست فرش ہے اور وہ ایک بلند چھت ہے چھوٹے چھوٹے ستروں اور نہ خشک ہونے والے سمندر کی قسم اقس مچی قسم کھا کر کہتا ہے کہ اگر خوشی سے اس معاملے کو قبول نہیں کیا جائے گا تو یقیناً مٹی پیش آئے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ایک پسندیدہ دین ہے جو اس کو اس دین سے کہیں زیادہ پسند ہے جس پر تم چل رہے ہو۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ لوگ چلے جاتے ہیں لیکن واپس نہیں آتے۔ کیا انہیں وہ جگہ اس قدر پسند آ جاتی ہے کہ وہ وہیں رہ پڑتے ہیں یا انہیں وہاں چھوڑ ہی دیا جاتا ہے کہ چاہے نہ چاہے وہ وہاں سب سے الگ تھلگ رہتے ہیں (اور اس غیث کے بعد لوہر کا رخ کرنے کے لئے کبھی ان کی آنکھ نہیں کھلتی)۔

پھر آپ نے فرمایا۔

”تم میں سے کون اس کے وہ شعر سنا سکتا ہے (جو اس نے اس وقت پڑھے تھے؟“)
ان لوگوں نے آپ کے سامنے قس کے یہ شعر سنائے۔

رَفِی الدَّاهِیْنِ الْاَوَّلَیْنِ مِنَ الْقُرُونِ لَنَا بَصَائِرُ

ترجمہ: گزشتہ زمانوں میں مرنے والے لوگوں کے واقعات ہمارے لئے ایک سبق ہیں۔

لَمَّا دَاوَّیَ لَیْسَ لَهَا مَوَارِدُ
لَمَّا دَاوَّیَ لَیْسَ لَهَا مَوَارِدُ

جب میں نے دیکھا موت کے گھاٹ کو کہ اس کے متعلق کوئی بھی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

وَدَّیْتُ قُوًی
وَدَّیْتُ قُوًی

وَدَّیْتُ قُوًی
وَدَّیْتُ قُوًی

اور میں نے دیکھا کہ میری قوم کے چھوٹے اور بڑے سب ہی لوگ موت کی جانب دوڑ رہے ہیں۔

لَا يَرْجِعُ
وَلَا يَمُنُ
الْمَاضِي
الْبَاقِينَ
غَابِرِ

یہاں تک ماضی اور گزشتہ زمانے کا تعلق ہے وہ بھی لوٹ کر نہیں آتا نہ میرے لئے لوٹنے کا اور نہ ان کے لئے جو میرے بعد موجود ہوں گے۔

أَيَقْنَتُ إِلَى لَا مَعَالَةَ حَيْثُ صَارَ الْقَوْمُ صَافِرِ

لہذا اب یقین ہو گیا ہے کہ میرا بھی ایک دن اسی طرح انجام ہو جائے گا جس طرح میری قوم کے باقی لوگوں کا ہو چکا ہے۔

رقس کے متعلق جبارود ابن عبد اللہ کی روایت..... ایک دوسری روایت میں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبارود ابن عبد اللہؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ ان کو جبارود اس لئے کہا جاتا تھا کہ انہوں نے بنی بکر ابن وائل کے قبیلے پر ایک مرتبہ حملہ کیا اور ان کو اس طرح خالی کر دیا کہ ان کا تمام مال و متاع لوٹ لیا چنانچہ اس وقت سے ان کو جبارود یعنی خالی کرنے والا کہا جانے لگا۔ اس واقعہ کی طرف ایک شاعر نے بھی اپنے شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وَصَنَّا بِهِمْ بِالْفَيْحِلِ مِنْ كُلِّ جَانِبِ
كَمَا جَرَدَ الْحَارُودُ بَكَرَ ابْنِ وَائِلِ

ترجمہ: ہم نے بھی اپنے دشمن کو چاروں طرف سے گھیر کر اپنے گھوڑوں سے اسی طرح روند ڈالا جیسے جبارود بکر ابن وائل نے اپنے دشمنوں کو اس طرح لوٹا تھا کہ ان کے کپڑے تک اتر والے تھے۔

غرض جب یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا۔

”کیا بنی عبد القیس کے اس وفد میں کوئی ایسا شخص ہے جو ہمیں قس کے متعلق کچھ بتا سکے۔“

وفد والوں نے کہا

”یارسول اللہ ہم سب جانتے ہیں۔“

پھر جبارود نے کہا۔

”میں اپنی قوم میں قس کے نقش قدم پر چلنے والوں میں سے تھا وہ ایک خالص عرب شیخ تھا جس کی عمر سات سو سال ہوئی۔ (ی) ایک قول ہے کہ چھ سو سال ہوئی اور (محمّدی علیہ السلام کے) حواریوں میں انہوں نے سمعان کو دیکھا ہے یہ عربوں میں پہلا آدمی تھا جس نے بت پرستی چھوڑی۔ اسی نے سب سے پہلے (خطبے کے شروع میں) ”آما بعد“ کہا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ کلمہ سب سے پہلے کعب ابن لؤئی نے استعمال کیا تھا جیسا کہ بیان ہوا۔

اسی طرح ایک قول ہے کہ سمعان ابن وائل نے اور ایک قول کے مطابق یعقوب نے سب سے پہلے یہ کلمہ استعمال کیا۔ نیز میراب ابن قحطان اور حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق بھی ایک ایک قول ہے یہ کلمہ حمود ثام کے بعد خطبہ شروع کرنے سے پہلے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس کو فصل خطاب کہتے ہیں۔ مگر داؤد علیہ السلام کے متعلق اس قول کو قبول نہیں کیا جاتا بلکہ جواب میں کہا جاتا ہے کہ ان کے متعلق یہ بات کہیں سے ثابت نہیں ہے کہ وہ اپنی مادری زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان بھی بولے ہیں جبکہ آما بعد میں لفظ ”بعد“ خالص

عربی کا لفظ ہے۔

یہاں فصل خطاب کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد جھگڑے کے درمیان فیصلہ کن بات بھی ہے (ی) چنانچہ پیچھے گزرا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے اَلْیَقِیۃَ عَلٰی الْمَدْعٰی وَالْیَحِیۃَ عَلٰی مَنْ اَنۡكَرَ کا فیصلہ دیا تھا اس قول پر جو اعتراض ہے وہ بھی گزر چکا ہے۔

آج بعد کا کلمہ سب سے پہلے بولنے کے سلسلے میں پیچھے کئی نام گزرے ہیں۔ ان مختلف اقوال کو صحیح ماننے کی صورت میں اسی طرح مطابقت پیدا کی گئی ہے کہ اس کلمہ کو بولنے میں حضرت داؤد کو تو حقیقی ولایت یعنی پہل حاصل ہے (کہ سب سے پہلے تو انہوں نے ہی یہ کلمہ استعمال کیا تھا) اور ان کے علاوہ دوسروں کے لئے یہ پہل اور ولایت اضافی ہے۔ (یعنی اپنے بعد والوں کے مقابلے میں انہوں نے سب سے پہلے استعمال کیا اگرچہ داؤد علیہ السلام ان سے بھی پہلے استعمال کر چکے تھے مگر ان کے بعد لوگوں کے مقابلے میں سب سے پہلے انہوں نے استعمال کیا چنانچہ اب یہ کنارہ درست ہو گا کہ) کعب ابن لؤی نے عربوں میں سب سے پہلے یہ کلمہ استعمال کیا اور کعب کے علاوہ جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس نے سب سے پہلے استعمال کیا اس کا مطلب ہے کہ اس نے اپنے قبیلے میں سب سے پہلے استعمال کیا۔

عرب کا پرانا دستور ہے کہ خط اس طرح شروع کیا کرتے تھے کہ ”مَنْ فَلَانُ لٰی فَلَانُ“ یعنی فلاں کی جانب سے فلاں کی خدمت میں۔ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ طریقہ بھی سب سے پہلے قس نے ہی شروع کیا تھا۔

(غرض اس کے بعد جلدود کے اسی بیان کا بقیہ حصہ ذکر کرتے ہیں جس میں وہ رسول اللہ ﷺ کو قس کے متعلق بتا رہے ہیں) چنانچہ جلدود نے مزید کہا:-

”(قس کا وہ واقعہ اور اس وقت کا کلام مجھے اس طرح یاد ہے کہ گویا میں اس کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ جس رب کو مانتا تھا اس کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ ہر چیز کا وقت متعین ہے اور وہ اس کو پہنچے گی اور یہ عمل کرنے والا اپنے عمل کا بدلہ پا کر رہے گا۔ اس کے بعد قس نے یہ شعر پڑھے۔

هَاجَ لِلْقَلْبِ مِنْ جَوَاهِ اَدَّكَارِ
وَلِيَالٍ لَّهْنٍ نَّهَارِ

ترجمہ: قلب کے اندر اس کی فضاء سے ایک عبرت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح ان راتوں سے بھی جن کے درمیان دن کی روشنی آتی تھی۔

وَجِيَالٌ شَوَا مَخَ وَاَسْبَاتِ
وَبَعَارِمْهَا هَمَّ غَوَارِ

اور ان لوہے اونچے اونچے مضبوط پہاڑوں سے اور ٹھانسیں ملاتے ہوئے دریاؤں سے بھی یہی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

وَنَجْمٌ تَلُوحٌ فِي ظَلَمِ اللَّيْلِ
تَوَاهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ قَدَارِ

اور ان چمکتے ہوئے ستاروں سے جو رات کے اندھیروں میں دکھتے ہیں اور دن میں نظر نہیں آتے۔

وَالَّذِي قَدْ ذَكَرْتَ دَلَّ عَلٰی اللّٰهِ
نَفْسُهَا هَدٰی وَاعْبَادِ

یہ سب چیزیں جو میں نے ذکر کیں اللہ تعالیٰ کے وجود پر ان لوگوں کے لئے گواہ اور دلیل بنی ہیں جن میں ہدایت اور عبرت حاصل کرنے کا مادہ ہے۔ جلد وہ یہ اشعار جلدی جلدی پڑھ کر سنا رہے تھے جبکہ آنحضرت ﷺ ان میں بہت دلچسپی لے رہے تھے اس لئے آپ نے فرمایا ”جلد وہ اذرا ٹھہر ٹھہر کر پڑھو مجھے عکاظ کے میلے میں قس کی وہ باتیں بھولی نہیں ہیں۔“

عکاظ وہ سالانہ میلہ تھا جو یمن خلیہ اور طائف کے درمیان میں ہر سال لگا کر تھا یہ میلہ بنی ثقیف اور قیس کی طرف سے لگایا جاتا تھا جیسا کہ پیچھے بھی بیان ہو چکا ہے۔ جہاں وہ ایک گھرے کتھی یعنی ساسی مائل کتھی رنگ کے لونٹ پر سوار وہ کچھ کلام کر رہا تھا جو مجھے یاد نہیں ہے۔ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ وہ بہت ہی شیریں باتیں بیان کر رہا تھا مگر اب وہ باتیں مجھے یاد نہیں رہیں۔“

قس کے متعلق صدیق اکبر کا بیان..... اسی وقت حضرت ابو بکر کھڑے ہوئے اور انہوں نے عرض کیا ”وہ باتیں مجھے یاد ہیں یا رسول اللہ ﷺ! کیونکہ اس روز عکاظ کے میلے میں بھی موجود تھا۔ اس نے اپنے خطبے میں یہ کہا تھا:-

لوگو! سنو اور غور کرو اور غور کرنے کے بعد ان سے فائدہ اٹھاؤ جو زندہ رہے گا۔ اسے موت ضرور آئے گی اور مرنے والا محروم اور فنا ہو جائے گا۔ جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ بارش اور سرسبزی رزق اور روزی باپ اور مائیں، زندہ اور مردہ لوگ قومیں اور افراد۔ ان سب میں نشانیاں ہی نشانیاں ہیں۔ آسمانوں میں خبریں اور علم ہے اور زمین میں عبرت اور سبق ہیں۔ ایک طرف اندھیری راتیں ہیں تو دوسری طرف برجوں والا آسمان ہے کہیں زمین کے سینے میں دلدیاں ہیں اور کہیں شاخیں ملرتے ہوئے سمندر ہیں۔ یہ کیا ہے کہ ہم لوگوں کو (اس دنیا سے) رخصت ہوتے ہوئے تو دیکھتے ہیں لیکن جا کر واپس آنے والا کوئی نہیں ملتا۔ کیا ان لوگوں کو وہ جگہ اس آجاتی ہے کہ وہ وہیں ٹھہر جاتے ہیں یا انہیں لوگ وہاں چھوڑ آتے ہیں اور وہ وہیں بے کسی میں ہو رہتے ہیں۔ قس سچی اور سچی قسم کھا کر کہتا ہے جس میں وہ جھوٹا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک دین ہے جو اس کو اس دین سے زیادہ پسند ہے جس پر تم چل رہے ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ایک نبی ہیں جن کے ظہور کا وقت قریب آچکا ہے۔ اور ان کا زمانہ تم پر اپنا سایہ ڈال چکا ہے۔ پس جو شخص ان پر ایمان لائے گا اس کے لئے خوش خبری ہے اور اس شخص پر افسوس ہے جو ان کی مخالفت کرے گا اور گناہ گار ہوگا۔“

قس کی عبرت و نصیحت آمیز تقریر..... اس کے بعد قیس نے مزید کہا:-

اے کروہ ایاد! یہ یاد لیکن کے قبیلہ کا نام ہے۔ پچھلے وقتوں اور گزرے زمانوں کی ان قوموں اور امتوں پر افسوس ہے جو غفلت میں پڑ کر وقت گزر گئیں۔ (وہ لوگ دنیا کے جس عیش پر اپنی زندگیاں قربان کر گئے آج ان میں سے کیا باقی رہ گیا) آج وہ باپ دلو (اور ان کی کن بان) کہاں ہیں! آج ان وقتوں کے پہلے اور ان کو پوچھنے والے کہاں ہیں۔ وہ فرعون کہاں ہیں جن کے ظلم اور طاقت و قوت کے افسانے کبھی مشہور تھے۔ کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں کھڑی کر دیں تھیں اور ان کو سجانے اور آراستہ کرنے میں انتہا کر دی تھی۔ کہاں ہیں وہ جو اپنے مال و دولت اور لولاد کے فریب میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ سرکش اور سر پھرے لوگ کیا ہوئے۔ وہ جمع جوڑ کرنے اور پونجی اکٹھی کرنے والے لوگ کہاں گئے! جنہوں نے (اپنی سرکشی کے زور میں) یہاں تک کہہ دیا تھا کہ میں ہی تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔!

لوگو! کیا وہ لوگ تم سے بھی زیادہ دولت مند نہ تھے۔ کیا ان کی کمزوریاں تم سے بھی زیادہ نہ تھیں؟ کیا وہ لوگ تم سے بھی زیادہ لمبی تنائیں نہیں رکھتے تھے۔ مگر مٹی نے ان کو اپنے سینے سے روند کر خاک کر دیا۔ انہیں اور ان کی تہذیب کو (پیس کر نیست و نابود کر دیا۔ دیکھو اب یہ ان کی خاک شدہ ہڈیاں بکھری ہوئی ہیں۔ ان کے محل آج جویرانے اور خرابے بنے ہوئے ہیں۔ جن میں بھیڑیے اور درندے سیرا کر رہے ہیں!

اس لئے بس اس کے سوا حقیقت کچھ نہیں ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہنے والی ہے۔ جو عبادت کئے جانے کے لائق ہے جو نہ کسی باپ سے وجود میں آیا اور نہ جس کے کوئی لولاہ ہے۔

اس کے بعد قس نے کچھ شعر پڑھے جو بیان ہو چکے ہیں۔

قس کے متعلق ایک اور روایت..... ایک روایت میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ :-

جب قبیلہ لیا کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان سے پوچھا

”اے لیا کے وفد کے لوگو! قس ابن ساعدہ لیاوی کا کیا بنا؟“

انہوں نے کہا۔

یا رسول اللہ! وہ مر چکا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

”میں نے ایک دن اس کو عکاظ کے میلے میں دیکھا تھا جہاں وہ ایک سرخ لونٹ پر سوار تھا اور نہایت عمدہ اور دل موہنے والا کلام کر رہا تھا مگر اب مجھے وہ کلام یاد نہیں رہا۔“

اس پر ان لوگوں میں سے ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔

یا رسول اللہ! وہ کلام مجھے یاد ہے۔“

یہ سن کر آنحضرت ﷺ بہت خوش ہوئے۔ پھر اس اعرابی نے بیان کیا کہ قس اس وقت یہ کہہ رہا تھا۔ لوگو! میرے پاس جمع ہو کر میری بات سنو! ہر مرنے والا فنا ہو جاتا ہے اور ہر ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے ایک طرف اندھیری راتیں ہیں اور ایک طرف برجوں والا آسمان ہے۔ کہیں موجیں لیتا ہوا سمندر ہے۔ کہیں چمکتے ہوئے ستارے ہیں اور کہیں ٹھوس پہاڑ اور بہتی ہوئی ندیاں ہیں۔“ (حدیث)۔

ایک روایت میں قس کے یہ لفظ ہیں۔

صعب ذوالقرنین جیسا طاقتور بادشاہ کہاں ہے جو مشرق و مغرب پر حکمران تھا اور دونوں کناروں تک جس کا وہ بدبہ تھا۔ جو دو ہزار سال تک زندہ رہا۔ لیکن پھر۔ یہ لمبی مدت ایسے گزر گئی جیسے آدمی کی ٹپک جھپک جاتی ہے۔“

(قال) ایک روایت حضرت ابن عباسؓ نے بیان کی ہے کہ قس ابن ساعدہ عکاظ کے بازار میں اپنی قوم سے کہہ رہا تھا کہ :-

”عنقریب اس جانب سے تمہارے پاس حق اور سچائی آنے والی ہے۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے مکے کی طرف اشارہ کیا تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ حق کیا ہو گا۔ اس پر قس نے

کہا۔

”ایک سیاہ سفید آنکھوں اور گھنی ابروؤں والا شخص جو لوی ابن غالب کی لولاہ میں سے ہو گا وہ تمہیں

نیک بات اور ایسی زندگی اور راحوں کی طرف بلائے گا جو کبھی نہ ختم ہوے دلی ہوں گی۔ اس لئے جب وہ حمیس پکارے تو اس کی بات قبول کرنا۔ اگر مجھے اپنے بارے میں یہ پتہ ہو تاکہ میں اس نبی کے ظہور کے وقت تک زندہ رہوں گا تو میں اس کے پاس دوڑ کر پہنچنے والا پہلا شخص ہوتا۔

یہ قصہ مختلف اور کئی سندوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ سندیں کمزور ہیں مگر اتنی زیادہ ہیں کہ کمزور ہونے کے باوجود اصل قصے کو ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ مگر حافظ ابن حجرؒ نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث کی تمام سندیں کمزور ہیں۔ اس سے ابن جوزیؒ کی یہ بات غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ قس ابن ساعدہ کی حدیث۔ ہر حیثیت سے باطل ہے (کیونکہ علامہ ابن کثیرؒ تو اس کو ثابت ہی کر رہے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ صرف اس کی سند کو کمزور بتا رہے ہیں جس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ حدیث باطل ہے)۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: کتاب نور میں ہے کہ قس ابن ساعدہ کے قصے میں ایک چیز ایسی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کم از کم دوسرے مرتبہ پیش آیا ہے۔ ایک مرتبہ کا تو وہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ کو قس کا کلام یاد تھا۔ اور جس موقعہ پر قس سرخ لونٹ پر سوار تھا (دوسری روایت کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عکاظ کے میلے میں ہی کو دوسری دفعہ بھی ایک باری طرح تقریر کی تھی۔ اس موقعہ پر قس نے جو کلام کیا تھا وہ آنحضرت ﷺ کو یاد نہیں رہا تھا اور اس دفعہ قس۔ ایک سیاسی مائل کتھی رنگ کے لونٹ پر سوار تھا) کیونکہ پہلے موقعہ کے متعلق یہ روایت گزر چکی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے پاس عبدالقیس کا وفد آیا تو آپ نے ان سے قس کے متعلق پوچھا اور جب انہوں نے اس کی موت کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے وہ وقت بھولنا نہیں جبکہ وہ عکاظ کے بازار میں سرخ لونٹ پر سوار یہ باتیں کہہ رہا تھا۔ اس کے بعد دوسری روایت یہ گزری ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جب جبار و ابن عبداللہ اپنے وفد کے ساتھ آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے بھی قس کے متعلق پوچھا اور جب انہوں نے فوراً قس کے شعر سنائے شروع کئے تو آپ نے ان سے کہا کہ ذرا آہستہ آہستہ سناؤ مجھے وہ دن یاد ہے جب وہ عکاظ کے بازار میں سیاسی مائل کتھی رنگ کے لونٹ پر سوار کلام کر رہا تھا۔ مگر یہاں آنحضرت ﷺ نے قس کا کلام سننے کے بجائے یہ فرمایا کہ۔ مجھے اس کا کلام یاد نہیں ہے، جس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے قس کی تقریر بیان کی۔

اب گویا ان روایات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قس کا یہ واقعہ دوسرے مرتبہ پیش آیا مگر یہ اندازہ بظاہر درست نہیں معلوم ہوتا اسی لئے کہتے ہیں کہ (ممکن ہے روایتوں کے اس فرق کی وجہ یہ رہی ہو کہ ایک دفعہ وفد عبدالقیس کے سامنے تو آنحضرت ﷺ نے قس کا کلام بیان فرمادیا ہو لیکن اس کے بعد جب ایک دوسرے موقعہ پر آپ نے جبار و ابن عبداللہ سے یہی بات پوچھی تو اس وقت آپ قس کا کلام بھول چکے ہوں۔ اسی خیال کی تصدیق آنحضرت ﷺ کے اس جملے سے بھی ہوتی ہے کہ۔ میرا خیال ہے کہ لب مجھے وہ کلام یاد نہیں رہا۔

یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ آپ یہ کلام بھول چکے تھے لیکن اس کے بعد جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ کے سامنے اس کا کلام دہرایا تو آپ کو یہ یاد ہو گیا اور اس کے بعد نبی عبدالقیس کا وفد آیا تو آپ نے ان کے سامنے قس کا کلام خود بیان فرمایا۔ اب اس طرح اس واقعہ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عکاظ کے میلے میں قس کے کلام کرنے کا واقعہ ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا تھا۔ اب صرف یہ بات رہ جاتی ہے کہ ایک حدیث میں آپ نے قس کو سرخ لونٹ پر سوار بتلایا ہے اور دوسری میں سیاسی مائل کتھی

رنگ کے لونٹ پر بتایا ہے مگر اس سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ دودھ کا ہے کیونکہ ممکن ہے قوت کا رنگ گہرا سرخ ہو اور ظاہر ہے کہ گہرا سرخ رنگ بھی سیاہی مائل ہوتا ہے اور اسی سیاہی مائل سرخی کو کھنٹی کہا جاتا ہے لہذا آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ اسی لونٹ کو سرخ فرمایا اور دوسری دفعہ کھنٹی رنگ کا فرمایا۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنی عبدالمطلب کا وفد آپ کے پاس دو مرتبہ آیا ہے ایک دفعہ وہ لوگ اپنے سردار جابر و ابن عبد اللہ کے ساتھ آئے اور ایک دفعہ بغیر جابر و کے آئے۔
 قس کے متعلق حدیث میں ہے کہ :-

”اللہ تعالیٰ قس پر رحمت فرمائے وہ میرے باپ اسماعیل ابن ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم تھا۔“

واللہ اعلم

نافع جرش کا واقعہ..... اسی طرح نافع جرش کا واقعہ ہے۔ جرش سے قبیلہ جرش کی طرف نسبت ہے یہ (شاید) جعفر کا ایک قبیلہ تھا اور اسی کے نام پر بستی کا نام رکھ دیا گیا تھا۔

نافع کا یہ واقعہ اس طرح ہے کہ یمن کا ایک خاندان تھا جن کا ہاں ایک کاہن تھا۔ یہ جاہلیت کے زمانے کی بات تھی (اس وقت عرب میں کاہنوں کی بڑی حیثیت تھی اور ہر خاندان اپنا علیحدہ ایک کاہن رکھتا تھا جس کے پاس وہ اپنی ہر لڑائی جھگڑے اور پریشانی کے معاملے میں جایا کرتے تھے) اسی زمانے میں جب اچانک آنحضرت ﷺ کے ظہور کی خبر پھیلی اور آپ کے متعلق چرچے ہونے لگے تو یہ لوگ اپنے اسی کاہن کے پاس پہنچے اور پہاڑ کے دامن میں جمع ہو کر اس کا انتظار کرنے لگے جب سورج طلوع ہو گیا تو وہ کاہن پہاڑ سے اتر کر ان کے پاس گیا اور اپنی کمان کا سہارے کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا اس کے بعد اس نے بہت دیر تک اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے رکھا اور پھر کہنے لگا۔

لوگو! اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو بڑا عزت اور بزرگی بخشی ہے۔ اس نے ان کے قلب اور باطن کو پاک کیا ہے۔ لیکن لوگو! تمہارے درمیان ان کے قیام کی مدت بہت تھوڑی ہے (یعنی اس خبر و برکت کا وقت بہت تھوڑا سا ہو گا کہ آپ کی ذات بابرکات ہمارے درمیان موجود رہے گی لہذا اس وقت کو قیمت سمجھو اور جتنا ہو سکے آپ سے فائدہ اٹھا جاؤ)۔

جنت کے ذریعہ کاہنوں کی دی ہوئی خبریں اور پیشین گوئیاں

اس قسم کی پیشین گوئیاں بھی بہت سی ہیں جن میں سے ایک حضرت سولوا بن قارب کا واقعہ ہے۔ یہ جاہلیت کے زمانے میں ایک کاہن تھے ساتھ ہی یہ ایک اچھے شاعر بھی تھے بعد میں یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے بارے میں محمد ابن کعب قرظی سے روایت ہے کہ ایک روز (اپنی خلافت کے زمانے میں) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ”یا امیر المؤمنین! کیا آپ اس گزرنے والے کو جانتے ہیں؟“

حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یہ کون ہے تو اس نے جواب دیا۔

”یہ سولوا بن قارب ہیں جن کے پاس ایک جن آپا کر تھا جو ان کا تابع تھا اور ان کو آئندہ کی خبریں دیا

کرتا تھا اسی جن نے ان کو آکر آنحضرت ﷺ کے ظہور کی اطلاع بھی دی تھی۔
 فاروق اعظم اور سولواہن قارب..... (ی) اس سے کچھ سال پہلے (خود حضرت عمرؓ نے سولواہن قاربؓ کے بارے میں دریافت کیا تھا) ایک روزہ منبر پر چڑھے اور انہوں نے کہل۔

”لوگو! کیا تم میں سولواہن قارب بھی ہیں؟“

مگر کسی نے اس کا جواب نہیں دیا (یعنی اس مجمع میں سولواہن قارب موجود نہیں تھے) پھر اگلے سال یعنی غالباً اس سال جس میں کہ تقریباً تمام جریرہ عرب کے لوگ آنحضرت ﷺ کے حرار مبارک کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے (اور جبکہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا) ایک روز انہوں نے پھر پوچھا کہ لوگو! کیا تم میں سولواہن قارب بھی موجود ہیں۔ کسی نے سوال کیا۔

”اے امیر المؤمنین! سولواہن قارب کون ہے؟“

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

”سولواہن قارب کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا عجیب و غریب ہے۔“

حضرت براؤ کہتے ہیں کہ ابھی ہم اسی حالت میں تھے کہ اچانک سولواہن قارب سامنے نظر آئے (جس پر کسی نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ کیا آپ اس گزرنے والے کو جانتے ہیں۔ یہی سولواہن قارب ہیں) حضرت عمرؓ نے فوراً ان کو بلا بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا۔

”کیا تم ہی سولواہن قارب ہو؟“

انہوں نے کہل۔ ”ہاں“ تو حضرت عمرؓ نے پوچھا۔

”کیا تم ہی وہ شخص ہو جس کے پاس اس کے تابع جن نے آکر آنحضرت ﷺ کے ظہور کی اطلاع دی

تھی؟“

سولواہن کہل۔ ہاں میں ہی ہوں۔ پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا۔

”تو تم کمانت کا پیشہ کرتے تھے؟“

یہ سن کر سولواہن قارب ہڈاڑاں ہو گئے اور انہوں نے کہل۔

امیر المؤمنین! جب سے میں مسلمان ہوا اس کے بعد سے آج تک کوئی شخص میرے پاس اس مقصد

سے نہیں آیا (کہ میں کاہن ہونے کی حیثیت سے اس کو آئندہ کا حال بتاؤں)۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

”سبحان اللہ! (اس میں ہڈاڑاں ہونے کی بات نہیں ہے) تم تو اسلام لانے سے پہلے کمانت کا ہی پیشہ

کرتے تھے لیکن ہم اسلام لانے سے پہلے شرک اور بت پرستی کے جن اندھیروں میں بہک رہے تھے وہ تو تہمدی

کمانت سے بھی گئی گزری چیز تھی۔“

(ی) ایک روایت میں حضرت عمرؓ کا جواب اس طرح ہے کہ

”اللہ تعالیٰ معاف فرمائے! ہم تو جاہلیت کے زمانے میں اس سے بھی زیادہ بری حالت میں تھے کہ جنوں

اور مجنوں کو پوجتے تھے۔ یہاں تک کہ پھر آخر کار اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک اور اسلام جیسے

مذہب کے ذریعہ سر بلند فرمایا۔“

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں :- اس میں یہ بات واضح رہے کہ سولو ابن قارب کو جو غصہ کیا وہ اس لئے کہ وہ سمجھے کہ حضرت عمرؓ ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد بھی ان کو کافران سمجھ رہے ہیں۔ ان کو اس پر ناگواری نہیں تھی کہ اسلام لانے سے پہلے کے زمانے میں ان کو کمانت کی نسبت دی جا رہی ہے (کیونکہ اس وقت تو وہ یقیناً کافران تھے اور اس پر یقین رکھتے تھے لیکن مسلمان ہو جانے کے بعد اس فن سے ان کا یقین بھی جائزہ اور انہوں نے یہ پیشہ چھوڑ بھی دیا۔ وہ یہ سمجھے کہ حضرت عمرؓ یہ کہہ رہے ہیں کہ تم اب بھی کمانت کرتے ہو (یہ بات حضرت سوڈ کے اس جواب سے سمجھ میں آتی ہے کہ۔ جب سے میں مسلمان ہوا اس وقت سے کوئی شخص میرے پاس اس مقصد سے نہیں آیا۔ مگر حضرت عمرؓ کا جو جواب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں سولو ابن قارب کو اس بات پر ناگواری ہوئی کہ اسلام لانے سے پہلے کے زمانے میں بھی ان کو کمانت کی طرف کیوں نسبت دی گئی۔ چنانچہ اسی پر انہوں نے تعجب کے ساتھ کہا کہ۔ سبحان اللہ (جاہلیت کے زمانے کی کمانت پر ناگواری کی کیا بات ہے ہم تو اس وقت تم سے بھی زیادہ بدتر حال میں تھے کیونکہ وہ بے خبری کا زمانہ تھا) اس بارے میں علامہ سیبلی نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے سولو ابن قاربؓ سے مزاح اور مذاق کے ساتھ کہا تھا۔

”سولو! تمہاری کمانت کا کیا ہوا؟“

اس پر حضرت سولو ناراض ہو گئے اور انہوں نے کہا۔ میں اور تم دونوں ہی (جاہلیت کے زمانے میں) اس سے بھی زیادہ بدتر حال میں تھے کہ بچوں کو پوجتے تھے اور مرد اور جانوروں کا گوشت کھایا کرتے تھے اب کیا تم ان باتوں پر عار اور شرم ولا رہے ہو جن سے میں توبہ کر چکا ہوں!!“

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔“ روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے۔ واللہ اعلم۔

سواو ابن قاربؓ کا واقعہ..... (غرض اس کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت سوڈؓ کی گفتگو کا بقیہ حصہ نقل کرتے ہیں کہ) پھر حضرت عمرؓ نے سوڈ سے کہا۔

”سولو! مجھے بتاؤ کہ تمہارے تابع جن نے تم کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور ظہور کے متعلق کیا بتلایا

تھا ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ۔ سولو! ہمیں اپنے اسلام لانے کا واقعہ بتاؤ کیا تھا؟“

سواو ابن قاربؓ نے کہا۔

”ہاں اے امیر المؤمنین! ایک دفعہ جبکہ میں رات کے وقت سوئے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت میں تھا

کہ میرے پاس میرا تابع جن آیا اور اس نے اپنے پیروں سے مجھے ٹھوکا دے کر کہا۔

”سولو ابن قارب! اٹھ کر میری بات سن۔ اور اگر تجھ میں عقل ہے تو اس کو سمجھنے کی کوشش کر کہ

لوئی ابن غالب کی ولادت میں سے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ظاہر ہو چکے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلائے ہیں۔“

اس کے بعد اس نے یہ شعر پڑھے :-

عَجِبْتُ لِلْحِجْنِ وَتَطَلَّاهَا

وشلھا العیسٰی بالقتا بہا
ترجمہ: میں جنات اور ان کے ذوق و شوق پر حیران تھا اسی طرح ان کے سفید لوتنوں اور ان پر رکھے ہوئے پالان
دیکھ کر بھی تعجب کر رہا تھا۔

تہوی الی مکہ تبغی الہدی
ماصادق الجن ککذا بہا
وہ لوگ ہدایت کی تلاش میں کے کی طرف دوڑ رہے تھے۔ جنات میں کے بچے لوگ ان میں کے جھوٹوں کی طرح
نہیں تھے۔

فارحل الی الصفوة من ہاشم
لیس قد اماعا کا ونا بہا
اس لئے بنی ہاشم کے بہترین آدمی کے پاس چلو کیونکہ ان کے پچھلے لوگ اگلوں کے جیسے ہیں۔
میں نے یہ سن کر اس سے کہا۔

”چھوڑو مجھے سونے دو کیونکہ شام سے میں بہت تھکا ہوا ہوں۔“

پھر اگلی رات ہوئی تو وہ دوبارہ میرے پاس آیا اور اسی طرح مجھے پیر سے ٹھوکا دے کر کہنے لگا۔
”سولوا این قارب اللہ کر میری بات سن۔ اور اگر تجھ میں عقل ہے تو اس کو سمجھنے کی کوشش کر کہ
لوئی امین غالب کی ولاد میں سے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ظاہر ہو چکے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف
لوگوں کو بلاتے ہیں۔“

اس کے بعد اس نے یہ شعر پڑھے (جو پچھلے شعروں سے کچھ مختلف ہیں)

عجبت للجن وفضلوا
وشلھا العیسٰی یا کواہا
میں جنوں کے ذوق و شوق اور آنحضرت ﷺ کے متعلق خبریں معلوم کرنے پر حیران تھا اور ان کے سفید لوتنوں
اور ان پر لگے پالانوں کو دیکھ کر تعجب کر رہا تھا۔
تہوی الی مکہ و تبغی الہدی
مامون الجن کلفارہا
وہ لوگ ہدایت کی تلاش میں کے کی طرف دوڑ رہے تھے۔ جنات میں کے مومن ان میں کے کافروں کی طرح
نہیں ہیں۔

فارحل الی الصفوة من ہاشم
بین روا بیہا واحجارہا

لہذا تم بنی ہاشم کے منتخب لوگوں کے پاس کے کے ٹیلوں اور پتھر لے علاقوں کے درمیان ہوتے ہوئے چلو۔ یہ
سن کر میں نے اس سے پھر وہی بات کہی کہ چھوڑ مجھے سونے دے کیونکہ میں شام سے بہت تھکا ہوا ہوں۔ مگر
تیسری رات میں وہ پھر آیا اور میرے پاؤں مل کر مجھ سے پھر کہنے لگا کہ سولوا این قارب اللہ کر میری بات سن اور
اگر تجھ میں عقل ہے تو اس کو سمجھنے کی کوشش کر کہ لوئی امین غالب کی ولاد میں سے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ظاہر
ہو چکے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔“

اس کے بعد اس نے یہ شعر پڑھے (جو پچھلے شعروں سے کچھ مختلف ہیں)

عجبت للجن وخصاسہا

وخلعنا العیس باحلا مہا
میں جنات کے ذوق و شوق اور ان کی جستجو پر حیران تھا اور ان کے سفید لونٹوں اور ان پر رکھے ہوئے پالان و یکہ کر
بھی تعجب کر رہا تھا۔

تھوی الی مکلا نبی الہدی
ماخیرا لیجن کالہا مہا
وہ لوگ ہدایت کی تلاش میں مکے کی طرف دوڑ رہے تھے جنات میں کے بہترین اور اچھے لوگ ان میں کے بدترین
لوگوں کی طرح نہیں ہیں۔

فارحل الی الصفوة من ہاشم
وارم بعینک الی راسہا
ترجمہ: لہذا تم نبی ہاشم کے منتخب اور بہترین انسان کے پاس چلو اور اپنی نظریں ان کے سروں پر گاڑ دو اس وقفہ یہ
سکر میں اٹھ گیا اور میں نے خود سے کہا۔
”اللہ تعالیٰ نے میرے دل کا امتحان لیا ہے۔“

اس کے بعد میں نے فوراً اپنی نوشتنی تیر کی اور مدینے پہنچ گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ مکے پہنچ گیا۔
علامہ بیہقی نے اسی دوسرے قول کو زیادہ صحیح بتلایا ہے۔ (ی) کیونکہ جنات آنحضرت ﷺ کے پاس ایمان لانے
کے لئے مکے میں ہی حاضر ہوئے ہیں۔

(غرض سولو کہتے ہیں کہ) جب میں آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے
صحابہ کے درمیان بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ لوگ آپ پر اس طرح مجمع کئے ہوئے تھے
جیسے گھوڑے کی لیاں پر بال ہوتے ہیں جو گردن کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں۔
آنحضرت ﷺ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔

”خوش آمدید سوا دامن قلب! تمہیں جو چیز ہمارے پاس لے کر آئی ہے ہمیں اس کی خبر ہے۔“
میں نے عرض کیا۔

”یارسول اللہ! میں نے کچھ شعر کہے ہیں آپ ان کو سنیں!“
آپ نے فرمایا سناؤ تو میں نے یہ شعر سنائے۔

اللی لعی بعد ہدی ورقدة

ترجمہ: میرے ساتھ سرگوشیاں کرنے والا میرے سو جانے کے بعد آیا۔

اور ایک روایت میں اس مصرعہ کے یہ لفظ ہیں۔

اللی رنی بعد لیل وہجعة
ولم یلک فیما فلتوت بکاذب

میرا بھائی رنہ، رات کا اندھیرا پھیلنے کے بعد میرے پاس آیا اور جو کچھ اس نے آکر مجھے بتلایا وہ فلتا نہیں تھا۔

ثلاث لیل قولہ کل لیلہ
اتاک رسول من لوی ابن غالب

تین رات تک وہ مسلسل یہی بات کہتا رہا کہ تمہارے پاس لوی بنی امیہ غالب کی لولاؤ میں سے ایک

نہی آنے والے ہیں۔

نشوت من ذیل الازار
ترجمہ: چلنے کے لئے میں نے دامن سمٹا۔ اور ایک روایت کے الفاظ میں اس طرح ہے۔

فشموت عن ساقی الازار ووسط
بی الذعلب الوجاء بین السباب

میں نے روانہ ہونے کے لئے اپنا دامن اپنی پنڈلیوں کے اوپر کھینچا اور میں نے اپنی تیز رفتور ٹانگیں کو کھینچ کر جانے کے لئے لقمہ دوق صحراء میں ڈال دیا۔

فلاشہد ان اللہ لاریب غیرہ،
وانک مامون علی کل غائب

میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی پروردگار نہیں ہے اور آپ پوری ممانت دہری کے ساتھ غیب کی خبریں پہنچا رہے ہیں۔

وانک احلی المرسلین وسیلۃ
الی اللہ یا ابن الاکر مین الاطالب

ترجمہ: آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام نبیوں میں سب سے قریبی وسیلہ ہیں اے محرز اور نیک لوگوں کے بیٹے!

فمرنا بعلمنا نیک یاخیر مرسل
وان کان فیما جاء شیب اللواب

ترجمہ: اس لئے اے بہترین پیغمبر آپ کے پاس جو احکام آ رہے ہیں آپ ان کے متعلق ہمیں حکم فرمائیے چاہے ان احکام پر عمل اتنا مشکل ہی کیوں نہ ہو کہ وہ انسان کو بوڑھا کر دیں۔

وکن لی شفیعاً یوم لاخو شفاعۃ

سواک بمعن عن سواد ابن قلاب

آپ اس دن میرے مددگار اور سفارشی بن جائیے جس دن آپ کے سوا کوئی سفارشی نہیں ہوگا سوا ابن قلاب کے لئے ایک روایت میں یہ شعر اس طرح ہے۔

وکن لی شفیعاً یوم لاخو قراۃ

بمعن فیلاً عن سواد ابن قلاب

آپ اس دن میرے سفارشی بن جائیے جب کوئی رشتہ داری کام نہیں آئے گی اور سوا ابن قلاب کو کسی اور سے معمولی سا فائدہ بھی نہیں پہنچ سکے گا۔

اس کے بعد سوا نے کہا کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ میرے یہ شعر سن کر بے حد خوش ہوئے یہاں تک کہ ان کے چروں سے خوشی پھوٹی پڑتی تھی۔ (ی) یہاں تک کہ آپ ﷺ خوشی کی وجہ سے اس طرح ہنسے کہ آپ کے دانتوں کی قطار نظر آنے لگی۔ پھر آپ نے فرمایا۔

”اے سوا! تم نے فلاح اور نیک حاصل کر لی۔“

روای کہتے ہیں کہ یہ واقعہ سننے کے بعد میں نے حضرت عمر فاروق کو دیکھا انہوں نے سوا ابن قلاب کو اپنے ساتھ ہی بٹھائے رکھا اور کہنے لگے۔

”میری خواہش تھی کہ میں یہ حدیث خود تم سے ہی سنوں۔ کیا تمہارا تابع وہ جن لب بھی تمہارے

جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے تب سے وہ نہیں آتا۔ اور اس کے بدلے میں مجھے جو کچھ ملا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ میں نے جن کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب پائی ہے۔“
اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سولہ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تھے اس وقت وہاں حضرت عمر فاروق موجود نہیں تھے۔

سولہ کی اپنی قوم کو نصیحت..... آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سولہ کو ڈر ہوا کہ ان کی قوم مرتد ہو کر اسلام سے منہ موڑے۔ چنانچہ وہ اپنی قوم کے سامنے ایک روز کھڑے ہوئے اور انہوں نے یہ خطبہ دیا۔
”اے گروہ دوس! یہ بات قوم کی خوش نصیبی کی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی حالت دیکھ کر اس سے سبق حاصل کر لیں۔ جبکہ یہ قوم کی بد نصیبی کی بات ہوتی ہے کہ وہ اسی وقت چو نکس جب وہ خود ہی جلتا ہو چکے ہوں۔ جو لوگ تجربات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں وہ نقصان میں رہتے ہیں۔ جن لوگوں میں حق اور سچائی کے لئے منجائش نہیں ہوتی ان میں باطل کی صلاحیت بھی نہیں ہوتی۔ تم لوگ آج اس چیز کو خیر باد کہہ رہے ہو جسے کل تم نے دل و جان سے قبول کیا تھا! مصیبت کے ماروں کے لئے عافیت اور سکون کی قیمت ان لوگوں سے زیادہ ہونی چاہئے جو مطمئن ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ لوگوں کے مقدر میں کوئی گردش کھسی ہے لیکن اگر نہیں ہے تو پھر سلامتی پورا امن کھراستہ یہی ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کو پسند کرتا ہے تم بھی اسی کو پسند کرو۔“
لوگوں نے سولہ کی بات پر لبیک کہا اور بے چون و چرا اسے مان لیا۔

حطیمہ ثامی کا ہنہ کا واقعہ..... (ی) اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ مدینے میں ایک کاہنہ عورت تھی جس کا نام حطیمہ تھا، اس کے ایک جن تابع تھا۔ ایک دن وہ جن اس عورت کے پاس آیا اور مکان کی دیوار پر آکر ٹھہر گیا۔ اس عورت نے اس سے کہا۔

”کیا بات ہے.....؟ اندر آؤ تاکہ ہم تم باتیں کریں!“

اس نے کہا

”میں ایک نبی ظاہر ہوئے ہیں جنہوں نے زنا اور بدکاری کو حرام کر دیا ہے۔“

اس کے بعد یہ بات اس عورت نے مدینے والوں کو بتلائی۔ مدینے والوں کو آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق سب سے پہلے اسی عورت کی اس بات کے ذریعہ پتہ چلا۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق بتوں کے پیٹ سے آنے والی صدائیں

عباس ابن مرد اس کا واقعہ..... آپ کے ظہور کے متعلق بتوں کے اندر سے آوازیں سنائی دینے کے جو واقعات پیش آئے وہ بھی بے شمار ہیں ان میں ہی سے ایک عباس ابن مرد اس کا واقعہ ہے جو آپ کی پیدائش کی رات کے واقعات میں ذکر نہیں ہوا ہے۔ عباس کہتے ہیں کہ مرد اس سلمیٰ کا ایک مخصوص بت تھا جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا اس بت کا نام جلد تھا جب مرد اس کا وقت آخر ہوا تو اس نے عباس یعنی اپنے بیٹے سے کہا۔

”بیٹے احمد کی عبادت کرتے رہا اس لئے کہ یہی تمہیں فائدہ پہنچاتا ہے اور یہی نقصان پہنچاتا ہے۔“
(چنانچہ عباس اپنے باپ کے مرنے کے بعد شہر کی پوجا کرنے لگے ایک روز جبکہ وہ شہر کے پاس
عبادت کرنے گئے تو اچانک انہیں اس بت کے پیٹ سے کسی پکڑنے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہا تھا۔

من اللقبائل من سلیم کلہا
اودی ضمار وعاش اهل المسجد

ترجمہ: بنی سلیم کے قبیلوں کا محافظ اب کون ہو گا کہ شہر کے پوجنے والے ہلاک ہو گئے اور مسجد کو آباد کرنے
والوں نے زندگی پائی۔

ان الذی ورث النبوة والهدی

بعد ابن مریم من قریش مہتہ

حضرت یحییٰ ابن مریم کے بعد قریش میں سے ایک شخص ہدایت کا سرچشمہ اور ولایت بن کر آیا ہے۔

اودی ضمارو کان بعد مدۃ

قبل الکتاب الی النبی محمد

ابوہ شہادت ہلاک اور ختم ہو چکا ہے جس کو محمد ﷺ کے اوپر کتاب یعنی قرآن نازل ہونے سے پہلے ایک زمانے
تک پوجا جاتا تھا۔

چنانچہ اس کے بعد ہی عباس نے شہریت کو چلا کر تباہ کر دیا اور خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر آپ سے آٹے
عباس ابن مرداس کے متعلق ایک روایت اس طرح ہے کہ ایک روز دو پہر کے وقت وہ اپنے لونٹوں
کے گلے کے ساتھ تھے کہ اچانک انہیں ایک سولہ نظر آیا جو ایک سفید رنگ کی لونٹی پر سولہ تھا اور سفید ہی لباس
پہنے ہوئے تھا اس سولہ نے عباس سے کہا۔

”اے عباس! کیا تم نہیں دیکھتے کہ آسمان اپنی حفاظت سے رک گیا، خوں ریزی نے خود اپنے آپ کو ہی
پھونک ڈالا اور گھوڑوں نے اپنے کھڑ توڑ ڈالے وہ ہستی جس پر نیکی اور برہنہ گاری ہوتی ہے قصواء لونٹی کی مالک ہے۔“
(مرا وہیں آنحضرت ﷺ کیونکہ آپ کی لونٹی کا نام قصواء تھا) غرض عباس کہتے ہیں کہ میں یہ بات
سن کر کچھ ڈر سا گیا اور فوراً اپنے بت کے پاس آیا جس کا نام شہر تھا، ہم اس بت کی عبادت کیا کرتے تھے میں اس
بت کے گرد گھومنا اور پھر میں نے برکت کے لئے اس پر ہاتھ پھیرا اسی تھا کہ اچانک اس کے پیٹ میں سے ایک
پکڑنے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہا تھا۔

قل للقبائل من قریش کلہا

هلك الضمار و فلان اهل المسجد

ترجمہ: قریش کے تمام قبیلوں سے بتا دو کہ شہریت ہلاک ہو گیا اور مسجدوں کو آباد کرنے والے کامیاب ہو گئے۔

هلك الضمار و كان بعد مدۃ

قبل الصلاة على النبی محمد

شہریت ہلاک ہو گیا جو آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے جانے سے پہلے ایک مدت تک پوجا جاتا تھا۔

ان الذی ورث النبوة والهدی

بعد ابن مریم من قریش مہتہ

وہ محمد ﷺ ہیں جو یحییٰ ابن مریم کے بعد قریش میں سے نبوت اور ہدایت کے ولایت بن کر ظاہر ہوئے ہیں

عباس ابن مرداس کہتے ہیں کہ (یہ آواز سننے کے بعد) میں اپنی قوم بنی حارثہ کے لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچنے کے لئے مدینے کو روانہ ہو گیا۔ جب میں مسجد نبوی میں داخل ہوا اور آنحضرت ﷺ نے مجھے دیکھا تو آپ مسکرائے اور فرمایا۔
 ”اے عباس! تم اسلام کی طرف کیسے جھکے؟“

میں نے آپ کو پورا واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا کہ تو نے سچ کہا۔ اس کے بعد میں اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

مازن ابن عصبہ کا واقعہ

اسی طرح مازن ابن عصبہ کا واقعہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں عمان کے قریب ایک گاؤں میں ایک بت کا پجاری اور خلام تھا۔ اس گاؤں کو سائل یا سال کہا جاتا تھا اور اس بت کا نام باور تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام باحر تھا۔ غرض ایک روز ہم نے اس بت کے سامنے ایک جانور کی قربانی پیش کی۔ یہ قربانی یا تو عام قربانی تھی (جو مشرکین اپنے بتوں کو پیش کرتے تھے) اور یا جیسا کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ قربانی ایک خصوصی قربانی تھی جو صرف رجب کے مہینے میں کسی خاص مقصد کے لئے پیش کی جلیا کرتی تھی۔ غرض جیسے ہی ہم نے وہ قربانی پیش کی اسی وقت ہمیں اس بت کے پیٹ میں سے ایک آواز آئی جس کے الفاظ یہ تھے۔

”اے مازن! سن اور خوش ہو جا۔ بھلائی ظاہر ہو گئی اور برائی مٹ گئی۔ مضر کی ولاد میں سے ایک نبی کا ظہور ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کا دین لے کر آئے ہیں۔ اس لئے پھر کے ان تراشوں کو چھوڑ دے اور جنم کی آگ سے محفوظ ہو جا۔“ (اشعاد)

مازن کہتے ہیں کہ میں اس آواز کو سن کر گھبرا گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ تو بڑا عجیب معاملہ ہے۔ کچھ دن کے بعد ایک مرتبہ پھر میں نے اس بت کے لئے ایک جانور کی قربانی پیش کی۔ اسی وقت مجھے پھر بت کے اندر سے آئی ہوئی یہ آواز سنائی دی۔

اقْبِلْ اِلَيَّ اَقْبِلْ تَسْمِعْ مَا لَا تَجْهَلْ هُنَالَيْهِ مَرْسَلٌ

میری طرف دیکھو میری طرف۔ اور وہ بات سنو جس سے غفلت نہیں رہتی چاہئے۔ کہ یہ خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔

جَاءَ بِحَقِّ مَنْزِلِ اَمْنٍ بِمِثْلِ تَعَدَّلَ عَنْ حَرْوٍ لَوْ شِئِلْ

اور آسمان سے ایک سچائی لے کر آئے ہیں۔ ان پر ایمان لاؤ تاکہ تم بھڑکتی ہوئی آگ سے بچ جاؤ۔

وَقَدْ دَعَا بِالْجَدَلِ

جس جلتی ہوئی آگ کا ایدھن جندل ہے۔

یہ آواز سن کر میں نے دل میں کہا کہ یہ تو بڑا عجیب معاملہ ہے لیکن بے شک یہ کوئی نئی اور خیر ہے جو میرے نصیب میں آنے والی ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: سیرت کی بعض کتابوں میں میں نے دیکھا ہے کہ یہ بعد والے شعر ان

شعروں سے پہلے سنائی دیئے تھے جو ان سے پہلے ذکر کئے گئے ہیں اور یہ کہ ان شعروں کا ذکر کرتے ہوئے مازن نے کہا۔

”پھر مجھے (اس بت میں سے) آواز سنائی دی جو پہلی بار کی آواز سے زیادہ صاف اور واضح تھی اور یہ کہ ربی تھی۔ یا مازن اسمع تسو۔ واللہ اعلم۔“

”غرض اس کے بعد مازن کہتے ہیں کہ اسی طرح کچھ وقت گزرا تھا کہ ایک دن جاز کا رہنے والا ایک شخص ہمارے یہاں آیا۔ ہم نے اس سے پوچھا۔
”تمہارے یہاں کے کیا حالات اور خبریں ہیں؟“

اس نے کہا۔
”وہاں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جس کا نام احمد ہے جو شخص بھی اس سے ملتا ہے وہ اس سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف چلائے والے کی آواز پر لبیک کہو۔“
میں نے یہ سن کر کہا۔

”کیونکہ خبر ہے جو میں نے (بت کے اندر سے آنے والی آواز سے) سنی ہے۔“
چنانچہ اس کے بعد میں اس بت کے پاس گیا اور میں نے اس کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ پھر میں اپنی سولاری پر سوار ہو کر چلا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں میرے دل میں اسلام کے لئے گنجائش اور اشتیاق پیدا ہو گیا تھا چنانچہ میں مسلمان ہوا اور میں نے یہ شعر کہے۔

كَسَّرْتُ بِأَيْدِيَّ أَجَلًا ذَا وَكَانَ لَنَا رَبًّا لَطِيفٌ بِهِ جَلًّا بِضَلَالِ

ترجمہ میں نے بلور نامی بت کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جو کبھی ہمارا معبود تھا اور ہم اپنی گمراہی کی وجہ سے اس کے گرد گھوما کرتے تھے۔

بِأَلْفَا رَسِيٍّ هَلَالًا مِنْ ضَلَالِنَا
وَلَمْ يَكُنْ حِجَّةً شَيْنًا عَلَيَّ

ایک ہاشمی شخص کے ذریعہ ہم نے اپنی گمراہیوں سے ہدایت پائی ہے حالانکہ اس سے پہلے اس کے دین کی میرے دل میں کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔

يَا دَاكِبًا بَلَعَنَ عَمْرًا وَ اخُوْتَهَا
اَلَيْ لَمَّا قَالَ رَبِّي بَادُو قَالِي

اے سوار تو یہ بات عمر اور اسکے بھائیوں کو پہنچا دینا کہ میں اپنے رب کے حکم پر پلور سے شدید نفرت رکھتا ہوں۔
یہاں عمر و اور اس کے بھائیوں سے مرا ابنی خطاب ہے جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی۔ مگر کتاب اسد الغابہ میں (جمل مازن کی اس روایت کا ذکر ہے وہاں یہ شعر ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔

مازن کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعا..... غرض مازن کہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔

”یارسول اللہ! میں عیش و نشاط، شراب و کباب اور بدکار عورتوں کے ساتھ شب ب سری کا رسیا اور ان حرکتوں میں ڈوبا ہوا ہوں۔ یہاں بدکار عورتوں کے لئے ہلوک کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب فاجرہ عورتیں ہیں جو خود سے مردوں کی طرف جھکتی ہیں اور ہم بستر کے وقت بے حیائی کے ساتھ عشوہ مٹاتیاں

کرتی ہیں۔ ہلوک کے ایک معنی ساقط کے بھی کئے جاتے ہیں یعنی ایسی عورتیں جو شہوت پرست اور جنس زدہ ہوتی ہیں۔ (غرض ماذن نے آپ سے مزید عرض کیا کہ۔ ساتھ ہی میری دوسری عرض یہ ہے کہ) ہم پر عرصہ سے خشک سالی اور قحط مسلط ہے جس کے نتیجہ میں مال و دولت بھی ختم ہو گیا اور دھور ڈنگر اور لولاد بھی تباہ ہو رہی ہے۔ (میری تیسری عرض یہ ہے کہ) میرے کوئی لڑکا نہیں ہے اس لئے آپ میرے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ میری یہ کنز دریاں اور برائیاں دور ہو جائیں ہمیں بارش و سیرابی حاصل ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک بچہ عنایت فرماوے۔

میری یہ درخواست سن کر آنحضرت ﷺ نے میرے لئے دعا کرتے ہوئے یہ فرمایا۔
 ”اے اللہ! اس کا عیش و عشرت قرآن پاک کی تلاوت میں پیدا فرماوے۔ اس کی حرام کاری میں دلچسپی کو حلال کاموں میں پیدا فرماوے۔ شراب سے رغبت کو میٹھے پانی میں پیدا فرماوے جس میں کوئی گناہ اور برائی نہیں ہے۔ اور زنا سے دلچسپی کو پاکدامنی میں بدل دے اس کو بارش اور سیرابی سے لواز دے اور اس کو بچہ عطا فرما۔“
 دعا کی قبولیت..... ماذن کہتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کی اس دعا کی برکت سے) اللہ تعالیٰ نے میری کنز دریاں اور بد کرداریاں دور فرما دیں۔ جلد ہی مجھے قرآن پاک کا کچھ حصہ یاد ہو گیا۔ کئی حج کر لئے۔ عمان یعنی ان کا گاؤں اور اس کے آس پاس کے دوسرے علاقے سرسبز و شاداب ہو گئے۔ (پاک دامنی میری آئی کہ) میں نے چار آلود و شریف عورتوں سے نکاح کئے اور حق تعالیٰ نے مجھے لولاد کی دولت سے مالا مال کیا۔ یہاں تک کہ پھر میں یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

إِلَيْكَ رَسُولُ اللَّهِ جنت مطبوع
 تجوب القبايلي من عمان الى المرح

ترجمہ: یا رسول اللہ میری سولری آپ کی طرف عمان سے مریج تک صحراؤں کو طے کرتی ہوئی ذوق و شوق کے ساتھ آئی ہے۔

تشفع لی یاخبر من وطنی و وطنی الحصا
 فیغفر لی ذنبی وارجع بالفلج

تاکہ آپ اے کنکریوں کو روندنے والوں میں بہترین شخص میری سفارش کریں اور پھر میں مغفرت اور کامیابی کے ساتھ لوٹوں۔

الیٰ معشر خالفت فی اللہ دینہم
 ولا اہم رای ولا شرجہم شرجی

ایک ایسے قبیلے کی طرف جن کے دین کی میں نے اللہ کے لئے مخالفت کی ہے اور لب ان کی اور میری نہ رائے ایک ہے اور نہ طریقہ ایک ہے۔

و کنت امرءً بالمعمر والخمر مولما
 شباهی حتی اذن الجسم بالنهج

میں جو لڑکی میں بے اعتنا شربی اور عیاش آدمی تھا یہاں تک کہ جو لڑکی اسی میں گزردی اور لب بوڑھا ہو گیا۔

لہلنی بالخمر خوفاً و خشية
 وبا نعوها احصائاً محصن لی لرجی

لب اللہ تعالیٰ نے شراب کے بدلے میں تو مجھے اپنا خوف عطا فرمایا اور زنا کاری کے بدلے میں پاک دامنی عطا فرمائی

جس سے میری شرم گاہ محفوظ ہو گئی۔

فاصحت ہمی فی الجہاد و نبی
فی اللہ ماصولی واللہ ماحجی

اب میری نیت اور خواہشات صرف اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے ہیں اسی طرح میرے روزے اور میرا حج اللہ کے لئے ہے۔

مازن کہتے ہیں کہ (مسلمان ہو جانے کے بعد) جب میں اپنی قوم کے پاس واپس آیا تو ان لوگوں نے مجھے بہت لعنت ملامت کی اور مجھ سے نفرت کرنے لگے، انہوں نے اپنے شاعروں سے کہہ کر میری بھولور برائی میں شعر لکھوا دیے۔ میں نے خود سے کہا کہ اگر میں بھی جواب میں ان کی بھولور برائیاں بیان کر دے لگوں تو ایسا ہی ہے جیسے میں خود اپنے آپ کو ہی برا بھلا کہنے لگوں۔

آخر میں ان لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر ایک مسجد (عبادت گاہ) میں رہنے لگا جہاں ہر وقت عبادت کیا کرتا تھا۔ یہ مسجد ایسی تھی کہ جو مظلوم شخص بھی اس میں آکر تین دن عبادت کر کے اپنے دشمن اور ظالم کے خلاف دعا مانگ لیتا تھا تو اس کی دعا قبول ہو جاتی تھی۔ اسی طرح کوئی پہلے یا کوڑھی اگر یہاں آکر دعا مانگ لیتا تھا تو فوراً اس کو شفا اور صحت حاصل ہو جاتی تھی۔

غرض کچھ ہی عرصے کے بعد (میری خاموشی اور یکسوئی دیکھ کر) میری قوم کے لوگ اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے اور میرے پاس آکر انہوں نے درخواست کی کہ میں واپس بہتے میں چل کر سب کے ساتھ رہوں۔ ساتھ ہی وہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس حدیث کو کثرت بتلایا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق ذبح شدہ جانوروں کے پیٹ سے آنے والی آوازیں

رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے وقت ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ ذبح کئے ہوئے جانوروں کے پیٹ سے آپ کے متعلق آوازیں بلند ہوئیں اور لوگوں نے انہیں سنا (یہ بات واضح رہے کہ جب کسی نبی کے ظہور کا وقت آتا ہے تو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ دنیا میں عجیب اور غیر معمولی واقعات ظاہر فرماتا ہے جو اس بات کی علامت ہوتے ہیں کہ دنیا میں کوئی نیا اور غیر معمولی واقعہ ہونے والا ہے۔ ایسے عجیب اور غیر معمولی واقعات کو شریعت کی اصطلاح میں ابراہیات کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق سیرت حلبیہ اردو کے گزشتہ اجواب میں کچھ تفصیل گزر چکی ہے)۔

حضرت عمرؓ کا واقعہ..... ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے جسے حضرت عمر فاروقؓ نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم قبیلہ قریش کے ایک محلے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہاں رہنے والے خاندان کو آل ذریح کہا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے ایک بچہ ذریح کیا ہوا تھا اور قصائی اس کا گوشت بندھا تھا کہ اچانک اس بچہ کے پیٹ میں سے ہمیں ایک آواز سنائی دی۔ حالانکہ بولنے والے کا کہیں پتہ نہ تھا وہ آواز یہ کہہ رہی تھی۔

”اے آل ذریح! ایک زبردست واقعہ پیش آرہا ہے۔ پکارنے والا پکار رہا ہے۔ اور بہت فصیح انداز میں گویا دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود اور عبادت کے لائق نہیں ہے۔“

خود ذریح کے معنی سرخ کے ہیں (لہذا ذریح سے مراد ذریح کیا ہوا بچہ ہے) کیونکہ وہ خون میں لتھڑا ہوا

ہوتا ہے چنانچہ عربی میں گمرے سرخ رنگ کو اتر ذریجی کہا جاتا ہے۔
بخاری میں اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

اے جلیج! ایک بڑا واقعہ پیش کر رہا ہے پکارنے والا پکار رہا ہے اور ایک فصیح و شائستہ آدمی کو ایسی دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔
یہاں جلیج سے مراد بھی ذبح کیا ہوا چھڑا ہے کیونکہ جلیج کھلی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اور ذبح کئے ہوئے چھڑے کی کھال اتار کر اس کا گوشت پوست بھی کھول دیا جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق فضائیں پیدا ہونے والی غیبی آوازیں

آپ کے ظہور کے وقت ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ اچانک فضائیں آوازیں سنائی دیں یعنی نہ تو کامن نے کہیں اور نہ بتوں اور ذبح کئے ہوئے جانوروں کے پیٹ سے ابھریں۔ چنانچہ ایسی روایتیں بھی بہت سی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔
”یارسول اللہ! میں نے قس کی ایک بڑی عجیب بات دیکھی ہے ایک دفعہ رات کے وقت میں اپنے ایک لونٹ کی تلاش میں جا رہا تھا یہاں تک کہ رات ڈوبنے لگی اور صبح بھوکت قریب آگیا۔ اچانک مجھے ایک پکارنے والے کی آواز سنائی دی جو یہ کہہ رہا تھا۔

يَا أَيُّهَا الرَّاقِدُ فِي اللَّيْلِ الْإِحْم
لَقَدْ بَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا بِالْحَرَمِ

ترجمہ: اے تھریک رات میں سونے والے اللہ تعالیٰ نے حرم میں ایک نبی ظاہر فرمایا ہے۔

مِنْ هَاشِمٍ أَهْلِ الْوَلَاءِ وَالْكَرَمِ
يَجْلُو دُجَنَاتِ اللَّيْلِ وَالْبَهَمِ

ترجمہ: جس کا تعلق اس قبیلہ بنی ہاشم سے ہے جو دعا اور کرم میں مشہور ہیں جو تاریکیوں کو دور کر دے گا۔
یہ آوازیں کر میں نے اپنے چاروں طرف دیکھا مگر مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔ تو میں نے جواب میں یہ شعر پڑھے۔

يَا أَيُّهَا الْهَاقِفُ فِي رَاجِي الظُّلَمِ
أَعْلًا وَمَسْهُلًا بِكَ مِنْ طَيْفِ الْمَمِّ

ترجمہ: اے رات کے اندھیروں میں آواز دینے والے اس خبر پر تجھے خوش آمدید جو تولے کر گیا ہے۔

بَيْنَ هَذَاكَ اللَّهُ فِي لَحْنِ الْكَلَمِ
مِنْ فَاءِ الَّذِي تَدْعُو إِلَيْهِ يَغْتَمِ

اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت دے تو یہ بات بتا کہ وہ کیا چیز ہے جس کی طرف تو دعوت دیتا ہے۔

اسی وقت مجھے کھانکھانے اور گھاساف کرنے کی آواز آئی اور کسی کہنے والے نے کہا۔

”نور ظاہر ہو گیا اور سینہ زوری کا دور ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو خوشی و سرور دے کر ظاہر فرمایا جو شریف و معزز خاندان سے ہیں۔ جو ہجرت یعنی عظمت و اعزاز اور خود یعنی قوت و طاقت والے ہیں۔ سرخ و سفید چرے والے ہیں۔ روشن پیشانی والے ہیں۔ گری سیاہ آنکھوں والے ہیں۔ جن کا کلمہ اشہد ان لا اله الا اللہ ہے۔ یہ وہی محمد ﷺ ہیں جو کالے اور گورے تمام انسانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں اور عرب اور عجم کی رہنمائی کے

لئے ظاہر ہوئے ہیں۔

اس کے بعد اس عجیبی کو آنے سے شعر پڑھے۔

الحمد لله الذي - لم يخلق الخلق عبثا -

فينا احملنا - عجز نبي قلدت

ترجمہ: تمام قرینیں اسی ذات ہادی کے لئے ہیں۔ جس نے مخلوق کو بیکار پیدا نہیں کیا۔ جس نے ہمارے درمیان احمد کو بھجلا جو سب سے افضل و بہترین نبی بن کر ظاہر ہوئے ہیں۔

صلى عليه الله ما - حج له ركب وحش

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت بھیجیں جب تک کہ سوار اور پیدل حج کرتے رہیں۔

اسی واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزہ کے شاعر نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وتفتت صلحه الجن حتى

اطرب الانس منه ذاك القناء

مطلب..... یعنی جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے بہترین اوصاف اور خوبیوں کو ایک دل موہ لینے والے اور دلکش ترانے کی صورت میں ظاہر فرمایا وہ ترانہ اتنا دلکش تھا کہ اس نے اپنا نغمہ جنوں کے علاوہ دوسروں تک بھی پہنچایا یہاں تک کہ اس نغمے کا رس جنات کے ذریعہ جب انسان کے کان تک پہنچا تو اس نے اس کو بھی بے خود اور بے شمار کر لیا۔

فمن ابن ساعدہ سے ایک عجیب ملاقات..... غرض اس کے بعد صبح ہو گئی۔ اچانک میں نے ایک بہترین لونٹ دیکھا جو مستی میں منہ سے جھاگ نکال رہا تھا میں نے جلدی سے بڑھ کر اس کی لگام پکڑ لی اور اس کے کوہان پر سوار ہو کر اسے ہنگامی آخر چلتے چلتے جب دھک گیا تو ایک سرسبز باغ میں جا کر بیٹھ گیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک درخت کے سائے میں فخر ابن ساعدہ لیادی بیٹھے ہوئے ہیں ان کے ہاتھ میں صواک کی ایک لکڑی ہے جس سے وہ زمین کرید رہے ہیں اور یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔

فلما عى الموت والمملوح فى حلت

عليهم من بقايا بزم خرق

ترجمہ: اے موت کی خبر دینے والے اور وہ لوگ جو قبروں میں محو آرام ہیں جن کے کفن بھی بزم ریزہ ریزہ

ہو چکے ہیں۔

وعهم فان لهم يوما يصاح به

فهم اذا انتهبوا من نومهم فرفوا

ان لوگوں کو یعنی ان مردوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اب اگر انہیں

ان کی نیند سے جگایا گیا تو وہ ڈر جائیں گے کہ شاید صلب کا دن آپہنچا۔

حتى يعود وابهال غير حالهم

خلقا جديدا كما من قبله خلقوا

ترجمہ: ان کو ایک ایسی حالت پر پہنچایا گیا ہے جو ان کی پچھلی حالت کے خلاف ہے اور وہ ایک نئی زندگی میں پہنچ

گئے جیسا کہ اس سے پہلے عدم سے وجود میں آئے تھے۔

منهم عرافة و منهم فى ثيابهم

منها الجديد و منها المنهج الخلق

ان مردوں میں سے بعض تو اپنے کفن کے گل جانے کے بعد رہنے ہو گئے ہیں اور بعض ابھی کفن لئے ہوئے ہیں۔ بعض کے کفن ابھی تھے ہیں اور بعض کے بوسیدہ ہو چکے ہیں۔

رہلوی کہتے ہیں کہ یہ شعر سن کر میں قس کے قریب پہنچا اور ان کو سلام کیا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ اسی وقت میری نظر اٹھی تو میں نے دیکھا کہ وہاں ایک پانی کا چشمہ ہے جس میں پانی کے بننے کی دھیمی آواز آ رہی تھی۔ وہیں دو قبروں کے درمیان ایک مسجد تھی اور دو سمت بڑے اور خوفناک شیر کھڑے ہوئے تھے جو اس کو اپنی پناہ میں لئے ہوئے تھے۔ اسی وقت ان دونوں شیروں میں سے ایک پانی پینے کے لئے چشمے کی طرف بڑھا تو دوسرے شیر نے بھی پانی پینے کے لئے اس کے پیچھے چلتا چلا۔ اسی وقت قس نے اس کے وہ چھری ہلدی جو ان کے ہاتھ میں تھی اور ڈانٹ کر اس سے کہل۔

”واپس جا۔ تیرا براہو۔ پہلے آگے جانے والے کو سیراب ہونے دے۔“

دوسرا شیر فوراً لوٹ گیا اور پہلے جانے والے کے واپس آنے کے بعد گیا۔ آخر میں نے قس سے پوچھا

”یہ دو قبریں کس کی ہیں؟“

قس نے کہا

”یہ میرے دو بھائیوں کی قبریں ہیں جو اسی جگہ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے، انہوں نے کبھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کیا۔ (ی) ان میں سے ایک کا نام سمعون تھا اور دوسرے کا اسمعان تھا (جن کے مطلق پیچھے گزرا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھے، آخر ایک دن ان دونوں کو موت نے آلیا۔ میں نے ان دونوں کی یہاں قبریں بتائیں اور اب میں خود ان دونوں قبروں کے درمیان رہتا ہوں تاکہ ایک دن میں بھی ان دونوں سے جا ملوں۔“

اس کے بعد پھر قس نے ان دونوں قبروں کی طرف دیکھا اور کچھ شعر پڑھے۔

یہ سارا واقعہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس رہلوی سے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ قس پر رحمت فرمائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو (اس کی نیکی اور عبادت

گزارہی کی وجہ سے) قیامت میں ایک پوری امت کے برابر درجے میں اٹھائے گا۔“

اصل یعنی کتاب عیون الاثر میں قس کے واقعے کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔

وعنه اخبر قس قومہ فلق

حلی مسامعہم من ذکرہ شفا

ترجمہ: قس نے اپنی قوم کے سامنے آنحضرت ﷺ کا تذکرہ کیا ہے جو انکو لچپ مذکرہ تھا کہ سننے والے اس سے بہت لطف اندوز ہوئے۔

جب قس کی وفات ہوئی تو ان کو ان ہی (دونوں کی قبروں کے پاس دفن کیا گیا۔ یہ تینوں قبریں اب ایک گاؤں میں ہیں جس کا نام ردھین ہے۔ یہ گاؤں حلب کے دیہات میں سے ہے ان قبروں پر مقبرہ بنوایا گیا ہے اور لوگ ان کی زیارت کے لئے وہاں جاتے ہیں۔ اس زیارت گاہ کی آمدنی کے لئے بہت سے لوگ قاف ہیں اور درگاہ پر بہت سے مجاور اور خادم رہتے ہیں۔

قوم حشم کا واقعہ..... اسی طرح ایک واقعہ علامہ واقفی نے اپنی ایک سند سے ذکر کیا ہے جسے حضرت ابوہریرہؓ

پہچان کرتے ہیں کہ ایک مرتد بنی ختم کے لوگ ایک بت کے پاس بیٹھے ہوئے اس بت سے اپنے کسی جھگڑے کا فیصلہ مانگ رہے ہیں۔ ابھی یہ لوگ وہاں بیٹھے ہوئے ہی تھے کہ اچانک انہیں فضا میں کسی پکارنے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہی تھی۔

یا ایہا الناس ذوالا جسام
ومستندو الحکم الی الامنام

ترجمہ: اے جسم اور عقل و شعور رکھنے والے لوگو! تم نے اپنے معاملات ان چتر کے بے جان اور بے حس بتوں کے حوالے کر دیئے۔

اماترون ما اری امامی
من ماطع و جلود جی الظلام

کیا تم ایسے دھندلی کو نہیں دیکھ رہے ہو جسے میں اپنے سامنے پدا ہوں اور جو اندھیروں کو مٹاتی جا رہی ہے۔

فاک لیتی متد الانام
من هاشم فی ذرۃ السنم

وہ بنی آدم کے سردار اور عظیم نبی ہیں۔ جو بنی ہاشم کی معزز نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

مستعلن بالبدل الحرام
جاء عیظا لکھر بالاسلام

وہ نبی اس محترم شہر میں اپنی نبوت کا اعلان کر رہے ہیں اور گمراہوں کو اسلام کے ساتھ ہدایت دینے کے لئے آئے ہیں۔

اگر وہ الرحمن من امام..... اور جن کو اللہ تعالیٰ نے شروع سے ہی بڑے اعزاز عطا فرمائے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر تک وہ لوگ ان شہروں کو دہراتے رہے اور جب ان کو یاد ہو گئے تو وہ لوگ وہاں سے اٹھ گئے۔ ابھی اس واقعہ کو تین دن بھی نہ گزرے تھے کہ اچانک انہیں خبر ملی کہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ ظاہر ہوئے ہیں۔ (ی) یعنی اس سے پہلے وہاں کوئی آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا بلکہ اس واقعہ کے ایک دو دن بعد بالکل اچانک انہیں آپ ﷺ کے ظہور کا حال معلوم ہوا۔ پھر بھی عمومی قوم کے یہ لوگ فوراً ہی مسلمان نہیں ہوئے بلکہ کافی عرصہ کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا۔

زل ابن عمر و عذری کا واقعہ..... اسی طرح کا ایک واقعہ زل ابن عمرو عذری کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بنی عذرہ کا جو یمن کا ایک قبیلہ تھا، ایک بت تھا جس کا نام خمام تھا۔ یہ قبیلہ اس بت کی بہت عزت و عظمت کرتا تھا مگر یہ بت بنی ہند ابن حرام کا تھا اور اس بت کے خلام کا نام طارق تھا۔ اس طارق (کے حالات معلوم نہیں ہو سکے اس) کے بارے میں کتب نور میں بھی یہ لکھا ہے کہ نہ تو اس کے حلق تھیلیات معلوم ہو سکیں اور نہ یہ پتہ چل سکا کہ آیا یہ مسلمان ہوا تھا یا نہیں۔ غرض یہ لوگ اس بت کے سامنے اکثر جانوروں کی قربانیاں پیش کرتے تھے۔ اسی زمانے میں جب رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہو چکا تھا ہم نے ایک دن ایک آواز سنی جو یہ کہہ رہی تھی۔

”اے بنی ہند ابن حرام حق اور سچائی ظاہر ہو گئی۔ خمام بت تباہ ہو گیا اور اسلام نے شرک کو ختم کر دیا۔“

زل کہتے ہیں کہ اس غیبی آواز سے ہم لوگ بہت گھبرائے اور خوف زدہ ہوئے۔ پھر کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک روز پھر ہم نے اسی طرح ایک آواز سنی جو یہ کہہ رہی تھی۔

”اے طارق۔ اے طارق۔ وہ بچے نبی ظاہر ہو گئے جو صاف صاف وحی کا سلسلہ ساتھ لائے ہیں۔
تمہارے ساتھ میں ایک اچانک اور زبردست ہلچل پیدا ہوئی ہے۔ لیکن اس نبی کے مددگاروں کے حق میں سلامتی اور امن
ہے اور ان کے جھٹلانے والوں کے نصیب میں ندامت اور رسوائی ہے۔ بس اب میں قیامت تک کے لئے
رخصت ہوتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی شام ہائی وہ بت مٹ کے مل زمین پر گر پڑا۔

اب اگر یہ آواز اس بت کے اندر سے آئی تھی۔ جیسا کہ آخری جیلے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب میں
قیامت تک کے لئے رخصت ہوتا ہوں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ اس قسم میں شہر نہیں کیا جانا چاہئے
جن کا بیان چل رہا ہے (کیونکہ یہ بیان اس قسم کے واقعات کا چل رہا ہے جن میں آنحضرت ﷺ کے متعلق
اچانک فضاؤں میں کوئٹیں گونجیں۔ کسی بدعت، تحریکات اور ذن شدہ جانور کے اندر سے نہیں ابھر سکتی۔ لیکن
اگر اس واقعہ میں بھی سراوی کی ہے کہ یہ آواز حمام بت کے اندر سے نہیں آئی تھی بلکہ فضا میں سے سنائی دی تھی
تو پھر اس جگہ اس واقعہ کا ذکر ٹھیک ہو جاتا ہے۔

غرض زلزلہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں نے فوراً ایک لونٹنی خریدی اور اس پر سوار ہو کر اپنی قوم
کے کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں پہنچ کر میں نے یہ شعر

پڑھا۔

ایک رسول اللہ اعلمتها انصھا
النص هو الغلبة فی السیر

ترجمہ: یا رسول اللہ! میں نے اپنی لونٹنی کو روک لیا جس کی منزل آپ ہی تھی۔

اکھلا حونا وقورا من الرمل
لأنصر خیر الناس قصوا موزدا

میں اس لونٹنی پر لوٹنے لوٹنے اور تیلے تیلے عبور کر کے آیا ہوں تاکہ میں سب سے بہترین انسان یعنی آپ کی
زیادہ سے زیادہ فائدہ کروں۔

واحد حلا من حالک فی حبلی
واشهد ان اللہ لا غیرہ

اور تاکہ آپ سے ایک مضبوط اور پختہ عہد کروں اور گواہی دوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

ما اقلقت قلعتی

میرے جوتوں نے مجھے آپ تک پہنچنے میں بالکل نہیں تھکایا۔

حمیم داری کا واقعہ..... اسی طرح کا ایک واقعہ حمیم داری کا ہے ان کا لقب البورقہ قرار دیا گیا کیونکہ ان کی بیٹی کا نام تھا اور
اس بیٹی کے سوانح کے کوئی لولاد نہیں تھی رسول اللہ ﷺ نے دجال کے متعلق دجال کے ساتھ جسامہ کا واقعہ
ممبر پر کھڑے ہو کر ان ہی کے حوالے سے بیان کیا اور فرمایا کہ مجھے حمیم داری نے بتلایا۔ اس کے بعد آپ نے وہ
قصہ بیان فرمایا۔

اسی کی بنیاد پر بعض علماء نے لکھا ہے کہ بڑوں کا اپنے چھوٹوں سے۔ روایت بیان کرنے کا جو اصول
محدثین ثابت کرتے ہیں یہ اس کی سب سے بہترین مثال ہے۔ اسی اصول کی بنیاد کے طور پر ایک یہ واقعہ بھی

پیش کیا جاتا ہے جو اس طرح ہے کہ ایک دن حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا۔

”کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی دعا سنی ہے؟“

حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کی بتائی ہوئی ایک دعا..... ”میں نے آنحضرت ﷺ سے ایک دعا سنی ہے جو آپ ہمیں بتایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ دعا اپنے اصحاب کو سکھایا کرتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ۔ ”اگر تم میں سے کسی پر ایک سونے کے پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو (اور وہ اس دعا کو پڑھتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس شخص کے اتنے زبردست قرض کو بھی لو اکروے گا۔“

پھر آپ نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کی وہ دعا یہ تھی۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْ أَلْهَمَ كَاشِفَ الْغَمِّ، مُجِيبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّينَ بِرَحْمَتِكَ الْوَدَّاعَةِ

وَالْآخِرَةُ رَوْحُهُمَا أَلَّتْ تَرْجُمَتِي فَأَرْجُمَنِي بِرَحْمَتِكَ الْوَدَّاعَةِ بِهَا عَنْ دَحْمَةَ بْنِ سُوَاكَةَ (حدیث)

ترجمہ: اے اللہ! غموں کے کھولنے والے، پریشانوں کے دور کرنے والے، بے چکن لوگوں کی دعاؤں کے قبول والے ہو نیلاور آخرت دونوں عالموں میں میری طور پر رحم کرنے والے۔ تو ہی مجھ پر رحم فرماتا ہے۔ پس مجھ پر رحم اور رحمت فرما جو ایسی زندہ دست اور بے پناہ رحمت ہو کہ جو تیرے سوا دوسروں کی مہربانیوں اور منت پذیریں سے مجھے مستغنی اور بے پروا کر دے۔“

(اسی دعا کی تاثیر کے سلسلے میں) حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ مجھ پر کچھ قرض تھا۔ اس قرض کی لو انگلی میرے لئے دشوار ہو رہی تھی۔ میں نے اسی دوران میں یہ دعا پڑھی جس کی برکت سے وہ قرض لو اکرتا میرے لئے آسان ہو گیا۔

حضرت حمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہوا اس زمانے میں ملک شام میں تھا اسی دوران میں ایک دن اپنے کچھ کاموں کے سلسلے میں وہاں سے روانہ ہوا سفر میں مجھے رات ہو گئی (چونکہ بہت لوگ تنہا بھی سفر میں جایا کرتے تھے اور رات ہونے پر وہ اکیلے ہی صحراؤں اور جنگلوں میں رات گزارا کرتے تھے جہاں ان کو جنات سے خطرہ رہتا تھا اس لئے وہ لوگ ایسے موقعہ پر جہاں بھی ٹھہرتے تو اس طرح کی دعا پڑھ کر ٹھہرتے تھے کہ میں اس جگہ کے جن یا یہاں کی طاقتور ترین ہستی یا یہاں کے مالک کی پناہ لے کر ٹھہر تا ہوں۔ اس طرح ان کو اطمینان ہو جاتا تھا کہ اب ہم یہاں کے جن کی پناہ میں آگئے ہیں اور وہ ہمیں پریشان نہیں کرے گا۔ چنانچہ حمیم داری کہتے ہیں کہ رات گزارنے کے لئے میں ایک دلولی میں ٹھہرا (لوں) میں نے یہ دعا پڑھی۔

”میں اس دلولی کے مالک یعنی بوے جن کی پناہ اور امان میں یہاں ٹھہر تا ہوں۔“

اس کے بعد جب میں وہیں ایک جگہ سونے کے لئے لیٹا تو اچانک مجھے کسی پکارنے والے کی آواز آئی جبکہ بولنے والا کہیں نظر نہیں آیا۔ وہ آواز یہ کہہ رہی تھی۔

”تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں جنات کو کسی کو پناہ دینے کی مجال

نہیں ہے۔“

یہ آواز سن کر میں نے کہا
”اس بات سے تیری کیا مراد ہے؟“

اس پر یہ جواب سنائی دیا۔

”یہ کہ رسول اُمّی ظاہر ہو چکے ہیں اور ہم یعنی جنّت جوں کے مقام پر ان کے پیچھے نماز پڑھ چکے ہیں۔ یہ جنّوں کے کافرستان تھا جس کو مظلّۃ بھی کہا جاتا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ہم جنّت ان و تبرّیر ایمان لائے ہوئے ہیں اور ان کے پیروین گئے ہیں۔ اب جنّت کا قریب ختم ہو گیا ہے (یعنی اب وہ لوگ آسمانوں کے قریب جا کر چھپ چھپ کے جہاں کی ٹوٹی پھوٹی خبریں نہیں سن سکتے جو وہاں کے جنّوں کو بتلایا کرتے تھے اور اس طرح لوگ کا جنّوں اور جنّوں کو غیب داں سمجھتے تھے) کیونکہ جنّت کو رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے وقت سے آسمانوں تک پہنچنے کی ممانعت ہو گئی ہے اور ان کو اب (ستارے اور شہابِ ملامد کہ وہاں سے بھگایا جاتا ہے۔ اس لئے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جالور مسلمان ہو جا۔“

حیم دہلوی کہتے ہیں کہ (یہ آواز سن کر میں رات بھر اسی کے متعلق سوچتا رہا آخر) صبح ہوئی تو دیر ایوب میں جو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ تھی وہاں گیا اور میں نے راہب سے یہ سارے واقعہ سنائے۔ یہ سن کر اس نے کہا۔ ”انہوں نے یعنی جنّت نے تم سے ٹھیک کہا ہے۔ ہم اپنی کتابوں میں یہ ذکر پاتے ہیں کہ وہ نبی حرم یعنی کے میں ظاہر ہوں گے اور ان کی ہجرت کاہِ حرم یعنی مدینہ ہوگی۔ اور یہ کہ وہ سب سے بہترین نبی ہوں گے۔ اس لئے پہلی فرصت میں ان کے پاس پہنچو۔“

حیم دہلوی کہتے ہیں کہ راہب کی بات سن کر میں نے فوراً ہی سفر کا انتظام کیا۔ یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔“

اس روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حیم دہلوی آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے کے میں مسلمان ہوئے ہیں۔ لیکن اس بارے میں اختلاف ہے اگرچہ ایک جگہ تو اسی روایت کے آخر میں یہ لفظ تک صاف صاف موجود ہیں کہ۔ پھر میں مکہ گیا اور آنحضرت ﷺ سے ملا۔ اس وقت آپ چھپے ہوئے تھے میں فوراً آپ پر ایمان لے آیا۔ مگر بعض محدثوں نے لکھا ہے کہ یہ روایت غلط ہے کیونکہ حیم دہلوی حقیقت میں ۹ھ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

بنی حیم کے ایک شخص کا عجیب واقعہ..... (قال) اسی طرح نضاؤں میں آنحضرت ﷺ کے متعلق آوازیں بلند ہونے کا ایک واقعہ اور ہے جس کو حضرت سید ابن خضرؒ نے بیان کیا ہے کہ بنی حیم کے ایک شخص نے اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا۔

”میں ایک رات ریگستان میں سفر کر رہا تھا کہ اچانک مجھ کو نیند آنے لگی۔ میں نے اپنی سولہی سے اتر کر اس کو ایک طرف بٹھا دیا اور خود پر کر سو گیا۔ سونے سے پہلے میں نے حفاظت کے لئے یہ دعا پڑھی۔
”میں جنّت سے اس دہلوی کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں۔“

اس کے بعد میں سو گیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں ایک پیچھا لے لے ہوئے ہے اور اس کو میری بوتلی کی گردن پر ملا رہا ہے۔ اسی وقت گھبرا کر میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے جلدی سے چاروں طرف دیکھا مگر مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔ میں نے سوچا کہ یہ پریشان خیالی کے خواب ہیں اس لئے میں نے

پھر وہی دعا پڑھی اور دوبارہ پڑ کر سو گیا۔ مگر اس دفعہ پھر میں نے ویسا ہی خواب دیکھا اور یہ کہ میری لونٹنی کانپ رہی ہے غرض میں تیسری بار پھر سو گیا تو پھر میں نے وہی سب کچھ دیکھا۔ میں فوراً جاگ اٹھا اور دیکھا کہ میری لونٹنی بے چین اور گھبراہٹ ہوئی ہے۔ میں جوں ہی لونٹنی کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے ایک نوجوان آدمی کو وہاں کھڑے ہوئے دیکھا جو ہو ہو دیا ہی تھا جیسا آدمی مجھے خواب میں نظر آیا تھا۔ اس نوجوان کے ہاتھ میں ایک ہتھیار بھی تھا۔ ساتھ ہی مجھے ایک بوڑھا شخص بھی نظر آیا جو اس نوجوان کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اور اس کو میری لونٹنی کے پاس جانے سے روک رہا تھا۔ اسی بات پر ان دونوں میں کشاکش اور کھینچ پھینچ مچ رہی تھی۔ ابھی یہ دونوں جھگڑ رہے تھے کہ اچانک تین وحشی ساٹھ ظاہر ہوئے ان کو دیکھتے ہی اس بوڑھے شخص نے اس نوجوان سے کہا۔ ”آؤ۔ میر پناہ میں آئے ہوئے اس انسان کی لونٹنی کے بدلے میں تم ان تینوں ساٹھوں میں سے کوئی بھی لے لو۔“

یہ سن کر وہ نوجوان بڑھلا اور اس نے ان میں سے ایک ساٹھ پکڑ لیا اور اسے لے کر وہاں سے چلا گیا۔ اب اس نوجوان کے جانے کے بعد وہ بوڑھا شخص میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ ”نوجوان! آئندہ تم جب بھی کسی ولوی میں رات کے وقت پہنچو اور وہاں ہمیں ڈر محسوس ہو تو تم یہ دعا پڑھا کر۔“

”اس ولوی کے خطرات سے میں عمر بھر کے پروردگار اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا ہوں۔“
 تم اب جنت میں سے کسی کی حفاظت مت مانگا کرو اس لئے کہ جنوں کا ذرا ب ٹوٹ چکا ہے۔“
 میں نے یہ سن کر پوچھا کہ محمد کون ہیں۔ اس نے کہا۔
 ”وہ نبی عربی ہیں جو نہ صرف مشرق والوں کے لئے ہیں اور نہ صرف مغرب والوں کے لئے ہیں!“
 میں نے پوچھا۔
 ”سن کا ٹھکانہ کہاں ہے؟“
 اس نے کہا۔
 ”نخلستان والا شرب!“

میں اسی وقت اپنی لونٹنی پر سوار ہو کر حیرت فزادی کے ساتھ روانہ ہوا۔ آخر پہنچنے پہنچ کر میں نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی۔ ابھی میں نے آپ سے کچھ بتایا بھی نہیں تھا کہ آپ نے مجھے میرا خوب سنایا اور پھر اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ میں اسی وقت مسلمان ہو گیا۔
 اس آخری حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد کا ہے۔ ظہور کے وقت کا نہیں ہے جبکہ یہاں ان واقعات کا ذکر چل رہا ہے جو آپ کے ظہور کے وقت پیش آئے۔
 ایک اور صحابی کا واقعہ..... اسی طرح کا ایک واقعہ یہ ہے جس کو ایک صحابی نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ میں اپنے لونٹوں کو چرانے کے لئے گیا۔ اس وقت ہمارا عقیدہ یہ تھا کہ جب ہم کسی ولوی میں پہنچ کر رات گزارتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے کہ۔ ہم اس ولوی کے بڑے کی پناہ مانگتے ہیں۔ غرض میں نے اپنی لونٹنی کو بھی باقاعدہ حوالہ دیا دعا پڑھی۔ اسی وقت مجھے ایک پکارنے والے کی آواز سنائی دی جو یہ کہہ رہا تھا۔
 وبعثك خد باللة ذی الجلال

ترجمہ: تجھے برائی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی پناہ مانگ جو جلال والا ہے اور حرام اور حلال کو اتار دے والا ہے۔

منزل الحرام والجلال

وروحہ اللہ ولا تبال

ماکید فی الجن من الاحوال

اللہ تعالیٰ کو ایک جان اور کوئی فکر نہ کر کیونکہ پھر جنات کے مکر اور فریب سے کوئی پریشانی پیدا نہیں ہوگی۔

الہد کمر اللہ علی الاحوال

وفی مہول الارض والجمال

تجھے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔ چاہے تو میدانوں میں ہو اور چاہے بھیانک پہاڑوں میں۔

وہار کید الجن فی سفال

الا النبی وصالح الاعمال

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جنات کا مکر و فریب پاش پاش ہو جائے گا اور اس کے نبی اور نیک عمل کے اثرات باقی رہیں

گے یہ سن کر میں نے اس پیکرِ نعل سے کہا۔

یا ایہا الثقل ماقول

ارشد عنک لیم تضلیل

ترجمہ: اے صدوے نعل لے تو کیا کہہ رہا ہے جو کچھ کہہ رہا ہے وہ درست ہے یا غلط ہے۔

جواب میں آواز آئی۔

ہذا رسول اللہ ذوالخیرات

جاء یسی وحا مہمات

یہ رسول اللہ ہیں نیکوں والے۔ جو سورۃ یسین اور وہ سورتیں لے کر آئے ہیں جن کے شروع میں تم ہے۔

وسور بعد مفصلات

یا مریا صلاہ والنزکات

نیز کچھ ایسی صورتیں جو مفصل سورتوں کے بعد ہیں جن کے ذریعہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔

ونز جو الا قوام عن ہنات

قدکن فی الاسلام منکرات

وہ خبر اپنی قوم کو برائیوں سے روکتے ہیں۔ ان چیزوں سے جو اسلام کے آنے کے بعد برائیاں بن گئی ہیں۔

میں نے یہ آواز سن کر کہا۔

”اگر کوئی شخص اس وقت میرے یہ لہجہ لے جا کر میرے گھر پہنچائے گا مگر لے لو اس شخص کے پاس حاضر ہو کر میرا بھی مسلمان ہو جاؤں۔“

جواب میں وہی آواز سنائی دئی کہ کونوں کو پہنچانے کا میں ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ میں اسی وقت ایک لونٹ پر سوار ہو کر آپ کے پاس حاضر ہوا اس وقت آنحضرت ﷺ معبر پر تشریف فرما تھے۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ میں جمعہ کے دن وہاں پہنچا جبکہ لوگ نماز جمعہ میں مصروف تھے۔ میں ابھی اپنے لونٹ کو ہاندھ رہا تھا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ مسجد سے نکل کر میرے پاس آئے اور بولے۔

”رسول اللہ ﷺ تم کو فرما رہے ہیں کہ اندر آ جاؤ۔“

میں فوراً ہی مسجد کے اندر گیا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

اس شخص نے کیا کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ۔ اس بوڑھے شیخ نے کیا کیا جس نے تمہارے لوگوں کو تمہارے گھر پہنچانے کی ذمہ داری لی تھی۔ کیا اس نے وہ لوٹ صحیح سالم ہی نہیں پہنچا دیئے؟“

جاہلیت کے زمانہ میں عربوں کا جو یہ دستور تھا کہ جب وہ کسی ہمدیک اور بھائیک دلوں میں بسر ایتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے کہ میں اس دلوں کے شریروں سے یہاں کے سردار اور بڑے کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس طرح ذکر فرمایا اور اپنے نبی کو اس کی خبر دی۔

وَاللّٰهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْيَحْنِ فَاَذُوْهُمْ وَهَفَ (پ ۹ سورہ جن ۱۸) لِّلْبَلٰئِ
ترجمہ۔ اور بہت سے لوگ آدمیوں میں ایسے تھے کہ وہ جنت میں سے بعض لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے سو ان آدمیوں نے ان جنت کی بددعا کی اور بڑھادی۔

یعنی جاہلیت کے زمانے میں لوگ جب سفر میں جاتے اور کسی بھائیک اور وحشت ناک جگہ پر نہیں پہنچ سکتے تھے تو وہ جنت سے پناہ اور ان طلب کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ اس وقت یہ کہا کرتے تھے کہ میں اس جگہ کے شریروں کی شراوت سے یہاں کے سردار اور بڑے جن کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنت کے سردار بہت ہی زیادہ سرکش اور مغرور ہو گئے کیونکہ جب انسان ان کی پناہ طلب کرتے تو وہ کہتے کہ اب ہم انسانوں اور جنوں دونوں کے سردار بن گئے ہیں۔

سردار حضر موت اور ان کے بت کا واقعہ

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے جس کو وائل ابن حجر حضری نے بیان کیا ہے۔ ان کا لقب ابوہبیدہ تھا۔ یہ حضر موت کے رئیسوں میں سے ایک تھا اور ان کا باپ وہاں کے بادشاہوں میں سے تھا۔ غرض وائل کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے میرے آنے سے پہلے ہی اپنے صحابہ کو میری آمد کی خبر دیدی تھی اور فرمایا تھا۔

”تمہارے پاس وائل ابن حجر حضر موت کی دور دورا سر زمین سے آ رہا ہے۔ اسے اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی محبت نے کر آ رہی ہے اور وہ وہاں کے بادشاہوں کی نشانی ہے۔“

وائل کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے جو بھی مجھے ملا اس نے مجھ سے کہا۔

”تمہاری آمد سے بھی تین دن پہلے رسول اللہ ﷺ ہمیں تمہارے آنے کی خبر دے چکے تھے۔“

غرض جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مر جاکہ کہ کر میرا استقبال کیا اور مجھے اپنے قریب بلایا، آپ نے مجھے اپنے برابر بٹھایا اور میرے لئے اپنی چادر بچھا کر مجھے اس پر بٹھایا پھر آپ نے مجھے یہ دعا دی۔

”اے اللہ وائل ابن حجر اور اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں برکت عطا فرما۔“

اس کے بعد آپ منبر پر چڑھے اور مجھے اپنے ساتھ کھڑا کر لیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔

”لوگو! یہ وائل ابن حجر ہیں جو حضر موت جیسی دور دورا سر زمین سے اسلام کی محبت کی خاطر آئے

ہیں۔“

میں نے عرض کیا۔

”یارسول اللہ! مجھے آپ کے ظہور کی خبر ملی تو اس وقت میں ایک بڑی حکومت کا مالک تھا مگر پھر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور رحمت تھی کہ میں نے اس سب عیش و آرام کو ٹھکر دیا اور اللہ تعالیٰ کے دین کو پسند کر لیا۔“
آپ نے فرمایا۔

”تو نے ٹھیک کہا اے اللہ! وائل ابن حجر، اس کی لولہ اور لولہ کی لولہ میں برکت عطا فرما۔“

غرض یہ وائل ابن حجر کہتے ہیں کہ میرے رسل اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا سبب یہ ہوا کہ میرے پاس ایک بہت قاضی قوت کا بٹا ہوا تھا ایک روز جبکہ میں سو رہا تھا مجھے اچانک ایک آواز آئی جو اس کمرے سے آ رہی تھی جہاں وہ بت رکھا ہوا تھا میں فوراً کھڑا کر بت کے پاس گیا اور اس کو سجدہ کیا۔ اسی وقت کسی کئے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہا تھا۔

وَأَصْبَحَ لَوَائِلُ ابْنِ حَجْرٍ . نَحَالُ يَلْدَى وَهَلِيسُ يَلْدَى

عجب ہے وائل ابن حجر جو اپنے بارے میں یہ سمجھتا ہے کہ وہ سب کچھ۔ اتنا ہے حالانکہ وہ بے خبر ہے۔

مَا فَاوَجَّحِي مِنْ نَعْتِ حَجْرٍ . لَيْسَ بَذِي نَفْعٍ وَلَا ضَرِّ

یہ کیا توقع رکھتا ہے ان پتھر کے تراشے ہوئے بتوں سے جن سے نہ کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ نقصان۔

لَوْ كَانَ ذَا حَجَرَ اطَاعَ امْرِي

کاش یہ بت پرست میری بات مانتا۔

یہ سن کر میں نے کہا۔

فصیحت کرنے والے میں نے تمہاری آواز سن لی۔ لب تم مجھے کیا حکم دیتے ہو۔“

اس نے کہا

ارجل الي يثرب ذات النخل . لئن دين الصالح المصلي

ترجمہ: تو یثرب کے نخلستانوں کی طرف جا اور اس نے نبی کا دین اختیار کر جو روزِ سر کھنے والا اور نمازیں پڑھنے والا

ہے۔

محمد النبي خير الرسل

یعنی نبی کریم ﷺ جو سب پیغمبروں میں بہترین اور افضل ہیں۔

اس کے ساتھ ہی وہ بت منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ پھر خود میں نے آگے بڑھ کر اس کو کھڑے کھڑے کر دیا۔ اس کے بعد میں بڑی تیزی کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچا اور مسجد نبوی میں داخل ہوا (جبکہ یہاں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو پہلے ہی ان کے متعلق خبر دیدی تھی)۔

اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ اگر یہ آواز (جو وائل ابن حجر نے سنی) اس بت کے اندر سے آئی تھی تو یہ واقعہ اس عنوان کے مطابق نہیں ہے جس کے متعلق واقعات ذکر ہو رہے ہیں (کیونکہ یہاں جو واقعات بیان ہو رہے ہیں وہ وہ ہیں جن میں آنحضرت ﷺ کے متعلق قصائد میں گونجنے والی ان دیکھے آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ واقعات پیچھے گزر چکے ہیں جن میں بتوں کے اندر سے آنے والی آوازیں سنیں)۔

جمال تک اس حدیث کا تعلق ہے تو اس میں وائل کے ساتھ معاویہ کا بھی ذکر ہے جس کو ہم نے طول

کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق وحشی جانوروں کے منہ سے سنی جانے والی باتیں

آپ کے ظہور کے متعلق بعض وحشی جانوروں نے بھی کلام کیا ہے۔ ایسے واقعات میں سے ایک یہ ہے جس کو حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ جزیرہ عرب میں ایک چرواہا اپنی بکریاں چرا رہا تھا کہ اچانک وہاں ایک بھیڑیا آگیا اور وہ ایک بکری پر چھٹل چڑھا بکری کو بچانے کے لئے دوڑ کر بھیڑیے کی طرف بکری کے درمیان آگیا۔ وہ بھیڑیا (بجائے چرواہے پر حملہ کرنے یا بھاگ جانے کے) اسی وقت اپنی کچھلی ناگوں پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

”کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا جو تو میرے اور اس رزق کے درمیان حائل ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا تھا؟“

یہ سن کر وہ چرواہا (خست حیران ہوا اور) کہنے لگا۔

”مجھے تو یہ حیرت ہے کہ ایک بھیڑیا مجھ سے انسانوں کی طرح بات کر رہا ہے!“

اس پر اس بھیڑیے نے کہا۔

”کیا میں تجھے اس سے بھی زیادہ حیرت ناک اور عمدہ بات بتاؤں۔ کہ رسول اللہ ﷺ جو جزیرہ کے دونوں مقامات کے درمیان میں ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو ضرب میں ہیں لوگوں کو گزشتہ واقعات کی خبریں دے رہے ہیں۔ ایک روایت کے لفظیوں میں کہ کچھلی باتیں بتاتے ہیں اور اسی طرح وہ باتیں بھی جو تمہارے بعد یعنی آئندہ زمانے میں پیش آنے والی ہیں۔!“

جانوروں کا کلام کرنا علامات قیامت میں سے ہے۔۔۔۔۔ (آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ باتیں چرواہے کے دل میں گھر کر گئیں اور وہ تحقیق اور تصدیق کے لئے) بکریاں گھر پہنچا کر مدینہ منورہ پہنچا گئے دن جب وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے اس بھیڑیے کی بات آپ سے بیان کی۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔

”چرواہا بچ کتا ہے۔ چنگ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وحشی درندے انسانوں سے کلام کریں گے (جیسا کہ قیامت کے قریب کے میں ظاہر ہونے والے جانور کا حال سیرت حلبیہ اردو کے گزشتہ باب میں بیان بھی ہو چکا ہے)۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے کہ قیامت اس وقت تک ہر گز قائم نہیں ہوگی جب تک کہ انسان سے اس کے جوتے کا تہہ تک بھی بات نہیں کرے گا۔ تمہ سے مراد وہ فیتہ ہے جو جوتے کے اوپر ہوتا ہے جیسا کہ اس کے متعلق پیچھے بھی بیان ہو چکا ہے اور اسی طرح اس کے چابک کی کاٹھ اور ایک قول کے مطابق تمہ کے ایک حصہ کو کہتے ہیں اور اس کو تلا نہیں دے گا کہ اس کے گھر والے کیا کیا کر رہے ہیں۔“

(ی) ایک روایت میں ہے کہ اس چرواہے کی بات سننے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ سب لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کی ہدایت کی جائے (جب سب لوگ آگئے تو) آپ جبرہ مباد کہ سے باہر تشریف لائے اور چرواہے کو حکم دیا کہ لوگوں کو اپنا واقعہ سناؤ۔ چنانچہ اس نے یہ واقعہ کہہ سنایا۔

ایک روایت یہ ہے کہ یہ چرواہا ایک یہودی تھا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ بھیڑیے نے چرواہے سے یہ کہا تھا۔

”مگر تو مجھ سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ یہاں اپنی بکریاں لئے کھڑا ہوا ہے اور اس عظیم نبی کی طرف توجہ نہیں دی جس سے بڑی شان کا نبی آج تک ظاہر نہیں ہوا تھا۔ جن کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور جنت کے لوگ ان کی صحابہ کو جنگیں کرتے ہوئے شوق سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ تیرے اور اس نبی کے درمیان صرف اس گھاٹی کا فاصلہ ہے۔ اس لئے جاور اللہ تعالیٰ کے لشکر میں شامل ہو جا۔“

یہ سن کر چرواہے نے کہا۔

”پھر میری بکریوں کی رکھوالی کون کرے گا؟“

بھیڑیے نے کہا۔

”جب تک تو واپس آئے ان کی رکھوالی میں کروں گا۔“

چرواہے نے اسی وقت بکریاں اس بھیڑیے کے سپرد کیں اور خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا۔

”اپنی بکریوں کے پاس واپس جاؤ تم ان کو اتنی ہی پاؤں کے جتنی چھوڑ کر آئے تھے (یعنی بھیڑیے نے ان میں سے ایک کو بھی نہیں کھلیا ہوگا)۔“

چنانچہ چرواہا وہاں واپس پہنچا تو اس نے بکریوں کو جوں کا توں پلایا (اور بھیڑیا بھی وہاں موجود تھا) پھر اس نے ایک بکری بھیڑیے کے لئے کاٹی۔

اس جگہ ایک اشکال ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی اور حضرت سعید ابن جبیر کا وہ واقعہ بھی جو اس سے پہلے بیان ہوا آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بھی بعد کے ہیں آپ کے ظہور کے وقت کے نہیں ہیں جبکہ بیان ان واقعات کا چل رہا ہے جو آپ کے ظہور کے وقت پیش آئے ہیں۔ اس چرواہے کے متعلق کتب نور میں ہے کہ میں اس کے نام سے واقف نہیں ہو سکا۔

(قال) بھیڑیوں نے بہت سے موقعوں پر انسانوں سے کلام کیا ہے ایسے تمام واقعات کی تفصیل مہری اس کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے جو بخاری کی شرح کی صودت میں ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: کتب حیات النبیان میں ہے کہ صحابہ میں جن سے بھیڑیوں نے کلام کیا ہے وہ تین ہیں۔ حضرت رافع ابن عمیر، حضرت سلمہ ابن اکثر اور حضرت دہان لوس رضی اللہ عنہم۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق درختوں سے آنے والی صدا میں

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ان سے کسی نے سوال کیا۔ ”کیا اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی بھی دیکھی تھی؟“

حضرت ابو بکر نے جواب دیا۔

”ہاں۔ جاہلیت کے زمانے میں ایک دن میں ایک درخت کے سائے میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس کی شاخیں مجھ پر جھکنے لگیں یہاں تک کہ ایک شاخ جھک کر بالکل میرے سر تک آگئی۔ میں سر اٹھا کر اس کی طرف (جبرائی سے) کوکینے اور کہنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اسی وقت مجھے اس درخت میں سے اواز آئی۔
”یہ نبی فلاں فلاں وقت میں ظاہر ہوں گے اس لئے تم ان کی طرف بڑھنے میں سب سے زیادہ خوش نصیب بننے کی کوشش کرنا۔“ واللہ اعلم۔

شہاب ثاقب کے ذریعہ آسمانی خبروں کی سُن گُن لینے پر پابندی

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے ظہور اور نبوت کا وقت آگیا تو شیطانوں کو آسمانوں کی خبریں سننے سے روک دیا گیا اور آسمان میں جن جگہوں پر یہ شیاطین جا کر بیٹھے اور سُن گُن لیتے تھے ان کو وہاں تک پہنچنے سے روکنے کے لئے سترے مار مار کر روکا جانے لگا۔ چنانچہ جنات اس تبدیلی سے سمجھ گئے کہ انہوں میں ضرور کوئی نئی بات ظہور میں آئی ہے۔

جب آپ کا ظہور ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ جب شیاطین کو آسمانی خبروں کی سُن گُن لینے سے روک دیا گیا تو انہوں نے کہا۔
وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَا حُرْمًا خَلِيقًا وَشَهْنًا وَإِنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَسْمَعِ الْآنَ يَجِدِلْهُ يَهْأَنُ صَوْنًا

الآیہ نمبر ۲۹ سورہ جن ۱

ترجمہ:- اور ہم نے آسمان کی خبروں کی تلاشی موافق عادت سابقہ کے لیٹا چلا سو ہم نے اس کو سخت پھروں یعنی محافظ فرشتوں اور شعلوں سے بھر اہول پایا۔ اور اس کے قبل ہم آسمان کی خبریں سننے کے موقعوں میں خبر سننے کے لئے جا بیٹھا کرتے تھے، سو جو کوئی اب سنتا چاہتا ہے تو اپنے لئے ایک تیار شرط پاتا ہے۔

شیاطین سے آسمانوں کی حفاظت..... یعنی جب ہم نے آسمانوں میں ہونے والی باتوں کی سُن گُن لینے کی کوشش کی تو ہم نے دیکھا کہ آسمان کی زبردست حفاظت کی جا رہی ہے اور نہایت طاقتور فرشتے اس کی پاسبانی کر رہے ہیں اور سُن گُن لینے والوں کو شاہیوں اور ستاروں سے مار مار کر بھگایا جا رہا ہے جبکہ اس سے پہلے ہم وہاں بیٹھ کر آسمانوں میں ہونے والی باتوں کی سُن گُن لے لیا کرتے تھے۔ اب یہ حال ہے کہ جو بھی وہاں کی باتیں سنتا چاہتا ہے تو اس پر ستاروں کی بو چھاڑ پڑتی ہے جس کے لئے وہ ٹکڑوں کو اپنی گھاٹ میں بیٹھا ہو لپاتا ہے۔ اگر ان جنات میں سے کوئی آہنگی اور چوری سے بھی وہاں پہنچ کر کچھ خبریں لیٹا چاہتا ہے تو بھی (آسمانوں کی زبردست نگرانی کی وجہ سے) وہ شاہیوں اور ستاروں کی بو چھاڑ اپنے پیچھے آتی ہوئی پاتا ہے جو اس کا کام تمام کر دیتی ہے یا اس کا چہرہ جھلس دیتی ہے اور یا اس کے ہوش و حواس ختم کر دیتی ہے تاکہ وہ کانہوں کے پاس پہنچ کر ان کو کچھ نہ سنا سکے۔ یہ سب انتظامات اور پاسبانی اس لئے ہے تاکہ ان شیطانی خبروں کی وجہ سے وحی کے نازل ہونے کے زمانے سے لے کر اس کے پورا ہونے اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت تک لوگوں کو وحی کے متعلق کہیں کوئی مبالغہ نہ ہو سکے۔ یعنی تم عقل اور کم سمجھ لوگوں کے دماغوں میں وحی اور ان کانہوں کی خبروں کی وجہ سے

کوئی شبہ نہ پیدا ہو سکے اور یہ نہ سمجھیں لگیں کہ کمانت پھر شروع ہو گئی ہے جس کی بنیاد چوری چھپے سنی ہوئی آسمانی خبروں پر ہوتی ہے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ کا معاملہ ختم ہو چکا ہے۔ اس لئے حکمت کا خاتمہ بھی تھا کہ آسمانوں کی حفاظت آپ کی زندگی یعنی وحی کے زمانے میں بھی ہو اور آپ کی وفات کے بعد بھی ہو (کیونکہ اسلامی شریعت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وحی کا فیضان جاری رہے گا) چنانچہ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہے۔

”آج کے بعد کمانت کبھی نہیں ہوگی۔“

(خلاصہ یہ ہے کہ ستاروں کے ذریعہ جنت اور شیاطین کو مارنے اور آسمانوں سے دور رکھنے کا سلسلہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کے وقت سے شروع ہوا جس کی حکمت اور مصلحت یہ تھی کہ وحی کے زمانے میں اور اس کے بعد کے دور میں بھی اگر کمانوں کی طرف سے بھی شیطانی خبروں اور پیشین گوئیوں کا سلسلہ جاری رہا تو لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں طرح طرح کے شبہ اور شک سر ابھاریں گے اور کم سمجھ لوگوں کو خاص طور پر مضبوطی پیدا ہوں گے۔)

ستارے ٹوٹنے پر عمرو ابن اُمیہ کی رائے

بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ عرب میں پہلے لوگ جنہوں نے ستاروں کو ٹوٹنے (یعنی ان کے ذریعہ شیطانوں کو مارے جاتے ہوئے) کو دیکھا وہ بنی ثقیف کے لوگ ہیں۔ یہ لوگ یہ نئی بات دیکھ کر گھبرائے اور فوراً اپنے ایک عالم کے پاس آئے جس کا نام عمرو ابن اُمیہ تھا۔ یہ شخص عرب میں انتہائی عقلمند اور سمجھ دار آدمی سمجھا جاتا تھا۔ یہ اندھا تھا اور لوگوں کو ہونے والے واقعات کے متعلق خبریں دیا کرتا تھا۔ غرض ان لوگوں نے عمرو سے آکر کہا۔

”اے عمرو! کیا تم نے نہیں دیکھا یعنی سنا کہ آسمانوں میں ستارے ٹوٹنے اور مارنے کی جیسی عجیب اور نئی بات پیش آرہی ہے؟“

اس نے کہا

”بے شک۔ (سنائے) اس لئے دیکھو! اگر یہ ٹوٹنے والے ستارے وہ مشہور ستارے ہیں جن کے ذریعہ خشکی اور سمندروں میں لوگ راستے یعنی سمتیں معلوم کرتے ہیں اور جن سے گرمی اور سردی کے موسموں کا پتہ چلایا جاتا ہے (یعنی مریخ زہرہ وغیرہ وغیرہ) تو سمجھ لو کہ اس دنیا کے انجام اور اس مخلوق کے تباہ ہونے کا وقت آچکا ہے۔ لیکن اگر یہ مشہور ستارے اپنی جگہوں پر موجود ہیں اور ٹوٹنے والے ستارے ان کے علاوہ دوسرے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ کوئی اہم اور نیا واقعہ پیش آنے والا ہے جو اللہ تعالیٰ مخلوق کے سامنے لانا چاہتا ہے۔“

ستاروں کے ذریعہ موسموں وغیرہ کا پتہ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک مخصوص ستارہ مغرب میں چھپ جاتا ہے تو اسی وقت مشرق میں اس کے مقابل ایک نیا ستارہ ابھرتا ہے اور یہ دور ہر تیرہ دن کے بعد ہوتا ہے۔ اس تبدیلی کو عربی میں نوء کہتے ہیں (جس سے نبوی مختلف اندازے لگاتے اور پیشین گوئیاں کرتے

ہیں نوع کا مطلب ایک ستارے کا مغرب میں چھنا اور اس کے رقیب ستارے کا مشرق سے ابھرنا ہوتا ہے جو اسی تیرہ دن کی مدت میں ہوتا ہے۔

عرب کے لوگ بادشوں، ہواؤں اور گرمی و سردی کے ہونے کو ان ہی ستاروں میں سے چھپنے والے ستارے یا بھرنے والے ستارے کی تاثیر کہتے تھے۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ:-

”فلاں نوع یعنی ڈوبنا یا بھرنے والے ستارے کے ذریعہ ہمارے یہاں بادش ہوگی۔“

اس مسئلے پر معاہدہ حدیبیہ کے بیان میں تفصیل سے بحث آئے گی۔ (غرض اس تفصیل کے بعد عمر و ابن امیہ کے متعلق حریدہ بتلاتے ہیں جس کے پاس بنی ثقیف کے لوگ ستاروں کے ٹوٹنے کا واقعہ دیکھ کر گئے تھے) ایک روایت کے مطابق عمر و نے یہ کہا تھا کہ (اگر وہ ٹوٹنے والے ستارے مشہور ستاروں میں سے نہیں ہیں تو)

”یہ کوئی ایسا معاملہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ مخلوق کے سامنے لانا چاہتا ہے اور کوئی نئی عرب میں ظاہر ہونے والا ہے جس کے بارے میں چرچے بھی ہیں۔“

یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ستاروں کے ذریعہ تو شیطانوں کو آنحضرت ﷺ کے ظہور کے وقت سے پہلے بھی مد اور بھگایا گیا ہے یعنی آپ کی ولادت کے وقت بھی ایسا ہو چکا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ستاروں کے مارے جانے سے مراد یہ ہے کہ پہلے کے مقابلے میں اس وقت سے بہت زیادہ ستارے مارے جانے لگے (یعنی پہلے صرف مخصوص اوقات میں ایسا ہوا ہے جبکہ آپ کے ظہور کے وقت سے یہ واقعات بہت زیادہ ہونے لگے) لہذا آپ کے ظہور کے وقت سے یہ فرق ہوا کہ مارے جانے والے ستارے اپنے نشانوں پر پڑنے لگے خطا نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ بعض محدثین نے کہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی یعنی آپ کے ظہور کا وقت قریب آگیا تو شیطانوں کو ستاروں کے ذریعہ اتنا زیادہ مار اور بھگایا جانے لگا کہ اس سے پہلے بھی یہ واقعات اتنی کثرت سے نہیں ہوتے تھے (چنانچہ لوگوں نے یہ حادثہ دیکھا تو وہ حیران اور خوفزدہ ہوئے اور) عبدالمطلب کی پاس آئے جو اندھا تھا ان لوگوں نے اس سے کہا۔

ان واقعات کی وجہ سے لوگ بہت خوفزدہ اور پریشان ہیں اور (اللہ تعالیٰ کو راضی کرانے کے لئے) اپنے غلاموں کو آڑ کر رہے ہیں اور اپنے مویشیوں کو سیہ بٹھ رہے ہیں (یعنی ناک کان کتر کر جوں کے نام پر چھوڑ رہے ہیں جس کی تفصیل میرت حلیہ اردو گوشت خانہ میں گزر چکی ہے)۔

عبدالمطلب نے کہا۔

”جلدی مت کرو بلکہ دیکھو۔ اگر یہ وہ مشہور ستارے ہیں جن میں سے خشکی اور تری میں محبتیں دیکھی جاتی ہیں اور موسم کے متعلق پیشین گوئی کی جاتی ہے تب تو لوگوں کے خا ہونے کا وقت آگیا ہے۔ اور اگر یہ وہ مشہور ستارے نہیں ہیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نیا اور اہم واقعہ ظاہر ہونے والا ہے۔“

اب لوگوں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ ٹوٹنے والے ستارے وہ مشہور ستارے نہیں تھے تو انہوں نے کہا کہ یہ واقعات کسی نئے واقعہ کی علامت ہیں۔

(ی) امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

”ستاروں نے آسمان کا سہارا ہوا کہ جب ستارے نہیں رہیں گے تو آسمان سے وہ تمام مصیبتیں نازل ہوں گی جن سے مخلوق کو ڈر لیا گیا ہے۔ اسی طرح میں اپنے صحابہ کا سہارا ہوں جب میں نہیں رہوں گا تو صحابہ کے سامنے وہ ساری چیزیں آئیں گی جن سے انہیں ڈر لیا گیا ہے۔ اور میرے صحابہ میری امت کے لئے سہارا ہیں جب صحابہ نہیں رہیں گے تو امت میں وہ ساری غمگینیاں ظاہر ہوں گی جن سے انہیں ڈر لیا گیا ہے۔“

(غرض اس درمیانی تفصیل کے بعد اصل واقعہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جب بنی ثقیف کو عمرو ابن امیہ نے ایک نبی کی آمد کی خبر دی تو اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق سن لیا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ابن امیہ بن حرب طائف پہنچے (جہاں کا یہ قبیلہ بنی ثقیف تھا) انہوں نے آکر لوگوں کو خبر دی اور کہا۔

شہاب پھینکنے کا سلسلہ ظہور کے وقت شروع ہوا

”محمد ابن عبد اللہ یہ دعویٰ لے کر کھڑا ہوا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا نبی ہے۔“ (گزشتہ سطروں کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کا زمانہ قریب آیا تو اس وقت شیطانوں اور جنات کو شہاب اور ستارے مار کر آسمانوں میں پھینچنے سے روک دیا گیا مگر ایک روایت حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں جو اس کے خلاف ہے۔ وہ یہ ہے کہ ”جب وہ دن آیا جس میں آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو شیطانوں کو شہاب مار کر آسمانوں کی خبروں کی سن گئی لینے سے روک دیا گیا۔“

اور بنی ثقیف کے متعلق پیچھے کی سطروں میں دو روایتیں گزری ہیں جن میں سے ایک کے مطابق انہوں نے عمرو ابن امیہ سے آکر ستاروں کے ٹوٹنے کے متعلق سوال کیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے عبد یلیل سے اس بارے میں پوچھا تھا۔ ہر حال اس سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا کہ انہوں نے ان دونوں آدمیوں سے اس بارے میں سوال کیا ہو۔ اور یہ کہ دونوں اندھے رہے ہوں۔ ساتھ ہی یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ ایک ہی ہو لیکن جس شخص سے ان لوگوں نے جا کر سوال کیا اس کے نام میں رلیوں کا اختلاف ہو گیا ہو چنانچہ بعض رلیوں نے اس کو عمرو بن امیہ کہا اور بعض نے عبد یلیل ابن عمرو کہا۔

یہ واقعہ جیسا کہ ظاہر ہے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور ظہور کے وقت کا ہے اس واقعہ سے دو روایت غلط ہو جاتی ہے جسے علامہ بلوردی نے شیخ نجم غیطی سے نقل کیا ہے جو ہمارے اکابر میں سے کسی کے شیخ ہیں۔ انہوں نے اسی اپنی روایت کو قبول بھی کیا ہے جو یہ ہے۔

ستاروں کے مارنے کا سبب یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجے گا تو وہ فرمایا تو آپ کی پیدائش سے بھی پہلے ستاروں کے ٹوٹنے کے واقعات بہت زیادہ بڑھ گئے۔ ان بڑے حادثات کی وجہ سے عرب کے اکثر لوگ بہت زیادہ گھبرائے اور وہ اپنے ایک اندھے کاہن کے پاس پہنچے۔ یہ شخص ان کو نئے ظاہر ہونے والے واقعات کے بارے میں خبریں دیا کرتا تھا۔ ان لوگوں نے اس سے جا کر ستاروں کے ٹوٹنے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا۔

”تم لوگ بارہ برجوں کو دیکھو۔ اگر ان میں سے بھی کوئی ٹوٹ چکا ہے تو سمجھو کہ دنیا کا آخر آ پہنچا ہے۔“

لیکن اگر ان میں سے کوئی کم نہیں ہوا ہے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ دنیا میں کوئی عظیم اور نیا انقلاب ظاہر ہونے والا ہے۔“

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ظہور وہی عظیم اور نیا انقلاب تھا۔

علامہ مابوروی کی یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ جن روایتوں میں ستاروں کے ٹوٹنے کے واقعات آپ کی بعثت اور ظہور کے وقت بتلائے گئے ہیں وہاں ظہور سے مراد آپ کی پیدائش ہے (لیکن یہ صحیح نہیں ہے) لہذا اس روایت سے ولادت کا لفظ ہٹانا ہوگا جس کے بعد بات صاف ہو جاتی ہے کیونکہ جیسا کہ بیان ہوا ستاروں کا کثرت سے ٹوٹنا آپ کی نبوت اور ظہور کے وقت ہوا ہے نہ کہ آپ کی پیدائش کے وقت۔

اسی طرح بنی اہلب کے لوگ بھی ستاروں کے ٹوٹنے کے واقعات دیکھ کر گھبرا گئے تھے چنانچہ ابولہب یا کسب ابن مالک نے بیان کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ سے کہات کے متعلق تذکرہ کیا میں نے عرض کیا۔

خطر کا بہن کا حیرت ناک واقعہ..... ”آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ ہم وہ پہلے لوگ ہیں جن کو آسمانوں کی حفاظت شروع ہونے اور جنات کو آسمانوں کی خبروں کی سن گن لینے سے روک دیئے جانے کا پتہ چلا۔ یہ واقعہ یوں ہوا کہ ہم لوگ ایک دفعہ ایک کا بہن کے پاس پہنچے جس کا نام خطر ابن مالک تھا۔ خطر کے بارے میں کتاب نور میں ہے کہ مجھے اس کے تفصیلی حالات کا پتہ نہیں چل سکا اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ آیا وہ مسلمان ہوا تھا یا نہیں۔ غرض یہ ایک بہت بوڑھا آدمی تھا اس کی عمر دو سو اسی (۲۸۰) سال ہو چکی تھی یہ ہمارے سب سے بڑے کاہنوں میں سے تھا۔ ہم نے اس سے کہا:-

”اے خطر! کیا تمہیں ان ستاروں کے متعلق بھی کچھ معلومات ہیں جو آج کل مارے جا رہے ہیں۔ ہم لوگ اس حادثہ سے بہت گھبراہٹ ہوئے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ نہ معلوم انجام کیا ہوگا؟“

اس نے کہا۔

”میرے پاس صبح کو۔ یعنی منہ اندھیرے اخیر رات میں آتا۔ اس وقت میں تمہیں بتاؤں گا کہ واقعہ کیا ہے کیا اس میں کوئی خیر ہے یا برائی ہے۔ اور کیا یہ امن و سکون کی علامت ہے یا پریشانی اور خوف کی۔“

ابولہب (جن سے مراد آپ کا چچا ابولہب نہیں ہے) کہتے ہیں کہ اس دن ہم اس کا بہن کے پاس ہے لوٹ آئے۔ اگلے دن اخیر رات میں ہم پھر اس کے پاس آئے تو ہم نے دیکھا کہ وہ کھڑا ہوا آسمان کی طرف آنکھیں لگائے گھور رہا ہے۔ ہم نے فوراً اس کو پکارا اپنا نام سن کر اس نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ ذرا خاموش رہو چنانچہ ہم ہر گئے۔ اسی وقت آسمان میں ایک بڑا ستارہ ٹوٹا اور اس کے ساتھ ہی وہ بڑے زور سے چیخا۔

”گگ گیا۔ اس کے گگ گیا۔ اس کے انجام نے اس کی مصل خط کر دی۔ اس کے عذاب نے اس کو جلد ہی آلیا۔ شہاب نے اس کو جلاؤ اللہ وہ خبر لانے والا تھا مگر اس سے پہلے اس کو بیکار کر دیا گیا۔ افسوس ہے اس کی حالت پر۔ اس کو مصیبتوں نے گھیر لیا۔ اس پر بار بار تباہی آئی۔ اس کے راستے بند کر دیئے گئے اور اس کے حالات کو ہی بگاڑ ڈالا۔“

(مطلب یہ ہے کہ آسمان میں ہونے والی تبدیلیوں کا سبب معلوم کرنے کے لئے اس کا بہن نے اپنے تابع جن کو بھیجا کہ وہ آسمانوں سے اس کے متعلق کچھ سن گن لے کر آئے جس وقت وہ کا بہن اس جن کو

آسمان میں منڈلاتے دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک شہاب مارا گیا جو اس جن کے لگا لودہ جل کر ہلاک ہو گیا۔ جس پر اس کاہن کی چیخ نکلی اور پھر اس نے غم و افسوس کے ساتھ یہ جملے کے جو لو پر بیان کئے گئے۔
خطر کاہن کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے متعلق اطلاع..... اس کے بعد وہ بہت دیر تک
 خاموش رہا پھر کہنے لگا۔

”اے نبی خطا ان کے گروہ! میں تمہیں صاف صاف بتائے دیتا ہوں۔ اور کہجے اور لوہا کا ان یعنی حجر اسود کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ اور اس امن کے گوارے یعنی مکہ شہر کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہم خدمت گزار ہیں۔ کہ جنات کو آسمانی خبروں کی سن گُن لینے کی ممانعت ہو گئی ہے۔ طاقت و ستاروں کے ذریعہ آسمانوں کی جنات سے حفاظت کی جلد ہی ہے۔ یہ سارا اہتمام اس عظیم الشان نبی کی وجہ سے کیا جا رہا ہے جو وحی اور کتاب الہی کے ساتھ ظاہر ہوں گے اور ہدایت اور قرآن جیسا عظیم صحیفہ لے کر آئیں گے۔ اور جن کے ظہور کی وجہ سے جنوں کی پوجا باطل اور ختم ہو جائے گی۔“

ابو لب کہتے ہیں یہ سن کر ہم نے اس سے کہا۔

تمہارا ابراہوے خطر! تم قومیت بڑے معاملے کی خبر دے رہے ہو مگر پھر تم اپنی قوم کے لوگوں کو کیا مشورہ دیتے ہو؟“
 اس نے کہا

لوی لقومی ما لوی لنفسی . ان یجوا خیر نبی الانس

ترجمہ: اپنی قوم کے بارے میں میری وہی رائے ہے جو خود اپنے متعلق ہے کہ وہ انسانوں کے اس بہترین و خیر کی پیروی کریں۔

برہانہ مثل شعاع الشمس . یبعث فی مکة دار الحس

ان کی نشانیاں اور علامتیں سورج کی روشنی کی طرح صاف ہیں اور وہ مکہ کے جیسے قریش کے مرکز میں ظاہر ہوں گے۔

بمع حکم التزیل غیر الکبس

اور مضبوط اور معتبر آسمانی کتاب لے کر۔

(ان شعروں میں مکہ کو دار الحس کہا گیا ہے۔ جس سے مراد قریش اور وہ لوگ ہیں جو قریشی لڑکیوں کے علاوہ دوسروں کے پیٹ سے پیدا ہوئے جس سے مراد شدت اور سختی ہے مراد ہے دین میں شدت) قریش کے لوگ عرب کے معزز خاندانوں میں بھی اگر اپنی لڑکیاں بیٹھتے تھے تو اس شرط پر کہ ان کی ولادت میں جس باقی رہتا چاہئے۔ قریش کے لوگ عرب کے قبیلوں میں اپنے جس اور شدت کے لئے مشہور تھے۔ اسی بنا پر انہوں نے جنگ و جدل سے ہاتھ اٹھالیا تھا کہ اس کے ذریعہ خول ریزی اور بدکاری پیدا ہوتی ہے چنانچہ قریش کے لوگ تجارت کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

اسی لئے قریش کو جس کا جاتا تھا۔ ان کا یہ نام اس لئے پڑا کہ یہ لوگ اپنے دین کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ حمار کے معنی شدت ہی کے ہیں۔

غرض (خطر کے یہ شعر سن کر) ہم نے اس سے کہا۔

”اے خطرناک غی کون شخص ہے؟“

اس نے کہا

”زندگی لوہا پٹی جان کی قسم وہ قریش میں سے ہوگا اس کے ہم نوا نظام حق پر حملہ پھیلانے سے پہلے ہوئے نہیں ہوں گے۔ اس کے مزاح اور ملاحوں میں کوئی برائی نہیں ہوئی۔ وہ لشکر کے ساتھ ظاہر ہو گا۔ وہ لشکر آل قحطان اور آل انش کے ہوں گے۔“

یہاں آل قحطان سے مراد یہ ہے کہ انصاری مسلمان ہیں۔ چنانچہ ان کو آنحضرت ﷺ نے بھی اپنے اس ارشاد میں آل قحطان فرمایا ہے۔

”قحطان کی اولاد میں ایمان گم رہا ہے۔“

آل انش سے مراد یاجوت جنت کا ایک مومن اور مسلمان قبیلہ ہے جو اپنے آپ کو انش کی اولاد دیتے ہیں جو جنت میں ایک بڑا شخص تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ انش سے مراد مہاجر صحابہ ہیں۔ (ی) کیونکہ مہاجرین کے بارے میں انش کا لفظ اس طرح استعمال ہوتا ہے کہ ان ملاحوں میں شامل ہے۔ کیونکہ انش کا لفظ تریف کے لئے استعمال ہوتا ہے کہ فلاں شخص انش ہے جو اس جملے کا مخفف ہے کہ اسی شخص کو یعنی وہ اتنا بلند اور عظمت والا ہے کہ اس کی بلندی اور بڑائی ظاہر کرنا ممکن نہیں ہے۔

ایک روایت میں انش کے بجائے قحطان آتا ہے۔ فرض اس پر ہم نے خطر کا من سے کہا۔

”جب ہمیں یہ بھی بتاؤ کہ وہ نئی قریش کی کس شاخ میں سے ہو گا؟“

اس نے کہا۔

”قسم ہے اس بیت اللہ کی جس کے ساتھ جزیرہ اور چاند مرہ ہیں۔ وہ نئی ہاشم کی نسل میں سے ہو گا جو شریف اور معزز خاندان ہے اور وہ بنو خزیمہ جگوں کے ساتھ ظاہر ہو گا۔ ہر عالم کو ہلاک کرے گا۔“

اس کے بعد اس کا من نے کہا۔

”یہ وہ خیر ہے جو مجھے جنت کے مردار بنے دی ہے۔“ پھر اس نے عرب کا ایک بزرگ۔ حق اگر ظاہر ہو گیا جنت کے آسمانی خبریں حاصل کرنے کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔“

اتنا کہ کردہ پھر خاموش ہو گیا اور اس پر یہ ہوشی ظاہر ہو گئی۔ اس کے بعد وہ تین دن بعد چلا اور

تب اس نے کہا۔

لا الہ الا اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

ابو اسب سے یہ واقعہ سننے کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

”سبحان اللہ! اس نے بالکل اس طرح کلام کیا جیسے وہ شخص کرتا ہے جس کے پاس وحی آتی ہے۔“

ایہاں پیش کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ اس کے احکام میں پیش نہیں ہو گا جس کا مطلب ہے حق سے گریز نہیں ہو گا۔ عربی میں کہا جاتا ہے کہ طأش السهم عن الهدف یعنی تیرا پے نشانے سے ہٹ کر لگا۔

یہاں کلام کا لفظ استعمال ہوا ہے جو اہم کی مح ہے اور خود اہم اہم کی مح ہے جس کے معنی کوئی کے پانی کے ہیں یہاں مراد حرم کا توں ہے یا پھر یہاں کلام سے مراد حرام ہے جو ان پر عہدوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو پانی پر مندرجہ ہوں۔ اس طرح یہاں مراد کے کے کیوتہوں کے۔

تلاش کرنے کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد: (قال) اسی طرح ایک دروہ تھا ہے جس کو سلم نے حضرت عباسؓ سے بیان کیا ہے اور ان عباسؓ نے انصاری مسلمانوں کی ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا۔

”جاہلیت کے زمانے میں یعنی نبوت سے پہلے جب اس طرح کوئی سید، نواسہ، قوم لوگ کیا کیا کرتے تھے؟“

لوگوں سے کہا

”یہ رسول اللہ اس وقت جب ہم سلاخوں میں لٹکے ہوئے دیکھتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے۔“

آپ نے یہ سن کر فرمایا۔

”میں یہ بات اس طرح نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ کوئی فیصلہ فرماتے ہیں تو حشر کو اٹھانے والے فرشتے اس کو سنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اس تسبیح کو سن کر ان سے نچلے درجہ میں جو فرشتے ہیں اللہ بھی تسبیح کرتے ہیں، پھر ان کی تسبیح سن کر ان کے نیچے والے تسبیح بیان کرتے ہیں پھر اسی طرح ایک سے دوسرے تک پہنچتی ہے یہاں تک کہ آسمان دنیا کے فرشتے سنتے ہیں اور تسبیح بیان کرتے ہیں پھر لوہے کے فرشتے ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔“

”تم نے اس وقت یہ تسلیج کیوں کی؟.....؟“

وہ جواب میں کہتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے ایسا فیصلہ فرمایا ہے جو وہاں ظاہر ہونے والا ہے۔“

[illegible]

نکاحی میں اس بات نے میں یہ دلالت ہے

”جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی قیلولہ فرماتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے خوف و رعب سے اس طرح اپنے پر پھنکھڑاتے ہیں جیسے سچے چمڑے نہ تھک رہی جاتی ہے۔ مگر جب ان کی گھبراہٹ کچھ کم ہو جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں۔

”تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟“

جواب میں وہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے جو بڑی اور زبردست شان والا ہے یہ یہ فرمایا ہے۔
 اس کو کچھ نہ کچھ سن گئے لیکن والے شیاطین بھی سن لیتے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ فرشتے ان سن گئے لے کر
 جانے والوں کے شہاب مدتے ہیں۔ اب کچھ اس بھاگنے والے جن کے وہ شہاب لگ جاتا تھا اور وہ جس کو خیر
 دینے جا رہا تھا اس کے پاس نہیں پہنچتا تھا کیونکہ ہزار ہاں کو ہر ایک دیتا تھا۔ (حدیث)۔

یہاں فرشتوں کا یہ قول جو ہے کہ حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے اور اس کے بعد وہ اس کا ذکر کرتے ہیں کہ
 اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لئے ایسا ایسا فیصلہ فرمایا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور آگے بھی آ رہا ہے اسی طرح
 آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ۔ جاہلیت کے زمانے میں جب سداے موت تھے تو تم کیا سمجھا کرتے تھے۔ ان
 سب باتوں سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان فیصلہ یعنی
 فترت کے دور میں بھی یہی خبروں کی حفاظت کے لئے اسی طرح شیاطین پر شہاب پھینکے جاتے تھے یعنی
 آنحضرت ﷺ کی ولادت سے پہلے کے زمانے میں بھی یہی ہو رہا ہے مگر آگے حضرت ابی ایمن کعب کی روایت
 سے حدیث آ رہی ہے جو اس کے خلاف ہے۔

آپ کے ظہور کے بعد کمانت ختم ہو گئی..... ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے کاہلوں کے بے میں
 پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔

”ان کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔“

صحابہ نے عرض کیا۔

”مگر یہ رسول اللہ! کبھی وہ لوگ ہمیں ایسی باتیں بتلا کر رہے تھے جو درست ثابت ہوتی تھیں!“

آپ نے فرمایا۔

”اس قسم کی خبریں انہیں جنوں سے ملتی تھیں جن کو جنات (آسمانوں میں سے) اُچک لایا کرتے تھے
 اور پھر ان کو اپنے کاہن تک پہنچا دیا کرتے تھے مگر اس خبر میں وہ اپنی طرف سے سبکدوڑ جھوٹ باتیں بھی ملا دیا
 کرتے تھے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے شیاطین کو ان شاہوں کے ذریعہ آسمانوں تک پہنچنے سے روک دیا جو ان پر پھینکے
 جاتے ہیں اس لئے اب کمانت ختم ہو گئی اور آج کوئی کمانت باقی نہیں ہے۔“

(ی) بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

فرشتے ہاتھوں میں اپنے درمیان وہ باتیں ذکر کرتے ہیں جو زمین پر پیش آئے والی ہوتی ہیں شیاطین (جو)
 فضاؤں میں منڈلاتے پھرتے ہیں ان باتوں کو سن لیتے ہیں اور پھر زمین پر آ کر ان کو اپنے کاہلوں کے کانوں میں
 ڈال دیتے ہیں اور ان میں سبکدوڑ جھوٹی باتیں اپنی طرف سے ملا دیتے ہیں۔“

مگر (ان سب روایتوں کے ساتھ ساتھ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فترت کے دور میں یعنی
 آنحضرت ﷺ کی ولادت سے بھی پہلے شیاطین پر سداے پھینکے جاتے رہے ہیں) ایک روایت یہ بھی ہے جو
 حضرت ابی ایمن کعب بیان کرتے ہیں کہ۔

”جب یہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا اس وقت سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کے وقت تک
 بالکل شہاب نہیں پھینکے گئے اور آپ کے ظہور کے بعد پھینکے گئے۔ چنانچہ جب قریش نے یہ واقعہ دیکھا جو اس

سے پہلے انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا تو وہ گہرا کر عبدالمیل کے پاس پہنچے۔ (جس کے بعد کی تفصیلات گزر چکی ہیں)۔

اقول: مختلف کہتے ہیں اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے شباب نہیں چھٹکے تھے یہاں ظہور کے قریب زمانے میں آپ کی ولادت کا زمانہ بھی شامل ہے لہذا یہ گزشتہ روایت کے خلاف نہیں ہوتی۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمدی علیہ السلام کے اٹھائے جانے سے پہلے ہندو سے چھٹکے جاتے تھے یہ بات حضرت اکرم علیہ السلام کے زمانے اور ان کے بعد کے رسولوں کے زمانوں پر بھی صادق آتی ہے۔

یہ قول علامہ زہری کے اس قول کے مطابق ہے کہ آسمانوں میں شیاطین کے پہنچنے کی ممانعت اور ان کے شباب جلا کر شہ زبانون میں ظہور سے پہلے کے دور میں ہوا ہے۔ (ی) یعنی رسولوں کے زمانوں میں نہ کہ فترت کے زمانوں میں جو کہ دو تہہ زبانون کا زمانہ ہوتا ہے یہ قول تفسیر کشاف کا بھی ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اسی طرح حکم ظاہر ہے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور دوسرے نبیوں کے زمانوں میں بھی شیاطین پر شباب چھٹکے گئے ہیں۔ واقعہ بھی یہی ہے اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ شباب جن کے چھٹکے جاتے تھے تاکہ رسولوں پر نازل ہونے والی وحی کی حفاظت ہو سکے۔

اب جہاں تک ان زمانوں کا تعلق ہے جن میں نبی اور رسول نہیں رہے جو رسولوں کے درمیان فترت کا زمانہ کہلاتا ہے تو ان زمانوں میں شیاطین آسمانوں میں کچھ مخصوص ٹھکانوں پر پہنچ کر وہاں کی باتوں کی کچھ سن گئے لیتے تھے اور پھر ان خبروں کو اپنے کانہوں تک پہنچاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی مخلوق پر ایسی نگہداشت فرمائی کہ وہ ان کے ذکر فرماتے ہیں۔ (ارشاد باری ہے)

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ
وَجَعَلْنَا مَنَازِلَ لِلْجِبَالِطِينِ

الآیہ ۳۹ سورہ ملک ص ۱

ترجمہ: اور ہم نے قریب کے آسمانوں کو چراغوں یعنی ستاروں سے تزیین کیا ہے اور ہم نے ان ستاروں کو شیطان کے لئے گزریج بھی بنایا ہے۔

دوسری جگہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوْكَبِ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ الْآیہ ۶ سورہ صفت ص ۱

ترجمہ: ہم ہی نے رونق دی ہے اس طرف والے آسمان کو ایک عجیب کر ائیں یعنی ستاروں کے ساتھ اور حفاظت بھی کی ہے ہر شریر شیطان سے۔

اب ان ستاروں کا شیطانوں کے لئے سزا ہونا جو وہ گزشتہ سے پچھتے زمانوں تک کے دوسرے نبیوں کے مقابلے میں خاص طور پر صرف آنحضرت ﷺ کے ظہور کے قریبی وقت سے ہوا۔ چونکہ شباب چھٹکنے کی غرض یہ تھی کہ شیاطین کو چوری چھپے آسمانی خبریں سننے سے روکا جاسکے اس لئے ظاہر ہے کہ آپ کے ظہور سے پہلے شباب نہیں ملے گئے۔ اس دور میں آپ کی ولادت کا زمانہ بھی شامل ہے۔

اس قول کی موافقت ابن اسحاق کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی رسالت کا زمانہ

قریب آگیا اور آپ ﷺ کے ظہور کا وقت آگیا تو شیاطین کو آسمانوں تک پہنچنے سے روک دیا گیا۔

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت بھی ماسی کی تائید کرتی ہے کہ :-

”جب وہ دن آگیا جس میں آنحضرت ﷺ کو نبوت ملنے والی تھی تو شیطانوں کو آسمان خبریں سننے سے روک دیا گیا اور ان پر شہابِ مد سے گھسے شیطانوں نے اس تبدیلی کا اطمینان سے ذکر کیا اس نے کہا

”شاید لوحِ مقدس یعنی فلسطین میں تمہارے مقابلے پر کوئی نئی ظاہر کیا گیا ہے۔“

خاص طور پر لوحِ مقدس کا نام اس لئے لیا کہ یہ سرزمین ہمیشہ نبیوں اور رسولوں کا مرکز رہی ہے۔
لہذا اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اطمینان کے نزدیک بھی شہاب کا پھینکا جانا کسی نئی کے ظہور کی علامت رہا ہے۔

چنانچہ شیاطین لوحِ مقدس کی طرف تحقیق کے لئے گئے وہاں آکر انہوں نے کہا

”اس سرزمین میں کوئی نئی ظاہر نہیں ہوا۔“

سنبلی کینہ حیدر اذلیف آباد

اس کے بعد خود اطمینان کے کی طرف گیا کیونکہ نبیوں کے مرکز کے بعد اسی سرزمین میں کسی نئی کے ظہور کا امکان ہو سکتا تھا وہاں اس نے عذر جرائیں آنحضرت ﷺ کو جو جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دیکھ کر پھر وہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آگیا اور ان سے بولا۔

”میرے مقابلے کا ظہور ہو گیا ہے اور جبرئیل ان کے ساتھ ہیں۔“

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب شیاطین نے اطمینان کو آکر بتلایا کہ ان کو آسمانوں میں پہنچنے کی ممانعت ہو گئی ہے تو اس نے ان سے کہا۔

”یہ کوئی نئی بات زمین میں ظاہر ہوئی ہے اس لئے تم ہر علاقے کی مٹی میرے پاس لے کر آؤ۔“

چنانچہ شیاطین سب جگہوں کی مٹی لے کر آئے تو وہ ان کو سو گدھ سو گدھ کر دیکھنے لگا جب اس نے ان کے کی مٹی سو گدھی تو فوراً بولا۔

”یہ نیواقلہ اسی سرزمین میں ہوا ہے۔“

شیاطین فوراً ان کی طرف آئے تو انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے۔

اقول۔ مؤلف کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے جب شیاطین آگئے ہوں تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ لینے کے باوجود اطمینان سے آگے نہ بڑھا اور اس لئے اطمینان خود گیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اطمینان شیاطین سے آنحضرت ﷺ کے ظہور کی اطلاع ملنے کے باوجود خود بھی گیا ہو تاکہ اسے یقین ہو سکے۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کے وقت شہاب پھینکے جانے لگے تھے یعنی ظہور کے وقت کے قریب ایسا ہونے لگا تھا ظہور سے پہلے کے زمانے میں جس میں آپ کی ولادت کا زمانہ بھی شامل ہے ایسا نہیں ہوتا تھا (جبکہ کچھ صفحات میں یہ بات گزری ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت ایسا ہوا) اسی لئے آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت اطمینان اور اس کے چیلوں کے ساتھ شہاب پھینکے جانے کا واقعہ ماننے میں مشکل پیدا ہوتی ہے اسی لئے پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ ممکن ہے رولوی نے غلط فہمی کی وجہ سے یہ بات کہی ہو۔

نوح اس بعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایلیس کو یہ معلوم نہیں تھا کہ شیطانوں پر شباب کا چھٹکا جانا آنحضرت ﷺ کے ظہور کی علامت ہے جب کہ اس سے پہلی روایت ہے کہ ایلیس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شباب کا چھٹکا جانا ایلیس کے نزدیک آپ کے ظہور کی علامت تھا (اس لئے اس نے شیاطین سے کہا کہ شاید مرض مقدس میں قہمدے خلاف نبی کا ظہور ہو چکا ہے) لیکن دونوں روایتوں سے یہ بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ ایلیس کو نہ تو آپ ﷺ کے سر پا کا علم تھا اور نہ آپ کے ظہور کی جگہ کی خبر تھی۔ واللہ اعلم۔

قصیدہ ہمزید کے شاعر نے بھی ان شعروں میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آسمانوں میں شیطانوں کے دغلی پر پاندی آپ ﷺ کے ظہور کے وقت لگی۔

بَعَثَ اللَّهُ جَنْدَ مَعَهُ الشَّيْطَانِ جَرَسًا وَصَاقَ عَيْنَهَا الْقَضَاءُ

ترجمہ: آپ کے ظہور کے وقت اللہ تعالیٰ نے سپر شہر شاہوں سے آسمانی خبروں کی حفاظت فرمائی۔

تَطْرُدُ الْجِنَّ عَنْ مَقَاعِدِ السَّمْعِ كَمَا يَطْرُدُ الْمَلَأَى الْوَحَاءُ

جنوں نے جنت و شیاطین کو ان کے کن کن لینے کے ٹھکانوں سے اس طرح دھکیل دیا جس طرح جواہرے بھڑیوں کو دھکیل دیتے ہیں۔

فَمَعَتْ أَلَمَ الْكَلَمَاتِ لَا يَأْتِي مِنَ الْوَحْيِ مَالِكٌ مِنَ الْمَعَاءِ

اور اس طرح وحی کی نشانوں نے کلمات کی نشانوں کو نیست و نابود کر دیا جبکہ خود وحی کی نشانیاں شیطانوں کے ہاتھ میں ہیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے وقت اللہ تعالیٰ نے جنت سے آسمانوں کی حفاظت کی خاطر ان پر آگ کے شعلے برسائے۔ یہ شعلے تعداد میں اتنے زیادہ تھے کہ انہوں نے آسمانوں میں پہنچنے کے تمام راستوں کو بند کر دیا۔ ان شاہوں نے جنت کو آسمانوں میں ان کے ٹھکانوں سے ڈھکیل دیا جہاں بیٹھ کر وہ فرشتوں کے درمیان ہونے والی غیب کی وہ باتیں چسپ کر سکتے تھے جو زمین میں وحش آسنے والی ہوتی تھیں۔ ان شاہوں نے اتنی تیزی کے ساتھ شیاطین کو دھکیل دیا جتنی شدت کے ساتھ جواہرے ان بھڑیوں کو دھککتے ہیں جو ان کی بکریوں پر حملہ کرنے کا راہ دہ کرتے ہیں۔ اس لئے اس زبردست حفاظت اور دھچک کی وجہ سے وحی کے آہرنے کلمات کے آہر کو نیست و نابود کر دیا جو غیب کی باتوں سے متعلق ہوتے تھے اب جہاں تک خود وحی کے ان آہر کا تعلق ہے تو یہ کبھی نہ ٹھننے والے ہیں بلکہ قیامت تک باقی رہیں گے۔

یہاں ایک اشکال ہو سکتا ہے کہ اگر شباب پھٹک جانے سے مراد وحی کی حفاظت ہے تو یہ سلسلہ صرف آپ کے ظہور (یعنی وحی نازل ہونی شروع ہونے) کے وقت سے ہونا چاہئے۔ ظہور سے پہلے اور آپ کی ولادت کے وقت بالکل نہیں ہونا چاہئے۔

پھر ایک اشکال اور ہے کہ اگر شباب پھٹک جانے کا یہ سلسلہ آپ کے ظہور سے پہلے موجود تھا اور ظہور کے وقت تک مسلسل رہا تو پھر ظہور کے وقت شباب دیکھ کر مریدوں کو گھبرانا نہیں چاہئے تھا۔ پہلے اشکال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ممکن ہے شباب پھٹک جانے کی اصلی غرض تو وحی کی حفاظت ہی ہو لیکن وحی کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے یہ شباب بطور نبوت کی نشانوں یعنی لہجہ کے اور کائناتوں وغیرہ کا اس طرف متوجہ کرنے اور اس سے خوف زدہ کرنے کیلئے شروع کیا گیا ہو۔ لہذا آپ کی ولادت اور ظہور کے قریب شباب کا وجود کسی اشکال کا سبب نہیں رہتا۔

جہاں تک دوسرے اشکال کا تعلق ہے وہ اشکال ابلی اثین کعب کی پیچھے بیان ہوئے ولی روایت ہی سے تعلق رکھتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھانے جانے کے وقت سے شباب کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ پھر جب آنحضرت ﷺ کو نبوت عطا ہوئی تو شباب کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ اسی وجہ سے انہوں نے کہا ہے کہ جب قریش نے (جنہوں نے یہ بات کبھی نہیں دیکھی تھی) یہ انوکھا سلسلہ دیکھا تو وہ گھبرا کر اپنے کاہن عبدیالیل کے پاس گئے (تو گویا یہ اشکال اصل میں حضرت ابلی اثین کعب کی روایت سے ہی پیدا ہوتا ہے)۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ممکن ہے آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے شباب کا جو سلسلہ تھا وہ اس سلسلے سے مختلف ہو جو ظہور کے بعد شروع ہوا۔ یہ فرق یا تو اس طرح کا ہو کہ ظہور سے پہلے شباب کا جو سلسلہ تھا وہ بہت کم تھا اور ظہور کے بعد جو شروع ہوا وہ بہت زیادہ تھا۔ اور یا اس طرح کا فرق ہو کہ ظہور کے بعد شباب ہر طرف سے پھیلنے لگے۔ اس بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سلسلہ ایک ہی جانب سے تھا یا پھر ان میں یہ فرق رہا ہو کہ ظہور کے بعد شاطین پر جو شباب پھیلنے لگے وہ ہمیشہ نشانے پر لگتے لگے جبکہ ظہور سے پہلے کے سلسلے میں جو شباب پھیلنے جاتے تھے وہ کبھی نہیں بھی لگتے تھے۔ فرض اس کے نتیجے میں کچھ شیطاں وہیں ختم ہونے لگے تھے، بعض کے صرف چرے جھلس جاتے اور بعض کے ہوش حواس خراب ہو جاتے۔ (ی) جس کے بعد وہ بموت پریت بن کر لوگوں کو جنگوں اور دہشت میں پریشان کرنے لگے۔

اب اسی بناء پر عرب گھبرا گئے کیونکہ اس سے پہلے شباب ہر طرف سے بھی نہیں پھیلنے جاتے تھے۔ اتنے زیادہ بھی نہیں پھیلنے جاتے تھے اور اکثر نشانے پر بھی نہیں لگتے تھے اسی لئے شاطین آسمان میں اپنے ٹھکانوں پر اکثر ایک سے زائد بار چنچے رہتے تھے اور وہاں غیب کی باتوں کی سن گن لے کر اپنے کاہن کو بتادیا کرتے تھے۔ (ی) اسی لئے آپ کے ظہور سے پہلے کمات کا سلسلہ بالکل ختم نہیں ہوا بلکہ آپ کے ظہور کے وقت تک باقی رہا جبکہ آپ کے ظہور کے وقت بالکل ختم ہو گیا اسی لئے آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ آج کمات کا نام نشان باقی نہیں ہے۔

مگر یہ ساری بحث صرف اسی صورت میں ہے جبکہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کو مان لیا جائے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت بھی شباب پھیلنے لگے تھے (کیونکہ اگر اس روایت کو قبول نہ کیا جائے تو پھر یہ اشکال پیدا نہیں ہوتے بلکہ بات صاف رہتی ہے کہ آپ کے ظہور سے پہلے کے زمانے میں شباب کا سلسلہ بالکل نہیں تھا بلکہ جب ظہور کا زمانہ قریب آیا تو شباب پھیلنے جانے شروع ہوئے)۔

(اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ شباب کے ذریعہ وحی کی حفاظت مقصود تھی مگر ایک روایت ایسی ہے کہ وحی کی حفاظت کا انتظام اللہ تعالیٰ نے دوسرا فرمایا تھا کہ وہ روایت جو کتاب اقبال میں حضرت سعید ابن جبیر سے بیان کی گئی ہے یہ ہے :-

”حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی آنحضرت ﷺ کے پاس قرآن پاک کی آیات یعنی وحی لے کر آتے تو ہمیشہ ان کے ساتھ چار فرشتے لہرتے تھے جو محافظ کی حیثیت سے ساتھ کیا کرتے تھے۔“

اسی طرح کتاب بیئوخ میں ابن جریر کی روایت ہے کہ :-

”جب بھی جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آتا کرتے تھے تو ان کے ساتھ ہمیشہ کچھ محافظ فرشتے ہوتے

تھے جو جرئیل علیہ السلام اور اس غی کو جس کے فیض سے وہی آتی تھی اپنے گھروں میں لے لیا کرتے تھے اور شیاطین کو ان دونوں کے قریب نہ آنے دیتے تھے تھے تاکہ شیاطین اس روح کو نہ سن سکیں جو جرئیل علیہ السلام اس غی میں کہیں فیض سے لاکر پہنچا ہے میرا اور میرا روحی کو اپنے کانوں تک نہ پہنچا سکیں۔

جلد اول نصف اول مکمل ہوئی

www.jabirabbas.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina